دیوتا
سترھواں حصہ

چلے دتا

ایک دراز دست شخص کی سرگزشت،
ایک فسوں کار کا قصہ، جس کا جادو سر
چڑھ کر بولتا تھا۔ اس شوریدہ پشت، شوریدہ سر
کا احوال، ایک عالم جس کے خون کا پیاسا تھا۔

میں نے ذرا اونچی آواز میں خود سے سوال کیا "کیا میں تنہا ہوں؟"
میری آواز رات کے سناٹے میں اور پہاڑی علاقے کے ویرانے
میں دور تک گونجتی ہوئی گئی۔ کیا میں تنہا ہوں؟ کیا میں تنہا ہوں؟
میں ہائی وے کی طرف چل پڑا۔ میں تنہا بھی ہوں اور نہیں بھی
ہوں۔ مجھ سے محبت کرنے والی کتنی ہی ہستیاں دن رات میرا انتظار
کرتی ہیں۔ دن رات میرے لیے جان کی بازیاں لگاتی ہیں۔ میرے
لیے دعائیں کرتی ہیں جب تک جاگتی ہیں، میرے بارے میں
سوچتی رہتی ہیں، جب سو جاتی ہیں تو میرے سپنے دیکھتی ہیں۔ میں
خوش نصیب ہوں کہ میں تنہا نہیں ہوں۔

مگر میں تنہا ہوں۔ کبھی میں ایک ہی ماحول اور ایک ہی ساتھی
سے اُکتا جاتا ہوں۔ اُکتانے کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے نفرت ہو جاتی
ہے یا ان سے بیزاری ہو جاتی ہے۔ بس میں ذرا سی تبدیلی چاہتا
ہوں۔ میری قسمت بھی بڑی ستم ظریف ہے۔ ایسے حالات پیدا
کر دیتی ہے کہ ان بے چاریوں کو مجھ سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ میں
نے شیبا کو مخاطب کیا۔ اس نے سانس روک لی۔ میں واپس اپنی
جگہ حاضر ہو گیا۔ مجھے یقین تھا، وہ تصدیق کے لیے میرے پاس
آئے گی مگر نہیں آئی۔ میں نے پھر خیال خوانی کے ذریعے اسے مخاطب
کیا۔ اس نے پھر سانس روک لی۔ اس کے بعد واپس میرے دماغ
میں آکر پوچھا "کیا تم آئے تھے؟"

"ہاں تم نے دو بار مجھے آنے نہیں دیا۔"

"آئندہ بھی آنے نہیں دوں گی۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں۔
مجھ سے بات نہ کرو۔"

وہ واپس چلی گئی۔ میں نے پھر اسے مخاطب کیا تو اس نے
سانس روک لی۔ میں نے مسکرا کر اس کے حال پر اسے چھوڑ دیا۔ ابھی
ناراض ہے۔ بعد میں مان جائے گی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے
مناؤں گا۔

میں نے چندر رہجان سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "گاڑی
بہت پہلے ہی روانہ ہو چکی ہے۔ آپ کے پاس پہنچنے والی ہے۔
آپ ہائی وے کے قریب رہیں۔"

"کیا گاڑی کا ڈرائیور کوڈ ورڈز کے ذریعے مجھے پہچانے گا؟"

"جناب! آپ کو کوڈ ورڈز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے
دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لیں گے، وہ میرا آدمی ہے یا نہیں ہے اور
اس کے اعتماد کے لیے میں نے کہہ دیا ہے، اگر تمہارا دماغ بے قابو
ہو جائے اور تم کسی اجنبی کو... دو عورتوں کے ساتھ گاڑی میں
بیٹھا ہوا دیکھو اور اس کے خلاف کچھ نہ کر سکو تو سمجھ لینا کہ وہ
فرہاد صاحب ہیں۔"

"اب میں تنہا ہوں۔ میرے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ میں نے
عورتوں کو دوسری سمت روانہ کر دیا ہے۔ آپ یہ بتائیں، اگر کوئی
گاڑی ہائی وے پر نظر آئے تو میں کیسے پہچانوں گا کہ وہ میرے
لیے ہے۔"

"آپ سڑک کے کنارے چلتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ڈرائیور
ہیڈ لائٹس کو تین بار بجھائے گا اور جلائے گا۔ آپ اس کے جواب
میں اپنی ٹارچ کو تین بار جلائیں گے، بجھائیں گے۔ وہ آپ کے سامنے
گاڑی لا کر روک دے گا۔"

ٹھیک تین بجے اس ڈرائیور نے میرے سامنے گاڑی لا کر
روک دی۔ ہم نے اسی طرح ہیڈ لائٹس اور ٹارچ کے سگنل سے ایک
دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ پھر میں نے اس سے بات کرنے کے بعد
اس کے دماغ میں جھانک کر یقین کر لیا۔

اس نے پوچھا "اگر میں آپ کو گاڑی میں نہ لے جاؤں تو؟"

"تم مجھے لے جاؤ گے۔"

میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ دوسری طرف سے
گھوم کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گیا۔ اسے گاڑی اسٹارٹ

کر کے واپس گھمانے پر مجبور کیا۔ جب وہ ایک یوٹرن لے کر واپس جانے لگا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونک گیا، گاڑی روک دی۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "سمجھ گیا، آپ ہی ہمارے صاحب ہیں۔"

میں نے جواباً سنجیدگی سے پوچھا "کیا راستے میں پولیس پارٹی گشت کر رہی ہے۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ واپسی میں کوئی ٹکرا جائے تو الگ بات ہے۔"

وہ بڑی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہم ایک گھنٹا بیس منٹ میں منگلا ریلوے اسٹیشن تک پہنچ گئے، اس نے اسٹیشن سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پہ گاڑی روک دی۔ وہیں ایک کار میں چندر بھان موجود تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا، پھر کہا "میں بہت خوش نصیب ہوں، آپ کی خدمت کا موقع مل رہا ہے اور آپ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو رہا ہے۔"

"مسٹر چندر بھان! آپ بڑی عمدگی سے اردو زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بولا "مجھے زبانیں سیکھنے کا خبط ہے۔ میں اردو، فارسی، ہندی، سنسکرت، بنگالی، تامل اور بیرونی ممالک کی زبانوں میں انگریزی، فرانسیسی اچھی طرح سمجھتا اور بولتا ہوں۔ آپ کار میں بیٹھ جائیں۔ گرمی کا موسم ہے۔ آپ کے لیے لنگڑا آم لایا ہوں۔ ہندوستانی آم کھائیں گے تو ہمیں بھی یاد رکھیں گے۔"

ہم ہنستے بولتے ہوئے پچھلی سیٹ پر آ گئے۔ اس نے آموں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے برف میں ڈال رکھا تھا۔ میں آم کھاتا رہا۔ آم کی تعریفیں کرتا رہا اور اس کے آئندہ منصوبوں کو سمجھتا رہا۔

منصوبے کے مطابق ایک شخص بمبئی سے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں دو عورتوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک اس کی بیوی تھی۔ دوسری اس کی سالی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا، میرے ساتھ بھی دو عورتیں تھیں۔ وہ شخص ریڈ پاور سے تعلق رکھتا تھا۔ بمبئی سے جب گاڑی چل پڑی ا۔ رجب ہم پہ آفتاد آپڑی اور ہم ہیلی کاپٹر کے ذریعے ٹھاکر کی بستی میں پہنچ گئے تو چندر بھان نے منصوبہ بنایا کہ اس شخص سے رابطہ قائم کرے، اسے اپنی بیوی اور سالی کے ساتھ منگلا ریلوے اسٹیشن پر اترنے کے لیے کہہ دے۔

اب چونکہ وہ اپنا آدمی تھا۔ اس لیے راضی ہو گیا۔ وہ یہاں اترنے والا تھا اور میں اس کے کمپارٹمنٹ میں سوار ہونے والا تھا۔

پہلی پلاننگ کے مطابق شیبا اور آمنہ بھی میرے ساتھ اس گاڑی میں سفر کرنے والی تھیں مگر اب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ چندر بھان یہ چاہتا تھا کہ جب گاڑی اچانک منگلا ریلوے اسٹیشن کے قریب رکے تو تمام مسافر ایک مرد اور دو عورتوں کو اترتے ہوئے دیکھیں، ریلوے اسٹیشن کے کچھ لوگ بھی اس بات کے گواہ رہیں، بعد میں پوچھ گچھ کرنے والوں کو یہی بیان دیں۔ اس سے یہ سمجھ میں آئے گا کہ فرہاد اپنی دو عورتوں کے ساتھ منگلا ریلوے اسٹیشن کے قریب اتر کر ہائی وے تک آیا ہو گا اور وہاں سے کسی گاڑی میں بیٹھ کر کسی دوسری سمت گیا ہو گا۔

چندر بھان نے اپنے بیگ میں سے کچھ کاغذات نکالے، انھیں دکھاتے ہوئے کہا "ان کاغذات کے مطابق تمھارا نام قادر خان ہے، تم بمبئی کاٹن مل کے جنرل منیجر ہو، اس وقت اپنی کمپنی کے کام سے مدراس جا رہے ہو۔"

میں نے پوچھا "کیا ان کاغذات کے حوالے سے انکوائری نہیں ہوگی۔ اگر بمبئی کاٹن ملز میں پوچھا گیا تو؟"

چندر بھان نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ خاکسار اس مل کا مالک ہے۔ میرے جنرل منیجر کا نام قادر خان ہے، اس کے بعد جو معاملات ہوں گے، میں ان سے نمٹ لوں گا۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "آپ اتنی بڑی مل کے مالک ہیں اور میری خاطر اندھیری رات میں مارے مارے پھر رہے ہیں؟"

"جناب، ریڈ پاور نے ہی مجھے اتنی بڑی مل کا مالک بنایا ہے۔ پھر میں آپ کی خدمت کے لیے کیسے حاضر نہ ہوتا۔"

میں ان کاغذات کو اور جنرل منیجر کے فرائض کو سمجھتا رہا۔ میرا محاسبہ ہوتا تو میں صحیح جوابات دے سکتا تھا۔ چندر بھان نے ایک خوب صورت سا قیمتی بریف کیس کھولا۔ اس میں انڈین کرنسی گڈیوں کی صورت میں تھی۔ لکھنے پڑھنے کا سامان بھی تھا۔ اس نے وہ اہم کاغذات اسی میں رکھ دیے۔ پھر چابیاں دکھاتے ہوئے کہا "آپ کے ساتھ ایک سوٹ کیس جا رہا ہے۔ جس میں آپ کے کپڑے۔۔۔ شیونگ کا سامان اور دوسری ضروریات کی چیزیں ہیں۔ ہم جلدی میں آپ کے لیے معیاری ملبوسات نہیں خرید سکے پھر بھی آپ کا کام چل جائے گا۔"

ایک ماتحت نے آ کر کہا "سر! سگنل ڈاؤن ہو چکا ہے گاڑی آنے والی ہے۔"

چندر بھان نے جیب سے ایک ٹرانسمیٹر نکال کر اسے آن کیا پھر کسی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "تم سب تیار ہو۔"

"یس سر! ہم نے اسٹیشن ماسٹر اور تمام عملے کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔"

"پھر سگنل ڈاؤن کیسے ہو گیا۔ گاڑی کو یہاں رکنا چاہیے۔"

"آپ کو اشارہ دینے کے لیے اسے ڈاؤن کیا گیا ہے، اب سگنل مین اسے اپ کرنے والا ہے۔"

ہم جس کار میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ آؤٹر سگنل کے پاس تھی۔ چندر بھان نے کہا "گاڑی سگنل ڈاؤن نہ دیکھ کر رکنے لگے گی مگر رکتے رکتے اسٹیشن کے قریب پہنچ جائے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی انجن کی سیٹی سنائی دی، مدراس میل پوری رفتار سے دندناتی آ رہی تھی۔ ڈرائیور نے سگنل کو دیکھ لیا ہو گا اس لیے بار بار سیٹی بجا رہا تھا تاکہ اسے ڈاؤن کر دیا جائے مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا، اسے گاڑی کی رفتار سست کرنا پڑی، وہ رفتار کو سست کرتے کرتے، رکتے رکتے تقریباً اسٹیشن تک چلا آیا۔ چندر بھان کی گاڑی بھی ٹرین کے ساتھ ساتھ دوڑتی جا رہی تھی، جب وہ رک گئی تو میں نے فوراً دروازہ کھولا۔ بریف کیس لے کر وہاں سے نکلا۔ ابھی صبح کے پانچ نہیں بجے تھے، کافی اندھیرا تھا مگر میں چندر بھان کے مسلح آدمیوں کو دیکھ سکتا تھا، وہ دوڑتے ہوئے گاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے بھی دوڑ لگائی تھی۔ مجھے گاڑی کا بوگی نمبر اور کمپارٹمنٹ بتا دیا گیا تھا، اس کمپارٹمنٹ کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیوں کہ گاڑی رکتے ہی ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا تھا۔ وہاں سے دو عورتیں اتر رہی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک مرد اپنا سامان لے کر اتر رہا تھا۔

وہاں چندر بھان کے آدمیوں کی اچھی خاصی بھیڑ تھی، اس بھیڑ میں کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر دیکھ بھی لیتا تو بعد میں پہچان نہیں سکتا تھا۔ ایک ماتحت نے میرا سوٹ کیس کمپارٹمنٹ کے اندر رکھ دیا۔ صبح چار پانچ بجے لوگ گہری نیند سوتے ہیں، مسافر بھی سو رہے تھے۔ دو چار کھڑکیاں کھلی تھیں، وہاں سے ایک آدھ مسافر جھانک رہا تھا۔ میں اپنے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا، دروازے کو بند کر دیا۔ کمپارٹمنٹ میں اندھیرا تھا۔ میں کھڑکی کے ایک طرف کھڑے رہ کر باہر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ منگلا ریلوے اسٹیشن پر مٹی کے تیل کے لیمپ روشن تھے۔ اس روشنی میں ایک شخص دو عورتوں کے ساتھ جا رہا تھا، اس کے ساتھ کچھ مسلح جوان تھے جو اس کا سامان اٹھا کر لے جا رہے تھے، ایسا اس لیے کیا جا رہا تھا کہ اسٹیشن ماسٹر اور وہاں کا عملہ اس شخص کو دو عورتوں کے ساتھ گاڑی سے اتر کر اسٹیشن کے باہر جاتے ہوئے دیکھے۔ اب وہ لوگ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے مگر میں چندر بھان کے دماغ میں رہ کر دیکھ سکتا تھا۔ وہ شخص اپنی بیوی اور سالی کے ساتھ ایک گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے جا رہا تھا۔ جس شخص نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے چندر بھان سے گفتگو کی تھی۔ اب میں اس کے دماغ میں تھا۔ وہ اسٹیشن ماسٹر سے کہہ رہا تھا "لائن کلیئر دو اور گاڑی کو جانے دو۔"

اس کے حکم کی تعمیل ہو رہی تھی۔ ایک منٹ کے اندر ہی گاڑی چل پڑی۔ میں نے دونوں دروازوں کو اندر سے بند کیا۔ کھڑکی کے شیشے اٹھا دیے۔ پھر آرام سے سیٹ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ اس دوران چندر بھان سے رابطہ قائم کر کے اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اس نے کہا "شکریہ ادا کرنا سراسر تکلف ہے۔ میں مدراس تک آپ کے کام آتا رہوں گا۔ کل شام کو اجنتا کے غاروں میں ملاقات ہوگی۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد تمام پولیس فورس اور فوجیوں کو یہ خبر ملنے والی تھی کہ منگلا اسٹیشن پر وہی شخص دو عورتوں کے ساتھ اتر کر ایک گاڑی میں بیٹھ کر کہیں گیا ہے۔ چندر بھان نے جس انداز میں ڈراما پلے کیا تھا اس کے نتیجے میں سب اسے فرہاد سمجھنے والے تھے۔ میں نے سوچا، کمپارٹمنٹ کی لائٹ آن کر کے اپنے سوٹ کیس کا سامان دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد غسل کر کے، لباس تبدیل کرنے کے بعد نیند پوری کرنا چاہیے، اس دوران میں ضروری خیال خوانی کرتا رہوں گا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا، ایک قدم پر سامنے والی دیوار تھی۔ وہاں ہاتھ رکھ کر ٹٹولتے ہوئے سوئچ کی طرف پہنچ گیا۔ پھر اسے آن کیا تو کمپارٹمنٹ روشن ہو گیا۔ میرا بریف کیس اور سوٹ کیس نیچے والی برتھ پر رکھا ہوا تھا مگر اوپری برتھ کی طرف دیکھ کر چونک گیا، وہاں بھی ایک سوٹ کیس اور ایک بیگ رکھا ہوا تھا۔ سوٹ کیس ذرا کھلا ہوا تھا، اندر سے بلاؤز اور ساری کا کچھ حصہ باہر آ گیا تھا، اسے ٹھیک طرح بند نہیں کیا گیا تھا۔ میں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ میری نظریں بے اختیار ٹوائلٹ کے دروازے پر گئیں، میں نے آگے بڑھ کر اسے کھولنا چاہا، وہ اندر سے بند تھا۔

میں ایک طرف ہٹ کر کمپارٹمنٹ کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اگر کوئی دشمن تھا یا تھی تو دروازے کے پیچھے سے گولی چل سکتی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر دستک دی۔ پھر پوچھا۔ "اندر کون ہے؟"

اندر خاموشی رہی، میں نے دروازے کے ہینڈل پر مضبوطی سے اپنے ہاتھ کا دباؤ رکھا تھا تاکہ اچانک کوئی اسے کھول کر مجھ پر حملہ نہ کر سکے۔ میں نے محسوس کیا کہ اندر سے چٹخنی گرائی گئی تھی، اب اس ہینڈل کو گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

میں نے کہا۔" پہلے جواب دو، تم کون ہو؟ اس کے بعد یہ دروازہ کھل سکے گا۔"

اندر سے دھیمی دھیمی آواز سنائی دی۔ میں نے کان لگا کر سنا۔ "پلیز، دروازہ کھول دیجیے۔ میں دشمن نہیں ہوں۔"

میں نے پوچھا۔" کیا دوست ہو؟"

"آپ یہی سمجھ لیں، جب تک یہ سفر جاری رہے گا آپ قادر خان ہوں گے اور میں آپ کی شریک حیات منور بیگم رہوں گی۔"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ اندر سہمی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے ہینڈل کو چھوڑ دیا۔ دروازہ کھل گیا۔

وہ ٹوائلٹ کے اندر سہمی ہوئی سی کھڑی تھی۔ اپنی ساری کو اِدھر اُدھر سے سنبھالتے ہوئے بدن چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ پوری طرح چھپی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔" کیا باہر نہیں آؤ گی؟"

وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔ بڑی بڑی آنکھوں سے سہمی ہوئی ہرنی کی طرح دیکھتی رہی۔ میں نے پوچھا۔" کیا تم نے ٹوائلٹ میں سفر کرنے کا ٹکٹ لیا ہے؟"

وہ جھجکتی ہوئی باہر آئی۔ پھر کمپارٹمنٹ کی دیوار سے لگ کر مجھ سے دور رہتے ہوئے دوسرے دروازے تک چلی گئی۔ میں نے کہا۔" اب خدا کے لیے دروازہ کھول کر چھلانگ نہ لگانا۔ کسی کو بھری جوانی میں مرتے دیکھ کر دل دکھتا ہے۔"

وہ ذرا دیر چپ رہی، پھر ڈرتے ڈرتے بولی۔" میں، میں یعنی کہ میں اور تم دو رہی دو سے میاں بیوی رہیں گے۔ میں یہ سمجھا دیتی ہوں، مجھے ہاتھ نہ لگانا۔"

میں نے پوچھا۔" کیا تم پہلی بار کام کرنے آئی ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے چندر بھان کو مخاطب کیا۔ پھر پوچھا۔" بھئی آپ نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ اس کمپارٹمنٹ میں ایک عدد بیوی بھی ملے گی۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔" میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ ہم آپ کا ریکارڈ پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ کے مزاج سے واقف ہیں۔ بائی دی وے آپ خیال خوانی کے ذریعے میرے دماغ سے اس نئی نویلی بیوی کے متعلق معلوم کر سکتے تھے۔"

"میں آپ ہی اپنے معاملات میں اُلجھا ہوا تھا۔ قادر خان کے متعلق معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اس لیے آپ کے دماغ کو بہت زیادہ ٹٹول نہ سکا۔ بہر حال یہ لڑکی تو بہت ہی شرمیلی اور سہمی ہوئی ہے۔ ایک بات کی وضاحت کر دوں، میں بہت زیادہ بدنام ہو چکا ہوں لیکن ایسا دل پھینک نہیں ہوں کہ اچانک آسمان سے ٹپکنے والی لڑکی سے رشتہ جوڑ لوں یا اس کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھاؤں مسٹر بھان! پریشانی یہ ہے کہ یہاں کوئی میرا محاسبہ کرنے آئے گا اور اس لڑکی کو میری بیوی سے زیادہ ایک سہمی ہوئی لڑکی پائے گا تو کیا ہو گا؟ یہ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔"

"آپ اس لڑکی کو خیال خوانی کے ذریعے اس حد تک دوست بنا سکتے ہیں کہ وہ بڑی عمدگی سے بیوی کا رول ادا کر سکے۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا، اس لڑکی سے کہا۔" میں تم سے نام نہیں پوچھوں گا۔ مجھے تمھاری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر تم شرمیلی ہو۔ ذرا ذرا سی بات پر سہم جاتی ہو، کسی اجنبی کا سامنا نہیں کر سکتیں تو تمھیں اتنی خطرناک تنظیم میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا اور اگر ہو ہی گئی ہو تو پوری ذمے داریوں سے منور بیگم کا رول ادا کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمھیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

میں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر بریف کیس اور سوٹ کیس کو ایک طرف سرکا دیا، پھر سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ میں غسل کرنے جا رہا ہوں۔"

میں نے سوٹ کیس کو کھول کر دیکھا۔ میرے پہننے کے لیے کئی جوڑے تھے۔ ریڈی میڈ سوٹ بھی تھے۔ دو جوڑی جوتے اور ایک جوڑی چپل تھی۔ میں نے چپل نکال کر پاؤں میں ڈال لی۔ اس دوران اس سے پوچھا۔" ریڈ پاور والوں نے تمھیں میرے متعلق کیا بتایا ہے؟"

وہ اپنی مترنم آواز میں بولی۔" وہ کہتے تھے تم بہت بڑے گیانی ہو، چندر بھان کے خاص آدمی ہو۔"

"انھوں نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ میں کس قسم کا گیانی ہوں؟"

لڑکی نے انکار میں سر ہلایا، پھر کہا۔" ہمارے ہاں نئے لوگوں کا ایک انچارج ہے اس نے کہا تھا تم بڑے وہ ہو اس لیے مجھے تم سے فری ہونا چاہیے۔ مم مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

میں اس کی باتیں سنتا جا رہا تھا اور خیالات بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر میں نے کہا۔" نہ تو میں بڑا وہ ہوں اور نہ ہی تمھیں زیادہ فری ہونے کی ضرورت ہے۔ تم میرے پاس صرف ایکٹنگ کرنے آئی ہو، بیوی کی ایکٹنگ۔"

"میں کوئی ایکٹریس نہیں ہوں۔ حالات سے مجبور ہو کر اس تنظیم میں آئی ہوں۔"

"مجھے اپنے متعلق کچھ نہ بتاؤ۔ میں بہت بڑا گیانی ہوں اور وہ گیان ہے علم نجوم۔ میں ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر قسمت کا حال بتا دیتا ہوں، مستقبل کے بارے میں جو کہتا ہوں وہی پیش آتا ہے۔

اب سے دو برس پہلے میں نے چندر بھان سے کہا تھا وہ اپنی تنظیم میں باس بنا دیا جائے گا اور وہ بات سچ ہو گئی۔"

اب وہ حیرانی اور دلچسپی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔" کیا تم اپنے بارے میں بھی بتا سکتے ہو کہ تمھارے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے؟"

"ہاں، اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرے ستاروں نے مجھے بتایا ہے اگلے دو گھنٹے مجھ پر بھاری ہیں۔ میں جی بھی سکتا ہوں اور مر بھی سکتا ہوں۔"

میری بات سن کر وہ سہم گئی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی، پھر تھوک نگل کر بولی۔" دو گھنٹے کیوں بھاری ہیں؟ تمھیں کیا ہونے والا ہے؟"

"میں تمھارا ہاتھ دیکھ کر بتا سکتا ہوں، میرے اور تمھارے ستارے نہیں ملتے۔ مجبوری کی حالت میں تمھارے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ کیا تم ہاتھ دکھاؤ گی؟"

اس نے فوراً ہی اپنے بائیں ہاتھ کو تھام کر سینے سے لگایا۔" نن... نہیں، میں ہاتھ نہیں دکھاؤں گی۔"

"میں نے اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے کے بعد معلوم کیا ہے، میرے ساتھ سفر کرنے والی کوئی بھی ہستی اس سفر کے اختتام پر اچانک ہی دولت مند بن جائے گی لیکن اسے وہ دولت مجھ سے ہی حاصل ہو گی۔"

وہ دولت مند ہو جانے کے خیال سے خوش ہو رہی تھی مگر مجھے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔" کچھ عورتیں بہت زیادہ احمق ہوتی ہیں، ہاتھ آنے والی دولت سے اس طرح انکار کرتی ہیں جس طرح تم اپنا ہاتھ چھپا کر انکار کر رہی ہو۔"

میرے لیے اس کا ہاتھ دیکھنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو جاتا۔ وہ خود بخود ہاتھ میری طرف بڑھا دیتی لیکن میں نے اس کے سامنے بریف کیس کھول دیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، وہاں بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا۔" جو دولت تمھیں ملنے والی ہے۔ یہ اس کا چھوٹا سا نمونہ ہے۔"

اس کی نظریں اُن نوٹوں پر جم گئی تھیں۔ میں جانتا تھا، وہ لالچی نہیں تھی مگر بے حد ضرورت مند تھی، وہ ضرورتیں اسے مجبور کر کے ریڈ پاور کی تنظیم میں لے آئی تھیں۔ میں نے کہا۔" مجھے یاد نہیں ہے کہ یہ کتنی رقم ہے۔ ایسا کرو تم انھیں گنتی رہو۔ میں غسل کر کے آتا ہوں۔"

میں نے بریف کیس اس کے سامنے رکھ دیا، سوٹ کیس سے ایک جوڑا نکالا۔ پھر باتھ روم کے اندر چلا گیا۔ بریف کیس میں رقم کتنی ہے۔ یہ میں بھی نہیں جانتا تھا، غسل کرنے کے دوران چندر بھان کے دماغ میں چپ چاپ پہنچ کر معلوم کیا، وہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے تھے۔ اوّل تو مجھے کسی ملک میں کرنسی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر ضرورت ہوتی بھی ہے تو پلک جھپکتے حاصل کر لیتا ہوں۔ چندر بھان نے سوچا، پتا نہیں مجھے کس وقت کتنی رقم کی ضرورت پیش آ جائے اس لیے اتنی ساری رقم بریف کیس میں رکھ دی تھی۔ اگر کوئی چیکنگ کرتا اور مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب دے سکتا تھا کہ مدراس کی ایک کاٹن مل بند ہو گئی ہے، وہاں کی کچھ مشینیں فروخت ہو رہی ہیں، میں ان مشینوں کو خریدنے جا رہا ہوں اور یہ رقم ایڈوانس کے طور پر ادا کی جائے گی۔

وہ لڑکی نوٹوں کی گڈیاں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ بڑے نوٹوں کی ایک گڈی گننے کے بعد اس نے باقی گڈیوں کا حساب لگایا تو ایک لاکھ سینتالیس ہزار روپے تھے، اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے روپے نہیں دیکھے تھے وہ انھیں چھو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر دیکھ رہی تھی کہ اتنی ساری دولت دونوں ہاتھوں میں سما سکتی ہے یا نہیں،

وہ خوابوں میں کھو گئی تھی۔ اپنے محبوب کے ساتھ گیتوں بھری رنگین دنیا میں اِدھر سے اُدھر ناچتی پھر رہی تھی۔ اس کے پاس عالی شان کوٹھی اور ایئر کنڈیشن کاریں تھیں۔ اس کی خدمت کرنے کے لیے بے شمار خادم اور کنیزیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ جس سوسائٹی میں جاتی تھی۔ وہاں کے لوگ آگے بڑھ کر گرم جوشی سے سر جھکاتے ہوئے مصافحہ کرتے تھے۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ میں شیو کر کے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کرنے کے بعد کمپارٹمنٹ میں آیا۔ وہ مجھے ایک ٹک دیکھنے لگی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ میرا حلیہ بدل گیا تھا۔ پہلے داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ کپڑے میلے تھے اور میں پریشان حال تھا۔ ٹھنڈے پانی کا غسل اور اچھا لباس آدمی کی شخصیت بدل دیتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ "کیا رقم گن چکی ہو؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کہا۔" یہ ایک لاکھ سینتالیس ہزار ہیں، آپ اتنی بڑی رقم لے کر سفر کرتے ہیں۔ کیا آپ کو ڈر... نہیں لگتا۔ چور ڈاکو مال بھی چھین لیتے ہیں۔ جان بھی لے لیتے ہیں۔"

میں نے دونوں سوٹ کیس برتھ کے نیچے رکھے۔ پھر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ہمارے درمیان نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس تھا۔ میں نے کہا۔" میں اپنے علم سے پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں۔ اگر یہ دولت میرے پاس رہے گی تو مجھے جان کا خطرہ ہے، اگر یہ میری ہمسفر کو دے دی جائے تو دونوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیا بات ہوئی کہ رقم آپ کے پاس ہے تو جان کا خطرہ کسی اور کے پاس رہے تو کسی کے لیے خطرہ نہیں ہے؟"

"یہ ستاروں کی چال ہے تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رقم تمہیں دی جائے تو تمہارے لیے خطرہ پیش آئے گا یا نہیں مگر تم ہاتھ دکھانا نہیں چاہتی ہو۔"

اس نے نظریں جھکالیں۔ ساری کے آنچل کو سر پر رکھا۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ آہستگی سے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے تھام لیا، وہ بالکل کورا تھا۔ ابھی تک کسی نے غلیظ ہاتھوں سے نہیں پکڑا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ لڑکی جرائم کی دنیا میں قدم رکھتے ہی میرے پاس آئی تھی، ابھی اس نے ہوس کی دلدل کو نہیں دیکھا تھا۔

میں ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہا تھا مگر دماغ کو پڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے کہا "تمہارا نام انگریزی حرف ایس سے شروع ہوتا ہے۔"

"جی ہاں، میرا نام شلپی ملہوترا ہے۔"

"تم کسی سے محبت کرتی ہو۔"

وہ اپنا ہاتھ کھینچنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "مگر وہ بے وفا اور ہرجائی ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دیا۔ اس میں تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے محبوب کے متعلق معلوم کرنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "جب تم اس شخص سے پہلی بار ملیں تو اس نے خود کو بہت بڑا بزنس مین اور سرمایہ دار ظاہر کیا۔ بعد میں پتا چلا، وہ کار کسی دوسرے کی تھی اور اس نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا وہ ایک لانڈری سے کرایے پر لایا تھا۔"

وہ حیرانی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی "آپ تو ہاتھ کی لکیریں دیکھتے ہوئے پوری رام کہانی سنا دیتے ہیں۔"

"ہاں، تم بہت کمزور ارادے کی مالک ہو۔ اگر کوئی بہلاتا پھسلاتا ہے تو اس کی باتوں میں آجاتی ہو۔ تمہارے محبوب نے محبت کی قسمیں کھائیں، تمہیں مستقبل کے سنہرے خواب دکھائے تم اس کی باتوں میں آگئیں۔"

"آپ کا ایک ایک لفظ درست ہے۔"

"تمہاری ایک بوڑھی ماں ہے۔ بیمار باپ ہے۔ ایک جوان بہن تم سے بڑی ہے۔ ایک جوان بہن تم سے چھوٹی ہے۔ دو چھوٹے بھائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور گھر میں کمانے والا کوئی نہیں ہے۔"

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں، اس نے کہا "میرا ہاتھ جیسے کوئی کتاب ہے۔ آپ ایک ایک لفظ پڑھتے جا رہے ہیں۔"

اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ ناک نقشہ بہت ہی جاذب نظر تھا۔ اس پر بھیگی ہوئی آنکھیں قیامت ڈھا رہی تھیں۔ ریڈیا دروالوں نے سوچ سمجھ کر ہی اس کا انتخاب کیا تھا تاکہ کہیں بھی جا کر وہ جال پھینکے تو شکار نکل نہ پائے۔ بہرحال میں شکار نہیں تھا اور نہ ہی شکاری بننے کی خواہش تھی۔

میں نے نظریں جھکالیں، اس کی ہتھیلی پر ایک انگلی پھیرتے ہوئے کہا "تمہاری یہ لکیر مٹ گئی ہے، اگر یہ ہاتھ میں رہ جاتی تو تم قاتل بن جاتیں۔"

اس کا دل دھک سے رہ گیا، اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ گھبرا کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "میں تمہارے ہاتھ کو ایک کھلی کتاب کی طرح پڑھ چکا ہوں مگر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم مجھے قتل نہیں کراؤ گی۔"

وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ روتی ہوئی میرے قدموں میں آکر گر پڑی۔ کہنے لگی "میں مجرم ہوں۔ پاپن ہوں۔ سکھ دیو میری محبت کی قسمیں کھاتا ہے، وہ کہتا ہے، کسی کے ساتھ مجھے ایک کمپارٹمنٹ میں تنہا سفر کرنے نہیں دے گا۔ اس نے کہا تھا اگلے اسٹاپ پر گاڑی رکے گی تو وہ چپ چاپ اس کمپارٹمنٹ کے باہر پائیدان پر آکر بیٹھ جائے گا۔ جب گاڑی چل پڑے گی تو میں وہ دروازہ کھول دوں گی۔ وہ اندر آئے گا۔ پھر تمہیں قتل کر دے گا۔ تمہارا تمام قیمتی سامان سمیٹ کر مجھے یہاں سے لے جائے گا مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ تم دیوتا ہو۔ بہت بڑے گیانی ہو۔ آدمی کے اندر کی بات جان لیتے ہو۔ میں تم سے التجا کرتی ہوں، مجھے برے راستے سے ہٹا دو۔ مجھے آشیرباد دو کہ میں ایک شریف لڑکی کی طرح زندگی گزاروں اور عزت آبرو سے اپنے خاندان والوں کا پیٹ بھر سکوں۔"

میں نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اپنے قدموں سے اٹھاتے ہوئے کہا "شلپی! یہاں آرام سے بیٹھو۔ تم بری لڑکی نہیں ہو۔ بہت اچھی ہو اور ہمیشہ اچھی زندگی گزارو گی۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی "میں اس شیطان کے لیے کمپارٹمنٹ کا دروازہ نہیں کھولوں گی۔"

"ایسی غلطی نہ کرنا، دروازہ ضرور کھولنا۔ شیطان کو آنے دیا کرو۔ جب تک سامنے بدی نہیں ہوتی نیکی کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی۔"

"مگر وہ بہت خطرناک ہے۔ اس کے پاس ریوالور ہے۔"

"میں اپنے ہاتھ کی اور تمہارے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے کے بعد یقین سے کہہ سکتا ہوں، ہم دونوں زندہ رہیں گے۔"

وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ دروازہ نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ لیکن مجھ سے اس قدر متاثر ہو چکی تھی کہ انکار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ پھر گاڑی کی رفتار سست ہونے لگی۔ میں نے کہا "شاید کوئی بڑا اسٹیشن آرہا ہے۔"

میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا، دور دور تک تاریکی تھی۔ گاڑی پٹڑیاں بدل رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ رکنے لگی تھی۔ میں نے کہا "سگنل نہیں مل رہا ہے اس لیے کسی چھوٹے اسٹیشن میں رک رہی ہے۔"

میں نے کھڑکی بند کر دی۔ پھر کہا "اب سکھ دیو ضرور کمپارٹمنٹ کے بیرونی پائیدان پر آکر بیٹھے گا۔ میں ٹوائلٹ میں رہوں گا۔ تم کسی خوف اور جھجک کے بغیر دروازہ کھولو گی۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"جب تک وہ محبوب تھا۔ اس کے لیے جان دینے کے لیے تیار تھیں۔ اب اس کے ہاتھوں جان جانے کا خوف ہے کیوں کہ اس کی شیطانیت کا علم ہو گیا ہے لیکن میں جو ہوں۔ تم وہی کرو گی جو کہہ رہا ہوں۔"

گاڑی ذرا دیر کو رکی تھی پھر آہستہ آہستہ چلنے لگی، شلپی جس کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ اس کے باہر سر نکال کر دیکھنے لگی۔ میں نے اس کے ذریعے معلوم کیا۔ اس نے سکھ دیو کو پائیدان پر چڑھتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے قریب آکر کہا "شلپی! میں باتھ روم میں جا رہا ہوں، تم کھڑکیاں بند رکھو۔ اگر چلتی ٹرین میں کوئی مسافر آنا چاہیے تو دروازہ ہرگز نہ کھولنا، پہلے مجھے اطلاع دینا۔"

میں ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ دروازے کو بند کر لیا۔ کمپارٹمنٹ کے باہر دن آہستہ آہستہ روشن ہو رہا تھا اور سکھ دیو آہستہ آہستہ سر اٹھا کر دروازے کی کھڑکی سے اندر دیکھ رہا تھا۔ اس نے شلپی کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ وہ جلدی سے آکر دروازے کو بند کرتے ہوئے بولا "میں نے باہر سے سن لیا تھا وہ کم بخت ٹوائلٹ میں ہے۔ مجھے جلدی بتاؤ، اس کے سامان میں کون کون سی قیمتی چیزیں ہیں؟"

شلپی نے کہا "اس بریف کیس میں ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے ہیں۔"

"کیا؟" سکھ دیو کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر بریف کیس کو کھول کر دیکھا، پھر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کبھی اتنی دولت پہلے نہیں دیکھی تھی اور کبھی اتنا اونچا ہاتھ مارنے کے متعلق سوچا بھی نہیں تھا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے شلپی کو ایک طرف دھکا دیا۔ بریف کیس کو بند کیا۔ پھر اسے اٹھا کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ شلپی برتھ پر گر پڑی تھی۔ فوراً ہی اٹھ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے بولی "نہیں، تم اسے نہیں لے جا سکتے۔"

"یہ نقد نارائن ہے۔ آج اسے چھوڑ دیا تو میرے جیسا الو کا پٹھا کوئی نہیں ہو گا۔ ہٹ جا میرے راستے سے۔"

اس نے ریوالور نکال لیا۔ میں اب اس کے دماغ میں پوری طرح محتاط تھا۔ تاکہ گولی نہ چلا سکے۔ شلپی نے کہا "وہ نیک آدمی ہے۔ اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ تو مجھے سبز باغ دکھا کر جرائم کی دنیا میں پہنچا رہا تھا۔ میں تجھ پر تھوکتی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا، ریوالور سے ڈر جاؤں گی۔ اگر اپنی جان دے کر ایک شریف آدمی کے کام آسکوں تو میرا یہ جیون سپھل ہو جائے گا۔"

اس نے بڑی بے باکی سے جان کی پروا کیے بغیر ریوالور والے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ پھر دونوں میں جدوجہد ہونے لگی۔ میں نے سکھ دیو کی کوششوں کو ذرا کمزور بنایا تاکہ وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ریوالور والا ہاتھ نہ چھڑا سکے۔ دروازے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ وہ جدوجہد کے دوران ادھر جاتے تھے تو ریوالور والا ہاتھ شلپی کی گرفت میں کھڑکی سے باہر آجاتا تھا۔ جب ایک بار وہ ہاتھ باہر آیا تو میں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھڑا دیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر اسے گالی دیتا ہوا، ایک طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "سور کی بچی! تو نے ریوالور گرا دیا ہے۔ مجھے یہاں سے فوراً بھاگنا ہو گا۔"

میں نے ٹوائلٹ کے دروازے سے نکل کر پوچھا "کمپارٹمنٹ سے بھاگنا چاہتے ہو یا زندگی سے؟"

مجھے دیکھتے ہی اس نے میری طرف چھلانگ لگائی۔ بریف کیس میرے منہ پر مارا مگر میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا وار خالی گیا۔ مگر میرا گھونسا منہ پر پڑا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے اسے پے در پے گھونسوں پر رکھ لیا۔ اس کے ہاتھ سے بریف کیس چھوٹ چکا تھا۔ پھر میں نے اسے اٹھا کر دوسرے دروازے کی طرف پھینک دیا۔

وہ کمزور نہیں تھا، لڑنا جانتا تھا۔ پھر یہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کا معاملہ تھا۔ وہ اتنی بڑی رقم چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس نے پلٹ کر مجھ پر حملہ کیا۔ اس بار میرے منہ پر اس کا ہاتھ پڑا، میں پیچھے گیا۔ پھر اس کے حملے کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ دو چار ہاتھ کھانے کے بعد میں نے جوابی حملے کیے۔ وہ دروازے سے جا کر ٹکرا گیا۔ پھر واپس آنا چاہتا تھا مگر میں نے اس کے پیٹ پر ایک لات ماری۔ وہ پھر پیچھے جا کر آدھا کھڑکی کے باہر آدھا کمپارٹمنٹ

کے اندر رہ گیا۔

اِس سے پہلے کہ وہ کمپارٹمنٹ میں پُوری طرح واپس آتا۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر باہر کی طرف دھکّا دیا۔ اس نے دروازے کے باہر دونوں طرف کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ چیختے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”چھوڑ دو۔ مجھے اندر آنے دو۔ میں گر جاؤں گا۔ میں مر جاؤں گا۔“

شلپی کمزور دل کی لڑکی تھی۔ وہ ایک کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ پھر پلٹ کر مجھ سے بولی ”چھوڑ دو، پلیز۔ اسے جانے دو، یہ مر جائے گا۔“

”اگر یہ زندہ رہا تو ڈیڑھ لاکھ یہاں سے لے جائے گا اور تمھاری زندگی تباہ کر دے گا اگر رقم کے بغیر گیا تو جھنجلا کر ریڈ پاور کے خلاف پولیس میں بیان دے گا۔ میرے خلاف بھی بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس والے مجھ پر کسی طرح کا شُبہ کریں۔“

وہ کمپارٹمنٹ میں واپس آنے کی جدّوجہد کر رہا تھا۔ میں نے پھر اسے باہر کی طرف دھکّا دیا۔ اس کی دونوں ٹانگیں میرے ہاتھوں میں تھیں۔ وہ چھڑا نہیں سکتا تھا لیکن میں اسے گرا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس نے باہر سے دونوں طرف کے ہینڈلوں کو تھام رکھا تھا۔ اسی وقت گاڑی ایک بہت بڑے پُل پر سے گزرنے لگی۔ دونوں طرف لوہے کی مضبوط ریلنگ بنی ہوئی تھی، میں نے سُکھ دیو کے دماغ پر قابض ہو کر ہینڈلوں سے اس کے ہاتھ چھڑا دیے پھر اس کے دونوں پاؤں کو باہر کی طرف دھکّا دیا۔ وہ چیخیں مارتا ہوا باہر کی طرف گیا مگر وہ آخری چیخیں تھیں، میں نے فوراً ہی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ آس پاس کے کمپارٹمنٹ والی کھڑکیاں بند تھیں۔ دُور چند کمپارٹمنٹ میں کچھ لوگ کھڑکی کے باہر دیکھ رہے تھے۔ کسی کو گرتے دیکھ کر دو چار لوگ کھڑکی سے تقریباً آدھے باہر نکل آئے تھے، حیرانی کا اظہار کر رہے تھے۔ میں نے کمپارٹمنٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ دو آدمیوں میں جھگڑا ہوتا رہا تھا اور وہ شخص اسی کمپارٹمنٹ سے باہر گرا ہے۔ تم سُکھ دیو سے قطعی انجان بن جانا۔“

شلپی مجھے حیرانی سے تک رہی تھی۔ میں نے پُوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

اس نے پوچھا۔ ”تم کیا ہو؟ سُکھ دیو سے بمبئی کے بڑے بڑے غنڈے خوف کھاتے ہیں۔ میں نے اُسے اپنی آنکھوں سے لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ چار غنڈوں کو اس کے خوف سے بھاگتے دیکھا ہے۔ میں سمجھتی تھی، تم صرف گیانی ہو، مگر تم.... تم....“

اسے کہنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ”جو ہوا اُسے بھُول جاؤ۔ پولیس کو کیا بیان دینا ہے۔ یہ یاد رکھو۔“

اگلے اسٹیشن پر پولیس والے تمام کمپارٹمنٹ میں جھانکتے پھر رہے تھے۔ وہ معلوم کرنے آئے تھے کہ منگلا ریلوے اسٹیشن پر ایک شخص دو عورتوں کے ساتھ کس کمپارٹمنٹ سے اُتر گیا تھا اسی دوران انھیں پتا چلا کہ پچھلے پُل پر کوئی کسی کمپارٹمنٹ سے باہر گر پڑا تھا۔

پولیس والوں کو پہلے سوال کا جواب دینے کے لیے دوسرے عوامی کمپارٹمنٹ میں ریڈ پاور کے آدمی موجود تھے۔ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ مسافر ہیں اور کہیں جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک عورت اور ایک مرد نے بیان دیا۔ ”ہم اس وقت جاگ رہے تھے۔ وہ آدمی اپنی دو عورتوں کے ساتھ ہمارے ہی پاس والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جب یہاں سے اٹھ کر باہر جانے لگا تو ہمیں حیرانی ہوئی۔ کیونکہ وہ ایسے اسٹیشن پر اتر رہا تھا جہاں مدراس میل رکتی نہیں ہے۔ ہم نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ بہت سے بندوق بردار کھڑے تھے اور وہ تینوں ان بندوق والوں کے ساتھ اسٹیشن کی طرف چلے گئے تھے، پھر ہمیں اپنے کمپارٹمنٹ سے کچھ نظر نہیں آیا۔“

ان کی باتوں کو جھٹلانے والا کوئی نہیں تھا۔ اِس کمپارٹمنٹ میں اکثریت ریڈ پاور کے آدمیوں کی تھی۔ دوسرے مُسافروں نے بیان دیا۔ ”جب وہ تین مُسافر اتر کر جا رہے تھے تو ہم سو رہے تھے۔“ بہرحال پولیس والوں کو اپنے پہلے سوال کا جواب مل گیا مگر دوسرے کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ تمام کمپارٹمنٹ والوں کا بیان تھا کہ وہ گرنے والا اُن کے ڈبّے میں نہیں تھا۔

میں ٹوائلٹ میں کھڑا ہوا تھا۔ دروازے کو کھُلا رکھا تھا۔ میں نے کہا ”شلپی! جیسے ہی وہ پولیس والے اِدھر آئیں گے، میں دروازہ بند کر لوں گا۔ تم ان سے نمٹ لینا۔“

میں نے ایسا ہی کیا۔ جیسے ہی کھڑکی کے باہر دور سے پولیس والے آتے دکھائی دیے، میں نے ٹوائلٹ کے دروازے کو بند کر لیا۔ میں نے سوچا اگر وہ مجھے تلاش کرنے آتے ہیں تو ان کے دماغ میں ہارپر وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ مجھے ان سے دُور ہی رہنا چاہیے۔

انسپکٹر نے آکر پوچھا۔ ”کیا آپ تنہا سفر کر رہی ہیں؟“

”جی نہیں، میرے شوہر باتھ رُوم میں ہیں۔“

”ایک شخص چلتی ٹرین سے نیچے گر پڑا تھا کیا وہ اس کمپارٹمنٹ میں تھا؟“

”یہ میں آپ کی زبان سے سُن رہی ہوں، ورنہ مجھے کسی کے گرنے کا عِلم نہیں ہے، یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ریزروڈ کمپارٹمنٹ ہے۔ میرے شوہر کے علاوہ کوئی تیسرا یہاں نہیں آسکتا۔“

وہ مطمئن ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ میں اتنی دیر تک اس اِنسپکٹر کے دماغ میں تھا۔ مجھے اطمینان ہوا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے ذریعے یہاں پہنچے ہوئے نہیں تھے۔

گاڑی پھر چل پڑی۔ میں ٹوائلٹ سے باہر آگیا۔ دن کے چھ بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ”ہم مدراس کب تک پہنچیں گے؟“

”شاید گیارہ بجے تک۔“

”اچھی بات ہے۔ میں نیند پوری کرنا چاہتا ہوں تم سونا چاہو تو نیچے والی برتھ پر سو سکتی ہو۔“

وہ بریف کیس اوپری برتھ پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے شلپی کو دیتے ہوئے کہا۔ ”اس کا تکیہ بنا کر اپنے سر کے نیچے رکھ لو۔“

وہ نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس لیتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ میں نے اس کے پاس رکھ دیا۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے بالکل سامنے تھی۔ شاید بالشت بھر کا فاصلہ ہو گا۔ ٹرین پوری تیز رفتاری سے گزر رہی تھی اور تیزی سے پٹڑیاں بدلتی جا رہی تھی۔ کھٹ کھٹا کھٹ کی آواز کے ساتھ ہم ایک دوسرے کے سامنے لرز رہے تھے۔ جذبات سے نہیں بلکہ ٹرین کی رفتار سے۔ پھر وہ ٹرین ایک ہی پٹڑی پر دوڑنے لگی۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟“

”کیا مجھے کچھ کہنا چاہیے؟ میں نے اپنے دیس کی عورتوں کو مٹھی بھر چاولوں کے بدلے بکتے دیکھا ہے اور تم مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے دے رہے ہو۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہو۔ اگر تمھارے دل میں ایسا کوئی خوف ہے کہ میں تمھاری تنہائی اور مجبوری سے کھیلنا چاہتا ہوں تو اسے اپنے دماغ سے نکال دو۔ آرام سے برتھ پر لیٹ جاؤ۔“

میں نے چپل اتاری۔ پھر اچھل کر اُوپری برتھ پر پہنچ گیا وہاں آرام سے لیٹ گیا۔ وہ شدید حیرانی سے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا۔ ایک مرد نے اس کی حیثیت سے زیادہ اسے دولت دی اور اس کے جسم کو نوچے کھسوٹے بغیر آرام سے سونے چلا گیا تھا۔

ایسی بات نہیں تھی کہ وہ حسین نہ ہو، پُرکشش نہ ہو۔ وہ تو بلا کی حسین اور پُرکشش تھی۔ بھرے بھرے بدن کی دوشیزہ تھی۔ اسے دیکھ کر زاہد اپنی توبہ بھُول سکتے تھے۔ پھر ایسی تنہائی میں جہاں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو، نہ ہی کوئی اچانک آ سکتا ہو، تو جذبات اور بھڑک جاتے ہیں، حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں مگر میرے سامنے تنہائی اور حسن و شباب کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں تو خیال خوانی کے ذریعے دنیا کی حسین ترین عورتوں کو اپنی خلوت میں بلا سکتا تھا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ میں سب کچھ کر سکتا تھا، سب کچھ میرے اختیار میں تھا اور جب سب کچھ کسی کے اختیار میں ہوتا ہے تو پھر اسے صبر کرنا، قناعت کرنا، دوسروں کی مجبوریوں کو سمجھنا اور شرافت کو برتنا آجاتا ہے۔

میں نے تھوڑی دیر بعد اسے خیالات سے چونکا دیا۔ وہ اسی طرح کھڑی ہوئی اوپری برتھ پر مجھے سوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ نے کہا۔ ”ارے یہ تو واقعی سو گیا ہے۔ اس کی گہری گہری سانسیں سنائی دے رہی ہیں۔“

اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ ”اے اجنبی تُو کون ہے؟ تُو کس دُنیا سے آیا ہے۔ میری تو دُنیا ہی بدل کے رکھ دی ہے۔ تُو عورتوں کا کتنا احترام کرتا ہے۔ میرے سونے کے لیے نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس سرہانے رکھنے کے لیے دے دیا مگر اپنے سرہانے کچھ نہیں رکھا۔ گردن دُکھ رہی ہو گی۔“

اس نے برتھ کے نیچے سے سُوٹ کیس کو کھینچا۔ پھر اُس پر چڑھ گئی۔ اس طرح وہ اُوپری برتھ کے برابر آگئی۔ پھر اس نے بریف کیس کو اٹھایا۔ اسے میرے سرہانے رکھنا چاہتی تھی مگر رُک گئی، سوچنے لگی۔ ”یہ تو اسی کا دیا ہوا ہے اور میں اسی کے سرہانے رکھ رہی ہوں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“

اس نے بریف کیس کو پھر نیچے والی برتھ پر رکھ دیا۔ وہ سوٹ کیس پر کھڑے رہنے کے باعث اس حد تک اوپری برتھ کے برابر ہو گئی تھی کہ اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب لا سکتی تھی۔ اس نے آہستگی سے میرے سر کو اٹھایا اور اپنا ایک بازو رکھ دیا۔ اپنے گداز بازو کو تکیہ بنا دیا۔ پھر سوچنے لگی۔

”اے اجنبی ہمسفر! میں اسی طرح سُوٹ کیس پر کھڑی رہوں گی۔ تو جب تک سوتا رہے گا۔ میں اپنے بازو کا تکیہ بنائے رہوں گی۔ تجھے دُور سپنوں کی وادی میں لے جاتی رہوں گی۔“

اس بے چاری کو پتا نہیں تھا، میں کھٹے میٹھے سپنے نہیں دیکھتا۔ جب دماغ کو ہدایت دیتا ہوں تو گہری اور پُرسکون نیند میں ڈوب جاتا ہوں۔ میں نے اپنے دماغ سے کہا۔ ”یہ لڑکی بےضرر ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن میری نیند کے دوران کوئی اس کمپارٹمنٹ میں داخل ہونا چاہے یا باہر سے نقصان پہنچانا

چلے یا کوئی غیر معمولی بات ہو تو میری آنکھ کھل جائے گی۔"

میں نے دماغ کو ہدایت دی کہ تین گھنٹے بعد آنکھ کھل جائے اس کے بعد میں گہری نیند سو گیا۔ میرا خیال تھا وہ کھڑی کھڑی تھک جائے گی۔ میرے سر کے بوجھ سے اس کی بانہہ دکھنے لگے گی مگر ایسا نہیں ہوا جو لوگ کسی لالچ میں کسی کی خدمت کرتے ہیں وہ ایک مقام پر تھک جاتے ہیں مگر محبت کا یا عقیدت کا جذبہ ہو تو تھکن حاوی نہیں ہوتی۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ اس نے سکھ دیو کے ریوالور کے سامنے جان کی بازی لگائی تھی۔ میری رقم کو بچانے کے لیے اس سے لڑتی رہی تھی۔ یہ ثابت ہو چکا تھا وہ میرے ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے کی لالچی نہیں تھی، وہ جو کچھ کر رہی تھی، مجھ سے متاثر ہو کر سچے جذبے سے کر رہی تھی۔

میری آنکھ وقت مقررہ پر کھل گئی۔ دس بج چکے تھے۔ میں نے اسے قریب محسوس کیا۔ پھر اپنا سر اس کی بانہہ پر دیکھا، تو چونک کر بولا۔ "ارے تم کب سے اس طرح کھڑی ہو؟"

وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "تم نے سر کے نیچے کچھ نہیں رکھا تھا میں نے رکھ دیا۔"

"تم نے تو کمال کر دیا۔ میں شاید تین گھنٹے تک سوتا رہا ہوں۔"

"اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ ایک معمولی ملازمہ بھی ایسی خدمت کر سکتی ہے۔"

"ملازمہ کی خدمت میں تنخواہ شامل ہوتی ہے اور تم ملازمہ نہیں، میری ہمسفر ہو۔"

"اسی بات کا دکھ ہے۔ یہ سفر جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔ پھر میری ہمسفری کا نتیجہ کیا نکلے گا؟"

"میں تمھارا ہاتھ دیکھ کر بتا چکا ہوں۔ تم آج سے دولت مند بن چکی ہو۔"

"کیا دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے؟"

"محبت سب کچھ ہوتی ہے اور تمھیں محبت بھی بے انتہا ملنے والی ہے۔"

اس نے مجھ سے نظریں ملائیں۔ پھر نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔ "میں اس محبت کا انتظار کر رہی ہوں اور انتظار کرتی رہوں گی۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "گیارہ بجنے والے ہیں شاید ہم مدراس پہنچ رہے ہیں۔"

"گاڑی بہت لیٹ جا رہی ہے۔ ہم بارہ ایک بجے تک پہنچ سکیں گے۔"

میں اوپری برتھ سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اسے سہارا دے کر سوٹ کیس سے اتارا۔ پھر سوٹ کیس کو برتھ کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ، اس برتھ پر لیٹ جاؤ۔ تمھیں اپنی نیند پوری کرنا چاہیے۔"

وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"مجھے سلانا آتا ہے۔"

اس نے بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھا جیسے میرے سلانے کا کچھ مطلب سمجھنا چاہتی ہو۔ پھر سر جھکا کر خاموشی سے لیٹ گئی۔ وہ شرمیلی تھی۔ اپنے آپ میں سمٹی ہوئی تھی۔ دل ڈر رہا تھا کیونکہ میں قریب تھا۔ میں نے کہا۔ "آنکھیں بند کرو، ابھی نیند آ جائے گی۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اس کے خوبصورت سے چہرے پر نظریں جمائیں۔ اس کے دماغ کو ہدایات دیں۔ صرف ایک منٹ کے اندر ہی وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں وہاں سے اٹھ کر ٹوائلٹ میں گیا۔ منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اپنے دشمنوں کی خبر لینے لگا۔ اس وقت شمالی امریکا میں رات کا پچھلا پہر تھا۔ ہارپر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی خوابیدہ سوچ بتانے لگی۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے تمام بہن بھائی میری گمشدگی سے پریشان تھے۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی مصروفیات ترک کر دی تھیں۔ وہ بابا صاحب کے ادارے سے اور اپنے اسرائیلی دوستوں سے توجہ ہٹا کر میری طرف دھیان دے رہے تھے اور مجھے ہندوستان کی سرحد کے اندر ڈھونڈ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

ہارپر کے ذریعے معلوم ہوا لیڈی روزینہ اپنے مکمل منصوبوں سے دونوں بھائیوں کو آگاہ نہیں کرتی ہے مگر دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے زبردست چال چلی ہے۔ فرہاد کہیں بھی چھپا ہو، ان ہیروں کو ماں نیلما داسی تک محدود اور محفوظ رکھنے کے لیے ضرور اپنی ماں جی کے پاس پہنچے گا۔

میں سوچنے لگا۔ روزینہ نے ایسی کون سی زبردست چال چلی ہو گی جس کے باعث میں ماں جی تک پہنچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ بڑی دیر بعد میں نے ماں جی کی خبر لی۔ اب تک ان سے رابطہ قائم نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے دیس میں تھیں ہر طرح سے محفوظ تھیں۔ دشمن ان کو اور آنند کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ وہ صرف قیمتی ہیرے چاہتے تھے۔ اس کے بعد ہی ماں بیٹے کو نقصان پہنچایا جا سکتا تھا۔

یقیناً اس نے گہری چال چلی تھی۔ اس وقت ماں جی پولیس کی حراست میں تھیں اور آنند ایک پولیس آفیسر سے بحث کر رہا تھا کہ کسی ثبوت کے بغیر ماں جی کو حراست میں نہیں لیا جا سکتا۔ انھوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ اپنے دیس کے خلاف کوئی سازش نہیں کی ہے۔

اتنے میں ماں جی کی طرف سے ایک وکیل آ گیا۔ اس نے عدالتی کاغذات پیش کرتے ہوئے ماں جی کو ضمانت پر رہا کرا لیا۔ پولیس آفیسر نے کہا۔ "مسز نیلما سوامی! آپ پر دو الزامات ہیں۔ ایک تو آپ فرہاد علی تیمور کے ساتھ اس دیس میں آئی ہیں۔ دوسرے یہاں اسمگلنگ کا مال چھپا رکھا ہے۔ ہم بہت جلد آپ کو ثبوت کے ساتھ گرفتار کریں گے۔ فی الحال آپ جا سکتی ہیں۔"

ماں جی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ایئر پورٹ پر قتل کیا جانے والا کوئی دوسرا شخص تھا اور ان کا بیٹا فرہاد زندہ ہے۔ جسے بھارت کی ساری پولیس فورس اور ملٹری انٹیلی جنس کے افراد تلاش کر رہے ہیں۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر آنند کے ساتھ اس مندر کی طرف جا رہی تھیں جہاں وہ ہیرے چھپا کر رکھے گئے تھے۔ اسی مندر کی طرف ان کی رہائش گاہ بھی تھی۔ میں نے انھیں مخاطب کیا۔ وہ خوش ہو کر بولیں۔ "بیٹے! مجھے یقین تھا میرا بھگوان اتنا سنگ دل نہیں ہے کہ میرے اتنے اچھے بیٹے کو مجھ سے جدا کر دے۔"

"مجھے افسوس ہے، میں مصروفیت کے باعث آپ سے رابطہ قائم نہ کر سکا۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں تو خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ تم زندہ سلامت ہو، اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔"

"یہ لوگ آپ پر اسمگلنگ کا الزام لگا رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے، وہ ہیرے آپ وقتاً فوقتاً اسمگل کر کے یہاں بھیجتی رہی ہیں۔ اس کا علم پولیس اور انٹیلی جنس والوں کو ہو گیا ہے۔"

"میں حیران ہوں۔ انھیں کس طرح علم ہو سکتا ہے؟"

"ہیرا سوامی یا اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوست مخبری کر سکتے ہیں۔"

"وہ مخبری کریں گے تو نقصان میں رہیں گے۔ مندر کی دیواروں سے برآمد ہونے والے ہیرے حکومت کی تحویل میں جائیں گے۔ وہ کروڑوں ڈالر کا مال ہم میں سے کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"ذرا ٹھہریے۔ میں ہیرا سوامی سے کچھ معلوم کرتا ہوں۔"

وہ اجنتا کے غاروں سے بہت دور مدراس شہر میں تھا۔ پچھلی رات ہی وہ بھی ماں جی کے ساتھ ایک طیارے کے ذریعے وہاں پہنچا تھا۔ امریکا سے یہاں تک وہ برابر نیلما داسی اور آنند بیٹے کا شریک سفر رہا تھا مگر دشمنوں کی طرح دور دور رہا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا۔ وہ پریشان تھا سوچ رہا تھا۔ "ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی چالیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ میرے لاکھ انکار کرنے اور سمجھانے کے باوجود انھوں نے مدراس انٹیلی جنس بیورو کو بتا دیا ہے کہ وہ قیمتی ہیرے مندر کی دیواروں میں پوشیدہ ہیں۔ ان دیواروں کو توڑنے کے بعد یہ بیش بہا خزانہ حکومت ہند کے ہاتھ آئے گا۔"

میں نے اس کی سوچ میں اسے چھیڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ بیش بہا خزانہ، اتنے نایاب ہیرے میرے ہاتھ سے نکل رہے ہیں؟"

"نہیں، وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے مجھے یقین دلا رہے ہیں، ہیرے بے شک حکومت کی تحویل میں جائیں گے مگر وہ خیال خوانی کرنے والے دوست انھیں سرکاری خزانے تک پہنچنے سے پہلے ہی اڑا لیں گے۔" پھر وہ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ زبردست چال ہے۔ ہم نے نیلما داسی سے کہا تھا وہ ہمیں مندر کی دیواروں کی تعمیر اور مرمت کے سلسلے میں ایک اجازت نامہ دے مگر وہ انکار کرتی رہی۔ پھر فرہاد اس کا حمایتی ہے۔ ہم اس سے تحریری اجازت نامہ نہیں لے سکتے تھے۔ نہ ہی مندر کی دیواروں کو توڑنے کا حق رکھتے تھے۔ ان بہن بھائیوں نے ایسی چال چلی ہے کہ نیلما داسی کے اجازت نامے کی ضرورت نہیں رہی، حکومت کو پتا چل گیا ہے۔ وہ خود ہی دیواریں توڑ کر ہیرے حاصل کر لے گی۔ یہ ہیرے مدراس کی صوبائی حکومت کے پاس جائیں گے یا پھر مرکزی حکومت کی تحویل میں دینے کے لیے دہلی بھیج دیے جائیں گے مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ ہمارے پاس پہنچ جائیں گے۔"

میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ لیڈی روزینہ جو وہاں کے معاملات کی ذمے دار تھی۔ بڑی عمدہ چالیں چل رہی تھی۔ ایک طرف ان ہیروں کی نشان دہی کر کے حکومت ہند کا اعتماد حاصل کر رہی تھی اور میری تلاش کے سلسلے میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کر رہی ہو گی۔

میں نے ماں جی کے پاس پہنچ کر انھیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔ انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔ "بیٹے! اس کا مطلب ہے، میرا تمام خزانہ حکومت کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔"

"میری کوشش یہی ہو گی کہ مندر کی چار دیواری سے وہ خزانہ کوئی نہ لے جا سکے۔ اگر حکومت کی تحویل میں جائے گا تو جانے دیجیے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے خزانے کو راستے میں اڑا سکتے ہیں۔ آپ کی دعا سے میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔"

"میں اپنے آنند کے مستقبل کے لیے یہ چاہتی تھی۔ یہ دولت میرے بیٹے کے لیے ہے۔ اس کی حفاظت کے سلسلے میں بھگوان کے بعد

تمھارا ہی سہارا ہے۔"

"آپ اطمینان سے گھر جائیں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

میں خیال خوانی ختم کرکے ٹوائلٹ سے نکلنا چاہتا تھا۔ اسی وقت میں نے سانس روک لی۔ کسی سوچ کی لہر میرے دماغ میں آنا چاہتی تھی۔ ذرا دیر بعد میں نے شیبا کو مخاطب کرنے کے لیے خیال خوانی کی پرواز کی مگر اس نے سانس روک لی۔ میں نے انتظار کیا۔ شاید وہ میرے پاس آئے یا دوسری بار میرے لیے دماغ کے دروازے کھولے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے پھر دماغ کے دروازے بند کرلیے تھے۔ میں حیران ہوکر سوچنے لگا "آخر بات کیا ہے۔ وہ مجھ سے رابطہ کیوں ختم کررہی ہے؟ اگر ابھی شیبا نہیں آئی تھی تو وہ روزینہ ہوگی یا اس کے بھائی ہوں گے۔

دشمن تو آتے ہی رہیں گے۔ میرا سراغ لگانے کی کوشش کرتے رہیں گے لیکن شیبا کو کیا ہوا تھا؟ میں نے آمنہ کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ وہاں بھی اس نے سانس روک لی۔

میں نے چند لمحوں کے بعد شیبا کے دماغ میں اچانک ہی پہنچتے ہوئے کہا "دیکھو، سانس نہ روکنا۔"

مگر اس نے روک لی۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں نے اس پائلٹ کے لب و لہجے کو یاد کیا جو انھیں لے گیا تھا۔ پھر اس کے دماغ کی طرف پرواز کی۔ میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ اس دُنیا میں نہیں تھا۔ میں حیرانی سے سوچنے لگا۔ وہ اچانک کیسے مرگیا؟ اسے کیا ہوا تھا؟

میں نے اس ملٹری آفیسر سے رابطہ قائم کیا جو میری مدد کرتا ہوا اسپتال پہنچ گیا تھا۔ اس نے کہا "آپ جہاں بھی ہیں بہت ہوشیاری سے رہیں۔ قدم قدم پر پولیس اور فوج کے سپاہی آپ کو تلاش کررہے ہیں۔"

"وہ پائلٹ جو میری دو ساتھی عورتوں کو لے گیا تھا۔ اب اس کا دماغ مجھے نہیں مل رہا ہے۔ یقیناً وہ مرچکا ہے اور میری ساتھی عورتوں سے رابطہ قائم نہیں ہورہا ہے۔"

"مسٹر فرہاد! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ وہ پڑیادر کا ہیلی کاپٹر تھا۔ یہاں سرحد پار کرتے وقت فوجیوں کی نظر میں آگیا تھا انھوں نے اسے مار گرایا۔ ہیلی کاپٹر تباہ ہوچکا ہے۔ ظاہر ہے، اس میں بیٹھنے والے بھی زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوکر سوچنے لگا۔ تباہ ہونے والے ہیلی کاپٹر میں کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تھا مگر شیبا اور آمنہ زندہ تھیں۔ میری سوچ کی لہریں ان کے دماغ تک پہنچ سکتی تھیں اور وہ پہنچنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ آخر کیوں؟

مجھے خیال آیا۔ ہوسکتا ہے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے پہلے انھیں سرحد پار کرایا ہو۔ واپس آتے وقت اسے تباہ کردیا گیا ہو۔ میں نے جناب شیخ صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ پھر شیبا اور آمنہ کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے کہا "وہ دونوں مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرنے سے انکار کررہی ہیں۔ جب بھی جاتا ہوں، سانس روک لیتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر وہ ایسا کیوں کررہی ہیں۔"

"تم نے انھیں واپس کیوں بھیج دیا؟"

"مجبوری تھی۔ شیبا یہاں کی زبانیں نہیں سمجھتی۔ یہاں والوں سے بالکل مختلف ہے۔ اسے اپنے ساتھ چھپا کر رکھنا ناممکن ہوتا جارہا تھا۔"

"تمھاری مجبوریاں اور تمھارا فیصلہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس کی اَنا کو ٹھیس پہنچی ہوگی۔ وہ تمھارے ساتھ قدم قدم چلنے کے شوق میں ادارے سے نکل کر گئی تھی۔ تم نے اسے چوبیس گھنٹے بھی ساتھ نہیں رکھا۔ آخر وہ عورت ہے۔"

"میں نے اس عورت کی حفاظت کے لیے ہی ایسا کیا ہے اگر وہ وقتی طور پر ناراض ہوگئی ہے تو ہوا کرے۔ مجھے اس کی سلامتی چاہیے۔"

اچانک ہمیں اس کی آواز سنائی دی۔ اس نے جناب شیخ صاحب کو سلام کرتے ہوئے کہا "میں شیبا بول رہی ہوں۔ فرہاد بار بار میرے پاس آنا چاہتے ہیں مگر میں آنے نہیں دوں گی۔"

جناب شیخ صاحب نے کہا "اس وقت فرہاد میرے پاس موجود ہے۔ کیا تم اس سے ناراض ہو؟"

"میں بھلا ناراض ہونے والی کون ہوتی ہوں۔ میں آپ کے پاس ایک گھنٹے بعد آؤں گی۔ پھر آخری چند باتیں کرنے کے بعد رخصت ہوجاؤں گی۔ اگر مسٹر فرہاد آپ کے پاس آکر سننا چاہیں تو سُن سکتے ہیں مگر میرے دماغ میں براہِ راست نہیں پہنچ سکیں گے۔ میں جارہی ہوں۔"

میں نے اسے مخاطب کیا "شیبا۔ رُک جاؤ۔ پہلے ایک بات سُن لو۔"

مگر اس کی طرف سے کچھ سُنائی نہیں دیا۔ وہ جاچکی تھی یا شاید موجود ہو۔ ایسے میں پتہ لگانا دشوار ہوتا ہے۔ شیخ صاحب نے کہا "بیٹے! یہ بُرا ہوا۔ ہماری شیبا بیٹی بہت اچھی ہے۔ بس ذرا سا نازک دل ہے۔ تمھیں اس کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے جس سے جذبات کو ٹھیس پہنچے اور اس کے احساسات مجروح ہوں۔ بہرحال میں ایک گھنٹے بعد سنوں گا وہ کیا کہتی ہے۔"

میں ٹوائلٹ سے نکل آیا۔ ٹرین مدراس اسٹیشن پر رکنے ہی والی تھی۔ میں نے شیبلی کے دماغ میں چُپ چاپ پہنچ کر اسے بیدار کیا۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ پھر مجھے اپنے سامنے دیکھ کر فوراً ہی بیٹھ گئی، کہنے لگی "کیا میں سو رہی تھی؟"

"صرف ایک گھنٹے پینتالیس منٹ سوتی رہیں۔ جلدی تیار ہوجاؤ۔ ہم اپنی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔"

وہ اٹھ کر ٹوائلٹ میں گئی۔ پھر منہ ہاتھ دھوکر واپس آئی، جلدی سے بال سنوارے۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا۔ پھر ہم قلی کے سر پر سامان لاد کر اسٹیشن سے باہر آتے۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر نائیڈو ہوٹل پہنچے۔ وہاں اپنے لیے کمرہ لیا۔ وہ کمرے میں آکر بولی۔ "میں غسل کرکے لباس تبدیل کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں، ضرور جاؤ۔ تمھارے آنے کے بعد چائے پینا چاہوں گا۔"

وہ اپنا لباس لے کر باتھ رُوم میں چلی گئی۔ میں ماں جی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مندر کے اس حصے میں تھیں، جہاں شیو جی کی مورتی رقص کے انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی چار دیواری میں وہ ہیرے چھپے ہوتے تھے۔

ماں جی کے سامنے دو فوجی افسر کھڑے ہوئے تھے ان کے سامنے بہت سے مسلح فوجی جوان نظر آرہے تھے۔ ماں جی نے پوچھا۔ "آپ لوگ اس مندر میں کیا لینے آئے ہیں؟"

ایک فوجی افسر نے کہا "ہمیں خبر ملی ہے۔ اس مندر میں اسمگلنگ کا مال چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

ماں جی نے دُور کھڑے ہوئے ہیرا سوامی کو دیکھا۔ وہ خاموش تماشائی تھا۔ جانتا تھا ابھی ہیرے ہاتھ نہیں آئیں گے مگر وہ انھیں آنکھوں سے دیکھ کر اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا۔ ایک فوجی افسر نے اس سے پوچھا "مسٹر تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟"

وہ آگے بڑھ کر بولا "یہ میری دھرم پتنی ہے۔ اگر یہاں اسمگلنگ کا مال چھپایا گیا ہے تو مجھے افسوس ہوگا، بہرحال میں دیکھنا چاہتا ہوں، میری دھرم پتنی پر جو الزام عائد کیا جارہا ہے، وہ درست ہے یا نہیں؟"

ایک فوجی افسر نے کہا "اس الزام کو درست ثابت کرنے کے لیے ہمیں مندر کی چار دیواری کو توڑنا ہوگا۔"

ماں جی نے افسر سے پوچھا "کیا آپ اپنے ہی دھرم کی توہین کرنا چاہتے ہیں؟"

"اس میں توہین کی کیا بات ہے۔ غیر قانونی مال مندر میں چھپا کر رکھا جائے تو وہاں کی تلاشی لینا اور مال کھود کر یا دیواریں توڑ کر اسے برآمد کرنا ہمارا قانونی فرض ہے۔"

"میں اعتراف کرتی ہوں ان دیواروں میں بہت ہی قیمتی ہیرے چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ اور ایسا میں نے کیا ہے لیکن آپ ان ہیرے جواہرات کو مندر کے باہر لے جانے کا حق نہیں رکھتے۔ یہ دھرم کا معاملہ ہے۔"

"میں فوجی آدمی ہوں۔ اس لیے قانون کے معاملات سمجھتا ہوں۔"

"کیا قانون پر چلنے والے سپاہی دھرم کو بھول جاتے ہیں؟"

"آپ خوامخواہ بحث کررہی ہیں۔ راستے سے ہٹ جائیے، ہمارے جوان کدالوں سے ان دیواروں کو توڑیں گے۔"

"میں ہٹ جاؤں گی۔ اکیلی عورت ہوں۔ تم لوگوں کا سامنا نہیں کرسکتی لیکن ایک بات کہتی ہوں۔ آج سے صدیوں پہلے ایک مسلمان محمود غزنوی نے سومنات کے مندر کو توڑا تھا تو تمام ہندو مشتعل ہوگئے تھے۔ کیوں کہ سلطان محمود غزنوی اُن بتوں کو اور مندروں کو توڑ کر وہاں سے بیش بہا خزانہ حاصل کررہا تھا۔ آج صدیوں بعد ہندوؤں کے یہ ہاتھ خود اپنے مندر کی دیواریں توڑنے اور بیش بہا خزانہ حاصل کرنے آئے ہیں۔ اگر صدیوں پہلے کی وہ بات غلط تھی تو آج صحیح کیسے ہوگئی؟ اور اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر مان لو کہ سلطان نے بتوں کو توڑ کر اور ہمارے مندروں کو ڈھا کر کوئی غلطی نہیں کی تھی۔"

دونوں افسر چُپ چاپ ان کی باتیں سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھیں "محمود غزنوی کا دعویٰ تھا کہ اس نے بیش بہا خزانہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے مذہبی فرض کی ادائیگی کے لیے بتوں کو توڑا تھا۔ میں پوچھتی ہوں تمھارا مذہبی فرض کیا ہے؟"

ایک افسر نے کہا "آپ کی باتوں کا ہمارے پاس صرف ایک ہی جواب ہے۔ اس مندر میں اسمگل کیے ہوئے ہیرے جواہرات چُھپا کر رکھے گئے ہیں۔ ہم نے انھیں برآمد نہ کیا تو چوروں، ڈاکوؤں اور اسمگلروں کے حوصلے بڑھیں گے۔"

"میں پوچھتی ہوں۔ ہمارے مندروں میں جو ہیرے جواہرات چُھپا کر رکھے جاتے ہیں اور سومنات کے مندر میں جو بیش بہا خزانہ رکھا گیا تھا کیا وہ جائز تھا۔ قانونی تھا، محنت سے حاصل کیا گیا تھا۔ جو عقیدت مند سرمایہ دار سونے، چاندی، ہیرے جواہرات لاکر بھگوان کے چرنوں میں رکھتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں تو کبھی تمھارے قانون نے پوچھا کہ یہ سرمایہ دار ہیرے جواہرات کہاں سے لاتے ہیں؟ کیا یہ لوٹ کھسوٹ اور اسمگلنگ کا مال نہیں ہوتا؟"

ایک فوجی افسر نے ہیرا سوامی سے کہا "مسٹر! اپنی دھرم پتنی کو یہاں سے لے جائیں، ہمیں اپنی کارروائی کرنے دیں۔"

"میں خود ہی جارہی ہوں لیکن آپ لوگ کسی بھی صاف اور سچی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر انصاف والے ہو تو اس دیس کے ایک ایک مندر کو توڑ کر دیکھو، یہ میں نہیں کہتی تاریخ

کہتی ہے۔ ہزاروں صدیوں سے مندروں میں چوروں اور ڈاکوؤں سے لوٹا ہوا مال جمع ہوتا رہا ہے۔ کل بھی ہوتا تھا آج بھی ہوتا ہے اور کل بھی ہوتا رہے گا۔"

آنند نے ماں جی کو سہارا دیا۔ وہ روتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئیں۔ فوجیوں کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ سب دندناتے ہوئے اندر آئے۔ اپنے افسران کا حکم سنتے ہی فوجی جوانوں نے کدالیں سنبھال لیں۔ ایک جوان نے پہلی کدال ایک دیوار پر چلائی۔ اس کی نوک دیوار پر پڑتے ہی ماں جی کے اندر سے ایک آہ نکلی۔ انھیں یوں لگا جیسے کدال ان کے سینے پر آ کر لگی ہو۔ وہ چکرا کر گر پڑیں۔

آنند انھیں تھپک تھپک کر آوازیں دینے لگا۔ میں نے کہا "ماں جی! اپنے آپ کو سنبھالیے۔ میں نے وعدہ کیا ہے وہ ہیرے آپ ہی کے پاس رہیں گے۔"

اسی وقت، مجھے ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ ماں جی کے دماغ میں کوئی ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی "فرہاد علی تیمور! آج پہلی بار اس عورت کے دماغ میں آ کر تمھیں مخاطب کر رہی ہوں۔ کیا بتانے کی ضرورت ہے کہ میں کون ہوں؟"

لہجہ ماں جی کا تھا، آواز بھی ویسی ہی تھی۔ میں نے کہا "تم روزینہ ہو، یہ گیدڑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف آتا ہے۔ تم نے میری طرف آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

میری بات پر وہ قہقہے لگانے لگی۔ اس کے قہقہے تھے کہ رکتے نہیں تھے۔ میں تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر میں نے اچانک ہی کہا "ارے ارے تم ماں جی کے انداز میں ہنستے ہنستے اپنے انداز میں ہنسنے لگی ہو۔ تمھارا بہت بہت شکریہ تم نے میرے لیے دماغ کے دروازے کھول دیے ہیں۔"

اچانک ہی اس کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔ وہ ایک دم سے چپ ہو گئی۔ میں نے غلط کہا تھا۔ میرا مقصد تھا ایک تو اسے خوفزدہ کر دوں۔ دوسرے وہ بے اختیار گھبرا کر اپنے لب و لہجے میں کچھ بول پڑے۔ لیکن وہ چپ ہونے کے بعد واقعی چپ ہو گئی تھی۔ اس میں بولنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ میں نے کہا "تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔ زیادہ سے زیادہ ہیرا سوامی کے دماغ میں رہ کر یہ دیکھنا چاہو گی کہ کتنے ہیرے برآمد ہوتے ہیں اور انھیں کس طرح یہاں سے لے جایا جاتا ہے۔"

مجھے ماں جی کے دماغ میں ایک گہری سانس سنائی دی۔ پھر وہ ان کے لہجے میں بولی "تم نے ڈرایا اور میں ڈر گئی۔ انتظار کرنے لگی۔ شاید میرے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر آ رہے ہو مگر نہیں آئے۔ بڑے فراڈ ہو، نفسیاتی حملہ کر کے مجھے بولنے پر مجبور کر رہے ہو۔ میں کوئی نادان چھوکری تو نہیں ہوں؟"

"مانتا ہوں۔ نادان نہیں، بہت چھٹی ہوئی ہو۔ دیکھو یہاں سے ہیرے برآمد ہو رہے ہیں۔ انھیں تم لے جانا چاہو گی اور میں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ یہاں تمھارے دو مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ بیش بہا خزانہ لے جانا چاہتی ہو۔ اور دوسرے مجھے ڈھونڈنا چاہتی ہو۔ میرے بھی یہی دو مقاصد ہیں۔ یہ بیش بہا خزانہ ماں جی کے حوالے کر دوں گا اس کے ساتھ ساتھ تمھیں ڈھونڈ نکالوں گا۔"

وہ پھر قہقہے لگانے لگی۔ میں نے کہا "ابھی تم ہنسنا بھول جاؤ گی۔ میرے بارے میں جانتی ہو کہ میں عورت پسند ہوں۔ تنہا بہت کم رہتا ہوں۔ ایسی مہاتی زندگی میں کوئی نہ کوئی میرے ساتھ ضرور رہتی ہے۔ سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی، پوجا اداسے میں ہیں۔ شیبا اور آمنہ پتا نہیں کہاں گم ہو چکی ہیں۔ ابھی ایک اجنبی شریف زادی میرے ساتھ ہے۔ بہت جلد اسے عزت آبرو سے رخصت کر دوں گا۔"

روزینہ نے ماں جی کے لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ باتیں کیوں سنا رہے ہو؟"

"اس لیے کہ تمھیں میری ایک نئی ساتھی کے متعلق معلوم ہو جانا چاہیے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمھاری وہ نئی دریافت ہمارے لیے مشکلات پیدا کرے گی؟"

"صرف مشکلات پیدا نہیں کرے گی، بلکہ تم لوگوں سے وہ تمام ہیرے چھین کر میرے پاس لائے گی اور تمھیں بے نقاب کرے گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "ابھی کسی ماں نے ایسی کوئی لڑکی پیدا نہیں کی ہے۔"

"تمھاری ماں نے کی ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"غصہ کرو گی تو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو، تمھاری ماں نے جسے پیدا کیا ہے۔ وہ کل ہندوستان پہنچ رہی ہے۔"

وہ غصے سے بولی "نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

اب میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "جوجو آؤ۔ آؤ جوجو۔ اب میں تمھاری مضحکہ خیز حرکتوں سے تمھاری بہن اور تمھارے بھائیوں کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"یہ تمھارا خیال ہے اور خیال ہی رہے گا۔ میں جوجو کو نہیں آنے دوں گی۔"

"کیا تم اس کی حفاظت کرو گی؟ اس کے دماغ میں چوبیس گھنٹے پہرا دیتی رہو گی؟"

مجھے اپنی بات کا جواب نہیں ملا۔ میں نے دو چار بار مخاطب کیا۔ وہ جا چکی تھی۔ یقیناً جوجو کے پاس گئی ہو گی یا اپنے بھائیوں کو میرے نئے طریقۂ کار سے آگاہ کر رہی ہو گی۔ میں نے جوجو کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ روزینہ کہہ رہی تھی "میں تمھارے لب و لہجے میں روزی بول رہی ہوں۔ تمھاری بہن روزی۔"

جوجو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا میں تک رہی تھی اور کہہ رہی تھی "نہ جانے تم تینوں کو کیا ہو گیا ہے، جب بھی میرے پاس آتے ہو میرے ہی لب و لہجے میں بولتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بات میرے دماغ میں آ رہی ہے، وہ میری اپنی ہے یا تم لوگوں کی ہے۔"

"تمھیں رفتہ رفتہ ہماری اور اپنی باتوں کو سمجھنا آ جائے گا۔ ابھی میں ضروری کام سے آئی ہوں۔ یہ بتاؤ، کیا تم فرہاد علی تیمور سے متاثر ہو؟"

"اس کا نام نہ لو، مجھے اس سے نفرت ہے۔"

"شاباش، آخر تم ہماری بہن ہو مگر نفرت کیوں ہے؟"

"میرے بھائی آرمر کہتے ہیں۔ وہ اچھا نہیں ہے، بدمعاش ہے تو پھر اچھا نہیں ہو گا اور سچ مچ بدمعاش ہو گا۔"

"میں بھی یہی کہتی ہوں۔ تم جوان ہو، خوبصورت ہو، وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے تمھیں اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرے گا۔ تم سے محبت کرے گا۔"

"میں ایسے آدمی سے کبھی محبت نہیں کر سکتی۔ میں تو اپنے ایک دوست کو چاہتی ہوں۔"

روزینہ نے حیرانی سے پوچھا "وہ دوست کون ہے؟"

"پتا نہیں، کون ہے۔ بس میرے خیالوں میں آتا ہے۔"

روزینہ نے چونک کر پوچھا "کیا دماغ میں آتا ہے؟"

جوجو نے انکار میں سر ہلا کر کہا "دماغ میں نہیں خیالوں میں آتا ہے۔ میں جب تصور کرتی ہوں تو اسے دیکھتی ہوں مگر چہرہ صاف طور سے دکھائی نہیں دیتا پھر بھی وہ میرا دوست ہے۔"

جوجو وہی باتیں کہہ رہی تھی جو میں تنویمی عمل کے دوران اس کے دماغ میں نقش کر چکا تھا۔ میں واپس ماں جی کے پاس آ گیا۔ روزینہ ابھی بہت کچھ اپنی بہن کو سکھانے پڑھانے والی تھی۔ اپنے بھائیوں سے بھی اس سلسلے میں بات کرنے والی تھی۔ ایک منٹ کے بعد ہی ماں جی کے دماغ میں روزینہ نے پوچھا "کیا فرہاد موجود ہے؟"

میں نے کہا "فرہاد تو تمھارے حواس پر چھایا ہوا ہے موجود کیسے نہیں ہو گا۔"

خاموشی چھا گئی۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ میں پھر جوجو کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں بھی اس کی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے ہاربر کے پاس پہنچ کر دیکھا اسے ٹرانسمیٹر کے ذریعے خطرے کا سگنل مل رہا تھا۔ اسے بتایا جا رہا تھا کہ فرہاد جوجو کو اپنے پاس ہندوستان بلانا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو بڑی مشکلات پیدا ہوں گی لہٰذا چھوٹی بہن کو نیویارک سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔

شارپر کے پاس بھی یہی اطلاعات پہنچ رہی ہوں گی۔ میں تھوڑی دیر کے لیے دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھل رہا تھا۔ شیلی کمرے میں آنے والی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بستر پر چپ چاپ لیٹا رہا۔ وہ مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔ مجھ سے مخاطب ہونا چاہتی تھی مگر میری آنکھیں بند دیکھ کر چپ ہو گئی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آئی۔ مجھے غور سے دیکھا۔ اس کے دماغ نے کہا "بہت تھکے ہوئے ہیں۔ شاید نیند پوری نہیں ہوئی۔ مجھے خاموش رہنا چاہیے۔"

وہ دبے قدموں چلتی ہوئی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ میں پھر ماں جی کے پاس پہنچ گیا اور صحیح وقت پر پہنچا۔ روزینہ، ماں جی کے لہجے میں پوچھ رہی تھی "فرہاد! کیا تم موجود ہو؟"

"کتنی بار آتی رہو گی اور میری موجودگی کا یقین کرتی رہو گی؟"

"تم ابھی جوجو کے پاس گئے تھے؟"

"وہ خود میرے پاس آنے والی ہے۔ مجھے اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تم جھوٹ کہتے ہو۔ بھلا کس طرح اسے بلاؤ گے؟"

"کیا میں اتنا احمق لگتا ہوں کہ اپنا طریقۂ کار بتا دوں۔ تم سب حیران رہ جاؤ گے جب وہ ہندوستان میں نظر آئے گی۔ تم بہن بھائی مل کر اسے اپنی ذہانت سے، اپنی تدابیر سے روکنا چاہو گے مگر روک نہیں سکو گے۔ مجھے بار بار مخاطب نہ کرو۔ میں جب تک یہاں کے تمام ہیرے ماں جی کے ذریعے نہیں دیکھوں گا اس وقت تک کسی اور طرف توجہ نہیں دے سکتا۔"

وہاں فوجی دیواروں کو توڑنے میں مصروف تھے۔ اب تک دو ہیرے برآمد ہو چکے تھے ہیرا سوامی للچائی ہوئی نظروں سے منہ کھولے ہوئے انھیں دیکھ رہا تھا مگر انھیں چھو نہیں سکتا تھا۔ ایسے وقت مجھے شیبا کی سخت ضرورت تھی تاکہ ہم دونوں مختلف سمت میں اپنی خیال خوانی کے ذریعے دشمنوں پر نظر رکھ سکیں اگر وہ جوجو کے دماغ میں موجود رہتی تو یہ معلوم ہوتا رہتا کہ وہ بہن

بھائی اسے مجھ سے دُور رکھنے کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔

اس نے ایک گھنٹے بعد جناب شیخ صاحب کے پاس آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ ایک گھنٹا پورا ہو چکا تھا۔ میں نے شیخ صاحب سے پوچھا "کیا شیبا موجود ہے؟"

"ہاں، ابھی آئی تھی پھر چلی گئی۔"

"پھر کب آئے گی؟"

"شاید کبھی نہیں۔"

میں نے چونک کر پوچھا "آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جو اس نے کہا۔ وہی کہہ رہا ہوں۔ وہ بہت دل برداشتہ تھی۔ بڑے عزم اور حوصلے کا بھی اظہار کر رہی تھی۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ وہ تمام عمر میری عزت کرتی رہے گی۔ مشکل اوقات میں مجھ سے مشورے بھی طلب کرتی رہے گی لیکن نہ تو بابا صاحب کے ادارے میں آئے گی اور نہ ہی تم سے دماغی رابطہ قائم کرے گی۔"

"مگر کیوں؟ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟"

"اس کے دل کو ٹھیس پہنچی ہے۔ وہ اپنی توہین محسوس کر رہی ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے پومی نے عملی میدان میں قدم رکھا اور بے مثال کامیابیاں حاصل کر کے آئی۔ اس کے برعکس وہ تمھارے ساتھ ہندوستان گئی اور چند قدم بھی نہ چل سکی۔ تم نے اسے واپس کر دیا۔ اب وہ سونیا، اعلیٰ بی بی اور پومی کو منہ نہیں دکھانا چاہتی۔ وہ کہہ رہی تھی خود کو اس قابل بنائے گی کہ ایک دن تم اس کی ضرورت محسوس کرو اور اسے اپنے شانہ بشانہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی اہل سمجھ سکو اور اس پر فخر کر سکو۔ جب تک وہ اس قابل نہیں ہوگی، ہم سے کوئی رابطہ قائم نہیں کرے گی۔"

"جناب شیخ صاحب! مگر وہ کہاں ہے؟ کہاں بھٹکتی رہے گی؟ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ جائے گی۔"

"اندیشہ یہی ہے اگر وہ غلط ہاتھوں میں پڑ گئی یا دشمنوں نے اسے ٹریپ کر لیا تو ٹیلی پیتھی کی ایک بہت بڑی قوت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

میں نے شیخ صاحب سے رابطہ ختم کر کے آمنہ کے دماغ پر دستک دی مگر اس نے سانس روک لی۔ میں نے دوبارہ اسے مخاطب کیا مگر اس نے آنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ شیبا کا بھرپور ساتھ دے رہی ہے۔ اس کی طرح اس نے بھی ہم سے رابطہ ختم کر دیا ہے۔

میں تھک ہار کر اپنی جگہ حاضر ہوا۔ آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے پتا تھا۔ بے چاری شیلی میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک پیالی چائے بھی نہیں پی تھی مگر میں آنکھیں کھول نہیں سکتا تھا۔ بڑے مسائل تھے۔ ان سے فوری طور پر پیچھا نہیں چھڑا سکتا تھا۔

میں جو جو کے پاس آ گیا۔ اس وقت وہ آنکھیں بند کیے اپنے بستر پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے دماغ میں کہا جا رہا تھا کہ وہ سو رہی ہے، گہری نیند میں ڈوب رہی ہے۔

میں سمجھ گیا، اس پر تنویمی عمل کیا جا رہا تھا اور اس عمل کے ذریعے اسے ہندوستان آنے سے باز رکھا جائے گا۔ میں چپ چاپ تماشا دیکھنے لگا۔ جو جو گہری نیند میں ڈوب گئی تھی لیکن اس پر تنویمی عمل کرنے کے لیے جو احکامات دیے جا رہے تھے، وہ ان کی تعمیل نہیں کر رہی تھی۔ تنویمی عمل کے لیے آواز میں رعب اور دبدبہ ہونا چاہیے۔ کوئی بھی شخص اپنی ہی آواز سے متاثر ہو کر، مرعوب ہو کر کسی کو معمول نہیں بنا سکتا اور اس پر جو تنویمی عمل کیا جا رہا تھا، اس کے لیے جو جو کے ہی لب و لہجے کو استعمال کیا جا رہا تھا۔ ان بہن بھائیوں میں سے کسی کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ہپناٹزم کے لیے اپنا ذاتی لب و لہجہ اختیار کرتا اور میری گرفت میں آنے کا خطرہ مول لیتا۔

اب جو جو کے دماغ میں کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے آرمر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہاں اس کے لہجے میں بولا جا رہا تھا "آرمر! تم ہم سب میں بڑے ہو مگر بڑے نالائق ہو۔ تمھیں کتنی بار سمجھایا۔ شراب سے پرہیز کرو اور تم ہو کہ بے وقت بھی پینے لگتے ہو۔ ہمیں اس وقت تمھاری سخت ضرورت ہے مگر تم ہمارے کام نہیں آ سکو گے۔"

وہ نشے کی حالت میں بولا "میں بہن بھائیوں کے لیے جان دے سکتا ہوں۔"

"ہم تمھاری جان لے کر کیا کریں گے۔ اس وقت جو جو پر تنویمی عمل کرنا بہت ضروری ہے۔"

آرمر نے کہا "یہ تم کر لو۔"

"ہم جو جو کے ہی لب و لہجے میں بول سکتے ہیں۔ اپنی آواز اور لہجہ سنا نہیں سکتے۔ تم فرہاد اور شیبا کے سامنے بے نقاب ہو چکے ہو۔ وہ تمھارے لب و لہجے کو سمجھتے ہیں۔ تم جو جو پر تنویمی عمل کر سکتے تھے لیکن اپنے ہوش میں نہیں ہو۔"

"میں ہوش میں ہوں، پوری طرح ہوش میں ہوں۔ ابھی جا کر اپنی پیاری بہن پر تنویمی عمل کروں گا اور اسے دشمنوں سے محفوظ رکھوں گا۔"

وہ اٹھا مگر لڑکھڑانے لگا۔ اس کے دماغ میں آواز آئی "بہتر ہے، اپنے کمرے سے باہر نہ نکلو۔ جو جو گہری نیند میں ہے۔ تمھاری مداخلت سے بیدار ہو جائے گی اور ہم یہ نہیں چاہتے۔"

اس کے دماغ میں خاموشی چھا گئی۔ آرمر نے مخاطب کیا۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں نے اپنی جگہ واپس آ کر سوچا۔ اب جو جو کے پاس جانا چاہیے۔ اسی لمحے بے اختیار سانس روک لی۔ کوئی آنا چاہتا تھا۔ کئی سیکنڈ تک سانس روکنے کے بعد میں نے شیبا کی طرف پرواز کی مگر اس نے دماغ کے دروازے بند کر لیے۔ میں پھر اپنی جگہ آ گیا۔ اس بار طے کر لیا کہ کبھی شیبا کی طرف خیال خوانی کی پرواز نہیں کروں گا۔

تھوڑی دیر پہلے میں نے بے اختیار سانس روک لی تھی۔ یقیناً روزینہ میرا سراغ لگا رہی ہوگی کہ میں کہاں ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ کیا میں جو جو کے پاس ہوں؟

میں نے ہاربر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بھی مجھے ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کم از کم یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں جو جو کے پاس ہوں یا نہیں؟ وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ جو جو اور بھائی آرمر ان کے لیے مصیبت بن گئے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ان کی کوئی کمزوری نہ ہوتی، فرہاد ان کی مجبوریوں سے یوں نہ کھیلتا۔ انھیں یوں پریشان نہ کرتا کہ وہ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر خیال خوانی کی پرواز کرتے رہتے۔ کیا فرہاد اصل معاملات سے ان کی توجہ ہٹا رہا ہے؟

یہ سوال بہن بھائیوں کو چبھ رہا تھا۔ روزینہ نے خفیہ طریقے سے دونوں بھائیوں کو یہ مشورہ دیا تھا "نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ ہماری بہن جو جو اور بھائی آرمر کے مرنے پر ہمیں صدمہ تو ہوگا لیکن انھیں مر جانا چاہیے۔"

ہاربر سوچ رہا تھا "مگر ہم اپنی معصوم بہن کو نہیں مار سکتے۔ ہم دنیا کے کسی بھی آدمی کو چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں۔ ہمیں ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا لیکن ایک ایسا رشتہ ہونا چاہیے جس سے ہم ٹوٹ کر محبت کر سکیں اور جو ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ ہم سے بے پناہ محبت کرتی ہو اور وہ ہماری جو جو ہے۔ ہم اسے نہیں مار سکتے۔"

پھر وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ اس کے دماغ میں یہ تدبیر آ رہی تھی "فرہاد جو جو کے پاس ہے یا نہیں، اس کا سراغ لگ سکتا ہے۔ ہم جو جو کو مارنے کا ارادہ کریں لیکن یہ محض ایک ڈراما ہو۔ ہماری ٹیلی پیتھی کے ذریعے وہ سانس روکنے لگے گی۔ اس کا دم نکلنے لگے گا۔ فرہاد موجود ہوگا تو اسے ضرور بچانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح ہمیں اس کی موجودگی کا علم ہو جائے گا۔"

یہ سوچنے کے بعد وہ خفیہ ذرائع سے شاربیرا اور روزینہ سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ ان کے سامنے کوڈ ورڈز کے ذریعے اپنی تدبیر پیش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس تدبیر پر عمل شروع ہو گیا۔ میں جو جو کے دماغ میں تھا۔ روزینہ اپنی بہن کے لب و لہجے میں کہہ رہی تھی "جو جو! ہم نے تم سے بہت پیار کیا مگر تم ہمارے لیے موت بن گئی ہو۔ تم زندہ رہو گی تو فرہاد تمھیں زندہ نہیں رہنے دے گا۔ لہٰذا تمھارا مر جانا لازمی ہو گیا ہے۔"

اس کے بعد ہی اس کی سانس رکنے لگی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے دماغ میں میرا لب و لہجہ گونجنے لگا "میں فرہاد ہوں، تمھارا دشمن۔ آج تمھاری جان لینے آیا ہوں۔ اب میں تمھارے دماغ پر قبضہ جما رہا ہوں۔ تم سانس نہیں لے سکو گی۔"

اس کی سانس پھر رکنے لگی۔ وہ گھبرا رہی تھی۔ اپنی پوری قوت سے سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی مگر سانس تھی کہ رکتی جا رہی تھی۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر بستر پر اِدھر سے اُدھر گئی۔ پھر نیچے گر پڑی۔

میں خاموش تماشائی تھا۔ مجھے اس معصوم کے تڑپنے اور گرنے پر بے حد صدمہ ہو رہا تھا مگر میں برداشت کر رہا تھا۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے بہن بھائی اسے بڑی بے دردی سے موت کے بالکل قریب لے جانا چاہتے تھے تاکہ میں بیچ میں بول پڑوں اور اس کی حفاظت کے لیے مجبور ہو جاؤں۔ مگر میں منصوبے کو سمجھ چکا تھا۔ پھر بھلا مداخلت کیوں کرتا۔

وہ تینوں یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں ہاربر کے پاس پہنچ کر ان کی اس تدبیر کو سمجھ لوں گا۔ چونکہ انھیں خوش فہمی تھی کہ وہ میری ٹیلی پیتھی سے محفوظ ہیں۔ میں کبھی ان کے سائے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے وہ جو جو کے ساتھ یہ ڈراما پلے کر رہے تھے۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی وہ بے دم سی ہو کر فرش پر پڑی رہ گئی۔ ویسے سانس باقی تھی۔ وہ بہن بھائی اس کے ساتھ جو سلوک کر چکے تھے اس پر پچھتا رہے تھے۔ اسے زندگی کی طرف واپس لا رہے تھے۔ یہ یقین ہو چکا تھا کہ فرہاد ان کی جو جو کے پاس نہیں ہے۔

انھوں نے خیال خوانی کے ذریعے چھوٹی بہن کو بستر پر پہنچایا اسے تسلیاں دینے اور سمجھانے لگے "فرہاد دشمن بن کر تمھاری جان لینے آیا تھا مگر ہم نے اسے بھگا دیا ہے۔ تم جلدی سے آنکھیں بند کر کے سو جاؤ۔ نہیں تو وہ پھر آ جائے گا۔"

جو جو نے ننھی سی سہمی ہوئی بچی کی طرح جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ صرف ایک منٹ کے اندر اسے نیند آ گئی۔ کیونکہ اسے خیال خوانی کے ذریعے سُلایا گیا تھا۔ اس کے بعد کسی کی آواز اور لب و لہجہ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

میں نے ہارپر کے پاس پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ تینوں بہن بھائی خفیہ ذرائع سے ایک دُوسرے کو قائل کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو مجبور کر رہے تھے کہ اسے جوجو کے پاس جا کر اپنے لب و لہجے میں تنویمی عمل کرنا چاہیے۔

یہ بلّی کے گلے میں گھنٹی باندھنے والی بات تھی۔ کوئی چوہا تیار نہیں ہو رہا تھا۔ آخر میں دونوں بھائی ایک طرف ہو گئے تھے۔ روزینہ کو قائل کر رہے تھے کہ وہ ہندوستان میں ہونے والے معاملات کی ذمّہ دار ہے۔ فرہاد بھی وہاں ہے اور جوجو کو بھی وہیں بُلانے کا دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا فی الحال چھوٹی بہن کو سمجھانا روزینہ کا فرض ہے۔

شارپر نے خفیہ پیغام کے ذریعے روزینہ کو سمجھایا ”وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ فرہاد کی عدم موجودگی ثابت ہو چکی ہے۔ روزینہ کو فوراً تنویمی عمل کر کے جوجو کو نیو یارک تک پابند کر دینا چاہیے۔“

دونوں بھائیوں نے اسے یقین دلایا۔ خود اسے یقین ہو گیا تھا۔ جو فرہاد کسی کو خواہ مخواہ مرتے یا تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا، وہ بھلا جوجو جیسی معصوم لڑکی کا دم نکلتے کیسے دیکھ سکتا تھا؟ اگر وہ موجود ہوتا تو کبھی اس کی سانس رکنے نہ دیتا۔ اسے بستر سے بھی گرنے نہ دیتا۔

روزینہ کو یقین کرنا پڑا۔ آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جب اسے جوجو پر تنویمی عمل کرنے کے لیے اپنی آواز اور اپنے لب و لہجے میں بولنا پڑا۔ پہلے وہ ڈرتے ڈرتے بولی ”جوجو!“ پھر چُپ ہو گئی۔ شاید معلوم کرنا چاہتی تھی، فرہاد نے اس کی آواز تو نہیں سنی ہے؟

پھر اس نے کہا ”جوجو! تم گہری نیند میں ہو۔ مگر اپنے دماغ میں میری آواز سن رہی ہو۔“

وہ پھر چپ ہو گئی۔ ذرا انتظار کرنے کے بعد حوصلہ بڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ ایک عامل کی طرح چھوٹی بہن کو ٹرانس میں لانے لگی۔ اس سے اپنی باتیں منوانے لگی۔ اس کی باتوں کے جواب میں جوجو کے لب ہل رہے تھے۔ وہ بول رہی تھی مگر پس پردہ میں بول رہا تھا۔ ہپناٹائز ہونے والی کو یقین دلا رہا تھا کہ جوجو نیو یارک تک پابند رہے گی۔ اور اس پر فرہاد کے کسی عمل کا اثر نہیں ہو گا۔

آخر وہ عمل ختم ہو گیا۔ جوجو بظاہر تنویمی نیند سو گئی جبکہ اس پر ہپناٹزم کا خاک اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بے چاری تو پہلے ہی سے سو رہی تھی۔ روزینہ مطمئن ہو کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گئی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اس کے اندر تھا۔ وہ دماغی طور پر جہاں حاضر ہوئی، اس جگہ کا علم ہوتے ہی میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ یا حیرت! وہ تو میرے بالکل قریب تھی، نگاہوں کے سامنے شیلی مسکرا رہی تھی۔

کیا تماشا ہے۔ وہ میرے قریب تھی اور میں اس سے بے خبر رہا تھا۔

میں آنکھوں کو بند رہنے دیتا تو بہتر ہوتا لیکن لیڈی روزینہ کو قریب پا کر حیرانی سے آنکھ کھُل گئی، میں بھول گیا تھا کہ سامنے صوفے پر شیلی بیٹھی ہے، اس سے آنکھیں چار ہوں گی تو میں لیڈی روزینہ کے پاس فوراً واپس نہیں جا سکوں گا، جب کہ وہ میرے بالکل قریب تھی۔ میرے ساتھ والے کمرے کے بیڈ پر آرام سے لیٹی ہوئی میری طرح خیال خوانی میں مصروف تھی۔

مجھ سے نظریں ملتے ہی شیلی دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی، جیسے دیوتا کو پُوج رہی ہو پھر اس نے بستر کی پائنتی آ کر میرے دونوں پاؤں چھو لیے۔ وہاں سر بھی ٹیکنا چاہتی تھی، میں نے فوراً پاؤں سمیٹ لیے پھر بیٹھتے ہوئے کہا ”نہیں شیلی! یہ غلط ہے، صرف اپنے بھگوان کے آگے سر جھکا کرو۔“

وہ بولی ”ہم دیوتا کے سامنے بھی جھکتے ہیں، ہمارا عقیدہ جھکاتا ہے۔ یہ ہمارا دھرم ہے۔“

”بعض عقیدے غلط بھی ہوتے ہیں۔ ایک تو تم لوگ انسان کو دیوتا کہہ کر اسے سر پر چڑھاتے ہو پھر اس کی پوجا کر کے اسے مغرور بنا دیتے ہو۔“

”میرا من اور میری آتما کہتی ہے، آپ مغرور نہیں ہو سکتے۔“

”اور میرا ایمان کہتا ہے، خدا کو بھول کر بندے کے آگے نہیں جھکنا چاہیے۔“

وہ جھکنے والی سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس نے ململ کی ساڑی بڑی ہی دلکش انداز میں پہنی تھی۔ بدن بولتا ہوا سا لگتا تھا۔ اس کی چال میں ایک رقّاصہ کا لوچ تھا۔ کمر ڈولتی تھی تو نیت بھی ڈولنے لگتی تھی۔ وہ خراماں خراماں میرے پاس آئی۔ میرا خیال تھا، وہ میرے قریب بستر کے سرے پر بیٹھے گی لیکن اس نے قالین پر گھٹنے ٹیک دیے۔ میرے پاؤں پکڑتے ہوئے بولی ”میں آپ کی پوجا نہیں کر سکتی، خدمت تو کر سکتی ہوں۔“

وہ میرے پاؤں دابنے لگی۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔ میری نگاہوں کے سامنے اس کی ہتھیلیوں کے کنول کھل گئے۔ میں انہیں تھام کر پھسلنے لگا۔ میرا دل بے طرح دھڑک رہا تھا، جیسے سینے سے نکل کر ہتھیلیوں کے کنول میں جانا چاہتا ہو۔ ایسے خشک مزاج لوگ، جو ان سے متاثر نہیں ہوتے، وہ بھی بعض حالات میں سمجھ نہیں پاتے کہ نادانستہ کس طرح متاثر ہو جاتے ہیں، میں خود نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے بہکنے کی ابتدا کہاں سے ہوئی تھی جب کہ میں ابتدا ہی سے اسے نظر انداز کر رہا تھا۔

میں نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا ”پاؤں اس مرد کے دبائے جاتے ہیں، جو تمام دن پاؤں پھیلائے سوتا رہتا ہے۔ میرا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں باتھ رُوم سے آتا ہوں، تم ناشتے کا آرڈر دو۔“

یہ کہتے ہی میں باتھ رُوم میں گھس گیا۔ دروازے کو اندر سے بند کر دیا، اگرچہ وہ اب بھی میرے اندر دھڑک رہی تھی تاہم میری خیال خوانی کی مصروفیات اکثر مجھے جذباتی بہاؤ سے دُور لے جاتی ہیں۔ میں لیڈی روزینہ کے پاس پہنچ گیا۔

اُس کا اصلی نام روزانہ آرمر تھا۔ وہ ترکی زبان روانی سے بولتی تھی۔ امریکا میں ایک بہت بڑے فارم کی مالکہ تھی اور وہاں ترک خاتون لیڈی روزینہ کے نام سے مشہور تھی۔ اُس کے دونوں بھائی شارپر اور ہارپر، جس طرح اپنے شرابی بھائی آرمر پر بھروسا نہیں کرتے تھے، اسی طرح بہن کو بھی اپنے معاملات میں زیادہ شریک نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ عیّاش اور لالچی تھی، اگر کسی خوبرو شخص پر دل آ جاتا تو اُسے دل میں بٹھا کر دو چار دن میں دُنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیتی تھی، تاکہ وہ دُنیا والوں کے سامنے اس کی تنہائیوں میں شریک ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے اور وہ ہمیشہ کنواری دوشیزہ کہلاتی رہے۔

اُس کی دوسری کمزوری ہیرے جواہرات تھے۔ ہیرا سوامی کی طرح اُسے جہاں کسی قیمتی ہیرے کی اطلاع ملتی، وہ اُسے ہر قیمت پر حاصل کر لیتی تھی۔ اُس نے ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے خیال خوانی کی صلاحیت اسی لیے حاصل کی تھی کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں اور اسمگلروں کی تجوریوں میں چھپے ہوئے ہیرے جواہرات تک پہنچ سکے۔ اُس کے بھائیوں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ خوبرو جوانوں کو پھانسنے کے چکر میں فرہاد کو پھانسنے کی حماقت کر بیٹھے گی۔ بعض پیش گوئیاں لفظ بہ لفظ درست ہوتی ہیں۔ آنے والے لمحات میں شاید وہ یہی حماقت کرنے والی تھی۔

مذکورہ دو خرابیوں کے بعد اُس میں خوبیاں ہی خوبیاں تھیں۔ حسین تھی، ذہین اور حاضر دماغ تھی۔ کئی زبانیں بڑی روانی سے بولتی تھی بہت سے اہم معاملات میں شارپر اور ہارپر اُس کی کمی محسوس کرتے تھے لہٰذا اُسے بڑے بھائی سے زیادہ اہمیت دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ ٹرانسفارمر مشین کا تیسرا حصّہ اُسے چھپا کر رکھنے کے لیے دیا گیا تھا۔

میں روزانہ آرمر کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ اس مشین کے تیسرے حصّے تک بھی پہنچ سکتا تھا مگر میں نے تھوڑی دیر کے لیے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے ریڈ پاور کے باس چندر بھان کو مخاطب کیا۔ اُس نے کہا ”میں بھی مدراس پہنچ گیا ہوں، حکم دیجیے۔“

میں نے کہا ”مسٹر بھان! آپ میرے حکم سے زیادہ ہی کارگزاری دکھاتے ہیں۔“

وہ پریشان ہو کر بولا ”جناب! زیادتی ہو گئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”آپ نے معافی مانگنے والی زیادتی نہیں کی۔ البتہ ہندوستان کا لنگڑا آم کھلا کر عادت خراب کر دی ہے۔“

وہ خوش ہو کر بولا ”اور لے آؤں؟“

”لنچ کے بعد کھاؤں گا لیکن میرے کمرے میں آم پہنچانے والا آپ کا خاص آدمی نہ ہو۔ ٹیلی پیتھی جاننے والی ایک اور ہستی اس ہوٹل میں ہے، وہ میرے کمرے میں آنے والے کسی بھی شخص کے دماغ میں پہنچ کر میرے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہے گی۔ لہٰذا آپ بھی میرے سامنے نہ آئیں۔“

”میں دُور ہی رہ کر خدمت کروں گا۔“

”میں شیلی ملہوترہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہتا ہوں، وہ بھی دُشمن کی خیال خوانی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔“

”کیا میں اسے بمبئی واپس بھیج دُوں؟“

”نہیں بھان صاحب! یہ بہت اچھی لڑکی ہے، میں اسے مِس نہیں کرنا چاہتا، ابھی اس کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا ”سمجھ گیا... سمجھ گیا۔“

”وہ کسی ہوٹل میں نہیں رہے گی۔“

”میں ابھی اس کے لیے ایک بنگلا کرائے پر حاصل کرتا ہوں۔“

”وہ کرائے کے بنگلے میں نہیں رہے گی۔“

”سمجھ گیا... سمجھ گیا۔“ وہ پھر ہنسنے لگا۔

”مدراس شہر میں جو سب سے شاندار محل نُما کوٹھی ہے، اُس کا سودا کیجیے۔“

”ایں!“ وہ حیران ہو کر بولا ”محل نُما کوٹھی کی قیمت پچاس لاکھ روپے بھی ہو سکتی ہے آپ صرف ایک لڑکی کے... !“

میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا ”وہ صرف ایک لڑکی نہیں ہے، وفا ہے، شرم ہے، آدرش ہے اور نیت کی سچائی بھی ہے۔ آپ شاید یقین نہ کریں، میں نے اُسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔“

وہ شدید حیرانی سے بولا ”کیا واقعی؟ میرا مطلب ہے، جب آپ کہہ رہے ہیں تو سچ ہی کہہ رہے ہیں مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، آپ نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور محل نُما کوٹھی اُسے دیں گے۔“

”محل کا سودا شیلی ملہوترہ کے نام سے ہو گا۔ اس محل کے شایانِ شان سب سے مہنگی کاریں اور تربیت یافتہ ملازم ہوں گے، فرصت ملی تو وہاں جا کر معائنہ کروں گا۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہونا چاہیے۔“

”آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن محل خریدنے اور اُسے ڈیکوریٹ کرنے میں کم از کم ایک ہفتہ لگ سکتا ہے۔“

”میں یہ کام آج شام تک کر سکتا ہوں۔“

”اوہ گاڈ! میں ان باتوں میں آپ کی ٹیلی پیتھی کو بھول گیا تھا۔ اب تو بات آسان ہو گئی۔ مثلاً میں اس شہر کی سب سے خوبصورت محل نُما کوٹھی خریدنا چاہوں گا۔ اس کا مالک انکار کرے گا، آپ اپنے علم سے اقرار کرائیں گے بلکہ فوراً سودا کرائیں گے۔“

میں نے کہا "صرف اتنا ہی نہیں، خریداری کے قانونی کاغذ پر آج ہی کچہری کی مُہر لگوا دوں گا۔"

"کمال ہے جناب! آپ کا علم مکمل اور باکمال ہے۔"

"مَیں آپ سے رابطہ قائم کرتا رہوں گا، اس سلسلے میں آپ کی مدد کرتا رہوں گا۔ ابھی آپ اپنے آدمیوں سے شیلی کو بُلوا لیں۔ میں نے آپ کے ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے اُسے دے دیے ہیں۔"

"اب ایک لاکھ کی کیا اہمیت رہ گئی ہے جناب! آج سے شیلی ملہوترہ ہمارے لیے معزز ہے۔"

"میں یہی چاہتا ہُوں، اس مُلک میں رہوں یا نہ رہوں، شیلی کی عزت اور شان و شوکت میں فرق نہیں آنا چاہیے۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ ابھی روزانہ آرمر کے اور خیالات پڑھنا چاہتا تھا مگر باتھ رُوم میں بڑی دیر سے تھا۔ وہ بے چاری ناشتے کے لیے انتظار کر رہی ہو گی۔ مَیں نے سوچا اُسے رخصت کرنے کے بعد دوبارہ اُس کے دماغ کے تہ خانے تک جاؤں گا۔ میں دروازہ کھول کر کمرے میں آیا۔ ہوٹل کا ملازم ناشتے کی ٹرے رکھ کر جا رہا تھا۔ شیلی نے کہا "آپ ٹھیک وقت پر آئے۔"

"میں سمجھ رہا تھا، مجھے دیر ہو گئی ہے، یہ ہوٹل والے بھی دیر کرنا جانتے ہیں۔"

ہم ایک صوفے پر شانہ بشانہ بیٹھ گئے۔ وہ بولی "کھانے میں مدراس کا اٹلی دوسہ بہت مشہور ہے۔ آپ ذرا چکھ کر دیکھیں۔"

مَیں چکھنے لگا۔ وہ میرے لیے توس پر مکھن لگانے لگی۔ میں نے کہا۔ "بہت لذیذ ہے۔ میں مکھن توس سے بیزار ہو گیا ہوں۔ میں اٹلی دوسہ کھاؤں گا، چلو میرا ساتھ دو۔"

وہ سر جھکائے بڑی بڑی کٹورا جیسی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اب یاد آیا کہ مَیں نے اُسے صبح سے مُسکراتے نہیں دیکھا ہے، اُس کے چہرے پر اتنا نکھار تھا کہ اُداسی دیر سے سمجھ میں آتی تھی۔ مَیں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ تم خوش نہیں ہو؟"

"خوش ہُوں، آپ نے مجھے میری اوقات سے زیادہ دولت دی ہے۔ یہ دولت میرے بوڑھے اور بیمار ماں باپ اور بھائی بہنوں کی تعلیم کے لیے کام آئے گی۔ ہمارے تو نصیب ہی بدل گئے مگر مَیں نے آپ کے لیے کیا کیا؟ آپ بہت بڑے نجومی ہیں مگر شاید یہ نہیں جانتے کہ آپ نے مجھ پر کتنا بڑا ظُلم کیا ہے۔"

میں نے حیرت سے پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے تم پر ظُلم کیا ہے؟"

"ہاں، جتنی دیر آپ کے ساتھ ہُوں، آنکھ میں آنسو رُکے ہوئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں، یہ ساتھ ختم ہو جائے گا لیکن اس کے بعد میں کنگال ہو جاؤں گی، اندر سے خالی ہو جاؤں گی۔ مَیں نے آپ جیسا سخی نہیں دیکھا۔ آپ نے بے انتہا دولت دے کر میری خوشی، میرا سُکھ چین اور میری راتوں کی نیندیں چھین کر لے جا رہے ہیں۔ واہ صاحب! واہ، اس پر پوچھتے ہیں، میں خوش کیوں نہیں ہوں۔"

"میں پہلے کہہ چکا ہُوں، تقدیر سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ تم مجھے دل کا معاملہ بناؤ گی تو عمر بھر پچھتاؤ گی۔"

"صاحب! عمر سو برس کی بھی ہوتی ہے اور ایک پل کی بھی ہوتی ہے۔ عورت کو اپنے مرد کا ایک سچا پل مل جائے تو وہ اُس پل کو سو برس بنا لیتی ہے۔"

وہ کتنی سچی اور خوبصورت بات کہہ رہی تھی۔ سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی! میرے پیار کے ایک ایک پل کو سو برس بنا کر جی رہی تھیں۔ پومی اور شیبا ابھی اس پل کی جستجو میں تھیں۔ آثار بتا رہے تھے کہ شیلی بھی میرے نام سے تمام عمر بیٹھی رہے گی اور وہ ایسی تھی کہ پچھلی رات سے اُسے نظر انداز کرنے کے باوجود میں بڑی بے خبری میں سحر زدہ ہوتا رہا تھا۔

بہرحال جب تک کسی طلب سے پیچھا چُھڑایا جا سکے، چُھڑانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ مَیں نے کہا "تم بہت اچھی ہو مگر کھانے میں ساتھ نہیں دے رہی ہو۔"

اُس نے بڑے دُکھ سے پوچھا "کیا میری باتوں کا یہی جواب ہے؟"

"تمہاری محبت مجھے حاصل کرنا چاہتی ہے اور مَیں محبت سے تمہیں اچھا کھلانا پلانا، پہنانا اوڑھانا اور دُنیا جہاں کی خوشیاں تمہارے گھر میں اور تمہارے دل میں بھر دینا چاہتا ہُوں۔ جس کے پاس جتنا ہوتا ہے، اُتنا ہی دیتا ہے، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ دل کی خوشیاں ایک جیون ساتھی سے ملتی ہیں اور مَیں کبھی کسی کا جیون ساتھی بن کر نہیں رہ سکتا۔ ایک مسافر ہُوں، آیا ہُوں، جانے کب چلا جاؤں گا۔"

"میرے مسافر! میں سرائے کا کمرہ بن جاؤں گی، جب تک رہو اس کمرے کے اندر رہو۔ سرائے کی دیوار مسافر سے کبھی نہیں پوچھتی، کہاں جا رہے ہو؟ اور کب آؤ گے؟ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جانے کے بعد یہ کمرہ تمہارے نام سے بند رہے گا اور کسی مسافر کی دستک سے کبھی نہیں کُھلے گا۔"

اُسی لمحے دستک سُنائی دی۔ وہ اُٹھنا چاہتی تھی۔ مَیں نے کہا "بیٹھو، مَیں دیکھتا ہُوں مگر میرے اُٹھنے سے پہلے کھانا شروع کرو۔"

وہ کھانا شروع کرتے ہوئے بولی "جی نہیں چاہتا، صرف تمہارا حکم سمجھ کر کھا رہی ہوں۔"

مَیں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت اور مرد کھڑے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے آہستگی سے چندربھان کا نام لیا اور کورنش ادا کیے۔ مَیں نے کہا "اندر آ جاؤ۔"

مَیں شیلی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور پھر پوچھا "بھان صاحب کیا فرماتے ہیں؟"

وہ دونوں ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ عورت نے کہا "میرا نام جانکی بائی ہے۔ مَیں شریمتی شیلی دیوی کی پرسنل سیکرٹری ہُوں۔"

شیلی لُقمہ چبا رہی تھی۔ اُس کا مُنہ تعجب سے کُھل گیا۔ مرد نے کہا۔ "میرا نام تلک رام ہے۔ مَیں ایک ایڈووکیٹ ہُوں اور شریمتی شیلی دیوی کا خاص ایڈوائزر اور ان کی جائداد کا نگران اور ان کے تمام معاملات کا منتظم ہُوں۔"

وہ شدید حیرانی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کبھی اُنھیں اور کبھی مجھے دیکھ رہی تھی پھر ایک دم سے پریشان ہو کر بولی "یہ سب کیا ہے؟ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ اور اچانک میرے خدمت گار کیسے بن گئے ہیں؟"

ایڈووکیٹ تلک رام نے کہا "پہلے ہم مسٹر چندربھان کے ملازم تھے، اب آپ کے خدمت گار ہیں۔ ابھی تین بج کر پندرہ منٹ پر بھان صاحب آپ کے لیے اس شہر کی سب سے خوبصورت کوٹھی خریدنے جا رہے ہیں۔ عارضی استعمال کی خاطر آپ کے لیے ایک نئے ماڈل کی ائیرکنڈیشنڈ مرسیڈیز خرید لی گئی ہے۔"

وہ دھپ سے صوفے پر گر پڑی۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ مَیں نے کہا۔ "تم دونوں ویٹنگ رُوم میں انتظار کرو۔ ابھی میں بُلوا لوں گا۔"

وہ چلے گئے۔ شیلی صوفے پر آنکھیں بند کیے نڈھال سی پڑی ہوئی تھی۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار نکل رہی تھی۔ مَیں نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے مخاطب کیا "شیلی!"

اُس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ جھیل جیسی آنکھوں میں پانی بھرا ہو تو ان کا حُسن قابلِ بیان نہیں ہوتا، قابلِ دید ہوتا ہے۔ وہ نڈھال سی ہو کر بولی "مَیں مر جاؤں گی۔ تم کیا ہو؟"

"تم جو دیکھ رہی ہو، وہی ہُوں۔"

"مانتی ہُوں، بہت بڑے گیانی ہو مگر جوتش ودیا (علم نجوم وغیرہ) سے بھی آگے بہت کچھ ہو۔ جو کہتے ہو، پلک جھپکتے میں ہو جاتا ہے۔ مَیں تمہیں ہمالیہ سے اُونچا سمجھتی تھی لیکن تم تو آسمان سے بھی اُونچے ہو، پوری دُنیا پر چھائے ہوئے ہو۔ تمہاری زبان چُپ رہتی ہے مگر حکم چلتا رہتا ہے اور چندربھان جیسے لوہے کے بنے ہوئے لوگ تمہارے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں۔ کون ہو تم؟ مَیں ہاتھ جوڑتی ہُوں، مجھے اپنے قدموں کی خاک بنا لو مگر بتا دو، تم کون ہو؟"

"جو ہُوں، بتا چکا ہُوں، تم اس سے زیادہ سمجھتی ہو تو مجھے بھی سمجھا دو۔"

"یہ قادر خان تمہارا فرضی نام ہے، میں اصلی نام بھی نہیں پوچھوں گی۔ اپنی پوری سچائی سے صرف دو سوالوں کے جواب دے دو۔"

"پوچھو۔"

"کیا تم مسلمان ہو؟"

"خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے، مَیں مسلمان ہُوں۔"

"کیا تم پاکستانی ہو؟"

مَیں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "یہ پوچھ کر کیا کرو گی؟"

"تم نے پوری سچائی سے جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

مَیں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "مجھے اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہے۔"

اچانک اُس کی بھیگی ہوئی آنکھیں خوشی سے کِھل گئیں۔ وہ شدتِ جذبات سے تھر تھر کانپتی ہوئی آگے کو جُھکی پھر ایک دم سے گلے لگ کر بولی۔ "تم فرہاد ہو۔ میرا دل، میرا دماغ، میری آتما کہتی ہے، تم فرہاد علی تیمور ہو۔" اور ساتھ ہی کہتی جا رہی تھی "کوئی مائی کا لال ایک جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے اس قدر دولت مند نہیں بنا سکتا۔ اگرچہ مَیں ریڈ پاور میں نووارد ہُوں مگر یہ سُن چکی ہُوں کہ ریڈ پاور سے تعلق رکھنے والے دُنیا کے تمام باس تمہارے غلام ہیں۔ بس فرہاد! بس، انکار نہ کرنا۔ ایک بار کہہ دو، تم وہی ہو، جس کے ایک پل کی سوغات کو مَیں سو برس بنا سکتی ہُوں۔"

اچانک میری نظر گھڑی پر پڑی۔ تین بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ چندربھان، وکیل تلک رام کے ذریعے اشارتی پیغام دے چکا تھا کہ تین بج کر پندرہ منٹ پر ایک کوٹھی کے مالک سے سودا ہونے والا ہے۔

مَیں نے کہا "شیلی! اُٹھو، اب ہم جُدا ہو رہے ہیں۔"

کہاں، تو وہ اُڑی جا رہی تھی، یکبارگی زمین پر آ گری۔ مجھے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے خواب دیکھ رہی تھی اور اب آنکھ کھلی ہے۔ مَیں نے کہا "ابھی مجبوری ہے، مَیں تمہارے شاندار محل میں آؤں گا۔"

"مجھے کہاں جانا ہے؟ وہ شاندار محل کہاں ہے؟"

"تم اپنی پرسنل سیکرٹری اور ایڈوائزر کے ساتھ جاؤ، یہ تمام انتظامات میرے حکم پر ہو رہے ہیں۔ تم جاؤ، تمہیں سب کچھ معلوم ہوتا جائے گا۔"

"مَیں سمجھتی ہُوں، تم کتنے مصروف رہتے ہو اور تم زبان کے دھنی ہو۔ وعدہ کیا ہے تو ضرور ملو گے مگر کب ملو گے؟"

"کیا تمہیں ٹیلی پیتھی کے کمالات کے متعلق معلوم ہے؟"

"مَیں نے بہت کچھ سُنا ہے، اسی لیے تو تمہیں پہلے سے جانتی ہُوں۔"

"دیکھو، ارادہ کرو کہ ٹیلی فون کے پاس جا کر ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔"

اُس نے ارادہ کر لیا مگر بے اختیار وہاں گئی۔ ریسیور اُٹھا کر ہوٹل کے منیجر سے کہا "ویٹنگ رُوم میں جانکی بائی اور مسٹر تلک رام ہیں، اُنھیں کمرہ نمبر سات میں بھیج دیں۔"

اس کے بعد مَیں نے شیلی کے دماغ کو ذرا سی ڈھیل دی مگر اپنے قابو میں رکھا۔ وہ حیران ہو رہی تھی، اُسے اپنے دماغ میں میری سوچ سُنائی دے رہی تھی "میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

اُس نے چونک کر دیکھا۔ مَیں نے کہا "مَیں اسی طرح تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

وہ دونوں بانہیں پھیلائے دوڑتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ مَیں نے کہا "رابطہ قائم کرنے میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔ خواہ کچھ ہو، تم اس ہوٹل میں مجھ سے ملنے نہ آنا اور نہ ہی اپنے سائے سے بھی میرا ذکر کرنا، کسی بھی غیر مُلکی اجنبی عورت سے نہ آنکھیں ملانا اور نہ ہی ایک لفظ بھی اُس کے سامنے

زبان پر لاتا۔ یہاں ایک دُشمن ٹیلی پیتھی جاننے والی عورت ہے، وہ تمھیں ٹریپ کر سکتی ہے۔"

اُس نے میری ایک ایک ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔۔۔ جانکی بائی اور تلک رام نے دستک دی۔ اُس نے کہا "تم سے بڑا دھنوان اور سکھی کوئی نہیں ہے لیکن جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں ایک ایسی خوشی دوں گی، جو آج تک کسی عورت نے نہیں دی ہو گی تمھیں قسم ہے، میرے چور خیالات نہ پڑھنا، وہ ایسی خوشی ہے، جس کا تعلق جسم سے نہیں، رُوح سے ہوگا۔"

میں نے دروازے تک ساتھ چلتے ہوئے کہا "تم نے مجھے تجسس میں مُبتلا کر دیا ہے، میں جلد ہی ملنے آؤں گا۔"

میں نے دروازہ کھول دیا۔ باہر جانکی بائی اور تلک رام کھڑے ہوئے تھے۔ وہ مجھے محبت سے دیکھتی ہوئی اُن کے ساتھ چلی گئی میں نے فوراً دروازے کو بند کیا اور چندر بھان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک عالیشان محل نُما کوٹھی میں بیٹھا اُس کے مالک سے باتیں کر رہا تھا۔ اب میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ میں نے کس طرح کوٹھی کے مالک کے دماغ میں رہ کر منٹوں میں سودا کرا دیا پھر آئندہ چند گھنٹوں میں اپنی دوسری مصروفیات کے دوران چندر بھان سے بھی رابطہ رکھتا رہا اور شلپی کو بھی اس محل کی قانونی مالکہ بنا دیا۔ اس داستان کے قارئین میرے ان ہتھکنڈوں کو خوب سمجھتے ہیں لہٰذا اُن مسائل کی طرف آ رہا ہوں جن سے میں ابھی دوچار ہوں۔

فی الوقت ٹیلی پیتھی کے سمندر میں پانچ غوطہ خور ہیں، شارپر، ہارپر، روزانہ، شیبا اور میں۔ کسی دن رسونتی بھی اس سمندر کی تہ سے اُبھرنے والی ہے۔ میں فی الحال جوجو اور آدمر کو شامل نہیں کر رہا ہوں مگر کون جانتا ہے، جنھیں میں اہمیت نہیں دے رہا ہوں، وہ آئندہ کوئی ایسا سلسلہ شروع کر بیٹھیں کہ میری داستان میں اہمیت اختیار کر لیں۔

یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی جو بھائی بہن تہلکہ مچاتے میرے مقابلے پر آئے تھے، ان میں ہارپر اور روزانہ کو میں نے پا لیا تھا، جب سے یہ انکشاف ہُوا تھا کہ چند بھائی بہنوں نے ایک ایسی ٹرانسفارمر مشین ایجاد کی ہے، جس کے ذریعے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ایک دماغ سے دوسرے دماغ میں منتقل ہو سکتی ہیں، تب سے تمام بڑے ملکوں میں اور دُنیا کی خطرناک تنظیموں میں کھلبلی پیدا ہو گئی تھی۔ مجھے ہر ایک سے رابطہ قائم کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا لیکن یہ سب ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لیے سب ہی ذہانت سے، دولت سے اور سیاسی ہتھکنڈوں سے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہوں گے۔

شارپر، ہارپر اور روزانہ اتنے پُراسرار اور پردہ دار بنے ہوئے تھے کہ انٹرپول اور مافیا تنظیم کے جاسوس اور ایجنٹ بھی ان کا سُراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔ انٹرپول کے سُراغ رساں بڑی تگ و دو کے بعد صرف شارپر اور ہارپر کے نام معلوم کر سکے تھے مگر وہ کون ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ کس ملک اور شہر سے تعلق رکھتے ہیں؟ یہ معلوم کرنے میں ناکام ہو رہے تھے، اس کے لیے وہ بابا صاحب کے ادارے اور میری ساتھی عورتوں تک پہنچنے کی کوششیں کر رہے تھے، کیونکہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی ٹیم کے ذریعے دوسری ٹیلی پیتھی جاننے والی ٹیم تک پہنچا جا سکتا تھا۔

وہ کون سا بوڑھا، جوان یا بچہ ہے، جو بیٹھے بیٹھے دوسروں کے دماغ کی باتیں معلوم کرنا اور میری طرح نت نئے کمالات دکھانا نہیں چاہتا؛ سب ہی چاہتے ہیں اور پھر زیادہ محنت کیے بغیر ایک مشین یہ علم سکھا دے تو اس مشین کو حاصل کرنے کے لیے کون دیوانہ نہیں ہوگا؛ سب ہوں گے۔ وہ مشین ہر آنکھ کا سپنا بن گئی تھی۔ ہر شہ زور اس کے ذریعے سُپر مین بننا چاہتا تھا۔ ہر مُلک اس مشین کی ملکیت حاصل کر کے دوسرے تمام ملکوں کے سیاسی اور قومی راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ یہ مل جائے تو ہر اسمگلر دُنیا کی تمام بندرگاہوں کا بے تاج بادشاہ بن سکتا تھا۔ یہ ہو تو کمینہ اور کمینہ بن سکتا تھا غرض یہ کہ تینوں بھائی بہن کے منظرِ عام پر آتے ہی ساری دُنیا جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑنے والی تھی۔

چنانچہ میں روزانہ آدمر عرف لیڈی روزینہ کو دُنیا والوں کے سامنے بے نقاب کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن اس سے پہلے مشین کے تیسرے حصّے تک پہنچنا لازمی تھا۔ اُس کی نظر دل میں وہ حصّہ ہیرے جواہرات سے زیادہ اہم نہیں تھا مگر بھائیوں نے سمجھایا تھا، کبھی کسی وجہ سے دماغ کمزور ہوگا تو وہ تینوں حصے تینوں کے کام آئیں گے۔

بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ اُس نے اس حصّے کو اپنے قیمتی ہیرے جواہرات کے ساتھ چھپا رکھا تھا۔ استنبول میں اُس کی ایک ذاتی کوٹھی تھی، جسے تعمیر کرانے کے سلسلے میں اُس نے ایک انجینئر سے عشق کیا، جب وہ مکمل ہو گئی تو اُس نے انجینئر کے لیے ایک قبر بنوا دی تاکہ کوٹھی کے خفیہ خانے کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔

یہ راز صرف روزانہ جانتی تھی اور دُنیا کی کوئی طاقت اس سے یہ راز اُگلوا نہیں سکتی تھی۔ ایسے ہی ناممکن موقعوں پر ٹیلی پیتھی کا علم اپنا کمال دکھاتا ہے، جب تاریخی خزانوں کا ذکر ہوتا ہے تو بات فوراً سمجھ میں آ جاتی ہے کہ خزانہ تہ خانوں میں یا پسِ دیوار خفیہ خانوں میں چھپایا گیا ہے۔ روزانہ نے خفیہ خانہ دُہری چھتوں کے درمیان بنوایا تھا۔

یہ بھی کوئی عجیب و غریب بات نہیں تھی۔ چھت کے ساتھ مچان بنا کر بہت کچھ چھپایا جاتا ہے لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وہ دُہری چھت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اگر شبہ ہوتا اور سُراغ لگانے والے چھت کو ٹھوک بجا کر دیکھ لیتے تب بھی یہ رپورٹ دیتے کہ یہ چھت متحرک نہیں ہے، نہ ہی کسی میکینزم کے ذریعے اِدھر سے اُدھر سرکائی جا سکتی ہے۔

اُس کے عاشق نے اتنی ذہانت سے ڈیزائن کیا تھا کہ فانوس کو میکینزم کا آلہ بنایا تھا لیکن اس فانوس کو گھمانے پھرانے اور ہر طرح آزمانے کے بعد بھی چھت متحرک نہیں ہوتی تھی۔ یہ راز کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ اس فانوس کو ایک ریموٹ کنٹرول کا پابند رکھا گیا ہے اور۔۔ چھوٹا سا ریموٹ کنٹرول ایک پاکٹ ریڈیو کی صُورت میں ہمیشہ روزانہ کے پاس رہتا تھا۔

یہ میری ایک بڑی کامیابی تھی، میں اس مشین کے دو حصّوں تک پہنچ گیا تھا مگر ابھی انھیں چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ابھی اپنی جگہ بڑی ذہانت اور عمدگی سے چھپائے گئے تھے۔ اگر میں انھیں وہاں سے نکال لاتا تو کہاں چھپاتا؟ لے دے کر ایک بابا صاحب کا ادارہ رہ گیا تھا لیکن دُشمنوں نے وہاں بھی نقب لگانا شروع کر دی تھی۔ ہم نے ہارپر اور جیکی ماسٹر کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ اس کے باوجود دُشمن کبھی کامیاب ہو سکتے تھے۔ پھر یہ کہ ایک دو دُشمن کی بات نہیں تھی، مشین کے پیچھے تو ساری دُنیا تھی، کوئی نہ کوئی ہاتھ کی صفائی دکھا سکتا تھا۔

ماسک مین ہر ملک میں میری ہر ضرورت پوری کرتا تھا۔ اُسے بھی میری ذات سے بڑے فائدے پہنچ رہے تھے۔ دی کلر کی کمپیوٹرائزڈ کھوپڑی حاصل کرنے کے لیے تمام خطرناک تنظیموں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور میں نے اتنی اہم کھوپڑی ماسک مین کے حوالے کر دی تھی لیکن میں ٹرانسفارمر مشین اُس کے حوالے نہیں کر سکتا تھا بلکہ کسی کو بھی وہاں تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ مشین کے تیسرے حصّے کا سُراغ ملنے تک صبر کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا، مجھے کیا کرنا چاہیے۔

خود غرضی کا تقاضا ہے کہ اس مشین کو تباہ کر دوں تاکہ کوئی میرا نیا مقابل پیدا نہ ہو۔ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ وہ غلط ہاتھ میں پڑے گی تو دُنیا میں تباہی آ جائے گی، لہٰذا تباہ کرنے والی چیز کو پہلی فرصت میں تباہ کرنا چاہیے یا مجھے خاص توجہ دے کر کوئی ایسی خفیہ جگہ بنانا ہو گی، جہاں کوئی نہ پہنچ سکے اور وہ مشین نیک مقاصد کے لیے محفوظ رہ سکے۔

میرے چہرے پر عارضی میک اپ تھا۔ موجودہ چہرے کے مطابق میں بمبئی کاٹن ملز کا جنرل مینیجر قادر خان تھا۔ میں نے آئینے کے سامنے اسی میک اپ کو ری ٹچ کیا۔ اس دوران روزانہ کے دماغ میں خیال پیدا کیا کہ اُسے شام کو تفریح کے لیے باہر نکلنا چاہیے۔ وہ بھی میری طرح مسلسل خیال خوانی میں مصروف رہتی تھی بلکہ جو بھی ٹیلی پیتھی جانتا ہے، وہ مصروفیات کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اس دُنیا میں اس قدر دلچسپی ہوتی ہے کہ واپس آنا بھول جاتا ہے۔ ایک نہ ختم ہونے والی سلسلے وار کہانی کی طرح تجسس قائم رہتا ہے۔ میں بعض اوقات پڑھنے والوں کی طرح پریشان ہو جاتا ہوں۔ آخر خیال خوانی سے نجات کب ملے گی؟ کیا پُرانے، موجودہ اور آنے والے دُشمنوں سے معافی مانگ لوں کہ بھائیو، میرا پیچھا چھوڑ دو اور میری ساتھی عورتوں کے ساتھ مجھے ایک عام آدمی کی زندگی گزارنے دو مگر نہیں، ٹیلی پیتھی کے علم سے موت نجات دلائے گی۔ اس کے بعد ہی دُشمنوں کو آرام آئے گا۔

روزانہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے زرخرید غلاموں کو اطلاع دے رہی تھی کہ وہ ہوٹل سے باہر نکلنے والی ہے لہٰذا سب مستعد رہیں۔ ان کروڑوں ڈالر کے ہیروں کا ذکر کر چکا ہوں۔ روزانہ نے مدراس صوبے کی انتظامیہ کو مختلف ذرائع سے بتا دیا تھا کہ وہ ہیرے مندر کی دیواروں میں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ اس کی پلاننگ یہ تھی کہ پولیس یا فوجی جوان ہیرے برآمد کر کے صوبائی یا مرکزی حکومت کے حوالے کریں گے پھر انھیں سرکاری خزانے تک پہنچانے کے لیے مدراس یا دہلی لے جایا جائے گا، تب وہ راستے ہی میں وہ خزانہ لے اُڑے گی۔

اس مقصد کے لیے وہ مدراس شہر میں قیام کر رہی تھی۔ اُس نے اب تک جتنے متعلقہ افسران اور عہدے داران کے دماغوں پر قبضہ کیا تھا، میں بھی ان لوگوں تک پہنچتا جا رہا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق چندر بھان نے اجنتا سے مدراس اور مدراس سے دہلی تک اپنے آدمیوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ ان کی طرف سے کہیں بھی راستے میں منظم ڈکیتی ہو سکتی تھی۔

میں نے موسم کی مناسبت سے پتلون اور نصف آستین کی بنیان پہنی۔ ہوٹل کے مینیجر کے ذریعے چندر بھان کے ڈرائیور کو اطلاع کر دی کہ میں باہر آ رہا ہوں، میری کار ہوٹل کے پورچ میں لائی جائے۔ میں نے کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی، نوٹوں سے بھرا ہُوا بریف کیس شلپی لے گئی تھی، وہاں اور ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں تھی اور نہ ہی کسی چیز کے ذریعے میری شناخت کی جا سکتی تھی۔

میں نے جان بُوجھ کر دیر کی پھر اُسی لمحے کمرے سے نکلا جب وہ نکلی۔ ہم ایک ساتھ باہر آئے۔ اپنے اپنے دروازے کو لاک کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اُس کا یہ دعویٰ درست تھا کہ اُسے دیکھنے والے دیکھتے ہی جاتے ہیں۔ میں نے اُس کے دعوے کی لاج رکھ لی۔ اُسے نظر بھر کے دیکھا، وہ بڑی بے نیازی سے مُنہ پھیر کر جانے لگی۔ اُس کی سوچ کہہ رہی تھی "ان دو دنوں میں پہلی بار ایک ہیلدی، ہینڈسم اور ٹال مین دیکھ رہی ہُوں، ورنہ یہاں تو کالے پیلے اور چھوٹے قد کے لوگ ہی نظر آتے ہیں"

ایسی بات نہیں ہے کہ مدراس میں خوبرو اور اسمارٹ لوگ نہیں ہیں، ضرور ہیں، دو دنوں میں اُس نے مدراس میں دیکھا ہی کیا تھا۔ زیادہ وقت خیال خوانی میں گزارتی رہی تھی۔ لفٹ کے دروازے پر اُسے رُکنا پڑا جب دروازہ کھُلا تو ہم آگے پیچھے داخل ہوئے۔ گراؤنڈ فلور کا بٹن دبایا۔ دروازہ بند ہوگیا۔ لفٹ نیچے جانے لگی۔ ہم ایک چھوٹے سے ڈبے میں بند تھے۔ کمبخت بُلا کی حسین تھی۔ ایسی حسین عورت کو بُلا ہی کہنا چاہیے۔ میں نے اُس پر ایک نظر ڈالی پھر ناگواری سے مُنہ بنا کر اپنی ناک ایک چٹکی میں دبا لی۔ اب اس سے زیادہ اِنسلٹ کیا ہوسکتی تھی۔ وہ ایک دم سے بھیر کر بولی۔ "اے تمہارا مطلب کیا ہے؟"

وہ انگریزی بول رہی تھی۔ میں نے اپنی زبان میں کہا "لاحول ولاقوۃ، عورت ہے یا گٹر کیسی بدبُو آرہی ہے۔"

"وہ غصے سے بولی "یُو نان سنس! انگریزی میں بولو۔"

وہ چاہتی تھی، میں انگریزی بولوں اور وہ میرے لہجے کو گرفت میں لے کر دماغ میں پہنچ جائے اور مجھے من مانی سزا دیتی رہے لیکن میں اپنی زبان میں ناگواری ظاہر کر رہا تھا میری آنکھوں پر ڈارک گاگلس تھے، وہ آنکھوں کے راستے میرے اندر نہیں پہنچ سکتی تھی اور اس کا موقع بھی نہیں تھا۔ لفٹ نے ہمیں نیچے پہنچا دیا تھا۔ دروازہ کھُل گیا تھا میں نے باہر نکلتے ہوئے کہا "اوپر سے خوشبو اسپرے کرلینے سے اندر کی غلاظت نہیں چھُپتی"۔

وہ میرے انداز سے اندازہ کر رہی تھی کہ میں اس کی توہین کر رہا ہُوں۔ وہ بُری طرح تلملا رہی تھی۔ کاؤنٹر پر چابی دیتے وقت اُس نے مینیجر سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟ میری انسلٹ کر رہا ہے انھیں اس کے خلاف ایکشن لینا چاہیے"۔

مینجر نے پریشان ہو کر دیکھا پھر کہا "میڈم! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، یہ صاحب بمبئی کاٹن اینڈ ٹیکسٹائل ملز کے جنرل مینجر ہیں، یہ بھلا آپ کی اِنسلٹ کیوں کریں گے؟"

میں نے کہا "اس خوبصورت بُلا کو اس بات پر غصہ ہے کہ میں نے اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہ نہیں بھری"

مینجر نے کہا "جناب! آپ تشریف لے جائیں، میں اس عورت کو سمجھا بجھا کر غصہ ٹھنڈا کر دوں گا"۔

مگر وہ غصے سے پلٹ کر جارہی تھی۔ میں اُس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ پورچ تک پہنچنے سے پہلے اُس سے آگے نکل کر اپنی کار کے پاس آیا۔ ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہوگیا۔ وہ مجھے غصے سے دیکھ رہی تھی۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی پھر ڈرائیور سے بولی "کیا یہ ہوٹل کی رینٹڈ کار ہے؟"

ڈرائیور نے اپنی کیپ پیشانی پر جھکالی۔ آدھی آنکھیں چھُپالیں پھر بولا "آئی ایم سوری میم صاب! ام تمارا بھاشا نکو جانتا۔ تم دوسری گاڑی والا سے بھیک مانگو"

یہ کہتے ہی اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اطمینان سے ڈرائیو کرتا ہُوا ہوٹل کی باؤنڈری سے نکل گیا۔ میں نے کہا "شاباش! میں تم سے بہت خوش ہُوں"

اُس نے کہا "سر! جان صاحب نے سمجھا دیا ہے کہ ہم میں سے کسی کو انگریزی نہیں بولنا چاہیے اور نہ کسی غیر ملکی انگریز عورت سے آنکھیں ملانا چاہیے"

"ابھی تم نے اپنی کیپ کا سہارا لیا تھا آئندہ وہ تمھاری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرے گی"

"سر! میں نے ٹیلی پیتھی کے متعلق اچھا خاصا پڑھا ہے۔ آنکھیں دماغی سوچ کی عکاس ہوتی ہیں۔ ٹیلی پیتھی جاننے والا اسی عکاس سوچ کو پکڑ کر دماغ میں پہنچتا ہے لیکن صاحب! آنکھیں درست نہ ہوں تو ٹیلی پیتھی جاننے والے کو ناکامی ہوگی"

میں نے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"سر! میں اس عورت کے سامنے ہمیشہ اپنی آنکھیں ٹیڑھی رکھوں گا، نہ آنکھ صحیح ہوگی نہ سوچ کی عکاسی درست ہوگی۔ وہ میری آنکھیں پڑھتی رہ جائے گی یا التجا کرے گی "کیسے تیر انداز ہو، سیدھا تو کرلو تیر کو""

میں نے ہنستے ہوئے کہا "خاصے زندہ دل ہو، مجھے سمندر کی طرف لے چلو اور جب تک کوئی خاص بات نہ ہو، مخاطب نہ کرنا"

میں شیلی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھی اپنی سیکرٹری جانی بائی سے کہہ رہی تھی "نئے محل میں قادر صاحب کسی وقت بھی آسکتے ہیں، اس محل کی چابی ملتے ہی اُسے سجانے کے انتظامات کیے جائیں، اس کے لیے ایسے ڈیکوریٹر کی خدمات حاصل کرو، جو ہندوستانی طرز کی سجاوٹ میں مہارت رکھتا ہو۔ آج میں سولہ سنگھار کروں گی، اس کے لیے۔۔۔!"

وہ ہدایات دے رہی تھی۔ میں چُپ چاپ معلوم کر رہا تھا۔ ابھی وہ چندر بھان کی رہائش گاہ میں تھی۔ چند گھنٹے بعد نئے محل کی مالکہ بننے والی تھی۔ اُس نے ایڈوائزر تلک رام سے کہا تھا کہ اس کے ماں باپ اور بھائی بہن کو کل تک یہاں پہنچا دیا جائے اور اُن کی رہائش کے لیے

الگ ایک چھوٹا سا مکان خرید لیا جائے۔

پھر مجھے یاد آیا، اُس نے قسم دی تھی کہ میں اُس کے چور خیالات نہ پڑھوں۔ وہ مجھے سرپرائز دینے والی تھی۔ پتا نہیں کس قسم کا انعام دے کر مجھے حیران کرنا چاہتی تھی۔ میں نے پھر اُس کے خیالات نہیں پڑھے جب لیڈی سیکرٹری چلی گئی اور وہ تنہا رہ گئی تو میں نے اُسے مخاطب کیا۔

پہلے تو وہ چونک کر خلا میں تکنے لگی پھر بولی "فرہاد! تم ہو؟"

"ہاں، میں تمھارے دماغ میں ہُوں، تم خوش تو ہو؟"

وہ مسرتوں کے ہجوم میں گلاب کی طرح کھِل رہی تھی گھنی زُلفوں کو شانے پر سے جھٹکتے ہوئے بولی "سُنا تھا، خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، تم نے تو انتہا کردی"

"انشاء اللہ تم انتہا کی بھی انتہا دیکھو گی، ابھی میں مصروف ہُوں اب جارہا ہُوں"

"یہ بتاؤ پہلے چُپ چاپ آکر میرے خیالات تو نہیں پڑھتے ہو؟"

"نہ پڑھتا ہُوں اور نہ آئندہ پڑھوں گا"

"آپ میرے مالک ہیں، جو چاہیں کرسکتے ہیں، میں صرف آج کے لیے منع کر رہی ہُوں، میں ایک تحفہ پیش کرکے چونکا دینا چاہتی ہُوں"

"میں اُن لمحات کا انتظار کروں گا، اچھا جارہا ہُوں"

میں واپس آگیا۔ ہماری کار ایک پُر ہجوم شاہراہ سے گزر رہی تھی میں نے روزانہ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ہوٹل کی ایک آرام دہ کار میں بیٹھی اُسی شاہراہ سے گزر رہی تھی، میرا تعاقب کر رہی تھی۔ ہمارے درمیان سیکڑوں گاڑیاں دوڑ رہی تھیں، اس کے باوجود اُسے معلوم ہوتا جارہا تھا کہ میں کہاں ہُوں؟ اور کن راستوں سے گزر رہا ہُوں؟

اُس کے زر خرید غلام موٹر سائیکلوں پر میرا تعاقب کر رہے تھے اور وہ کسی نہ کسی غلام کے دماغ میں پہنچ کر میری موجودہ پوزیشن معلوم کر رہی تھی۔ ہم سمندر کے ساحل پر پہنچ رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ "ہمارا تعاقب ہو رہا ہے گاڑی کسی ویران حصے میں لے چلو"

اُس نے کہا "سر! اُن کے پاس ریوالور جیسے ہتھیار ہوسکتے ہیں"

"ہوسکتے ہیں لیکن وہ ہمیں گولی نہیں ماریں گے۔ وہ عورت اجنبی ملک میں خون خرابے سے دُور رہے گی۔ وہ لالچی ہے، اپنا خاص مقصد پورا کرنے آئی ہے مگر میں نے اُس کی اَنا کو ایسی ٹھیس پہنچائی ہے کہ وہ مجھے غنڈوں کے ذریعے تھوڑی سزا دینا چاہتی ہے"

"اور شاید ہمارے دماغوں میں بھی پہنچنا چاہے گی"

"ہاں" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا "تم تو ٹیڑھی نظر سے دیکھنا شروع کردو گے"

اُس نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آیا۔ مدراس میں سخت گرمی پڑتی ہے مگر شام کو سمندر سے آنے والی ٹھنڈی ہوائیں بڑا لطف دیتی ہیں، شاید اسی لیے ساحل پر لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ اس ویران حصے میں بھی دُور تک کچھ لوگ نظر آرہے تھے۔ میں نے ڈرائیور سے کہا "میں نے تمھیں ویران حصے میں چلنے کے لیے کہا تھا"

"سر! ہندوستان میں نس بندی ہوتی ہے پھر بھی اتنے بچے پیدا ہوتے ہیں کہ وہیں کا کوئی حصہ ویران نہیں ملے گا، اب یہ دُور دُور جو کچھ لوگ نظر آرہے ہیں تو انھیں رہنے دیجیے کیونکہ ہمیں اُٹھا کر اسپتال پہنچانے کے لیے کچھ لوگوں کی ضرورت تو پڑے گی"

میں نے ہنستے ہوئے دیکھا۔ چار موٹر سائیکل سوار تیزی سے چلے آرہے تھے۔ روزانہ کی کار اُن سے بہت دُور تھی۔ موٹر سائیکل کو ہم یہی میں پھٹ پھٹی کہتے ہیں۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں اب ہمارے چاروں طرف پھٹ پھٹا پھٹ۔۔۔ پھٹ پھٹا پھٹ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ ہماری کار سے کچھ فاصلہ رکھ کر چاروں طرف گھوم رہے تھے اور موٹر سائیکل کے کرتب دکھاتے ہوئے ہمیں مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ جب روزانہ کی کار قریب آکر رُک گئی تو وہ بھی رُک گئے۔ وہ ایک غنڈے کے دماغ میں تھی۔ انگریزی بول رہی تھی۔ وہ غنڈہ اس بات کو ہندی میں ہم سے کہہ رہا تھا۔ "اے، تم کون ہو؟"

میں نے کہا "یہ تمھاری میم صاحب کو معلوم ہو چکا ہے"

"ہاں معلوم ہو چکا ہے تم اتنے بڑے ٹیکسٹائل ملز کے جنرل مینجر ہو، کیا انگریزی نہیں بول سکتے؟"

ڈرائیور نے کہا "تمھارے جیسے کرائے کے ٹٹو جس کا کھاتے ہیں، اُسی کی بولی بولتے ہیں، ہم اپنا کھاتے ہیں، اپنی زبان بولتے ہیں۔ یہ تمھاری میم صاحب ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔ میں اتنا خوبصورت تو نہیں ہوں"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم ذرا کم بولو"

روزانہ نے کار سے باہر آکر اپنے غنڈوں سے کہا "اس آدمی کی آنکھ سے گاگلس نکال کر چکنا چور کردو"

یہ حکم سُنتے ہی تمام موٹر سائیکلیں پھر اسٹارٹ ہوگئیں۔ میں اُچھل کر کار کی چھت پر آگیا۔ ڈرائیور نے کراٹے کا پوز بنالیا۔ چار موٹر سائیکلیں کار کے دونوں طرف سے آرہی تھیں۔ میرے محافظ ڈرائیور نے یکبارگی فضا میں اُچھل کر ایک سوار کو فلائنگ کِک ماری، وہ پیچھے اُلٹ گیا۔ موٹر سائیکل دُور جاگری۔ وہ اسی طرح آنے والے سواروں کو فلائنگ کِک اور کراٹے کے ہاتھ جما کر اُنھیں موٹر سائیکلوں سے محروم کر رہا تھا۔ اُن کی گاڑیاں بار بار ہماری کار سے ٹکرا رہی تھیں۔ قیمتی گاڑی پر ڈینٹ پڑتے جارہے تھے۔ ایک غنڈہ اُچھل کر کار کی چھت پر آگیا میرے مقابل آکر ہاتھ بڑھا کر ایک اُنگلی کے اشارے سے بولا "یہ سیاہ چشمہ میرے حوالے کردو"

اُس کا خیال تھا، جنرل مینجر قسم کے لوگ بھلا لڑنا کیا جانیں؟ مگر جب اچانک ہی میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر جوڈو کا داؤ استعمال کیا تو اُسے سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ وہ کار کی چھت پر سے ہوتا ہُوا ساحلی پختہ سڑک

پر پہنچ گیا۔ میں نے بھی کار سے چھلانگ لگائی۔ دو شخص میری جانب بڑھے، میں دوڑتا ہوا روزانہ کے پاس گیا۔ وہ بولی "بزدل! اُدھر جاؤ۔"

"اُدھر جانے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے کتے اِدھر ہی آ رہے ہیں۔"

وہ دونوں حملہ کرنے آ رہے تھے۔ میں نے کہا "رُک جاؤ، اپنی اماں سے پوچھو، میرے چشمے کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے، کیا بازار سے خرید نہیں سکتی؟"

وہ اُن کے دماغوں سے میری بات کا انگریزی ترجمہ سمجھ رہی تھی۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ اماں، بوڑھی کو کہتے ہیں تو اُس نے غرّا کر دیکھا۔ اُسی لمحے ایک غنڈے نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے ذرا جھک کر ہاتھ پکڑ لیا پھر کہا۔ "اگر میں پکڑ نہ لیتا تو یہ ہاتھ تمہاری اماں کے مُنہ پر پڑتا۔"

یہ کہتے ہی میں نے حملہ آور کو گھونسوں پر رکھ لیا۔ وہ مار کھاتے ہوئے جُھکنے لگا۔ میں نے اُسے دونوں ہاتھوں پر اُٹھا لیا پھر روزانہ کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ چیخ مار کر بھاگی۔ میں نے تو محض دھمکی دی تھی۔ وہاں سے پلٹ کر دوسرے حملہ آور پر اُسے پھینک دیا۔

میرا محافظ ڈرائیور بڑا زبردست فائٹر تھا۔ وہ چاروں غنڈوں کو میری طرف آنے کا بہت کم موقع دیتا تھا، اس لیے مجھے روزانہ سے شرارتیں کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ بھاگ کر اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر پہنچ گئی تھی۔ دروازہ بند کرنا چاہتی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے کھول کر پوچھا "کیا چشمہ نہیں اُترواؤ گی؟"

اُس نے ڈرائیور سے کہا "گاڑی چلاؤ۔"

میں نے ڈرائیور کی گردن دبوچ کر کہا "تم کسی کے جھگڑے میں نہیں ہو لہٰذا جانبدار ہو کر اپنا نقصان نہ کرنا۔"

اُس نے کہا "میں گاڑی نہیں چلاؤں گا۔"

میں نے اُس کی گردن چھوڑ دی۔ روزانہ اب پریشان ہو کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا "میں دوستی کرنا چاہتی ہوں، آؤ میرے پاس بیٹھو۔"

"تمہارے آدمیوں نے میری گاڑی کا کچومر نکال دیا ہے، پہلے اس کی قیمت ادا کرو۔"

"میں ہوٹل پہنچ کر چند گھنٹوں کے اندر نئی گاڑی پیش کروں گی آجاؤ میرے پاس۔"

"پاس آ کر ہم ایک دوسرے کے متعلق سوالات کریں گے۔ تم ڈرائیور کے ذریعے میری بات کا ترجمہ سمجھ رہی ہو۔ کیا ڈرائیور کو رازدار بناؤ گی؟"

وہ بڑی حیرانی اور پریشانی سے مجھے دیکھ رہی تھی اور پوچھ رہی تھی۔ "تم کیسے جانتے ہو کہ میں تمہاری بات دوسرے کے ذریعے سمجھ رہی ہوں، آخر تم کون ہو؟"

"دیکھو پھر ڈرائیور کے سامنے سوال کر رہی ہو۔"

اُس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ میری بات سے قائل ہو کر کار سے باہر نکلی۔ باہر اُس کے دو غنڈے زمین پر زخمی اور نڈھال پڑے تھے، تیسرا لڑ رہا تھا، چوتھا بھاگ گیا تھا۔ وہ بولی "اسٹاپ یو بلڈی فول! ایک آدمی سے مار کھاتے جا رہے ہو، اِدھر آؤ۔"

اُس کے ساتھ میرا ڈرائیور بھی آیا۔ وہ میرے ڈرائیور کے ذریعے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "تم میرے ڈرائیور کے دماغ میں نہیں پہنچ سکو گی، اپنے آدمی سے کہو کہ یہ گاڑی لے چلے۔"

وہ میری بات سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ہوٹل کا ڈرائیور ہماری کار میں چلا گیا۔ ہوٹل کی کار کی اگلی سیٹ پر میرا ڈرائیور اور اُس کا خاص آدمی بیٹھ گیا۔ وہ میرے پاس پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ آتے ہی پوچھا۔ "کیا اب میرے بدن سے بُو نہیں آ رہی ہے؟"

گاڑی اسٹارٹ ہو کر شہر کی طرف جانے لگی۔ میں نے کہا "میں نے تمہیں چھیڑنے کے لیے ایسی حرکت کی تھی۔"

"کیوں چھیڑنا چاہتے تھے؟"

"دوستی کرنے کے لیے ہی جوان عورت کو چھیڑا جاتا ہے۔"

"تم انگریزی سمجھ رہے ہو، بولتے کیوں نہیں؟"

"میں اپنی کھوپڑی کو ٹیلی پیتھی سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم میرے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"جاننے کے لیے کیا رہ جاتا ہے۔ ابھی ہماری دُنیا میں صرف دو ہی عورتیں ٹیلی پیتھی جانتی ہیں، ایک رسونتی اور دوسری شیبا۔ اور تم دونوں میں سے ایک ہو۔"

اُس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ میں نے اُس کی یہ خوش فہمی قائم رکھی کہ ان تین بھائی بہن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور یہ تو کوئی جان ہی نہیں سکتا کہ ایک تیسری عورت بھی خیال خوانی کرتی رہتی ہے۔

وہ مُسکراتی ہوئی بولی "تم دلیر بھی ہو اور ذہین بھی، یہ بتاؤ کہ مجھ تک کیسے پہنچے؟"

"میں دو دن سے تمہاری نگرانی کر رہا ہوں۔ تم ہوٹل سے کم نکلتی ہو لہٰذا میں نے بھی ایک کمرہ تمہارے ساتھ ہی لے لیا۔ یعنی تمہیں دُور سے بھی دیکھتا رہا اور قریب سے بھی۔ تم باتیں کرتے وقت کسی کی بھی آنکھوں میں توجہ سے جھانکتی ہو۔ خصوصاً جس کی زبان نہیں سمجھتیں اُس کی آنکھوں میں ضرور گھسنا چاہتی ہو۔ مجھے شبہ ہوا تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔ تصدیق کے لیے میں نے سیاہ چشمہ پہن لیا اور مقامی زبان بولنے لگا پھر تمہیں اتنا غصہ دلایا کہ تم میرے پیچھے پڑ گئیں، اب نتیجہ سامنے ہے۔"

"تم کون ہو؟"

"ظاہر ہے میرا تعلق کسی سُراغ رساں ٹیم سے یا جرائم پیشہ تنظیموں سے ہوگا۔ ویسے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والیاں فرہاد کی جاگیر ہیں۔ تم مجھ سے دُور رہو۔۔۔ اور میں تم سے فاصلہ رکھوں، ورنہ اتنا دلیر ہونے کے باوجود فرہاد کا رقیب بننے کی جُرأت نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ غلط ہے کہ میں اُس کی جاگیر ہوں، میں نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، تم مجھے رسونتی سمجھتے ہو یا شیبا؟"

"میں نے رسونتی کے ریکارڈ فائل میں اُس کی تصویر دیکھی ہے تم ویسی نہیں ہو، اگر میک اپ میں ہو تب تمہارے چہرے کی ساخت ہندوستانی نہیں ہے تم یقیناً شیبا ہو۔"

وہ مُسکرا کر بولی "تم واقعی ذہین ہو۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم نے فرہاد کو چھوڑ دیا ہے۔"

"یقین کرو، یہودی اور مُسلمان میں دوستی نہیں ہو سکتی۔"

"پھر تو مجھے تم سے دُور رہنا چاہیے۔"

"کیا تم بھی مُسلمان ہو؟"

"یہ بات نہیں ہے، تم فرہاد کو چھوڑ کر مجھ سے دوستی کرو گی تو وہ میرا دُشمن بن جائے گا اور وہ تو ہماری ہندی زبان جانتا ہے۔ کیا وہ تمہارے ذریعے میرے دماغ میں پہنچ گیا ہوگا؟"

وہ بڑے فخر سے بولی "اُس کا باپ بھی نہیں پہنچ سکتا، وہ جب بھی میرے دماغ میں آنا چاہتا ہے، میں سانس روک لیتی ہوں، میرے ذریعے وہ تمہیں کبھی ٹریپ نہیں کر سکے گا۔"

"تم مدراس میں کیا کر رہی ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے کرتی ہوں۔"

"بڑی چالاک ہو۔ میں اپنا مقصد بتا رہا ہوں اگر تم ساتھ دو گی تو ہم ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔"

"کیسا کارنامہ؟"

"واہ، عورت کیا چیز ہے، دوسروں کا بھید تو معلوم کر لیتی ہے، اپنا نہیں بتاتی۔ تم مجھ سے ہی پوچھتی جا رہی ہو، میرے سوال کا جواب نہیں دو گی کہ اس شہر میں کیا کر رہی ہو؟"

"میں کروڑوں ڈالر کے ہیروں کے چکر میں آئی ہوں۔"

"سمجھ گیا۔ میں نے پچھلی رات ہیرا سوامی اور نیلما داسی کو اجنتا کے ایک مندر میں دیکھا تھا۔"

"تم بہت دُور تک پہنچے ہوئے ہو مسٹر قادر! کیا یہی تمہارا اصلی نام ہے۔"

"میرا نام کچھ اور ہے، کام کچھ اور ہے، جہاں سے آیا ہوں، وہ مقام کچھ اور ہے۔ ہماری دوستی ہونے کے باوجود میں تمہیں اپنی اصلیت تک پہنچنے نہیں دوں گا۔"

"تمہاری مرضی مگر یہ تو بتاؤ، ہم دونوں مل کر کون سا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں؟"

میں نے کہا "آج کل ہندوستان غیر ملکی جاسوسوں، خطرناک تنظیموں کے مجرموں اور ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا مرکز بنا ہوا ہے کیونکہ وہ پُراسرار بھائی بہن جنہوں نے ٹرانسفارمر مشین ایجاد کی ہے اُن میں سے کوئی یہاں موجود ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"وہ بہن بھائی ہیرا سوامی کے دوست ہیں تم جن ہیروں کے چکر میں آئی ہو، وہ ہیرا سوامی کی ملکیت ہیں اور وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اُس کی مدد کے لیے یہاں موجود ہیں اگر اُن میں سے ایک بھی ہاتھ آجائے تو ہم اُسے اغوا کر کے کہیں لے جائیں گے اور اُس سے ٹرانسفارمر مشین کا راز معلوم کر لیں گے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے پوچھا "ساتھ نہیں دو گی؟"

"دے سکتی ہوں مگر تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے تمہارے دُشمن بن جائیں گے۔ کوئی اپنے مقابل ایک نئے خیال خوانی کرنے والے کو برداشت نہیں کرے گا، اس لیے تمہیں کوئی اس مشین تک پہنچنے نہیں دے گا۔"

"کیا تم بھی یہی چاہو گی؟"

"ظاہر ہے کون اپنا حریف چاہتا ہے، میں ایک شرط پر تمہارا ساتھ دوں گی اگر وہ مشین تمہارے ہاتھ لگے تو اس کے ذریعے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کر لینا میرے ہاتھ لگے گی تو اس مشین کو برباد کر دوں گی۔"

"دونوں کا مقصد ایک ہے مشین حاصل کرنا مگر ارادے مختلف ہیں۔ کوئی بات نہیں، میں تمہیں اس مشین کو تباہ کرنے نہیں دوں گا۔"

"اور میں تمہیں ٹیلی پیتھی سیکھنے نہیں دوں گی۔"

میں مُسکرانے لگا۔ وہ بولی "کیا اس طرح ہم ایک دوسرے کے دُشمن نہیں بن گئے؟"

"ہاں مگر چھپے ہوئے دُشمن نہیں ہیں۔ میں تمہاری اصلیت معلوم کر چکا ہوں اور تمہیں بھی میرے متعلق بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ کار سے اُتر کر اندر آئے پھر لفٹ کے ذریعے اُوپر جانے لگے۔ ڈرائیور میرے ساتھ تھا۔ پھر ہم اپنے اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "صُبح تک مجھے نئی کار چاہیے۔"

"مل جائے گی۔" وہ اندر گئی پھر زوردار آواز کے ساتھ دروازے کو بند کر لیا۔ تیزی سے فون کے پاس گئی۔ ریسیور اُٹھا کر منیجر سے رابطہ قائم کیا پھر اپنے خاص آدمی کو بُلایا۔ اُسے ڈانٹ کر کہنے لگی "یہ تم لوگ غنڈے اور پہلوان بنتے ہو۔ اس کے ڈرائیور سے مار کھا گئے۔"

"میڈم! میں دھوکا کھا گیا، اُسے شریف آدمی سمجھ کر معمولی بدمعاشوں کو لے آیا تھا۔ آپ حکم دیں، میں خطرناک فائٹروں اور قاتلوں کو کرائے پر لا سکتا ہوں۔"

"میں بڑی سے بڑی قیمت دوں گی۔ صُبح تک قادر خان کو ٹھکانے لگا دو، اس سلسلے میں میرا نام نہیں آنا چاہیے۔"

میں نے اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا "پڑوسن کے کمرے سے ابھی جو نکل رہا ہے، اُسے ٹھکانے لگا دو پھر چار گھنٹے بعد تمہاری

ضرورت ہوئی، جاؤ آرام کرو۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے دروازے کو اندر سے لاک کیا پھر روزانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا ذہن خرید جا چکا تھا۔ اُس نے بھی دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر رہی تھی پھر وہ کہنے لگی "ہیلو مسٹر شرما! آپ نے کیسے بوگس غنڈے سپلائی کیے ہیں، سب ناکارہ ہیں۔ اگر تمہارے دیس میں ایسے ہی لوگ ہیں تو اتنی بڑی ڈکیتی کی پلاننگ خاک میں مل جائے گی۔"

شرما نے کہا "میڈم! اس دیس میں ایک سے ایک دلیر اور چالاک موجود ہے۔ اس ڈکیتی میں دیسی مجرموں کے ساتھ بدنام زمانہ غیر ملکی مجرم بھی رہیں گے۔ بڑی صفائی سے وہ تمام مال سرحد پار لے جائیں گے۔"

"میرے ساتھ والے کمرے میں ایک نہایت ہی پُراسرار شخص ہے۔ وہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے، اُس سے پیچھا چھڑاؤ۔"

شرما نے کمرہ نمبر پوچھا۔ وہ بولی "میرے کمرے کا نمبر چھ ہے اور اُس کے کمرے کا نمبر سات ہے۔"

"آپ آرام سے سو جائیں، وہ صبح اپنے کمرے میں مُردہ پایا جائے گا۔"

"کیا اجنتا سے مال ابھی تک نہیں پہنچا؟"

"آدھی رات سے پہلے پہنچ جائے گا۔ ہم اسی شہر میں اُسے اُڑا لے جانے کی کوشش کریں گے۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے شرما کے پاس پہنچ کر معلوم کیا، وہ ہندوستان میں اسرائیلی ایجنٹ تھا۔ اسرائیل سے آنے والے جاسوسوں اور دیگر تنظیموں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کی ایک ٹیم آئی تھی۔ شرما اس ٹیم کی میزبانی کر رہا تھا۔ اُسے حکم دیا گیا تھا کہ بے شمار قیمتی ہیرے ہندوستان کے کسی شہر سے استنبول پہنچائے جائیں گے۔ اس سلسلے میں جو اسرائیلی ٹیم آئی ہے، اس کی ہر ضرورت پوری کی جائے اور تمام ممکن ذرائع استعمال کر کے اُنھیں سہولتیں فراہم کی جائیں۔

شرما کو خبردار کیا گیا تھا کہ ان کے مقابلے میں فرہاد کی ٹیم بھی وہاں موجود ہے لہٰذا خاص مرحلوں میں یوگا جاننے والے ماتحتوں سے کام لیا جائے۔ اسرائیلی ٹیم میں وہ بے رحم قاتل اور فائٹر ایسے تھے جو سانس روک لیتے تھے۔ روزانہ بھی اُن کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام فنٹی اور دوسرے کا نام گارسن تھا۔

میں نے روزانہ کے ذریعے طریقۂ کار معلوم کیا۔ پس پردہ یہ حقیقت تھی کہ ہارپر اور شارپر اپنی بہن کی مدد کر رہے تھے۔ اُنھوں نے اسرائیلی حکومت سے کہا تھا کہ دونوں بھائی ہندوستان سے وہ ہیرے استنبول پہنچانا چاہتے ہیں۔ اسرائیلی حکام بھلا اتنی سی بات کیوں نہ مانتے، اُنھوں نے اسرائیل سے وہی ٹیم روانہ کر دی۔ دونوں بھائیوں نے یہ ظاہر کیا کہ ان کی طرف سے روزانہ نامی ایک عورت اسرائیلی ٹیم میں شریک رہے گی لیکن کسی کی پابند نہیں رہے گی۔ دونوں بھائی اُس عورت کے دماغ میں آتے جاتے رہیں گے اور اس کے ذریعے متعلقہ لوگوں سے رابطہ رکھیں گے۔

یہ تمام نمائشی باتیں تھیں۔ روزانہ خود ہی خیال خوانی کرتی تھی، اپنے منصوبے کے مطابق احکامات جاری کرتی تھی اور تاثر یہ دیتی تھی کہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی آلۂ کار بن کر احکامات سنا رہی ہے۔ اس طرح وہ خود محفوظ تھی۔ یہ اب تک انکشاف نہیں ہوا تھا کہ ان بھائیوں کے علاوہ ایک بہن بھی خیال خوانی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

شرما نے وعدہ کیا تھا، سات نمبر کمرے کا مسافر صبح مُردہ پایا جائے گا۔ اُس کی پلاننگ کے مطابق رات کے دو بجے میرے کمرے میں بے ہوش کرنے والی گیس داخل کی جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد کوئی قاتل لاک کھول کر یا توڑ کر کمرے میں آئے گا اور مجھے قتل کر کے چلا جائے گا۔

میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے شرما کے پاس پہنچتا رہا۔ ایک بار میں نے اُس قاتل کی آواز سُن لی، جسے شرما میرے سلسلے میں ہدایات دے رہا تھا۔ اب مجھے اُن کی طرف سے اطمینان تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی، نو بج رہے تھے۔ روزانہ کھانے سے پہلے ایک پیگ پی رہی تھی۔ کھانے کے بعد اطمینان سے سونے والی تھی۔ شرما کی رپورٹ کے مطابق وہ ہیرے آدھی رات تک مدراس شہر پہنچنے والے تھے۔ وہ اپنے دماغ کو ہدایت دے کر سونے والی تھی کہ رات بارہ بجے آنکھ کُھل جائے۔

ابھی ذرا فرصت تھی۔ میں شیلی کے پاس آ گیا۔ وہ نئے محل میں پہنچ گئی تھی۔ کتنے ہی ملازم وہاں صفائی اور سجاوٹ میں لگے ہوئے تھے۔ کئی داسیاں اُس کے بدن پر اُبٹن لگا رہی تھیں۔ جب میں پہنچا تو وہ داسیوں کو باہر جانے کا کہہ رہی تھی تاکہ باقی اُبٹن ان سے چھپ کر لگا سکے۔ میں بھی اُس کے دماغ سے چلا آیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ مسکرات کے کھانے کے بعد غنودگی طاری ہو سکتی تھی یا سُستی محسوس ہوتی۔ میں نے سینڈوچز منگوا کر کھائے اور چائے پی۔ اس وقت تک روزانہ بستر پر آ کر لیٹ گئی تھی اور اپنے دماغ کو ہدایات دے رہی تھی۔

میں نے پندرہ منٹ تک انتظار کیا پھر اُس کے خوابیدہ دماغ میں پہنچ گیا۔ ٹیلی پیتھی جاننے اور دماغ کو ہدایات دینے سے کیا ہوتا ہے۔ شراب پینے اور عیاشی کرنے والی کا دماغ بے حس ہوتا ہے، پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتا۔ میں نے اُس پر تنویمی عمل کیا، اُسے اپنی معمولہ بنایا پھر حکم دیا، وہ خوابیدہ رہے گی لیکن بستر سے اُٹھ کر دروازہ کھولے گی۔

اس حکم کے ساتھ ہی میں نے اپنے کمرے سے باہر آ کر دروازے کو لاک کیا۔ ساتھ والے چھ نمبر دروازے کے سامنے پہنچا، اُسی وقت وہ کُھل گیا۔ وہ باریک ریشمی نائٹی میں کھڑی ہوئی تھی۔ دروازہ کھول کر گھوم گئی، آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر سب سے پہلے اُس کے اٹیچی کو کھول کر دیکھنے لگا۔ وہ ریموٹ کنٹرولر جو فانوس نما میکنزم کو آپریٹ کرتا تھا اور دُہری چھت کے خفیہ خانے میں پہنچاتا تھا، مجھے مل گیا۔

وہ ایک پاکٹ ریڈیو تھا۔ اس کے ایک حصے میں کیلکولیٹر کی طرح بٹن لگے ہوئے تھے۔ ایک بٹن کو دبانے سے ننھی اسکرین پر لکھا ہوتا تھا، پروگرام آن ایئر! اس سے یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ پاکٹ ریڈیو آن ہو گیا ہے، اب ہوا کے دوش پر پروگرام سُنا جا سکتا ہے اور واقعی ریڈیو آن ہو جاتا تھا۔

لیکن اس کا دوسرا مطلب ہوتا تھا کہ ریموٹ کنٹرولر اب ہوا کے دوش پر فانوس نما میکنزم سے مربوط ہو چکا ہے۔ اس کے دو صفر دو کے بٹن دبانے سے میکنزم کا لاک کُھل جاتا تھا پھر سُرخ بٹن کو دباتے ہی وہ دُہری چھت متحرک ہو کر خفیہ خانے تک پہنچنے کے لیے چھوٹا سا خلا پیدا کر دیتی تھی۔

میں نے جناب شیخ صاحب کو مخاطب کیا پھر کہا "میں اس ٹرانسفارمر مشین کے تیسرے حصے کا سُراغ لگا چکا ہوں۔ یہ ایک دُہری چھت کے خفیہ خانے میں ہے۔ چھت سے فانوس نما میکنزم منسلک ہے، جس کا لاک ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے کُھلتا ہے۔ وہ ریموٹ کنٹرولر ابھی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ اس کی بناوٹ اور تیکنیک کو میرے ذریعے سمجھ لیں۔ اگر آپ ایسا ہی دوسرا ریموٹ کنٹرولر بنوا سکیں تو میں اسے یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ یوں شُبہ نہیں ہوگا کہ ہم تیسرے حصے کا سُراغ لگا چکے ہیں۔"

اُنھوں نے کہا "معلوم ہوتا ہے تم ہارپر کے بعد شارپر یا لیڈی روزینہ تک پہنچ گئے ہو۔"

"جی ہاں، لیڈی روزینہ کا اصل نام روزانہ آرمر ہے۔ میں اُس پر تنویمی عمل کرنے کے بعد اُس کے کمرے میں آ گیا ہوں، اب آپ ریموٹ کنٹرولر کی تفصیل سُنیے۔"

"ذرا ٹھہرو، میں الیکٹرونک کے ماہرین کو بُلاتا ہوں۔"

باباصاحب کے ادارے میں ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور طلبا و طالبات رہتے تھے۔ دس منٹ کے اندر دو ماہرین جناب شیخ صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میری باتیں شیخ صاحب کے ذریعے سُننے لگے۔ ایک ماہر کاغذ پر ڈائیگرام بناتا جا رہا تھا اور اس سلسلے کی اہم باتیں نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بحث مباحثے کے بعد دونوں ماہرین نے کہا "یہ کوئی پیچیدہ کنٹرولر نہیں ہے، بلکہ اسے پاکٹ ریڈیو ثابت کرنے کے لیے پیچیدگی پیدا کی گئی ہے۔"

شیخ صاحب نے کہا "ہمارے ادارے میں جو ریموٹ کنٹرولر ہیں، کیا وہ کام آ سکتے ہیں؟"

"بے شک آ سکتے ہیں، ہم کل تک ایک ریموٹ کنٹرولر کو ڈیجیٹل بنا دیں گے تاکہ دو صفر دو کے ہندسے سے میکنزم کا لاک کُھل سکے۔"

میں نے سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی اور پومی کی خیریت دریافت کی۔ اُنھوں نے جواب دیا "بخیریت ہیں اور یہ سب کی سب بڑی مستقل مزاجی سے یوگا میں مہارت حاصل کرتی جا رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اُن کی موجودگی سے دُشمن محتاط ہیں اور ادارے کا رُخ نہیں کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا "اسرائیلی بلائنڈ کلب کے پُراسرار ممبروں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے کے بعد اس بات کی ٹھوس پلاننگ پیش کریں گے کہ باباصاحب کے ادارے میں کس طرح داخل ہو کر اُسے کھنڈر بنایا جا سکتا ہے؟"

"کیا تم بلائنڈ کلب کے پُراسرار پلانرز تک پہنچ رہے ہو؟"

"فی الحال یہ ناممکن لگ رہا ہے۔ ان پُراسرار ممبران نے ایسی زبردست پُراسراریت اختیار کی ہے اور اس بلائنڈ کلب کے اطراف ایسے سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں کہ فی الحال خیال خوانی کا پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"پھر تمھیں یہ معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟"

"دونوں بھائی شارپر اور ہارپر نے اسرائیلی حکام سے رابطہ رکھنے کے لیے وہاں کے دو افسران کو ذریعہ بنایا ہے۔ شارپر ایک سینئر افسر کیری ہام کی زبان اور دماغ سے گفتگو کرتا ہے اور ہارپر ایک جونیئر افسر تھامسن کو اپنا ذریعہ بناتا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ میں اور شیبا خیال خوانی کے ذریعے ان سینئر اور جونیئر افسران تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

شیبا کے ذکر پر شیخ صاحب نے بڑے دُکھ سے کہا "میری بیٹی بہت یاد آ رہی ہے، خدا اُسے اور آمنہ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ کیا تمھیں کوئی خبر ہے اُن کی؟"

"نہیں" میں نے گہری سانس لے کر کہا "انسان کے پاس کوئی سی بھی غیر معمولی صلاحیت ہو، وہ فوراً پُراسرار بننے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ شیبا کو بھی یہی بیماری لگ گئی ہے۔"

"کیا وہ تمام ہیرے برآمد ہو گئے؟"

"جی ہاں، مدراس شہر پہنچنے والے ہیں۔ یہاں دوسری تمام خطرناک تنظیموں کے علاوہ انٹرپول کے جاسوس بھی موجود ہیں۔ ہیروں کا تو محض بہانہ ہے۔ سب ہی کی یہ کوشش ہوگی کہ ٹرانسفارمر مشین ایجاد کرنے والے بھائی بہن میں سے کوئی ہاتھ لگ جائے۔"

شیخ صاحب نے کہا "وہ تمھاری تاک میں بھی ہوں گے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے، ہم تم اس مشین کو برداشت نہیں کر رہے ہیں، اسے برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ دُشمنوں کی نظر ہم پر ہے، وہ اسے برباد نہیں کرنے دیں گے۔"

"میں چاہتا ہوں، کل وہ ریموٹ کنٹرولر تیار ہو جائے تو آپ سونیا کو استنبول روانہ کر دیں۔ میں اس کی راہنمائی کروں گا۔"

اُنھوں نے کہا "آج پھر سونیا پر تنویمی عمل ہوگا۔ اس کے دماغ میں دو مختلف کوڈ ورڈز نقش ہوں گے۔ ان کوڈ ورڈز کی ادائیگی کا خاص انداز ہوگا، جب تم انھیں ادا کرو گے تو وہ مُتیں دماغ میں آنے کی

اجازت دے گی۔"

میں ضروری باتیں کرنے کے بعد روزانہ کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ وہ بڑے آرام سے چاروں شانے چت لیٹی سو رہی تھی۔

اس رات اُس کی بے رحمی غافل تھی۔ اس کا حُسن و شباب کسی کو بھی دیوانہ بنا سکتا تھا۔ میں بھی انسان ہوں لیکن مجھ پر شیلپی کا جادو چل رہا تھا۔ جو لوگ شاعرانہ حسن سے سحر زدہ ہوتے ہیں، اُن پر روزانہ جیسا چیختا ہُوا بازاری حسن اثر نہیں کرتا۔

میں نے تمام سامان کی تلاشی لی۔ ایک موہوم سی اُمید تھی، شاید اُس کے البم سے اُس کے بھائیوں کی تصویریں حاصل ہو جائیں مگر وہ ایسی نادان نہیں تھی کہ تصویریں لیے پھرتی۔ میں نے اُس کے ریموٹ کنٹرولر کو جہاں تھا وہیں رکھ دیا۔ ہر چیز اُس کی جگہ رہنے دی پھر گھڑی دیکھی، بارہ بجنے والے تھے۔

اُس نے اپنے دماغ کو جو ہدایات دی تھیں انھیں میں تنویمی عمل کے ذریعے مٹا چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا، کوریڈور ویران تھا پھر اُس کی جانب گھوم کر دیکھا، اُس کا خوابیدہ دماغ میرے تابع عمل تھا، وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند میں چلتی ہوئی میرے پاس آئی۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ساتھ لے کر اپنے کمرے کے دروازے پر آیا پھر اُسے کھول کر روزانہ کو اندر لے آیا، دروازے کو بند کرنے کے بعد اُسے اپنے بستر پر لٹا دیا۔

اسی فلور کے کمرہ نمبر نو میں ایک جوڑے نے قیام کیا تھا۔ وہ چندر بھان کے خاص لوگ تھے۔ میں نے نو نمبر پر دستک دی، اُس شخص کو لے کر کمرے میں آیا پھر کہا "میرے پاس صرف ایک اٹیچی ہے، اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ میرے کمرے کی چابی رکھو، میں جا رہا ہوں۔ صبح پانچ بجے کاؤنٹر کلرک کو بھاری رشوت دے کر رجسٹر میں یہ لکھوا دینا کہ میں رات دس بجے یہ کمرہ چھوڑ چکا تھا۔"

اُس نے ادب سے کہا "آپ کا حکم سر آنکھوں پر، اگر اجازت ہو تو ایک سوال کروں؟"

"بے جھجک سوال کرو۔"

"کیا یہ عورت اسی کمرے میں رہے گی؟"

"ہاں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"آپ نے فرمایا، صبح پانچ بجے کاؤنٹر کلرک کو رشوت دے کر اپنا کام کیا جائے، کیا یہ کام ابھی نہیں ہو سکتا؟"

"نہیں، جو وقت مقرر کیا ہے، اُسی وقت کام ہونا چاہیے۔ مجھے افسوس ہے اس کے لیے تمھیں رات بھر جاگنا ہوگا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔"

وہ میری اٹیچی اُٹھا کر باہر آیا۔ میں نے دروازے کو لاک کر کے چابی اُسے دیتے ہوئے کہا "صبح ساڑھے چار بجے تک اس دروازے کے سامنے یا کمرے کے اندر کچھ بھی ہو، تم مداخلت نہ کرنا، بلکہ اِدھر کا رُخ ہی نہ کرنا۔"

اُس نے فرماں برداری سے سر ہلایا مگر پریشان تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اس عورت کو کمرے میں لاک کیوں کیا گیا ہے؟ میں نے سختی سے کہا "میرے کسی معاملے پر پریشان ہو کر نہ کچھ سوچنا اور نہ ہی صبح تک کی ڈیوٹی میں کوتاہی کرنا۔ اس سلسلے میں ذرا بھی غلطی ہوگی تو چندر بھان تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

وہ سہما ہُوا سا چلا گیا۔ میں لِفٹ کے ذریعے نیچے آیا۔ میرا محافظ ڈرائیور چار گھنٹے بعد آ کر ویٹنگ رُوم میں انتظار کر رہا تھا۔ میں نے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر کے پیچھے کلرک کرسی پر سو رہا تھا۔ ہم دبے پاؤں چلتے ہوئے باہر آئے۔ پارکنگ ایریا میں پہنچ کر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ ایک منٹ کے اندر ہی ہم ہوٹل سے دُور ایک شاہراہ سے گزر رہے تھے۔

میرے محافظ ڈرائیور کا نام سنت رام تھا۔ اُسے سنتو کہتے تھے۔ اُس نے روزانہ کے اُس زرخرید کو ٹھکانے لگا دیا تھا جو مجھے ٹھکانے لگانے والا تھا۔ میں نے اُس کی رپورٹ سُن کر کہا "سنتو! تم بہت ہی پرفیکٹ باڈی گارڈ ہو۔ میں تمھیں پسند کرتا ہوں۔ اب میں خاموش رہوں گا، مداخلت نہ کرنا۔"

آدھی رات گزر چکی تھی۔ بے چاری شیلپی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں خود اس کے پاس پہنچنے کے لیے بے تاب تھا مگر کچھ اہم مسائل سے نمٹنا تھا۔ اسی لیے میں کسی سے دل کے معاملات میں وعدہ نہیں کرتا۔ وعدہ پورا نہ ہونے پر افسوس بھی ہوتا ہے اور انتظار کرنے والی کو دُکھ بھی پہنچتا ہے۔

شیلپی ابھی اچھی طرح نہیں سمجھتی تھی کہ میں کس طرح خطرات سے کھیلتا رہتا ہوں۔ وہ مایوسی سے یہی سوچتی کہ میں اسے نظر انداز کر رہا ہوں۔ ابھی اُسے سمجھانے منانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ میں نے فی الحال یہی مناسب سمجھا کہ اُسے چُپ چاپ سُلا دینا چاہیے۔

اسے قرار نہیں تھا۔ وہ سولہ سنگھار کیے کبھی دروازے پر آتی تھی، کبھی اُوپر بالکونی سے دُور تک دیکھتی تھی۔ میرے انتظار میں محل کی تمام کنیزیں، خادم اور مسلح محافظ جاگ رہے تھے۔ میں نے شیلپی کو تھکن کا احساس دلایا۔ ذرا کمر سیدھی کرنے کے لیے بستر پر پہنچایا۔ اس کے بعد ٹیلی پیتھی کی لوری سُنا کر سُلا دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ آخر وہ سو گئی۔

واہ! یہ اُس کی شادی کی جگمگاتی رات تھی۔ آہ! میں نے اُس کی بند آنکھوں کے پیچھے تمام جذبوں اور مسرتوں کو بُجھا دیا تھا۔ میں کیا ہوں؟ محبت بھی کرتا ہوں، محبت سے دُشمنی بھی کرتا ہوں۔ اے دل والیو! کیوں مجھ سے دل لگاتی ہو؟

⁂

اسرائیلی بلائنڈ کلب کی جانب سے یقین دلایا گیا تھا کہ چوبیس گھنٹے بعد ایک اہم پلاننگ پیش کی جائے گی۔ وہ چوبیس گھنٹے پورے ہو چکے تھے۔ ہار پر ایک جونیئر آفیسر تھامسن کے دماغ میں تھا۔ میں نے سینئر آفیسر کیری ہام کے پاس جا کر چُپ چاپ سُنا۔ شار پر اُس آفیسر سے کہہ رہا تھا "میں نے اپنے پاس اس پلاننگ کو ریکارڈ کرنے کا انتظام کر لیا ہے، جو ابھی پیش کی جائے گی۔"

میں نے شیخ صاحب کو مخاطب کر کے کہا "وہ خفیہ پلاننگ سامنے آ رہی ہے۔ میں آپ کے دماغ میں آ کر بولتا رہوں گا، آپ اسے نوٹ کرتے جائیں یا خود زبان سے بولتے ہوئے ریکارڈ کرتے جائیں۔ میں آپ کے پاس آتا جاتا رہوں گا۔"

کیری ہام اور تھامسن ایک دوسرے کے سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گویا شار پر اور ہار پر دونوں بھائی اُن کے دماغوں میں آمنے سامنے گفتگو کر رہے تھے۔ قریب ہی ایک بڑا سا ٹی وی تھا، جو کیری ہام کے قریب رکھے ہوئے کمپیوٹر سے منسلک تھا۔ چند منٹ انتظار کرنے کے بعد فون کی گھنٹی سنائی دی۔ تھامسن نے ریسیور اُٹھا کر سُنا پھر کیری ہام سے کہا "آپ کے کمپیوٹر کو وہ پلاننگ فیڈ کی گئی ہے، آپ اُسے آپریٹ کریں۔"

ٹی وی اسکرین آن ہو گیا۔ وہ کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے لگا۔ اسکرین پر حروف اور لفظوں کی صورت میں معلومات حاصل ہونے لگیں۔ وہاں تحریر اُبھرتی جا رہی تھی۔ کیری ہام اور تھامسن پڑھ رہے تھے۔ شار پر اور ہار پر سُن رہے تھے اور ریکارڈ کر رہے تھے۔ دوسری طرف میں بھی کیری ہام کے ذریعے سُن رہا تھا اور شیخ صاحب کو اہم باتیں نوٹ کراتا جا رہا تھا۔

بلائنڈ کلب کا کمپیوٹر تحریر کی زبان سے کہہ رہا تھا۔

"جنٹلمین! ہم منصوبہ پیش کرنے سے پہلے تمہیدی مشورہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلا مشورہ ہے، آپ ایسے افراد کا انتخاب کریں، جو ذہین اور حاضر دماغ ہوں اور اپنے اپنے شعبے میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہوں۔

دوسرا مشورہ ہے، وہ افراد کسی قسم کا نشہ نہ کرتے ہوں۔ عورت سے دُور رہتے ہوں، جو نہ کسی کے دوست ہوں، نہ رشتے دار اور نہ کسی ایسے معاملے سے متعلق ہوں، جو اُن کی کمزوری بن سکے۔

تیسرا مشورہ ہے، وہ افراد ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے کا ہُنر جانتے ہوں۔

آخری مشورہ ہے، وہ افراد زندگی سے بیزار ہوں۔ ریوالور کے چیمبر میں پانچ گولیاں دُشمن کے لیے اور ایک گولی اپنے لیے رکھتے ہوں اور ایک کُتے کی طرح اس کے وفادار رہیں جس کا وہ کام کرنے جا رہے ہوں۔"

اس کے بعد بابا صاحب کے ادارے کا ذکر شروع ہُوا۔ اسکرین پر ابھرتی ہوئی تحریر کہہ رہی تھی۔

"بابا فرید واسطی کا ادارہ کوئی سچ مچ فولاد کا نہیں ہے البتہ وہاں رہنے والوں کی ذہانت نے اُسے ناقابلِ تسخیر بنایا ہُوا ہے۔ اگر کسی گھر کا دروازہ بند ہو، اندر جانے کی اجازت نہ ملتی ہو اور نقب لگانے کے

بعد بھی ناکامی رہتی ہو تو وقتی طور پر اُس گھر کا رُخ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے پڑوسیوں سے دوستی کرنا چاہیے۔ ہوسکے تو پڑوس کا مکان خرید لینا چاہیے۔

اب آپ فرید واسطی کے ادارے کا محل وقوع دیکھیں۔ اس کے آس پاس میلوں دُور تک آبادی ہے، فارمز ہیں، یا فیکٹریاں ہوٹل وغیرہ ہیں۔ آپ اپنی استطاعت دیکھیں، اُن میں سے کتنوں کو خرید سکتے ہیں۔ خریدنے والے کا مقصد کیا ہے، یہ شیخ الفارس کو معلوم نہیں ہونا چاہیئے اگر وہ شبہ کریں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ چاروں طرف کی زمین اور عمارات کو خرید کر اس ادارے کا مکمل محاصرہ کیا جاسکتا ہے۔

محاصرے کے بعد شیخ الفارس اور ادارے والوں پر نفسیاتی دباؤ پڑے گا، ان سے دُشمنی نہیں کی جائے گی مگر وہ آپ کو دوست بھی نہیں سمجھیں گے۔ فرید واسطی کے ادارے کے آس پاس ایسی سائنسی ریسرچ لیبارٹری وغیرہ قائم کی جائے، جہاں سُراغ رساں آلات نصب کیے جاسکیں۔ ایسا ٹاور اینٹینا بھی ہو جو فرید واسطی کے ادارے میں آمد و رفت اور دیگر مصروفیات کی تصویریں آپ کے ٹی وی اسکرین تک پہنچا سکے۔ ظاہر ہے ٹاور پر خفیہ کیمرے ہوں گے، جو وہاں کی متحرک فلمیں آپ کے لیے تیار کریں گے۔

وہ ادارہ معمولی نہیں ہے لہٰذا وہاں تک پہنچنے کا نسخہ بھی معمولی اور سستا نہیں ہوسکتا، جو منصوبہ پیش کیا جارہا ہے اُس کے لیے یہ احتیاط لازمی ہے کہ حکومتِ فرانس کا اعتماد حاصل ہوتا رہے۔ وہاں کے جاسوس آپ کی سائنسی ریسرچ لیبارٹری وغیرہ سے کوئی ایسا ثبوت حاصل نہ کرسکیں، جو شیخ الفارس کے شبہات کی تصدیق کرتا ہو۔"

ٹی وی اسکرین چند سیکنڈ کے لیے سادہ ہُوا پھر تحریر اُبھرنے لگی۔ اب منصوبے کا دوسرا حصہ پیش کیا جارہا تھا وہاں لکھا ہُوا تھا۔

"آپ اس بات کا جائزہ لیں کہ حکومتِ فرانس سے سفارتی سطح پر اور کس طرح دوستی زیادہ مستحکم کی جاسکتی ہے فرانس کی انٹیلی جنس اور فوج وغیرہ میں کتنے یہودی ہیں اور جو غیر یہودی ہیں انھیں کس طرح خریدا جاسکتا ہے، اگر آپ نے انٹیلی جنس کے پچیس فیصد افراد کو بھی خرید لیا تو آپ کی سائنس لیبارٹری وغیرہ کے خلاف کبھی کوئی رپورٹ حکومتِ فرانس تک نہیں پہنچے گی۔ جب حکومت مطمئن رہے گی تو شیخ الفارس بھی آپ کے خلاف بے بس رہیں گے۔

اس ادارے کے طلبا و طالبات، دیگر ماہرین اور بزرگ شاذ و نادر ہی باہر نکلتے ہیں، وہ سب ادارے کی چار دیواری میں رہتے ہیں، اس کے باوجود ان کا تعلق باہری دُنیا سے ہوتا ہے۔ ان کے کھانے پینے کا سامان پیرس سے آتا ہے۔ ان کے کپڑے اور ضروریات کا تمام سامان بھی پیرس کے دُکاندار سپلائی کرتے ہیں۔

کیا سپلائی کا کام آپ ہاتھ میں نہیں لے سکتے؟

آپ ان تمام دُکانوں اور فیکٹریوں پر نظر رکھیں، ان لوگوں سے دوستی کریں، جو اپنی یا ادارے کی گاڑیوں میں مال پہنچاتے ہیں۔ آپ نہایت تحمّل اور چالاکی سے ان تمام ذرائع کے مالک بن سکتے ہیں۔

اس کے لیے کچھ وقت لگے گا لیکن جب آپ دوست سپلائرین کر ان کا دانہ پانی سپلائی کریں گے تو اس کے ساتھ روز تھوڑی تھوڑی موت بھی سپلائی کرتے رہیں گے۔

اس سلسلے میں آخری بات یاد رکھیں۔ آپ کے جتنے اہم افراد اور رازدار ہوں وہ کبھی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی گرفت میں نہ آئیں۔ جب اس منصوبے پر عمل شروع ہو، تب بلائنڈ کلب سے مختلف اقدامات کے سلسلے میں تفصیلی مشورے دیے جائیں گے۔ دی اینڈ۔"

اسکرین صاف ہوگیا۔ کیری ہام نے ٹی وی اور کمپیوٹر کو آف کردیا۔ شار پر نے اُس کے لہجے اور زبان میں کہا "منصوبہ ہر پہلو سے عمدہ اور قابلِ عمل ہے مگر اس میں بڑا وقت لگے گا۔"

کیری ہام نے کہا "ایک ہی دن میں کامیابی کا خواب دیکھا جاسکتا ہے، کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔"

تھامسن نے کہا "آپ دونوں بھائی ٹیلی پیتھی کے حربے استعمال کر چکے ہیں فرہاد کی عورتیں محض عورتیں نہیں، بلائیں ہیں۔ ان کی موجودگی میں جیکی ماسٹر جیسے آلۂ کار ہمیشہ خاک میں ملادیے جائیں گے۔"

کیری ہام نے کہا "آپ یہ دیکھیے، کتنی ذہانت سے منصوبہ تیار کیا گیا ہے یعنی آپ اس ادارے کے کسی فرد کو نہیں چھیڑیں گے، ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو نہ چیلنج کریں گے نہ ہی اس منصوبے کی ہَوا انھیں لگنے دیں گے اور چُپ چاپ کام کرتے ہوئے ان کی جڑیں کاٹتے جائیں گے۔"

شار پر نے کہا "مسٹر کیری ہام! آپ اس پر عمل کرنے کے لیے مکمل پروگرام چاک آؤٹ کریں۔ نہایت قابل افراد کا انتخاب کریں۔ منصوبے کے اس حصے پر زیادہ زور دیں، جس میں دانہ پانی سپلائی کرنے کا معاملہ ہے ہم بہت جلد ان تمام ذرائع کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں گے۔"

میں نے شیخ صاحب کے پاس آکر یہ تمام باتیں بتائیں۔ انھوں نے کہا "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، وہ ہمیں رزقِ حلال دیتا ہے۔ دُشمن ہمارے دانے پانی کو حرام نہیں کرسکیں گے۔ میں ابھی سے حفاظتی انتظامات شروع کرتا ہوں۔"

میں ان سے رخصت ہوکر کار کی پچھلی سیٹ پر حاضر ہُوا۔ ڈرائیور منتو ایک فیول اسٹیشن پر رُکا ہُوا گاڑی کی ٹنکی فل کرا رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا مگر وہ سمجھ رہا تھا کہ کار کی پچھلی سیٹ پر

گھنٹوں مراقبے میں رہنے والا کوئی علم پڑھتا رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے اُن میم صاحب کی طرح یہ صاحب بھی ٹیلی پیتھی جانتا ہو۔

وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آیا۔ میں نے پوچھا "کیا اب تک گاڑی چلاتے رہے ہو؟"

"نہیں سر! گاڑی چلتی رہے تو آپ کو نیند آتی ہے اس لیے میں آدھے مدراس شہر تک اسے ٹہلاتا رہا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں ٹنکی فل کرلی ہے، آپ صبح تک اسی میں نیند پوری کرسکتے ہیں۔"

میں اس کی باتوں پر مُسکرا رہا تھا۔ اُس نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی، میں نے کہا "خواہ مخواہ ڈرائیو نہ کرو۔ کسی ایسی جگہ لے جاکر روک دو، جہاں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹا خاموش رہوں گا۔"

رات کے دو بجنے والے تھے۔ میں اُس قاتل کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک مددگار کے ساتھ ہوٹل پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے کے پاس ایک بریف کیس تھا۔ اُس نے لفٹ کے اندر بریف کیس کو کھولا۔ اس میں قاتل کے لیے تیز دھار کا چاقو اور ایک چھوٹا گیس سلنڈر تھا اور ایک الیکٹرونک کِی فائنڈر تھا یعنی ایسا آلہ تھا جس کے ذریعے کسی بھی دروازے کا لاک کھولا جاسکتا تھا۔

اُس نے گیس سلنڈر اور لمبی سی نلکی نکالی۔ بریف کیس کو بند کیا۔ اسی وقت لفٹ رُک گئی۔ وہ باہر آئے پھر کوریڈور سے گزرتے ہوئے کمرہ نمبر سات کے دروازے پر آگئے۔ اُس نے فوراً ہی نلکی کے ایک سرے کو گیس سلنڈر سے اور دوسرے کو دروازے کے کِی ہول سے منسلک کردیا پھر سلنڈر کی چابی گھما کر گیس کو کمرے کے اندر پہنچانے لگا۔

وہ قاتل دبے قدموں کوریڈور میں چلتا ہُوا اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کوئی بھی مداخلت کرنے والا آتا تو اُس سے اچھی طرح نمٹ لیتا۔ دس منٹ بعد سلنڈر کو بند کردیا گیا۔ نلکی کو دروازے کے کِی ہول سے ہٹادیا گیا۔ اب وہ الیکٹرونک کِی فائنڈر کے ذریعے دروازہ کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔

میں روزانہ کے پاس آیا۔ اس کے نتھنوں تک بے ہوش کرنے والی گیس پہنچی تو وہ گہری نیند سے چونک گئی۔ اُس نے دیکھا کمرہ ویسا ہی تھا مگر ذرا مختلف تھا۔ وہ کہاں تھی، یہ سمجھنے کا موقع نہ ملا۔ وہ گیس اُس کے سوچنے کی صلاحیتوں کو کمزور کررہی تھی، دل ڈوب رہا تھا، ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ دس منٹ کے اندر ہی اُسے محسوس ہُوا، جیسے آدھی مرچکی ہے، اگر زندہ ہے تو بول نہیں سکتی ہے، سوچ سمجھ نہیں سکتی ہے کہ کہاں ہے اور کس عالم میں ہے اور وہ سوتے سوتے آدھی مُردہ اور آدھی زندہ کیسے رہ گئی ہے؟

اُسی وقت دروازہ کھُل گیا۔ وہ قاتل ہاتھ میں چاقو لیے کھڑا تھا۔ اُس کا ساتھی واپس چلا گیا تھا۔ میں نے روزانہ کے دماغ میں رہ کر اُس میں اتنی توانائی پیدا کی جس سے وہ سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

ایک قدآور بدمعاش کے ہاتھ میں چاقو دیکھتے ہی وہ چیخنا چاہتی تھی مگر حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ بڑی سفّاکی سے ہنستے ہوئے بولا "عورت ہے، جوان ہے اور خوب صورت بھی ہے۔ اُس نے کہا تھا سات نمبر کے مسافر کو قتل کرنا ہے۔ میں بھول گیا تھا کہ عورت بھی مسافر ہوتی ہے۔ ہی ہی ہی ہی... بڑی خوب صورت اور ملائم ہے۔ چاقو تو ایسے چلے گا، جیسے مکھن میں اُتر رہا ہو۔"

وہ سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی، بھاگنے کے لیے اُٹھ نہیں سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ بستر پر ہل رہی تھی، جسے تڑپنا بھی کہہ سکتے ہیں۔

وہ بولا "دیکھا، اس گیس کا اثر کتنا پیارا ہوتا ہے۔ شکار کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں، آواز ڈوب جاتی ہے، جو بے ہوشی میں ہوتا ہے، وہی سب ہوتا ہے مگر آنکھیں کھُلی رہتی ہیں تاکہ اپنے ہی قتل کا تماشا دیکھ سکو۔"

چاقو کا پھل بلب کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس کی چمک روزانہ کی دہشت زدہ آنکھوں تک پہنچ رہی تھی۔ میں قاتل کے دماغ میں پہنچ گیا۔ جب دماغ اپنی مٹھی میں ہو تو جسم ہماری مرضی سے حرکت کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اب وہ، وہ نہیں رہا تھا، میں تھا۔ میں نے چمکتے ہوئے چاقو کے پھل کو دیکھا، اس کا دستہ میری مٹھی میں تھا۔ میں نے چاقو والے ہاتھ کو فضا میں بلند کیا۔ وہ مارے دہشت کے اُوپر اُوپر سانس لے رہی تھی۔ میں نے چاقو کا ایک بھرپور وار کیا۔ وہ چیخ بھی نہیں سکتی تھی، چاقو ایک جھٹکے سے آکر اُس کے سر کے پاس تکیے میں پیوست ہوگیا۔ چند ساعتوں کے لیے اُس کی سانس رُک گئی تھی۔

پھر وہ سانس لینے لگی۔ میں نے اُس پر جھک کر کہا "تمھیں مارنے سے کیا ملے گا؟ ہاں تمھیں چاہنے سے بہت کچھ مل سکتا ہے۔ آج یہ قاتل تمھیں زندہ رکھنا چاہے گا اور مارتا جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم زندہ رہتی ہو یا مرتی ہو؟"

مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اگر ہوتی تو میں قاتل کے اندر رہ کر بڑی آزادی سے دلچسپی لیتا رہتا۔ میں نے قاتل کے دماغ کو ڈھیل دی، صرف اس حد تک قابو میں رکھا کہ وہ تکیے سے چاقو نکال کر استعمال نہ کرے، باقی جو چاہے کرتا رہے۔

وہ بھلا کیا کرسکتا تھا، خوشبو ملے تو سانسوں میں بسائی جاتی ہے۔ زُلفیں ہوں تو پریشان کی جاتی ہیں مگر وہ شاعر نہیں، قاتل تھا، ایک شرابی تھا، شراب پی رہا تھا اور گوشت چبا رہا تھا۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ میں نے چندر بھان کے آدمی سے کہا تھا کہ صبح پانچ بجے کاؤنٹر کلرک کو رشوت دے کر رجسٹر میں یہ لکھوادے کہ میں رات کے دس گیارہ بجے ہوٹل چھوڑ چکا تھا۔

وہ شخص نو نمبر کے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ نیند آرہی تھی، پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے اس میں جھنجلاہٹ پیدا کی۔ اسے کمرے سے باہر نکالا۔

یہ ارادہ پیدا کیا کہ ابھی کاؤنٹر کلرک کے معاملات نمٹائے گا پھر کمرے میں جا کر آرام سے سو جائے گا۔

وہ یہی کرنے لگا۔ صرف ایک ہزار روپے رشوت دینے سے کام بن گیا۔ اس نے سات نمبر کی کنجی لی۔ پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے روزانہ کو دیکھا، اس کی حالت اب قابلِ رحم تھی۔ گیس کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ وہ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگی۔ میں نے اُسے یہ سمجھنے کا موقع نہیں دیا کہ وہ کسی دوسرے کمرے میں ہے۔ میں نے اس کی آنکھیں بند کرا دیں۔ قاتل میری مرضی کے مطابق اُسے بازوؤں میں اُٹھا کر سات نمبر کے کمرے سے نکال کر چھ نمبر کے کمرے میں لے آیا۔ اُسے اس کے بستر پر ڈال دیا۔

وہ اپنا چاقو بھی لے آیا تھا۔ سات نمبر کے دروازے کو بند کر چکا تھا۔ روزانہ نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے اُسے سمجھنے کا موقع دیا کہ وہ اپنے کمرے میں ہی رہی تھی، اسی کمرے میں اُس پر قیامت ٹوٹتی رہی تھی۔ پھر اُس نے قاتل کو دیکھتے ہی چیخ ماری۔ ایک دم سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ گیس کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ کچھ توانائی بحال ہو چکی تھی، کچھ میں بحال کر رہا تھا۔ اُٹھ کر بیٹھتے ہی سامنے والے آئینے پر نظر پڑی۔ وہ ایک دم سے لرز گئی کیونکہ وہ خود کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔

اس کا چہرہ اور جسم کئی جگہ سے لہولہان دکھائی دے رہا تھا اور وہی لہو قاتل کے ہونٹوں، باچھوں اور دانتوں سے چھلک رہا تھا۔ وہ زخموں کی تکلیف بھول گئی تھی۔ صرف اس تکلیف سے چیخنے لگی کہ درندے نے اُس کے حسن کی ایسی کی تیسی کر دی تھی۔ میں نے اُسے جنون میں مبتلا کر کے قاتل کی طرف دوڑایا، وہ چاقو کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔ میں نے ایسا کرنے نہیں دیا۔ اُسے باہر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اتنی دیر میں ہوٹل والے اُٹھ بیٹھے تھے۔ کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔ مسافر اور وہاں کے ملازم سب ہی چیخ و پکار کی وجہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کمروں کے دروازے کھل رہے تھے، ملازم دوڑے آ رہے تھے مگر قاتل کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر رُک گئے۔ اُس سے کترانے لگے، وہ سب کو دھمکیاں دیتا ہوا زینے کے پاس آیا۔ اُسے نیچے کی طرف بھاگنا چاہیے تھا۔ میں اُسے اُوپر کی طرف بھگانے لگا۔ کتنے ہی لوگ دُور دُور رہ کر اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ پورا ہوٹل چیخ و پکار سے گونجنے لگا تھا۔ پولیس بھی وہاں پہنچنے والی تھی۔

میں اُسے چھت پر لے آیا۔ وہ زندگی کے لیے بھاگتا آیا تھا مگر زندہ رہتا تو ایسا بیان دیتا، جس سے یقین ہو جاتا کہ کسی نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے روزانہ پر حملہ کرایا ہے۔ میں اُن بھائیوں کی بہن تک پہنچ گیا ہوں، اس کا انکشاف نہیں ہونا چاہیے تھا۔

تعاقب کرنے والے چھت پر آ رہے تھے۔ قاتل بچاؤ کے لیے منڈیر پر چڑھ گیا۔ ایک نے کہا: "اب تمہارے سامنے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، چاقو پھینک دو اور نیچے آ جاؤ۔"

وہ نیچے نہیں آیا۔ وہاں سے پانی کی ٹنکی پر چڑھنے لگا۔ لوگ دوڑتے ہوئے اُس کی طرف جانے لگے۔ اُسی وقت میں نے اُس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دیے۔ اُوپر چڑھتے چڑھتے اُس کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکلی، وہ ٹنکی سے پھسلتا ہوا منڈیر پر آیا، پھر وہاں سے پستی کی طرف چلا گیا۔ وہ سات منزلہ عمارت تھی۔ چند ساعتوں کے بعد ہی میری سوچ کی لہریں واپس ہو گئیں۔ موت نے دماغ کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے تھے۔

روزانہ پہلے تو قاتل کے پیچھے دوڑتی آئی تھی پھر لوگوں کو دیکھ کر یاد آیا کہ چہرے کا حسن بگڑ گیا ہے۔ ابھی وہ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ وہ واپس کمرے میں آئی اور ریسیور اُٹھا کر چیختے ہوئے کہا: "مجھے میڈیکل ایڈ چاہیے۔ اس شہر کے سب سے بڑے ڈاکٹر کو بلاؤ، کم آن، ہری اپ [illegible]"

اُس نے ریسیور رکھ کر چیخ ماری۔ کچھ لوگ اُس سے ہمدردی کرنے اور واردات کے متعلق بہت کچھ معلوم کرنے آئے تھے مگر وہ کسی کو مُنہ نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ چیختے ہوئے بولی: "چلے جاؤ یہاں سے... چلے جاؤ، گیٹ آؤٹ...!"

وہ دھکے مار کر نکالنے لگی۔ کچھ لوگوں نے بُرا منایا۔ کچھ اُسے جنون میں دیکھ کر خود ہی چلے گئے۔ اُس نے دروازے کو بند کیا۔ آئینے کے سامنے آئی، اپنا عکس دیکھتے ہی روتے ہوئے دونوں ہاتھ مُنہ پر رکھ لیے، زخم جل رہے تھے، اُس کے اندر بدصورتی کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حسن کے جلوے لٹاتے لٹاتے اپنے ہی چہرے سے ڈرنے لگے گی۔

اُس کی سب سے پہلی اور آخری خواہش یہ تھی کہ یہ ساری بدصورتی چشم زدن میں ختم ہو جائے اور وہ پہلے کی طرح حسین ہو جائے۔ ایسا تو شاید جادو سے ہو سکتا تھا، وہ جادو نہیں جانتی تھی۔ یاد آیا کہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ بدصورتی کے صدمے نے بھلا دیا تھا۔ وہ فوراً ہی خیال خوانی کے ذریعے خرما سے کہنا چاہتی تھی، کسی ایسے ڈاکٹر کو بھیجے، جو جلد سے جلد زخموں کو اچھا کر کے پلاسٹک سرجری کر سکے۔

اُس نے خیال خوانی کی پرواز شروع کی، جیسے زخمی پرندے کے پَر پھڑپھڑاتے ہیں اور وہ پرواز کرتے ہی گر پڑتا ہے، ویسے ہی وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر گر پڑی۔ اُس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیت دم توڑ چکی تھی۔ یہ صلاحیت کسی نارمل شخص کے پاس رہ سکتی تھی، وہ نارمل نہیں تھی، اپنی بگڑی ہوئی صورت دیکھ کر جنون میں مبتلا ہو رہی تھی پھر زخموں سے اُٹھنے والی ٹیسیں اُس کے دماغ کو اور کمزور بنا رہی تھیں۔ وہ بوکھلا کر خلا میں تکنے لگی: "آہ! کیا میری خیال خوانی کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے؟ نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ابھی خرما کے پاس پہنچ سکتی ہوں۔"

اُس نے پھر کوشش کی، دونوں آنکھوں کو بند کر کے خرما کا تصور کیا۔ اس کی آواز اور لب و لہجے کو یاد کیا مگر اس کے پاس پہنچنے میں پھر ناکام ہو گئی۔ گھبرا کر کھڑی ہو گئی، پریشان ہو کر بڑبڑانے لگی: "میں بھول نہیں سکتی۔ خیال خوانی بھول نہیں سکتی۔ میں نے دُنیا پر حکومت کرنے کے لیے یہ علم سیکھا تھا۔ میں حکومت کروں گی، میں اپنے یہ خواب پورے کروں گی۔ ہائے رے ظالم! تُو کون تھا؟ تجھے کیا دُشمنی تھی؟ ارے ظالم! تُو مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیتا۔ میں اپنی ساری جوانی تجھے دے دیتی، تُو نے میرا غرور توڑ دیا۔"

دروازے پر دستک سن کر وہ غصے سے اُٹھ گئی۔ قریب آ کر بولی: "چلے جاؤ، میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی، چلے جاؤ یہاں سے۔"

باہر سے آواز آئی: "میڈم! پولیس ہے، دروازہ کھولیے۔"

وہ انکار نہیں کر سکتی تھی اور سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے سوئچ بورڈ کے پاس آ کر تمام بتیاں بجھا دیں۔ بالکل اندھیرا کر دیا پھر آ کر دروازے کو ذرا کھولتے ہوئے بولی: "آپ آ سکتے ہیں مگر کمرے میں اندھیرا رہے گا۔"

وہ ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ پولیس والوں کے علاوہ ڈاکٹر بھی آیا تھا، اور بھی مسافروں کی بھیڑ لگی تھی۔ انسپکٹر اور ڈاکٹر کمرے میں آ گئے۔ سپاہی باقی افراد کو روکنے لگے۔ انسپکٹر نے کہا: "میں بیان لینا چاہتا ہوں، کم از کم ایک لائٹ آن کریں۔"

"نہیں آفیسر! مجھے بے حد شاک پہنچ رہا ہے۔ میں اپنی صورت خود نہیں دیکھنا چاہتی، آپ کو کیسے دکھاؤں؟"

ڈاکٹر نے کہا: "میں روشنی کے بغیر مرہم پٹی نہیں کر سکوں گا، پلیز خود کو ہم سے نہ چھپائیں۔"

اچانک اُسے اپنے دماغ میں بھائی آرمر کی آواز سنائی دی: "روزانہ کمرے، لائٹ آن کر دو۔ تمہیں فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

شارپر اور ہارپر جب بھی اُس کے دماغ میں آتے تو بھائی آرمر کے لب و لہجے میں بولتے تھے۔ روشنی ہو گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے سوچ کے ذریعے بول رہی تھی: "میں برباد ہو گئی، کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔ پلیز میرے بھائی! جتنی جلدی ہو سکے میری پلاسٹک سرجری کرا دو۔"

بھائی نے کہا: "ڈاکٹر اور پولیس آفیسر کو رخصت کرو، پھر میں آ کر بات کروں گا۔"

ڈاکٹر اس کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ انسپکٹر نے سوالات شروع کیے، وہ جلدی جلدی جواب دے رہی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی: "میں تنہائی چاہتی ہوں، پلیز بعد میں آ کر باقی سوالات کر لیں۔"

آخر وہ دونوں رخصت ہو گئے۔ اُس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ بھائی نے کہا: "میں انسپکٹر کے سوالوں کے جواب سن چکا ہوں۔ وہ قاتل میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ چاقو لے کر آیا مگر دانتوں سے زخمی کرتا رہا۔ وہ تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، بدصورت بنانا چاہتا تھا۔ پولیس افسر کے بیان کے مطابق وہ سات منزلہ عمارت کی چھت سے گر کر مر گیا۔ تم اچھی طرح سوچ سمجھ کر بتاؤ، یہاں تم نے کسی کو دُشمن بنایا ہے؟"

اُسے میرا خیال آیا۔ وہ میرے متعلق بتانے لگی۔ بھائی نے کہا: "وہ یقیناً انٹرپول سے یا کسی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تمہاری بہت بُری عادت ہے، چلتے پھرتے خیال خوانی کرنے لگتی ہو۔ اسی وجہ سے تمہارا پڑوسی قادر خان تمہیں شبہ سمجھنے لگا مگر کیا پتا، وہ تمہیں کسی فریب میں مبتلا کر رہا ہو؟"

"کیسا فریب؟"

"دُنیا کے تمام خطرناک جرائم پیشہ لوگ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ وہ ہمیں ڈھونڈ کر ہماری مشین تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ تم سمجھتی ہو، ایک قادر خان ہی کی نظروں میں آئی ہو، ہو سکتا ہے اور بھی لوگ دُور ہی دُور سے تم پر نظر رکھتے آ رہے ہوں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی، مجھے میرا چہرہ واپس چاہیے، فوراً میری پلاسٹک سرجری کراؤ۔"

"ہم نے پہلے ہی سمجھایا تھا، ایک عورت جرائم پیشہ لوگوں کی دُنیا میں ایٹم بم اور ٹیلی پیتھی جیسے ہتھیار رکھ کر مات کھا جاتی ہے، جو مجرم قانون کو توڑ مروڑ کر رکھ دیتے ہیں انہیں عورت کا چہرہ بگاڑتے کتنی دیر لگتی ہے۔ بہرحال، اس ایک ٹھوکر سے سبق حاصل کرو، آئندہ گمنامی کی زندگی گزارو۔ کل تمہارے لیے ایک چارٹرڈ طیارہ آئے گا، تم لندن پہنچ کر سرجری کرا سکتی ہو۔"

وہ زور زور سے رونے لگی۔ بھائی نے پوچھا: "اب کیا ہوا؟"

وہ بولی: "میرا ہر طرح سے نقصان ہو رہا ہے۔ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت جاتی رہی، میں خیال خوانی کرنے میں ناکام ہو جاتی ہوں۔"

"یہ رونا بند کرو۔ تمہیں زبردست شاک پہنچا ہے، تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا ہے پھر خیال خوانی کیسے کر سکتی ہو اور اگر نہ کر سکو، تب بھی رونے کی کیا ضرورت ہے؟ ٹرانسفارمیشن کے ذریعے پھر تمہاری صلاحیتیں واپس آ جائیں گی۔"

اُس نے اطمینان کی سانس لی پھر پوچھا: "میرے ہیروں کا کیا ہو گا؟"

"وہ استنبول پہنچ جائیں گے، تم واپسی کی تیاری کرو، میں خرما کے پاس جا رہا ہوں۔"

میں دماغی طور پر کار کی پچھلی سیٹ پر حاضر ہو گیا۔ ڈرائیور سنتو سے کہا: "مجھے کسی ٹیلی فون بوتھ تک پہنچا دو۔"

اُس نے ایک گیراج میں گاڑی کھڑی کی ہوئی تھی۔ اسے دوبارہ اسٹارٹ کر کے وہاں سے آگے بڑھنے لگا۔ میں نے ہارپر کے پاس پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ بہن کے پاس نہیں آیا تھا۔ اب تک شارپر اس کے دماغ میں آرمر بن کر بول رہا تھا۔ وہ پھر آرمر بن کر اب ہارپر سے باتیں کر رہا تھا اور اسے روزانہ کے حالات بتا رہا تھا۔

گاڑی بوتھ کے قریب رُک گئی۔ میں کار سے نکل کر بوتھ میں گیا۔

شیلی کی پرسنل سیکرٹری جانکی بائی اور محل کے دوسرے تمام خدمت گار میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔ میں نے جانکی بائی کے دماغ سے محل کا ٹیلی فون نمبر معلوم کیا۔ کوتن ہول میں سکے ڈال کر رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی "ہیلو! میں جانکی بائی بول رہی ہوں"۔

"میں قادر خان ہوں"۔

وہ ایک دم سے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ شیلی سو رہی ہے پھر بھی پوچھا "کیا دیوی جی جاگ رہی ہیں؟"

"سو رہی ہیں، میں ابھی جگاتی ہوں"۔

"نہیں، سونے دو۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں مگر کوئی اس کی نیند میں مداخلت نہ کرے۔"

"یس سر! دیوی جی آرام فرماتی رہیں گی"۔

میں بوتھ سے باہر آ کر کار میں بیٹھ گیا پھر اُسے محل کی طرف جانے کے لیے کہا۔ گاڑی پھر اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

دوسری طرف شار پر اپنے بھائی ہارپر سے کہہ رہا تھا "روزانہ کو فی الحال استنبول تک محدود رہنا چاہیے۔ میں اُسے وہاں پہنچانے کے انتظامات کر رہا ہوں، تم ہندوستان میں اس کا کام سنبھال لو"۔

ہارپر نے کہا "بھائی! تم جانتے ہو، میں سپر ماسٹر کا عہدہ حاصل کرنے کے لیے کیسی کیسی چالیں چل رہا ہوں۔ تم اسرائیلی حکام پر سکہ جما رہے ہو۔ میں امریکی حکومت کو اپنی گرفت میں رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ کروڑوں ڈالر کے ہیرے ہمارے لیے خاک اہمیت رکھتے ہیں"۔

"تم درست کہتے ہو مگر روزانہ کو خوش رکھنا ہوگا۔ وہ حسین ہے، جوان ہے اور اتنی مکار ہے کہ ایک دن وہ عیاش فرہاد اس کے دام میں آئے گا۔ ہمیں فرہاد کو ٹریپ کرنے کا ہر راستہ ہموار رکھنا چاہیے اور کئی راستوں میں ایک راستہ ہماری بہن ہے"۔

یہ ان کی تہذیب یا طریقہ کار تھا کہ وہ بہن کا چارا ڈال کر مجھے پھانسنے کا سامان کر رہے تھے۔ وہ کبھی خواب میں بھی یہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ میں ہی ان کی بہن کا کباڑا کرتا جا رہا ہوں۔

جب شار پر اپنے بھائی ہارپر سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تو ہارپر کے پرسنل اسسٹنٹ کے دماغ کو گفتگو کا مرکز بناتا تھا اور جب ہارپر اپنے بھائی شارپر سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تو شارپر کے پرسنل اسسٹنٹ کے دماغ میں پہنچ کر بھائی کو بلاتا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے عرض کر دوں کہ وہ دونوں پرسنل اسسٹنٹ اُن کے دو قیدی تھے، جو مختلف مقامات پر مختلف کال کوٹھریوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ اور یہ دونوں میری داستان کے کسی اہم موڑ پر آ سکتے تھے۔

ہماری کار محل کے صدر گیٹ پر پہنچ گئی۔ ایڈووکیٹ اور ایڈوائزر تلک رام نے کار کے قریب آ کر مجھے دیکھا پھر مسلح پہرے داروں کو گیٹ کھولنے کا حکم دیا۔ میں نے اسے اپنے پاس کار میں بٹھا کر کہا "مسٹر تلک رام! میں ڈاکٹروں، انجینئروں اور وکیلوں کی عزت کرتا ہوں۔ آئندہ آپ میری اور شیلی دیوی کی خاطر رات کو نہ جاگا کریں"۔

وہ خوش ہو کر بولا "سر! آپ سچ مچ دیوتا ہیں"۔

"میں صرف انسان ہوں۔ فنکاروں، ہنرمندوں اور آپ جیسے ذہین لوگوں کی قدر کرتا ہوں"۔

میں نے دیکھا، محل رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ چار بج چکے تھے، ابھی صبح نہیں ہوئی تھی، رات رخصت ہونے والی تھی مگر میری آمد پر پھول برسائے جا رہے تھے۔ احاطے کے اندر دونوں طرف خوب صورت اور خوش لباس کنیزیں کھڑی ہوئی میری کار پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہی تھیں، کار ایک بہت ہی خوبصورت سے سائبان میں آ کر رک گئی۔ ایک نہایت ہی دلنشیں موسیقی کی دُھن سُنائی دے رہی تھی۔ جتنے سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں وہ ہندوستانی ساز تھے۔ وہ بڑی خوبصورتی سے ترتیب دیئے گئے تھے، سُننے سے ایک رومانی تاثر پیدا ہوتا تھا۔

میں جیسے ہی کار سے باہر آیا، میری نگاہوں کے سامنے شیلی آ گئی۔ اوہ خدایا! کیا یہ وہی شیلی ہے، جو مجھ سے رخصت ہوئی تھی وہ تو خود غریب تھی اور اس کا حسن غریب تھا، دولت کیا سے کیا بنا دیتی ہے، اب تو وہ حسن کا خزینہ تھی، شباب کا نگینہ تھی اور اداؤں کا قرینہ تھی۔ شوخ رنگ کے لباس میں اجنتا کی مورتی لگ رہی تھی، جو زندہ ہو کر میری آرتی اُتارنے آ گئی تھی۔

اُس کے ہاتھوں میں پیتل کی ایک تھالی تھی۔ تھالی میں ایک دیے کی لَو مسکرا رہی تھی۔ دیے کے آس پاس گیندے کے پھول اور تلسی کی پتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سیندور رکھا ہوا تھا۔ سنسکرت میں ایک لفظ ہے "اوم" یہ لفظ میں اور ایک حرف میں بھی "اوم" سمجھا جاتا ہے۔ شیلی تھالی کو دونوں ہاتھوں میں تھامے حرف اوم کی صورت میں میری آرتی اُتارنے لگی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک عورت نے اپنی تمام محبت، تمام عقیدت اور تمام عبادت کے فرائض ادا کر کے اس خالقِ کُل کائنات سے میری سلامتی مانگ لی ہے۔

اُس نے آرتی اُتارنے کے بعد قدموں میں جُھک کر سیندور کو ایک چٹکی میں لے کر میرے پاؤں سے لگایا پھر اس سیندور کو اپنی مانگ میں سجا لیا۔ میں نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر قدموں سے اُٹھایا۔ ایک داسی نے اُس کے ہاتھوں سے تھالی لے لی۔ وہ میرے ہاتھوں کو تھام کر برآمدے میں آئی۔ ہر طرف سے آواز آنے لگی "سواگتم، سواگتم (خوش آمدید، خوش آمدید)"۔

ہم برآمدے سے محل کے اندر آئے۔ میں کیا بیان کروں کہ وہ محل کیا تھا؛ ہندوستان کے اجنتا اور ایلورا کا تاریخی سرمایہ تھا۔ دیواروں پر اجنتا اور ایلورا کی حسین اور رقصیہ مُورتیاں تھیں اور محل کی رقص گاہ میں وہی مُورتیاں زندہ ہو گئی تھیں۔ حسین عورتیں انتہائی مختصر اور پُرکشش لباس

میں رقص کر رہی تھیں اور گیت گا رہی تھیں۔

"سواگتم، سواگتم
کہتا ہے میری سانسوں کا زیر و بم، سواگتم"

کیا حسین رقص تھا، کیا حسین موسیقی تھی جو شیلی کے جذبات کی ترجمان تھی اور شیلی کیا سے کیا ہو گئی تھی؛ اس نے میرے لیے بننے سنورنے کی انتہا کر دی تھی۔ بننا سنورنا تو بعد کی بات ہے پہلے تو اُس نے اُبٹن سے مل مل کر سر سے پاؤں تک اپنے بدن کی مفلسی دُور کی تھی اور اسے دولت کی طرح چمکایا تھا پھر صندل کے پانی سے بدن کے شہر کو خوشبوؤں سے مہکایا تھا۔ اس کے بعد تازہ اور خالص دُودھ کے حوض میں بھیگتی رہی تھی اور سوچتی رہی تھی کہ بچپن سے آج تک کسی نے چھوتے تھے یا ماں باپ نے بھی اُسے ہاتھ لگایا ہو تو اس کا نشان دُھل جائے۔ میرے اُجلے کورے اور کنوارے بدن پر صرف میرے دیوتا کی انگلیوں کے نشان اور اس کے چھونے کا الزام رہے۔

اس قدر اہتمام کے بعد وہ حسین نظارے کا صحیح مفہوم ادا کر رہی تھی۔ اُس کے چہرے کی اُجلی صباحت، آنکھوں کی چمک، لبوں کا تبسم، بدن کا نکھار اور تازگی پکار رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا، وہ مقناطیس ہے اور میں کھنچا جا رہا ہوں وہ میرے آگے آگے رقص کرتی جا رہی تھی، داسیوں کے ہاتھوں میں پھولوں سے بھرے ہوئے تھال تھے۔ وہ رقص کے دوران تھالوں میں سے پھول لے لے کر میرے راستے میں بکھیرتی جا رہی تھیں۔

اُس نے مجھے پھولوں پر چلاتے ہوئے خوشبو لٹاتے ہوئے ایک بڑے سے شاہانہ طرز کے کمرے میں پہنچا دیا۔ اُس نے اب تک ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کیا تھا، صرف اپنی اداؤں اور رقص کے نرت اور بھاؤ کے ذریعے دلی جذبوں اور مسرتوں کا اظہار کرتی آ رہی تھی۔

وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ داسیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مجھے پکڑ کر ایک کُشن پر بٹھایا۔ میرے جُوتے، جرابیں اور لباس اُتارنے لگیں۔ اس کے بعد حمام میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ میں نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا، حمام سے باہر آیا تو داسیوں نے پھر مجھے گھیر لیا۔ میں اُن کے درمیان کمرے سے باہر آیا، وہ مجھے چھیڑتی اور ہنستی بولتی جا رہی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ماحول میں، مَیں اپنی تھکن بھول گیا۔ شیلی نے اتنی خوبصورتی سے استقبال کیا تھا کہ میں صرف اسی کو سوچ رہا تھا، صرف اُسے ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

داسیوں نے مجھے ایک دروازے پر لا کر چھوڑ دیا پھر ہنستی ہوئی چلی گئیں۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو یوں لگا، جیسے میں کسی رانی مہارانی کی خواب گاہ میں پہنچ گیا ہوں۔ قدموں تلے قالین ایسا دبیز تھا کہ چلتے وقت پاؤں ڈوب ڈوب جاتے تھے۔ خواب گاہ کے وسط میں ایک دائرہ نما اسٹیج تھا۔ اس اسٹیج پر ایک شاہانہ طرز کا پلنگ تھا۔ ایک آسمانی رنگ کی خوشنما جھالر چھت کے فانوس سے جھولتی ہوئی پلنگ کے اطراف پھیل گئی تھی۔ اس پلنگ پر شیلی دُلہن بنی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

وہ دائرہ نما اسٹیج بہت آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔ پلنگ گھوم رہا تھا، سُرخ جوڑے میں دُلہن گھوم رہی تھی، میری آرزوؤں کو چکر دے رہی تھی، میرے جذبات کو چکر پر چکر آ رہے تھے۔ میں اسٹیج پر آ گیا۔ اس خواب گاہ میں دیکھنے کو بہت کچھ تھا مگر یہ آنکھیں صرف شیلی کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ میں پلنگ پر اُس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

وہ گھونگھٹ میں چُھپی ہوئی تھی۔ اس نے روبرو آ کر استقبال کیا تھا، میرے سامنے رقص کرتی رہی تھی اور اب چُھپ گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ حُسن ایک بار جلوہ نما ہو تو پھر اُسے دیکھنے کی پہلی جیسی طلب نہیں رہتی مگر یہاں معاملہ برعکس تھا۔ اُسے ایک بار نئے رُوپ میں دیکھ کر پیاس اور بڑھ گئی تھی۔ مَیں نے گھونگھٹ کو اُٹھانا چاہا، اُس نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے حِنائی ہاتھوں کو تھام کر اُنھیں محبت سے سہلایا۔ وہ ہاتھ، وہ انگلیاں جیسے مکھن سے تراشی گئی تھیں۔ میں نے کہا "شیلی! تم نے مجھے حُسن و جمال کی خواب خواب سی دُنیا میں پہنچا دیا ہے۔ ایسا انداز میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، تم نے اپنے پاس آنے سے پہلے ہی مجھے سحر زدہ کر دیا ہے۔ پتا نہیں تمہارے گھونگھٹ اُٹھا لینے پر دیوانگی کا کیا عالم ہوگا؟"

مَیں نے گھونگھٹ کو تھام لیا۔ آہستہ آہستہ اُٹھانے لگا۔ آہستہ آہستہ چہرہ طلوع ہونے لگا لیکن پوری طرح طلوع ہونے سے پہلے ہی اچانک تاریکی چھا گئی، آنکھیں پھر پیاسی رہ گئیں۔ مَیں نے کہا "یہ کیا مصیبت ہے، گھونگھٹ اُٹھایا تو اندھیرے نے چھپا لیا"۔

اُس کی مترنم ہنسی سُنائی دی، اس کے ساتھ ہی ہلکی نیلی روشنی اس خواب گاہ کو اور دُلہن کو پُراسرار بنانے لگی پھر وہ نیلی روشنی گُم ہو گئی۔ سُرخ روشنی شیلی کے چہرے کو سُرخ گلاب بنانے لگی۔ اُس نے خود کو میرے سامنے پیش کرنے کا کیسا رومانی اور جذباتی انداز اختیار کیا تھا۔ رنگ بدلتی ہوئی دھیمی روشنی میں اُس کا حسین چہرہ کبھی سُلگتا تھا اور کبھی بُجھتا تھا اور بُجھ کر مجھے اور بھڑکاتا تھا۔

میں اپنی داستان میں بہت زیادہ رومانویت پیش کر رہا ہوں۔ میں نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا لیکن میرے ساتھ بھی ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ میرے ساتھ خواہ رنگین بات ہو یا سنگین، جب وہ اتنی تفصیل سے ہوتی ہے تو اُس کے پیچھے کوئی زبردست نئی مصیبت میرا انتظار کرتی رہتی ہے۔

چلیے میں اس نئی آفت کی طرف آتا ہوں، جو میری نادانستگی میں مجھے چاروں طرف سے جکڑ رہی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد میں محبت کی آغوش میں سو رہا تھا۔ اچھی خاصی تھکن کے بعد نیند آ گئی تھی۔ اچانک دروازے پر دستک سُنائی دی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ شیلی نے کہا "آپ آرام کریں، میں دیکھتی ہوں"۔

وہ پلنگ سے اُتر کر دروازے تک گئی پھر اُسے کھول دیا جانکی بائی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی سی بولی "دیوی جی! غضب ہو گیا' فوج نے ہمارے محل کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔"

میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ فوراً ہی چندربھان کے پاس پہنچ کر پوچھا۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ فوج نے ہمارے محل کو گھیر لیا ہے؟"

"ابھی چند منٹ پہلے جانکی بائی نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے مجھے اطلاع دی ہے۔ میں حیران ہُوں۔ پریشانی یہ ہے کہ آپ پہچانے نہ گئے ہوں۔"

"اگر میری اصلیت ظاہر کرنے کے لیے یہ اقدامات کیے گئے ہیں تو بھارتی انٹیلی جنس کی تعریف کرنا ہوگی۔ موجودہ صورت میں میرے خاص رنگ مجھے نہیں پہچان سکیں گے پھر یہ کیسے پہچان رہے ہیں؟"

"فرہاد صاحب! میں محل تک پہنچنے ہی والا ہوں۔ فوجی افسران سے گفتگو کروں گا' آپ سنتے رہیں گے۔ جب تک اصل معاملہ سمجھ میں نہ آئے آپ محل سے نہ نکلیں۔"

شیلی دروازہ بند کر کے میرے پاس آ گئی۔ وہ بے حد پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔ میرے قدموں سے لپٹ کر بولی "یہ کیا ہو رہا ہے' آپ ابھی میری زندگی میں آئے اور ابھی دشمن آ گئے۔ کیا مسرتوں کی عمر اتنی کم ہوتی ہے؟"

میں نے اُسے قدموں سے اُٹھا کر دھڑکنوں سے لگایا پھر کہا۔ "یہی میری زندگی ہے' یہی میرا نصیب ہے' اسی لیے میں کسی محبت کرنے والی کو اپنی زندگی میں نہیں آنے دیتا۔ اب تم بھی میرے ساتھ پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوتی رہو گی۔"

"یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی کہ بُرے وقت میں بھی آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں گے' میں آپ پر آنے والی مصیبتوں کو اپنے سر لے لوں گی۔"

میں نے کہا "ابھی مصیبت کی اطلاع آئی ہے' مصیبت نہیں آئی ہے' تم زرا خاموش رہو' میں خیال خوانی کے ذریعے معلومات حاصل کر رہا ہوں۔"

چندربھان پہنچ گیا تھا۔ اپنی کار سے اُتر کر ایک فوجی افسر کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کہہ رہا تھا "میرا نام چندربھان ہے۔ میں بمبئی کاٹن اینڈ ٹیکسٹائل ملز کا مالک ہُوں' کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس محل کا محاصرہ کیوں کیا جا رہا ہے؟"

فوجی افسر نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا "اچھا تو آپ ہی وہ چندربھان ہیں' جس کا جنرل مینجر قادر خان اس محل میں عیاشی کر رہا ہے؟"

افسر نے فوجی جوانوں کو دیکھتے ہوئے کہا "مسٹر بھان کو حراست میں لے لو اور فوجی بیرک کے لاک اپ میں پہنچا دو۔"

چندربھان نے حیرانی سے پوچھا "آپ مجھے کس جُرم میں گرفتار کر رہے ہیں؟ میں ایک معزز شہری ہُوں۔ سرکار کو سالانہ لاکھوں روپے ٹیکس کی صُورت میں ادا کرتا ہُوں' آپ میری نیک نامی کے پیشِ نظر ایسا نہیں کر سکتے۔"

"اگر پولیس والے آپ کو گرفتار کرتے تو آپ ایسا کہہ سکتے تھے' جب فوج کسی معاملے میں مداخلت کرے تو سمجھ لیجیے کہ وزارتِ داخلہ کی طرف سے احکامات جاری کیے گئے ہیں۔ فار یور انفارمیشن' آپ ضمانت پر بھی رہا نہیں ہو سکیں گے۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "مسٹر بھان! میں افسر کے دماغ میں پہنچ کر معلومات حاصل کر سکتا ہُوں لیکن یہ فوجی اگر مجھے فرہاد سمجھ کر محاصرہ کرنے آئے ہیں تو یقیناً یہ بولنے والا افسر یوگا کا ماہر ہوگا' میرے خیال خوانی کرتے ہی سانس روک لے گا' اس طرح ایک تو کچھ معلوم نہ ہو سکے گا' دوسرے ان کا شبہ' یقین میں بدل جائے گا کہ محل میں فرہاد ہی ہے۔"

چندربھان نے اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کے لیے افسر سے کہا "آپ کم از کم میرا جُرم ہی بتا دیں۔"

افسر نے طنزیہ انداز میں کہا "آپ کم از کم قادر خان کی اصلیت بتا دیں۔"

وہ ڈھیٹ بن کر بولا "قادر خان کو میں پچھلے چار برسوں سے جانتا ہُوں۔ وہ میرا جنرل مینجر ہے اور اُس کی اصلیت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا آپ اُس پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا شبہ کر رہے ہیں؟"

افسر نے جواب نہیں دیا۔ فوجی جوان اُس کے اشارے پر چندربھان کو وہاں سے لے جانے لگے۔ اُس نے کہا "فرہاد صاحب! آپ فوراً ماسک مین کو اطلاع دیجیے۔"

میں نے کہا "سب ٹھیک ہو جائے گا' آپ اطمینان رکھیں۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم محاصرے سے نکل جائیں گے؟"

"بہت مشکل ہے' اگر انھیں یقین ہو چکا ہے کہ میں فرہاد ہُوں تو یہ مجھے پہلی فرصت میں ختم کر دیں گے یا سخت پہرے میں قیدی بنا کر رکھیں گے۔ جو مصیبت آنے والی ہے' وہ تو آئے گی' میں ان حالات میں پریشان نہیں ہوتا لہٰذا آپ کو بھی مطمئن رہنے کا مشورہ دے رہا ہوں۔"

میں نے ماسک مین سے رابطہ قائم کر کے تمام حالات بتائے۔ اُس نے کہا "فرہاد صاحب! یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ آپ پہچان لیے گئے ہیں' اگر یہ فوجی کارروائی آپ کے خلاف ہوگی تو میں اعلیٰ سطح پر بھارتی حکومت سے رابطہ قائم کروں گا۔ آپ اصل بات معلوم کرنے کی کوشش کریں۔"

شیلی کا ایڈوائزر تِلک رام ایک دوسرے فوجی افسر سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے جواب میں افسر کہہ رہا تھا "ہم ایک ہی بات جانتے ہیں کہ اس محل سے نہ کسی کو نکلنے دیا جائے گا نہ کسی باہر والے کو اندر جانے کی اجازت دی جائے گی۔"

"لیکن جناب! ہمارا قصور کیا ہے؟ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"ہمیں اُس شخص کی ضرورت ہے' جو قادر خان کے نام سے یہاں موجود ہے۔"

میں نے سوچا' خواہ مخواہ بات اُلجھتی جا رہی ہے۔ یہ قادر خان کو گرفتار کرنے آئے ہیں مگر صرف محل کا محاصرہ کر رہے ہیں' اندر نہیں آ رہے ہیں' پتا نہیں' یہ کیا چاہتے ہیں' اب مجھے کسی کے دماغ میں پہنچنے کا خطرہ مول لینا چاہیے۔

میں دوسرے افسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اُس نے سانس نہیں روکی' اُسے پتا بھی نہ چلا۔ اُس کی سوچ کہہ رہی تھی "قادر خان کے بھیس میں فرہاد علی تیمور ہے' اسے گرفتار کرنا آسان نہیں ہے' شاید اسی لیے ہمیں اندر جانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یقیناً کچھ ضروری انتظامات کیے جا رہے ہوں گے۔"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا "اگر محل کے اندر فرہاد ہے تو ایسے افسران کو یہاں بھیجنا چاہیے' جن کے دماغ میں فرہاد نہ آ سکے۔"

اُس کی سوچ نے کہا "سب ہی یوگا کے ماہر نہیں ہوتے' ہمارے ساتھ آنے والا صرف ایک افسر سانس روک لیتا ہے' یہ محاصرہ کرنے والی فوج اُسی کے حکم کی تعمیل کر رہی ہے۔ فرہاد ہمیں ٹریپ کر کے کچھ حاصل نہیں کر سکے گا۔"

بات سمجھ میں آ گئی۔ میں نے ماسک مین اور چندربھان کو بتا دیا۔ ماسک مین نے کہا "پہلے میں اپنے ذرائع استعمال کروں گا' اگر آپ کو وہاں سے نکالنے میں ناکام رہا تو سرکاری ذرائع اختیار کروں گا۔"

میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر شیلی سے کہا "مجھے اپنے طور پر یہاں سے فرار کا راستہ ڈھونڈنا ہوگا۔"

وہ بولی "کیا آپ مجھے چھوڑ جائیں گے؟"

میں نے اُسے پکڑ لیا۔ زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی' میرے انداز نے بتا دیا' اُسے چھوڑ نہیں سکتا' دشمنوں کے نرغے میں بھی چھوڑ نہیں سکتا۔ فی زمانہ مرد کی پہچان یہی ہے کہ وہ دشمنوں کے سامنے نہیں' عورت کے سامنے ہتھیار ڈالتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد شیلی نے کہا "تاریخی محلوں میں چور دروازے ہوا کرتے تھے' کیا اس محل میں چور راستہ ہو سکتا ہے؟"

میں فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا "میری جان! کیا نکتہ بیان کیا ہے تم نے' یہ جس طرز کا محل ہے' یہاں چور راستہ بھی ہونا چاہیے۔"

"مگر تلاش کرنے میں کتنا وقت لگے گا' وہ محاصرہ کرنے والے کسی وقت بھی اندر آ سکتے ہیں۔"

"میں ابھی منٹوں میں سُراغ لگاؤں گا' اب ذرا خاموش رہو۔"

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور اُس سیٹھ کے دماغ میں پہنچ گیا جو پہلے اس محل کا مالک تھا۔ اُسے بھی فوجی بیرک کے لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا۔ اُس سے سوالات کیے گئے تھے "بتاؤ' ایک ہی دن میں محل کا سودا کیسے ہو گیا؟"

دوسرا سوال تھا "شیلی ملہوترہ کو کب سے جانتے ہو؟"

آخری اور اہم سوال تھا "کیا اس محل کے اندر سے کوئی فرار کا راستہ ہے؟"

سیٹھ نے جواب دیا "ہم کاروباری لوگ ہیں' جو محل میں نے پچاس لاکھ میں بنوایا' اس کے ستر لاکھ مل گئے۔ آپ ایک دن کی بات کرتے ہیں' ہم ایسا سودا چٹکی بجا کر کر لیتے ہیں۔ میں کسی شیلی ملہوترہ کو نہ پہلے جانتا تھا' نہ سودا ہونے کے بعد جانتا ہوں۔ ہم گاہک کو اس کے چہرے سے نہیں' اُس کی جیب سے یاد رکھتے ہیں۔"

سیٹھ نے صاف انکار کر دیا کہ محل میں کوئی چور راستہ نہیں ہے۔ یہاں اُس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا کیونکہ وہ چور راستہ اُس کی اپنی موجودہ کوٹھی تک جاتا تھا۔ لاکھوں روپے کی اسمگلنگ کا مال اسی راستے خفیہ گودام میں پہنچتا تھا۔

میں نے شیلی سے کہا۔ "اٹھو' چلنے کی تیاری کرو۔ چُپ چاپ جانکی بائی کو بلا کر لے آؤ۔"

وہ چلی گئی۔ میں سیٹھ کے دماغ سے چور راستے کی تفصیلات معلوم کرنے لگا۔ جانکی بائی آ گئی' وہ ریڈ پاور میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ایڈووکیٹ تلک رام بھی ریڈ پاور سے تعلق رکھتا ہے؟ یہاں ایسے کتنے لوگ ہیں؟"

"صرف میں ہوں۔"

"محل کے تمام خدمتگاروں سے کہہ دو' وہ بڑے ہال میں جمع ہو جائیں۔ میں یہاں سے دوسری خواب گاہ تک راستہ صاف چاہتا ہوں۔ ہمیں اِدھر جاتے ہوئے کوئی دوسرا نہ دیکھ سکے۔ جب وہ لوگ بڑے ہال میں چلے جائیں تو تم دوسری خواب گاہ میں آ جانا۔"

وہ حکم کی تعمیل کے لیے چلی گئی۔ جب اس کے دماغ سے پتا چلا کہ راستہ صاف ہے تو میں شیلی کے ساتھ خواب گاہ سے نکلا۔ دوسری خواب گاہ میں پہنچنے تک جانکی بائی بھی آ گئی۔ ہم اس بیڈ روم کے ایک اسٹور روم میں آئے' وہاں پُرانا سامان ایک دوسرے پر پڑا ہوا تھا۔ وہ کسی کباڑیے کا گھر لگ رہا تھا۔ ہر چیز پرانی تھی۔ دیوار پر ایک بابا آدم کے زمانے کی گھڑی تھی۔ یہی گھڑی ہمارے لیے اہمیت رکھتی تھی۔

میں ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر چڑھ کر گھڑی تک پہنچ گیا۔ وہ بند پڑی ہوئی تھی۔ جانکی بائی نے پوچھا۔ "سر! آپ کیا کر رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "ہمیں یہاں سے چور راستہ ملے گا۔"

میں گھڑی کے دونوں کانٹوں کو بارہ کے ہندسے پر لے آیا۔ پھر اس کے پنڈولم کو پکڑ کر ذرا نیچے کی جانب کھینچا۔ دوسری بار یہی عمل

دُہرایا۔ اور پنڈولم کو دوبارہ نیچے کی جانب کھینچا۔ تیسری اور آخری بار پھر دونوں کانٹوں کو گھماتا ہوا بارہ کے ہندسے پر لایا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

شیلی اور جانکی بائی نے چونک کر دیکھا۔ پرانا فرنیچر جو ایک دوسرے پر پڑا ہوا تھا وہ اسی حالت میں ایک طرف سرکنے لگا۔ اسٹور روم کے فرش میں چوکور سا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "چلو نیچے اترو۔"

اندر روشنی تھی۔ اس خلا سے ایک سیڑھی تہ خانے میں جا رہی تھی۔ پہلے جانکی بائی اندر گئی پھر شیلی، اس کے بعد میں سیڑھی پر آیا۔ وہاں ایک آہنی چکر تھا۔ میں نے اُسے گھمایا تو وہ خلا پُر ہو گیا۔ اب کوئی ابھی اسٹور روم میں آئے گا تو وہاں کا فرش مکمل ملے گا۔ اور اس پر پرانا فرنیچر ایک دوسرے پر پڑا دکھائی دے گا۔

ہم زینے سے اتر کر تہ خانے میں پہنچ گئے۔ وہاں بڑی بڑی پیٹیوں میں مختلف سائز کا سونا بھرا ہوا تھا۔ سیٹھ نے سوچا تھا، محل کو فروخت کرنے کے بعد اپنے ایک خاص راز دار کے ساتھ رات کو تہ خانے میں آئے گا اور سیڑھی کے اوپر اس چکر کو ناکارہ بنا دے گا جس کے بعد اسٹور روم کے فرش میں کبھی خلا پیدا نہیں ہوگا اور محل کی نئی مالکہ شیلی کو اس دیواری گھڑی کا میکینزم کبھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

لیکن سیٹھ رات کو تہ خانے تک نہ آسکا۔ آدھی رات سے پہلے ہی فوجیوں نے اُسے حراست میں لے لیا تھا۔ اور ابھی تک وہ قیدی بنا ہوا تھا۔ میں نے شیلی سے کہا "ان پیٹیوں میں لاکھوں روپے کا سونا ہے۔"

وہ میرے بازو کو تھام کر مسکراتے ہوئے بولی "پہلے لاکھوں روپے کے ذکر سے حیرانی ہوتی تھی۔ اب تو میں اس فرہاد کی ہوں جس کے قدموں میں دنیا جہان کی دولت پڑی رہتی ہے۔"

یہ مبالغہ نہیں ہے۔ ٹیلی پیتھی ساری دنیا کی تجوریاں خالی کر سکتی ہے لیکن میں نے کبھی اپنے لیے دولت حاصل نہیں کی۔ کبھی ضرورت محسوس نہیں کی جب تمام خزانے اپنے ہوں تو لالچ یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ شیلی کو بھی وہ لاکھوں روپے کا سونا کچرا لگ رہا تھا۔

وہاں ایک الماری میں کئی گیس ماسک، ٹارچ لائٹ اور زہریلے کیڑے مار دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں شیلی کو گیس ماسک پہنانے لگا۔ جانکی بائی نے پوچھا "ہم یہاں سے کہاں نکلیں گے؟"

"اب ہم ایک سُرنگ میں داخل ہوں گے۔ یہ سُرنگ ہمیں ایک شاندار بنگلے تک پہنچائے گی۔ وہ بنگلا اسی سیٹھ کا ہے جس سے شیلی کے لیے محل خریدا گیا ہے۔"

"کیا میں ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے ماتحت سے کہہ دوں کہ سیٹھ کروڑی مل کے بنگلے کے پاس ہمارے لیے گاڑی پہنچا دی جائے؟"

"ایسی غلطی نہ کرنا۔ فوج کے جاسوس خفیہ ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو کیچ کر لیتے ہیں۔"

ہم نے گیس ماسک اپنے چہروں پر چڑھا لیے۔ ایک ایک ٹارچ اور اسپرے کرنے والی دوائیں لیں۔ اگر سُرنگ میں دشمنوں سے سامنا ہوتا تو وہ بھی گیس ماسک میں ہوتے، وہ کچھ بول نہ سکتے، میں ان کی آواز اور لہجے کو نہ سن سکتا۔ للذا ان سے نمٹنے کے لیے ایک ریوالور اور کچھ کارتوس رکھ لیے۔ اس کے بعد ہم سُرنگ میں داخل ہو گئے۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ فوجیوں نے یا بھارت کی انٹیلی جنس نے کس طرح میرا سُراغ لگا لیا۔ چندر بھان نے مجھے ممبئی سے مدراس تک پہنچانے میں بڑی احتیاط اور دانشمندی سے کام لیا تھا۔ اگر انٹیلی جنس والوں کو قادر خان پر شبہ ہوتا تو وہ اسے اسمگلر یا غیر ملکی ایجنٹ سمجھتے جو اپنی محبوبہ کے لیے ستر لاکھ کا محل خرید تا ہے مگر انہوں نے قادر خان کو فرہاد کیسے سمجھ لیا؟

میں زیادہ توجہ سے اس مسئلے پر غور نہیں کر سکتا تھا کیونکہ سُرنگ سے گزرتا جا رہا تھا۔ وہاں زہریلے کیڑے مکوڑے اور خرگوش کے سائز کے چوہے سامنے آ رہے تھے ہم دوا اسپرے کرتے تھے تو مرجاتے تھے یا کترا کر دور نکل جاتے تھے۔ تقریباً دو میل تک چلنے کے بعد ہم ایک تہ خانے میں پہنچے۔ میں نے سیٹھ کے دماغ سے معلوم کیا تھا شیلی کے محل اور سیٹھ کروڑی مل کے بنگلے کے درمیان تین تہ خانے تھے۔ ہم ابھی دوسرے درمیانی تہ خانے میں پہنچے تھے۔

ہم نے گیس ماسک اتار دیا۔ دوسرے تہ خانے کی الماری کھول کر دوسرے گیس ماسک اور ٹارچ وغیرہ نکالیں۔ پھر پوری طرح لیس ہو کر دوسری سُرنگ میں داخل ہو گئے۔ میرا خیال تھا سیٹھ کے کارندوں سے سامنا ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا۔ سُرنگ میں کوئی نظر نہیں آیا لیکن آخری تہ خانے میں پہنچ کر ان سے سامنا ہو گیا۔

اس تہ خانے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہم سیٹھ کروڑی مل کے شاندار بنگلے میں پہنچ سکتے تھے لیکن وہاں چار زبردست قد آور اور شہ زور غنڈے نظر آ رہے تھے۔

انہوں نے ہمیں شدید حیرانی سے دیکھا ان کے خیال کے مطابق ہم آسمان سے ٹپک پڑے تھے ورنہ اس تہ خانے تک کسی کا گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ ان میں سے ایک نے ریوالور تان کر پوچھا "کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟"

میں نے باقی تین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "اگر یہی سوال تمہارے تینوں ساتھی کریں گے اور اپنی زبان کھولیں گے تو میں جواب دوں گا۔"

وہ سوال کرنے والا مجھے گالی دینا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے دوسرے نے پوچھا "ہمارے سوال کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" پہلے سوال کرنے والے نے میرا نشانہ لیا۔ میں نے اس کے

ہاتھ سے ریوالور کو اُچھال دیا۔ وہ ریوالور میرے ہاتھ میں آسکتا تھا۔ لیکن میں نے اسے فرش پر گرنے دیا۔ وہ جلدی سے ریوالور کی جانب لپکا۔ فرش پر جھکا مگر اسے اٹھانے سے پہلے ہی دوسرے ساتھی نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری پھر اس نے میری مرضی کے مطابق کہا "جسے ریوالور پکڑنا نہیں آتا اسے ٹھوکر مارنا چاہیے۔"

تیسرے ساتھی نے تعجب سے کہا "تم اپنے ہی ساتھی کو مار رہے ہو، دماغ تو درست ہے۔"

میں نے اس کا دماغ درست کیا۔ اسے چوتھے ساتھی کی پٹائی پر مجبور کیا۔ شیلی نے حیرانی سے کہا "یہ تو آپس میں لڑ رہے ہیں، ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ اس وقت وہ اور حیران ہوئی، جب وہ چاروں بدمعاش اپنا اپنا ریوالور اس کے ہاتھ پر لا کر رکھنے لگے اور یہ کہنے لگے "دیوی جی! آپ انہیں سنبھال کر رکھیں۔ آپ کا آدمی نہتا ہے ہم بھی نہتے لڑیں گے۔"

وہ چاروں خالی ہاتھ میرے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ میں نے کہا۔ "شیلی! ریوالور استعمال نہ کرنا۔ ان سب کو پیٹیوں کے پیچھے پھینک دو۔"

اسے یقین نہیں تھا کہ میں ان ہٹے کٹے سب بدمعاشوں سے تنہا لڑ سکوں گا۔ وہ بڑے وقت کے لیے ریوالور رکھنا چاہتی تھی۔ وہ فرماں بردار بھی تھی۔ میرے حکم کے خلاف سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے تین ریوالور پیٹیوں کے پیچھے پھینک دیے۔ ایک چھپا کر رکھ لیا۔ آخر میری حفاظت کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا اس کا فرض تھا۔

ہمارے درمیان جوڈو کراٹے کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ان کا ایک آدھ حملہ کامیاب ہوتا تھا۔ میں مار کھاتا تھا مگر ان کے بھی ہوش اُڑا دیتا تھا۔ جانکی بائی نے کہا "ان سے اُلجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے نہیں آرام سے گولی مار کر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

اس وقت تک میں نے ایک کو جوڈو کے داؤ پر لا کر یوں پھینکا تھا کہ وہ بھاری پیٹیوں سے جا کر ٹکرایا۔ وہ پیٹیاں اس پر گر تی گئیں۔ اس کی چیخیں سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ ان کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا تھا۔

دوسرے نے چاقو نکال لیا تھا۔ ایسے وقت مجبور ہو کر مجھے بھی ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر شیلی کی چیخ نکل گئی۔ وہ ریوالور استعمال کرنا چاہتی تھی، اس سے پہلے ہی ایک کا چاقو دوسرے ساتھی کے جسم میں پیوست ہو گیا۔

اس نے گھبرا کر خون آلود چاقو کو دیکھا۔ پھر غصے سے میرا نشانہ لینا چاہا۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ چاقو فضا میں سنسناتا ہوا گیا اور چوتھے ساتھی کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس طرح تین ختم ہو گئے، آخری رہ گیا۔

میں نے اس کے سینے سے چاقو نکال کر جانکی بائی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اسے رکھو۔ رام پور کا چاقو ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "آپ خطرات سے کیوں کھیل رہے ہیں؟"

میں نے کہا "یہ لہو گرم رکھنے کا ایک بہانہ ہے۔ ایسے مہربان میری زندگی میں نہ آئیں تو مجھے آرام فرماتے فرماتے زنگ لگ جائے گا۔"

آخری شخص نے خوف سے پیچھے ہٹتے ہوئے پوچھا "اے بھائی! تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ اس تہ خانے میں کہاں سے ٹپک پڑے ہو؟ کیا مجھے بھی مار ڈالو گے۔"

"تم خود فیصلہ کرو۔ تمہیں زندہ کیوں چھوڑنا چاہیے؟"

"میں تمہارے کام آؤں گا۔ ہمیشہ کُتے کی طرح وفادار رہوں گا۔"

میں نے اُوپر جانے والے ایک زینے کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے معلوم ہے، یہ زینہ ہمیں سیٹھ کے بنگلے میں پہنچائے گا۔ یہ بتاؤ ابھی بنگلے میں کتنے افراد ہیں؟"

"بنگلے میں سیٹھانی جی اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی ہیں مگر جس دن ہم یہاں مال لے کر آتے ہیں، اُس دن وہ بیٹی کے ساتھ دوسرے بنگلے میں چلی جاتی ہیں۔ ابھی وہ بنگلا بالکل خالی ہے۔"

"سیٹھ حراست میں ہے۔ کیا اس کے بنگلے کو پولیس یا فوج نے اپنی نظر میں نہیں رکھا ہوگا؟"

"وہ بنگلا اس سیٹھ کے نام نہیں ہے جو گرفتار ہو گیا ہے۔ اس بنگلے کا مالک دوسرا پارٹنر دھن رام ہے۔ پولیس اس پر شبہ نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ شکشا منتری (وزیر تعلیم) ہیں۔"

ایسا کتنے ہی ترقی پذیر ملکوں میں ہوتا ہے۔ قوم کے بچوں کو تعلیم دلانے، عوام کو بجلی پانی اور خوراک کی سہولتیں پہنچانے والے وزیر سونے اور زہریلی دواؤں کے اسمگلر اور کالے دھندوں کے بیوپاری ہوتے ہیں۔

"میں نے پوچھا "اگر کسی وجہ سے تم لوگ تہ خانے میں پھنس جاؤ یا اُوپر کوئی خطرہ درپیش ہو تو تم لوگوں کو سگنل کیسے ملتا ہے؟"

اس نے الماری کے پاس والی دیوار کے پاس جا کر کہا۔ "ہم یہ بٹن دباتے ہیں۔ اُوپر بنگلے کے اندر یوں گھنٹی بجتی ہے جیسے کوئی باہر سے ملنے آیا ہو۔ مگر ہمارے سیٹھ اور اس کے خاص کارندے ہمارا اشارہ سمجھ لیتے ہیں۔ جواباً گھنٹی بجا کر اشارہ دیتے ہیں کہ خطرہ نہیں ہے۔ ہم کوڈ سسٹم سے گھنٹی کا بٹن مختلف انداز میں دباتے ہیں جس کے مختلف معنی ہوتے ہیں۔"

"ابھی معلوم کرو، کیا اُوپر خیریت ہے؟"

اس نے معلوم کیا۔ جواب ملا خیریت ہے۔ اس کے دماغ سے

پتا چلا اُوپر بنگلے میں سیٹھ کا صرف ایک کارندہ ہے۔ میں نے کہا۔ "تم جا سکتے ہو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں تم وفادار رہو گے یا نہیں؟"

"میں اُوپر جاتے ہی اس کارندے کو ختم کر دوں گا تاکہ وہ آپ لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔"

"تم ہمارے تحفظ کے لیے جو کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ اب جاؤ۔"

وہ زینے پر چڑھتے ہوئے جانے لگا۔ شِلپی اور جانکی بائی اپنے اپنے ہاتھوں میں ہتھیار دیکھ رہی تھیں۔ جو میرے کسی کام نہیں آئے تھے۔ پھر شلپی نے ریوالور کو پھینک دیا۔ میرے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "مجھے یقین ہو گیا ہے آپ دیوتا ہیں۔ آپ کو کوئی انسان ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ میں کتنی خوش نصیب ہوں میرا دل آپ کے سینے سے لگ کر دھڑکتا ہے۔ ہائے میں تو مغرور ہوتی جا رہی ہوں۔"

وہ شخص جو اُوپر گیا تھا، اپنی بات کا دھنی نکلا۔ اس نے بنگلے میں رہنے والے کارندے کو مار کر ہمارے لیے راستہ صاف کر دیا۔ ہم اُوپر آ گئے بہت ہی خوب صورت بنگلا تھا۔ کھڑکیاں اور دروازے بند تھے تاکہ یہی ظاہر ہو کہ اس کے مکین اسے مقفل کر کے کہیں گئے ہیں۔

میں نے ڈرائیور سنتو کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ محل سے دُور اس کار میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ "بھان صاحب گرفتار ہو گئے۔ قادر صاحب محل کے اندر گرفتار ہونے والے ہیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

اس نے خود سے سوال کیا اور خود ہی جواب دیا۔ "مجھے انتظار کرنا چاہیے۔ اگر میرے اندازے کے مطابق قادر صاحب ٹیلی پیتھی جانتے ہیں تو پھر یہ صاحب یقیناً فرہاد صاحب ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ یہ صاحب زہریلے سانپوں کے بل سے بھی زندہ سلامت نکل آتے ہیں۔"

میں نے کہا "تم درست سوچ رہے ہو۔ وہ صاحب ابھی تمہارے دماغ میں بول رہے ہیں۔"

وہ فوراً ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ سے سر تھام کر سوچنے لگا۔ "کیا سچ مچ وہ صاحب میری کھوپڑی میں بول رہے ہیں؟"

"ہاں، تمہیں یقین دلانے کے لیے ابھی تم سے کچھ اُلٹی سیدھی حرکتیں کراؤں گا۔ سوچ لو کر چُپ چاپ بیٹھے رہو گے۔"

وہ ارادہ کرنے کے باوجود خاموش بیٹھا نہ رہ سکا۔ اپنا ایک جوتا اُتار کر سُونگھنے لگا۔ پھر بولا۔ "مجھے مرگی نہیں ہے پھر جوتا کیوں سُونگھ رہا ہوں؟ مجھے تو یہ جوتا اپنے سر پر مارنا چاہیے۔"

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "ارے نہیں صاحب نہیں۔ آپ نے جوتا سُنگھایا، مجھے عقل آ گئی۔ آپ جوتا مارنے پر مجبور کریں گے تو عقل چلی جائے گی۔ حکم دیجیے، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

میں نے سیٹھ دھن رام کے بنگلے کا پتا بتا کر کہا۔ "فوراً چلے آؤ۔ میں شلپی کے ساتھ یہ شہر چھوڑنا چاہتا ہوں۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر طوفانی رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "اس کا مطلب ہے آپ محل میں قید نہیں ہیں۔ کمال ہے صاحب آپ ہوا کی طرح بند مُٹھی سے نکل جاتے ہیں۔"

"تم بہت زیادہ بولتے ہو۔ دیکھو، بنگلے میں نہ آنا۔ ذرا دُور ہمارا انتظار کرنا۔"

"جو حکم صاحب! آپ دماغ میں ایسے بولتے ہیں جیسے ٹیلیفون بولتا ہے۔ آپ نے دیر کر دی صاحب پہلے ہی ٹیلی پیتھی ایجاد کر دیتے تو ٹیلیفون کبھی ایجاد نہ ہوتا اور نہ ہی سیکڑوں اور ہزاروں روپے کا بل آتا۔"

میں اسے بکواس کرتا چھوڑ کر اپنی جگہ حاضر ہوا۔ جانکی بائی نے پوچھا۔ "ہم یہاں کب تک رہیں گے؟"

"گاڑی آ رہی ہے۔ تم کہاں جانا چاہو گی؟"

"میں آپ لوگوں کے لیے وقف ہوں۔"

"ہم ابھی مخالفین سے چھپتے پھریں گے۔ تم الگ راستہ اختیار کرو۔"

"جیسی آپ کی مرضی ویسے کل سے آج تک آپ کی خدمت کرتے ہوئے میں نے طلسمات کی ایک نئی دُنیا دیکھی ہے۔ آپ جادو نہیں جانتے مگر جادوگر ہیں۔ میری خواہش ہے میں پھر کبھی آپ کی خدمت کے لیے حاضری دے سکوں۔"

"مجھے شلپی کی دیکھ بھال کے لیے مستقل تمہاری ضرورت ہوگی۔ آئندہ میں بلاؤں تو جانکی بائی کے رُوپ میں نہ آنا۔"

"آپ اطمینان رکھیں، مجھے میک اپ میں مہارت حاصل ہے۔"

میں نے ماسک مین سے کہا۔ "میں اُن کے محاصرے سے نکل آیا ہوں۔ باس چندر بھان کا قائم مقام کون ہے؟"

"آپ کو جانکی بائی سے معلوم ہو جائے گا۔"

"اب چندر بھان باس کا رول ادا نہیں کر سکے گا۔ آپ اس کے لیے کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ وہ خود اپنا مقدمہ لڑے گا۔"

میں نے جانکی بائی سے کہا۔ "میں باس چندر بھان کے قائم مقام کی آواز سُننا چاہتا ہوں۔"

وہ ٹیلیفون کے پاس گئی۔ ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ "ہیلو نیلم بھوانی! میں دیوی بول رہی ہوں۔ ہمارا سُورج بادلوں سے نکل آیا ہے۔ اس کی کرنیں تمہارے پاس پہنچنے والی ہیں۔ ان کرنوں کو اپنی مدھر آواز میں پکارو۔"

میں نے جانکی بائی کے ذریعے نیلم بھوانی کی سُریلی آواز سُنی وہ کہہ رہی تھی۔ "سُورج آخر سُورج ہے۔ دیر تک بدلیوں میں قید نہیں رہتا۔ میں اس کی کرنوں سے اپنے گھر میں اُجالا کرنا چاہتی ہوں۔"

میں جانکی بائی کو اشارے سے ریسیور رکھنے کے لیے کہہ کر

خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا نیلم بھوانی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک بڑے سے صوفے پر پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی۔ ایک ملازم اس کے پاؤں کی اُنگلیاں چٹخا رہا تھا۔ دوسرا ملازم مور کا ایک پر تھامے اس کے پیچھے کھڑا تھا اور اس کی ٹھوری، اجلی گردن کو مور پنکھی سے ہولے ہولے سہلا رہا تھا۔

اسے گدگدی اچھی لگتی تھی۔ فرصت کے وقت کتنے ہی ملازم ہاتھوں میں مور پنکھی لیے اس کے بدن کو سہلایا کرتے تھے۔ وہ اپنے ہاں صرف مرد ملازم رکھتی تھی۔ وہ ملازم کم از کم گریجویٹ ہوتے تھے۔ بے روزگاری ایسے تعلیم یافتہ جوانوں کو اس کے پاس لے آتی تھی۔ کسی کی تنخواہ پانچ ہزار روپے سے کم نہیں ہوتی تھی۔

نیلم بھوانی کو مرد ذات سے سخت نفرت تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ بڑے سے بڑے قابل اور شہ زور مرد کو خرید سکتی ہے۔ اُسے اپنے قدموں میں جُھکا سکتی ہے۔ اُن سے جو کام چاہے لے سکتی ہے۔ اس نے پاؤں کی اُنگلیاں چٹخانے والے گریجویٹ کو ٹھوکر مار کر کہا۔ "میرا پاؤں کچھ میلا لگ رہا ہے، اسے صاف کرو۔"

اس نے حکم سُنتے ہی زبان نکالی۔ پھر ایک کُتے کی طرح چاٹ چاٹ کر اس کا پاؤں صاف کرنے لگا۔ وہ سُرور محسوس کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "ہائے کیسی گدگدی ہو رہی ہے، کتنا مزہ آ رہا ہے لیکن یہ فرہاد کہاں ہے؟ اب تک میرے دماغ میں کیوں نہیں آیا؟ جانکی کے کوڈ ورڈز سے تو یہی معلوم ہوا کہ وہ میری آواز سُن کر پہنچنے والا ہے۔"

میں نے جانکی بائی سے کہا۔ "یہ نیلم بھوانی تو بہت ہی واہیات عورت ہے۔ مردوں سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اور ان سے غیر انسانی سلوک کرتی ہے۔"

"وہ آپ کے ساتھ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرے گی۔"

"میں اس کے چور خیالات پڑھ چکا ہوں۔ اس کی پہلی اور آخری خواہش یہ ہے کہ مجھے اپنا غلام بنا لے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ اسے ایسی کسی خواہش کے قابل نہ چھوڑتا۔ کیا تم دہلی کے باس کی آواز سُنا سکتی ہو؟"

اس نے ریسیور اُٹھا کر دہلی کے لیے ایک کال بُک کروائی، ایکسچینج سے کہا گیا۔ "لائن بہت مصروف ہے۔ انتظار کرنا ہوگا۔"

دُور کی کال کے لیے گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے میں نے ایکسچینج کے آپریٹر کے دماغ کو چابی دی تو دوسرے ہی منٹ میں رابطہ قائم ہو گیا۔ میں نے جانکی کے ذریعے اس کی آواز سُنی پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "ہیلو مسٹر رانا پرتاپ! میں فرہاد آپ سے مخاطب ہوں۔"

وہ فوراً اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "جناب! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ میرے دماغ میں آئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے، مجھے اپنی خدمت کا موقع دینے والے ہیں۔ کیا آپ دہلی آ رہے ہیں؟"

"فی الحال مدراس شہر سے نکل کر کہیں پناہ لینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ یہاں کسی قریبی شہر میں میرے لیے انتظامات کر سکتے ہیں؟"

"میں آپ سے ہزاروں میل دُور ہوں۔ نیلم بھوانی آپ کے لیے چشم زدن میں انتظامات کر سکتی ہے۔"

"میں چڑیلوں سے دُور رہتا ہوں۔" میں نے رانا پرتاپ کو اس کے چور خیالات بتائے۔ وہ ہنسنے لگا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ ہنسنے کی بات ہے؟"

"جناب فرہاد صاحب! کبھی فرصت ملے تو آپ نیلم بھوانی کے چور خیالات توجہ سے پڑھیں۔ اس کے اندر ایک بہت اچھی عورت چھپی ہوئی ہے۔ میں ایک ماہر نفسیات ہوں۔ اس کے اندر کی کچھ باتیں جانتا ہوں۔ آپ تو خیال خوانی کے ذریعے اس کی پوری ہسٹری معلوم کر لیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اس سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ اگر اس نے میرے سامنے ملکۂ عالم بننے کی کوشش کی تو اسے مینٹل کے کچرا گھر میں پہنچا دوں گا۔"

میں شلپی اور جانکی بائی کے ساتھ اس بنگلے سے باہر آیا تھوڑی دُور پیدل چل کر ڈرائیور سنتو کے پاس پہنچ گیا۔ میں اور شلپی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جانکی بائی نے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔ جب بھی ضرورت ہو مجھے بلا لیں۔"

وہ چلی گئی۔ سنتو نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب! آپ پچھلی رات کی طرح پچھلی سیٹ پر گھنٹوں خاموش نہیں رہ سکیں گے میرے گھر کا ریکارڈ بھی جب بجتا ہے تو بجتا ہی چلا جاتا ہے۔"

کم بخت بڑا باتونی تھا۔ اشارتاً کہہ رہا تھا کہ ساتھ میں عورت ہو تو ریکارڈ کی طرح بجتی رہتی ہے۔ مرد کو خاموش نہیں رہنے دیتی۔ میں نے کہا "تم عورتوں سے زیادہ بولتے ہو۔"

"ظاہر ہے عورت نے پیدا کیا ہے۔ اسی کے طفیل بول رہا ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شلپی! یہ سنتو بہت اچھا آدمی ہے تم اس سے باتیں کرو۔ میں ذرا مصروف رہوں گا۔"

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ نیلم بھوانی کے پاس پہنچا۔ پھر دوسرے ہی لمحے واپس آ گیا۔ پتا نہیں، اس خوبصورت چڑیل کو کہاں کہاں گدگدی ہوتی رہتی تھی۔ چار ملازم مور پنکھی لیے اسے گدگدا رہے تھے۔ میں نے سنتو سے کہا۔ "ہم موجودہ صورت میں پہچان لیے جائیں گے۔ کوئی ایسی پناہ گاہ جانتے ہو جہاں ہم محفوظ رہ سکیں؟"

"جانتا ہوں اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ کو اب اس شہر میں نہیں رہنا چاہیے۔ کیا آپ حُلیہ بدلنا پسند کریں گے؟"

"ہاں یہ ضروری ہے۔"

اس نے گاڑی دوسرے راستے پر موڑ دی ایک بہت

بڑی دکان کے پاس رُک کر بولا" میں میک اپ کا ضروری سامان خرید کر لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے شبلی سے پوچھا " اتنا قیمتی محل اور عیش و آرام نہ رہا۔ تم پھر ایک غریب لڑکی طرح بھٹک رہی ہو۔ کیا تمہیں افسوس نہیں ہو رہا ہے؟"

وہ میرے شانے پر سر رکھ کر بولی۔" آپ کے یہ بازو حسین میں تھیں رہتی ہوں، دُنیا کے تمام محلوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ میرا عیش و آرام آپ کی ذات سے ہے۔ آپ یقین کریں ابھی آپ کے ساتھ بھٹک رہی ہوں مگر محلوں سے زیادہ آرام پا رہی ہوں۔"

میں نے کھڑکی کے پار دیکھا۔ سنتو بہت بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں گیا تھا۔ میں نے کہا۔" اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ضرورت کا ہر سامان ملتا ہے۔ جاؤ اپنے لیے کچھ ضروری سامان لے آؤ۔"

" میں سمجھ گئی ہوں، آپ کی مٹھی میں دنیا کے ہر ملک کی کرنسی ہوتی ہے۔ میں خالی ہاتھ جاؤں گی اور ڈھیر ساری شاپنگ کر کے آؤں گی۔ آپ یہاں بیٹھے بیٹھے ٹیلی پیتھی کے کمالات دکھاتے رہیں گے مگر میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں آپ سے ایک پل کے لیے بھی الگ نہیں ہونا چاہتی۔"

تھوڑی دیر بعد سنتو بہت سا سامان خرید کر لایا، انہیں ڈکی میں رکھا۔ دو بڑے پیکیٹ ہمیں دیے۔ پھر اسٹیرنگ سیٹ سنبھال کر گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔" صاحب! ایک پیکیٹ میں ریڈی میڈ میک اپ اور وِگ ہے۔ آپ چند منٹ میں اپنی صورت تبدیل کر سکتے ہیں۔ شبلی دیوی کو کوئی صورت سے پہچانتا نہیں ہے۔ محاصرہ کرنے والوں نے بھی صرف دیوی جی کا نام سُنا ہو گا۔ پھر بھی احتیاطاً دوسرے پیکیٹ میں برقع ہے۔ ان کے چُھپنے کے لیے یہی کافی ہے۔"

اس کی باتوں کے دوران میں ریڈی میڈ میک اپ کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے چھوٹا سا آئینہ دیکھتے ہوئے آنکھوں میں نیلے رنگ کے لینس لگائے۔ میری بھویں سیاہ تھیں۔ ان پر سنہرے رنگ کی بھویں چپکا دیں۔ چہرے پر سنہری موچھوں کا اضافہ ہو گیا۔ آخر میں سنہرے بالوں کی وِگ اچھی طرح سر پر سیٹ کر لی۔ شبلی نے حیرانی سے کہا۔" ہے رام! آپ تو بالکل ہی بدل گئے ہیں۔ اگر میں میک اپ کرتے نہ دیکھتی تو آپ کو پہچان نہ پاتی۔ کیا میں برقع پہن لوں؟"

" احتیاط لازمی ہے۔ پہن لو۔" پھر میں نے سنتو سے کہا۔ "میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ ہم اسی شہر میں رہیں گے۔ پولیس، فوج اور انٹیلی جنس والوں کو پتا چل گیا ہے کہ میں شبلی اور جانکی کے ساتھ غائب ہو گیا ہوں۔ وہ شہر کی ناکا بندی کر رہے ہیں۔ ان میں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ میں پناہ کے لیے اب کسی دوسرے شہر کا رُخ کروں گا۔"

" بڑی مشکل ہے صاحب! آپ کسی ہوٹل میں رہ نہیں سکتے۔ کوئی مکان کرائے پر لیں گے تو تلاش کرنے والے جاسوس یہ ضرور پوچھیں گے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آ کر یہ مکان کرائے پر لیا ہے؟"

ہماری کار ریلوے اسٹیشن کے قریب سے گزر رہی تھی میں نے کہا" یہاں گاڑی روکو۔ پلیٹ فارم پر جا کر کسی نہ کسی بہانے سے مسلمان مسافروں سے گفتگو کرو۔ شاید ہم کسی مسلمان فیملی میں شامل ہو کر خود کو چھپا سکیں۔"

وہ ایک جگہ گاڑی روک کر چلا گیا۔ ہماری کار کے شیشے کلرڈ تھے۔ باہر سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہم اندر سے دیکھ سکتے تھے۔ میں نے پھر آئینہ نکال کر میک اپ میں ذرا تبدیلی کی۔ سنہرے بالوں کی وجہ سے ہمیشہ وِگ پہننے پر مجبور رہنا پڑتا میں نے وِگ اُتار دی۔ اپنے سیاہ بال رہنے دیے۔ کانوں کے پاس سیاہ بالوں کی قلمیں بڑھا دیں۔ بھویں اور موچھیں بھی سیاہ ہو گئیں۔ آئینہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا مجھے فرہاد یا قادر خان کی حیثیت سے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

سنتو پلیٹ فارم پر بھٹک رہا تھا۔ مختلف مسافروں سے گفتگو کرتا جا رہا تھا۔ میں اس کے ذریعے ان مسافروں کے خیالات پڑھتا تھا۔ پھر کہہ دیتا تھا۔" یہ ہمارے کام کے نہیں ہیں۔"

سنتو پھر دوسرے مسافر کو تلاش کرتا تھا۔ اس طرح آدھا گھنٹا گزر گیا۔ آخر ایک جگہ کام بننے لگا۔ ایک لکھنؤ کے بزرگ مل گئے۔ میں نے ان کے خیالات پڑھے۔ وہ موجودہ دور میں سانس لے رہے تھے مگر مغلیہ دور میں جی رہے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ واجد علی شاہ کے پوتے کے پوتے ہیں۔ انہوں نے لکھنؤ میں اپنی ایک حویلی کسی سیٹھ کے پاس گروی رکھ دی تھی۔ کیونکہ سیٹھ سے رقمیں لے کر وہ اپنے آباؤ اجداد کی شاہانہ زندگی کا بھرم رکھتے تھے۔ ایک جوان بیٹا آوارہ ہو گیا تھا۔ ایک جوان بیٹی کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتے تھے، مگر اب کہیں سے قرض نہیں مل رہا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ پرانے زمانے کے ایسے بزرگ تھے جو تیر اور تلوار سے شاید نہ مرتے لیکن باپ دادا کی شان و شوکت پر ذرا حرف آتا تو احساسِ ندامت سے مر جاتے۔

مجھے ایسے ہی ضرورت مند کی تلاش تھی، جو حالات سے مجبور ہو کر سوچتا ہے کہ راستہ چلتے کسی کا نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس مل جائے یا کسی طرح غیبی امداد حاصل ہو جائے۔ یا اچھا بُرا کوئی بھی ذریعہ ہو مگر دولت مل جائے اور عزت رہ جائے۔

سنتو ان بزرگ کو ہمارے پاس لے آیا۔ میں نے انہیں اپنے پاس بٹھایا پھر کہا۔" میں نجومی اور قیافہ شناس ہوں۔ میں نے ابھی پلیٹ فارم سے گزرتے ہوئے آپ کا چہرہ دیکھا اور آپ کی بہت سی پریشانیوں کو سمجھ لیا۔ آج کل میرے اور آپ کے ستارے مل رہے ہیں، اگر میں آپ کے لیے لاکھوں روپے مہیا کر دوں تو آپ میرے لیے کیا کریں گے؟"

بزرگ کی سانس اوپر کی اوپر رہ گئی۔ انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔" کیا آپ مجھے لاکھوں روپے دینا چاہتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے؟"

" آپ مجھ پر نہیں خدا پر بھروسا رکھیں۔ آپ کی شاہانہ زندگی لوٹ آئے گی۔ آپ کے تمام قرض ادا ہو جائیں گے۔ لکھنؤ کی وہ حویلی صرف واپس ہی نہیں ملے گی بلکہ آپ کثیر رقم لگا کر اسے ایک شاہی محل بنا دیں گے۔ آپ کی صاحبزادی کی شادی اتنی دھوم دھام سے ہو گی کہ پورے لکھنؤ میں دھوم مچ جائے گی۔"

خوشی کے مارے ان کا منہ کھُل گیا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے پھر انہوں نے بڑے کرب سے پوچھا۔" بیٹے! اس بوڑھے کا مذاق تو نہیں اُڑا رہے ہو؟"

" آپ نے بیٹا کہا ہے تو میں صحیح معنوں میں بیٹا بن کر دکھاؤں گا۔ میں آپ سے بالکل سچ کہتا ہوں۔ میں ایک مسلمان ہوں، یہ میری شریکِ حیات ہیں..."

شبلی برقع پہنے ہوئے تھی اس نے ایک ہاتھ پیشانی تک لے جا کر" آداب" کہا۔ بزرگ نے دُعائیں دینے کے بعد پوچھا۔" تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

" پولیس والے ہمیں مجرم سمجھ کر تلاش کر رہے ہیں۔ خدا گواہ ہے ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ ہم آپ کے خاندان میں شامل ہو کر پولیس والوں سے چھپنا چاہتے ہیں۔ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ وہ لوگ ہمیں چہروں سے نہیں پہچانتے ہیں۔"

" بیٹے! بس اتنا یقین دلاؤ تم میری تمام مصیبتیں دُور کر دو گے۔ میں تمہاری مصیبت دُور کر دوں گا۔"

" میں لکھنؤ پہنچ کر ہی یقین دلا سکتا ہوں۔ ہم یہاں سے ٹرین کے ذریعے کلکتہ جائیں گے۔ وہاں سے بذریعہ طیارہ لکھنؤ پہنچیں گے۔ وہاں پہنچتے ہی آپ کو دس لاکھ روپے ملیں گے۔"

انہوں نے حیرت اور مسّرت سے پوچھا۔" تم کیسے جانتے ہو کہ وہ حویلی دس لاکھ روپے میں گروی رکھی ہے؟"

" میں ستاروں کی چال سے انسانوں کی چال سمجھتا ہوں۔ آپ ان دس لاکھ سے اپنی حویلی واپس نہیں لیں گے۔ میں مزید رقم دے کر سیٹھ سے حویلی خرید لوں گا۔ آپ اپنی بیگم کے ساتھ وہاں تاحیات رہ سکتے ہیں۔ خود کو حویلی کا مالک ظاہر کر سکتے ہیں مگر اس کے کاغذات ہمارے نام ہوں گے۔"

انہوں نے منظور کر لیا۔ میں نے کہا۔" وہ دس لاکھ آپ کی باقی زندگی کے لیے کافی ہیں، چونکہ آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے اس لیے آپ کی صاحبزادی میری بہن ہے۔ بہن کی شادی میں دھوم دھام سے کراؤں گا۔"

وہ خوشی کی شدت سے بے حال ہو رہے تھے۔ سنتو میرے حکم سے ہمارے ٹکٹ خریدنے گیا۔ ٹرین میں بڑی بھیڑ تھی۔ ایک سیٹ بھی نہیں مل سکتی تھی۔ میں نے سنتو کے ذریعے بکنگ آفس کے لوگوں کو پڑھا۔ انہوں نے چند سیٹوں اور ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کو چور کھاتے میں رکھا تھا۔ تاکہ کسی ضرورت مند سے اچھی خاصی رقم مل سکے۔ جب میں نے سنتو کو یہ بتایا تو اس نے چپکے سے رشوت کے طور پر ایک ہزار روپے اور بزرگ کے نام پر فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ ریزرو کرا لیا۔

میں نے کہا" سنتو! میں جب تک ہندوستان میں رہوں گا تم برابر میرے ساتھ رہو گے۔ لہٰذا کل کی فلائٹ سے لکھنؤ پہنچ جانا"

ایک گھنٹے بعد ٹرین کے ذریعے ہمارا سفر شروع ہوا۔ سفر کے آغاز میں ہی پولیس والے ٹرین کے ہر کمپارٹمنٹ میں جھانکتے پھر رہے تھے۔ جس پر بھی فرہاد اور شبلی کا شبہ ہوتا اس سے سختی سے پوچھ گچھ کرتے تھے۔ انہوں نے ہمارے متعلق پوچھا۔ بزرگ اور ان کی بیگم نے کہا۔ " یہ ہمارا بیٹا واجد علی ہے اور یہ ہماری بہو شائستہ بیگم ہے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ آدھا لکھنؤ ہمیں جانتا ہے۔ آپ وہاں انکوائری کریں۔ ہمارے محلے کے لوگ ہماری شرافت کی گواہی دیں گے۔"

بزرگ سے زیادہ ان کی بیگم تیز تھیں۔ انہوں نے ایسے انداز میں گفتگو کی کہ ہماری طرف آنے والی بلا ٹل گئی۔ جب ٹرین چل پڑی تو بزرگ خاتون نے مجھے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔" تم میرے بیٹے واجد علی شاہ سے مشابہت رکھتے ہو۔ وہ پندرہ برس کی عمر میں گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اب بارہ برس گزر چکے ہیں۔ اُسے واپس آنا ہوتا تو اتنی مدت نہ لگاتا۔ اگر آ بھی جائے تو ہم اُسے نہیں پہچان سکیں گے۔ البتہ تمہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے خدا نے اُسے زندہ سلامت رکھا ہو گا تو وہ تقریباً تمہارے ہی جیسا ہو گا۔"

ان کی باتوں سے پتا چلا میری منہ بولی بہن کا نام عصمت آرا ہے۔ اسے لکھنؤ میں خالہ کے ہاں چھوڑ کر مدراس آئے تھے۔ یہاں ایک جگہ قرضہ ملنے کی اُمید تھی، وہ پوری نہ ہوئی۔ ناکام واپس جا رہے تھے کہ اچانک ہم سے رشتے داری ہو گئی۔ میں نے کہا۔" آپ میری بہن یعنی عصمت آرا اور دوسرے تمام رشتے داروں کو یہی بتائیں کہ میں سچ مچ آپ کا بیٹا واجد علی ہوں۔ مدراس میں اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ اب آپ بہو کے ساتھ مجھے گھر لے آئے ہیں۔"

کافی دیر تک ہم آئندہ کے منصوبے بناتے رہے۔ پھر میں نے کہا۔" ہم پچھلی رات سے جاگ رہے ہیں نیند پوری کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ بزرگ بھی فکر اور پریشانی سے رات بھر جاگتے رہے تھے میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے انہیں سلا دیا۔ پھر شبلی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ شرما کر بولی۔" کیا کرتے ہیں، یہ جاگ جائیں گے۔"

" تم میری صلاحیتوں کو بھول جاتی ہو۔ انہیں میں نے سلایا ہے

اور میں ہی جگاؤں گا تو ان کی آنکھ کھلے گی۔"

اس نے تعجب سے دونوں بزرگوں کو دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی خود کو مجھ پر نچھاور کرنے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک بے مثال بنا دیا تھا۔ اب مجھے فکر و پریشانی سے دور لے جانا چاہتی تھی۔ مگر میں اس کی سحر انگیز قربت کے باوجود بار بار یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ بھارتی جاسوس کس طرح مجھے پہچان گئے؟

یہ سمجھنا بہت ضروری تھا کہ مجھ سے کہاں غلطی ہوگئی ہے؟ یا وہ کس کی آنکھیں ہیں جو مجھ سے چھپ چھپ کر رہتی ہیں اور مجھے دیکھتی رہتی ہیں؟ کیا میں اب بھی خوش فہمی میں مبتلا ہوں کہ مجھے کوئی نہیں پہچان رہا ہے اور درپردہ پہچان رہا ہے؟

شلپی نے کہا۔ "آپ کل سے مجھے بے انتہا مسرتیں دے رہے ہیں اور خود مصیبتیں اُٹھاتے جا رہے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا آپ کو بہت بڑی خوشخبری سناؤں گی۔ وہ انعام دوں گی جو کسی نے دیا نہ ہو۔ مگر آپ کو وہ انعام طلب کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی ہے۔"

میں نے چونک کر کہا۔ "ارے ہاں۔ کل تم نے تجسس میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں سوچتا رہ گیا تھا نہیں، وہ کون سا انمول انعام ہے جو تم سے ملنے والا ہے۔ بُرا ہو مصروفیات کا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ اب بتاؤ ایسی کیا بات ہے جو میرے لیے انعام بھی ہے اور خوشخبری بھی۔"

وہ اپنی مخروطی انگلیوں سے میرے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے بولی۔ "میں غریب لڑکی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مجھے فرہاد علی تیمور کے قدموں میں جگہ ملے گی اور میں ایک ہی دن میں بے انتہا دولت کی مالکن بن جاؤں گی۔ میرے دل نے میرے ضمیر نے پوچھا۔ میں آپ کو ایسی کیا خوشی دے سکتی ہوں، جو دنیا جہان کی دولت سے زیادہ قیمتی ہو؟ تب میری سمجھ میں بات آگئی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "تب میں نے فیصلہ کیا کہ میں آپ کی خاطر شلپی ملہوترہ کو ہمیشہ کے لیے مار ڈالوں گی۔"

میں نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟"

"آپ میرے دیس میں آئے ہیں۔ میں نے سوچا، میں ہندوستانی تہذیب آرٹ اور کلچر کے مطابق محل میں آپ کا استقبال کروں گی۔ خوب ناچوں گی، گاؤں گی۔ اپنا جسم، اپنا دل، اپنی روح آپ کو پیش کر دوں گی۔ پھر دوسری صبح شلپی ملہوترہ کو مار کر اسلام قبول کر لوں گی۔"

میرا دل حیرت اور مسرت سے دھڑک گیا۔ میں نے اُسے دھڑکنوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "سچ؟"

"ہاں میرا دل کہتا رہا، یہ آپ کے لیے سب سے بڑی خوشخبری ہوگی۔ میں ایک مسلمان شلپی کو انعام کے طور پر پیش کر دوں گی تو یہ انعام دنیا جہان کی دولت سے زیادہ قیمتی ہوگا۔"

"واقعی تم مجھ سے زیادہ محبت کا حق ادا کر رہی ہو۔ میرے خدا میرے رسولؐ کو مان کر میری زندگی میں میری داستان میں ایک نہ مٹنے والی ہستی بن رہی ہو۔ خدا کی قسم، اتنا بڑا اور انمول انعام تمہاری جیسی محبت کرنے والی لڑکی ہی دے سکتی ہے۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "مگر ابھی تک کچھ نہیں دیا۔ میں نے ایڈوائزر تلک رام کے ذریعے ایک عالم صاحب سے دوسری صبح کا وقت مقرر کیا تھا۔ عالم صاحب نے کہا تھا، یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا جذبہ ہے جس نے اسلام قبول کرنے کی تحریک پیدا کی ہے۔

میں نے شرماتے ہوئے عالم صاحب سے کہا۔ "مجھے ایک مسلمان سے محبت ہوگئی ہے۔ میں اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"بیٹی! اسلام میں نکاح کے بغیر کوئی لڑکی کسی نامحرم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ تم جس کی خاطر اسلام قبول کر رہی ہو۔ اسے بھی صبح بلا دو تاکہ میں تمہیں کلمہ پڑھانے کے بعد اس سے تمہارا نکاح پڑھانے کا بھی فرض ادا کر دوں۔"

پھر انہوں نے کہا۔ "مجھے اس نیک مسلمان کا نام، ولدیت اور پتا ٹھکانا بتاؤ تاکہ میں نکاح کے رجسٹر کی خانہ پُری کر سکوں۔"

شلپی کی یہ باتیں سنتے ہی میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تم نے میرا نام بتایا تھا؟"

"میں نہیں بتانا چاہتی تھی، انہوں نے کہا، میں غلط نام بتاؤں گی تو نکاح جائز نہیں ہوگا۔ مجھے پریشان دیکھ کر انہوں نے پوچھا، کیا وہ خدانخواستہ کوئی مجرم ہے؟ میں نے کہا، ہرگز نہیں۔ وہ انسان دوست ہیں۔ انہوں نے کوئی جُرم نہیں کیا ہے۔"

عالم صاحب نے پوچھا۔ "پھر کیوں چھپاتی ہو؟ اگر کسی اور مصلحت کے تحت چھپانا ضروری ہو تو میں اس کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔"

جب انہوں نے یقین دلایا کہ آپ کا نام راز میں رہے گا تو میں نے عالمِ دین پر اعتماد کیا اور آپ کا نام بتا دیا۔"

شلپی کی بات سنتے ہی میں سر پکڑ کر رہ گیا۔ وہ ندامت سے بولی۔ "کیا میں نے غلطی کی؟ کیا مجھے آپ کے مسلمان عالم پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟"

اب میں کیا جواب دیتا؟ علمائے دین پر میرا اعتماد ہے۔ مگر وہ عالم صاحب کون تھے؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے مخبری کی ہوگی؟

میں نے اس مسئلے پر غور کیا تو بات سمجھ میں آئی کہ عالم صاحب خدانخواستہ لالچی ہوتے تو وہ پولیس کے مخبر بن کر انعام حاصل کرنے کے بجائے مجھ سے اچھی خاصی رقم وصول کر سکتے تھے۔ میں نے شلپی سے پوچھا۔ "کیا انہوں نے میرا نام سُن کر کسی خاص ردِعمل کا اظہار کیا تھا؟"

وہ بولی۔ "عالم صاحب پریشان ہوگئے تھے مگر انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ دوسری صبح آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔"

میں نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے، وہ میری شخصیت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ جانتے ہوں گے کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے دماغ میں آ کر انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں۔ انہیں مجھ سے خوفزدہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ بے باک تھے۔ میں یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ انہوں نے مخبری کیوں کی؟"

میں نے سنتو کو مخاطب کیا اور شلپی سے عالم صاحب کا نام اور پتا پوچھ کر کہا۔ "تم ٹیلیفون کے ذریعے انہیں مخاطب کرو۔ میں سُن رہا ہوں۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ ایک ٹیلیفون بوتھ میں جا کر ان سے رابطہ قائم کیا، پھر کہا۔ "ہیلو، کیا آپ مولانا عبدالرحیم حیدرآبادی ہیں؟"

دوسری طرف سے جواب ملا۔ "جی ہاں خادم بول رہا ہے۔"

سنتو نے میری ہدایت پر ریسیور رکھ دیا۔ میری سوچ کی لہروں نے عالم صاحب کے دماغ میں کہا۔ "السلام علیکم۔"

انھوں نے بے اختیار وعلیکم السلام کہا۔ پھر چونک کر خلا میں تکنے لگے۔ میں نے کہا۔ "محترم! میں فرہاد علی تیمور آپ سے مخاطب ہوں۔"

وہ آرام سے بیٹھ گئے، پھر بڑے سکون سے بولے۔ "میں جانتا تھا اب میرا آخری وقت آگیا ہے۔ تم کسی وقت بھی انتقام لینے آسکتے ہو۔ سو آگئے۔"

"آپ میرے لیے قابلِ احترام ہیں۔ میں آپ سے انتقام لینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں آپ کی مجبوریاں معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"کیسی مجبوریاں؟ کیا تم سمجھتے ہو، مجھ پر دباؤ ڈالا گیا اور میں نے مخبری کی؟ نہیں برخوردار! میں نے مجبور ہو کر نہیں بلکہ فرض سمجھ کر تمہارے خلاف انٹیلیجنس والوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔"

"آپ میرے خلاف کیوں ہیں؟"

"تم مذہب کے حوالے سے میرے عزیز ہو مگر میں بھارت کا ایک معزز شہری ہوں۔ جس طرح تمہیں پاکستانی ہونے پر فخر ہے اسی طرح مجھے بھارتی ہونے پر ناز ہے۔ ہمارا تمہارا یہ اوّلین فرض ہے کہ ہم اپنے اپنے ملک اور اپنی اپنی حکومت کے وفادار رہیں۔"

"آپ درست فرماتے ہیں لیکن میرا قصور کیا ہے؟"

"میں ایک ذمے دار شہری کی حیثیت سے یہ جانتا ہوں کہ میرے دلیس کی پولیس، انٹیلی جنس اور فوجی جاسوس تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ تمہارا سراغ ملنے پر ان سے تعاون کرنا میرا فرض تھا۔ وہ میں نے کیا۔ بعد میں پتا چلا تم غلط نام اور غلط پاسپورٹ کے ذریعے اس ملک میں داخل ہوئے ہو، یہ بہت بڑا جرم ہے۔ پھر پتا چلا تمہاری وجہ سے کتنے ہی سپاہی، سراغرساں اور فوجی جوان مارے گئے ہیں۔ تمہاری آمد پر سرکاری حلقوں میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کیا اتنے سارے الزامات کے بعد بھی اپنا قصور پوچھو گے؟"

"اب نہیں پوچھوں گا۔"

انھوں نے کہا۔ "ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں اپنی زبان کو سچا اور عمل کو پختہ رکھنا چاہیے۔ میں اپنے مذہب کا عالم ہوں۔ اگر میں اپنی بھارت سرکار سے جھوٹ بولوں گا، دھوکا دوں گا تو ہمارے دوسرے علماء پر سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ ایک مسلمان کی سچائی پورے دین کی سچائی ہوتی ہے، اس طرح ہمارا دینی عمل مستحکم اور مثالی ہوتا ہے۔"

"جناب عالم صاحب! آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں آپ کی نصیحتیں یاد رکھوں گا، اجازت دیجیے، خدا حافظ۔"

میں نے شلپی کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کہاں تھے؟"

میں نے اسے عالم صاحب کے متعلق بتایا۔ اس نے سننے کے بعد کہا۔ "بے شک وہ ایمان والے ہیں۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اپنی حکومت کا وفادار رہنا چاہیے لیکن میں نے آپ کے لیے بڑے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔"

"تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ تم ہمارا مذہب قبول کر رہی تھیں۔ اکثر نیکی کرتے کرتے غلطی ہو جاتی ہے لیکن جلد ہی اس غلطی پر نیکی غالب آجاتی ہے۔"

ٹرین تیز رفتاری سے فاصلے مختصر کرتی جا رہی تھی۔ نیچے والی ایک برتھ پر بزرگ خاتون سو رہی تھیں۔ میں نے دوسری نچلی برتھ پر شلپی کو سونے کے لیے کہا۔ آدھا دن گزر چکا تھا۔ ہم نے پچھلی رات سے ایک ذرا پلک نہیں جھپکائی تھی۔ میں اوپری برتھ پر آگیا۔ اس کے بعد دماغ کو ہدایات دے کر آرام سے سو گیا۔

میں نے چار گھنٹے کا وقت مقرر کیا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دوسرے باقی ہم سفر سو رہے تھے۔ میں نے دہلی میں رہنے والے باس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں کل صبح کلکتہ پہنچ رہا ہوں۔ میرے ساتھ تین اور افراد ہیں۔ آپ کلکتہ سے لکھنؤ تک کے لیے کسی طیارے میں چار سیٹیں بک کرا دیں۔ مجھے لکھنؤ پہنچتے ہی دس بارہ لاکھ روپے کی ضرورت پڑے گی۔"

"جناب! آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی۔ اور فرمائیں؟"

میں نے باس رانا پرتاپ کو بزرگ اور ان کی حویلی کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ پھر کہا۔ "مسٹر رانا! وہ حویلی آپ خرید لیں۔ مدراس میں ستر لاکھ کا محل شلپی کے نام سے خریدا۔ اب وہ سرکاری تحویل میں رہے گا۔ آپ لکھنؤ کی حویلی خریدنے کے بعد اسے بیگم واجد علی کو تحفے کے طور پر دے دیں۔"

اس نے پوچھا۔ "یہ واجد علی کون ہیں؟"

"یہ میرا موجودہ نام ہے اور میری شریکِ حیات کا نام....

شائستہ بیگم ہے۔"

میں اس سے تمام ضروری باتیں کرنے کے بعد جناب شیخ صاحب کے پاس پہنچا۔ انھوں نے کہا "سونیا استنبول کے لیے روانہ ہو چکی ہے، تم اس کے دماغ میں پہنچنے کے لیے یہ کوڈ ورڈز ادا کرو گے "ہیلو سونیا! میں تمین بچوں کو آپس میں ملانے آیا ہوں۔ وہ پوچھے گی کیوں ملانا چاہتے ہو؟ تم جواب دو گے: تمین بچے مل کر باپ بن جائیں گے۔"

بڑے معنی خیز کوڈ ورڈز تھے۔ اس ٹرانسفارمر مشین کے تین حصے کیے گئے تھے، ان کی الگ الگ کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس لیے کوڈ میں کہا جاتا کہ تین بچے مل کر باپ بن جائیں گے۔

ان بہن بھائیوں نے اپنا اپنا حصہ کہاں چھپایا ہے؟ یہ آپس میں بھی کسی کو نہیں بتایا تھا۔ انھوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا اس کے مطابق وہ ایک دوسرے کے دماغ میں بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان تینوں نے تین آلہ کار مقرر کر رکھے تھے۔ ان آلہ کاروں کے دماغ میں پہنچ کر بھائی آرمر کے لہجے میں بولتے تھے اور روزانہ، جوجو کے لہجے میں بولتی تھی۔

لیکن روزانہ کی کھوپڑی ٹیلی پیتھی سے خالی ہو گئی تھی، چہرہ بگڑ گیا تھا، لہٰذا وہ ہندوستان سے واپس چلی گئی تھی۔ شام کو کسی وقت استنبول پہنچنے والی تھی۔ میں نے سونیا کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے سانس روک لی۔ پھر آہستہ آہستہ سانس لی تو میں نے کہا "ہیلو سونیا! میں تمین بچوں کو آپس میں ملانے آیا ہوں۔"

اس نے قدرے مطمئن ہو کر سوال کیا "کیوں ملانا چاہتے ہو؟"

میں نے وہی جواب دیا کہ تمین بچے مل کر باپ بن جاتے ہیں۔ پھر اس سے کہا "روزانہ عرف لیڈی روزمینہ بھی شام تک استنبول پہنچ رہی ہے، چوں کہ وہ اپنی رہائش گاہ کے اسی بیڈ روم میں پلاسٹک سرجری کے لیے پڑی رہے گی، لہٰذا تمھیں اس بیڈ روم کی دُہری چھت کے خفیہ خانے تک پہنچنے میں خاصی دشواری ہوگی۔"

سونیا نے کہا "ہائے! تمھیں میری دشواریوں کا کتنا خیال ہے۔ سنا ہے خیال کرتے کرتے دُبلے ہو رہے ہو۔ میرے فراق میں حسین لڑکیوں کو دیکھنا چھوڑ دیا ہے بلکہ میرے فراق میں خود مجھ سے باتیں کرنا بھول گئے ہو۔"

"اگر تم میرے سامنے ہوتیں تو تمھارا منہ توڑ دیتا پھر کہتا مجھے تو تمھارا منہ بھی یاد نہیں رہا۔ اس کے بعد تمھیں یاد آجاتا کہ تمھارے دماغ پر تنویمی عمل کا اثر تھا اور اب تو سانس بھی روکنے لگی ہو۔ اگر شیخ صاحب کوڈ ورڈز نہ سمجھاتے تو میں اب بھی تمھاری کھوپڑی کے باہر ہی رہتا۔"

"اگر تم چاہتے تو پہلے بھی شیخ صاحب کے ذریعے مجھ سے دو باتیں کر سکتے تھے۔"

"عورت سے دو باتیں کرو، وہ چار سناتی ہے، تم میری مصروفیات اور دشمنوں کی پیدا کردہ اُلجھنوں کو خوب سمجھتی ہو، لہٰذا غصہ تھوک دو اور کام کی باتیں سنو۔"

وہ مسکرانے لگی۔ میں اسے بہن بھائیوں کا طریقہ کار سمجھانے لگا، وہ تمام باتیں سننے کے بعد بولی "اگر وہ تینوں اپنے آلہ کاروں کے ذریعے گفتگو کرتے ہیں تو تم نے ایک اہم نکتے پر غور نہیں کیا ہے۔"

"وہ کیا ہے، تمھاری ذہانت آزمانا چاہتا ہوں۔"

"یہ تو پہلی ملاقات سے آزماتے آرہے ہو، بہر حال سنو۔ روزانہ ہوٹل کے کمرے میں تھی، اپنا بگڑا ہوا چہرہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ اچانک اس نے دماغ میں بھائی آرمر کا لہجہ سنا، اس لہجے کے پیچھے شاریر تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، جب وہ تینوں اپنے آلہ کاروں کے ذریعے گفتگو کرتے ہیں تو شاریر اس وقت براہِ راست بہن کے دماغ میں کیسے پہنچ گیا؟"

میں نے مسکرا کر کہا "تم سچ مچ شیطانی ذہانت رکھتی ہو، شاریر کی مکاریوں تک پہنچ گئی ہو۔"

قصہ یوں ہے کہ تینوں بھائی بہن تنویمی عمل کے ذریعے ایک دوسرے کا لہجہ بھول گئے تھے تاکہ ایک دوسرے کے چور خیالات نہ پڑھ سکیں۔ دراصل جس نے بھی ان پر تنویمی عمل کیا، وہ شاریر کا خاص آدمی ہوگا۔ اس نے عمل کے دوران روزانہ اور ہاریر کے دماغوں سے شاریر کا لہجہ بھلا دیا مگر ان بھائی بہن کے لہجوں کو شاریر کے دماغ میں محفوظ رکھا۔

اس طرح یہ انکشاف ہو رہا تھا کہ شاریر دوسرے بھائی بہنوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مکار ہے۔ سب کے دماغوں میں چپ چاپ پہنچتا ہے اور بہن بھائیوں کے راز معلوم کر لیتا ہے۔ اتنی تفصیلات کے پیشِ نظر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ شاریر اس مشین کے اپنے حصے کے علاوہ روزانہ اور ہاریر کے حصوں کو بھی جانتا ہے کہ وہ کہاں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔

سونیا نے کہا "روزانہ ٹیلی پیتھی بھولنے اور چہرہ بگڑ جانے پر ایسی بدحواس ہے کہ اس نے شاریر کے براہِ راست دماغ میں آنے پر توجہ نہیں دی ہے۔"

میں نے کہا "جب توجہ دے گی تو وہ باتیں بنا کر ٹال دے گا لیکن سونیا بیگم کیا تمھیں یقین ہے کہ روزانہ کا حصہ چھت کے چور خانے میں محفوظ ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے، شاریر نے یہ سوچ کر روزانہ اور ہاریر کے حصوں پر ہاتھ نہیں ڈالا ہوگا کہ وہ بڑی ذہانت سے چھپا کر رکھے گئے ہیں اور ان تین حصوں کو تین مختلف جگہ رہنا چاہیے اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ حصے چرا کر بہن بھائی کو شبہ کرنے کا موقع نہیں دے گا۔"

سونیا حفاظتی بیلٹ باندھنے لگی۔ طیارہ استنبول کے ایئر پورٹ پر اُترنے والا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر ایک بوڑھا مسافر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے حفاظتی بیلٹ باندھ رہا تھا۔ سونیا نے اس کی طرف جھک کر بیلٹ باندھتے ہوئے پوچھا "کیا آپ کسی تکلیف میں مبتلا ہیں؟"

وہ گہری گہری سانس لیتے ہوئے بولا "بڑھاپا تو تکلیف سے شروع ہوتا ہے، تکلیف میں ہی ختم ہوتا ہے۔ پلیز ایئر ہوسٹس کو بلاؤ۔ وہ مجھے طیارے کی سیڑھیوں سے اُتار دے گی۔"

"میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ جہاں جانا چاہیں گے پہنچا دوں گی۔"

"خوش رہو بیٹی! کیا نام ہے تمھارا؟ کیا اکیلی ہو؟"

"جی اکیلی ہوں، میرا نام سلطانہ ہے، سلطانہ حشمت۔۔۔!"

"کمال ہے، تم نے مجھے باپ سمجھا۔ اس سے پہلے ہی میرا نام، تمھارے نام کے ساتھ ہے۔ مجھے حشمت بیگ کہتے ہیں۔ کیا تم ترک لڑکی ہو؟"

سونیا ترکی زبان بولنے لگی۔ بوڑھا حشمت بیگ خوش ہو کر بولا "ہم مسلمان، ہم ترکی اور ایک دوسرے کے نام سے بھی وابستہ ہیں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم سچ مچ باپ بیٹی تھے۔ ایک دوسرے کو بھول گئے تھے، اب یاد آگئے ہیں۔"

وہ ہنسنے لگی۔ مسافر طیارے سے اُتر رہے تھے۔ وہ سب سے آخر میں اُٹھی۔ حشمت بیگ کو سہارا دیا۔ اس کے سفری بیگ کو شانے سے لٹکایا، اپنے بیگ کو ہاتھ میں لیا پھر دوسرے ہاتھ سے بوڑھے کو سہارا دے کر چلنے لگی۔ وہ بولا "میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم میرے لیے تکلیف اٹھا رہی ہو۔ میں تمھارا شکریہ بھی ادا نہیں کروں گا۔ اس عمر میں جوان اولاد سہارا نہیں دے گی تو اور کون دے گا۔"

"کیا اتنی بڑی دنیا میں آپ کا کوئی نہیں؟"

"کوئی نہیں تھا۔ اب تم ہو۔ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ واقعی اکیلی ہو تو میرے گھر چلو۔"

"آپ نہ کہتے تب بھی گھر تک چلتی۔ میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

وہ سونیا کو دعائیں دینے لگا۔ میں نے کہا "تم دعائیں کماتی رہو، میں بوڑھے کے متعلق تفصیلات معلوم کرتا ہوں۔"

میں معلوم کرنے لگا۔ جب وہ دونوں پاسپورٹ وغیرہ چیک کرانے کے بعد لگیج ہال سے سامان لے کر نکلے تو میں خیال خوانی کرتے کرتے چونک گیا۔ اسپیکر کے ذریعے کہا جا رہا تھا "مادام سونیا! ہم استنبول میں تمھیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ ایک نیلے رنگ کی کار نمبر دو ہزار پانچ تمھاری منتظر ہے۔ ہوٹل حرمت کا پورا سوئٹ تمھارے نام کر دیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمیں آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوگا۔۔۔"

میں نے اناؤنسر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ مائیک کے سامنے ایک کاغذ کو دیکھ رہا تھا اور اس پر سونیا کے لیے جو استقبالیہ فقرے لکھے ہوئے تھے، انھیں پڑھ رہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ کسی شخص نے اسے اناؤنسمنٹ کی فیس ادا کی تھی اور وہ تحریر پڑھنے کے لیے اسے دے کر چلا گیا تھا۔

اناؤنسمنٹ ختم ہونے کے بعد میں نے اناؤنسر کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ استقبالیہ تحریر پیش کرنے والے کو تلاش کرے لیکن وہ ڈیوٹی کی جگہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہیں سے دور تک نظریں دوڑا رہا تھا مگر وہ شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا "تم بین الاقوامی شہرت یافتہ چڑیل ہو، کہیں پہنچنے سے پہلے تمھارا نام پہنچ جاتا ہے، اس اناؤنسمنٹ پر تبصرہ کرو۔"

وہ بولی "سیدھی سی بات ہے، وہ مجھے چہرے سے پہچان نہیں سکیں گے۔ پہچاننے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ میں میک اَپ میں ہونے کے باوجود اور زیادہ چھپنے کی حماقت کروں اور ان کی نظروں میں آجاؤں۔"

وہ سامان کی ٹرالی دھکیلتی جا رہی تھی۔ بوڑھا حشمت بیگ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کی خاطر رفتار سست تھی۔ وہ بوڑھے سے باتیں کرتی جا رہی تھی اور بات بات پر ہنستی مسکراتی ہوئی چاروں طرف نظریں دوڑاتی جا رہی تھی۔ دو چار شخص اسے نظر آئے جو کسی نہ کسی جوان عورت کو روک ٹوک کر کچھ کہتے تھے۔ ایک شخص نے اس کے پاس آکر اسے چونکا دینے کے انداز میں مخاطب کیا "ہیلو مادام سونیا! میں آپ کا خادم ہوں، باہر کار موجود ہے۔"

وہ نادان بچی نہیں تھی کہ چونک جاتی۔ اس نے حیرانی سے سر گھما کر بوڑھے سے ترکی زبان میں کہا "بابا! یہ شخص مجھے سونیا کیوں کہہ رہا ہے؟"

بوڑھے نے اسے گھور کر انگریزی زبان میں پوچھا "اے مسٹر! تم کون ہو؟ اگر کسی سونیا کو جانتے نہیں ہو تو کم از کم اس کی ایک تصویر اپنے پاس ضرور رکھ لو۔"

وہ سوری کہہ کر دوسری عورتوں کی طرف جانے لگا۔ میں اس کی کھوپڑی میں جانا چاہتا تھا، مگر رُک گیا۔ بوڑھا حشمت بیگ ایک ہاتھ سے سونیا کا سہارا لے کر دوسرے ہاتھ سے اپنا سر تھام کر کہہ رہا تھا "میرا سر۔ میرا سر بوجھل ہو رہا ہے۔ بیٹی سلطانہ کوئی ناپاک روح میرے اندر جگہ ڈھونڈ رہی ہے۔ بیٹی! مجھے جلدی گھر لے چلو، میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔"

عمارت سے باہر آتے ہی ایک ٹیکسی سامنے آکر رُک گئی۔ اس نے حشمت بیگ کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔ ڈرائیور نے سامان اُٹھا کر رکھا پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا "آپ کہاں تشریف لے

جائیں گے ؟"

"حضرت بایزید (رحمت اللہ علیہ) الیونیو چلو۔"

میں نے کہا "سونیا! یہ عجیب سی بات ہے۔ میں بزرگ حشمت بیگ کے دماغ میں گیا تو انھوں نے محسوس نہیں کیا۔ بعد میں وہ کہنے لگے کہ سر بوجھل ہو رہا ہے کوئی ناپاک روح ان کے اندر جگہ ڈھونڈ رہی ہے۔ کیا میرے دماغ سے نکل جانے کے بعد انھوں نے مجھے محسوس کیا۔ یا میرے بعد کوئی دوسرا ان کے دماغ میں آنا چاہتا تھا؟"

سونیا نے کہا "جب پاپا نے اس شخص سے بات کی تب ہی ان کا سر بوجھل ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے اس شخص کے ذریعے کسی نے پاپا کی آواز سنی پھر ان کے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوشش کی۔"

میں اس شخص کے پاس پہنچا جس نے سونیا کو مخاطب کیا تھا اس کی سوچ نے بتایا، وہ کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے سے واقف نہیں ہے۔ البتہ ایک پُراسرار شخص کے لیے کام کر رہا ہے۔

میں نے سونیا کو اس کے متعلق بتایا پھر کہا "وہ پُراسرار شخص شاریہ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی نے بزرگ حشمت کے دماغ میں آنے کی ناکام کوشش کی ہوگی، اور یہ بزرگ یقیناً جناب شیخ الفارس کی طرح روحانی قوتوں کے حامل ہیں۔ جناب شیخ صاحب کی طرح یہ بھی منفی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتے ہیں۔"

سونیا نے پوچھا "جناب شیخ صاحب تو منفی سوچ کے علاوہ تمھیں اور شیبا کو بھی محسوس کر لیتے ہیں پھر ان بزرگ نے تمھیں محسوس کیوں نہیں کیا؟"

وہ بزرگ حشمت بیگ سے ترکی زبان میں باتیں کرتی جا رہی تھی ٹیکسی ڈرائیور کے دماغ میں شاریہ کی موجودگی ممکن تھی۔ وہ اپنی بہن روزانہ عرف لیڈی روزینہ کی طرح ترکی زبان نہیں جانتا تھا ورنہ یہ زبان بولنے والی سونیا عرف سلطانہ کے دماغ میں بھی پہنچنے کی کوشش ضرور کرتا۔

حضرت بایزید رحمت اللہ علیہ کے مزارِ مقدس کے سامنے ٹیکسی رک گئی، وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ گلاب کے پھولوں، اگربتی، عود و عنبر کی دکانوں پر عقیدت مندوں کی بھیڑ تھی۔ ایک مرید نے فوراً آگے بڑھ کر ٹیکسی کا دروازہ کھولا، بزرگ حشمت بیگ کو سلام کیا۔ ایک ایک کر کے کتنے ہی مرید آنے لگے۔ ان کا سامان اٹھانے لگے۔ انھوں نے کہا "میری بیٹی کو حجرے میں پہنچاؤ، میں عبادت سے فارغ ہو کر آؤں گا۔"

سونیا ان کے مریدوں کے ساتھ چلی گئی۔ میں ان کے دماغ میں رہ کر مزار شریف کا ایمان افروز منظر دیکھنے لگا۔ ایک کھلے صحن میں اچھا خاصا مجمع تھا۔ کچھ لوگ ترکی زبان میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں نعت پڑھ رہے تھے، پڑھنے کا انداز ایسا متاثر کن تھا کہ کتنے ہی بندوں پر وجد طاری ہو گیا تھا، وہ دوزانو ہو کر سر جھکائے حال میں آ رہے تھے۔

بزرگ نے مزار شریف پر حاضری دی، پھر اس حصے میں پہنچے جو صرف عبادت کے لیے مخصوص تھا۔ انھوں نے ایک جگہ وضو کیا۔ پھر ایک گوشے میں کھڑے ہو کر نماز کے لیے نیت کرنے سے پہلے کہا "اب جاؤ یہاں سے۔"

یہ کہتے ہی سانس روک لی، میری سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔

یا حیرت! بابا فرید واسطی مرحوم، جناب شیخ الفارس اور اب یہ بزرگ حشمت بیگ ہیں اور آئندہ نہ جانے کتنے روحانی قوتوں کے اور بھی بزرگ ہوں گے جن کے پاس سونیا پہنچتی رہے گی۔ جب سے یہ بابا فرید واسطی کی لاڈلی بنی تھی۔ تب سے اسے پہنچے ہوئے بزرگوں تک پہنچنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اس اعتبار سے یہ نیک بخت بھی تھی اور خوش بخت بھی۔ اس کی نیک بختی اسے بزرگانِ دین تک پہنچاتی تھی اور خوش بختی دشمنوں سے محفوظ رکھتی تھی۔

وہ حجرے میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کس مقصد کے لیے آئی اور کہاں پہنچ گئی ہے مگر اس حجرے میں بڑا سکون مل رہا تھا۔ بزرگ کو سہارا دے کر وہاں تک لانے کے بعد ان کی خدمت کرتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر کچھ کہنا چاہا۔ اس نے سانس روک لی۔ آخر کو ڈور و ڈرادا کرنے کے بعد جگہ دی۔ میں نے پوچھا "یہ بزرگانِ دین آخر تمھیں ہی کیوں چاہتے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی "مجھے تو ساری دنیا چاہتی ہے۔ اپنے پڑھنے والوں سے پوچھ کر دیکھ لو۔"

میں نے کہا "بزرگوں میں صرف شیخ صاحب ایسے ہیں جو ان معاملات پر مجھ سے گفتگو کر لیتے ہیں، ورنہ بابا فرید واسطی صاحب نے اپنی زندگی میں کبھی مجھے لفٹ نہیں دی۔ شاید ہی کبھی گفتگو کی ہو۔ مجھے تو یاد نہیں آتا کبھی انھوں نے اپنے دماغ میں آنے دیا ہو۔ وہ تو پیش گوئی کر چکے تھے کہ وہ جب تک زندہ ہیں، میں ادارے میں قدم نہیں رکھ سکوں گا اور یہی ہوا تھا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "اپنے اعمال درست کرو۔ تم دماغ تک پہنچتے ہو، بزرگ حضرات روح تک پہنچتے ہیں۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھو، شاید آلودگی سمجھ میں آ جائے۔ بائی دی وے، ناشکری نہ کرو۔ میرے بابا صاحب نے تم سے کئی بار گفتگو کی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے میری محبت کی خاطر ایسا کیا تھا لیکن تم ایسی باتیں کیوں چھیڑ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ بزرگ حشمت بیگ نے بھی تمھیں دل میں جگہ دی ہے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کے دماغ سے نکل جاؤں۔"

وہ پھر ہنستے ہوئے بولی "یعنی یہ تمھارے ہی بارے میں کہا گیا ہے کہ بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے۔"

پھر وہ اچانک سنجیدہ ہو کر بولی "اس کا مطلب ہے، پاپا تمھیں اپنے اندر محسوس کرتے تھے اور انجان بنتے آ رہے تھے۔ تمھیں دماغ سے نکالنے کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔"

"ہاں، وہ نماز شروع کر رہے تھے۔"

"پھر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ کیا میری ہر دلعزیزی سے تم جلنے لگے ہو؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہر دل میں رہنے والی! تمھارے دل میں تو صرف میں رہتا ہوں۔ اب ذرا ارونرا کی خبر لے کر آتا ہوں۔ میرا خیال تھا وہ اپنی رہائش گاہ میں ہوگی تو اس کے ذریعے معلوم کروں گا کہ مشین کا وہ حصہ چھت کے خفیہ خانے میں محفوظ ہے یا نہیں؟" میں اس کے پاس پہنچا۔ ابھی اس کا سفر جاری تھا۔ اس کے دماغ میں بھائی آرمر کی آواز سنائی دی، وہ پوچھ رہا تھا۔ "کیا تمھیں آرام مل رہا ہے؟"

وہ بولی "ابھی تکلیف کچھ کم ہے۔ آرام تو اسی دن ملے گا جب میرے چہرے کی پلاسٹک سرجری ہو جائے گی۔ میرے بھائی! کسی ایسے ماہر پلاسٹک سرجن کی خدمات حاصل کرو، جو مجھے دنیا کی سب سے حسین عورت بنا دے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ فی الحال ایک بُری خبر سنو، استنبول میں تم سے پہلے سونیا پہنچ گئی ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی "مجھے یہ نام زہر لگتا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اس مشین کے ذریعے میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت واپس لے آؤ، پھر میں اس چڑیل کو اذیتیں دے دے کر ماردوں گی۔"

"ہم نے کیا تیر مارا جو تم مارو گی۔ سونیا کے بارے میں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے میلوں دور رہو خواہ کتنی ہی مجبوری ہو۔ اس کا سامنا نہ کرو۔ اگر تم شیطان سے بھی لمبی عمر کی فرمائش کرو گی تو وہ مشورہ دے گا کہ سونیا کو اپنے سائے تک بھی نہ پہنچنے دو۔"

"اگر وہ میری رہائش گاہ تک پہنچ گئی تو؟"

"اپنی رہائش گاہ کا رُخ نہ کرو۔ اس سے دور رہنے کے لیے استنبول بھی نہ جاؤ۔ وہاں ایئرپورٹ پر رہ کر دوسری فلائٹ سے لندن پہنچو۔ میں پلاسٹک سرجری کے انتظامات کرا رہا ہوں۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ وہ مشین کے اس حصے تک پہنچ جائے گی۔"

"میں اسے پہنچنے نہیں دوں گا۔"

وہ یکبارگی چونک کر بولی "او گاڈ! کیا تم میرے حصے تک پہنچ گئے ہو؟"

"جب میں تمھارے دماغ میں پہنچ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ وہاں تک بھی پہنچ چکا ہوں۔"

"میرے بھائی! یہ سراسر بے ایمانی ہے۔ تم نے بہن کو دھوکا دیا ہے۔ تم تو کہتے تھے تنویمی عمل کے ذریعے میرے لہجے کو بھول چکے ہو۔ پھر کل سے میرے دماغ میں کیسے پہنچ رہے ہو؟"

"تم بھائی کو بے ایمان کہہ رہی ہو۔ یاد کرو، ہندوستان میں تم شرما وغیرہ سے فون اور ٹرانسمیٹر پر گفتگو کرتی تھیں۔ شرما اسرائیلی ایجنٹ ہے۔ میں بھی اس کے دماغ میں جاتا تھا، وہیں میں نے تمھارا لب و لہجہ سنا اور ہوٹل میں تمھارے پاس پہنچ گیا۔ مجھے الزام دینے سے پہلے یہ سوچو، تمھارا دماغ ٹیلی پیتھی سے خالی ہو چکا ہے، کوئی بھی خیال خوانی کرنے والا تمھارے اندر پہنچ سکتا ہے اور فرہاد تمھارے پاس پہنچ چکا ہے۔"

وہ ایک دم سے سہم کر بولی "نہیں، وہ میرے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ اس کے آنے سے پہلے میں مر جانا پسند کروں گی۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ تم ہر طرح سے خالی ہو چکی ہو۔ تمھیں مر جانا چاہیے مگر میں نے جوجو اور آرمر کو نہیں مارا، تمھیں پھر کیسے ختم کر سکتا ہوں۔ ہم تمام بھائی بہنوں کی محبت مثالی ہے، تم لندن پہنچو، میں تمھیں ایک نئے روپ میں زندہ رکھوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "مجھے اس نئے روپ کے متعلق کچھ بتاؤ؟"

"یہ غلطی نہیں کروں گا۔ فرہاد کسی وقت بھی تمھارے دماغ سے میرے منصوبوں کو پڑھ سکتا ہے۔ تم کچھ نہ پوچھو، جو کہتا ہوں، اس پر عمل کرتی جاؤ۔"

"کروں گی لیکن سچ بتاؤ کیا فرہاد واقعی میرے دماغ تک پہنچ چکا ہے؟"

"کیا تم اتنی جلدی قادر خان کو بھول گئی ہو؟"

وہ پھر سہم گئی۔ سیٹ پر سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی "او گاڈ! کیا وہی فرہاد تھا؟ تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"ہندوستان کی انٹیلی جنس والے، پولیس والے اور فوجی جوان اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ انھوں نے فرہاد کو ایک محل میں قید رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور یہ انکشاف ہو چکا تھا کہ وہ قادر خان کے روپ میں ہے مگر اس کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیسے فرار ہو گیا۔"

"کیا تم معلوم نہیں کر سکتے؟"

"فوجیوں کو تلاشِ بسیار کے بعد بھی محل کا چور راستہ نہ مل سکا۔ وہ محل کے سابقہ مالک پر ظلم کی انتہا کر رہے تھے۔ اور وہ نہیں بتا رہا تھا۔ میں نے چپ چاپ اس کے دماغ سے معلوم کر لیا لیکن بھارت سرکار سے دوستی رکھنے کے باوجود میں نے چور راستے کا انکشاف نہیں کیا۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ اس ملک میں وہ محل اور چور راستہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی، سہم رہی تھی اور کہہ رہی تھی "بھائی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ میرے دماغ میں موجود ہے۔ ہماری باتیں سن رہا ہے۔"

"یہ تمھارا وہم ہے۔ اور اگر وہ ہے تو پروا نہ کرو۔ وہ خواہ مخواہ کسی کی جان نہیں لیتا۔ تمھیں بھی نہیں مارے گا۔"

"بھائی! آخر وہ ہے کیا؟ کسی کی گرفت میں کیوں نہیں آتا؟"

"بہت جلد گرفتار ہو گا۔ ہم دونوں بھائی اسے ہندوستان سے نکلنے نہیں دیں گے۔"

"میں نے تمھیں بے ایمان کہا۔ مجھے معاف کر دو۔ اگر تم میرے حصے تک نہ پہنچتے تو فرہاد پہنچ جاتا۔ کیا تم نے اسے خفیہ خانے سے نکال لیا ہے؟"

"یہ کام میں نے سب سے پہلے کیا ہے۔ فرہاد کو مایوسی ہو گی۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ میں سونیا کے پاس آیا لیکن یہ کہہ نہ سکا کہ استنبول کا سفر ناکام رہا ہے۔ وہ مایوس نہیں ہو سکتی تھی کیوں کہ اسے ایک بہت بڑے بزرگ کا سایہ نصیب ہوا تھا۔

وہ عبادت سے فارغ ہو کر حجرے میں آئے تو بہت کمزور دکھائی دے رہے تھے۔ مریدوں نے انھیں سونیا تک پہنچایا۔ وہ بستر پر لیٹتے ہوئے بولے "تم سب باہر جاؤ۔ بیٹی میرے پاس رہے گی۔"

تمام مرید حجرے کے باہر آکر بیٹھ گئے۔ بزرگ نے پیشین گوئی کر دی تھی کہ خالقِ حقیقی نے انھیں جو جان دی ہے، اب وہ واپس دینے جا رہے ہیں۔ حجرے کے باہر بیٹھے ہوئے تمام افراد زیرِ لب آیت الکرسی پڑھ رہے تھے۔ ایک عجیب سا ماتمی ماحول ہو گیا تھا۔ حجرے کے اندر بزرگ صاف و شفاف بستر پر لیٹے ہوئے کہہ رہے تھے "بیٹی! میرے پاس آؤ۔"

وہ پاس آکر بیٹھ گئی۔ انھوں نے کہا "میرے سینے پر ہاتھ رکھو۔" اس نے بزرگ کے سینے پر دائیں ہتھیلی رکھی۔ وہ بولے "میں بے شمار لوگوں کا روحانی علاج کرتا ہوں، وہ شفا پاتے ہیں مگر میں اپنے سینے کی تکلیف کا علاج نہ کر سکا اور نہ کرا سکا۔ لندن کے ڈاکٹروں نے کہہ دیا، میرا دل بہت کمزور ہو چکا ہے۔ زیادہ دیر ساتھ نہیں دے گا۔ تب میں نے شیخ الفارس سے کہا کہ تمھیں استنبول بھیج دے۔"

سونیا نے حیرانی سے کہا "لیکن میں تو کسی اور مقصد سے آئی ہوں۔"

"وہ مقصد تو ایک بہانہ ہے۔ وہ چیز یہاں نہیں ملے گی مگر ایک دن تمھارے ہاتھ آئے گی۔"

"بابا! آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بول رہے تھے "تمھارا وہ بابا فرید واسطی بہت پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ایک دن کہا تھا حشمت! آخری وقت میری بیٹی کو بلا لینا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے گی تو آسانی سے دم نکلے گا۔"

سونیا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ فولاد تھی۔ آنسو نام کی چیز نہیں جانتی تھی لیکن اپنے پیارے بابا فرید واسطی کی پیشین گوئی سن کر آنکھ بھر آئی تھی۔ بابا مرحوم اسے کتنا بڑا درجہ دے گئے تھے۔ کوئی سکرات کے عالم میں ہو، دم نہ نکلتا ہو تو سینے پر اس کے ہاتھ رکھتے ہی موت آسان ہو سکتی تھی۔

اچانک اس نے تڑپ کر بزرگ کے سینے پر سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے اس کے چور خیالات پڑھے تو چند ساعتوں کے لیے گم صم رہ گیا۔ وہ میرے لیے رو رہی تھی۔ اس کا سر بزرگ کے سینے پر تھا لیکن وہ میرے آخری وقت کا ماتم کر رہی تھی۔

بابا صاحب نے پیشین گوئی کی تھی۔ ٹھیک وہی پیشین گوئی بزرگ حشمت بیگ کرنے لگے۔ ایک ہاتھ سے سونیا کو تھپکتے ہوئے کہا "مجھے تمھارے آنسوؤں کا پتا ہے۔ آخری وقت اس کے پاس رہو گی جس کے لیے رو رہی ہو۔"

وہ ذرا توقف سے بولے "ہاں بیٹی ٹھیک ہی سوچ رہی ہو۔ وہ بڑی اذیت اور کرب میں مبتلا ہو گا۔ جب تک تم سینے پر ہاتھ نہیں رکھو گی اس کی آخری سانس اٹکی رہے گی۔ تمھارے ایک ہاتھ میں محبت بھری کائنات ہے۔ یہ محبت کرنے والے ہاتھ مشکلیں آسان کرتے رہیں گے۔"

سونیا نے آنسو پونچھتے ہوئے ان کے سینے سے سر اٹھا لیا اور اپنا ہاتھ اسی طرح ان کی دھڑکنوں پر رکھا۔ بزرگ نے دونوں لاغر ہاتھوں سے اس کا سر تھام لیا پھر کہا "میری آنکھوں میں دیکھو۔ میری آنکھوں میں دیکھتی رہو۔"

وہ ساکت ہو گئی۔ ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھیں مقناطیس ہوں۔ وہ کھنچی جا رہی تھی۔ ان آنکھوں سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور اس کے دل اور دماغ میں جذب ہو رہی تھیں۔ جیسے علم سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوتا ہے اسی طرح وہ اندر سے روشن ہو رہی تھی۔

ادھر اس نے دل و دماغ کو روشن محسوس کیا، ادھر بزرگ بڑے آرام سے بجھ گئے۔ آخری بار کلمہ پڑھا۔ پھر ان کے ہاتھ سونیا کے سر سے ڈھلک گئے۔ انھوں نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں پھیر لیں۔

سونیا کا سر جھک گیا۔ اس نے سینے سے اپنے ہاتھ کو ہٹا کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ ظالموں کو موت کے گھاٹ اتارتے تھے۔ آج پتا چلا، وہ ہاتھ اپنوں کو بھی آخری سانسوں میں کرب و اذیت سے نجات دلا کر ابدی نیند سلا سکتے ہیں۔

وہ ہاتھ بڑے مہربان تھے، وہ ہاتھ بڑے ظالم تھے۔

اس نے کہا "فرہاد! جناب شیخ صاحب کو اطلاع دے دو، بزرگ حشمت بیگ رحلت فرما گئے ہیں۔"

میں نے شیخ صاحب کو اطلاع دے دی۔ سونیا کے پاس واپس آیا۔ وہ مرحوم پر ایک سفید چادر ڈال چکی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی حجرے سے باہر آگئی تھی۔ باہر بیٹھے ہوئے مرید اور عقیدت مند اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سونیا کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے جب وہ سونیا کو حجرے میں چھوڑ کر گئے تھے تو وہ کوئی اور تھی، اب جو سامنے نظر آرہی تھی، وہ کوئی اور لگ رہی تھی۔

اس کا چہرہ ایسا پاکیزہ اور اُجلا لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود کے اندر نور کا سیلاب ہو اور اس کے چہرے سے وہ نور چھلک رہا ہو۔ آنکھوں میں بے پناہ کشش تھی، جس کی جانب دیکھ رہی تھی، اس کی نظریں جھک رہی تھیں۔ اس نے بڑی ہی موثر آواز اور لہجے میں کہا "اے لوگو! ہر ذی روح کو ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ہمارے بزرگ نے اپنی جان اس خالقِ حقیقی کو سونپ دی، جس سے پائی تھی۔ اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ...."

وہ حجرے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ لوگ اندر جانے لگے۔ میں نے کہا "سونیا! میں جناب شیخ صاحب کو اطلاع دے کر آرہا ہوں۔ لیکن اس بار تم نے سانس نہیں روکی۔ تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں فرہاد ہوں۔ دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔"

وہ خلا میں تکتے ہوئے بولی "میں اپنے اندر عجیب توانائی اور پاکیزگی محسوس کر رہی ہوں۔ میں نے تمھاری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سمجھ گئی، تم ہو۔ اگر کوئی دشمن میرے دماغ میں آئے گا تو میں اسے بھی محسوس کروں گی اور سانس نہیں روکوں گی۔ کیوں کہ میرا دماغ اسے وہی سمجھائے گا جو میرا موجودہ روپ ہوا کرے گا۔"

وہ دور خلا میں تک رہی تھی اور بڑے اعتماد اور یقین سے کہہ رہی تھی "آج معلوم ہو رہا ہے، ہمارے بزرگانِ دین ہندوؤں کی طرح یوگا کی مشقیں کرتے ہوئے سانس نہیں روکتے تھے۔ بلکہ اپنے اندر پاکیزگی اور روحانی قوتیں پیدا کر لیتے تھے، وہ اپنے ایمان کی قوتوں سے اچھی یا بری، مثبت اور منفی سوچ کو دماغ میں محسوس کر لیتے تھے۔ جناب شیخ صاحب کا دماغ بھی دوستانہ اور مخالفانہ سوچ کی لہروں کو بخوبی دل میں محسوس کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے، میں بھی اپنے اندر روحانی قوتوں کو محسوس کر رہی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے اب کوڈ ورڈز کی ضرورت نہیں رہی۔ میں جب چاہوں آسکتا ہوں۔"

"ہاں اور میں جب چاہوں آنے سے روک سکتی ہوں۔ اب جاؤ۔ یہاں ماتمی ماحول میں رہ کر کیا کرو گے؟"

"جا رہا ہوں۔ اتنا بتا دو، استنبول میں رہو گی یا واپس جاؤ گی؟"

"کچھ عرصہ رہوں گی۔ مجھے نہ معلوم کیسے یہ آگہی مل رہی ہے کہ یہاں بہت کچھ ہونے والا ہے اور مجھے کچھ عرصہ رہنا چاہیے۔"

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ایسے ہی گزرتا جا رہا تھا جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ عمر یونہی تمام ہوتی ہے۔

ہمارا سفر جاری تھا۔ ٹرین تیز رفتاری سے فاصلے طے کرتی ہوئی صوبہ مدراس سے نکل کر صوبہ اڑیسہ میں داخل ہو گئی تھی۔ آدھی رات کے بعد اڑیسہ سے نکل کر صوبہ بنگال میں داخل ہونے والی تھی۔ ہم دن کو نیند پوری کر کے شام تک بیدار ہو گئے تھے۔ مزے سے کھا پی رہے تھے اور سفر کا لطف اٹھا رہے تھے۔ آئندہ کل تک کسی خطرے سے دوچار ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔

یہ تو حالات بتا رہے تھے کہ فی الحال خطرات ٹل گئے ہیں لیکن ناگہانی آفات کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ ناگہانی کا مطلب یہی ہے کہ

آدمی خوشیوں میں مگن رہے اور اچانک ہی کوئی مصیبت آکر دبوچ لے۔

میں نے کچھ دیر کے لیے خوشیوں کو بھول کر سنجیدگی سے ہر پہلو کا جائزہ لیا۔ ہوسکتا تھا اگلے کسی اسٹیشن پر جاسوس پھر آکر مجھ سے سوال جواب کرنے آتے۔ مگر یہ وقتی پریشانی ہوتی۔ وہ پہلے کی طرح مطمئن ہوکر چلے جاتے۔

میں روزانہ کے دماغ میں شاریہ کی باتیں سُن چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ دونوں بھائی اس بار فرہاد کو ہندوستان سے نکلنے نہیں دیں گے۔ ظاہر ہے، وہ میرا سراغ لگا رہے ہوں گے اور سراغ لگا چکے ہوں گے، تو میرے اطراف گھیرا تنگ کر رہے ہوں گے۔

ان کے سامنے مجھ تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ریڈ پاور کے خاص ماتحتوں کے دماغوں تک پہنچیں مثلاً وہ اگر کسی طرح دہلی کے باس رانا پرتاپ تک پہنچ جائیں تو اس کے دماغ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ میں مدراس میل سے کلکتہ جا رہا ہوں، وہاں سے طیارے کے ذریعے لکھنؤ پہنچوں گا۔

میں نے چپ چاپ رانا پرتاپ کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ میرے استقبال کے لیے کل صبح دہلی سے کلکتہ پہنچنے والا تھا۔ اب اگر شاریہ اور ہاریہ اس کے دماغ میں ہوں گے تو میرا سارا گیم سمجھ رہے ہوں گے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب تو غلطی ہوچکی تھی۔ میں سفر ملتوی کر کے جاسوس حضرات کو پیچھے نہیں لگا سکتا تھا۔ آئندہ کے لیے میں نے سوچ لیا، اپنا پروگرام کسی کو نہیں بتایا کروں گا، جو کرنا ہوگا خاموشی سے کر گزروں گا۔

ہم رات گیارہ بجے تک جاگتے رہے۔ پھر ایک ایک کر کے سونے لگے۔ پہلے بڑے میاں اور بڑی بی اوپر نیچے کی برتھ پر سو گئے۔ اب وہ میری ہدایت کے مطابق صبح تک غافل رہتے۔ پہلے ارادہ تھا کہ کچھ وقت شلپی کی قربت میں گزاروں گا پھر اندیشوں نے گھیر لیا۔ مجھے صبح ہونے اور کلکتے پہنچنے سے پہلے احتیاطی تدابیر سوچنا اور ان پر عمل کرنا تھا، ورنہ صحبت رنگین، صحبت سنگین ہوسکتی تھی۔

میں نے اس سے کہا۔ "تم بھی سو جاؤ۔ پتا نہیں آئندہ لمحات میں سونے کا موقع ملے یا نہ ملے۔"

وہ فوراً ہی گلے کا ہار بنتے ہوئے بولی۔ "میں آپ سے التجا کرتی ہوں، مجھے ٹیلی پیتھی کی نیند نہ سلانا۔ میں جاگنا چاہتی ہوں۔ آپ کی خدمت کرتے ہوئے آپ کو سلانا چاہتی ہوں۔ یہ میرے ارمان بھی ہیں اور فرائض بھی۔"

اس نے بڑی محبت سے التجا کی تھی۔ میں نے کمپارٹمنٹ کی تمام بتیاں بجھا دیں۔ گھپ اندھیرا ہو گیا۔ میں واپس برتھ پر آیا۔ اس تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ صرف ہم ایک دوسرے کو سجھائی دے رہے تھے۔

ہر شخص کی زندگی میں تاریکی آتی ہے، میرے پاس جو تاریکی آئی، وہ دودھ کے حوض میں نہا کر اپنے وجود کو صندل اور پسینے سے مہکا کر آئی تھی۔ مجھے ایک انوکھی اور جذباتی خوشبو سے متعارف کرا رہی تھی۔ کیا یہ کوئی سوچ سکتا ہے کہ موت بھی دودھ میں نہا کر صندل اور پسینے کی جذباتی خوشبو میں بس کر کسی کی شہ رگ تک پہنچ سکتی ہے۔

وہ میری شہ رگ تک پہنچنے والی تھی۔ اچانک اس کے تیور بدلنے لگے، وہ جماہی لیتے ہوئے بولی۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

تین بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے، اتنی رات کو نیند لازمی آتی ہے مگر ہم بُری طرح مدہوش تھے، ایسی مدہوشی میں — نیند ذرا مشکل سے آتی ہے۔ پھر اسے اچانک نیند کیسے آنے لگی؟

یہ بات عجیب سی تھی۔ پھر بھی میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں، حیات باقی، یار باقی تو محفلِ یاراں بھی باقی رہے گی۔ چلو آنکھیں بند کرو، میں سلا دیتا ہوں۔"

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ کمپارٹمنٹ میں بدستور گہری تاریکی تھی، ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے مگر ٹیلی پیتھی کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، مجھے پھر حیرانی ہوئی۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر خیال خوانی کے ذریعے سلانا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ نیند میں ڈوب رہی تھی۔ میں تعجب سے اس کے دماغ کو پڑھنے لگا۔

وہ گہری نیند میں تھی، اس کا خوابیدہ دماغ بہت آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "تین دن گزر چکے ہیں میرے عامل!"

میں چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ وہ کسی عامل کو مخاطب کر رہی تھی۔ "اے میرے عامل! تین دن گزر چکے ہیں۔ ابھی تیسری رات کا تیسرا پہر بھی گزر چکا ہے۔ میں آپ کے حکم کے مطابق تیسرے پہر کے بعد سو گئی ہوں۔"

یہ چکر میری سمجھ میں آ رہا تھا۔ میں اور وضاحت سے سمجھنا چاہتا تھا۔ ابھی اس کے جواب میں کسی عامل کی آواز سنائی دینے والی تھی۔ میں انتظار کرنے لگا۔ ایک منٹ، دو منٹ پھر پانچ منٹ اور پھر دس منٹ گزر گئے۔ اس کے دماغ میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ معمولہ کی حیثیت سے اپنے عامل کی منتظر تھی۔

آخر آواز سنائی دی۔ وہ آدمی کی آواز اور لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ شاریہ بول رہا ہوگا۔ "شلپی ملہوترہ! تمھارا عامل آگیا ہے۔ آنکھیں اسی طرح بند رکھو اور جواب دو۔ کیا میری آواز سُن رہی ہو؟"

میں شلپی کے دماغ میں بہت محتاط تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں آپ کی آواز سُن رہی ہوں۔"

"کیا تم میرا نام جانتی ہو؟"

"نہیں جانتی۔"

"کیا تم میرا کام جانتی ہو؟"

"جی ہاں، آپ کا کام میرا کام ہے۔"

"کام کی رپورٹ سناؤ۔"

وہ رپورٹ سنانے لگی۔ آج سے دو رات پہلے وہ مجھے مدراس میل کے کمپارٹمنٹ میں ملی تھی۔ تب سے اب تک کی تفصیل بتا رہی تھی۔ اس رپورٹ کے تسلسل میں وہ بتانا چاہتی تھی کہ کس طرح میں ایک لکھنؤ کی فیملی سے گٹھ جوڑ کر رہا ہوں۔ ایسے ہی وقت میں نے رپورٹ کے اس حصے کو بدل دیا۔ وہ بولتے بولتے چپ ہوگئی۔

شاریہ نے کہا۔ "بیان جاری رکھو۔ ابھی تم فرہاد کے ساتھ کہاں ہو، پوری تفصیل بتاؤ۔"

شلپی کی زبان میری مرضی کے مطابق چلنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں فرہاد کے ساتھ بمبئی میل میں سفر کر رہی ہوں۔ وہ سوچ رہا ہے، کل بمبئی پہنچ کر کسی بلیک پورٹ میں جائے گا۔ اس کے بعد کسی اسمگلر کی لانچ یا موٹر بوٹ پر قبضہ کر کے ہندوستانی سرحد سے نکل جائے گا۔ ریڈ پاور کا ایک ہیلی کاپٹر بیچ سمندر میں آ کر ہم دونوں کو وہاں سے اٹھا لے گا۔"

"شلپی، تمھیں حکم دیا گیا تھا کہ فرہاد کے ساتھ رہ کر ریڈ پاور کے تمام باس اور خاص ماتحتوں کے نام اور پتے معلوم کرو۔ بتاؤ تم نے کیا کیا؟"

وہ بولی۔ "بمبئی کا باس چندر بھان۔۔۔"

شاریہ نے بات کاٹ کر کہا۔ "ہم شروع سے چندر بھان کو جانتے ہیں۔ دوسرے باس کے متعلق بتاؤ۔"

شلپی نے کہا۔ "چندر بھان کی گرفتاری کے بعد اس کی ایک قائم مقام باس نیلم بھوانی ہے۔"

"کیا فرہاد کو اب نیلم بھوانی سہولتیں پہنچا رہی ہے؟"

شلپی پھر میری مرضی کے مطابق کہنے لگی۔ "ہاں۔ وہی فرہاد کے کام آ رہی ہے۔"

"تیسرے باس کا نام بتاؤ؟"

اگر اس کا دماغ میرے قابو میں نہ ہوتا تو وہ رانا پرتاپ کا نام اور پتا بتا دیتی۔ اس نے جواب دیا۔ "فرہاد نے ابھی تک کسی تیسرے باس سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر سوال کیا گیا۔ "ابھی رات کے تیسرے پہر کے بعد جب تم پر تنویمی عمل غالب آنے لگا تو اس سے پہلے تم کیا کر رہی تھیں؟ فرہاد کہاں تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "فرہاد مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی خدمت کرنے کے بہانے جاگتے رہنے کی ضد کی۔ وہ مان گیا۔ میں نے اسے بڑے پیار سے سلا دیا۔"

"وہ کتنی دیر سے سو رہا ہے؟"

"اس نے دو بجے آنکھ بند کی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹا گزر چکا ہے۔"

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ سونے کے بہانے آنکھیں بند کیے خیال خوانی کر رہا ہو؟"

"ہوسکتا ہے لیکن میں پچھلی دو راتوں سے دیکھ رہی ہوں، جب وہ گہری نیند میں ہوتا ہے تو وقفے وقفے سے خرّاٹے لیتا ہے۔ آپ کی تنویمی نیند غالب آنے سے پہلے میں اس کے خرّاٹے سنتی رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے، وہ سو رہا ہے۔"

"میں نے تنویمی نیند کے لیے تیسرے پہر کے بعد کا وقت مقرر کیا تھا۔ اب نیند کے سلسلے میں ایک بات کا اضافہ کرلو۔ تمھیں تیسرے پہر کے بعد جب تک فرہاد کے خرّاٹے سنائی نہیں دیں گے، تمھیں نیند نہیں آئے گی۔ نہ تم میرے دائرۂ عمل میں آؤ گی اور نہ ہی اپنے عامل کو پکارو گی۔"

"میں آئندہ وقت مقررہ پر فرہاد کے خرّاٹے سننے کے بعد سوؤں گی، جب آپ کے دائرۂ عمل میں آؤں گی تب آپ کو پکاروں گی۔"

"میں فرہاد کو بمبئی پہنچنے نہیں دوں گا۔ تم بوگی اور کمپارٹمنٹ کا نمبر بتاؤ۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نے بوگی کا نمبر نہیں پڑھا۔ ہم فرسٹ کلاس ریزرو کمپارٹمنٹ میں ہیں۔"

"اتنا ہی کافی ہے۔ اس بار وہ بچ نہیں سکے گا۔ اگر پھر بھی قسمت کا دھنی نکلا تو بحرِ ہند کے کسی بلیک پورٹ میں مارا جائے گا مگر اس کے بعد بھی بچتا رہا تو پروا نہیں ہے۔ ہم نے تمھاری جیسی خوبصورت بلا اس کے پیچھے لگا رکھی ہے، تم بہت محتاط رہو گی۔"

"میں محتاط رہوں گی۔"

"اب تم تنویمی نیند پوری کرو گی، ایک گھنٹے بعد جب آنکھ کھلے گی تو تم تنویمی عمل کو بھول جاؤ گی۔ اپنے عامل کے متعلق بھی نہیں سوچو گی۔"

اس نے شاریہ کی باتیں دُہرائیں، وہ بولا۔ "اب تم سو رہی ہو۔ گہری نیند سو رہی ہو۔ ایک گھنٹے بعد بیدار ہو جاؤ گی۔"

وہ خاموش ہوگئی، جیسے ایک گھنٹے کے لیے تنویمی نیند پوری کر رہی ہو لیکن میں نے اسے عامل کے دائرۂ عمل میں بیدار رکھا۔ دس منٹ تک اس کے اندر خاموش رہا۔ پھر اس کے دماغ سے نکل گیا۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ پہلے عامل کے دائرۂ عمل میں رہ کر اس کے دماغ سے مزید معلومات حاصل کرنا مناسب نہیں۔ میں نے اسے ایک گھنٹے کی تنویمی نیند پوری کرنے کے لیے سونے دیا۔

فی الحال جو باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں، وہ یہ تھیں کہ شلپی ریڈ پاور میں آنے سے پہلے شاریہ کے ذریعے ٹریپ کی گئی تھی۔ کیسے ٹریپ کی گئی تھی، یہ ابھی معلوم کرنے والا تھا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شارپر اور ہاریہ دہلی کے پاس رانا پرتاب کو نہیں جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں موجودہ منزل کا پتا ہے۔
جب شارپر اسرائیلی ایجنٹوں اور آلۂ کاروں کے ذریعے مجھے بمبئی میں تلاش کرے گا اور نہیں پائے گا تو اسے شلپی سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کے لیے آئندہ رات کے پچھلے پہر تک انتظار کرنا ہوگا۔
یہ تنویمی عمل کی ایک تکنیک ہے۔ ایک عامل ہپناٹائز کے ذریعے کسی کو معمول بنا کر یہ بات دماغ میں نقش کر دیتا ہے کہ تنویمی نیند کے بعد معمول ہپناٹزم کے عمل کو بھول جائے گا۔ اگر کوئی دوسرا عامل اسے معمول بنائے گا تب بھی وہ یہ نہیں بتائے گا کہ اس سے پہلے کسی عامل نے اس پر عمل کیا ہے اور اس کے ساتھ رابطے کا ایک خاص وقت مقرر کر چکا ہے۔
شارپر چاہتا تھا کہ اس کی آلۂ کار شلپی کا دماغ میرے لیے کھلی کتاب بنے۔ مجھ سے اس کی اصلیت چھپانے کے لیے اسے تنویمی عمل کے ذریعے حکم دیا گیا کہ وہ شارپر کو اور اس کے تمام ارادوں کو بھول جائے۔ وہ صرف مجھ سے محبت کرنے والی وفادار ساتھی بن کر رہے۔ میرے دشمن کو یقین تھا کہ میں دو تین دن میں گرفتار ہو جاؤں گا یا اس کے ہاتھوں مارا جاؤں گا اور اگر ہمیشہ کی طرح بچ نکلوں گا تو تیسری رات کے پچھلے پہر شلپی کا دماغ پھر اپنے عامل شارپر کے لیے کھل جائے گا۔ وہ پچھلے تنویمی عمل کے دائرے میں آکر شارپر کے احکامات کی تعمیل کرے گی اور اسے بتائے گی کہ فرہاد کہاں ہے، آئندہ کہاں جانے کا پروگرام ہے اور وہ کیا ارادے رکھتا ہے؟
ایک گھنٹا گزر گیا۔ وہ نیند سے بیداری کی طرف آنے لگی۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کمپارٹمنٹ میں گہری تاریکی تھی۔ اس کے باوجود مجھے محسوس کر لیا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا "کیا نیند پوری ہو گئی؟"
وہ اُٹھ کر مجھ سے لگ گئی کہنے لگی "کیا میں سو گئی تھی؟ ابھی تو ہم اس تاریکی میں تھے اب بھی ہیں مگر ایسا لگتا ہے جیسے بیچ کے لمحات کہیں گم ہو گئے ہیں۔ کیا تم کوئی عمل کر رہے تھے؟"
"میں نے تو نہیں کیا۔ البتہ کوئی تمھیں ٹریپ کر چکا ہے۔"
وہ پریشان ہو کر بولی "آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا کوئی مجھے آپ سے جدا کر رہا ہے؟"
"اس نے مجھے پھانسنے کے لیے تمھیں میرے پاس بھیجا ہے۔"
"نہیں" اس نے مجھے سختی سے جکڑ لیا پھر کہا "نہیں۔ میں آپ کے خلاف دشمن کی آلۂ کار بننے سے پہلے مر جاؤں گی۔"
"کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتی ہو جو ہپناٹائز کرتا ہو؟"
"میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتی۔"
"اس عامل نے تمھارے دماغ سے اپنا نام اور کام مٹا دیا ہے۔ تم اس کے تنویمی عمل کے مطابق مخصوص وقت میں سو جاتی ہو، پھر وہ تمھیں یاد آجاتا ہے، بلکہ تمھارے دماغ میں بھی آجاتا ہے۔"
وہ پریشان ہو رہی تھی۔ ان باتوں کا یقین نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میری بات کو جھوٹ یا غلط نہیں کہہ سکتی تھی۔ میں نے کہا "تم ذرا دیر کے لیے آرام سے لیٹ جاؤ۔ باتیں نہ کرو، میں تمھارے دماغ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ لیٹ گئی۔ میں اس کے دماغ کے تہ خانے میں اُتر کر اسے پڑھتا رہا۔ اس بے چاری نے اپنے چور خیالات بھی مجھ سے نہیں چھپائے، اپنے دماغ کو پوری طرح میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے لاشعور اور تحت الشعور میں شارپر کا تنویمی عمل یاد نہیں تھا۔
مجھے اسی وقت شلپی کے دماغ کو اپنی گرفت میں رکھنا تھا جب وہ شارپر کے دائرہ عمل میں تھی۔ اس عمل سے نکلنے کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ آئندہ رات کے تیسرے پہر اس دائرہ عمل میں داخل ہو کر اپنے عامل کی آواز سنے گی۔ اگر اس وقت میں نے اسے اپنی گرفت میں رکھا تو وہ تفصیل سے بتا سکے گی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے اور کن حالات میں اس پر تنویمی عمل کیا گیا ہے؟
میں نے کہا "شلپی اُٹھ جاؤ۔ دشمن نے اپنے علم سے تمھاری مخصوص یادداشت کو مخصوص وقت کے لیے مٹا دیا ہے۔ کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تمھارا نام شلپی طوترہ ہے؟"
"جب سے پیدا ہوئی ہوں تب سے میرا یہی نام ہے۔ میرے ماں باپ اور بھائی بہن بمبئی میں ہیں۔ انھیں مدراس بلاتے والی تھی، اچھا ہوا جو نہیں بلایا۔ ورنہ میرے گھر والے بھی فوجیوں کی نظروں میں آجاتے۔"
میں نے چندر بھان کے دماغ میں چپکے سے جا کر کچھ معلومات حاصل کیں، پھر واپس آکر کہا "چندر بھان میرے لیے حسین ترین لڑکیوں کو بڑی بڑی آفر دے کر ملازم رکھنا چاہتا تھا۔ یہاں اس نے دس نہایت خوب صورت لڑکیوں کا انتخاب کیا تھا جن میں تمھارا نمبر پہلا تھا۔ چندر بھان کو ایک غنڈے نے تمھارا پتا بتایا تھا۔ بھان کے دستِ راست نے قادر خان کی بیگم منور کا رول ادا کرنے کے لیے تمھارا انتخاب کیا۔"
شلپی نے پوچھا "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"
"یہی کہ جس غنڈے نے چندر بھان کے دستِ راست کو تمھارا پتا بتایا وہ غنڈہ دراصل شارپر کا آدمی تھا، اس طرح شارپر نے ریڈ پادر کے ذریعے تمھیں میرے پاس پہنچا دیا۔"
"لیکن شارپر سے میرا کیا تعلق ہے۔ میں نے اس نام کے کسی آدمی کو دیکھا تک نہیں۔"
"اسے تو میں ایک دن دیکھ لوں گا۔ یہاں ہندوستان میں اسرائیلی مقامی ایجنٹ شرما ہے، یہ لوگ شارپر کے لیے کام کر رہے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق تم ان کام کرنے والوں کی ٹیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ ٹھہرو، ذرا شرما کو کھنگال کر دیکھتا ہوں۔"
میں اُس کے دماغ میں پہنچا۔ وہ شلپی کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ اُس کی سوچ نے بتایا، اسرائیلی ایجنٹوں میں فاسٹی اور گارسن نامی دو خطرناک فائٹر ہیں۔ وہ دونوں ایسی اہم باتیں جانتے ہیں، جنھیں فرہاد بھی اُن کے دماغ سے نہیں اُگلوا سکتا کیونکہ وہ یوگا کے ماہر ہیں۔
میں نے شرما کو مجبور کیا، وہ ٹیلی فون کے ذریعے گارسن کو مخاطب کرنے لگا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی پھر گارسن کی نشے میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی "کون اُلو کا پٹھا میری نیند خراب کر رہا ہے؟ میں گولی مار دوں گا۔"
یہ کہتے ہی اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسرے لفظوں میں، میں نے رکھوا دیا۔ بے شک وہ یوگا کا ماہر تھا، دیر تک سانس روک لیتا تھا مگر مدہوشی میں یہ کمال ممکن نہیں ہے۔ شراب نے اُسے پچھاڑ دیا تھا اور میں اُس کے دماغ پر چڑھ بیٹھا تھا۔
اب وہ اُگل رہا تھا "ہندوستان کی اسرائیلی تنظیم میں ایک ایسا شعبہ ہے، جہاں حسین، نوجوان اور کنواری لڑکیوں کو حسن و شباب کے جال پھینکنے کے گُر سکھائے جاتے ہیں۔ شلپی اسی شعبے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان لڑکیوں کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا، یہ جتنی مکھن کی ٹکیاں تھیں فرہاد کے لیے رکھی گئی تھیں۔
کسی عامل نے شلپی کے پاس آکر ہپناٹائز نہیں کیا تھا۔ شرابی گارسن کے دماغ نے بتایا۔ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والے نے خیال خوانی کے ذریعے اسے معمول بنا دیا تھا اور اُس کے دماغ سے یہ بات مٹا دی تھی کہ وہ کبھی اسرائیلی تنظیم کے کسی شعبے میں رہ چکی ہے۔
یہ بات میں نے شلپی کو بتائی۔ اُس نے میرے سینے میں منہ چھپا لیا۔ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی ـــ "اگر میں اسرائیلی تنظیم سے تعلق رکھتی ہوں تو مجھے مر جانا چاہیے۔ میں کسی عامل کے زیرِ اثر رہ کر آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ خدا کے لیے مجھے ابھی اُن کے سحر سے نکالیے۔"
"ابھی ممکن نہیں ہے۔"
وہ یک بیک اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں کہا۔ اُس کے اندر ایک ہی بات گونج رہی تھی "اپنے مرد کی سلامتی چاہتی ہے تو ختم ہو جا۔ نہ تو رہے گی نہ دشمن فرہاد تک پہنچ سکیں گے۔ ختم کر دے، اپنے آپ کو ختم کر دے۔"
اُس نے ہونٹوں کو سختی سے بند کر لیا تھا۔ منہ سے کچھ بول کر اپنا ارادہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ تاریکی میں ٹٹولتی ہوئی دروازے تک پہنچی پھر ایک جھٹکے سے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر اُسے کھول دیا۔ تیز ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ ٹرین طوفانی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ وہ ایک ہی چھلانگ میں اپنی ہستی مٹانا چاہتی تھی لیکن میری مرضی کے بغیر ایسا نہ کر سکی۔
میں نے پیچھے سے آکر اُس کے بازو کو پکڑ لیا "یہ کیا پاگل پن ہے؟ کیا تمھارے مر جانے سے دشمنی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مجھے پھانسنے کے لیے درجنوں لڑکیاں ریزرو رکھی گئی ہیں۔ تمھارے بعد کوئی دوسرے روپ میں آئے گی، میں اُسے بھی پہچان نہ سکوں گا، میں پھر دھوکا کھا سکتا ہوں۔"
"میرے بعد آپ کسی لڑکی کو پاس نہ آنے دیں۔"
"تم رہو گی تو کسی کو پاس نہیں آنے دوں گا۔ تم میرے سامنے آئینے کی طرح صاف ہو، انشاء اللہ کل رات تمھیں تنویمی عمل کے اثر سے نکال دوں گا۔"
میں نے اُسے کھینچ کر دروازے کو بند کر دیا۔ وہ گرتے گرتے میرے بازوؤں میں سنبھل گئی۔ ٹرین کھٹ کھٹا کھٹ کی آواز کے ساتھ پٹریاں بدل رہی تھی۔ بڑی بی اور بڑے میاں گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ ہمارے مقدر میں نیند نہیں تھی ـــ
اُس نے کہا "اب آپ سو جائیں۔"
"آؤ پہلے تمھیں سلا دوں۔"
"ابھی نہیں، پہلے میں پاؤں دباؤں گی پھر سو جاؤں گی۔"
میں اُوپر برتھ پر آکر لیٹ گیا۔ وہ نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھ میرے پاؤں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ پاؤں دابنے لگی۔ میں سوچ رہا تھا، جب تک وہ خدمت کر رہی ہے، تب تک سونیا کے پاس سے ہو آؤں۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی مگر واپس آگیا۔ مجھے تیز ہوا کے جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔ میں نے ہڑبڑا کر اُٹھتے ہوئے پوچھا "شلپی! یہ دروازہ کیسے کھل گیا؟"
ٹرین کی کھٹا کھٹ گونج رہی تھی۔ شلپی کا جواب سنائی نہیں دیا۔ میں اُوپری برتھ سے کود کر نیچے آیا "شلپی، تم خاموش کیوں ہو، شلپی؟"
میں نے دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے سوئچ کو آن کیا۔ کمپارٹمنٹ روشن ہو گیا۔ کھلا ہوا دروازہ آگے پیچھے ہل رہا تھا۔ کمپارٹمنٹ میں ہر چیز اپنی جگہ تھی، شلپی نہیں تھی۔
میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اتنا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ خیال خوانی کروں اور اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں۔ اگر اس کا دماغ نہ ملا تو؟
میں ڈگمگاتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ باہر صبح ہونے والی تھی مگر کچھ اندھیرا باقی تھا۔ مجھے دائیں بائیں دُور تک کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے دل برداشتہ ہو کر دروازے کو بند کیا پھر تڑپ کر خیال خوانی کے ذریعے پکارا "شلپی!"

حسرتوں کے کھنڈرات میں دُور تک آواز گونج گئی "شبلی، شبلی، شبلی۔۔۔!"

میرے لیے دودھ کے حوض میں نہانے والی، اُبٹن اور صندل سے مہکنے والی، اپنے حسن و شباب کو نئے اور انوکھے انداز میں پیش کرنے والی آج محبت اور وفا کی انتہا کر گئی تھی۔

اُسے یقین نہیں تھا کہ میں اسے عامل کے سحر سے نکال سکوں گا۔ اُسے ڈر تھا کہ زندہ رہنے سے میرے فرہاد کو نقصان پہنچے گا لہٰذا اُس نے مجھے دل دیا، محبت کی، اب جان دے دی۔

محبت کے ایک پل کو سو برس کی عمر دینے والی نے مجھے تمام عمر کے لیے اپنی وفاؤں اور یادوں میں جکڑ لیا۔

میں نڈھال سا ہو کر رتھ پر بیٹھ گیا۔ یوں لگ رہا تھا، اب مجھ میں اُٹھنے کی سکت بھی نہیں ہے۔ میرا دل دھڑکنا بھول گیا ہے اور دماغ نے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ میں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ دن اچھی طرح نکل آیا تھا۔ بڑے میاں اور بڑی بی کو اس واردات کا علم ہونا تھا۔ میں نے اُن کے دماغ کو ہدایات دیں، وہ بیدار ہو گئے۔

میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ اُنھوں نے اُوپر نیچے رتھ کو دیکھ کر پوچھا "کیا ہماری بہو باتھ روم میں ہے؟"

میں نے ۔ ۔ میں سر ہلایا پھر کہا "وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے، ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"

بڑے میاں نے حیرانی سے پوچھا "کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے کہا "آپ میرے متعلق نہیں جانتے۔ میں تفصیل بتا نہیں سکتا۔ آپ سے گزارش ہے، مجھ سے زیادہ سوالات نہ کریں، بس اتنا سمجھ لیں، وہ میری سلامتی کی خاطر مجھے چھوڑ گئی ہے۔"

دونوں میاں بیوی پریشان تھے۔ بڑی بی نے کہا "ہم نے تم پر بھروسا کیا ہے۔ کیا تم کسی ایسے ویسے معاملے میں ہمیں پھانسنا چاہتے ہو؟"

"میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں نے زبان دی ہے، آپ کو دس لاکھ روپے ملیں گے۔ میں کلکتے پہنچتے ہی اس کا انتظام کر دوں گا۔"

بڑے میاں نے کہا "میاں، ہم تو پھنسے ہوئے ہیں، منہ بولی بہو کی گمشدگی کا ذکر کسی سے کریں گے تو قانونی چکروں میں پڑ جائیں گے۔ تم ہمیں اتنی بڑی رقم دو گے یا نہیں؟ یہ خدا بہتر جانتا ہے، تم پر بھروسا کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

اُنھوں نے مجبوراً زبان بند رکھی۔ کلکتے کے ہوڑہ ریلوے اسٹیشن پر رانا پرتاپ میرا منتظر تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے پہچانا، اُس نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ میں نے کہا "میں اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کر رہا ہوں۔ آپ ان بزرگ کو ایک آدھ لاکھ یہاں ادا کر دیں، باقی لکھنؤ میں دیجیے گا۔"

رانا پرتاپ نے کہا "ایئرپورٹ پہنچنے تک ایک لاکھ ادا کر دوں گا، لکھنؤ میں میرا آدمی ان کی حویلی کا سودا کر رہا ہے۔"

میں نے کہا "اب مجھے ان معاملات سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں ان بزرگ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے آدمی میری طرف سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، اس کا شکریہ۔ اب میں دہلی جانا چاہتا ہوں۔"

ہم نے ایک بڑے ہوٹل میں قیام کیا۔ بڑی بی اور بڑے میاں کو رانا پرتاپ کے آدمی ایئرپورٹ لے گئے۔ اُن کی تسلی کے لیے ایک لاکھ ادا کر دیے۔ رانا پرتاپ نے کہا "یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ میرے شہر چل رہے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میک اپ میں تبدیلی کر لیں۔۔۔ بائی دی وے آپ کی ساتھی کہاں ہے؟"

"مسٹر رانا! میں آپ سے درخواست کروں گا۔ آپ اس کے متعلق کوئی سوال نہ کریں۔"

اُس نے پھر کبھی شبلی کے متعلق نہیں پوچھا۔ دہلی پہنچ کر میں نے کہا "آپ شبلی کے والدین اور بھائی بہن کے متعلق معلوم کریں، وہ لوگ کہاں ہیں۔ اور کس حال میں ہیں؟ اگر کسی مصیبت میں ہوں اور محتاج ہوں تو اُن کی زندگی گزارنے کے معقول انتظامات کر دیجیے۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ میں ہیروں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پچھلے روز وہ ہیرے اجنتا سے مدراس پہنچائے گئے تھے۔ پولیس نے اُنھیں سرکاری خزانے تک پہنچانے کے لیے بڑے سخت حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ اس کے باوجود زبردست ڈاکا پڑا۔ آج دیس کے تمام اخبارات پولیس کی نااہلی اور بدانتظامی پر چیخ رہے ہیں۔ ایک طرف آپ کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف شہر اور قصبوں کے چوروں، بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کا محاسبہ کیا جا رہا ہے۔"

میں نے پوچھا "اس ڈاکے کے متعلق سرکاری اور اخباری رائے کیا ہے؟"

"رائے آپ کے خلاف ہے۔ وہ یقین سے کہتے ہیں کہ ایسی منظم ڈکیتی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔"

"دوسرے بھی ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔"

"جی ہاں جانتے ہیں لیکن وہ اسرائیل اور بھارت کے دوست ہیں۔ وہ کسی ثبوت کے بغیر دوست پر شبہ کر کے اُسے دشمن نہیں بنائیں گے۔ ساری تان آپ پر توڑ رہے ہیں۔"

"مسٹر رانا! میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے دونوں بھائی ریڈ پاور کے تمام باس اور خاص ماتحتوں کے نام اور پتے معلوم کر رہے ہیں۔ آپ فی الحال محفوظ ہیں۔ کوشش کیجیے، وہ یہاں تک نہ پہنچ سکیں۔"

"میں ریزرو رہنے کی بہت کوشش کرتا ہوں، ویسے کاروباری آدمی ہوں، بعض اوقات اجنبی لوگوں سے بھی ملنا پڑتا ہے۔ میرا خیال

میں ایک ہفتے کے لیے تمام مصروفیات چھوڑ کر روپوش ہو جاؤں، اور ضروری کام ٹیلی فون اور ٹرانسیٹر کے ذریعے کرتا رہوں۔"

"یہی مناسب رہے گا۔"

"میں نے سنا ہے آپ وہ ہیرے مال نیلما ابھی تک پہنچانا چاہتے ہیں لیکن ڈکیتی کے بعد انھیں پتا نہیں کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟"

میں نے کہا "مدراس میں شرما نام کا آدمی اسرائیلی ایجنٹ ہے۔ اسرائیل سے آنے والی ایک جرائم پیشہ ٹیم کی میزبانی کر رہا ہے۔ اس ٹیم کو خیال خوانی کے ذریعے روزانہ گائیڈ کرتی تھی۔ اب اس کا بھائی ہارپر گائیڈ کر رہا ہے۔ اس ٹیم میں فانٹی اور گارسن نامی دو یوگا کے ماہر ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ مال کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟"

"کیا میں اُن دونوں کی نگرانی کراؤں؟"

"نگرانی ہوتی رہے تو بہتر ہے۔ رات کو گارسن شراب پیے گا تو میں بہت سی معلومات حاصل کر لوں گا۔"

میں نے ماں جی کو مخاطب کیا۔ وہ بہت مایوس تھیں۔ مجھے دماغ میں محسوس کرتے ہی دُعائیں دینے لگیں۔ میں نے پوچھا "آپ وہ ہیرے اسی ملک میں چاہتی ہیں یا کسی دوسرے ملک میں؟"

اُنھوں نے خوش ہو کر پوچھا "کیا وہ ہیرے تمہارے ہاتھ لگ گئے ہیں؟"

"لگ جائیں گے۔ آپ بتائیں، انھیں کہاں چاہتی ہیں؟"

"بیٹے! یہاں تو بات پھیل گئی ہے۔ پولیس اور انٹیلی جنس والے مجھے ہمیشہ شبہے کی نظروں سے دیکھیں گے۔ میں شکاگو واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"آپ اطمینان سے جائیں، انشاء اللہ آپ کے پہنچنے تک ہیرے بھی پہنچ جائیں گے۔"

"سوامی جی بہت خوش ہیں مگر اُنھوں نے اب تک آنند کو بیٹا تسلیم نہیں کیا ہے۔"

"آپ پنچایت کے ذریعے انھیں مجبور کریں، وہ اس لیے خوش ہیں کہ اُن کے ٹیلی پیتھی جاننے والے وہ ہیرے لے اُڑے ہیں۔"

"میں آنند کے معاملے میں اُن سے منت کر رہی ہوں۔"

میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر کہا "مسٹر رانا! میں وہ ہیرے ہندوستان کے باہر اُن سے وصول کر لوں گا، آپ اس معاملے میں وقت ضائع نہ کریں۔"

میں دوسرے دن شملہ چلا گیا۔ میری زندگی میں ایسی بہت کم ہستیاں تھیں جن کی موت سے مجھے بے حد صدمہ پہنچتا رہا۔ اُن میں رومانہ اور منجالی ایسی ہیں، جو یاد آ کر آج بھی مجھے تڑپاتی ہیں۔ شبلی میری زندگی میں عجیب انداز سے آئی۔ مجھے انتہائی رومانی انداز میں مسرتوں سے مالا مال کیا، پھر میری سلامتی کے لیے اچانک ہی خود کو مٹا دیا۔ میں شاید اسے کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔

میں ایک ہفتے تک شملہ میں رہا۔ اس پُرفضا مقام پر دلی سکون حاصل ہو رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے ساری دُنیا سے ناتا توڑ لیا۔ اور خیال خوانی نہ کرنے پر خود کو مجبور کرتا رہا کیونکہ خیال خوانی سے ہی نت نئی پریشانیاں اور مصیبتیں آتی رہتی تھیں۔

اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ میں نے ایک ہفتے میں صرف اتنی دیر ٹیلی پیتھی سے کام لیا جتنی دیر تک وہ ہیرے شکاگو میں ماں جی کے پاس پہنچے، اس کے بعد طویل خاموشی اختیار کر لی۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ میں نے وہ ہیرے کس طرح دُشمنوں سے چھین کر ماں جی تک پہنچائے۔ میری داستان میں ان ہیروں کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ ان کے بہانے دُشمن مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے اور دُنیا کی خطرناک تنظیمیں ان ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائی بہنوں کو تلاش کرتی رہیں۔

اب تو سارا کھیل اُس ٹرانسفارمر مشین کا تھا۔ اُسے حاصل کرنے کے لیے دُنیا کی ہر بڑی اور شیطانی طاقت زور لگا رہی تھی اور ابھی اس کے لیے بڑے بڑے ہنگامے جنم لینے والے تھے، شاید اسی مقصد کی خاطر سونیا استنبول میں رہ گئی تھی۔

ایک ہفتے بعد پہلی بار خیال خوانی کی اور سونیا کو مخاطب کیا۔ اُسے بھی بزرگ مرحوم کے حجرے میں قلبی سکون حاصل ہو رہا تھا۔ وہ جرائم سے بھری ہوئی دُنیا سے دُور پُرسکون دن گزار رہی تھی۔ میرے مخاطب کرنے پر اُس نے کہا "جناب شیخ صاحب ایک دن کے لیے استنبول آئے تھے، کہہ رہے تھے تم نے بھی گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ ماسک مین نے انھیں بتایا تھا کہ کم از کم ایک ہفتے تک کسی سے رابطہ نہیں رکھو گے۔"

"ہاں، اس بار میں نے سختی سے اپنے فیصلے پر عمل کیا۔ خیال خوانی کے ذریعے کسی کی خیریت بھی معلوم نہیں کی۔ اس تعطل کے بعد پہلے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"بہت اچھے موقع پر آئے ہو۔ یہاں میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا ہے، جو وادیٔ قاف میں رسونتی کی خاص ملازمہ تھی اور پارس کو گود میں کھلایا کرتی تھی۔"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے پوچھا "کہاں ہے وہ عورت؟"

وہ عورت ایک بچے کو گود میں لیے حجرے کے باہر دوسری عورتوں اور مردوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ تمام عقیدت مند اپنے مختلف امراض کے سلسلے میں بزرگ سے دوائیں اور دُعائیں لینے آتے تھے۔ بزرگ نہیں رہے مگر جو تیار شدہ دوائیں چھوڑ گئے تھے، اور جن کے متعلق ہدایات لکھ گئے تھے، سونیا اُنھیں ضرورت مندوں میں تقسیم کرتی رہتی تھی۔

اس وقت بہت سے لوگ جا چکے تھے۔ دو چار عورتیں رہ گئی تھیں۔ سونیا نے کہا "میں جان بوجھ کر اس عورت کو آخر میں

بلاؤں گی۔ اُس کی ضرورت پوری کرنے کے بعد اس کا تعاقب کروں گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ آخری عورت حجرے میں آئی۔ سونیا کو سلام کرنے کے بعد ترکی زبان میں کہا۔ "میرا بچہ کل سے سُست ہے، اچھی طرح کھاتا پیتا نہیں ہے، اسے بھوک لگنے کی دعا دیجیے۔ آپ پر بزرگ مہربان کا سایہ ہے، اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔"

میں سونیا کے ذریعے سمجھ رہا تھا۔ بچہ بہت ہی خوبرو اور پُرکشش تھا۔ ہو سکتا ہے اتنی کشش نہ ہو مگر ہم پارس کے رشتے سے ایسا محسوس کر رہے تھے۔ سونیا نے پوچھا۔ "اس کا نام کیا ہے؟"

"بابر۔"

"عمر کیا ہے؟"

"پانچ برس۔"

میں نے کہا۔ "سونیا! یہ ہمارے بیٹے کا ہم عمر ہے۔ ہو سکتا ہے، پارس ہو، اس کا نام بدل دیا گیا ہو۔"

سونیا نے اُس عورت سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"حاشیہ بیگم۔"

"حاشیہ! رُوحانی علاج کے لیے بچے کا اصلی اور پیدائشی نام بتانا ضروری ہے۔"

وہ ہچکچانے لگی۔ سونیا نے پوچھا۔ "کہاں کی رہنے والی ہو؟"

"آ... آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"اگر اعتراض ہو تو نہیں پوچھوں گی۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "میں یہ جرأت نہیں کر سکتی۔ آپ پر بزرگ مہربان کا سایہ ہے۔ میں وادیٔ قاف میں رہا کرتی تھی مگر دشمنوں نے اس وادی کو بُری طرح تباہ کر دیا۔ میں اپنے بچے کے ساتھ جان بچا کر یہاں آگئی۔ میرا شوہر مارا گیا۔ پچھلے سال میں نے دوسری شادی کر لی۔"

"تم کہاں رہتی ہو؟"

اُس نے بتایا کہ وہ ابا صوفیہ کے علاقے میں رہتی ہے۔ سونیا نے پوچھا۔ "کیا تم نے مجھے وادیٔ قاف میں کبھی نہیں دیکھا؟"

حاشیہ نے پریشان ہو کر دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولی۔ "میں بہت دیر سے آپ کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ مادام سونیا سے مشابہت رکھتی ہیں۔"

"اگر میں کہوں کہ وہی ہوں تو؟"

"بزرگ کی جان! آپ وہ نہیں ہو سکتیں۔ مادام سونیا کے چہرے پر عمر اور تجربات کی سختی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک فولاد تھیں۔ آپ تو بہت معصوم اور کم سن ہیں۔ آپ کے چہرے پر نور ہے۔ آنکھوں میں ایسی چمک ہے کہ آنکھیں نہیں ملائی جاتیں۔"

میں نے پوچھا۔ "سونیا! یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟"

وہ بولی۔ "سب یہی کہتے ہیں۔ آئینہ بھی کہتا ہے۔ میں حیران ہوں، بہت کم سن لگتی ہوں۔ چہرے پر ایسی ملائمیت اور تازگی ہے جیسے ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی ہوں۔ البتہ آنکھوں میں غیر معمولی چمک ہے۔ میں دس برس پہلے کی سونیا دکھائی دیتی ہوں۔"

حاشیہ نے کہا۔ "بزرگ کی جان! مجھے دوا دیجیے۔"

سونیا نے کہا۔ "کیسے دوں، تم نے بچے کا اصلی نام نہیں بتایا ہے۔"

"بابر اس کا پیدائشی نام ہے۔"

سونیا نے اُسے دوا دیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے سچ کہا ہے تو دوا اثر کرے گی، ورنہ یہ تم سے جُدا ہو جائے گا۔"

حاشیہ نے بچے کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ "خدا کے لیے آپ بد دعا نہ دیں۔"

"سچ کے لیے میری دعائیں ہیں، جھوٹ کا حساب خدا کرے گا۔"

وہ بچے کو سنبھالتی ہوئی جلدی سے اُٹھ گئی۔ سلام کر کے باہر چلی گئی۔ سونیا نے ایک مرید سے انگریزی میں کہا۔ "حاشیہ کا تعاقب کرو۔ میں بھی آ رہی ہوں۔"

وہ اُٹھ کر سر جھکاتے ہوئے بولا۔ "بزرگ کی جان! میں ابھی جاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "تم نے مرید کا لہجہ سُن لیا؟"

"ہاں، میں اس کے دماغ میں رہوں گا، تمہیں کتنی دیر لگے گی؟"

"لباس اور حلیہ بدل کر آ رہی ہوں۔"

میں مرید کے پاس پہنچ گیا۔ وہ حاشیہ کا تعاقب کر رہا تھا۔ بزرگ مرحوم خاصے دولت مند تھے۔ یہ دولت محتاجوں اور مریضوں پر صرف کرتے تھے۔ ان کی فیکٹری میں کئی گاڑیاں تھیں، جنھیں ان کے مرید بھی استعمال کرتے تھے۔ وہ مرید ایک چھوٹی سی گاڑی میں حاشیہ کا تعاقب کرتے ہوئے جو سوچ رہا تھا، اُس کے مطابق میں سونیا کو بتاتا جا رہا تھا کہ حاشیہ کن راستوں اور علاقوں سے گزر رہی ہے۔ سونیا نے کہا۔ "یہ راستے ابا صوفیہ کی طرف نہیں جاتے ہیں۔ حاشیہ جھوٹ بول کر گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "تم نے پارس کو ڈیڑھ دو برس کی عمر تک دیکھا ہے۔ کیا وہ بچہ ہمارے بیٹے سے مشابہت رکھتا ہے؟"

"کسی حد تک مشابہت ہے۔ ننھے بچے تین برس میں خاصے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ بچہ جس کا نام بابر بتایا گیا ہے، ہمارے پارس کی طرح صحت مند نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے اس عرصے میں اس کی صحت خراب ہو گئی ہو۔"

"تندرست بچہ بیمار ہو، لاغر ہو جائے تو صورت خاصی بدل جاتی ہے۔"

اتنی دیر میں سونیا ترکی دوشیزاؤں کا روایتی لباس پہن کر حجرے سے نکل آئی تھی۔ بزرگ مرحوم کی ایک گاڑی میں بیٹھ کر میری راہنمائی میں حاشیہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حاشیہ نے گرانڈ بازار تک آ کر ٹیکسی چھوڑ دی۔ یہ استنبول کا سب سے بڑا بازار ہے۔ عمارتی چھت اور چار دیواری نے اس بازار کو چاروں رف سے ڈھانپ رکھا ہے۔ یہ باہر سے عمارت اور اندر سے بہت بڑا شاپنگ یٹر ہے۔ اس میں پیچ در پیچ راہداریاں ہیں۔ حاشیہ اسی لیے یہاں آئی تھی کہ رکوئی تعاقب کر رہا ہو تو وہ پیچیدہ راہداریوں میں اُلجھ کر رہ جائے۔

ایک مرید نے دوسرے مرید سے کہا۔ "یہاں گاڑی میں بیٹھ کر یکھتے رہو۔ اگر حاشیہ اسی راستے سے واپس جائے تو میرا انتظار نہ کرنا، س کا تعاقب کرنا۔"

دوسرے مرید نے یہی کرنے کا وعدہ کیا۔ میں اس کے لب و لہجے وجھنے کے بعد سونیا سے بولا۔ "وہ گرانڈ بازار میں داخل ہو گئی ہے۔ ایک رید بازار کے اندر اس کے پیچھے ہے، دوسرا گاڑی میں بیٹھا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "میں اس عمارت کے دوسرے صدر دروازے ر رہوں گی، تم مرید کے ذریعے حاشیہ پر نظر رکھو۔"

وہ مرید ایک جگہ رُک گیا تھا۔ حاشیہ دُور ایک دکان میں گئی تی اور وہاں فون پر کسی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اُس کی ان حرکتوں سے یہی ابت ہو رہا تھا کہ اس کی گود میں ہمارا پارس ہے۔

ہمارے پاس دو ہی راستے تھے کہ ٹھوس ثبوت پیش کر کے اُسے پارس ثابت کریں اور اُس سے اپنا بچہ لے لیں۔ یہ ثبوت خیال خوانی کے ذریعے ہی مل جاتا تو میں اسے حاشیہ سے چھین لیتا۔ فی الحال ہم دن دہاڑے کسی سے زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ بس اس کے پارس ثابت ہونے کی دیر تھی۔

وہ فون کرنے کے بعد پھر بچے کو سنبھالتے ہوئے دکان سے نکلی۔ اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھا پھر تیزی سے ایک طرف جانے لگی۔ بازار میں بڑی بھیڑ تھی۔ وہ کہیں بھی گم ہو سکتی تھی۔ مرید بڑی مستعدی سے پیچھا کر رہا تھا۔ میں نے دماغ میں رہ کر کچھ زیادہ ہی مستعد بنا دیا تھا۔

آخر کار وہ ہانپتی کانپتی دوسرے صدر دروازے سے باہر آئی۔ ایک کار تیزی سے اُس کے سامنے آ کر رُک گئی۔ اُس میں تین شخص نظر آئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر آ کر ایک شخص کے پاس بیٹھ گئی۔ مرید نے صرف اتنا ہی دیکھا پھر پریشان ہو کر کسی ٹیکسی وغیرہ کو تلاش کرنے لگا۔ حاشیہ نے یقیناً فون کر کے اپنے لیے گاڑی منگوائی تھی لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ سونیا وہاں پہلے سے موجود تھی اور اُس کی نادانستگی میں تعاقب کرنے لگی تھی۔

اُس کا تعاقب ناکام بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے مرید کی سوچ میں کہا۔ "جس کار میں حاشیہ گئی ہے، اُس کا نمبر ذہن نشین کر کے کار کے مالک کا نام اور پتا معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

مرید نے پریشانی سے سوچا۔ "میں نے کار کی نمبر پلیٹ دیکھی مگر جلدی میں وہ نمبر گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ صحیح ترتیب سے یاد نہیں آ رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "مجھے ذہن پر زور ڈالنا چاہیے، صحیح ترتیب یاد آ جائے گی۔"

وہ سوچنے لگا۔ میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اُس کے ذریعے کار کا نمبر معلوم کیا۔ وہ کار ذرا فاصلے پر آگے جا رہی تھی۔ کبھی کبھی دوسری گاڑیاں درمیان میں آ جاتی تھیں۔ ویسے میرا کام بن گیا تھا۔ میں نے مرید کے دماغ میں آ کر صحیح ترتیب سے نمبر دُہرائے۔ وہ خوش ہو کر بڑبڑایا۔ "ہاں یہی نمبر ہیں، میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

سونیا بڑی حاضر دماغی سے تعاقب کر رہی تھی۔ حاشیہ اور بچے کو لے جانے والے بھی کم چالاک نہیں تھے۔ ایسے راستوں سے گزر رہے تھے، جہاں ٹریفک زیادہ تھا۔ اس بھیڑ میں ان کی گاڑی کبھی چھپتی تھی، کبھی دکھائی دیتی تھی، یہی آنکھ مچولی کھیلتے کھیلتے وہ غائب ہو گئے۔

سونیا مختلف راستوں پر بھٹکتی ہوئی انھیں تلاش کرتی رہی، پھر تھک ہار کر ایک سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ میں نے کہا۔ "انتظار کرو، ابھی آتا ہوں۔"

وہ مرید ٹریفک کنٹرولرز آفس پہنچ گیا تھا۔ ایک جونیئر افسر سے التجا کر رہا تھا۔ "جناب! یہ بہت ضروری ہے، ہمیں اس کار کے مالک کا نام اور پتا چاہیے۔"

افسر کہہ رہا تھا۔ "استنبول میں لاکھوں کاریں ہیں۔ اس نمبر کو تلاش کرنے کے لیے سیکڑوں رجسٹر اُوپر نیچے کرنے ہوں گے۔"

وہ ترکی زبان بول رہا تھا۔ میں نے مرید کے ذریعے کہا۔ "آپ اس وردی میں انگریزی بولتے ہوئے شاندار لگیں گے۔"

افسر نے غصے سے انگریزی میں اسے ڈانٹا۔

اُس نے انگریزی میں انگریزی بولنے سے انکار کیا مگر میں اس کی کھوپڑی میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے سر ہلا کر کہا۔ "او یس! مجھے انگریزی بھی بولنا چاہیے اور تمہارا کام بھی کرنا چاہیے۔"

وہ حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق ایک رجسٹر کھولتے ہوئے بولا۔ "ہم عوام کی خدمت کے لیے سرکاری ملازم ہیں۔ آپ کی خدمت کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔"

اس نے رجسٹر کے اوراق اُلٹنے کے بعد کہا۔ "اور یہ دیکھیے، اوّلین اوراق اُلٹتے ہی کار کا نمبر مل گیا اور جب نمبر مل گیا تو مالک کا نام اور پتا بھی مل گیا۔ تماشہ کیا دیکھ رہے ہو نوٹ کرو۔"

وہ نوٹ کرنے لگا۔ میں نے سونیا کے پاس آ کر کہا۔ "کار کے مالک کا نام ممت جواد۔ رہائشی مکان کا نمبر ہے تئیس ممت دِ لاگریک روڈ، مردہ جھیل کے سامنے۔"

سونیا نے وہاں سے کار موڑتے ہوئے کہا "یہ مُردہ جھیل کا مطلب ہے کسی سُوکھی ہوئی جھیل کے سامنے ممت وِ لا ہے۔ اب مجھے اس شاہراہ کی طرف جانا ہے، جو ملک یونان کی طرف جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق مجھے یہاں سے پینتالیس میل جانا ہے۔"

"تم چلو، میں تمھارے پاس آتا رہوں گا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا اگر حاضر نہ ہوتا تو کوئی بندر مجھے حاضر دماغ بنا دیتا۔ شملہ میں بندروں کی بہتات ہے۔ یہاں آنے والے ہندو بے شمار بندروں کے لیے کھانے پینے کی اچھی خاصی چیزیں لاتے ہیں، انھیں کھلاتے ہیں اور ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں بندروں کی بھی پوجا کرتے ہیں۔

ہندو دھرم میں اس کا ایک دھارمک پس منظر ہے۔ ہنومان ایک قدآور گوریلا نما بندر تھا، جس نے لنکا میں آگ لگا کر رام اور سیتا کی سیوا کی تھی، انھیں راون کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ آج بھی ہندو ہنومان کی مُورتی بنا کر پوجا کرتے ہیں اور زندہ بندروں کو خوب کھلا پلا کر خوش رکھتے ہیں۔

یہ بیان کرنے کا مقصد ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کو ہندو دھرم کی دلچسپ باتیں بتاؤں اور کچھ وقت گزار کر سونیا کے پاس جاؤں آج مجھے اپنے پارس بیٹے کو پا لینے کا یقین ہو رہا تھا۔

لیکن مجھے سونیا کے پاس جانے کا موقع نہیں ملا۔ میری داستانِ حیات میں اچانک ہی ایک اور عجیب و غریب موڑ آ گیا۔ میں ایک پہاڑی ریستوران کے ایک کُھلے ہوئے حصّے میں بیٹھا ہُوا تھا۔ میرے سامنے سینڈوچز کی پلیٹ اور کافی کی پیالی رکھی ہوئی تھی کُھلے ہوئے حصّے میں دُور تک بندر ہی بندر نظر آ رہے تھے، اگر میں دماغی طور پر حاضر نہ ہوتا تو یہ بندر سینڈوچز کی پلیٹ صاف کر جاتے اور کوئی بندر میرے سامنے میز کے اُوپر بیٹھ کر میری پیالی سے کافی پیتا۔ ان بندروں کو اس بات کا ڈر نہیں ہوتا کہ کوئی انھیں مارے گا۔ مارنا تو دُور کی بات ہے، کوئی انھیں دُھتکارتا بھی نہیں تھا کیونکہ وہ دھرم کے مطابق محترم اور قابلِ پرستش تھے۔

بہرحال، میں سینڈوچز کی پلیٹ بندروں کے لیے چھوڑ کر کافی کی پیالی اُٹھا کر ریستوران کے اندرونی حصّے میں آیا اور ایک میز کے پاس کُرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور تب مجھے ایک جانی پہچانی آواز سُنائی دی۔

وہ میرے پاس والی میز پر بیٹھا ریستوران کے بیرے سے اپنے امریکی لہجے میں بول رہا تھا "لے لارج پیگ آف بلیک لیبل وھسکی اینڈ لٹ می ہیو سم تھنگ ٹو ایٹ...!"

اُس نے انگریزی میں بیرے سے جو کچھ کہا وہ سب کے سمجھنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اُس نے شراب اور کباب کا آرڈر دیا ہے۔ سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ میں گراہم ہارڈلے کی آواز سُن رہا تھا۔

کون گراہم ہارڈلے؟

وہی جو بڑے طمطراق سے پُراسرار سُپر ماسٹر بنا رہتا تھا۔ پہلے میں اُس کے دماغ میں پہنچا پھر میرے ذریعے ثنا رپر اور ہارپر اُس کی کھوپڑی تک پہنچ گئے۔ میں اسے مار ڈالنا چاہتا تھا کیونکہ یہ وہی شخص تھا جس نے سونیا، رسونتی، مرجانہ اور سجاد وغیرہ جیسی ہستیوں کو کوما میں پہنچا دیا تھا، لیکن وہ زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ اُس نے وعدہ کیا اگر میں اسے زندہ چھوڑ دوں تو وہ میرے پارس کو ڈھونڈ کر لے آئے گا۔

اُس نے ایسا وعدہ کیا کہ میں اس سے انتقام نہ لے سکا۔ میں نے کہا "تمھیں سات دن کی مہلت دیتا ہوں اگر تم سات دن کے اندر میرے بیٹے کو لے آؤ گے تو میں تمھیں طبعی عمر تک زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دوں گا، ورنہ ساتویں دن کا اختتام تمھاری زندگی کا اختتامی لمحہ ہو گا۔"

اسے سات دنوں تک زندہ رہنے کا موقع مل رہا تھا۔ اُس نے قسم کھائی کہ پارس کو ڈھونڈ نکالنے میں اپنی تمام ذہانت، دولت اور ذرائع استعمال کرے گا۔ میں نے تنویمی عمل کے ذریعے اُس کے دماغ کو مقفل کر دیا، تاکہ ثنا رپر یا ہارپر اُس کے دماغ میں پہنچ کر اُسے پارس کی صحیح راہ سے نہ بھٹکا دیں یا میرے بیٹے کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ سات دن تک میرے سوا کوئی اُس کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھا۔

لیکن میرا بیٹا تو مجھے مل رہا تھا، وہ استنبول میں تھا۔ سونیا بھی دقت مخالفین کی شہ رگ تک پہنچ کر اس کو وہاں سے لانے والی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سُپر ماسٹر گراہم ہارڈلے میرے پارس کو ڈھونڈ نکالنے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے سات دن کی مہلت مانگی تھی۔ پتا نہیں کتنے دن گزر چکے تھے۔ میں بے پناہ مصروفیات کے باعث دِنوں کا حساب نہیں رکھ سکتا تھا۔ اُس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا تو پتا چلا ابھی پانچ دن گزرے ہیں۔

میں نے اُسے مخاطب کیا۔ وہ پہلا پیگ حلق سے اُتار رہا تھا۔ میرا لب و لہجہ سُنتے ہی اُسے ٹھسکا لگا۔ شراب آدھی حلق کے اندر گئی، آدھی باہر آئی پھر اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ جب اُسے آرام آیا تو میں نے کہا "یہ کھانسی کا دورہ نہیں موت کا دورہ تھا۔ میں زبان کا پابند ہوں۔ پانچ دن گزر رہے ہیں، تمھاری زندگی کے دو دن باقی ہیں۔ ابھی تو تمھیں محض موت کا نمونہ دکھایا ہے۔"

اُس نے وھسکی کا باقی پیگ خالی کیا پھر جام کو میز پر رکھتے ہوئے بولا "میں آپ کا لہجہ سُن کر کانپ جاتا ہُوں جبکہ مجھے آپ سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ میں نے دو دن پہلے ہی پارس کو ڈھونڈ نکالا ہے۔" ڈر و لو...

میں اس پر بھروسا کرنے کے بجائے چور خیالات کو پڑھ رہا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اُس نے پارس کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ یا حیرت! پارس استنبول میں تھا اور پارس ہندوستان میں بھی تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اُس نے کہا "جناب! آپ کا بیٹا پارس انڈین ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر میں ہے۔"

میں نے پوچھا "یہ تم نے کیسے معلوم کیا؟"

"جناب! آپ جانتے ہیں، میں سابقہ سُپر ماسٹر ہوں۔ ہاتھی مرے بھی تو سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ میں نے اپنی سُپر ماسٹری کے دَور میں ایسی ایجنسیاں قائم کی تھیں جو آج میرے کام آ رہی ہیں۔ میں نے ہر ملک کی ملٹری انٹیلی جنس اور دوسرے اہم شعبوں میں اہم افراد کو خرید لیا تھا اور ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں سُپر ماسٹر نہ بھی رہا تو ان تمام اہم افراد کو مقررہ رقم ادا ہوتی رہے گی اور میں انھیں دوسرے ممالک میں سہولتیں فراہم کرتا رہوں گا۔ آج میں سُپر ماسٹر نہیں ہوں مگر اپنا وعدہ وفا کر رہا ہوں اور وہ لوگ میرے کام آ رہے ہیں۔"

میں نے کہا "مانتا ہوں، اس دُنیا میں جو اپنی ہاتھ دیتا ہے اُس کا ہاتھ لیتا ہے، وہی کامیاب رہتا ہے۔ آگے بولو۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولا "آگے کچھ نہیں بولنا ہے۔ میں فون پر بات کرنے جا رہا ہوں، آپ میرے دماغ میں رہ کر دوسری طرف کی بات سُنتے رہیں۔"

وہ ریستوران کے کاؤنٹر پر گیا۔ فون کا ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ انتظار کر رہا تھا یعنی میں اُس کی کھوپڑی میں بے چینی سے انتظار کر رہا تھا، پھر ایک نسوانی آواز سُنائی دی "ہیلو۔"

گراہم نے کہا "میں میجر صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں گراہم ہوں۔"

"سوری، یہ گھر ہے، اُن کا دفتر نہیں ہے۔"

ریسیور رکھ دیا گیا۔ میں نے کہا "مسٹر گراہم! آپ کسی میجر کو تلاش کرتے رہیں، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں دوسری طرف بولنے والی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ میجر کی بیوی تھی بڑے غرور سے بولنے اور ریسیور رکھنے کے بعد سوچ رہی تھی "یہ گراہم تو ایک اہم نام ہے۔ میرے پتی (شوہر) نے جتنے اہم نام بتائے تھے اُن میں ایک نام گراہم کا بھی تھا۔ شاید وہ بیرونی ممالک میں ہمارا بینک بیلنس بڑھانے والا تھا۔ میرا یہ غرور مجھے بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ اب میں کیا کروں؟ مسٹر گراہم نے پتا نہیں کہاں سے فون کیا تھا، میں دوبارہ اُن سے کیسے رابطہ قائم کروں؟"

میں نے اُس کے دماغ میں سوچ پیدا کی "شاید میرے پتی میجر کو معلوم ہو کہ گراہم سے کیسے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اپنے پتی کو انفارم کرنا چاہیے۔"

اس خیال کے ساتھ ہی اُس نے ریسیور اُٹھایا اور سرکاری نمبر ڈائل کرنے لگی پھر دوسری طرف اپنے شوہر کی آواز سُن کر بولی "ابھی مسٹر گراہم کا فون آیا تھا۔ میں نے توجہ نہیں دی اور نو لفٹ کر کے ریسیور رکھ دیا۔ بعد میں غلطی کا احساس ہُوا۔ پتا نہیں، وہ ہمارے کتنے کام کی بات کرنے والا تھا۔"

"عورت پہلے غلطی کرتی ہے پھر سوچتی ہے۔"

وہ ڈانٹ کر بولی "زیادہ بکواس نہ کرو، تم میجر ہو گے فوج میں... انٹیلی جنس میں، گھر میں آؤ گے تو جھاڑو لے کر خیریت پوچھوں گی۔"

میجر کی عاجزانہ آواز سُنائی دی "میری دیوی جیسی دھرم پتنی (شریکِ حیات) تم تو ذرا سی دل لگی پر ناراض ہو جاتی ہو۔ فکر نہ کرو، میں ابھی گراہم کو ڈھونڈ نکالوں گا، وہ شملہ میں ہے۔"

میں تھوڑی دیر تک میجر کپور کے خیالات پڑھتا رہا۔ وہ شملہ میں گراہم ہارڈلے سے رابطہ قائم کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ میں نے کہا "مسٹر کپور! گراہم کے ذریعے جسے تمھارے دماغ میں آنا تھا، وہ آ گیا، اب گراہم کو چھوڑو اور فرہاد سے سودا کرو۔"

اس کے دماغ میں کبھی پرائی سوچ کی لہر نہیں آتی تھی۔ وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ فرہاد اس کے دماغ میں بول رہا ہے۔ میں نے اپنے مخصوص ہتھکنڈوں کے ذریعے اُسے یقین دلایا، تب اُس نے کان پکڑ کے کہا "مانتا ہُوں آپ فرہاد صاحب ہیں اور میرے دماغ تک پہنچ چکے ہیں۔"

میں نے کہا "مان چکے ہو تو سچ سچ بتاؤ، کیا پارس تمھاری کسٹڈی میں ہے؟"

"جی ہاں، ایک جوان عورت اور پانچ برس کا بچّہ دہلی کے ملٹری ہیڈ کوارٹر میں نظر بند ہیں۔"

میں نے کہا "مسٹر کپور! یہ ایک اتفاق ہے کہ تمھارا بیٹا بھی پانچ برس کا ہے اگر مجھے کسی پہلو سے دھوکا دیا گیا تو تمھارا بیٹا ٹیلی پیتھی کی موت مرے گا۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر بولا "نہیں نہیں، میں اپنی جان دے سکتا ہُوں مگر اپنے معصوم بچّے کو ٹیلی پیتھی کی گرفت میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں سچ کہتا ہُوں، وہ پارس ہے۔ میں ابھی اُس کے پاس جا رہا ہوں، آپ خود اُس بچّے کے اندر پہنچ کر حقیقت معلوم کر لیں۔"

وہ فوجی بیرک کے اُس حصّے میں تھا، جہاں صرف ملٹری انٹیلی جنس کے افسران اور قابلِ اعتماد سپاہی رہتے ہیں۔ وہاں میجر کپور کی آمد و رفت پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کی سوچ کے مطابق میرے بیٹے پارس کو ایک عورت کے ساتھ ملٹری بیرکس کے ایک بنگلے میں رکھا گیا تھا اور وہ عورت وادیٔ قاف سے آئی تھی۔

کیا تماشا تھا۔ تقدیر مذاق اُڑا رہی تھی۔ ہماری ذہانت اور خون کی

کشش کا امتحان لے رہی تھی کہ جانو اور پہچانو تمھارا پارس کہاں ہے۔ یہاں ہے یا وہاں ہے؟ دُنیا کہتی ہے کہ ایسے مقام پر خون جوش مارتا ہے۔ اپنی تیلی پیتی کو اپنے پاس رکھو اور بتاؤ لہو کسے پُکارتا ہے، یہاں والے کو پُکارتا ہے یا وہاں والے کو پکارتا ہے؟

میجر کپور اُس بنگلے کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں مسلح فوجیوں کا پہرہ تھا۔ کوئی فوجی جوان بھی بنگلے کے اندر نہیں جا سکتا تھا، کوئی افسر اندر جانے سے پہلے ایک رجسٹر میں لکھتا تھا کہ وہ کیوں اندر جا رہا ہے، کتنی دیر کے لیے جا رہا ہے۔ میجر نے اندر جانے سے پہلے رجسٹر میں وقت لکھا، اپنا مقصد بیان کیا کہ وہ ڈیوٹی کے مطابق چیکنگ کے لیے جا رہا ہے۔ ضروری اندراج کے بعد وہ بنگلے میں داخل ہُوا۔

ایک عورت نے آکر اُسے سلام کیا۔ وہ وادیٔ قاف کا مخصوص لباس پہنے ہوئے تھی اور وادی کی مخصوص زبان میں اُس کا استقبال کر رہی تھی۔

مَیں نے میجر سے پوچھا "کیا یہ انگریزی یا ہندی زبان بول سکتی ہے؟"

"نہیں، ہم اشاروں کی زبان میں ایک دوسرے کی باتیں سمجھتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "تم نے اشاروں کے ذریعے کیسے سمجھ لیا کہ یہ پارس ہے؟"

اُس نے جواب دیا "ہماری انٹیلی جنس میں انٹرنیشنل لینگویج سیکشن ہے۔ اس شعبے میں دُنیا کی ہر زبان سمجھنے، بولنے، لکھنے اور پڑھنے والے قابل افراد موجود ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص نے اس عورت کی زبان میں گفتگو کی۔ اس کے حالات معلوم کیے۔ اس عورت نے اعتراف کیا ہے کہ وہ بچہ پارس ہے۔"

میجر بتانے لگا۔ ایک دن وادیٔ قاف میں اچانک بمباری ہوئی تھی۔ دُشمنوں نے وادیٔ قاف کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ ایسے تباہ کُن حملے کے دوران چند عورتیں اور بچے چشمے میں نہانے اور پانی بھرنے گئے تھے، اُن میں پارس بھی تھا۔ وہ عورت، پارس کے ساتھ جان بچا کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

سونیا کے سامنے حاشیہ نے بھی یہی بیان دیا تھا۔ فرق یہ ہے کہ میجر کے پاس کھڑی ہوئی عورت نے اس بچے کے پارس ہونے کا اعتراف کیا تھا جبکہ حاشیہ اس بچے کا اصل نام چُھپا رہی تھی اور اب سونیا سے چھپتی پھر رہی تھی۔

میجر کپور بنگلے کے ایک اندرونی کمرے میں آیا۔ وہ کمرہ سامان سے خالی تھا۔ فرنیچر تو دُور کی بات ہے، بیٹھنے کے لیے ایک چٹائی بھی نہ تھی۔ کمرے کے وسط میں صاف ستھرے ننگے فرش پر وہ بچہ پلتھی مارے بیٹھا تھا۔ اس کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں، وہ گوتم بدھ کے انداز میں یوں بیٹھا ہُوا تھا جیسے گیان دھیان میں مصروف ہو۔

مَیں نے تعجب سے پوچھا "تم لوگ پانچ برس کے بچے کو گیان دھیان میں مصروف رکھتے ہو؟"

"وہ بولا "ہم کچھ نہیں کرتے، یہ خود ہی اتنے سلیقے سے رہ[…] کہ ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ یہ مُنہ اندھیرے اُٹھ کر بنگلے سے باہ[…] ہے اور مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں دوڑ لگاتا ہے پھر سُورج نکل[…] اس کمرے میں آکر شمال کی جانب رُخ کر کے سانس روکنے کی مشق[…] ہے۔ صبح سات بجے ہلکا سا ناشتا کرتا ہے پھر پڑھنے بیٹھ جاتا[…] کیا آپ یقین کریں گے کہ اسے کوئی نہیں پڑھاتا، یہ خود پڑھتا ہے[…] سمجھتا ہے۔ ہم سوال کرتے ہیں تو اپنے جواب سے حیران کر دیتا ہ[…]

میں نے پوچھا "کیا یہ ابھی کسی سوال کا جواب دے گا؟"

"ضرور دینا چاہیے، میں پوچھ کر دیکھتا ہُوں۔"

ہم اُس خالی کمرے کے دروازے پر تھے، وہ عورت بھی ت[…] نے آہستگی سے پوچھا "ماسٹر پارس! کیا میں اندر آ سکتا ہُوں؟"

مَیں نے پہلی بار اُس بچے کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا "ضرو[…] ہے تو مَیں آپ کو پانچ منٹ دے سکتا ہُوں، تشریف لائیے۔"

میجر نے کہا "مجھے اندر آنے کے لیے جُوتے اُتارنے ہوں[…] مَیں یہیں سے ایک بات پوچھتا ہُوں، آپ کس جماعت کی کت[…] پڑھتے ہیں؟"

بچے نے جواب دیا "علم کو چھوٹی بڑی جماعتوں میں تقسیم [...] چاہیے۔ حصہ بقدر جثہ کے مصداق جیسی ذہانت ہو اسی سطح کی ک[…] پڑھنا چاہئیں۔"

"آج کل آپ کون سی کتابیں پڑھ رہے ہیں؟"

"میں ہندوؤں کی رامائن اور مُسلمانوں کی تاریخ اسلام پڑ[…]

"آخری سوال کا جواب چاہتا ہوں، آپ کو کون پڑھاتا ہے[…]

"میری ماما۔"

میں نے کہا "مسٹر کپور! آپ جا سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہی[…] کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بدستور آنکھیں بند کیے بیٹھا ہُوا تھا۔ اُس[…] تھا، اسے اس کی ماما یعنی ماں پڑھاتی ہے اور یہ چونکا دینے وال[…]

میں اُس ننھے سے دماغ میں پہنچ کر واقعی چونک گیا۔ مجھے[…] کی ماں کی آواز اور لہجہ سُنائی دے رہا تھا۔ اوہ خدایا! رسونتی خیال خو[…] ذریعے اپنے بیٹے کو پڑھانے آیا کرتی تھی اور ہم سے بہت کچھ چ[…] رہتی تھی۔

اُس نے اپنی خیال خوانی کو راز میں رکھا۔

اُس نے بیٹے کو مجھ سے چُھپا کر رکھا۔

وہ چاہتی تو پارس بہت پہلے بابا صاحب کے ادارے میں[…] مگر وہ اپنے دیس میں اپنے لوگوں کے درمیان اُسے تعلیم د[…] تھی۔ دوسرے لفظوں میں ہمارے اعتماد کو دھوکا دے رہی تھی۔

میرے جی میں آیا ابھی اُس کے دماغ میں جاؤں اور اُس ک[…]

کے سلسلے میں جواب طلب کروں لیکن میں چپ رہا۔ دماغ نے سمجھایا، پہلے چُپ چاپ جتنی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، وہ حاصل کی جائیں اور ابھی اس بات کی تصدیق نہیں ہوئی تھی کہ وہ پارس ہی ہے کیونکہ ایک اور پارس کے پیچھے سونیا لگی ہوئی تھی۔

پارس کو پہچاننا بہت مشکل تھا۔ اس کی ماں رسونتی بھی دھوکا کھا سکتی تھی۔ سونیا بھی کسی چکر میں پڑ سکتی تھی۔ کیا پتا دُشمن ہمیں چکر میں ڈال رہے ہوں۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ ان حالات میں واقعی لہو پکارتا ہے یا نہیں؟

بات کی ایک بات یہ ہے کہ پارس
سو
ایک حقیقت بھی تھا اور فراڈ بھی۔

قدرتی حالات ہمیں اس سے الگ رکھے تھے مگر اس کے ساتھ ہی دشمن کوئی چکر بھی چلا رہے تھے۔

میں تھوڑی دیر تک اس بچے کے دماغ میں رہا جس کے دماغ میں اس کی ماں بھی موجود تھی اور اُسے اپنے طور پر ایسی تعلیمات سے مالا مال کرتی جا رہی تھی جو اس کی عمر سے بہت زیادہ تھی، اگر یہ بچہ منظرِ عام پر آکر اپنی علمی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا تو اس دیس کے تمام ہندو اُسے بھگوان کا اوتار سمجھ کر اس کی پوجا کرنے لگتے۔

میں نے اُس کے دماغ میں ایک لفظ 'پاپا' کہا تاکہ وہ مجھے یاد کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رسونتی سے سوال کیا "میرے پاپا کہاں ہیں؟ میرے پاس کب آئیں گے؟"

رسونتی نے کہا "میں تم سے کہہ چکی ہوں، تمھارے پاپا بہت مصروف رہتے ہیں۔"

"ماما! آپ اُن سے ایک بار کہہ دیجیے کہ پارس بیٹا آپ سے ملنا چاہتا ہے، میرا نام سنتے ہی وہ ضرور آئیں گے۔"

"نہیں بیٹے! ابھی اُن سے ملنے کی ضد نہ کرو، پہلے خوب علم حاصل کرو، جتنے ہنر سیکھ سکتے ہو سیکھتے رہو۔ میں تمھارے پاپا کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں، جب میں اچانک تمھیں اُن سے ملاؤں گی تو اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا۔"

"ماما! خوب علم سیکھنے میں خوب وقت لگے گا۔ آخر پاپا سے ملنے میں کتنا وقت لگے گا؟"

میں اس کے دماغ میں پاپا کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ خود ہی اپنی ماں سے سوالات کرتا جا رہا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بے حد ذہین تھا اور اتنی سی عمر میں بات کرنے کا ڈھنگ بھی آ گیا تھا۔ رسونتی نے کہا "میں تمھیں دس ماہ سے تعلیم دے رہی ہوں، اتنے مختصر سے وقت میں تم نے اتنا کچھ سیکھ لیا ہے کہ دسویں جماعت کے بچوں کو تعلیم دے سکتے ہو۔ اور دو برسوں میں تم علم کے ساتھ بہتیرے ہنر بھی سیکھو گے۔ جب تم سات برس کے ہو جاؤ گے تو تمھیں خیال خوانی سکھانے کا تجربہ کروں گی۔ اگر کامیابی ہو گئی تو تم سب سے پہلے اپنے پاپا کے دماغ میں پہنچ کر انھیں مخاطب کر دو گے، وہ حیران رہ جائیں گے۔"

"ماما! آپ جس طرح مجھے علم کی روشنی دے رہی ہیں، اس حساب سے میں جسمانی طور پر بچہ ہوں مگر ذہنی طور پر نادان نہیں ہوں۔ پھر آپ مجھے بچوں کی طرح کیوں بہلا رہی ہیں؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ ماں باپ مل کر اپنے بچے کو تعلیم اور تربیت دیتے ہیں۔ میں یہ پڑھ چکا ہوں کہ نگیٹو اور پازیٹو دو مختلف تاروں کے ملنے سے بجلی کا بلب روشن ہوتا ہے۔ میرے ساتھ ماں کا کنکشن ہے۔ باپ کا کنکشن بھی ہو جائے تو میں پوری روشنی کے ساتھ جگمگاؤں گا۔"

"بیٹے! اب تم ماں کو پڑھانے لگے ہو۔ ذرا کم بولا کرو اور پڑھائی میں دھیان دیا کرو۔"

"آپ پھر مجھے ٹال رہی ہیں۔"

"میرے اچھے بیٹے! کوئی دوسری بات کرو۔"

"آپ میری دوسری بات کا بھی معقول جواب نہیں دیتی ہیں۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ دس گیارہ ماہ پہلے میری ماں وہ تھی جو مجھے وادیٔ قاف سے لائی تھی۔ وہ نہ جانے چار برس تک کہاں کہاں بھٹکتی رہی، پھر یہاں ہندوستان لا کر ایک مکان میں قید کر دیا۔ ایک دن اچانک آپ نے میرے دماغ میں آکر مجھے بیٹا کہا۔ اور تب سے ماں کا رشتہ نباہ رہی ہیں۔ آپ جواب دیں، مجھ پر کس ماں کا حق ہے؟ کیا اس کا جو مجھے سینے سے لگائے نگر نگر بھٹکتی رہی یا آپ کا، جن کی صورت میں نے ابھی تک نہیں دیکھی؟"

"میرے لال! میں تمھاری ماں ہوں۔ تم سے دور رہوں مگر تمھیں علم و ہنر کا خزانہ دے رہی ہوں۔"

"مانتا ہوں مگر کیا ثبوت ہے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں؟ کیا اس لیے بیٹا ہوں کہ میرا نام پارس ہے؟"

ذرا دیر خاموشی رہی پھر رسونتی نے کہا "میں تنہائی میں اکثر سوچتی ہوں کہ کن بنیادوں پر تمھیں بیٹا تسلیم کر رہی ہوں۔ ایک تو وہ عورت ہے جو وادیٔ قاف سے آئی ہے۔ جب وادی میں بمباری ہو رہی تھی تو چند عورتیں اور بچے آبادی سے ذرا دور چشمے پر نہانے دھونے گئے تھے، تمھیں وہاں سے لانے والی عورت کا بھی یہی بیان ہے۔ دوسری بات یہ کہ وادی میں جو عورت میری خدمت کے لیے وقف تھی اور وہاں تمھیں گود میں کھلاتی تھی، اس کا نام مونا سانجی تھا۔ تمھیں یہاں لانے والی عورت کا بھی یہی نام ہے۔"

وہ ذرا چُپ ہوئی، شاید سوچ رہی تھی، پھر بولی "مونا سانجی تمھارے کچھ کپڑے دھونے کے لیے چشمے پر گئی تھی۔ آج سے چار برس پہلے کا ایک ننھا سا لباس اس کے پاس ہے۔ اس لباس کا رنگ

اور ڈیزائن معلوم کرنے کے بعد یقین کر رہی ہوں کہ تم میرے بیٹے ہو۔ میں نے تمھیں جنم دیا ہے، تمھیں دودھ پلایا ہے۔ تمھارے دماغ میں آتی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میں اپنے ہی اندر ہوں۔ میری جان! وہ دن جلد آئے گا جب تم میرے سینے سے لگو گے اور میری دھڑکنوں سے ماں کو پہچان لو گے؟"

"ماما! آپ نے مجھے دشمنوں کے درمیان کیوں چھوڑ دیا ہے؟ مجھے اپنے پاس بلا لیجیے۔"

"بیٹے! وہاں تم ایک گہرے راز کی طرح چھپے ہوئے ہو، ہر طرح سے محفوظ ہو۔ تمھیں رفتہ رفتہ اپنی اہمیت کا اندازہ ہو گا۔ تم جب سے پیدا ہوئے ہو، دشمن تمھارے پیچھے پڑ گئے ہیں، ہم تمھیں چھپائے رکھنے کی کوششیں کرتے رہے۔ اس کے باوجود کبھی تم بچھڑتے رہے، کبھی ملتے رہے۔ اس بار میں نے فیصلہ کیا ہے، تمھیں صرف دشمنوں سے نہیں اپنوں سے بھی چھپاؤں گی۔ تم فوجی بیرک میں محفوظ ہو، وہاں کی ملٹری انٹیلی جنس تم پر کسی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دے گی۔"

اتنی دیر کے بعد میں نے پارس کی سوچ کے ذریعے کہا "کیا میں ابھی دشمنوں کی پناہ میں نہیں ہوں؟"

"ابھی یہ دشمن ہیں نہ دوست۔ جب دشمنی پر آئیں گے تو میں اور تمھارے پاپا اس فوجی بیرک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

"جب آپ پاپا کی باتیں کرتی ہیں تو دل مچلنے لگتا ہے۔ پلیز ماما! ایک بار ان کی آواز سنا دیں۔"

رسونتی کی سرد آہ سنائی دی، پھر وہ بولی "میرا بھی دل مچلتا ہے۔ تمھارے پاپا بہت اچھے ہیں بیٹے! حواس پر چھا جاتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ایک مصیبت ہے، جہاں ان کے قدم پڑتے ہیں یا ان کی خیال خوانی پہنچتی ہے، وہاں نئے ہنگاموں کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ یقین کرو، وہ جب بھی خیال خوانی کے ذریعے تمھارے پاس پہنچیں گے، اس فوجی بیرک کا سکون غارت ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں خود کو اور تم کو فی الحال ان سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ اگر دو برس بعد تم پر خیال خوانی کا تجربہ کامیاب رہا تو تم ماں باپ کی ٹیلی پیتھی کی دنیا میں تیسری طاقت کے طور پر ابھرو گے۔ اس کے بعد تم اپنے باپ کی آغوش میں اور میں ان کے قدموں میں پہنچ جاؤں گی۔"

ابتدا میں رسونتی مجھ سے بدظن رہتی تھی، دشمنوں کے بہکاوے میں آ جاتی تھی لیکن میں نے بارہا اسے دشمنوں کے فریب سے بچایا۔ آخری بار کوما سے نکلنے کے بعد اسے اچھی طرح عقل آ گئی تھی۔ بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ کر صحت مند ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر گوشۂ تنہائی میں رہ کر زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنے لگی تھی۔ یہ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اُدھر جو کچھ پڑھتی تھی، اِدھر خیال خوانی کے ذریعے بیٹے کو پڑھاتی رہتی تھی۔

پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ پارس کو مجھ سے چھپا کر میرے مزاج کے خلاف اس کی پرورش کرنا چاہتی ہے، آخر ہندوستانی عورت ہے، اسی لیے بیٹے کو بھارتی فوج کی حفاظت میں ساری دنیا سے چھپا کر رکھا ہے، لیکن اس کی نادانستگی میں پارس کے ذریعے جو باتیں معلوم ہوئیں، ان سے ثابت ہو گیا کہ وہ ایک شوہر پرست بیوی ہے، مجھ پر جان دیتی ہے۔ اور میرے بیٹے کو میری توقع سے زیادہ قابل بنا کر پیش کرنے کی کوشش میں مصروف رہتی ہے، لہٰذا اس کے لیے ساری دنیا سے حتّٰی کہ مجھ سے بھی وقتی طور پر ناتا توڑ لیا ہے۔

اس کی یہ بات درست تھی کہ جہاں میری سوچ کی لہریں پہنچتی ہیں، وہاں ہنگامے جنم لیتے ہیں۔ میں اس فوجی بیرک میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سوچا، جب میں میجر کپور تک پہنچ سکتا ہوں تو کیا دوسرے خیال خوانی کرنے والے نہیں پہنچ سکتے؟

پہنچ سکتے ہیں اور میجر کپور انھیں پارس تک پہنچا سکتا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے تین ذرائع تھے۔ پہلا سابقہ سپر ماسٹر گراہم ہارڈلے جسے میں نے سات دن کی مہلت دی تھی۔ دوسرا میجر کپور، تیسری میجر کی بیوی جس کی آواز فون پر سننے کے بعد میں میجر کپور تک پہنچا تھا۔ یہ تینوں میرے بیٹے کی سلامتی کے لیے خطرہ تھے۔

سیدھی سی بات تھی کہ تینوں کی آخری سانس پوری ہو جائے اور خطرہ ٹل جائے۔ میں نے گراہم ہارڈلے کے پاس پہنچ کر اپنے خدشات ظاہر کیے، اس نے سہم کر پوچھا "کیا آپ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں؟ نہیں، آپ زبان کے دھنی ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں پارس کو ڈھونڈ نکالوں گا تو آپ میری پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔ مجھے زندہ رہنے کا موقع دیں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔ میں زبان دے چکا ہوں اور مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی بھی مقصود ہے۔"

"جناب فرہاد صاحب! میں وعدہ کرتا ہوں گونگا بن جاؤں گا، اپنی آواز تنہائی میں خود کو بھی نہیں سناؤں گا۔ کوئی ایسی حماقت نہیں کروں گا جس سے دشمنوں کو دماغ میں آنے کا موقع ملے۔"

"وہ پھر بھی آئیں گے۔ چاہے جس قدر محتاط رہو، وہ ضرور تمھارے دماغ میں آئیں گے۔ میرے تنویمی عمل کے مطابق ابھی دو دن تک کوئی تمھارے دماغ میں نہیں آئے گا۔ میں دو دن بعد پھر تم پر یہ عمل کروں گا۔ اور ایک ماہ کے لیے تمھارے دماغ کو مقفل کر دوں گا۔ میرے عمل کے مطابق میرے سوا کوئی تمھاری سوچ کو سن نہیں سکے گا۔ فی الحال مجھے اپنے عہد کا پاس رکھتے ہوئے تمھیں زندہ رکھنے کا یہی ایک راستہ ہے۔"

وہ کمرے میں تنہا تھا۔ اس نے خوشی کے مارے گھٹنے ٹیک دیے، مجھے دعائیں دینے لگا۔ میں میجر کپور کے پاس آیا۔ وہ گھر آ کر

اپنے بچے سے کھیل رہا تھا۔ اس کی بیوی سنگھار میز کے سامنے بیٹھی بن سنور رہی تھی۔ اپنے بچے اور شوہر کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا چاہتی تھی۔ میجر سوچ رہا تھا "یہ کم بخت پیچھے پڑ جاتی ہے، اگر آج میرے ساتھ نہ جاتی تو نرملا کے ساتھ رات گزارتا۔ یہ عورتیں بیوی بن کر مصیبت بن جاتی ہیں۔ آہ نرملا!"

اس کی بیوی سوچ رہی تھی "میں سب سمجھتی ہوں۔ ابھی چل کر شاپنگ نہیں کراؤں گی تو اوپری آمدنی میری بن بیاہی سوکنوں پر لٹا دیں گے۔ ان مردوں کا دل کبھی بیوی سے نہیں بھرتا۔ یہ اوپری آمدنی کی طرح اوپری عورتوں کے اوپر ہی مرتے رہتے ہیں۔"

ایسے میاں بیوی ہر دوسرے تیسرے گھر میں ہوتے ہیں۔ میں پھر میجر کے دماغ میں آیا۔ اس لمحے وہ اپنی بیوی کے لیے سوچ رہا تھا۔ "سریتا کو ٹیلی پیتھی سے ڈرانا چاہیے۔ اگر میں اسے یہ بتاؤں کہ فرہاد میرے دماغ میں آتا ہے اور اس کے دماغ میں بھی پہنچ کر ایسی باتیں معلوم کر لے گا جنھیں وہ شوہر سے بھی چھپاتی ہے تو وہ سہم جائے گی۔ میرے پاؤں پڑے گی کہ فرہاد کو اس کے پاس نہ آنے دوں۔ بھلا کون عورت اپنے اندر کی بات کسی کو بتاتی ہے۔"

میں نے کپور کو مخاطب کیا۔ وہ جلدی سے بچے کو بستر پر چھوڑ کر سیدھا بیٹھ گیا۔ سریتا کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا "خبردار! اگر تم نے کسی کو ٹیلی پیتھی کے متعلق بتایا تو تمھارے حلق سے آواز نہیں نکلے گی۔"

وہ سہم کر بولا "نہیں بتاؤں گا۔ میں تو صرف سریتا کو ڈرانا چاہتا ہوں۔ آپ شاید دیکھ رہے ہیں، یہ کتنی حسین ہے۔ مجھ سے بڑے افسر جب اسے للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں تو میں اندر ہی اندر تلملا جاتا ہوں۔ اپنے بڑے افسروں سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری بیوی کو نہ دیکھیں۔"

میں نے کہا "بھلا تم کیسے کہہ سکتے ہو جب کہ خود دوسروں کی بیویوں پر مرتے رہتے ہو۔"

"آں؟" وہ سٹپٹا گیا۔ پھر بولا "آپ سے کیا چھپا ہے، آپ تو انتریامی ہیں۔ پلیز، میری بیوی کے بارے میں بتائیے۔ کہیں یہ مجھے الّو بنا کر کسی بڑے افسر..."

"میں کسی کے دل کا راز کیوں بتاؤں؟ اگر بتاؤں گا تو سریتا کو بھی تمھارے عشقیہ کارنامے سناؤں گا۔"

وہ گھبرا کر بولا "نہیں، پلیز نہیں۔ ہمارا گھر برباد ہو جائے گا۔"

"ہاں، اکثر میاں بیوی ایک دوسرے کو اُلّو بنا کر گھر آباد کرتے ہیں۔ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو دنیا میں کسی کے نہیں ہوتے۔ اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے بیوی کو دھوکا دیتے ہیں اور چور راستوں سے دولت مند بننے کے لیے اپنی سرکار کو فریب دیتے ہیں۔ تمھارے جیسے فوجی افسر کسی بھی ملک میں ہوں، انھیں پہلی فرصت میں گولی مار دینا چاہیے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں تو آپ کے کام آ رہا ہوں۔"

"جو اپنے ملک کے کام نہ آئے، وہ بھلا کب تک میرے کام آئے گا۔ بہرحال، تم اپنی بیوی کا راز معلوم کرنا چاہتے ہو۔ اگر میں بتاؤں تو کیا تمھیں غیرت آئے گی؟"

"ہاں، اگر وہ بدچلن ہوئی تو میں اسے گولی مار دوں گا۔"

"ابھی میں سریتا سے پوچھوں گا تو وہ بھی یہی کہے گی کہ تم بدچلن ہوئے تو وہ تمھیں گولی مار دے گی۔ اس طرح تم دونوں ایک دوسرے کو ختم کر دو گے۔ بولو، یہ ڈراما ٹھیک رہے گا؟"

وہ گھبرا کر بولا "نہیں نہیں، میں مرنا نہیں چاہتا۔"

وہ سوچ کے ذریعے باتیں کرتے کرتے گھبراہٹ میں زبان سے بول پڑا تھا۔ سریتا نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا "تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ مرنے کی بات کیوں کر رہے ہو؟"

وہ میری مرضی کے مطابق کہنے لگا "سریتا! میری جان! میں گنہگار ہوں۔ مگر مرنے سے ڈرتا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم مرنے کی بات کیوں کر رہے ہو؟"

"میں مجرم ہوں۔ ابھی اچانک میری آتما سے آواز آئی کہ میں

اپنی محبت کرنے والی وفادار بیوی کو دھوکا دیتا ہوں اور دوسری جگہ منہ کالا کرتا ہوں۔"

"میں خوش نصیب ہوں کہ میرا شوہر حساس ہے۔ اپنی غلطی کو محسوس بھی کرتا ہے اور اعتراف بھی کرتا ہے۔ تم آئندہ ایسا نہ کرو۔ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

"سریتا! یہ بھی تو ایک جرم ہے کہ میں تم پر شبہ کرتا ہوں، جب میرے بڑے افسر تمھیں دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے تم پھنسنے جا رہی ہو۔"

سریتا نے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا "یہ میرا بچہ ہے، ماں بچے کو گود میں لے کر کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتی۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں، کئی بار میرے دماغ میں خیال آیا کہ تم سے انتقام لینے کے لیے مجھے بھی کسی سے دوستی کرنا چاہیے لیکن جب میں نے بچے کو دیکھا تو ایسا لگا جیسے میں ماں سے طوائف بن کر اپنے بچے کے لیے ہمیشہ کی گالی بن رہی ہوں۔ بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں ابھی تک پاک دامن ہوں۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "مسٹر کپور! تمھاری بیوی کا ایک ایک لفظ درست ہے۔ بے شک عورت اپنے مرد کے ظلم سے یا ہرجائی پن سے طیش میں آ کر انتقاماً دوسرے مرد کی طرف بھٹکتی ہے، مگر اسے گناہگار بننے میں دیر لگتی ہے، وہ اپنی شرم و حیا اپنے شوہر کی نیک نامی اور بچے کے مستقبل کے لیے شیطان سے لڑتے لڑتے اتنا وقت گزار دیتی ہے، جتنے وقت میں مرد گناہ کرتے کرتے ڈھیٹ بن جاتا ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ اپنی نیک اور پارسا بیوی کو آئندہ بھٹکنے سے بچا لو، اپنے معصوم بچے کو محبت کرنے والے ماں باپ کا سایہ دو۔"

پھر میں نے ایک ذرا توقف سے کہا "یاد رکھو، میں اپنے بیٹے کے لیے خطرے کا سبب بننے والوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑوں گا مگر آج انسانیت اور محبت آڑے آ رہی ہے۔ میں نے گراہم ہارڈلے کو زندہ چھوڑ دیا کیوں کہ ایک انسان کی حیثیت سے زبان دے چکا تھا۔ اور تمھیں بھی اسی لیے زندہ رکھنا چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے کی عمر کا تمھارا بھی ایک بیٹا ہے اور ایک محبت کرنے والی بیوی ہے، اگر میں تمھارے بیٹے پر ماں باپ کا سایہ رکھوں گا تو میرا خدا میرے پارس پر اس کے ماں باپ کا سایہ رکھے گا۔"

"فرہاد صاحب! میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"لیکن جو بات تمھارے بھولنے کی ہے، اُسے بھول جانا چاہیے۔ ابھی اپنی بیوی سے سر درد کا بہانہ کر کے آرام سے لیٹ جاؤ اور آنکھیں بند کر لو۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ آرام سے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ پہلے میں نے اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلایا پھر اس کے خوابیدہ دماغ کو تنویمی عمل سے تسخیر کیا۔ جب وہ میرا معمول بن گیا تو میں نے کہا "میجر کپور! تم میرے معمول ہو اور تم میرے تمام احکامات کی تعمیل کرو گے۔"

اس نے میری باتوں کو دہراتے ہوئے اقرار کیا۔ میں نے کہا "تم یہ بھول جاؤ گے کہ فوجی بیرک میں جو بچہ چھپا کر رکھا گیا ہے وہ پارس ہے اور غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہے۔"

اس نے کہا "میں پارس کا نام اور اس کی غیر معمولی صلاحیتوں کو بھول جاؤں گا۔"

اسے رسونتی کے متعلق یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ پارس کے دماغ تک پہنچ چکی ہے۔ وہ صرف میرے متعلق جانتا تھا۔ میں نے یہ بات بھی اس کے دماغ سے مٹا دی اور حکم دیا کہ وہ فوراً کسی بیماری کا میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کر کے لمبی چھٹی لے اور اس فوجی بیرک سے دور جا کر رہائش اختیار کرے۔ چھٹی کے دوران اپنا ٹرانسفر کرا لے یا ملازمت سے استعفا دے دے۔ استعفا دینے کے بعد اسے گراہم ہارڈلے سے کافی رقم ملے گی۔ پھر ملازمت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

میں ہر طرح سے مطمئن ہو گیا۔ اس کے دماغ سے وہ تمام باتیں مٹا دیں، جو پارس کے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھیں۔ پھر میں نے اسے تنویمی نیند سلا دیا۔ سریتا اس کے سرہانے بیٹھی سر سہلا رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے بچے کو سنبھال کر سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ میرا ایمان ہے کہ میں نے ایک بیوی اور ایک ماں کو خوش کر کے خدا کو خوش کیا تھا۔

مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رسونتی کو پارس کی خبر کیسے ملی؟

وہ بابا صاحب کے ادارے میں تھی۔ جب پارس ہم سے جدا ہوا تو اچھی طرح بول نہیں پاتا تھا۔ رسونتی اس کے لہجے کو نہ پہچانتی تھی نہ ہی اچانک خیال خوانی کے ذریعے بیٹے کے دماغ کو ڈھونڈ سکتی تھی۔ اگر یہ سوچا جائے کہ اسے اتفاقاً بیٹے کا پتا مل گیا تھا تو پتا دینے یا خبر پہنچانے والا کوئی تو ہو گا۔

پارس نے میری خاموش موجودگی کے دوران ماں سے طرح طرح کے سوالات کیے تھے۔ کچھ سوالات میں نے اس کے دماغ میں پیدا کیے تھے مگر اس اہم سوال کا جواب معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ جس طرح میں گراہم ہارڈلے اور میجر کپور کے دماغوں سے پارس کے سلسلے میں اہم باتیں مٹا رہا تھا، اسی طرح رسونتی نے اس شخص کے دماغ سے بھی پارس کی تمام باتیں مٹا دی ہوں گی جس نے اسے بیٹے کے پاس پہنچایا ہو گا۔

میں نے تھوڑی دیر خیال خوانی ترک کر کے ہر پہلو پر غور

کیا پھر مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے بیٹے کی حفاظت کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اب آخری چبھتی ہوئی بات رہ گئی تھی کہ واقعی وہ ہمارا پارس ہے یا نہیں؟

اب سے پہلے بھی رسونتی دھوکا کھاتی رہی تھی۔ میں نے دشمنوں کو دھوکا دینے کے لیے پارس کی جگہ دوسرا بچہ اس کی گود میں دیا تھا۔ وہ ممتا کی ماری اسے پارس سمجھ کر دودھ پلاتی رہی تھی۔ اب بھی ہم دھوکا کھا سکتے تھے لیکن فریب کے امکانات کو مدِنظر رکھ کر اس بچے سے منہ نہیں پھیر سکتے تھے۔ جلد یا بہ دیر یہ انکشاف ہونے والا تھا کہ ہمارا اپنا پارس کون ہے؟ اور کہاں ہے؟

میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ جب میں اس سے رخصت ہوا تھا تب وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی یونان جانے والی شاہراہ پر تھی۔ جس کار میں حاشیہ بچے کو لے کر گئی تھی، اس کے مالک کا نام اور پتا معلوم کر لیا گیا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا تھا "تم چلو، میں تھوڑی دیر میں آؤں گا۔"

مگر ہندوستان میں ایک اور پارس کی وجہ سے اس قدر مصروف ہو گیا کہ سونیا کے پاس پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ وہ بولی۔ "مجھے تمھاری اس عادت پر بہت غصہ آتا ہے، تم اپنی صفائی میں یہی کہو گے کہ دشمنوں نے تمھیں سانس لینے کی مہلت نہیں دی۔ بولو، بولو چپ کیوں ہو؟"

"دشمنوں نے نہیں، ایک اور پارس نے میری سانس اوپر کی اوپر کر دی۔ ابھی میں ہندوستان میں دوسرے پارس سے مل کر آ رہا ہوں۔"

"کیا؟" سونیا نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے کہا "کیوں، تمھاری سانس بھی اوپر کی اوپر رہ گئی نا؟ آئندہ سوچے سمجھے بغیر غصہ نہ دکھانا۔"

"کیا مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے۔ ہمارا پارس ہاتھ آتے آتے..." وہ کہتے کہتے رک گئی، پھر بولی "پہلے تم بتاؤ، کیا ہندوستان میں ایک اور پارس ہے؟"

میں اسے تفصیل سے بتلانے لگا، وہ تمام باتیں سننے کے بعد بولی "یہ کوئی لمبا چکر ہے، یہاں استنبول میں ایک بچے کو اس طرح لایا گیا کہ ہم اس پر پارس ہونے کا شبہ کرنے لگے۔ یہ شبہ یقین میں بدل رہا ہے، حاشیہ اور اس کے ساتھی بچے کو ہم سے چھپا رہے ہیں۔ اُدھر ہندوستان میں دوسرے پارس کی موجودگی دشمنوں کی کسی گہری سازش کی چغلی کھاتی ہے۔"

میں نے تائید کی "ہاں چکر تو ضرور ہے۔ یہ دونوں پارس نقلی ہو سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے۔ ان میں سے ایک ضرور اصلی ہو گا۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک ضرور اصلی ہو، ہمارے پاس اصل کی پہچان کیا ہے؟"

"کوئی پہچان نہیں ہے۔ تم، رسونتی اور اعلیٰ بی بی بڑی حد تک بچے کے قریب رہ چکی ہو۔ اسے پہچاننے کے لیے اس کے جسم پر کوئی شناختی نشان نہیں ہے۔ ننھے بچوں کی جو عادتیں ہوتی ہیں وہ بڑے ہونے تک قائم نہیں رہتیں۔ تم سب اس کی کسی عادت سے بھی اسے پہچان نہیں سکو گی۔ کہتے ہیں ماں کی ممتا اپنے بچے کو ہزاروں میں پہچان لیتی ہے۔ مگر رسونتی اب سے پہلے بھی اسے پہچاننے میں غلطی کرتی رہی ہے۔ آج بھی کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر وہ ممتا کی ماری اس کو پارس تسلیم کر رہی ہے۔ اس کے لیے اس نے ہم سب سے ناتا توڑ لیا ہے۔ بابا صاحب کے ادارے میں گوشہ نشین ہو کر چپکے چپکے اسے علم و ہنر سکھا رہی ہے۔"

سونیا نے کہا "یہ بہت اچھا کر رہی ہے۔ اگر وہ پارس ثابت ہوا تب بھی اور نہ ہوا تب بھی وہ بچہ حیرت انگیز ذہانت اور صلاحیتوں کے ساتھ پروان چڑھتا رہے گا۔ تم دونوں کو ماں باپ کہتا رہے گا اور تمھارا ہی نام روشن کرتا رہے گا۔"

میں نے کہا "اس لحاظ سے دوسرے پارس کو بھی علم و ہنر سے مالا مال کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ کبھی اصلی ثابت ہو تو ہمارے دل میں حسرت نہ رہ جائے کہ ہم نے اسے بھی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہے۔"

"بے شک، ہم دوسرے کے لیے بھی کوئی کمی نہیں چھوڑیں گے، مگر وہ دوسرا ہے کہاں؟"

"تم اس کے پیچھے گئی تھیں۔ بتاؤ کیا ہوا؟"

"حاشیہ جس بچے کو کار میں لے گئی تھی، اب ہم اس بچے کو پارس اوّل کہیں گے، کیوں کہ پہلے یہی ہمارے سامنے آیا ہے۔ بہرحال میں اس کار کے مالک اور مکان تک پہنچ گئی تھی۔ میں نے کال بیل کا بٹن دبایا تو ایک ہٹا کٹا ملازم آیا۔ میں نے کہا میں مسٹر محمت جواد سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک قد آور خوش پوش جوان آیا۔ اس نے کہا میں محمت جواد ہوں۔ میں خوش نصیب ہوں کہ مزارِ مقدس سے آنے والی ایک نورانی دوشیزہ میرا نام بھی جانتی ہے اور مجھ سے ملنا بھی چاہتی ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

میں نے کہا "حاشیہ نام کی ایک عورت ایک بچے کو لے کر یہاں آئی ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے یہاں کوئی عورت کسی بچے کے ساتھ نہیں آئی ہے۔"

میں نے کار کا نمبر، اس کا ماڈل اور رنگ بتلاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا یہ آپ کی کار نہیں ہے؟"

"بے شک ہے مگر وہ کار چوری ہو گئی ہے۔ میں چوری کی رپورٹ تھانے میں درج کرا چکا ہوں۔"

محمت جواد کی زیرِ لب مسکراہٹ اور لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ایسے ہی وقت مجھے تم پر غصہ آنے لگا۔ تم میرے پاس ہوتے تو فوراً اس کے دماغ سے سچ اگلوا لیتے۔"

"اب بھی کیا بگڑا ہے۔ تم اُسے مخاطب کرو۔ میں اس کی کھوپڑی میں پہنچ جاؤں گا۔"

"میں وہاں سے چلی آئی ہوں۔"

"کیا اس نے تمہاری خاطر مدارات نہیں کی اور ہاں وہ تمہیں نورانی دوشیزہ کیوں کہہ رہا تھا؟"

"یہاں سب مجھے یہی کہتے ہیں۔ میں سنتی رہتی ہوں۔ سچ پوچھو تو اپنی ذات میں ایسا نور محسوس کرتی ہوں جیسے میرے اندر روشنی کی ایک نئی دنیا آباد ہو گئی ہے۔ یہ روشنی میرے چہرے اور آنکھوں سے بھی جھلکتی ہے۔"

"اے نورانی دوشیزہ! اس کا مطلب ہے جب تم مجھ سے ملو گی تو میرے کمرے اور اُس کی تاریکی میں چراغاں کرتی رہو گی؟"

وہ جھینپ گئی۔ پھر خلا میں گھورتے ہوئے بولی "آئندہ مجھ سے ایسی باتیں نہ کرنا۔ وہ سونیا مر چکی ہے جو تمہارے بازوؤں میں پگھل جاتی تھی اور اچھے بُرے کی تمیز کرنا بھول جاتی تھی۔ کیا تم بتا سکتے ہو، ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے؟"

"محبت کا رشتہ۔"

"کیا یہ محبت مذہبی اور قانونی اصولوں کی پابند ہے؟"

"یہ تم کیا موضوع لے بیٹھی ہو؟"

"جب تم اس موضوع پر مجھے مطمئن کر سکو گے تو میں قائل ہو جاؤں گی۔ ورنہ ہمارے درمیان صرف دوستی اور انسانیت کا رشتہ رہے گا۔ اب کام کی باتیں کرو۔"

"میں نے اس مرید کے ذریعے محمت جواد کا فون نمبر بھی معلوم کیا تھا۔ تمہیں یاد ہو تو اسے فون پر مخاطب کرو۔"

وہ ایک ٹیلی فون بوتھ میں آئی۔ وہاں سے جواد کو مخاطب کیا۔ دوسری طرف سے جواب ملا "آقا بہت مصروف ہیں۔ آپ تھوڑی دیر بعد فون کریں۔"

میں بولنے والے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ریسیور رکھ کر جواد سے کہا "آقا! سونیا کا فون تھا۔"

جواد ایک صوفے پر بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔ اس نے چونک کر پوچھا "تم نے کیا کہا؟"

"سونیا کا فون تھا۔ میں نے ٹال دیا ہے۔"

وہ غرّا کر بولا "میں نے منع کیا تھا۔ فون پر سونیا کو اپنی آواز نہ سنانا۔ اب وہ تمہارا باپ تمہارے دماغ میں پہنچ چکا ہو گا۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ خلا میں یوں تکنے لگا جیسے سوچ رہا ہو یا اپنے دماغ میں کسی کی آواز سُن رہا ہو۔ پھر اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں اسے رخصت کرتا ہوں۔"

پھر اس نے ملازم کو گھور کر کہا "وہ میرے دماغ میں نہیں آسکے گا۔ تمہارے پاس رہ کر میرے متعلق معلومات حاصل کرے گا۔ لہٰذا تم یہاں سے چھٹی کرو۔"

ملازم نے التجا کی "آقا! میں آپ کا پرانا نمک خوار ہوں۔ آپ سے دور نہیں رہ سکتا۔ ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دیں۔"

"تم میرے وفادار ہو اس لیے ملازمت سے چھٹی دے رہا ہوں۔ ورنہ زندگی سے چھٹی کرا دیتا۔ میں اپنے اطراف ایسے ملازم نہیں رکھوں گا جن کے پاس فرہاد رہ کر مجھ پر نظر رکھ سکے۔"

وہ باتوں کے دوران اپنی جگہ سے اٹھ کر آئرن سیف کے پاس گیا۔ اسے کھول کر نوٹوں کی گڈیاں نکالیں۔ پھر اسے دیتے ہوئے کہا "یہ تمہاری آج تک کی خدمت کا صلہ ہے۔ اب جاؤ۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اس ملک سے باہر نکل جاؤ۔"

میں نے سونیا سے کہا "مجھے اس فون اٹینڈ کرنے والے ملازم کے ذریعے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ میری ٹیلی پیتھی سے خائف نہیں ہے۔ یعنی وہ اپنے دماغ میں میری سوچ کی لہروں کو روک سکتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے سے اس کا رابطہ ہے۔ اس کی حرکتوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ اپنے دماغ میں کسی کی باتیں سن رہا ہے۔ کسی کے احکامات سُن رہا ہے، ان میں سے ایک حکم پر عمل کرتے ہوئے اس نے ملازم کی چھٹی کر دی ہے۔"

سونیا نے کہا "اس ملازم سے بچّے کے متعلق معلوم کرو۔"

"میں نے معلوم کیا ہے۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ پانچ گھنٹے پہلے جواد کی کوٹھی میں ایک بچّہ لایا جانے والا تھا۔ پھر اچانک پروگرام بدل گیا۔ وہ عورت جو بچّہ لانے والی تھی اسے کسی دوسری جگہ لے گئی ہے۔ ملازمت سے برخاست ہونے والا ملازم اس سے زیادہ بچّے کے بارے میں نہیں جانتا ہے۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی "حاشیہ اسے محمت جواد کے بنگلے میں لے جا رہی تھی۔ اچانک پروگرام بدلنے کا مطلب یہ ہے کسی نے خیال خوانی کے ذریعے جواد کو بتا دیا کہ سونیا کو ایک ٹریفک پولیس افسر کے ذریعے جواد کا نام اور رہائش گاہ کا پتا معلوم ہو گیا ہے۔ وہ اس رہائش گاہ تک پہنچ سکتی ہے۔ لہٰذا حاشیہ کو راستہ بدلنے کا حکم دے کر جواد نے کار کی چوری کی رپورٹ درج کرا دی۔"

"یہ معلوم کرنا ہو گا کہ جواد کے دماغ میں کون بولتا ہے؟"

سونیا نے کہا "ظاہر ہے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے بولتے ہوں گے۔ شیبا ایسا نہیں کرے گی۔ اگرچہ وہ ہم سے الگ ہو گئی ہے مگر ہم سے محبت کرتی ہے۔ ہمارے خلاف کبھی محاذ نہیں بنائے گی۔"

اس طرح دو باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ ایک تو یہ کہ پارس اوّل دشمنوں کے قبضے میں ہے۔ وہ اسے ہم سے چھپاتے پھر رہے ہیں یا پھر اس ڈمی پارس کی جھلک دکھا کر ہمیں الجھا رہے ہیں۔ سونیا کا بھی یہی خیال تھا۔ ہم اسے ڈمی کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں مکمل تحقیقات کیے بغیر ہمیں قرار نہیں آسکتا تھا۔ پھر یہ بھی خیال آتا تھا کہ ہمارے دشمن ہمیں بے قرار رکھنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔

میں نے ذرا دیر اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد ہاربر کے دماغ کو ٹٹولا۔ اس کی بہن روزانہ کا دماغ فی الحال بے کار تھا۔ میں نے سونیا سے کہا "تقریباً آٹھ گھنٹے پہلے روزانہ استنبول آ رہی تھی۔ بھائی شاربیہ کے مشورے پر لندن چلی گئی۔ جیسا کہ تم جانتی ہو، شاربرا اور ہاربر کسی کے بھی دماغ میں آ کر اپنے بھائی آرمر کے لہجے میں بولتے ہیں۔ شاربیہ نے روزانہ کے دماغ میں بہت سی باتیں کیں، مگر اس سے پارس کا ذکر نہیں کیا۔ ہاربر بھی اس بچّے کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔"

سونیا نے کہا "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ان بہن بھائیوں کو پارس اوّل کی کوئی خبر نہیں ہے۔"

"ہاں مگر شاربیہ کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ وہ روزانہ اور ہاربر کو بھی بعض معاملات کی ہوا تک لگنے نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے وہ بہن بھائی کو اعتماد میں لیے بغیر پارس اوّل کو کسی خاص مقصد کے لیے فی الحال چھپا رہا ہو۔ یا پہلے خیال کے مطابق اس کی جھلک دکھا کر ہمیں الجھا رہا ہو۔ کسی اور اہم معاملے سے ہمارا دھیان ہٹا رہا ہو۔"

"فی الحال دوسرا اہم معاملہ وہ ٹرانسفارمر مشین ہے۔ تمہیں دوسری خطرناک تنظیموں تک بھی پہنچ کر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ٹرانسفارمر مشین کے سلسلے میں بین الاقوامی سطح کے مجرم شاربیہ تک پہنچنے کے لیے کیا کر رہے ہیں۔"

"میں ابھی معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیا تم پارس اوّل کی تلاش میں نکل رہی ہو؟"

"ہاں مجھے آگہی سی مل رہی ہے کہ وہ ملے گا تو اسی شہر میں ملے گا اور شاید آج ہی ملے گا۔"

"سونیا! مجھے یاد ہے۔ بزرگ حشمت بیگ کے انتقال کے بعد تم نے کہا تھا کہ ابھی استنبول میں رہو گی۔ اس وقت بھی تمہیں آگہی مل رہی تھی کہ اس شہر میں بڑے ہنگامے جنم لینے والے ہیں۔ ٹرانسفارمر مشین کے ایک حصے اور پارس اوّل کی موجودگی سے واقعی ہنگاموں کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اب میں دیکھنا چاہتا ہوں، اس لمحے کی آگہی کے مطابق تمہیں پارس اوّل آج ہی اسی شہر میں ملتا ہے یا نہیں؟"

"تم ہر آدھے گھنٹے بعد مجھ سے رابطہ قائم کرتے رہو۔ میں انشاء اللہ اس بچّے تک پہنچ جاؤں گی۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ شاربیہ اور ہاربر یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ریڈ پاور کا باس دہلی میں کون ہے؟ اور کہاں رہتا ہے؟ میرے مشورے پر باس رانا پرتاپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ بہت اہم معاملات پر کسی سے ٹرانسمیٹر پر گفتگو کرتا تھا لیکن یہ نہیں بتاتا تھا کہ دہلی میں موجود ہے۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا "میں دہلی آنا چاہتا ہوں۔"

اس نے پوچھا "بائی روڈ، بائی ٹرین یا بائی ایئر؟"

"مسٹر رانا! آپ نے جو کار دی ہے وہ بہت آرام دہ ہے۔ میں اطمینان سے بائی روڈ آؤں گا۔ لیکن خود ڈرائیو نہیں کروں گا۔"

"آپ کے پاس ابھی ڈرائیور پہنچ جائے گا۔"

"دشمن ہر بڑے شہر کے ہوٹلوں میں مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں دہلی میں کسی اچھی فیملی کے ساتھ رہنا پسند کروں گا۔"

"اچھی بات ہے، میں انتظام کرتا ہوں۔ ماسک مین آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

میں نے ماسک مین کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "فرہاد صاحب! چند اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مدراس کے ہوٹل نائیڈو میں ٹیلی پیتھی جاننے والی ایک عورت تھی۔ میرے آدمیوں نے اسے ڈھیل دی کیوں کہ آپ اسے ٹریپ کر رہے تھے۔ لیکن بعد کے حالات سے پتا چلا ہے کہ آپ نے اس عورت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ایک بہن ہے؟"

"یہ سچ ہے، مگر اب وہ ہمارے کسی کام کی نہیں رہی۔"

"جناب! جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ اسے نظر انداز کر رہے ہیں تو میں نے اپنے خاص آدمی اس کے پیچھے لگا دیے۔ پھر اس کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئیں، وہ بیان کر رہا ہوں۔"

وہ بیان کرنے لگا کہ روزانہ چہرہ بگڑنے کے بعد ہندوستان چھوڑ کر ترکی جانے لگی۔ ماسک مین کا ایک نہایت ہی شاطر جاسوس اس کے تعاقب میں تھا۔ سفر کے دوران روزانہ کو بھائی سے معلوم ہو گیا تھا کہ استنبول میں سونیا ہے اور دوسرے خطرات بھی ہیں

لہٰذا اسے پلاسٹک سرجری کے لیے لندن جانا چاہیے۔ جاسوس نے ماسک مین کو یہ خبر دی کہ روزانہ استنبول میں نہیں ٹھہرے گی، بلکہ لندن جائے گی، شاید پہلے پلاسٹک سرجری کرائے گی، اس پلاسٹک سرجری کے دوران روزانہ کو ٹریپ کیا جاسکتا ہے۔

اس حد تک بیان دینے کے بعد ماسک مین نے کہا۔

"فرہاد صاحب! میں نے لندن میں ایسے انتظامات کیے ہیں کہ روزانہ سرجری کے لیے ہمارے ہی ڈاکٹروں کے پلّے پڑے گی۔ سرجری سے پہلے اس پر نیم بے ہوشی طاری کی جائے گی پھر ہمارا ایک عامل اس پر تنویمی عمل کرکے اسے معمولہ بنائے گا اور اس کے بھائیوں کے متعلق اور ٹرانسفارمر مشین کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ اس سے پہلے میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا یہ اقدامات مناسب رہیں گے؟"

میں نے کہا "آپ کی کامیابی کے امکانات کم ہیں، وہ بھائی بہن آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائیوں میں سے کوئی پلاسٹک سرجری کے وقت بہن کے دماغ میں موجود رہے گا اور کسی کو تنویمی عمل کرنے کا موقع نہیں دے گا۔"

"جناب! میرا خیال ہے آپ نے روزانہ کے دماغ سے بہت کچھ معلوم کیا ہے مگر شاید ہمیں بتانا پسند نہیں کرتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے، وہ ٹرانسفارمر مشین ہم سب کے لیے اہم ہے۔ اگر وہ میرے ہاتھ لگی تو میں پہلی فرصت میں اسے برباد کر دوں گا۔ ورنہ اس کے ذریعے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن پیدا ہوتے رہیں گے۔"

"آپ اپنے نقطۂ نظر سے درست سوچ رہے ہیں۔"

"اور آپ کے نقطۂ نظر سے وہ مشین آپ کو مل جائے تو اسے کبھی تباہ نہیں کریں گے۔ میرے جیسے فرہاد پیدا کرتے رہیں گے۔ مسٹر ماسک مین! ہم ایک دوسرے کے بہترین دوست ہیں لیکن مشین کے معاملے میں ہمارے درمیان اختلافات رہیں گے۔ لہٰذا آپ اپنی تسلی کے لیے روزانہ پر تنویمی عمل کرا کے دیکھ لیجیے۔ شاید کامیابی ہو۔ اب آپ دوسری اہم بات بتائیں؟"

اس نے کہا "استنبول میں جرائم پیشہ افراد کا ایک ریکٹ ہے، جو ایم جے ریکٹ کہلاتا ہے۔ اس کے سرغنہ ایم جے نے استنبول کے باس کے ذریعے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ اگر میں اس کا ساتھ دوں اور اسے آپ سے محفوظ رکھوں تو وہ آپ کو ایک اہم معاملے میں بلیک میل کرکے ٹرانسفارمر مشین تک پہنچ سکتا ہے۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "بھلا وہ مجھے کس معاملے میں بلیک میل کرسکتا ہے؟"

"جناب! بہت اہم معاملہ ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے مجھے یقین تو نہیں آرہا ہے پھر بھی آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ ریکٹ سرغنہ ایم جے کا دعویٰ ہے کہ آپ کا بیٹا پارس اس کی تحویل میں ہے

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر بعد سمجھ میں آیا کہ جو کا مخفف ایم جے ہے۔ اس نے اپنے نام سے ایم جے ریکٹ کیا ہے۔ جرائم کی دنیا میں ایسے کئی ریکٹ اور سنڈیکیٹس ہیں، جو بڑی خطرناک تنظیموں یا سپر پاورز سے اہم معاملات سودا کرتے ہیں۔

میں نے ماسک مین کو یہ نہیں بتایا کہ میں محمت جواد یا ایم جے کو جانتا ہوں۔ میں نے کہا "آپ نے تو مجھے چونکا دیا ہے۔ میرا میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ کیا پارس واقعی اس کے پاس ہے

ماسک مین نے کہا "میرے ملک کا شمار سپر پاورز میں ایم جے میرے سامنے سوچ سمجھ کر ہی دعویٰ کر رہا ہے۔"

"کیا وہ ثابت کرسکے گا کہ جو بچہ اس کے پاس ہے وہ پا ہی ہے؟"

"میں اس سے ٹھوس ثبوت طلب کروں گا لیکن وہ سو کیے بغیر ثبوت پیش نہیں کرے گا۔"

"آپ اس سے سودا کرلیں۔"

"جناب! میری پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔ اگر میں نے سو کیا اور اسے تحفظ نہ دیا یا اسے آپ کے حوالے کر دیا تو آئند جرائم پیشہ افراد کسی سنڈیکیٹ کے ذریعے نہ مجھ پر اعتماد کریں گ اور نہ ہی دوسری سپر پاور کے خلاف اہم معلومات کا سودا کریں

"آپ کی پوزیشن کمزور نہیں ہوگی۔ اگر وہ ثابت کر دے جو بچہ اس کے پاس ہے، وہ میرا پارس ہے تو میں ٹرانسفارمر م حاصل کرتے ہی اس کے حوالے کر دوں گا۔ آپ اس سے پارس مشین کے تبادلے کا معاملہ طے کرسکتے ہیں۔"

ماسک مین نے خوش ہو کر پوچھا "کیا واقعی آپ وہ مشین ہمارے حوالے، ام... میرا مطلب ہے ایم جے کے حوالے کر دیں گ

"بے شک، حوالے کر دوں گا بشرطیکہ وہ بچہ اس کے رہ جائے۔"

وہ چونک کر بولا "کیا مطلب؟ کیا آپ اس بچے کو اغ کریں گے؟"

"آپ یہ رات گزارنے کے بعد ایم جے سے سودا کریں دوسری صبح تک بچہ اس کے پاس رہے گا تو میں اپنا وعدہ پورا کرو

اس نے مایوسی سے پوچھا "یعنی آپ صبح ہونے سے اس بچے کو حاصل کرلیں گے؟ لیکن کیسے؟ کیا آپ ایم جے ریک کے متعلق کچھ جانتے ہیں؟"

"آپ کے ان سوالوں کا جواب صبح تک مل جائے گا

کوئی اہم بات رہ گئی ہو تو بیان کریں؟"

اس کی امیدیں دم توڑ رہی تھیں۔ اس نے بے دلی سے کہا۔ "اور کوئی اہم بات نہیں ہے۔ میں صبح آپ کا انتظار کروں گا۔"

"اگر میں مصروف رہا اور آپ سے رابطہ قائم نہ کرسکا تو آپ کو ایم جے ریکٹ سے صورتِ حال کا پتا چل جائے گا۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اگرچہ ماسک مین بڑے ہی خطرناک اور آزمائشی مراحل میں میرے کام آتا تھا، میرا بہت ہی مخلص دوست تھا لیکن اس کا خلوص اپنی ملکی ضروریات کے سامنے کمزور پڑ گیا تھا۔ وہ ٹرانسفارمر مشین حاصل کرنے کے لیے میرے خلاف محاذ نہیں بنا سکتا تھا۔ مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے ایم جے ریکٹ کے ذریعے وہ مشین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا محمت جواد کا کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے سے گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ ماسک مین اس پر بھروسا کرے گا تو ناکامی اس کا مقدر ہوگی۔

اس معاملے کے دوسرے پہلو پر غور کیا جائے تو ماسک مین کو مشین سے زیادہ میرے بیٹے کو اہمیت دینا چاہیے تھی۔ وہ اپنے وسیع اور مستحکم ذرائع استعمال کرکے پارس کو ایم جے ریکٹ سے جبراً حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن وہ بیٹے کو میری کمزوری بنا رہا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس مشین کی خاطر کسی دن وہ مجھے کہیں بھی بُری طرح پھنسائے گا۔ لہٰذا آئندہ اس پر زیادہ تکیہ نہیں کرنا چاہیے۔

میرا قیام ایک چھوٹے سے کاٹیج میں تھا۔ شملہ آنے والے سیاحوں کے لیے ایسے بے شمار کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ میں میک اپ کے سامان کے ساتھ آئینے کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ اسی وقت نیا ڈرائیور آیا۔ میں نے اسے چار گھنٹے بعد آنے کا حکم دیا۔ وہ چلا گیا۔ میں نے اپنے چہرے میں تبدیلی کرنا شروع کی۔ تاکہ دہلی میں ریڈ پاور کا باس بھی مجھے پہچان نہ سکے۔ میں آئندہ رانا پرتاپ کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ کہاں قیام کر رہا ہوں۔

میں نے میک اپ کے دوران سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ استنبول میں شام گہری ہو رہی تھی۔ رات کا اندھیرا پھیلنے والا تھا۔ وہ اتاترک برج کے پاس اپنی کار سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے کہا "میرے سامنے کافی فاصلے پر مسجد سلطان سلیمان ہے۔ اس کے اطراف پرانے طرز کی کئی عمارتیں پہاڑی کے نشیب و فراز میں ہیں۔ وہیں 'قدسیہ' نامی ایک عمارت میں پارس مل سکتا ہے۔"

"یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میرے اندر ایسا خیال پیدا ہو رہا ہے۔"

"کبھی تمھیں آگہی ملتی ہے، کبھی خیال پیدا ہوتا ہے۔ مجھے صاف صاف بتاؤ، تمھارے دماغ میں یہ بات کیسے آئی کہ پارس قدسیہ بلڈنگ میں مل سکتا ہے؟"

"میں وضاحت نہیں کروں گی۔ اتنا بتا چکی ہوں کہ اب میرے اندر کسی بھی منفی سوچ کو جگہ نہیں ملے گی۔ اگر کوئی خیال خوانی کرنے والا مثبت اور تعمیری سوچ کے ساتھ آئے تو میرا دماغ اسے قبول کرلے گا۔ اگر آپ ہی آپ کوئی غلط خیال پیدا ہو تو میں فوراً ناگواری محسوس کرتی ہوں اور اسے دل و دماغ سے نکال دیتی ہوں۔"

"تم بات کو الجھا رہی ہو۔ چلو اتنا بتاؤ، کوئی تمھارے اندر خیال خوانی کے ذریعے بول رہا ہے اور پارس تک راہنمائی کر رہا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ اس سلسلے میں اب کوئی سوال نہ کرو۔ میں قدسیہ بلڈنگ کے مکینوں سے فون پر گفتگو کرنے جا رہی ہوں، تم وہاں پہنچ کر میرے اندازے کی تصدیق کرلو گے۔"

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی ایک دکان کے سامنے آئی، گاڑی روک کر اُس دکان میں آکر اس کے مالک سے فون کرنے کی اجازت طلب کی۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ سونیا کو قدسیہ بلڈنگ کا فون نمبر بھی اپنے اندر سے معلوم ہوا تھا۔ وہ نمبر بھی اس کے خیال میں پیدا ہوا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ کوئی روحانی عمل والی بات ہوگی یا پھر کوئی خیال خوانی کرنے والی ہستی اس کے اندر بولتی تھی۔

اس نے رابطہ قائم ہوتے ہی کہا "ہیلو، میں مسٹر فرنانڈو سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ انگریزی میں بول رہی تھی۔ دوسری طرف سے مقامی زبان میں کہا گیا "تم کون ہو، تمھاری بولی سمجھ میں نہیں آتی۔"

سونیا اس کی زبان سمجھ کر انجان بن رہی تھی۔ ذرا دیر بعد دوسرے شخص نے انگریزی میں پوچھا "کون ہے؟ کون بول رہا ہے؟"

میں نے سونیا سے کہا "اپنی آواز نہ سناؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں اس بولنے والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کریڈل کو کھٹکھٹاتے ہوئے 'ہیلو ہیلو' کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "شاید لائن کٹ گئی ہے۔ یا رانگ نمبر رہا ہوگا۔"

اس نے قائل ہو کر ریسیور کو رکھ دیا۔ وہ پرانے طرز کے ہال نما ڈرائنگ روم میں تھا۔ اس کے علاوہ وہاں دو عورتیں، تین مرد اور تین بچے تھے۔ ان میں سے ایک پارس اوّل تھا۔ اور عورتوں میں سے ایک حاشیہ تھی۔ پارس اس سے بہت مانوس تھا۔ اسی لیے حاشیہ کو بھی اس کے ساتھ چھپا کر رکھا گیا تھا۔

سونیا کب تک وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگی، یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا "پہلے میں پارس کے دماغ میں جگہ بنالوں۔ پھر قدسیہ عمارت کی اندرونی تفصیل

بتاؤں گا۔"

وہ بولی "مجھے اب کسی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تم میری ایک التجا قبول کرو گے؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تعجب ہے! سونیا مجھ سے التجا کر رہی ہے۔"

اسے مذاق نہ سمجھو۔ میرے اندر جو روحانی قوت بولتی ہے، اس کے مطابق تمھیں پارس کے دماغ میں نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"جو باتیں اپنے وقت سے پہلے سمجھ میں نہیں آتیں، وہ بکواس کہلاتی ہیں۔ وقت گزر جائے تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"تم یہ چاہتی ہو، میں اپنے بیٹے کے اتنے قریب پہنچ کر دور ہو جاؤں۔ اس کی حفاظت کے لیے دماغ میں جگہ نہ بناؤں اور اُسے پھر دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں؟"

"فرہاد! مجھے یہ آگہی مل رہی ہے کہ تم بیٹے سے دور رہو گے تو بیٹا دشمنوں سے محفوظ رہے گا۔ تمھارے قریب ہونے کا مطلب ہے، دشمن بھی اس کے قریب منڈلاتے رہیں گے اور پہلے کی طرح پارس ہم سے مل مل کر بچھڑتا رہے گا۔"

"میں تمھاری اس بات کو مانتا ہوں، میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا لیکن اس کے دماغ میں تو چھپ کر رہ سکتا ہوں۔"

"اس پر تمھاری سوچ کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہیے۔"

"کیا وہ دشمن، خیال خوانی کرنے والا، جواد کے ذریعے پارس کے دماغ میں نہیں جاتا ہو گا؟"

"پارس کے دماغ میں کوئی بھی جائے، اُسے نقصانات نہیں پہنچے گا۔ میں تمھیں یقین دلاتی ہوں، وہ محفوظ رہے گا۔"

"کیا تم اس کی پرورش کرو گی؟"

"میرے آس پاس بھی ہنگامے جنم لیتے ہیں۔ میں پارس کو قدسہ بلڈنگ سے نکال کر ایک شخص کے حوالے کر دوں گی۔ وہ گمنام شخص اس کی پرورش کرے گا۔"

"وہ کون ہے؟"

"سوری۔ اسے صرف میں جانتی ہوں۔ وعدہ کرو تم اس شخص تک پہنچنے کی حماقت نہیں کرو گے۔"

"شاید تم مجھے دنیا کا نمبر ون فول سمجھتی ہو یا تمھاری عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ تم کسی شخص پر بھروسا کر سکتی ہو۔ میں نہیں کر سکتا۔ ہم نے بھانت بھانت کے دشمنوں سے مقابلے کیے ہیں۔ کبھی ان پر غالب آئے، کبھی انھوں نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔ وہ تمھارے بھروسے کا آدمی بین الاقوامی مجرموں اور بڑی طاقتوں کے سامنے کب تک ٹھہرے گا۔ اس کے قدم اکھڑیں گے تو ہمارے پارس کا انجام کیا ہو گا؟"

"میں تمھیں فی الحال لفظوں کے ذریعے پارس کی سلامتی کا یقین دلاتی ہوں۔ وقت آنے پر اسے ثابت بھی کر دوں گی۔"

"مجھے افسوس ہے، میں آنے والے وقت کے انتظار میں اسے اجنبی ماحول میں، انجانے لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اگر تم بضد ہو تو سُن لو، تم پارس اوّل تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "انتظار کرو۔ میں ابھی اس کے دماغ سے ہو کر آتا ہوں۔"

"اگر بیٹے تک نہ پہنچ سکو تو شرم سے میرے پاس بھی نہ آنا۔"

یہ ایک چیلنج تھا کہ میں کوشش کرنے کے باوجود بیٹے کے پاس نہیں پہنچ سکوں گا اور یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ میں خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا اس شخص کے پاس آیا جس نے تھوڑی دیر پہلے فون پر اپنی آواز سنائی تھی۔ اب وہ قدسہ بلڈنگ میں نہیں تھا۔ رات کا وقت تھا اور یہ اس کے پینے کا وقت تھا۔ وہ وھسکی کی ایک بوتل خریدنے جا رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "پینے کی ایسی جلدی کیا ہے۔ ابھی مجھے بلڈنگ میں واپس جا کر اطمینان کرنا چاہیے کہ پارس کے سلسلے میں حفاظتی انتظامات تسلی بخش ہیں یا نہیں؟"

اس نے سڑک کے کنارے چلتے چلتے کہا "اونہہ، حفاظتی انتظامات کی ذمّے داری مجھ پر نہیں، برانڈو پر ہے۔"

پتا چلا، برانڈو یونانی باشندہ ہے۔ انگریزی نہیں جانتا۔ ترکی اور یونانی بولتا ہے۔ میرے سامنے زبان کا مسئلہ تھا۔ میں صرف جیکب کے دماغ میں رہ سکتا تھا۔ جب کہ وہ دماغ کو شراب میں ڈبونے جا رہا تھا۔

اچانک خیال آیا، سونیا کی پیشین گوئی درست ہو رہی ہے۔ اس بلڈنگ سے باہر آ کر جیکب مجھے پارس سے دور کرتا جا رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا۔ اُسے عادت کے مطابق پینے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ میں نے سوچا، پتا نہیں کم بخت کب تک پیتا رہے گا؟ اور کتنی پیتا رہے گا؟ مدہوشی میں میرے کام نہیں آسکے گا۔ ابھی اسے اچانک گھما کر بلڈنگ میں لے جانا مناسب نہیں تھا۔ میں معلوم کرنے لگا۔ اس کے کتنے ساتھی ایسے ہیں جو انگریزی بولتے ہیں؟ اور وہ کس حد تک بچّے کے سلسلے میں خدمات انجام دے رہا ہے؟

اس کی سوچ نے بتایا۔ ٹونی نام کے ایک دوست نے اسے محمت جوّاد کے پاس کام پر لگایا تھا۔ اور جوّاد نے اسے قدسہ بلڈنگ میں بھیج کر بچّے کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ میں نے اسے ایک ٹیلی فون بوتھ کے اندر پہنچا دیا۔ وہ خود ٹونی سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے یہ موقع ضائع نہیں ہونے دیا۔ وہ کوائن ہول میں سکّے ڈالنے کے بعد ٹونی کے متعلق سوچتا جا رہا تھا اور نمبر ڈائل کرتا جا رہا تھا۔ اس نے رابطہ قائم ہوتے ہی کہا "ہیلو ٹونی! میں جیکب بول رہا ہوں، یار! ایسی بھی کیا رازداری؟ نہ صورت دکھلاتے ہو نہ فون پر بات کرتے ہو۔ تمھیں دوستی کی قسم آجاؤ۔ ہم ایک ساتھ بیٹھ کے پئیں گے۔"

دوسری طرف سے محمت جواد کے دہاڑنے کی آواز سنائی دی: "یو بلڈی فول! تمھیں منع کیا گیا تھا کہ ٹونی سے کبھی نہ ملنا اور نہ ہی فون پر بات کرنا۔ میں حکم دیتا ہوں، فوراً قدسہ بلڈنگ سے نکل جاؤ۔ تمھاری زندگی چند سانسوں کی رہ گئی ہے۔"

"صاحب! آپ تو یوں بول رہے ہیں جیسے نوکری دے کر میری زندگی خرید لی ہے۔ آپ اتنی سی بات پر غصہ کیوں دکھا رہے ہیں؟"

دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔ جیکب نے ہیلو ہیلو کہہ کر کئی بار مخاطب کیا۔ پھر ناگواری سے ریسیور کو رکھ دیا۔ میں خود ناگواری سے سوچ رہا تھا: "یہ میرے اور پارس کے حق میں اچھا نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے فوراً جیکب کو استعمال کرنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے، جواد اپنی دھمکی پر عمل کرے اور اس کی زندگی چند سانسوں کی ہی رہ جائے۔"

وہ بوتھ سے باہر آیا۔ میں نے اُسے قدسہ بلڈنگ کی جانب دوڑانا شروع کر دیا۔ جب میں کسی کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما لیتا ہوں تو اس کا جسم میرا جسم ہو جاتا ہے۔ میں جدھر چاہتا ہوں، وہ اُدھر جاتا ہے۔ گویا وہ، وہ نہیں رہتا، میں رہتا ہوں۔

جیکب کے اندر میں دوڑ رہا تھا۔ میں سانسیں لے رہا تھا۔ اور اپنے بیٹے تک پہنچنے کی ضد میں قدسہ بلڈنگ کی تیسری منزل میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں دروازے پر دو غنڈے کھڑے تھے۔ میں نے اندر جانا چاہا۔ انھوں نے راستہ روکتے ہوئے مقامی زبان میں کہا "تمھارا کام ختم ہو چکا ہے۔ چھٹی کرو۔"

جیکب نے میری مرضی کے مطابق پہلے انگریزی میں کہا جب وہ سمجھ نہ سکے تو اُن کی زبان میں کہا "میں اندر جاؤں گا۔ میرا کچھ سامان رہ گیا ہے۔"

انھوں نے انکار کیا۔ میں نے ایک کو دھکّا دے کر جانا چاہا، دوسرے نے منہ پر گھونسا جڑ دیا۔ پھر ہمارے درمیان ٹھن گئی۔ جیکب مضبوط ہاتھ پاؤں کا آدمی تھا لیکن اچھی طرح لڑنا نہیں جانتا تھا۔ اب اس کی جگہ میں لڑ رہا تھا۔ دونوں کے چھکّے چھڑا رہا تھا۔ وہ پسپا ہو رہے تھے۔ مار کھاتے ہوئے اندر جا رہے تھے اور راستہ روکنے کی کوشش کرتے جا رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ میں ان کے قابو میں نہیں آؤں گا۔

ایک نے اچانک فلائنگ کک کے لیے چھلانگ لگائی۔ میں نے ذرا جھک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر اُسے فضا میں ہی کیچ کر لیا۔ پھر اسی طرح ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے سر سے بلند رکھتے ہوئے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ دوسرا جھنجلا کر سر جھکائے دوڑتا ہوا آیا، جیسے بیل سینگ مارنے آ رہا ہو۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر دوسرے کمرے کے دروازے کو کھول دیا۔ وہ دوڑنے کی رو میں دروازے سے گزرتا ہوا گیا۔ پتا چلا، دوسری طرف کچن تھا۔ گیس کا چولہا بھڑک رہا تھا۔ وہ اس پر اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کے حلق سے کربناک چیخ نکلی۔ میں دروازے کو باہر سے بند کرتے ہوئے، دوڑ لگاتے ہوئے تیسرے کمرے کی طرف گیا۔ اس کا دروازہ کھولتے ہی پارس نظر آگیا۔

وہ ایک آرام دہ پلنگ پر نیم دراز تھا۔ ہم باپ بیٹے کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا لیکن اس کے پاس کھڑی حاشیہ نے ریوالور نکال لیا۔ اپنی زبان میں بولی "یہ میری پہلی اور آخری وارننگ ہے۔ ایک قدم بھی آگے بڑھاؤ گے تو گولی مار دوں گی۔"

میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے پارس کو مخاطب کیا "بیٹے! میں تمھارا باپ ہوں۔ بولو، زبان کھولو۔ مجھے پاپا بولو۔"

اس کے ساتھ ہی ٹھائیں کی آواز سے گولی چلی۔ میں ایک دم سے لڑکھڑا گیا۔ گولی میرے بائیں شانے کو چھیدتی ہوئی گزر گئی تھی میں نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا "پارس، اسپیک اپ۔ کم آن مائی سن، اسپیک اپ۔"

پارس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ پھر چونک کر ریوالور کو دیکھنے لگا۔ وہاں سے دوسری گولی سنسناتی ہوئی آئی اور ٹھیک میرے دل کے قریب پیوست ہو گئی۔ میرے قدم اکھڑ گئے۔ میں اچھل کر فرش پر گرا۔ میرا آخری وقت آ پہنچا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ پارس دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ میرے کان اب بھی اس کی آواز سُن سکتے تھے لیکن میری آواز مر چکی تھی۔ میرے جسم میں زندگی کی آخری کپکپاہٹ تھی۔ میں نے اپنی تمام قوتوں کو سمیٹ کر اسے ڈوبتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ تب پارس کی زبان کھل گئی۔

اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ زبان چل رہی تھی، وہ بول رہا تھا۔ آہ! وہ ایسے وقت بول رہا تھا جب میرے سننے کی حس مر چکی تھی۔ میں اکھڑی اکھڑی سانس لیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ کوشش یہی تھی کہ ایک آدھ لفظ ہی سنائی دے مگر وائے ناکامی! ایک آخری ہچکی آئی اور میں مر گیا۔

اُدھر دم نکلا، اِدھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ موت کتنی بے رحم اور اذیت ناک ہوتی ہے، یہ میں دشمنوں کے اندر رہ کر بارہا خود کو مرتے دیکھ کر محسوس کر چکا ہوں۔ میں آئینے کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ابھی میک اَپ ادھورا تھا۔ پارس تک پہنچنے کی لگن میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ لیکن بُری طرح ناکامی ہوئی تھی۔ اب پارس اوّل کے اطراف کوئی ایسا نہیں تھا جس کے دماغ میں مجھے جگہ ملتی۔ سونیا کی پیش گوئی درست لگ رہی تھی۔

مجھے ضد ہو گئی، جب تک پارس کے پاس نہیں پہنچوں گا، سونیا کے دماغ میں نہیں جاؤں گا۔ ویسے بھی اس سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ مجھے پارس سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ لہٰذا وہاں تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی تھی۔

میں اپنا میک اپ مکمل کرتے ہوئے سوچنے لگا۔ ایک در بند ہوتا ہے، ہزار در کھلتے ہیں۔ مجھے ہزار نہیں، ایک اور در یا دماغ چاہیے ورنہ ہزار دروازے کھولنے کے لیے کسی وقت بھی استنبول پہنچ سکتا ہوں۔

اس بار میں نے بڑی محنت سے میک اَپ کیا۔ مجھے اسی میک اَپ میں کچھ عرصہ یہاں رہنا تھا۔ کمرے میں میرا سامان بکھرا پڑا تھا۔ میں نے ایک اٹیچی میں پہننے کے لیے کچھ جوڑے اور ضروری سامان رکھا۔ جیب میں دو ہزار اور اٹیچی میں بیس ہزار روپے رکھے پھر چُپ چاپ کالج کے پچھلے دروازے سے نکل گیا۔ کالج کے سامنے رانا پرتاپ کا ڈرائیور میرا انتظار کر رہا تھا۔ رات کے دس بجے تھے۔ شملہ کے ہوٹلوں اور کلبوں میں رات صبح تک جوان رہتی ہے۔ جوان جوڑے سڑکوں پر بھی نظر آتے ہیں۔ میں ایک سڑک پر چلتا ہوا بس اڈّے کی طرف جا رہا تھا۔ دہلی پہنچنے سے پہلے کسی اچھی فیملی میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ اور یہ اتنا آسان نہ تھا۔ کوئی اچھی فیملی کسی ننھے سے بچّے کو گود لے سکتی ہے۔ مجھ ڈھائی من کے بچّے کو بھلا کون گود لے سکتا تھا۔

گرمی کا موسم تھا۔ ایسے میں پہاڑی علاقے کی سردی کا لطف آ رہا تھا۔ میں نے بس اڈّے کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر چائے کا آرڈر دیا اور ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ بسوں میں طویل سفر تکلیف دہ ہوتا ہے مگر کرایہ کم لگتا ہے۔ غریب اور درمیانی طبقے کے عزت دار لوگ زیادہ نظر آ رہے تھے۔ ایسے سیٹھ اور مہاجن ٹائپ کے دولت مند بھی تھے جو کم سے کم بجٹ میں شملہ کی سیر کر کے بس کے ذریعے واپس جا رہے تھے۔ میں چائے پینے کے دوران کتنے ہی افراد کو اپنے مقصد کے لیے تاڑ رہا تھا۔ ایک آدھ سے باتیں بھی کرتا رہا، مگر کسی سے کام بنتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں اڈّے کی سرائے میں ایک چارپائی لے کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی میری بات نہیں بن رہی تھی۔ اس لیے دوسرے معاملات پر توجہ دینے لگا۔ ٹرانسفارمر مشین کا معاملہ نہایت اہم تھا مگر دو عدد پارس کی موجودگی نے مشین کے اہم معاملے سے میری توجہ ہٹا دی تھی۔ ایسے ہی وقت شبہ ہوتا تھا کہیں یہ دشمنوں کی چال تو نہیں ہے؟

میں روزانہ کے پاس پہنچا۔ اس کی سوچ نے بتایا، اُس کے چہرے کی سرجری ہونے والی تھی مگر نہ ہو سکی۔ عین وقت پر پتا چلا کہ سرجری کے لیے اس پر نیم بے ہوشی طاری کر کے تنویمی عمل کیا جا رہا ہے۔ بھائی اپنی بہن کے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے تنویمی عمل کو ناکام بنا دیا۔ پھر سرجری کرنے والے ڈاکٹر کو ایسی سزا دی کہ کلینک میں زلزلہ آ گیا۔ وہ ڈاکٹر مسلسل دماغی جھٹکے کھا کر نفسیاتی دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اب دوسرے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ دوسری صبح اس کے بگڑے ہوئے چہرے کو بنایا جائے گا۔

میں روزانہ کے دماغ میں چُپ چاپ یہ باتیں معلوم کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت بھائی آرمر کی آواز سنائی دی۔ آرمر کا بھائی نشار یہ اس کے لہجے میں بول رہا ہے۔ اُس نے بہن سے پوچھا۔ ”تمھارے اس کاٹیج میں کوئی آیا تھا؟ یا کسی نے فون کیا تھا؟“

وہ بولی۔ ”میں نے ابھی تک کسی کو نہیں دیکھا ہے اور کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ اپنا چہرہ چھپانے کے لیے کمرے سے باہر نہیں نکلتی۔ سارا کام بوڑھی خادمہ کرتی ہے۔“

”میں بوڑھی خادمہ سے مطمئن ہوں۔ اس کے دماغ نے بتایا ہے، اِدھر کوئی اجنبی نہیں آیا تھا۔ البتہ الیکٹریشن نے آ کر فیوز اور کال بیل کے بٹن کو درست کیا تھا۔ اب یہ بتاؤ، کیا تم ایسا محسوس کرتی ہو جیسے تم جو بات سوچنا نہیں چاہتیں، اُسے بے اختیار سوچتی رہتی ہو؟“

”میں سمجھتی ہوں، اپنی مرضی کے خلاف باتیں سوچنے کا مطلب ہے کوئی چپکے چپکے ہماری ہی سوچ میں خیال خوانی کر رہا ہے۔ میرے بھائی! جب سے تم نے کہا ہے کہ وہ قادر خان ہی فرہاد ہے اور دماغ میں جگہ بنا چکا ہے، تب سے میں خوف زدہ بھی ہوں اور محتاط بھی۔ ہمیشہ توجہ سے سوچتی ہوں کہ میری سوچ غیر متوقع اور مرضی کے خلاف تو نہیں ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ قادر خان سے میری ملاقات کو دو دن اور دو راتیں گزر چکی ہیں۔ فرہاد ابھی تک میرے دماغ میں نہیں آیا۔ نہیں میرے بھائی! اب نہ ڈراؤ۔ فرہاد نے اب تک مجھے نہیں پہچانا ہے۔“

”تم خواہ مخواہ ڈرتی ہو۔ وہ تمھیں کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور نہ ہی وہ تمھارے دماغ میں آنے کی ضرورت سمجھتا ہے۔ اس نے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم کیا ہے کہ مشین کے تین حصے ہم تین بہن بھائیوں کے پاس ہیں۔ میں نے تمھارا حصہ غائب کر دیا ہے۔ اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔“

”بھائی! تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا فرہاد چُپ چاپ ہماری باتیں سنتا ہو گا؟“

”وہ ایسا کر سکتا ہے۔ وہ تمھارے دماغ میں میرے ساتھ موجود ہو سکتا ہے۔ تم میں غیر معمولی حس ہوتی تو اسے پکڑ لیتیں۔ بہرحال میں جا رہا ہوں۔ صبح سرجری کے وقت آؤں گا۔“

وہ رخصت ہو گیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ جا چکا ہے۔ شاید وہ چپکے سے بہن کے خیالات پڑھ کر معلوم کرنا چاہتا ہو کہ میں موجود ہوں یا نہیں؟

اور میں اس لیے وہاں رہ گیا کہ شاید وہ میری عدم موجودگی کا یقین کرنے کے بعد بہن سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہو۔ اسی آنکھ مچولی کے دوران کال بیل کی آواز سنائی دی۔ دوسرے کمرے سے بوڑھی خادمہ نے کہا۔ ”میں جا کر دیکھتی ہوں، کون آیا ہے۔“

میں خادمہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دروازہ کھولنے جا رہی تھی۔ لیکن بیرونی دروازے کو کھلا دیکھ کر چونک گئی۔ چند نقاب پوش ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑے تھے۔ ایک نے بوڑھی کو قابو میں کیا۔ میں روزانہ کو اس کے کمرے سے بھگا سکتا تھا مگر یہ تماشا دیکھنا ضروری تھا۔ یقیناً وہ لوگ کسی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتے تھے اور معاملہ اسی مشین کا ہو سکتا تھا۔

وہ دندناتے ہوئے بیڈ روم میں آئے۔ روزانہ کے حلق سے چیخ نکلی لیکن ادھوری رہ گئی۔ ایک نے فوراً ہی اس کا منہ دبا دیا تھا۔ دوسرے نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔ اس میں لکھا تھا۔ ”ہم تمھیں زندہ چھوڑ دیں گے۔ ہمارے چند سوالات کے صحیح جواب دو۔ پہلا سوال:۔ تم کتنے بہن بھائی ہو؟ دوسرا سوال:۔ کتنے بھائی بہن ٹیلی پیتھی جانتے ہیں؟ تیسرا سوال:۔ وہ ٹرانسفارمر مشین کہاں ہے؟ جواب دیتے وقت یہ نہ کہنا کہ تمھیں معلوم نہیں ہے۔ ہم نہ سنتے ہی گولی مار دیں گے۔“

میں اس کے دماغ میں رہ کر وہ تحریر پڑھ رہا تھا۔ نشار یہ بھی پڑھ رہا تھا مگر وہ خاموش تھا۔ روزانہ وہ تحریر پڑھنے کے دوران سوچ کے ذریعے بھائی کو پکار رہی تھی۔ ثابت ہو گیا کہ نشار یہ جا چکا ہے۔ اب اسے ان سوالوں کے جواب دینے تھے۔ نہ دیتی تو ایک ریوالور اس کی کنپٹی سے، دوسرا اس کے سینے سے، تیسرا اس کے حلق سے لگا ہوا تھا۔ آنے والوں کے تیور بتا رہے تھے کہ تمام ریوالور ایک ساتھ چلیں گے اور اس کا حسین جسم آثارِ قدیمہ بن جائے گا۔

حسین عورت کو موت کی دھمکی دی جائے تو خاص ردِ عمل نہیں ہوتا مگر اسے اپنے لاجواب جسم کے کھنڈر ہونے کا تصور کرتے ہی وہ کانپ جاتی ہے۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی اپنے حُسن و شباب کے ساتھ شباب کی آخری ہچکی تک زندہ رہنا چاہتی تھی۔ وہ جواب دینے پر آمادہ ہو گئی۔ نشار یہ موجود ہوتا تو اس سچویشن سے نمٹ لیتا۔ میں خود نمٹ سکتا تھا۔ روزانہ کے ذریعے غلط جوابات دے کر دشمنوں کو مشین کے سلسلے میں بھٹکا سکتا تھا مگر مجھے کیا ضرورت پڑی تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ تمام بین الاقوامی مجرم اس مشین کے پیچھے اس طرح پڑ جائیں کہ وہ راز نہ رہے اور جب راز نہیں رہے گی تو انشاء اللہ سب سے پہلے میں خیال خوانی کے ذریعے وہاں تک پہنچوں گا۔

وہ تمام نقاب پوش چُپ تھے۔ اس کے بھائیوں کو اپنے دماغ تک آنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ حتّیٰ کہ میں بھی ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایک نقاب پوش نے دونوں ہاتھوں میں ریوالور لے کر اس کی دونوں آنکھوں کو نشانہ بنایا۔ وہ ایک دم سے لرز کر بولی۔ ”بتاتی ہوں، جو سوال پوچھے گئے ہیں، ان کے جواب بتاتی ہوں مگر مجھے یقین دلاؤ کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔“

ایک نے کاغذ پر کچھ لکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ میں نے اس کے ذریعے پڑھا، وہاں لکھا ہوا تھا۔ ”ہمارے سوالوں کے جواب درست ہوں گے تو تم زندہ بھی رہو گی اور ہم تمھیں دنیا کی حسین ترین عورت بھی بنا دیں گے۔“

وہ جواب دینے لگی۔ ”ہم پانچ بھائی بہن ہیں اور پانچوں ٹیلی پیتھی جانتے ہیں، جن میں سے تین ناکارہ ہو چکے ہیں۔ ایک میں ہوں اور اپنی خیال خوانی کی صلاحیت سے محروم ہو گئی ہوں، دوسری ہماری ایک معصوم بہن ہے جس کا نام جوجو ہے...“

آہ! بے چاری معصوم جوجو اب تمام خطرناک تنظیموں اور بڑی طاقتوں کی مرکزِ نگاہ بننے والی تھی۔ روزانہ اپنی سلامتی اور حسن و شباب کی خاطر بھید کھولتی جا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”ہماری جوجو بہت بھولی ہے۔ بظاہر جوان ہے مگر ذہنی طور پر بچی ہے۔ وہ دنیا کے مکر و فریب کو نہیں سمجھتی۔ ہمارا سب سے بڑا بھائی آرمر ہے مگر شراب نوشی کی زیادتی نے اسے کام کا نہیں چھوڑا۔ چوں کہ مشین اپنے گھر کی تھی، اسی لیے آرمر نے خیال خوانی سیکھ لی۔ مگر آج تک اسے کسی خاص مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا ہے۔“

وہ ذرا چُپ ہوئی، تمام ریوالور کے دباؤ بڑھ گئے، وہ جلدی سے بولی۔ ”ہمارا دوسرا بھائی نشار یہ ہے، میں ایک عیاش عورت ہوں، دنیا کے کسی رشتے کو نہیں مانتی مگر بھائی نشار یہ پر فخر کرتی ہوں۔ وہ ادب، آرٹ، تاریخ، جغرافیہ، طب اور سائنس کی بھرپور معلومات

رکھتا ہے۔ اتنا حساس ہے کہ فضا میں سونگھ کر خطرات کی پیش گوئی کر سکتا ہے۔ اتنا ذہین ہے کہ ایک دن فرہاد علی تیمور کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا۔ شاریہ سے چھوٹا بھائی ہاریہ ہے۔ وہ جلد سپر ماسٹر بننے والا ہے۔"

ایک نقاب پوش نے تحریری سوال کیا: "اپنی بہن اور بھائیوں کے مکمل پتے بتاؤ؟"

روزانہ نے کہا: "شاریہ اور ہاریہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ جوجو اور آرمر کا پتا بتا رہی ہوں۔"

اس نے وضاحت کی کہ کس طرح تینوں بہن بھائی تنویمی عمل کے ذریعے ایک دوسرے کا لب ولہجہ اور پتا ٹھکانا بھول چکے ہیں مگر اس کم بخت نے جوجو اور آرمر کا پتا بتا دیا۔

پھر اس نے مشین کے بارے میں کہا: "وہ مشین مکمل نہیں ہے۔ اس کے تین حصے کر دیے گئے ہیں، ایک حصہ شاریہ، دوسرا حصہ ہاریہ اور تیسرا حصہ میرے پاس تھا لیکن میرا حصہ بھائی شاریہ لے گئے ہیں۔ انھیں خدشہ ہے کہ فرہاد میرے دماغ تک پہنچ چکا ہے۔ اس طرح اب دو حصے بھائی شاریہ کے پاس اور ایک حصہ بھائی ہاریہ کے پاس ہے۔"

روزانہ نے تمام باتیں کھل کر بتا دیں مگر یہ نہ بتا سکی کہ وہ تینوں حصے کہاں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ ایک نقاب پوش نے تحریر کے ذریعے کہا: "تمھاری باتوں میں صداقت کی جھلک ہے، اس کے باوجود جب تک تصدیق نہیں ہوگی ہم تمھیں یرغمال بنا کر رکھیں گے۔ لہٰذا ہمارے ساتھ چلو۔"

وہ اُسے گن پوائنٹ پر لے جانے لگے۔ میں وہاں سے آگیا۔ ان کے ساتھ لگے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ لوگ اسے جہاں لے جاتے، میں بعد میں وہاں پہنچ جاتا۔ یہ رفتہ رفتہ تمام جرائم پیشہ افراد کی تنظیموں کو معلوم ہونے والا تھا کہ مشین کے تین حصے کیے گئے ہیں اور اُن حصوں تک پہنچنے کے لیے روزانہ، جوجو اور آرمر کو یرغمال بنایا جاسکتا ہے۔

بے شک انھیں یرغمال بنا کر شاریہ اور ہاریہ کو مجبور کیا جاسکتا تھا۔ دشمن اس حقیقت کو نہیں جانتے تھے مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ پانچوں بھائی بہن ایک دوسرے کی سلامتی کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دے سکتے تھے۔ اب دیکھنا یہی تھا کہ ٹرانسفارمر مشین کی زیادہ اہمیت ہے یا بھائی بہنوں کی؟

چوں کہ میں خیال خوانی کرتا ہوں اور کسی دشمن طاقت کو اس علم تک پہنچنے نہیں دینا چاہتا۔ اسی طرح شاریہ اور ہاریہ بھی شاید بہن بھائی کو قربان کر دیں مگر کسی کو مشین تک نہ پہنچنے دیں۔ لیکن میں معصوم جوجو کی قربانی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ روزانہ نے اس بے چاری کا پتا ٹھکانا بتا دیا تھا۔ دشمن کسی وقت بھی اس کے پاس پہنچ سکتے تھے۔ ان سے پہلے میں پہنچ گیا۔

جوجو اپنے بھائی آرمر کے ساتھ نیو یارک سے پیرس جانا چاہتی تھی۔ میں نے آرمر کو ٹریپ کیا۔ اسے اس بات پر قائل کیا کہ شاریہ، ہاریہ اور روزانہ پر کوئی افتاد آئے گی تو دشمن سیدھے جوجو تک پہنچیں گے۔ لہٰذا انھیں اپنا نام اور پتا بدل کر سفر کرنا چاہیے اور اس سفر کا اختتام استنبول میں ہونا چاہیے۔

جب بھی جوجو کی حفاظت کے لیے معقول تدبیر سمجھ میں آتی، تمام بہن بھائی اس پر ضرور عمل کرتے تھے۔ آرمر بھی قائل ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی مخصوص ذرائع استعمال کیے اور بھائیوں سے رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا: "میرے دماغ میں آپ ہی آپ خطرے کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ میں اپنا اور جوجو کا نام بدل کر سفر کرنا چاہتا ہوں۔"

شاریہ نے کہا: "خطرہ محسوس ہو رہا ہے تو گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔"

آرمر نے کہا: "مجھے یوں لگتا ہے کہ ہم پر اسی گھر میں مصیبت آئے گی۔ میرا مشورہ ہے، تم روزانہ کے پاس جا کر اس کی خیریت معلوم کرو۔"

"میں تھوڑی دیر پہلے اس کے پاس تھا۔ وہ بخیریت ہے۔"

"بعض اوقات ایک ساعت کے بعد خیریت نہیں رہتی۔ میری تسلی کے لیے اس کے پاس جاؤ۔"

"اچھا میں ابھی آتا ہوں۔"

اُدھر شاریہ رخصت ہوا، اِدھر میں روزانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے دماغ میں شاریہ اپنے بھائی آرمر کے لہجے میں حیرانی سے پوچھ رہا تھا: "یہ تم کہاں پہنچ گئی ہو؟"

وہ بھائی کی آواز سنتے ہی رونے لگی۔ اس نے بتایا کہ... بدمعاشوں نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ اور اس نے کس طرح مجبور ہو کر جوجو اور آرمر کا پتا بتا دیا ہے۔ شاریہ نے کہا: "میں ابھی تمھارے پاس آؤں گا۔ پہلے جوجو کی حفاظت ضروری ہے۔"

اس نے پھر آرمر کے پاس پہنچ کر کہا: "تم درست کہہ رہے تھے۔ روزانہ خطرے میں ہے۔ تمھیں اور جوجو کو بھی خطرہ پیش آسکتا ہے۔ فوراً یہ مکان چھوڑ دو اور کسی ہوٹل میں نام بدل کر کمرہ لو۔ یہاں سے اپنی اور جوجو کی تمام تصویریں لے جاؤ۔"

آرمر فوراً ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ جوجو کو سفر پر جانے کی خوشی تھی۔ وہ خوشی سے گنگناتی ہوئی ایک اٹیچی میں اپنا سامان رکھ رہی تھی۔ آرمر نے پوچھا: "جوجو! تمھارا پورا نام کیا ہے؟"

وہ بولی: "جینیفر جون۔"

"آج سے ہم تمھیں جینی کہیں گے۔"

وہ ٹھنک کر بولی: "نہیں، ہم کو جوجو اچھا لگتا ہے۔"

"کیا تمھیں فرہاد سے ڈر نہیں لگتا؟"

وہ سہم کر بولی: "اس کا نام مت لو۔"

"ہم تمھیں فرہاد سے چھپا کر رکھنے کے لیے نام بدل رہے ہیں۔ ہم تمھیں جینی کہیں گے تو فرہاد دھوکا کھا جائے گا۔ وہ تمھیں جینی نام کی دوسری لڑکی سمجھ کر کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اسے بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر کوئی بات سمجھائی جاتی تھی۔ بچے شیطان بھوت سے ڈرتے ہیں۔ وہ مجھ سے ڈرتی تھی۔ اس نے جلدی سے "ہاں ہاں" کے انداز میں سر ہلا کر کہا: "ہاں میرا نام جینی ہے، جوجو نہیں ہے۔ کوئی بھی پوچھے گا تو بتاؤں گی میرا نام جینی ہے۔ میں تو اپنے آرمر بھائی کی پیاری بہن ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا: "خدا کے لیے اب مجھے بھائی آرمر نہ کہنا۔ آج سے میرا نام..."

شاریہ نے کہا: "بھائی آرمر! جوجو کی بھلائی اسی میں ہے کہ اُسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ تم دور ہی دور سے اس کی نگرانی کر سکتے ہو۔ ہم بھی اس کا دن رات خیال رکھیں گے۔"

"اس طرح جوجو کی بھلائی کیسے ہوگی؟"

"اسے تنہا رہ کر زندگی گزارنا آئے گا۔ یہ بات بات پر بچوں کی طرح تمھاری محتاج نہیں رہے گی۔ سب سے اہم بات یہ کہ یہ ہمارے حوالے سے پہچانی نہیں جائے گی۔ نہ کوئی اسے ہماری بہن سمجھے گا، نہ ہی کوئی اس سے دشمنی کرے گا۔"

ہاریہ نے اپنے بھائی شاریہ کی تائید کی۔ میں نے آرمر کو قائل کر دیا۔ اس نے کہا: "اچھی بات ہے۔ یہ جسمانی طور پر دور رہے گی مگر ہم تمام بھائی اس کے دماغ میں آتے جاتے رہیں گے۔"

وہ جوجو سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا۔ مگر اس بالغ بچی میں خود اعتمادی پیدا کرنے اور دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اُسے گھر سے ہوٹل لے گیا۔ اسے سمجھانے لگا: "جینی! آج سے تم دلیر لڑکی ہو، تنہا زندگی گزارو گی۔ کوئی مشکل پیش آئے گی تو فوراً خیال خوانی کے ذریعے ہم سے رابطہ قائم کرو گی۔"

"میں دلیر ہوں مگر رات کو ڈر لگتا ہے۔"

"رات بھی دن جیسی ہوتی ہے، فرق یہ ہے کہ رات کو سورج نہیں ہوتا مگر دنیا وہی ہوتی ہے۔ لوگ وہی ہوتے ہیں۔ تمھارے پاس ٹیلی پیتھی جیسا نادیدہ ہتھیار ہے۔ کوئی تمھیں ڈرائے گا تو تم اس کی کھوپڑی میں زلزلہ پیدا کر سکتی ہو۔ وعدہ کرو، جو ہدایات تمھیں دے رہا ہوں، ان پر عمل کرو گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ خیال خوانی ہمیشہ تنہائی میں کیا کرو تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔"

"میں کسی کو شبہ نہیں ہونے دوں گی۔"

"شاباش! مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے جب کوئی وعدہ کرتی ہو تو اُسے یاد رکھتی ہو اور اسے پورا بھی کرتی ہو۔ ایک اور وعدہ کرو، کسی مرد سے دوستی نہیں کرو گی۔ صرف رسمی کلمات یا گفتگو کر کے اس سے پیچھا چھڑا لیا کرو گی۔"

اس نے وعدہ کیا کہ کسی مرد سے دوستی نہیں کرے گی۔ آرمر نے سمجھایا: "تم پاسپورٹ کے مطابق امریکی ہو، مگر تمھارے ماں باپ اور تمھارا پورا خاندان اسرائیل میں ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "آپ کو پتا ہی نہیں ہے کہ ہمارے ماں باپ مر چکے ہیں اور اسرائیل تو ہم نے خواب میں بھی نہیں دیکھا ہے۔"

"تم درست کہہ رہی ہو لیکن دنیا والے تم سے تمھارے خاندانی حالات پوچھتے رہیں گے۔ تمھیں تنہا پا کر وہ تجسس میں مبتلا ہوں گے۔ ان کی تسلی کے لیے یہ جھوٹ بولنا ہوگا۔"

وہ جوجو کو ایک ایک بات سمجھا رہا تھا مگر وہ ذرا دیر سے سمجھ رہی تھی۔ یہ بات اطمینان بخش تھی کہ جو بات سمجھ لیتی تھی، اس پر پوری طرح عمل کرتی تھی۔ میں انھیں چھوڑ کر روزانہ کے پاس آیا۔ ابھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ کن لوگوں نے اُسے اغوا کیا ہے؟ اور کہاں لا کر قید کیا ہے؟ شاریہ نے اس کے دماغ میں کہا: "یہ بہت بُرا ہوا۔ تمھیں یہاں لانے والے یقیناً مشین کا مطالبہ کریں گے۔"

روزانہ نے کہا: "بھائی! وہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"تمھیں مارنے سے انھیں کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ وہ حصہ اب تمھارے پاس نہیں رہا۔ ایک بات یاد رکھو، وہ تمھیں فی الحال زندہ رکھیں گے۔ جوجو اور آرمر کو بھی یہاں لانے کی کوشش کریں گے۔ وہ سمجھتے ہیں، میں دو بہنوں اور ایک بھائی کا قتل برداشت نہیں کروں گا۔ تم تینوں کی جان بچانے کے لیے مشین ان کے حوالے کر دوں گا۔"

"کیا تم ایسا کرو گے؟"

"میرے جیتے جی وہ مشین کسی کے ہاتھ میں نہیں جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے، ہم تینوں بھائی بہن مر جائیں گے۔"

"میں دشمنوں کو جوجو اور آرمر تک نہیں پہنچنے دوں گا۔"

"کیا تم نے انھیں چھپا دیا ہے؟"

"یہ سوال نہ کرو۔ ورنہ اس کا جواب دشمنوں کے سامنے اُگل دو گی۔"

"وہ مجھ پر ظلم کریں گے۔"

"کہنے دو۔ انھیں یقین آجائے گا کہ جو معلومات انھیں فراہم کر چکی ہو، اس سے زیادہ نہیں جانتی ہو۔"

"بھائی! پلیز مجھے کسی طرح یہاں سے نکالو۔"

"اس کا انحصار تمھاری چالاکی اور حاضر دماغی پر ہے۔ اپنے پاس آنے والوں کو کسی طرح بھی بولنے پر مجبور کرو، جب تک ان میں سے کسی کے دماغ میں جگہ نہیں ملے گی، میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

میں نے روزانہ کی سوچ سے معلوم کیا۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے اپنے گھر سے اغوا کی گئی تھی اور پونے نو بجے وہاں لا کر قید کی گئی تھی۔ میں نے ماسک مین سے پوچھا۔ "کیا روزانہ کو آپ کے آدمیوں نے اغوا کیا ہے؟"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں تو اس کے لیے کوئی دوسرا منصوبہ بنا رہا ہوں۔"

"یعنی آپ اس کی بہن جوجو اور آرمر کو اغوا کرانا چاہتے ہیں؟"

اس نے پھر چونک کر کہا۔ "اوہ گاڈ! آپ سے تو کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ کیا آپ اس سلسلے میں پیشین گوئی کریں گے؟"

"جی ہاں۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائیوں نے جوجو اور آرمر کے لیے حفاظتی انتظامات کیے ہیں۔"

"فرہاد صاحب! میں یہ نہیں کہتا کہ آپ وہ مشین تباہ نہ کریں لیکن مجھے اپنی جدوجہد سے اسے حاصل کرنے کا موقع دیں اور میری ایک چھوٹی سی مدد کریں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"دیکھیے، میں دوسرے بھائی بہن کو اغوا نہیں کراؤں گا تو دوسری تنظیموں کے افراد ایسا کریں گے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ایک بھائی یا بہن میری قید میں رہے؟"

میں تو چاہتا تھا کہ مشین کا معاملہ زور پکڑتا چلا جائے اور زور لگانے والے تمام مجرم اپنے اپنے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے شاریہ کو مجبور کر دیں۔ یا وہ بدحواسی میں کوئی غلطی کر بیٹھے جس کے نتیجے میں وہ مشین منظرِ عام پر آجائے۔

میں نے ماسک مین سے کہا۔ "میں ان کے بڑے بھائی آرمر کو آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔ آپ وعدہ کریں کہ جوجو کو آپ کے آدمیوں سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ آپ اسے دشمنوں سے بچاتے رہیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ آپ جوجو کو میری پناہ میں دے دیجیے گا۔"

"جوجو کسی کی پناہ میں نہیں رہے گی۔ وہ ایک معصوم لڑکی ہے۔ اسے دنیا کی مکاریوں سے الگ ایک آزاد زندگی گزارنے دیجیے۔"

میں نے اسے آرمر کا پتا بتا دیا۔ وہ بولا۔ "جناب! ابھی دہلی کے باس رانا پرتاپ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ شملہ کے کالج سے اچانک غائب ہو گئے ہیں۔ کیا آپ کو ہم پر اعتماد نہیں رہا؟"

"جب دو دوستوں کے مفادات ٹکرا جائیں تو کسی ایک کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ ان حالات میں احتیاط لازمی ہے۔ اس لیے روپوش ہو گیا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ ہندوستان میں آپ سے کوئی مدد حاصل نہ کروں۔ آپ کی دوستی سے پہلے میں خود پر زیادہ بھروسا کرتا تھا۔ اور خود پر اعتماد کرنا، دوسروں پر تکیہ نہ کرنا اچھی بات ہے۔"

"نہیں، فرہاد صاحب نہیں۔ آپ کو ناراض کر کے میں ایک اچھے دوست سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ میں مشین کے حصول سے باز آجاؤں گا۔ آپ کا اعتماد ہر حال میں حاصل کروں گا۔"

"آپ جذبات میں آکر یہ فیصلہ نہ کریں۔ وہ مشین دنیا کی سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی ایجاد ہے۔ اس کے ذریعے کوئی بھی شخص یا کوئی بھی ملک ساری دنیا پر فرعون بن کر حکومت کر سکتا ہے۔ جب اسے دوسرے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیوں نہ کریں؟ بائی دی وے، یہ میرا فیصلہ ہے کہ جب تک وہ مشین کہیں ٹھکانے نہیں لگے گی، میں کسی پر بھروسا نہیں کروں گا۔ لہٰذا آپ اپنی کوششیں جاری رکھیں۔"

اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں بس اسٹاپ کی جس سرائے میں آرام سے لیٹا ہوا تھا، وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ باہر سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں چارپائی سے اچھل کر فرش پر آیا۔ پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا ایک دیوار کی آڑ میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ وہاں دو چار عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ چھپی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ایک عورت نے گھور کر کہا۔ "گولیوں کی آواز سنائی نہیں دیتی؟ اسے فائرنگ کہتے ہیں۔"

ایک شخص بھاگتا ہوا آیا۔ پھر ایک کونے میں دبک کر کانپتے ہوئے بولا۔ "پھولن دیوی ہے، پھولن دیوی۔ ہے بھگوان! تو ہی اس کالی بلا سے بچا سکتا ہے۔"

میں نے بے یقینی سے کہا۔ "پھولن دیوی تو بہار اور یوپی کے علاقوں میں واردات کرتی ہے۔ وہ اس پہاڑی علاقے میں کیوں آئے گی؟"

ایک عورت نے کہا۔ "بزدل! ہم سے کیا پوچھتے ہو، پھولن

سے جا کر پوچھو۔"

میں نے کہا۔ "اے خبردار! مجھے بزدل نہ کہنا۔ تمھاری جیسی عورتیں ڈاکو بن جائیں تو کیا میں ڈر جاؤں گا؟"

"ارے تو یہاں کیوں ڈینگیں مار رہے ہو۔ ایک عورت گھوڑے پر سوار آئی ہے، مرد ہو تو اُسے پکڑ لو۔"

میں نے پوچھا۔ "جو اُسے پکڑ نہیں پاتا، کیا وہ مرد نہیں ہوتا؟"

"ہرگز نہیں، وہ زنخا ہوتا ہے۔"

"دیکھو تم اپنے گھر والے کو زنخا کہہ رہی ہو۔"

وہ ایک دم سے بھڑک گئی۔ مجھے مارنے کے لیے آگے بڑھی۔ میں اس سے آگے بڑھ گیا۔ وہ غصے میں ڈاکوؤں کو بھول گئی تھی۔ ہاتھ میں جھاڑو لے کر میرے پیچھے دوڑتی ہوئی سرائے سے باہر آئی۔ فائرنگ بند ہو چکی تھی۔ کچھ ڈاکو گھوڑوں سے اُتر کر بڑے بڑے سیٹھوں کو رائفلوں کی زد میں رکھ رہے تھے۔ اُن سے نقدی اور زیورات چھین رہے تھے۔ میں جھاڑو سے بچنے کے لیے دوڑتا ہوا ان کے درمیان آیا۔ زمین پر ایک بڑی سی چادر بچھی ہوئی تھی۔ تمام مسافر اپنی جیب، اپنا بٹوا اور اپنی اٹیچی وغیرہ خالی کر کے اپنا تمام مال چادر پر ڈال رہے تھے۔

میں بھاگتا ہوا چادر پر آیا۔ دو ڈاکو مجھ پر رائفل تان کر کچھ کہنا چاہتے تھے مگر ایک عورت کے ہاتھ میں جھاڑو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میرا مذاق اڑانے لگے۔ ایک ڈاکو نے کہا۔ "پھولن دیوی ٹھیک کہتی ہے کہ مرد بزدل ہوتا ہے۔ عورت جھاڑو مارے تو یوں دُم دبا کر بھاگتا ہے جیسے وہ توپ چلا رہی ہو۔"

تمام لوٹنے والے قہقہے لگا رہے تھے۔ اور لٹنے والے سہمے ہوئے تھے۔ میں نقدی اور زیورات کو روندتا ہوا، انھیں... ٹھوکروں سے اڑاتا ہوا جھاڑو والی کو طیش دلاتا جا رہا تھا۔ وہ میری طرف لپکتی جا رہی تھی۔ اس دوران میں نے ایک بھرپور جوان عورت کو دیکھا۔ وہ پتلون، شرٹ اور سویٹر پہنے گھوڑے پر سوار تھی اور بے اختیار ہنستے ہوئے ہمارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے جھاڑو والی عورت سے کہا۔ "اری او چھبیلی! تو لسے کا جھاڑو مار کے دکھائے گی تو ہم تیرے کو سونے کا کنگن دیں گے۔"

وہ جھاڑو کو سر سے بلند کیے بڑی تیزی سے آئی۔ میں عین وقت پر ہٹ گیا۔ جھاڑو ایک ڈاکو کے منہ پر پڑی۔ وہ تلملا کر عورت کو مارنا چاہتا تھا۔ گھڑسوار عورت نے للکار کر کہا۔ "خبردار! اُدکا نہ مارنا۔ کھیل تماشے میں ایسا ہو جاتا ہے۔"

مگر جھاڑو والی کو ہوش آگیا تھا۔ پہلے غصے اور جنون میں مجھے مارنے کے لیے دوڑتی رہی تھی، جیسے اس پر دورہ پڑا ہو۔ اب ڈاکو نے اسے پکڑ کر مارنا چاہا تو اچانک ہوش میں آگئی۔ اس کے ہاتھ سے جھاڑو گر گئی۔ میں نے گھڑسوار سے کہا۔ "اری او چمپا چنبیلی! کا نام ہے تیرا؟ بھلے کوئی نام ہو، یہ جوتیا تو ہار گئی۔ اسے سونے کے کنگن نہیں ملیں گے مگر اس جیتنے والے کو کا ملے گا؟"

گھڑسوار نے کہا۔ "ایک کمزور عورت سے جیت کے بڑائی کرتا ہے۔ جھاڑو لاؤ۔ میں سب کے سامنے اس کی عزت اتاروں گی۔"

میں نے کہا۔ "اگر تو میرے کو جھاڑو مار کے دکھائے گی تو میں تیرے کو سونے کے کنگن پہناؤں گا۔ اور اگر نہ مار سکی تو بول، میرے کو کا انعام دے گی؟"

"بول، کا انام چاہیے ہے؟"

میں نے کہا۔ "جیتنے کے بعد اپنے پسند کی عورت چاہوں گا۔"

"منظور ہے۔" گھڑسوار راضی ہو گئی۔ ایک ڈاکو نے زمین پر سے جھاڑو اٹھا کر دی۔ اس نے اسے ہاتھ میں لے کر گھوڑے کو ایڑ لگائی --- اسے تیزی سے دوڑاتی ہوئی ایسے آئی جیسے جھاڑو سے نہیں تلوار سے حملہ کرنے والی ہو۔ اس کے قریب آتے ہی میں فضا میں اُچھل کر قلابازی کھاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ گھوڑا اپنی روانی میں رکتے رکتے دور تک گیا۔ پھر گھڑسوار نے لگام موڑ دی اور میری طرف آنے لگی۔ اب اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مجھ پر حملہ ناکام رہا تو اس کی بڑی بے عزتی ہوگی۔ اب میں اس کی عزت رکھنے کے لیے جھاڑو تو کھا نہیں سکتا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اس کے حملے کو ناکام بنایا۔ گھوڑا اسی طرح دوڑتا ہوا دور جا کر پلٹنے لگا۔ میں نے کہا۔ "کتنے افسوس کی بات ہے، بندوق چلانے والے ہاتھ جھاڑو نہیں چلا سکتے۔"

وہ ڈاکوؤں کی رانی سردار تھی۔ اپنی توہین برداشت نہ کر سکی۔ یکبارگی جھاڑو پھینک کر ریوالور نکال لیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "گولی چلانے سے پہلے سن لے۔ میں مر گیا تو سمجھ لے مر ہی گیا۔ اگر زندہ رہ گیا تو تیرے کو بھگا کے لے جاؤں گا۔"

وہ حقارت سے ایک طرف تھوکتے ہوئے بولی۔ "عورتوں کو بھگا کے لے جانے والے اور ان کی عزت سے کھیلنے والے کتوں کے لیے میں نے پھولوں کی سیج چھوڑ دی۔ گھوڑے کی پیٹھ پہ بیٹھ گئی۔ پوجا کی تھال چھوڑ دی، ہاتھ میں بندوک پکڑ لی۔ دیکھ، کھری بار دیکھ، میرا نشانہ کتنا سچا ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے گولی چلائی۔ میں اس کی کھوپڑی میں رہ کر سمجھ گیا تھا، نشانہ سچا ہے، گولی یقیناً میری طرف آئے گی۔ اس سے ذرا پہلے ہی ہٹ گیا۔ اس نے ایک دم سے پھیر کر گھوڑے کو

ایڑ لگائی ۔۔۔ اسے دوڑاتے ہوئے مجھ پر پے درپے فائر کرتے ہوئے آئی۔ میں اس کا نشانہ خطا کراتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب آئی، میں نے اسے لگام کھینچنے پر مجبور کر دیا۔ گھوڑا پھر ایک بار رکتے رکتے گھوم گیا ۔۔۔ میں فوراً ہی اُچھل کر گھوڑے کی پشت پر اس کے پیچھے آ گیا۔ ایک ہاتھ کمر میں ڈال کر اسے جکڑ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے ریوالور چھین کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولا "خبردار! کوئی گولی نہ چلائے۔ تمھاری رانی سردار پہلے مرے گی۔ میری باری بعد میں آئے گی!"

تمام ڈاکوؤں کی رائفلیں مجھ پر اٹھی ہوئی تھیں مگر وہ رانی سردار کی سلامتی کے لیے مجھ پر گولی نہیں چلا سکتے تھے۔ وہ میری گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی مگر میں خیال خوانی کے ذریعے کمزور بنا کر اس کی سوچ کی لہروں میں کہہ رہا تھا "آہ! کیسی بھولا دی جکڑ بندی ہے۔ یہ آدمی نہیں لوہا ہے لوہا۔ آج میرے کو معلوم ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں پھر ایک پرتھوی راج آیا ہے اور اپنی سنجوگتا کو گھوڑے کی پیٹھ پر بھگا کے لے جا رہا ہے۔"

میں نے لگام اس کے ہاتھ سے لے لی، گھوڑے کو چاروں طرف گھمانے لگا، تاکہ تمام ڈاکو ریوالور کو رانی سردار سے لگا ہوا دیکھ لیں اور یقین کر لیں کہ ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی چشم زدن میں دب سکتی ہے۔ اسی وقت ایک مکان کی چھت پر سے میگافون کے ذریعے آواز سنائی دی "شاباش جوان! تم نے تنہا اتنے خطرناک گروہ کو قابو میں کیا ہے۔ تمھیں سرکار کی طرف سے انعام ملے گا۔"

چاروں طرف سرچ لائٹس روشن ہونے لگیں۔ رات کے وقت صاف نظر آنے لگا۔ کئی مکانات کی چھتوں پر مسلح سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ ایک انسپکٹر میگافون کے ذریعے پوچھ رہا تھا۔ "جوان تم کون ہو؟ کیا نام ہے تمھارا؟"

میں نے کہا "پھولن دیوی کو بس میں کرنے والا پھول دیوتا ہی ہو سکتا ہے۔"

سب ہنسنے لگے۔ انسپکٹر نے کہا "یہ پھولن دیوی نہیں، رانی سردار ہے۔ ہمارے مخبر نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آج یہ پہلے تھانے پر حملہ کرے گی، پھر سرائے میں لوٹ مار کرے گی۔ ہم نے اسے دھوکا دیا۔ یہ تھانے گئی تو چند سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور کہا کہ تھانیدار صاحب پولیس فورس کے ساتھ پاس والے گاؤں میں گئے ہیں۔"

رانی سردار غصے سے بولی "اچھا تو ہماری منڈلی میں کوئی بھیدی ہے جو لنکا ڈھا رہا ہے۔ میں اسے جندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

انسپکٹر نے کہا "تم زندہ بچو گی تو زندہ چھوڑو گی! اپنے آدمیوں سے کہو ہتھیار پھینک دیں۔ اور جوان! تم رانی سردار کو یہاں لے آؤ۔"

میں نے کہا "تھانیدار جی! تم آنکھیں کھول کے سپنا دیکھ رہے ہو۔ یہ کس الو کے پٹھے نے کہہ دیا کہ میں رانی سردار کو تمھارے حوالے کر دوں گا۔ ارے! اس پہ تو میرا دل آ گیا ہے۔ اسے بھگا کے لے جا رہا ہوں۔ روک سکو تو مجھے روک لو۔"

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ نہ پولیس کی طرف تھا نہ ڈاکوؤں کا طرف دار تھا۔ رانی سردار کا عاشق سمجھا جا رہا تھا۔ اور دیوانے وہی کرتے ہیں جو دوسرے نہ کرتے۔ میں نے اچانک سرچ لائٹ پر گولی چلائی۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ اس کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹا۔ ایک طرف سے تاریکی چھا گئی۔ اس سے پہلے کہ جوابی فائرنگ ہوتی، میں نے دوسری سرچ لائٹ کو بھی بے کار کر دیا۔ ہر طرف تاریکی ہو گئی۔ ایسا کرنے کے دوران میں رانی سردار کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھا پوزیشن بدلتا جا رہا تھا تاکہ فائرنگ سے محفوظ رہوں۔ پھر ہر سو تاریکی ہوتے ہی میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ پھر اور وہ جا۔ دیکھنے والے دیکھتا رہ جا۔

ڈاکو بڑے تربیت یافتہ تھے۔ انھیں سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی کہ ایسے موقع سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ وہ جوابی فائرنگ کرتے ہوئے ہمارے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ لگام رانی سردار کے ہاتھوں میں تھی۔ میں پہاڑی راستوں سے واقف نہیں تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "یہ کون ہے؟ اس نے کیسے ناک نیچی کر دی۔ اس کے اوپر گسّا بھی آ رہا ہے۔ احسان بھی ماننا پڑتا ہے۔ یہ مجھے پولیس کے بہت بڑے دھوکے سے بچا کر لے جا رہا ہے۔ اے جگ دمبے! اے شیراں والی ماں! یہ کون ہے؟"

میں نے اسے مخاطب کیا "اے گھوڑے والی! ا... آدمیوں سے ...."

وہ بھڑک کر بولی "خبردار! گھوڑے والی نہ کہنا۔ تو سُن چکا ہے۔"

"تو دنیا والوں کے لیے رانی سردار ہے۔ پر تیرا سردار ہوں، میں بازی جیت رہا ہوں۔"

وہ ناگواری سے بولی "میں تیری جیت کو ہار میں بدل دوں گی۔"

"اری نک چڑھی! گسّا بعد میں دکھانا۔ پولیس والے پیچھا کر رہے ہیں۔ یہ تیرے آدمی بالکل نکمے ہیں۔ ان کو دور تک بھٹکانا اور پولیس والوں کو دور تک بھٹکانا چاہیے۔"

وہ چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں سے کہنے لگی "ارے او شنکر! ارے او ہریا۔ کا گھاس کھا گئے ہو۔ پولیس کو بھٹکاؤ۔"

ہمارے گھوڑے تیز رفتاری سے دوڑ رہے تھے۔ ان کی ٹاپیں دور تک گونج رہی تھیں۔ شنکر نے چیخ کر جواب دیا "رانی سردار! ہم ابھی پولیس کو بھٹکائے دیں گے۔ پر آپ کی رکھشا (حفاظت) کرنا ہمارا دھرم ہے۔ پتا نہیں، یہ آدمی آپ کو کہاں لے جانا چاہتا ہے؟"

وہ بولی "میری چنتا (فکر) نہ کرو۔ پولیس سے پیچھا چھڑاؤ۔"

وہ حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ چار چار کی ٹولیوں میں مختلف راستے اختیار کرنے لگے۔ اب پولیس والوں کے لیے مسئلہ تھا۔ اگر وہ بھی مختلف راستوں پر جاتے تو رانی سردار ہاتھ سے نکل جاتی اور رانی سردار کا تعاقب کرتے تو مختلف راستوں پر جانے والے ڈاکو گھوم کر پیچھے سے آتے اور فائرنگ کرتے، اس طرح پولیس پارٹی بیچ میں پھنس جاتی۔

وہ پھنسنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے پولیس کی مختلف ٹولیاں مختلف سمتوں میں ان کا تعاقب کرتی رہیں۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں ایک پولیس افسر ہوں۔"

وہ چونک کر بولی "جھوٹ۔ تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے میرے لیے پولیس سے ٹکر لی ہے۔"

"وہ تو ایک ڈراما تھا۔ وہاں تو اپنے آدمیوں کی مدد سے بچ کے نکل جاتی۔ یہاں میں نے تیرا ہی حکم سنا کے تیرے آدمیوں کو دوسری طرف بھیج دیا ہے۔ اب تیرے دو آدمی ہمارے ساتھ ہیں، پولیس ان کو ٹھکانے لگا کے تیرے پاس آئے گی۔ میں تجھے ہتھکڑی پہنا دوں گا۔"

وہ بھڑک کر بولی "مکار کمینے! میں تجھے جندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ غصے میں بڑبڑاتے ہوئے میری طرف گھوم گئی۔ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ پر پوری طرح گھوم نہیں سکتی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں لگام تھی۔ وہ دوسرے ہاتھ سے مجھے مارنے لگی۔ میں ہنسنے لگا۔ ہم گھنے جنگلوں سے گزر رہے تھے۔ اندھیرے میں راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے آدمیوں کو مشعلیں جلانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ایک جگہ ایک درخت اکھڑا ہوا تھا۔ گھوڑا تاریکی میں اس پر سے چھلانگ نہ لگا سکا۔ یک بیک ٹھوکر کھا کر گرا۔ ہم دونوں اس کی پیٹھ سے اچھل کر گرے۔ پھر ہری بھری گھاس پر لڑھکتے ہوئے ایک جھاڑی میں پہنچ کر الجھ گئے۔

میں نے کراہتے ہوئے کہا "اے عورت! تیرا ستیاناس، تیرے بیا سنے مجھے کہاں لا کے پھینکا ہے۔"

ہم بمشکل جھاڑیوں سے نکلے۔ گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک شخص کی چیخ کے ساتھ خاموشی چھا گئی۔ میں نے کہا "تیرا ایک آدمی اوپر جا چکا ہے، نیچے ایک رہ گیا ہے۔ اب تیرا کیا بنے گا؟"

عورت کا پتا نہیں چلتا، اپنے لباس میں کون سی چیز کہاں چھپا کر رکھتی ہے۔ اس نے اچانک ہی چاقو نکال کر حملہ کیا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس نے ایک ہاتھ میرے حلق پر رکھا تھا۔ مجھے نیچے گرانے اور چاقو والے ہاتھ کی کلائی چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا "میں بیٹھا ہوا اچھا نہیں لگتا، کیا زور لگا کے گرانا چاہتی ہے؟"

میں اچانک لیٹ گیا۔ وہ زور لگانے کے جھونک میں مجھ پر اوندھی ہو گئی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے چاقو نہیں چھڑایا۔ اس سے کہا "تیرے ہاتھ میں چاقو رہے گا مگر تو اسے استعمال نہیں کر سکے گی۔"

اس نے جھنجلا کر زور لگایا۔ پھر ایک بار گولی چلنے کے ساتھ کسی کی چیخ سنائی دی۔ میں نے کہا "تیرا دوسرا آدمی بھی گیا۔"

اسی وقت ہم پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔ انسپکٹر کی آواز سنائی دی "جنگل میں منگل منا چکے۔ اب سیدھی طرح ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔ کوئی چالاکی دکھاؤ گے تو گولی مار دوں گا۔"

ہم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹارچ کی روشنی ہم پر پڑ رہی تھی اور وہ اندھیرے میں تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ ٹارچ پتھر پر رکھ کر دونوں کو ہتھکڑی پہنانا چاہیے۔"

اس نے یہی کیا۔ یوں بھی دو ہاتھوں سے کتنے کام کر سکتا تھا۔ ریوالور بھی پکڑے رہنا تھا۔ ہتھکڑی بھی پہنانا تھی۔ اور ٹارچ کی روشنی بھی ضروری تھی۔ وہ ہمارے قریب آنے لگا۔ پتھر پر رکھی ہوئی ٹارچ کی روشنی میں ہم تینوں ایک دوسرے کو واضح طور سے دیکھ سکتے تھے۔ میں نے کہا "انسپکٹر! تم سمجھتے ہو میں اس عورت کا آدمی ہوں، یہ عورت سمجھتی ہے، میں پولیس کا آدمی ہوں اور میں خود نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟ میری یادداشت گم ہو گئی ہے۔ میں پچھلی باتیں بھول گیا ہوں۔"

"یہ فلمی بکواس تھانے میں چل کے کرنا۔ ہاتھ بڑھاؤ۔"

"اس رانی سردار پہ دل آ گیا ہے۔ کیا اس کو بھی فلمی بکواس بولو گے؟"

وہ ہتھکڑی پہنانے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا "خبردار! جو عورت مجھے پسند آ جاتی ہے، اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

یہ کہتے ہی میں نے ریوالور والے ہاتھ پر ٹھوکر ماری۔ وہ ہاتھ سے نکل کر کہیں اندھیرے میں چلا گیا۔ میرا ایک گھونسا اس کے

منہ پہ پڑا۔ دوسرے گھونسے میں وہ زمین پر تھا، مگر ایسی جگہ جہاں رانی سردار کا چاقو پڑا ہوا تھا۔ وہ چاقو اٹھا کر مقابلے پر ڈٹ گیا۔
وہ حیرانی سے مجھے تک رہی تھی۔ خود دلیر تھی۔ مردوں کے مقابلے میں پیچھے کہیں ہٹتی تھی۔ اس وقت میرے ساتھ انسپکٹر کی پٹائی کر سکتی تھی۔ مگر یہ سوچ رہی تھی کہ میں کیا چیز ہوں؟ ابھی پولیس افسر بن کر اسے پریشان کر رہا تھا اور ابھی پولیس انسپکٹر سے مقابلہ کر رہا تھا۔
جب چاقو انسپکٹر کے ہاتھ میں آیا تو وہ چونک گئی۔ اسے پہلی بار میری جان کی فکر ہوئی۔ اس نے بھی مقابلے کے لیے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔ ”سرکاری ٹٹو! اس نے میری جان بچائی ہے، میرے جیتے جی تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“
اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے چھلانگ لگائی کیوں کہ انسپکٹر چاقو سمیت چھلانگ لگاتا ہوا رانی سردار پر آرہا تھا۔ میں نے اس کی فلائنگ کے دوران ہی اسے فلائنگ کک ماری۔ وہ دوسری طرف جا کر گرا۔ وہ بولی۔ ”شاباس، تو تو بڑا جی دار لڑاکو ہے رے۔“
وہ بول رہی تھی اور میرے لڑنے کے انداز کو دیکھ رہی تھی۔ میں کراٹے کے ہاتھ دکھا رہا تھا۔ وہ بُری طرح زخمی ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔ وہ چاقو اٹھا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”میں اس کے ٹکڑے کر دوں گی۔“
میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ”کیا تو آدمی کا گوشت کھاتی ہے؟“
وہ جھلا کر بولی۔ ”اسے ٹکڑے کرنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں گوشت کھاتی ہوں۔ تو کیسا آدمی ہے رے؟“
میں نے اس کے ہاتھ سے چاقو چھین کر کہا۔ ”یہ انسپکٹر لوگوں کی جان و مال کا رکھوالا ہے، اسے جان سے نہیں مارنا چاہیے۔“
”کیا تو دوگلا ہے، ادھر میری جان بچاتا ہے، ادھر اسے زندہ چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔“
میں اسے گھسیٹ کر وہاں سے لے جاتے ہوئے بولا۔ ”مجھے انسپکٹر کا ساتھ دینا تھا۔ مگر تیری بھرپور جوانی پہ دل آگیا اس لیے اس کی پٹائی کر کے چھوڑ دیا۔ اب وہ تیرا پیچھا نہیں کرے گا۔“
وہ مچل رہی تھی۔ اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔ میں اسے اپنی طرف کھینچ کر ذرا جھک گیا۔ پھر اسے کاندھے پر لاد کر لے جانے لگا۔ اس کا یہی مزاج تھا۔ زبردستی کرنے سے قابو میں آتی تھی۔ اس کے رعب اور دبدبے کے سامنے کوئی زبردستی کرنے والا اب تک نہیں آیا تھا۔ میں اس کی زندگی میں پہلا مرد تھا جو اس کے رعب دبدبے اور غصے کی ایسی تیسی کر رہا تھا۔
تھوڑی دور جانے کے بعد ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ ایک نے رائفل تان کے کہا۔ ”رانی سردار کو چھوڑ دے۔“
دوسرے نے کہا۔ ”ہم پہلے ہی سمجھتے تھے، اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔“
تیسرے نے کہا۔ ”ابے سنتا نہیں ہے، چھوڑ دے۔“
میں نے اسے گھاس پر پھینک دیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اسے میرا ظالمانہ انداز پسند ہے۔ اگر میں کاندھے سے اتارتا تو نفرت کرتی۔ پھینکے جانے پر اچھا لگا تھا مگر دکھاوے کے لیے غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔ ”اسے گولی نہ مارنا۔ یہ اکیلا ہے اور تم پانچ ہو۔ ایسی پٹائی کرو کہ میرے پاؤں میں آ کر گر پڑے اور اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔“
ان سب نے رانی سردار کے پاس ہتھیار جمع کر دیے۔ ایک اور ڈاکو دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ ”پولیس والے اپنے تھانیدار کو گاڑی میں ڈال کے لے گئے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کے آرہا ہوں۔“
رانی سردار نے کہا۔ ”پھر تو اس کی جم کے پٹائی ہوگی۔ اسے مارتے جاؤ اور اتا پتا پوچھتے جاؤ۔ ارے یہ تو کوئی پرانا پاپی ہے، ابھی تک اپنا نام بھی نہیں بتایا۔“
ایک نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام شنکر ہے، بول، تیرا نام کیا ہے؟“
یہ کہتے ہی اس نے منہ پر گھونسا مارنا چاہا۔ میں جھک کر سیدھا ہوا۔ اس کا ہاتھ گھوم کر رہ گیا۔ میرا ہاتھ اس کے منہ پر پڑ گیا۔ پھر پیٹ میں گھونسا پڑا۔ وہ تکلیف کی شدت سے جھکا۔ میں نے تیسرے ہاتھ میں سیدھا کھڑا کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر آگے بڑھ کر حملہ کرنا چاہا۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا۔ میں نے جوڈو کا داؤ لگا کر پھینکا تو وہ چیختا ہوا اپنی رانی سردار کے قدموں میں پہنچ گیا۔ میں نے کہا۔ ”تمہارے پاؤں میں ابھی ایک آیا ہے، گنتی رہو۔“
ہریا گرجتا ہوا دوڑتا ہوا آیا۔ پھر اس نے فلائنگ کک مارنے کے لیے چھلانگ لگائی۔ میں احمق تو نہیں تھا کہ لات کھانے کے لیے کھڑا رہتا۔ میں ایک طرف ہٹا۔ وہ دوسری طرف گر کر اپنی کمر پکڑتے ہوئے کراہنے لگا۔ رانی سردار چیخ کر بولی۔ ”ارے مورکھو (بے وقوفو) اسے تو اکیلا تمہارا باپ بھی نہیں مار سکے گا۔ سب مل کے دھاوا بولو۔“
ایک تنہا پر منظم حملہ کرنا لڑائی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ میں نے بھی خلاف ورزی شروع کر دی۔ اتنی دیر میں سب ہی کی آواز سن چکا تھا۔ جیسے ہی وہ چاروں طرف سے گھیرتے ہوئے قریب آئے، میں نے ایک کو دوسرے سے اور تیسرے کو چوتھے سے ٹکرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے طور پر بھرپور حملے کیے، وہ سب بکھر گئے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔ جب تک وہ سمجھتے، میں نے پھر یکے بعد دیگرے کسی کو گھونسا اور کسی کو لات جمائی۔ جو حملہ کرنے آتا، میں اسی کے ساتھی کو سامنے رکھ دیتا

بتا تھا۔ رانی سردار پلکیں جھپک جھپک کر دیکھ رہی تھی۔ اس کے قدموں میں دوسرا، پھر تیسرا پہنچ رہا تھا۔ اس نے رائفل اٹھا کر مجھے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”رک جا نہیں تو گولی مار دوں گی۔“
میں اس کے چور خیالات پڑھ چکا تھا۔ وہ محض دھمکی دے رہی تھی۔ میں نے ایک اور شخص کو اٹھا کر اس کے قدموں کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ”تو ہاتھوں سے بندوق چلا سکتی ہے، مگر دل سے نہیں چلائے گی۔ بس یہ آخری آدمی رہ گیا ہے۔ لے اسے بھی وصول کر۔“
آخری آدمی بڑا جی دار تھا۔ شاید اسے مار کھاتے رہنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ میں نے بھی مار مار کر اسے ہاتھ جوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کہا۔ ”بس کرو، میں سمجھ گیا، میرے کو کہاں پہنچنا ہے۔“
اس کے بعد وہ خود ہی آگے بڑھ کر رانی سردار کے قدموں میں لیٹ گیا۔ وہ رائفل پکڑے کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا اب اس کی پٹائی کروں گا۔ اس نے رائفل کو ایک طرف پھینک دیا۔ پھر سینہ تان کر میرے پاس آتے ہوئے بولی۔ ”لے مار، مجھے بھی مار۔ یہ میرے سورما ہیں جو پولیس والوں کے چھکے چھڑا دیتے ہیں مگر تیرے سے مار کھا گئے۔ آج جیسی بے عزتی ہوئی اس کے بعد زندہ نہیں رہوں گی۔ مجھے گھورتا کیا ہے؟ مارتا کیوں نہیں ہے؟“
میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا۔ وہ ایک جگہ میں گھومتی ہوئی قریب آئی۔ میں نے اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اس کے تمام سورما زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے کراہ رہے تھے۔ ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ رانی سردار کو لے جانے پر اعتراض کرتے۔ میں ان کے سامنے گھنی جھاڑیوں کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
وہ چپ تھے۔ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ سوال یہ تھا کہ رانی سردار کے ہاتھ میں رائفل تھی، مگر اس نے گولی نہیں چلائی۔ ایک اجنبی اسے ہاتھوں میں اٹھا کر لے گیا، وہ کچھ کیا بولی، کیوں نہیں بولی؟
وہ گھور گھور کر جھاڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی رانی سردار لوٹ مار کرتی رہتی تھی۔ کسی کی برتری تسلیم نہیں کرتی تھی۔ مگر آج ایک اجنبی کی لوٹ مار پر خاموش تھی۔ کسی کے گھر میں گھس کر سب کچھ لے لینے کو ڈکیتی کہتے ہیں۔ میں بھی ان کے گروہ میں گھس کر ڈاکا ڈال رہا تھا۔ شاید ڈاکوؤں کے گھر میں آج تک کسی نے ایسا ڈاکا نہیں ڈالا ہوگا۔
مجھے ایک معقول پناہ گاہ حاصل کرنے کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے تھے۔ پہلے سوچا تھا کسی اچھی فیملی میں شامل ہو کر کچھ عرصہ وہاں گزاروں گا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈاکوؤں کی فیملی میں جگہ مل جائے گی۔ میرے دوست یا دشمن ایسی جگہ اور ایسے ماحول میں میری موجودگی کے متعلق شبہ نہیں کر سکتے تھے۔

یہ مطلبی دنیا ہے۔ گنتی کے چند محبت کرنے اور وفا کرنے والوں کو چھوڑ کر جس سے بھی وفا کرو، ایک دن دھوکا ملتا ہے۔ میں نے ماسک مین کے لیے کیا نہیں کیا؟ ڈی کلر کا کمپیوٹرائزڈ کیا ہوا سرکٹ کر اسے بھیج دیا۔ پتا نہیں اس کے سائنسدان ڈی کلر کے سر کی اسٹڈی کر کے کیسے حیرت انگیز تجربات سے گزر رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے، ماسک مین ایک دن ڈی کلر سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور ناقابلِ شکست انسان دنیا والوں کے سامنے پیش کرے۔ یہ تو آئندہ کبھی معلوم ہوگا کہ وہ اس کھوپڑی سے کیا کیا فائدہ اٹھا رہا ہے۔
ماسک مین میری ذات سے اور بہتیرے فائدے حاصل کرتا رہتا تھا۔ یہ درست ہے کہ وہ مجھے دنیا کے ہر ملک، ہر شہر میں سہولتیں فراہم کرتا تھا۔ اس کے آدمی میرے دشمنوں سے نمٹتے رہتے تھے لیکن ایسا تو میرے لیے کوئی بھی سُپر طاقت کر سکتی تھی۔ اور میں جو کام اس کے لیے کرتا تھا، وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے ٹرانسفارمر مشین حاصل کرنے کے لیے پارس اوّل کا سہارا لیا تھا۔ چالاکی یہ تھی کہ مجھے براہِ راست بلیک میل نہیں کر رہا تھا۔ ممت جوّاد کے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہا تھا۔

میں نے ماسک مین سے کہہ دیا تھا کہ پارس صبح تک جواد کے پاس نہیں رہے گا۔ اگر رہ جائے تو وہ مشین کے عوض پارس کو حاصل کرنے کا سودا کرسکتا ہے۔ مجھے یقین تھا میں صبح سے پہلے اپنے بیٹے کو حاصل کرلوں گا، مگر سونیا آڑے آگئی تھی۔ کم بخت نے پیشین گوئی کی تھی کہ میں پارس تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ پتا نہیں، وہ سچی پیشین گوئی کرنے بیٹھی تھی یا محض یہ اتفاق تھا کہ میں اپنے بچے تک پہنچنے میں ناکام رہا تھا۔

سونیا نے یقین دلایا تھا کہ بچہ خیریت سے رہے گا اور کسی قابلِ اعتماد شخص کی پناہ میں رہے گا، گویا وہ محمت جواد کے قبضے سے نکل جائے گا۔ میرا ابھی یہی مقصد تھا۔ ماسک مین کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرے دل میں ایک بے چینی سی تھی کہ آخر پارس کس کی پناہ میں جائے گا؟ سونیا اتنی پُراسرار کیوں بن رہی تھی؟

میں نے اُسے مخاطب کیا۔ اس نے مسکرا کر کہا "میں نہ کہتی تھی کہ پارس اوّل تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

"تم نے یہ بھی تو کہا تھا کہ میں بیٹے تک نہ پہنچ سکوں تو شرم سے تمھارے پاس نہ آؤں۔ کیا اپنے الفاظ یاد ہیں؟"

اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس نے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ بچے تک پہنچ گئے ہو؟"

"نہ پہنچتا تو شرم سے تمھارے پاس نہ آتا۔"

"نہیں، میں یقین نہیں کرسکتی۔ تم مکاری کر رہے ہو۔"

"ایسا کہہ کر تم مجھے بولنے پر مجبور کرنا چاہتی ہو کہ میں وہاں تک پہنچنے کی داستان سناؤں۔"

"سنانے میں کیا ہرج ہے۔"

"جب تم میرے لیے پُراسرار بنتی ہو تو مجھے بھی بننا چاہیے۔"

"اس میں پُراسراریت کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں پارس کی سلامتی کے لیے تمھیں اس سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔"

"افسوس، تمھارے چاہنے سے کچھ نہ ہوسکا۔"

"تمھارا نام فرہاد نہیں، فراڈ ہونا چاہیے۔ سونیا کو اتنی نادان نہ سمجھو۔ تم باتیں بنا کر میری زبان سے اگلوانا چاہتے ہو کہ وہ کہاں ہے۔"

"مجھے تمھاری زبان سے کچھ سننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں ابھی اپنے بیٹے کے دماغ میں جا رہا ہوں۔ بائے۔ ملیں گے۔ خدا حافظ۔"

میں اس سے اگلوا نہ سکا۔ کوئی بھی ناکامی مجھے ضدی بنا دیتی ہے۔ میں نے گھڑی دیکھی، استنبول کے وقت کے مطابق رات کا ایک بجا ہوگا۔ میں جن کے دماغوں میں پہنچ نہیں پاتا، ان میں سے اکثر کے دماغوں کے دروازے آدھی رات کے بعد کھل جاتے ہیں کیوں کہ ایسے لوگ یوگا میں مہارت رکھنے کے باوجود عیاش ضرور ہوتے ہیں۔ جرائم کی دنیا میں رہ کر کسی نہ کسی نشے کے عادی ہ ہیں۔ میں نے محمت جواد کے لب و لہجے کو یاد کیا۔ آنکھیں ب اور خیال خوانی کی پرواز کی تو اندازہ درست ثابت ہوا۔ ایک ع اس کے ساتھ تھی اور وہ خود نشے کے پہلو میں تھا۔

نشے میں آدمی کے مزاج کا پتا نہیں چلتا۔ وہ اس عو سے کبھی محبت کر رہا تھا اور کبھی غصے میں ایک آدھ ہاتھ جما اور یہ کہتا جا رہا تھا "عورت بڑی مکار ہوتی ہے۔ تو بھی مکار ہے۔ میں نے کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ مگر میں مرد ہوں، مجھے اپنے د ہے۔ میں سونیا جیسی مکار عورت کو چکر دے رہا تھا، مگر وہ چکر دے گئی۔"

اس کی سوچ نے بتایا۔ عیسائی مشنری کی عورتیں م بچوں کو حفاظتی ٹیکے لگا رہی تھیں۔ یہ عورتیں قدسہ بلڈنگ بھی ٹیکے لگانے گئیں۔ انھوں نے پارس کو ٹیکا لگایا، پھر اسے میں لے کر سب نے ریوالور نکال لیے۔ پارس کی نگرانی کرنے والو باندھ کر وہیں چھوڑ دیا اور بچے کو لے گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سو فون پر کہا "ہیلو جواد! تم نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔ ایک کی پرورش تمھارے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا میں اُسے لے گئی اگر ہنستے کھیلتے زندگی گزارنا چاہتے ہو تو آئندہ میرے راستے پر نہ آنا۔"

وہ اُس کے راستے میں آئے گا یا نہیں، مجھے اس سے کو دلچسپی نہیں تھی۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، اس کے دماغ میں کون ہے؟ میں نے اس کے دماغ میں بولنے والے کا خیال پیدا کیا میں بڑبڑانے لگا "پتا نہیں، وہ کم بخت کہاں مر گیا ہے۔ شام سے کے اندر پکار رہا ہوں مگر وہ آتا ہی نہیں ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "آخر وہ کم بخت کون ہ"

اس کی سوچ نے کہا "پتا نہیں کون ہے، اپنا نام بتا سے انکار کرتا تھا اور دماغ میں بولتا جاتا تھا۔"

میں نے پوچھا "اس سے پہلی بار کیسے رابطہ قائم ہوا؟"

"میں ترکی کا مانا ہوا پہلوان ہوں۔ میری بڑی شہرت پہلوانی کے باعث مجھے سانس پر قابو پانے کی عادت ہے دن میں نے اچانک ہی سانس روک لی۔ مجھے اپنے دماغ بے چینی سی محسوس ہوئی تھی، سانس روکنے سے سکون ملا۔ میں سانس لی تو کسی نے کہا "سانس نہ روکنا، ورنہ پولیس تمھارے کے گودام تک پہنچ جائے گی۔"

جواد کی سوچ کہہ رہی تھی، میں سُن رہا تھا۔ وہ بظاہر ای دولت مند اور مشہور پہلوان تھا مگر غیر ملکی ایجنٹ تھا۔ دہ کو ہتھیار سپلائی کرتا تھا۔ جب کسی نے دماغ میں آکر

دی کہ پولیس اسلحے کے گودام تک پہنچ جائے گی تو وہ گھبرا کر جلدی جلدی سانس لینے لگا۔

اسے معلوم تھا کہ فرہاد علی تیمور اسی طرح دماغ میں آکر بولتا ہے۔ اس نے پوچھا "کیا آپ فرہاد صاحب ہیں؟"

جواب ملا "میں کوئی بھی ہوں، تم اپنے فائدے اور نقصان پر نظر رکھو۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"تمھارے ذرائع اور اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔"

"جناب، میں غلام بن کر رہوں گا مگر میرے دھندے کو برباد نہ کریں۔"

"جب تک وفادار رہو گے، عیش کرتے رہو گے، ورنہ غداری کے جرم میں تمھیں سڑکوں کا بھکاری بنا دوں گا۔"

اس نے کان پکڑ کے کہا "میں کبھی غداری نہیں کروں گا۔ میں آپ کا بڑے سے بڑا خطرناک سے خطرناک کام بھی کروں گا۔ کیا آپ میری ایک خواہش پوری کریں گے؟"

"تمھاری کیا خواہش ہے؟"

"آج کل ایک ٹرانسفارمر مشین کا بہت چرچا ہے۔ میں جرائم کی دنیا میں رہتا ہوں۔ ہر ایک کو اسی کی جستجو میں دیکھتا ہوں۔ کیا آپ اس مشین کو حاصل کرنے میں میری مدد کریں گے؟"

"میں تمھاری مدد کروں تاکہ تم ٹیلی پیتھی سیکھ کر میرے مقابل آجاؤ۔ کیا تم نے مجھے گدھا سمجھا ہے؟"

"جی نہیں۔ میں گدھا ہوں۔ اب ایسی خواہش نہیں کروں گا۔"

اس نے وعدہ کیا لیکن ٹیلی پیتھی سیکھنے کی خواہش اسے دیوانہ بنا رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ خیال خوانی کرنے والا اس کے چور خیالات نہیں پڑھ سکتا۔ کیوں کہ وہ آپ ہی آپ سانس روک لیتا تھا اور یہ منصوبہ سوچتا رہتا تھا کہ کسی طرح کسی بڑی طاقت سے گٹھ جوڑ کرکے مشین تک پہنچنا چاہیے۔

دوسرے ہی دن خیال خوانی کرنے والے نے کہا "جواد! تمھاری وفاداری کا امتحان شروع ہو رہا ہے۔ کیا تم دو چار دن تک ہماری ایک امانت اپنے پاس رکھو گے؟"

"میں آپ کا غلام ہوں، اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ حکم دیجیے۔"

"ابھی ایک گھنٹے کے اندر ایک عورت پانچ برس کے بچے کو لے کر آئے گی۔ تم اس بچے کو چھپا کر رکھو گے۔"

ایک گھنٹے کے اندر حاشیہ، پارس اوّل کو لے کر وہاں پہنچ گئی۔ چوں کہ وہ بچے کو پارس ہی کہہ کر مخاطب کرتی تھی اور دیکھنے میں بھی وادیٔ قاف کی رہنے والی لگتی تھی، اس لیے جواد سے پارس کی اصلیت چھپائی نہیں گئی۔ اور جواد کو تو جیسے بہت بڑے خزانے کی کنجی مل گئی تھی۔

اس نے سوچا اگر ماسک مین کے ذریعے فرہاد کو بلیک میل کیا جائے تو وہ اپنے بیٹے کو حاصل کرنے کی خاطر اُس مشین کو کسی نہ کسی طرح تلاش کرکے جواد کے پاس پہنچا دے گا۔

جو لوگ مرغن غذاؤں کے خواب دیکھتے دیکھتے سوکھی روٹی کو لات مارتے ہیں، وہ سوکھی سے بھی جاتے ہیں۔ پارس کو کھونے کے بعد ٹرانسفارمر مشین تو ایک خواب کی طرح گم ہوگئی تھی۔ اس کی جو رہی سہی دولت اور خفیہ اڈے تھے، وہ بھی ختم ہونے والے تھے۔ وہ نامعلوم خیال خوانی کرنے والا، پارس کی گمشدگی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اسے سڑکوں کا بھکاری بنانے والا تھا۔ کیا پتا اسے جان سے بھی مار سکتا ہو۔

وہ پی رہا تھا، عورت پر غصہ اُتار رہا تھا۔ سونیا کو گالیاں دے رہا تھا اور سہما ہوا سا اس نامعلوم خیال خوانی کرنے والے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کب آئے گا؟ اسے کب سزا دے گا؟ اور جب تک وہ نہیں آئے گا، یہ خوف سے مرتا رہے گا اور غم غلط کرنے کے لیے پیتا رہے گا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ وہ چیخ مار کر اچھل پڑا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ دماغ میں آگیا ہو۔ پھر اس نے فون کی طرف دیکھتے ہوئے گھونسا دکھاتے ہوئے کہا "چپ ہو جاؤ، ورنہ توڑ کے پھینک دوں گا۔"

میں نے اسے فون اٹینڈ کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو جواد اسپیکنگ۔"

"میں شاکر بول رہا ہوں۔ شام سے کئی بار فون کر چکا ہوں، تم سے بات نہیں ہو پاتی۔ ماسک مین نے ایک اہم اطلاع دی ہے۔"

وہ نشے میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا "اب میرے لیے کوئی اطلاع اہم نہیں رہی۔ ماسک مین سے بولو، پارس ہاتھ سے نکل چکا ہے۔"

"اوہ گاڈ۔ یہی تو میں شام سے کہنے والا تھا۔ ہوشیار رہو، فرہاد اپنے بیٹے کو تم سے چھین لینا چاہتا ہے۔"

جواد نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا شاکر استنبول کا باس تھا۔ میں اس کے دماغ میں جا کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میرے اور پارس کے درمیان رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے ریڈ پاور کی جانب سے کیسے منصوبے بنائے گئے ہیں مگر میں وہاں جاتے جاتے رک گیا کیوں کہ میں جواد کے دماغ میں اپنی آواز اور لب و لہجہ سن رہا تھا۔

میں تو موجود ہی تھا۔ میرے علاوہ بھی کوئی فرہاد بول رہا تھا۔

"جوّاد! کہاں ہے میری امانت؟"

اس کا نشہ ہرن ہوگیا۔ اس نے کانپتے ہوئے سانس روکنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ میری آواز نے کہا "کمینہ ہر حال میں کمینہ رہتا ہے۔ تم یہ بھول گئے تھے کہ نشے کی حالت میں تمھارے چور خیالات پڑھے جاسکتے ہیں۔ پچھلی رات تم پی رہے تھے اور میں سمجھ رہا تھا تم ماسک مین سے پارس کے سلیے خفیہ سودا کر رہے ہو۔"

وہ گھٹنے ٹیک کر سر جھکاتے ہوئے بولا "معاف کردو۔ مجھے ایک بار معاف کردو۔ میں پارس کو سونیا سے چھین لاؤں گا۔"

"کس مکار عورت کی بات کرتے ہو۔ میں نے اس عورت پر بھروسا کر کے پارس کو قدسیہ بلڈنگ سے اغوا کرایا تھا مگر وہ مجھے بھی جُل دے گئی۔ مشکل تو یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کے چور خیالات پڑھ کر اس کی چالبازیاں سمجھ سکتا ہوں۔"

"آپ مجھے ایک بار معاف کردیں۔ میں صبح ہونے سے پہلے سونیا کو قتل کردوں گا۔"

اس کے دماغ پر طمانچہ سا پڑا۔ وہ تکلیف سے چیختے ہوئے بولا "معاف کردو۔ خدا کے لیے معاف کردو۔"

"تم میری سونیا کو قتل کرنا چاہتے ہو اور معافی بھی مانگ رہے ہو۔ گدھے! میں تین دن سے تمھارے دماغ میں بول رہا ہوں اور تم میرے ریکارڈ کیسٹ سے یہ معلوم نہ کرسکے کہ میں سونیا کا فرہاد ہوں۔"

"ایں؟" وہ بوکھلا کر خلا میں تکنے لگا۔ اگر اسے پتا چلتا کہ اس کے دماغ میں ایک فرہاد بول رہا ہے اور دوسرا فرہاد سن رہا ہے تو شاید حیرت سے مر جاتا۔ اگر اس بولنے والے کو میری موجودگی کا علم ہوتا تو نہ وہ حیران ہوتا نہ اسے شرم آتی۔ بس وہ بھاگ جاتا۔

مگر میں حیران تھا۔ یہ شار پرہی تھا جو اپنے بھائی اُرم کا لہجہ چھوڑ کر میرے لہجے میں دوسروں سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ پتا نہیں اس میں اس کی کیا مصلحت تھی۔ میں اپنی موجودگی ظاہر کرکے اسے چونکانا نہیں چاہتا تھا۔ چپ چاپ اس کے طریقۂ کار کو سمجھنا چاہتا تھا۔ اگر کبھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہوگا تو خود کو ظاہر کروں گا۔

وہ بول رہا تھا "جوّاد! میں ابھی تمھیں کتّے کی موت مار سکتا ہوں مگر چھ گھنٹے کے لیے زندہ چھوڑوں گا۔ اس عرصے میں پارس کو ڈھونڈ لاؤ گے تو طبعی عمر تک زندہ رہ سکو گے۔"

وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہوگیا "میں ابھی خود اسے تلاش کرنے جاؤں گا۔ اپنے تمام ذرائع استعمال کروں گا۔ میں یقین سے کہتا ہوں سونیا نے اسے چھپا رکھا ہے۔ مگر چھ گھنٹے کم ہیں۔ بارہ گھنٹے کی مہلت دیجیے پلیز۔"

"ٹھیک ہے، بارہ گھنٹے سہی۔ مگر میری سونیا کو جانی نقصان نہ پہنچانا۔ کسی طرح پارس کو لے آنا۔"

وہ بار بار میری سونیا کہہ کر یہ تاثر دے رہا تھا کہ واقعی اس کے دماغ میں فرہاد بول رہا ہے۔ جوّاد نے بہت دیر بعد ایک عقلمندی کا سوال کیا "جناب! سونیا آپ کی ہے، پارس آپ کا ہے۔ پھر آپ دونوں میں اس بچے کے لیے رسّہ کشی کیوں ہو رہی ہے؟"

بولنے والے نے وہی جواب دیا جو سونیا مجھ سے کہہ چکی تھی۔ یعنی مجھے پارس سے دور رہنا چاہیے تاکہ بلائیں اس سے دور رہیں۔ میں نے سونیا کے پاس آکر پوچھا "یہ تم کیا چکر چلا رہی ہو؟ کیا تمھیں پتا ہے کہ جوّاد کے دماغ میں کوئی میرے لہجے میں بولتا ہے؟"

"مجھے کیا پتا؟"

"معصوم نہ بنو۔ وہ تمھارے دماغ میں بھی آتا ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کس لہجے میں بولتا ہے؟"

"تم تھوڑی دیر پہلے دعوے کر رہے تھے کہ بچے کے دماغ میں پہنچ گئے ہو؟"

"میں بھول گیا تھا کہ شیطان کی خالہ سے بول رہا ہوں۔ میں حیران ہوں تمھاری جیسی جرنیل کو بزرگ حشمت بیگ کا حجرہ کیسے مل گیا؟ وہ بچہ تمھارے پاس ہے۔ خدا کے لیے بتادو تم کیا چکر چلا رہی ہو؟"

وہ سرد آہ بھر کر بولی "چکر چلانے میں ناکام ہوچکی ہوں۔ پارس اوّل میرے ہاتھ سے بھی نکل گیا ہے۔"

"تم ایک نمبر کی جھوٹی ہو۔ حجرے میں بیٹھ کر جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

"میں اپنی قبر میں بیٹھ کر بھی یہی کہوں گی۔"

"اگر وہ گم ہوتا تو تم اتنے آرام سے بیٹھی نہ رہتیں۔"

"تم مادہ پرست ہو۔ روحانیت کو سمجھ نہیں سکتے۔ مجھے آگہی مل رہی ہے کہ پارس اوّل میرے ہاتھوں میں رہے گا۔"

"تمھاری آگہی کی ایسی تیسی۔ تم دنیا کی بدترین مکار عورت ہو۔ شار پر جیسے دشمن سے بھی گٹھ جوڑ کرتی ہو۔"

"میں کہہ چکی ہوں، میرے دماغ میں کوئی دشمن نہیں آسکتا۔"

"ابھی وہ جوّاد کے دماغ میں کہہ رہا تھا کہ...."

وہ میری بات کاٹ کر بولی "کہہ رہا تھا نہیں، کہہ رہی تھی۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں کتنی بار کہوں، میرے دماغ میں صرف دوستانہ سوچ کی لہریں آسکتی ہیں۔"

میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا "اوہ خدایا! یہ رسونتی دوسرے پارس میں بھی دلچسپی لے رہی ہے۔"

"اوں ہوں۔ رسونتی کے فرشتوں کو بھی پارس اوّل کی خبر نہیں ہے۔ پارس اوّل کی دریافت کا سہرا شیبا کے سر ہے۔"

ہائے شیبا! میں تو اسے بھلا رہا تھا۔ اسے دل و جان سے چاہتے ہوئے بھی اس کی یادوں سے کتراتا رہا تھا۔ وہ اپنی انفرادی صلاحیتوں کو منوانے کے لیے مجھ سے جدا ہوئی تھی۔ میں نے سوچا تھا وہ خود ہی میری زندگی میں واپس آئے گی اور اب وہ میرے بیٹے کے حوالے سے میری داستانِ حیات میں داخل ہو رہی تھی۔

❀

شیبا مجھ سے جدا ہونے کے بعد آمنہ کے ساتھ کہاں گئی؟ اور اب تک کیا کرتی رہی ہے؟ ان سوالوں کے جواب فی الحال نامعلوم ہیں لیکن ایک عرصے بعد جو حقائق معلوم ہوئے، میں انھیں بھی بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ دو عدد پارس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات وضاحت سے سمجھ میں آتے رہیں۔

شیبا کی کہانی وہاں سے ازسرِنو شروع ہوتی ہے، جہاں میں نے اس سے جدا ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ پہلے تو اسے یقین نہیں آیا کہ میں ایسا فیصلہ کرسکتا ہوں۔ میں نے کہا "اگر دو ٹیلی پیتھی کی قوتیں ایک جگہ ہوں گی تو بیک وقت دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ ہم مختلف جگہ رہ کر ایک دوسرے کی حفاظت کرسکتے ہیں۔"

وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی "نہیں جاؤں گی، میں نہیں جاؤں گی۔ مجھ سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں چھین لو۔ مجھے ایک معمولی عورت بنادو مگر مجھے دور نہ کرو۔"

مجھے خود صدمہ پہنچ رہا تھا۔ میں اتنی حسین ساتھی کو جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر ہندوستان کے چپّے چپّے پر ہمارے لیے جال بچھائے جا رہے تھے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن ہم دونوں کو ایک جگہ بے بس کرکے ختم کرنا چاہتے تھے اور وہ رو رو کر پوچھ رہی تھی "کیا ہم ساری زندگی ایک دوسرے سے دور رہیں گے اور تم سمجھاتے رہو گے کہ دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ایک جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ تم مجھے بہلا پھسلا کر الگ کر رہے ہو۔ سونیا، رسونتی اور سائی بی بی سب ہی تمھیں دل و جان سے چاہتی ہیں۔ کسی کی محبت اور وفا میں ذرا شبہ نہیں ہے۔ تم ان سب کو بہلاتے ہو، اپنے سے دور رکھتے ہو۔ پھر میں کیسے نہ سمجھوں کہ مجھے بھی بہلا رہے ہو؟"

اسے لے جانے کے لیے سیلی کاپٹر آگیا۔ وہ جھنجلا کر کہنے لگی۔ "تم جھوٹے، بے فکرے، بےوفا اور ہرجائی ہو۔ تم انسان نہیں، پتھر ہو۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ کبھی بات نہیں کروں گی۔"

آخر وہ روتے روتے جدا ہوگئی۔ اپنی آخری بات پر قائم رہی کہ مجھ سے بات نہیں کرے گی۔ اس نے اب تک بات نہیں کی تھی۔ جناب شیخ الفارس سے کہا تھا "میں آپ کی محبت اور احسانات کو کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں سدا بیمار رہنے والی لڑکی تھی۔ آپ نے مجھے صحت مند بنادیا۔ ایسی تعلیم و تربیت دی جو میرے اپنے نہ دے سکے۔ میں آپ سے دور ہو رہی ہوں لیکن میری محبت اور وفاداری آپ کے ادارے کے لیے رہے گی۔"

اس نے ہم سے دور رہنے کی وجوہات بتائیں۔ پہلی وجہ یہ کہ وہ عملی زندگی میں جدوجہد کرنے اور دشمنوں سے نمٹنے کی مکمل تربیت حاصل کیے بغیر فرہاد کے شانہ بشانہ آگئی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ وہ ایشیائی زبانیں نہیں جانتی تھی۔ اسے ہندوستان میں ہمیشہ گونگی بنا کر نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ آخر دشمن بھی چالاک ہوتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ کہ اس نے سنگلاخ چٹانوں پر دوڑنے، خاردار جھاڑیوں سے گزرنے، بارش میں گھنٹوں بھیگنے، سردی میں تمام رات ٹھٹھرنے اور گرمی میں جلتے سورج کے نیچے آبلہ پا چلنے کی تربیت حاصل نہیں کی تھی۔

اس نے مجھ سے جدا ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کی۔ ہیلی کاپٹر انھیں انجانی منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔ پھر وہ آمنہ سے بولی "میں بابا صاحب کے ادارے میں نہیں جاؤں گی۔"

آمنہ نے سمجھایا "تم فرہاد سے ناراض ہو، ادارے سے تو نہیں۔"

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ صرف اپنی توہین کے احساس

سے مری جارہی ہوں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"کیا یہ میری توہین نہ ہوگی کہ میں زندگی میں پہلی بار ایک مہم پر روانہ کی گئی اور کوئی کارنامہ انجام دیے بغیر واپس جارہی ہوں۔ جب کہ پومی نے مختصر سے عرصے میں اپنی صلاحیتوں کے ڈنکے بجادیے۔ دنیا کی کوئی بھی خطرناک تنظیم ایسی نہیں ہے، جس کے پاس پومی کی صلاحیتوں کے وڈیو کیسٹ نہ ہوں۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اُس نے تمام بین الاقوامی مجرموں اور سپر طاقتوں کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے دی کلر کا سر حاصل کرلیا۔ اب تم ہی بتاؤ، میں کیا منہ لے کر باباصاحب کے ادارے میں جاؤں؟"

آمنہ نے کہا "ایک ناکامی دوسری کئی کامیابیوں کا راستہ دکھاتی ہے اسی لیے کہتے ہیں، گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔"

"میں گر کر ادارے میں نہیں جاؤں گی۔"

"پھر کہاں جاؤ گی؟"

"میں ابھی اپنا راستہ بدل رہی ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دوگی؟"

"پہلے اپنے عزائم بتاؤ؟"

"پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ کیا عورت حوصلہ مند نہیں ہوتی؟"

"کیوں نہیں ہوتی۔ اُس کا ایک حوصلہ مردوں کے کئی حوصلے توڑ دیتا ہے۔"

"ایسی بات ہے تو ماضی میں رسونتی نے کئی بار فرہاد سے علیحدگی اختیار کی۔ اپنا الگ راستہ اختیار کیا اور ہمیشہ ہی ناکام رہی۔ ایسا کیوں ہوا؟"

"رسونتی میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر اُس کے ارادے کمزور ہوتے ہیں۔ ایسی عورتیں ضد میں آکر الگ تو ہوتی ہیں پھر ٹھوکریں کھا کر اپنے مرد کی پناہ میں آجاتی ہیں۔"

"یعنی بنیادی بات یہ ہوئی کہ عورت میں حوصلے اور ارادے کی پختگی ہو تو وہ اپنی جدوجہد سے ایک علیحدہ نمایاں مقام حاصل کرسکتی ہے۔"

"بے شک کرسکتی ہے۔"

"میرے یہی عزائم ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں آج ہی سے ایک نمایاں مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کروں گی۔ میں اپنے حوصلے اور قوتِ ارادی کا ثبوت دوں گی۔ جب تک خود کو منوا نہیں لوں گی، اُس وقت تک شیبا کی حیثیت سے گمنام رہوں گی۔ کسی سے خیال خوانی کے ذریعے رابطہ نہیں رکھوں گی اور نہ ہی کسی کو اپنے دماغ میں آنے دوں گی۔"

آمنہ ایک ایسی عورت تھی جس نے صرف ایک شخص سے محبت کی تھی وہ نہیں رہا، اس کے بعد اُس نے کسی مرد کی برتری حاصل نہیں کی۔ بالکل تنہا اپنے حوصلوں سے مردانہ وار زندگی گزار رہی تھی۔ اسے شیبا کے عزائم اچھے لگے۔ اس نے کہا "میں مانتی ہوں، عورت خوددار اور باصلاحیت ہو، اپنی ذات پر اعتماد کرکے اپنی علیحدہ شخصیت کو منواسکتی ہو تو وہ کبھی اپنی توہین برداشت نہیں کرتی۔ تمھیں بھی خود کو منوانے کا حق پہنچتا ہے۔ اگر باباصاحب کے ادارے کو تمھاری علیحدگی سے نقصان نہ پہنچے تو میں ہر طرح تمھارا ساتھ دوں گی۔"

"میں اپنے باپ جیسے بزرگ شیخ الفارس کی قسم کھا کے کہتی ہوں، اس ادارے کی ہمیشہ وفادار رہوں گی۔"

"پھر تو فیصلہ ہوگیا۔ ہم ابھی راستہ بدل رہے ہیں۔"

دونوں نے ہنستے ہوئے مصافحہ کرنے کے انداز میں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "ہیپ ہیپ ہُرّے ٹو دی پاسٹ لائف۔"

پائلٹ نے کہا "ہم بغداد پہنچ رہے ہیں۔ مزید ایندھن کے لیے وہاں رُکنا ہوگا۔"

شیبا نے کہا "آمنہ! میں عربی اور ترکی زبان سمجھتی اور بولتی ہوں۔ ہمیں بغداد سے اپنا راستہ الگ کرلینا چاہیے۔"

انھوں نے بغداد کے ایک پرائیویٹ پورٹ میں پہنچ کر پائلٹ کو رخصت کردیا۔ اس پورٹ میں ریڈ پاور کا ایک باس اُن کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اُس نے انھیں بغداد شہر پہنچادیا۔ انھوں نے بازار علی بابا کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ ارادہ تھا کہ اس ہوٹل کو چپ چاپ چھوڑ دیا جائے گا تاکہ ریڈ پاور کے باس کو بھی اُن کی نئی منزل کا پتا نہ چلے۔

اس مقصد کے لیے حکمتِ عملی کی ضرورت تھی۔ دوسرے دن جعلی ناموں سے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ حاصل کرنے کے لیے متعلقہ شعبوں سے رابطہ قائم کرنا تھا اور یہ کام خیال خوانی کے ذریعے چند گھنٹوں میں ہوسکتا تھا۔ دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ٹیلی پیتھی کے ذریعے حاصل نہ ہوتی ہو۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ ایک ہوٹل میں دو حسین عورتیں تنہا نظر آتی ہوں تو عیاشوں کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ ان میں شیبا نوخیز تھی اور آمنہ بھرپور تھی۔ ایک کلی، دوسری پھول تھی۔ پھر بھنورے کیسے نہ آتے؟

دروازے پر دستک سنائی دی۔ آمنہ نے دروازہ کھولا۔ ایک پولیس افسر چار سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی زبان میں پوچھا "کیا میں اندر آسکتا ہوں؟"

آمنہ یہ زبان نہیں سمجھ سکتی تھی۔ شیبا نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تشریف لائیے۔"

اُس نے اندر آتے ہوئے کہا "میں چند سوالات کے جواب کی زحمت دوں گا۔ تم دونوں کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ اور تمھاری مصروفیات کیا ہیں؟"

فون کی گھنٹی سنائی دی۔ آمنہ نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ریڈ پاور کے باس نے کہا "مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کوئی افسر آپ کے پاس انکوائری کے لیے آیا ہے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں، میں پہنچ رہا ہوں۔"

شیبا نے سوچ کے ذریعے کہا "آمنہ! میں پولیس افسر کی تھوڑی سی سوچ پڑھ چکی ہوں، یہ فراڈ ہے۔ باس سے کہو یہاں آنے کی زحمت نہ کرے، ہم خود نمٹ لیں گے۔"

آمنہ نے یہی جواب دے کر ریسیور رکھ دیا۔ افسر نے پوچھا۔ "آپ خاموش کیوں ہیں؟"

شیبا نے جواب دیا "ہمیں خود نہیں معلوم کہ ہم کون ہیں، کہاں سے آئی ہیں اور ہم کیا کرتی رہتی ہیں۔"

وہ سخت لہجے میں بولا "کیا حوالات میں پہنچ کر صحیح جواب دینا چاہتی ہو؟"

وہ خوش ہوکر بولی "یہ تو اچھی بات ہے۔ ہوٹل میں سب ہی بری نظر ڈالتے ہیں۔ حوالات میں ہم محفوظ تو رہیں گے۔"

افسر نے پریشان ہوکر دونوں کو دیکھا۔ آمنہ نے مسکرا کر پوچھا۔ "ہیلو آفیسر! کیا انگریزی نہیں بول سکتے؟"

اُس نے انگریزی میں کہا "میں ایسی جگہ پہنچادوں گا جہاں تم دونوں انگریزی کے ساتھ فارسی بھی بولنے لگو گی۔"

اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا "انھیں گاڑی میں بٹھا کر لے جاؤ۔"

وہ دونوں سپاہیوں کے درمیان چلتی ہوئی باہر آئیں۔ پھر ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد گاڑی چل پڑی۔ شیبا سوچ کے ذریعے آمنہ سے کہہ رہی تھی "یہ رشوت خور افسر ہے۔ ہمیں ایک امیرِ شہر کی شاندار حرم سرا میں پہنچا رہا ہے۔ اُس امیر نے ہم دونوں کو ہوٹل میں دیکھا تھا۔ اب ہم اُسے دیکھ لیں گے۔"

"کیا بغداد میں کچھ عرصہ رہنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔ وہ امیر کل یہاں سے انقرہ جارہا ہے۔"

"میں سمجھ گئی۔"

"آمنہ! ہمیں ایسی جگہ تلاش کرنا چاہیے جہاں ہماری تنہائی میں کوئی مداخلت کرنے والا نہ ہو۔ میں تم سے جدید اسلحے کا استعمال سیکھنا چاہتی ہوں۔ میں سونیا اور پومی جیسی فائٹر نہیں بن سکتی۔ پتا نہیں، قدرت نے مجھ میں کیوں اتنی نزاکت بھردی ہے۔ میں کم از کم ذاتی حفاظت کے لیے تم سے کچھ داؤ پیچ سیکھوں گی۔ مجھے بہت کچھ حاصل کرنے کے لیے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔"

"رفتہ رفتہ سب کچھ ہوجائے گا۔ ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں، یہ حالات ہمیں کندن بناتے جائیں گے۔"

وہ گاڑی ایک عالی شان محل کے احاطے میں داخل ہوئی۔ دور تک مسلح افراد نظر آرہے تھے۔ وہ سرکاری نہیں، امیر کے غیر سرکاری سپاہی تھے۔ گاڑی محل کے ایک بہت بڑے دروازے کے سامنے رُک گئی۔ دونوں نے اُتر کر چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ پولیس افسر نے مسکراتے ہوئے کہا "اگر میں قانونی کارروائی کرتا تو تمھاری جوانیاں جیل میں برباد ہوتی رہتیں۔ یہاں امیر تمھیں سونے چاندی میں تولے گا۔ جاؤ عیش کرو۔"

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا اور وہ دونوں غیر سرکاری سپاہیوں کے درمیان رہ گئیں۔ اُن سپاہیوں کا افسر وہاں 'کاردار' کہلاتا تھا۔ وہ لانبی مونچھوں والا لانبے قد کا پہلوان نما آدمی تھا۔ اُس نے گھور کر حکم دیا "میرے پیچھے آؤ۔"

وہ اُس کے پیچھے چلتی ہوئی محل میں داخل ہوئیں۔ وہاں خوش لباس خادم کہیں کھڑے ہوئے تھے اور کہیں اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ شیبا نے کہا "وہ پولیس افسر مجبور عورتوں کو ایسی جگہ پہنچاتا ہے۔ اُسے سزا دینا چاہیے۔"

آمنہ نے کہا "شیبا! جس ماحول میں پہنچو، وہاں کے لوگوں سے نمٹنے کے متعلق سوچو اور اپنے چاروں طرف گہری نظر رکھو۔ وہ دلال افسر ابھی ہمارے لیے غیر ضروری ہے۔"

کاردار افسرانہ انداز میں چلتا ہوا ایک دروازے کے پاس پہنچ کر
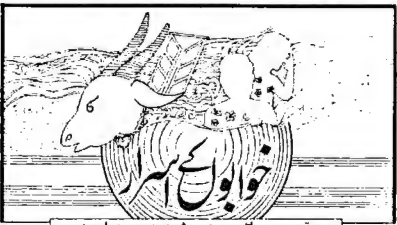
رُک گیا۔ اس سے آگے کسی مرد کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ دروازے پر دستک دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک پہلوان نما عورت دکھائی دی۔ اُس کی کمر سے کارتوس کی پیٹی بندھی ہوئی تھی۔ ریوالور ہولسٹر میں تھا اور ہاتھ میں ایک چابک تھا جو بجلی کے تاروں سے بنا ہوا تھا۔ وہ کسی کے جسم پر پڑتا ہوگا تو کھال تک کھینچ لیتا ہوگا۔

وہ غرّا کر دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی: "چلو اندر آؤ۔"

وہ اندر پہنچ گئیں، دروازہ بند ہو گیا۔ محل کے اُس حصّے میں زرخرید کنیزوں اور اسمگل کی ہوئی حسیناؤں کی حرم سرا تھی۔ دور تک رنگ برنگے ملبوسات میں حسین تتلیاں تھرکتی نظر آ رہی تھیں۔ چابک والی زنانہ کاردار تھی۔ اُس کے علاوہ کچھ اور سفاک اور بے رحم عورتیں تھیں، جو اپنے ہاتھوں میں لانبی بید لیے پھرتی تھیں۔ کوئی حسینہ وہاں سے فرار ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ گستاخی کرنے والیوں کو بید سے مارا جاتا تھا۔ فرار کی کوشش کرنے والیوں کو زنانہ کاردار چابک رسید کرتی تھی۔ اس کے بعد بھی کوئی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتی تو محل کے مردانہ حصّے میں اُسے گولیوں سے بھون دیا جاتا تھا۔

زنانہ کاردار انھیں ایک کمرے میں لے کر آئی۔ پھر کہا: "امیر ابنِ امیر تمھارے حُسن کو سر سے پاؤں تک دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اب تم نہانے کا مختصر ترین لباس پہنو اور یہ پچھلا دروازہ کھول کر سوئمنگ پول میں چلی جاؤ۔"

شیبا نے پوچھا: "تمھارا امیر کہاں ہے؟"

"ہمارے امیر کی ہزار آنکھیں ہیں۔ وہ اس وقت بھی ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہماری باتیں سُن رہا ہے۔"

آمنہ نے انگریزی میں پوچھا: "کیا میں تمھاری پٹائی کروں گی تو بھی اُسے نظر آتا رہے گا؟"

کاردار اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے چابک والا ہاتھ بلند کیا لیکن وہ ہاتھ بلند ہی رہ گیا۔ آمنہ کی لات پیٹ پر پڑی تو چابک چھوٹ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حرم سرا میں آنے والی حسین عورت کا ہاتھ ہتھوڑا بھی ہو سکتا ہے۔ جب وہ پیٹ پکڑ کر کراہتی ہوئی سیدھی ہوئی تو اُس کے ہولسٹر سے ریوالور نکل کر آمنہ کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

شیبا نے چابک اٹھا کر پوچھا: "کیا واقعی اس سے کھال اُدھڑ جاتی ہے؟"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی خفیہ اسپیکر سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی: "بُری بات ہے نازک اندام حسیناؤ! میدانِ جنگ میں نہیں، ہماری حرم سرا میں اچھی لگتی ہیں۔ ریوالور اور چابک پھینک دو۔"

شیبا نے سوچ کے ذریعے آمنہ سے کہا: "یہ امیر ابنِ امیر کی آواز ہے۔ میں اس کی کھوپڑی سے ہو کر آئی ہوں۔ مگر اس کی خبر لینے سے پہلے میں اس کاردار کی درگت کو سنبھالوں گی۔"

آمنہ نے کہا: "تم بعد میں یہ حسرت پوری کر لینا۔ ابھی بات نہ بڑھاؤ، میں امیر سے بات کرتی ہوں۔"

پھر اُس نے خلا میں تکتے ہوئے کہا: "اے امیر ابنِ امیر! یہ کاردار درست کہتی ہے۔ تیری ہزار آنکھیں ہیں۔ ہم صرف دو آنکھوں سے تجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ ہمیں اپنے رُوبرو طلب کر لے۔"

امیر کی آواز آئی: "کاردار کی ہدایت پر عمل کرو۔ بہت جلد تم دونوں میری خواب گاہ میں پہنچا دی جاؤ گی۔"

"ہمارے لیے کاردار کی ہدایت پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔"

آمنہ بول رہی تھی اور شیبا امیر کے دماغ میں تھی۔ وہ غصّے سے کوئی ظالمانہ حکم دینا چاہتا تھا۔ شیبا نے اس کی سوچ میں کہا: "بے حد حسین لڑکیاں ہیں۔ انھیں سزا دی جائے گی تو حُسن داغ دار ہو جائے گا۔ اپنی خوابگاہ میں بلا کر انھیں سیدھا کرنا چاہیے۔"

اُس نے حکم دیا: "دونوں کو ہماری خواب گاہ میں لے آؤ۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ انھوں نے چابک اور ریوالور واپس کر دیے۔ کاردار انھیں محل کے مختلف حصّوں سے گزارتی ہوئی خواب گاہ کے دروازے تک لے آئی۔ وہاں ایک ریشمی پھُندنے والی رسّی لٹک رہی تھی۔ اسے پکڑ کر دو بار کھینچا گیا۔ اندر موسیقی کے انداز میں اطلاعی گھنٹی بجنے لگی پھر دو کنیزوں نے دروازہ کھول کر سر جھکاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اندر آنے کے لیے کہا۔

اندر شاہی طرز کی خواب گاہ تھی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تھی۔ ایک جانب بہت ہی قیمتی پلنگ تھا۔ وہ اتنا وسیع و عریض پلنگ تھا، جیسے میدانِ جنگ ہو۔ اس میدانِ جنگ میں کتنی ہی کنیزیں امیر ابنِ امیر کی خدمت کر رہی تھیں۔ وہ آرام سے نیم دراز تھا۔ ایک ہاتھ سے انگور کا خوشہ بلند کیے سر اٹھائے اُس کا ایک ایک دانہ کھا رہا تھا۔ خواب گاہ کے چاروں طرف بڑے بڑے اسکرین تھے، جن پر حرم سرا کے مختلف مناظر تھے۔ کہیں حسینائیں موسیقی پر تھرک رہی تھیں۔ کسی اسکرین پر سوئمنگ پول کا منظر تھا، جہاں بے بہا حُسن پانی میں جل پری کی طرح تیرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اس حرم سرا میں کوئی کنیز یا داشتہ کسی بھی گوشے میں خود کو چھپا نہیں سکتی تھی۔ وہ کسی بھی حصّے میں چھُپ کر بیٹھ جاتی مگر امیر اُسے اسکرین پر دیکھتا رہتا۔

شیبا اور آمنہ غصّے سے کھَولنے لگیں۔ کیا بے انتہا دولت اس لیے ہوتی ہے کہ عورت کو خرید کر اُسے شرم سے کہیں چھُپنے کی اجازت بھی دی جائے۔ ایسے وقت اُنھیں فرہاد یاد آیا۔ آہ! اور ہائے! ایک ساتھ دل سے نکلی۔ انھوں نے ایک بار پھر اعتراف کیا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے کسی عورت کی تنہائی میں چھُپ کر جانا تو دور کی بات ہے، وہ اپنی عورتوں کی تنہائی میں بھی اجازت کے بغیر نہیں آتا۔ جب کہ ٹیلی پیتھی کے اسکرین اس سے بھی زیادہ بے حیائی کے تماشے دیکھے جا سکتے ہیں۔

شیبا سے غصّہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ آمنہ نے اس کے شانے پر رکھ کر کہا: "سہولت سے، آرام سے۔"

دونوں آرام سے دماغ میں پہنچ گئیں۔ امیر ان دونوں کو نظرانداز کرتا بزدلوں کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔ اچانک اُس کا قہقہہ حلق میں گھُٹ گیا۔ وہ سیدھا بیٹھ گیا۔ پلنگ کے سرہانے لگے ہوئے تمام بٹنوں کو ایک ایک کر کے دبانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی تمام اسکرین کے مناظر غائب ہوتے جا رہے تھے۔ پھر اُس نے کنیزوں کو حکم دیا: "جاؤ، بھاگ جاؤ، ہم تنہائی چاہتے ہیں۔"

وہ سب جلدی جلدی بدحواسی میں وہاں سے جانے لگیں۔ جب آخری کنیز بھی چلی گئی تو امیر نے اُٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ شیبا اُس کی سوچ سے معلوم کر رہی تھی۔ خواب گاہ کے چور دروازے سے بھی کوئی محافظ اس وقت تک نہ آتا جب تک امیر خطرے کی گھنٹی نہ بجاتا۔ اُس نے امیر کے ہاتھوں اُس گھنٹی کے تار کٹوا دیے۔ اس مائیک کا کنکشن بھی بیکار کرا دیا جس کے ذریعے تمام محل میں اُس کی آواز سُنی جاتی تھی۔

شیبا نے اُسے آزاد چھوڑ دیا۔ اُس نے چونک کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ حیرانی سے سوچنے لگا: "ابھی میں کنیزوں کے جھُرمٹ میں تھا۔ اب یہ سناٹا اور ویرانی کیسی اور میں یہ قالین پر اکڑوں کیوں بیٹھا ہوں؟"

وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو شیبا اور آمنہ پر نظر پڑی۔ آمنہ شان بے نیازی سے چلتی ہوئی شاہانہ پلنگ کے پاس آئی پھر وہاں ملکۂ عالیہ کے انداز میں لیٹتے ہوئے بولی: "یہ تیرا میدانِ جنگ ہے۔ تو یہاں بے بس و مجبور عورتوں کو قتل کرتا ہے۔ آج اس میدان میں مَیں ہوں۔ مَرد کا بچہ ہے تو مجھے صرف ہاتھ لگا دے۔"

وہ پریشان ہو کر باتیں سُن رہا تھا اور دونوں کو باری باری دیکھتا جا رہا تھا۔ اُسے ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ دو عورتوں نے اسے بے بس کر رکھا ہے۔ اُس نے غصّے سے پوچھا: "یہ کنیزیں کہاں چلی گئیں؟ مجھے اُن کے جانے کا علم کیوں نہیں ہوا؟ یہ کیا بھید ہے؟ تم دونوں کون ہو؟"

شیبا نے کہا: "ہم ایسی ہی عورتوں میں سے ہیں جنھیں تُو دولت سے، طاقت سے اور رشوت سے بے بس کر دیتا ہے۔ تیرے محل کے اندر اور باہر سخت پہرا ہے۔ تُو نے عورتوں کی حیا کو قتل کرنے اور خود کو محفوظ رکھنے کے ایسے انتظامات کر رکھے ہیں جیسے کبھی تجھے موت نہیں آئے گی۔"

آمنہ نے کہا: "تُو بڑا خوش نصیب ہے۔ تیری زندگی میں بھی حُسن تھا۔ تیری موت میں بھی حسین عورتوں کا ہاتھ ہوگا۔"

شیبا نے کہا: "تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ پانچ منٹ کے اندر اپنی سلامتی کا سامان کر لے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا خطرے کی گھنٹی کی طرف گیا۔ پھر ٹھٹک گیا۔ بڑی حیرانی اور پریشانی سے بولا: "اس کے تار کس نے کاٹ دیے؟"

کوئی جواب نہ ملا۔ شیبا آرام سے ایک شاہانہ طرز کی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ انگور کا ایک خوشہ اُٹھا کر ہاتھ بلند کیا تھا۔ پھر سر اٹھا کر ایک ایک دانہ کھانے لگی۔ وہ دوڑتا ہوا مائیک کے پاس گیا۔ پھر اُسے ہاتھ میں لے کر جلدی جلدی بولنے لگا: "ہیلو اٹینشن ٹو سیکیورٹی کمانڈر۔ میں خطرے میں ہوں۔ پوری فورس کے ساتھ محل کے ممنوعہ حصّے میں داخل ہو جاؤ۔ سیدھے میری خواب گاہ میں آؤ۔ ان دو عورتوں نے کوئی کالا عمل کیا ہے۔ میری زندگی خطرے میں ہے۔ فوراً آؤ۔ خطرے کا سائرن آن کر دو۔"

وہ بول رہا تھا۔ شیبا انگور کھا رہی تھی۔ آمنہ آرام دہ بستر پر تھکن اُتار رہی تھی۔ بڑی دیر تک بولتے رہنے کے بعد اُسے احساس ہوا کہ نہ خطرے کا سائرن سنائی دے رہا ہے اور نہ ہی کوئی اُس کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔ پھر اُس نے مائیک کے نچلے حصّے کو دیکھا، وہاں کٹا ہوا تار نظر آ گیا۔ اُس نے غصّے سے جھنجلا کر مائیک کو شیبا کے منہ پر مارنا چاہا۔ وہ آمنہ کی طرف اشارہ کر کے بولی: "اُسے مارو۔"

وہ مائیک کو پتھر کی طرح اٹھائے آمنہ کی طرف دوڑتا گیا۔ آمنہ نے شیبا کی جانب انگلی اُٹھائی: "کیا میں سستی ملی ہوں؟ اُدھر جاؤ۔"

وہ پھر شیبا کی طرف گھوم گیا۔ اُس کے دماغ کو اس حد تک آزادی تھی کہ وہ اپنی احمقانہ حرکت کو سمجھ رہا تھا لیکن کبھی شیبا اور کبھی آمنہ کی طرف دوڑتے رہنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ کون سی انجانی قوّت اسے دوڑا رہی ہے، وہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ آخر دوڑتے دوڑتے تھک کر دونوں کے درمیان گر پڑا، زور زور سے ہانپتے ہوئے عاجزی سے بولا: "آخر تم دونوں کون ہو؟ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

"شہر کا اتنا بڑا امیر دُور دُور تک اثر و رسوخ رکھتے ہوئے بھی دو عورتوں کے سامنے بے بس ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنا مقصد بیان کریں، تُو اچھی طرح سوچ لے کہ ہوٹل سے اٹھائی جانے والی ہم عورتوں کو کس طرح اپنی دولت اور طاقت سے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے؟"

اُسے ٹیلی فون یاد آیا۔ اُس نے چونک کر اُدھر دیکھا پھر قالین پر سے اٹھ کر دوڑتا ہوا وہاں پہنچا۔ ریسیور اٹھا کر پہلے تار وغیرہ کو چیک کیا پھر مطمئن ہو کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر اپنے پرسنل سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑا حیران ہوا کیونکہ وہ پولیس آفیسر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ شیبا نے سیکرٹری کے نمبروں پر انگلی رکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اب وہ اس کی مرضی کے مطابق بول رہا تھا: "ہیلو! کل ہمارے چارٹرڈ طیارے میں کتنی عورتیں جائیں گی؟"

پرسنل سیکرٹری نے جواب دیا: "دو رقاصائیں اور پانچ کنیزیں ہیں۔"

امیر نے کہا: "انھیں منسوخ کر دو۔ ہمارے ساتھ صرف دو معزز خواتین سفر کریں گی۔"

"اے امیرِ معظم! کیا ان کے باقاعدہ پاسپورٹ ہیں؟"

"نہیں، یہاں چیکنگ کرنے والوں کو چاندی کے جوتے مارو وہاں القرہ میں ہمارے سیکرٹری کو بھی سمجھا دو۔ وہ بھی قانون کو اندھا بہرا اور گونگا بنا دے گا دیٹس آل۔"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ اُس نے جو کچھ اب تک کہا وہ بے اختیار کہتا رہا۔ اب یہ سوچنے لگا، یہ کالا جادو ہے یا ٹیلی پیتھی ہے۔ حالانکہ دونوں علوم کو وہ مضحکہ خیز سمجھتا تھا۔ اپنے ساتھ جو ہو رہا تھا، اس کے بعد یقین کرنا پڑ رہا تھا کہ ایسا ہی کوئی چکر ہے۔

اُس نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا: "میں کسی طرح اپنا بچاؤ نہیں کر سکوں گا۔ اب بتا دو، تم دونوں کیا بلا ہو؟"

شیبا نے کہا: "میرا نام عاملہ ہے اور اس کا نام کاملہ۔ ۔ ۔"

آمنہ نے کہا: "یہ عمل کرتی ہے، اس لیے عاملہ ہے، میں اس کا عمل مکمل کرتی ہوں، اس لیے کاملہ ہوں۔ تم چاہو تو ہمیں کالی بلائیں کہہ سکتے ہو۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"وہی جو تم نے اپنے سیکرٹری سے کہہ دیا ہے۔"

"یعنی تم دونوں یہاں سے چھپ کر القرہ جانا چاہتی ہو۔ اس کے لیے ہمارا سہارا لیا ہے۔"

"تم خود اپنا سہارا نہیں بن سکتے، ہمیں کیا سہارا دو گے۔"

"تم دونوں نے مجھے کس طرح بے بس اور مجبور کر دیا ہے۔ خدارا میری اُلجھن دور کرو، نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"تم ہماری مرضی کے بغیر ہل نہیں سکتے پھر پاگل کیسے ہو سکتے ہو۔ صبح کے پانچ بجنے والے ہیں۔ ہمیں نیند پوری کرنی ہے۔ لہٰذا تم بھی سو جاؤ۔"

"میں سو نہیں سکتا۔ تم نے میری نیند اُڑا دی ہے۔"

"حسین عورت کو دیکھ کر ہمیشہ سے تمہاری نیند اُڑتی آئی ہے۔ چلو فرش پر لیٹ جاؤ، میں تمہیں سُلا دوں گی۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔ میں اور فرش پر لیٹوں، نہیں کبھی نہیں۔"

شیبا نے اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا۔ پھر فوراً ہی اُس کا منہ بند کر دیا تاکہ اس کے چیخنے کی آواز باہر نہ جائے۔ وہ فرش پر گر کر بُری طرح تڑپ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ذبح کر دیا گیا ہو، آواز مر گئی ہو، صرف آخری بار تڑپنا رہ گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد جب ذرا آرام ملا تو شیبا نے کہا: "اگر تم چاہتے ہو کہ دوبارہ تمہاری کھوپڑی میں زلزلہ نہ آئے تو اسی طرح لیٹے رہو۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دو اور آنکھیں بند کر لو۔"

اس پر بُری طرح دہشت سوار ہو گئی تھی۔ اُس نے فوراً حکم کی تعمیل کی، آنکھیں بند کر لیں۔ اُس میں جو دماغی کھنچاؤ تھا، اُسے شیبا نے خیال خوانی کے ذریعے دُور کیا۔ آہستہ آہستہ اُسے سلا دیا پھر اس کے خوابیدہ دماغ سے معلومات حاصل کرنے لگی۔

معلوم ہوا کہ القرہ سے جنوب مشرق کی جانب ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جس کا نام 'قیصری' ہے۔ قیصری کی آبادی سے میل دُور ایک پہاڑی کی بلندی پر ایک قلعہ نما محل ہے، جو امیر کی ملکیت ہے۔ اسے محل نہیں قلعہ کہنا چاہیے۔ اس نے جب سے قلعے کو خریدا ہے، تب سے کچھ پریشان رہتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد اس کو خریدنا چاہتے تھے۔ اُس نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ قیصری میں رہے یا بغداد میں، اُسے کبھی فون پر دھمکیاں ملتی ہیں کبھی ذرائع سے وارننگ دی جاتی ہے کہ وہ فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو اس قلعے کو بارودی دھماکوں کے ذریعے کھنڈر بنا دیا جائے گا۔

شیبا اس کی سوچ سُن رہی تھی اور آمنہ کے سامنے زبان سے بولتی جا رہی تھی: "ایسی دھمکیوں کو ایک برس گزر چکا ہے۔ امیر سمجھ گیا ہے کہ قلعے میں یا تو بیش بہا خزانہ پوشیدہ ہے یا پھر کوئی نہایت ہی غیر معمولی بات ہے، جس کی وجہ سے وہ نامعلوم افراد اپنی دھمکیوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اب انھوں نے امیر کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہے۔ اس پر دھمکی کا اثر نہیں ہو رہا تھا کیونکہ وہ سخت حفاظتی انتظامات میں وہاں جاتا اور آتا تھا۔"

آمنہ نے کہا: "تمہاری مراد پوری ہونے والی ہے۔ تم ایسی ہی جگہ چاہتی تھیں۔ اس قلعے میں ہم روپوش رہ کر کسی کی مداخلت کے بغیر کچھ کر سکیں گے۔"

شیبا نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر امیر کے خوابیدہ دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے تابع فرمان بنانے لگی۔ ذرا سی دیر میں وہ معمول بن گیا۔ وہ ایک عامل کی حیثیت سے بولی: "تم میری چند باتوں کو یاد رکھو گے۔ ان پر عمل کرتے رہو گے۔"

اُس نے شیبا کی بات دُہرائی۔ وہ بولی: "تم میرے فرماں بردار رہو گے میرے خلاف کچھ سوچو گے نہ کرو گے۔"

پھر اُس نے حکم دیا: "تم عاملہ اور کاملہ کو دوست سمجھو گے۔ القرہ پہنچتے ہی سیکرٹری کو ہدایات دو گے کہ قیصری قلعے کی ملکیت کے کاغذات دونوں بہنوں عاملہ اور کاملہ کے نام کر دیے جائیں۔"

اُس نے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ شیبا نے کہا: "اب چار گھنٹے تک گہری نیند سوتے رہو گے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد تنویمی عمل کو بھول جاؤ گے مگر میرے تمام احکامات پر عمل کرتے رہو گے۔"

وہ گہری نیند سو گیا۔ شیبا اور آمنہ شاہانہ طرز کے بستر پر وہاں کا بے انتہا دولت مند شخص فرش پر سو رہا تھا۔ وہ دونوں بستر پر آرام سے لیٹ گئیں، آنکھیں بند کر لیں۔ شیبا نے اپنے اور آمنہ کے دماغ کو چار گھنٹے تک سونے کی ہدایات دیں۔ باہر سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لہٰذا آرام سے سو گئیں۔

دوسرے دن تمام احکامات پر عمل شروع ہو گیا۔ امیر نیند سے بیدار ہو کر بڑا ہی دوست اور مہمان نواز ثابت ہونے لگا۔ دونوں نے شہر سے اپنی ضرورت کی بہت سی چیزیں خریدیں۔ تین بجے امیر کے ساتھ چارٹرڈ طیارے میں روانہ ہوئیں۔ چھ بجے القرہ پہنچ گئیں۔ وہاں سے قیصری کے قلعے تک جانے کے لیے قیمتی ائیر کنڈیشنڈ کاریں تھیں۔ امیر نے اپنے سیکرٹری کو حکم دیا کہ قلعے کے کاغذات عاملہ اور کاملہ کے نام منتقل کر دیے جائیں۔ یہ کام دو دن کے اندر اندر ہو جانا چاہیے۔

وہ رات کے دس بجے قلعے کے قریب پہنچے۔ چاندنی میں وہ قلعہ دور ہی سے پہاڑی کی بلندی پر نظر آتا تھا۔ اُن کی گاڑیاں چکر دار راستوں سے بلندیوں پر دوڑتی ہوئی قلعے کے داخلی دروازے تک پہنچ گئیں۔ اس احاطے کا داخلی دروازہ کھولا گیا۔ تمام مسلح محافظ اُنھیں سلام کر رہے تھے۔ وہ قلعہ دو مربع میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آنے جانے کے لیے چھوٹی چھوٹی ٹرالیاں تھیں، جو خوب صورت باغیچوں اور شفاف پانی کے جھرنوں کے نیچے سے لوہے کی پٹریوں پر گزرتی تھیں۔

قلعے کے اندر ایک چھوٹی سی دو سیٹر کار تھی جسے بچے چلایا کرتے ہیں۔ امیر اُس کار میں بیٹھ کر قلعے کے تمام اندرونی حصوں تک پہنچتا تھا۔ اس رات کھانے کے بعد شیبا اور آمنہ دو سیٹر میں بیٹھ کر قلعے کے اندر سیر کرتی رہیں۔ تمام کمروں اور دیواروں کا بغور جائزہ لیتی رہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں کیا غیر معمولی بات ہو سکتی ہے اور کچھ نامعلوم افراد کیوں اس قلعے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرے دن سیکرٹری کاغذی کارروائی کے لیے متعلقہ شعبوں میں گیا۔ شیبا اُس کے دماغ میں رہی اور یہ بات اُس کے اندر مستحکم کرتی رہی کہ عاملہ اور کاملہ کے لیے ترکی شہریت کے کاغذات بھی تیار کرانے چاہئیں، اس میں بھلا کیا دیر لگتی؟ سیکرٹری عملی طور پر کوشش کرتا رہا۔ شیبا خیال خوانی کے ذریعے متعلقہ افسران کو وہ کام کرنے پر مجبور کرتی رہی۔ جب وہ رات کو واپس آیا تو امیر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قلعے کے مالکانہ حقوق عاملہ اور کاملہ کے نام ہو گئے تھے اور ان کی شہریت کے کاغذات بتا رہے تھے کہ وہ دونوں پیدائشی طور پر ترکی ہیں۔

شیبا اور آمنہ کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ شیبا قلعے کے تمام ملازموں، کنیزوں اور مسلح محافظوں کی فرداً فرداً آواز سُن کر اُن کے دماغوں کو ٹٹولتی رہی۔ جن کے متعلق یقین ہوا کہ وہ نئی مالکوں کے صرف وفادار ہی نہیں جاں نثار بھی رہیں گے تو انھیں آمنہ کے حوالے کر دیا اور جن کے خیالات سے بے ایمانی اور غداری کی بُو آئی انھیں فوراً قلعے سے نکال دیا۔

آمنہ جرائم پیشہ افراد کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اس نے اپنے تجربات کی روشنی میں ایسے حفاظتی انتظامات کیے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی احاطے کے اندر آ کر زندہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ تیسری صبح امیر وہاں سے واپس جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی نے متوجہ کیا۔ سیکرٹری نے ریسیور اٹھا کر 'ہیلو' کہا۔ دوسری طرف سے آواز آئی: "یہ عاملہ اور کاملہ کون ہیں؟"

سیکرٹری نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر امیر اور نئی مالکوں کو دیکھا اور کہا: "وہی نامعلوم افراد ہیں۔"

شیبا نے ریسیور لے کر کہا: "ہیلو، میں عاملہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے کسی نے دہاڑ کر کہا: "بکواس ہے، تم فراڈ ہو۔ امیر ابنِ امیر نے اپنی جان بچانے کے لیے قلعے کو دو فرضی خواتین کے نام کر دیا ہے۔"

"مسٹر! ان دو خواتین کو عرفِ عام میں کالی بلائیں کہتے ہیں۔ ابھی لمحے سے یہ بلائیں تمہارے پیچھے پڑ گئی ہیں۔"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر سیکرٹری سے کہا: "امیر ابنِ امیر کو القرہ تک چھوڑ آؤ اور وہاں سے میرے تمام اہم کام نمٹا کر آؤ۔"

وہ امیر کے ساتھ چلا گیا۔ سیکرٹری کا نام ہمت ہاشم بیگ تھا۔ وہ بہت ذہین اور اعلیٰ تعلیمی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اُس کی سوچ سے پتا چل گیا تھا کہ وہ نئی مالکوں کا وفادار رہے گا۔ آمنہ نے اُسے دو اہم کام سونپے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی نہایت تجربہ کار ہپناٹزم کے ماہر کی خدمات حاصل کرے اور کوئی ایسا غیر معمولی میکینک تلاش کرے جو جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ان کی خاص کاروں کو خود کار حفاظتی کاریں اور اُن کی خواب گاہوں کو بھی خود کار حفاظتی خوابگاہ بنا دے۔

امیر کے رخصت ہونے کے بعد شیبا اس نامعلوم شخص کے دماغ میں پہنچ گئی جس نے تھوڑی دیر پہلے فون پر اپنی آواز سنائی تھی۔ شیبا نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ تب سے وہ بار بار قلعے کا نمبر ڈائل کر کے دوبارہ گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اور شیبا اس سے بار بار غلط نمبر ڈائل کرا رہی تھی۔ اُس کے دماغ سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد اُس نے صحیح نمبر ڈائل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ بولی: "آمنہ! یہ وہی دھمکی دینے والا شخص ہے اسے امیرابنِ امیر کے پیچھے لگا دو۔"

آمنہ نے ریسیور اٹھا کر پوچھا: "ہیلو کون ہے؟"

وہ غصے سے دہاڑ کر بولا: "تمہارا باپ۔"

وہ مسکرا کر بولی: "اچھا، سمجھ گئی۔ پہلے تمہاری عاملہ بیٹی بول رہی تھی، اب کاملہ بیٹی پوچھ رہی ہے، کیا بات ہے پاپا؟"

"کیا واقعی تم نے اس قلعے کو خرید لیا ہے؟"

"ہاں خرید تو لیا تھا مگر امیر بڑا فراڈ نکلا۔ ہمارے وکیل نے بتایا ہے کہ ہماری ملکیت کے کاغذات جعلی ہیں۔ وہ اپنی ملکیت کے

اصلی کاغذات لے کر چلا گیا۔ شام تک انقرہ پہنچنے والا ہے۔ کیا وہ اصلی کاغذات واپس دلانے میں تم ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

"اب آئی ہو لائن پر۔"

"دیکھو طعنے نہ دو۔ ہم نے امیر کو دس لاکھ ڈالر ادا کیے تھے، یہ رقم ہمیں واپس مل جائے تو ہم یہ قلعہ چھوڑ دیں گے۔"

"وہ تو تمھیں چھوڑنا ہی ہوگا۔ پہلے میں انقرہ میں امیر سے نمٹ لوں، پھر تم دونوں کی خیریت پوچھنے آؤں گا۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ شیبا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب دو مرغے لڑیں گے۔ بغدادی مرغے کو قتل ہونا چاہیے ورنہ وہ پھر مظلوم عورتوں سے حرم سرا آباد کرے گا۔"

"یہ بتاؤ، وہ دھمکی دینے والا کون ہے؟"

"نئے سپر ماسٹر کا علاقائی ماسٹر ہے۔ اس کا نام نک کارنیل ہے۔ اُس کی سوچ سے پتا چلا اس قلعے کے اندر نہ تو کہیں خزانہ پوشیدہ ہے اور نہ ہی کوئی غیر معمولی بات ہے، بات ہے صرف سیاسی اور جغرافیائی حالات کی۔"

"ذرا وضاحت کرو۔"

"ترکی میں قیصری کا علاقہ ایسی جگہ ہے جس کے جنوب میں لبنان، شام اور جنوب مشرق میں عراق ہے اور مشرق میں ایران ہے۔ جب سے ایران میں شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا ہے، سپر ماسٹر تب سے ایران کے خلاف اطراف کے ملکوں میں چھوٹے چھوٹے خفیہ اڈے بنا رہا ہے۔ وہ اس قلعے کو حاصل کر کے اُسے اپنے چالاک سراغرسانوں کا خفیہ۔۔۔ ہیڈ کوارٹر بنانا چاہتا ہے۔"

"اچھا تو ہمارے تجربات کی ابتدا سپر ماسٹر کے ٹکراؤ سے ہوگی۔ شیبا! ہمیں بہت ذہانت اور حاضر دماغی سے کام لینا ہوگا۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ دماغ کو پُرسکون اور اپنی ذات پر بھرپور اعتماد رکھو۔ میں بار بار تمھیں غصہ کرنے سے روکتی ہوں۔ غصہ اچھی اچھی صلاحیتوں کو کھا جاتا ہے۔"

"میں تمھارے مشوروں پر عمل کر رہی ہوں۔ رفتہ رفتہ غصہ کرنے کی عادت ختم ہو جائے گی۔"

شام کو سیکریٹری ہاشم بیگ اپنے سابقہ مالک امیر ابن امیر کو انقرہ کے ہوٹل میں چھوڑ کر چلا گیا۔ شیبا نے خیال خوانی کے ذریعے ماسٹر نک کارنیل کو امیر سے ٹکرایا اور اسے قتل کرانے کے بعد فرار ہونے کا موقع نہیں دیا۔ پولیس والوں کو وہاں پہنچا دیا جس کے نتیجے میں ماسٹر نک کارنیل رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ آئندہ دو چار روز میں نیا ماسٹر آنے والا تھا۔ اس وقت تک شیبا اور آمنہ دوسرے معاملات میں مصروف ہو گئیں۔

دوسرے دن ایک ہپناٹزم کا ماہر پہنچ گیا۔ آمنہ اُس سے بات کرتی رہی کہ اُسے قلعے کی مالکہ پر وقفے وقفے سے تنویمی عمل کرنا ہے اور ترکی کی مختلف علاقائی زبانیں دماغ میں نقش کرانا ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ شیبا معمولہ بن کر مختلف زبانیں سیکھتی تھی۔ بعد آمنہ کو اپنی معمولہ بنا کر اُسے سکھاتی تھی اور اُس سے رائفل شوٹنگ کی بھی ٹریننگ حاصل کرتی جا رہی تھی۔ اس طرح نو دن گزر گئے۔ دسویں دن عامل نے شیبا کو معمولہ بنا کر اُس کے اندر اپنے لیے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی مگر آمنہ نادان نہیں تھی، وہ تنویمی عمل کے دوران چھپی تھی۔ اُس نے ریوالور کی نال عامل کی کنپٹی پر رکھ دی۔ پھر کہا: "اسے تنویمی عمل کے اثر سے باہر لاؤ یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

عامل نے مسکرا کر کہا: "نادان عورت! تنویمی عمل کی جگہ ہلکا سا بھی شور نہیں ہونا چاہیے۔ گولی چلنے کی آواز سے میری معمولہ کے ذہن پر بُرا اثر پڑے گا۔ یہ تنویمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد پاگل بھی ہو سکتی ہے۔"

آمنہ تذبذب میں رہ گئی۔ اُس نے ریوالور کو جیب میں رکھتے ہوئے کچھ سوچا، پھر ہاتھوں سے اس کی پٹائی شروع کر دی۔ وہ بھی مقابلے پر اُتر گیا۔ اور وارننگ دیتا رہا: "مجھے اپنی مرضی سے عمل کرنے دو، ورنہ یہ ذہنی توازن کھو بیٹھے گی۔"

وہ سمجھ گیا تھا، لڑنے والی کوئی بلا ہے، اس سے پیچھا نہیں چھوٹے گا۔ اس لیے بار بار وارننگ دے رہا تھا۔ آخر مار کھاتے کھاتے یک بیک اُس نے لباس کے اندر سے خنجر نکال لیا۔ اس کی نوک شیبا کے سینے پر رکھتے ہوئے بولا: "ذرا بھی حرکت کرو گی تو اس سے پہلے یہ سینے میں اُتر جائے گا۔"

آمنہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ گولی چلانے سے معمولہ کے ذہن پر بُرا اثر پڑ سکتا تھا لیکن اُسے عامل کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا: "میں تین تک گنتا ہوں۔ اگر تم کمرے سے باہر نہیں جاؤ گی تو۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ گننے لگا۔ آمنہ مجبور ہو کر پیچھے ہٹتے ہوئے کمرے سے جانے لگی۔ مگر باہر جانے سے پہلے ہی عجیب تماشا ہوا۔ عامل کا خنجر والا ہاتھ تھرتھرا رہا تھا اور شیبا کے سینے سے اُٹھ کر خود اُس کے اپنے سینے کی طرف جا رہا تھا جیسے وہ خودکشی کرنے والا ہو۔ وہ خوف زدہ ہو کر کہنے لگا: "نن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں خود کو نہیں مار سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں خنجر کو چھوڑ دوں گا۔"

ہزار کوشش کے باوجود خنجر ہاتھ سے نہیں چھوٹ رہا تھا۔ اس کی نوک اس کے سینے پر ٹھیک دل کی جگہ پہنچ گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے دیدے پھیل گئے۔ اُس کا تیز پھل دستے تک دل میں پیوست ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ دیوار سے ٹکرا کر آگے آیا اور فرش پر گر پڑا۔ شیبا لیٹے لیٹے انگڑائی لے کر بیٹھ گئی۔

آمنہ مسرت سے دونوں بانہیں پھیلا کر قریب آئی، شیبا اس سے لپٹ گئی: "اوہ شیبا! میری تو جان نکل گئی تھی۔ جان لیوا تجربات سے گزرنا اسی کو کہتے ہیں۔ کیا تم ٹرانس میں نہیں آئی تھیں؟"

"میں ہر روز تنویمی عمل سے پہلے اس عامل کی سوچ پڑھتی رہی۔ اس کے ارادوں کو سمجھنے کے بعد اس کی معمولہ بنتی رہی۔ آج اس کی سوچ نے بتایا کہ اس کی نیت خراب ہے۔ لہٰذا میرے دماغ نے اُس کے تنویمی عمل کے اثر کو قبول نہیں کیا۔ میں یونہی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔"

آمنہ نے شکایت کی: "تم نے مجھے سوچ کے ذریعے مخاطب کیوں نہیں کیا؟"

"میں دیکھنا چاہتی تھی، ایسے حالات میں تم کس طرح میری حفاظت کرتی ہو؟ میں مانتی ہوں، تم بہت سمجھداری سے بظاہر شکست قبول کر رہی تھیں مگر تنویمی عمل کے اختتام پر جب یہ عامل کمرے سے نکلتا تو تم اُسے ختم کر دیتیں۔"

"ہاں۔ یہ تمھارے دل و دماغ کو اپنے قابو میں رکھنا اور اپنے اشاروں پر چلانا چاہتا تھا۔ تم اس کی معمولہ بن کر یہی کرتیں لیکن جب یہ دنیا میں ہی نہ رہتا تو کس کی معمولہ رہتیں؟"

"اور اب یہ دنیا میں نہیں رہا۔" دونوں ہنستے ہنستے پھر لپٹ گئیں۔

شیبا قلعے سے باہر نہیں جاتی تھی۔ ایک تو خیال خوانی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ دوسرے وہ مختلف قسم کی ٹریننگ حاصل کر رہی تھی۔ تیسری اہم بات یہ کہ وہ اپنا اصل چہرہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ قلعے کے اندر چند قابلِ اعتماد خدمت گار اُسے دیکھ سکتے تھے۔ ورنہ مسلح پہرے داروں نے بھی اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ میرے ساتھ رہنے کے دوران ہارپر کے دماغ میں پہنچ چکی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ آئندہ ہارپر ہی سپر ماسٹر بنے گا۔ یہ عہدہ حاصل کرنے کے لیے اُس نے اور شارپ نے بڑی زبردست چالیں چلی تھیں۔ اس ملک کے تمام اہم دماغوں میں گھستے رہے تھے لیکن پتا نہیں ہارپر سے کہاں غلطی ہو گئی تھی کہ اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کوئی دوسرا شخص سپر ماسٹر بن گیا تھا۔

وہ نیا سپر ماسٹر بھی احتیاطی تدابیر کے مطابق گمنام تھا۔ اُس نے سابقہ سپر ماسٹر گراہم ہارڈلے کے تمام طریقۂ کار بدل دیے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی خیال خوانی کرنے والا فی الحال اُس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ البتہ شیبا انقرہ کے نئے ماسٹر ٹونی تک پہنچ گئی تھی۔

ایسے ہی وقت پارس اوّل ان کی نظروں میں آ گیا۔ ہوا یہ کہ آمنہ قلعے سے نکل کر قیصری ٹاؤن کے بازار گئی تھی۔ ایک دکان میں شاپنگ کے دوران اس نے پارس کا نام سنا تو کان کھڑے ہو گئے۔ اُس نے سر گھما کر دیکھا۔ ایک مقامی عورت وہاں کے روایتی لباس میں نظر آئی۔ وہ کچھ خرید رہی تھی۔ ایک پانچ برس کا بچہ دکان سے باہر جانا چاہتا تھا۔ وہ مقامی زبان میں اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی: "پارس! باہر نہ جاؤ۔ یہ دیکھو تمھارے لیے مکینیکل ٹوائے خریدا ہے۔"

اس علاقے میں پارس ایک غیر معمولی نام تھا۔ آمنہ نے سوچا، عمر اور قد کے لحاظ سے ہمارے پارس کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پھر اس عورت کے چہرے کی ساخت اور اُس کے مخصوص لباس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا تعلق وادیٔ قاف سے ہو سکتا ہے۔ اُس نے عورت اور بچے کا تعاقب کیا۔ آمنہ اور شیبا کے پاس ایسے ننھے سے ٹرانسمیٹر تھے جن کے ذریعے ایک دوسرے کو سگنل دیا جا سکتا تھا۔ بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ سگنل ملتے ہی شیبا آمنہ کے دماغ میں پہنچ جاتی تھی۔

شیبا نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

وہ اُس عورت اور بچے کے متعلق بتاتے ہوئے بولی: "میں عورت کو مخاطب کروں گی۔ اس کے بعد تم سمجھ لینا۔"

اُس نے تعاقب کے دوران اُس کا راستہ روک کر پوچھا: "میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ قیصری کے قلعے کا راستہ کون سا ہے؟"

وہ راستہ بتانے لگی۔ شیبا کو اُس کے دماغ کا راستہ مل گیا۔ اُس کا نام حاشیہ تھا۔ جس وقت وادیٔ قاف میں بمباری ہو رہی تھی، حاشیہ پارس کے ساتھ چشمے پر نہانے کے لیے گئی تھی۔ وادی کو تباہ ہوتے دیکھ کر وہ پارس کو لے کر دور نکل گئی۔ آدھی رات کو واپس آئی تو وادی کے سیکڑوں افراد مارے جا چکے تھے۔ اُس کے اپنے رشتے دار بھی اس بربریت کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ پارس کو لے کر ایران کی سرحد میں داخل ہو گئی۔ وہاں دو برس تک رہی۔ پھر ترکی آ گئی اور قیصری ٹاؤن میں رہائش اختیار کر لی۔ پارس کی قربت نے اس کے دل میں ممتا پیدا کی۔ وہ اپنی محنت مزدوری سے بچے کو مناسب تعلیم و تربیت نہیں دے سکتی تھی لہٰذا اُس نے ایک دولت مند سے شادی کر لی۔

شادی کے ایک برس بعد اُس نے محسوس کیا کہ شوہر صرف اُسے چاہتا ہے اور پارس کے اخراجات پر اعتراض کرتا ہے۔ اُس نے شوہر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک عورت کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے چاہنے والے مرد کو پرائے بچے کی خاطر چھوڑ دے۔ اس کا فیصلہ کچھ کمزور تھا۔ ایسے میں پتا چلا کہ وہ خود ماں بننے والی ہے۔ اب تو فیصلہ اور دشوار ہو گیا۔ وہ اپنے ہونے والے بچے کے باپ کو بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اچانک حالات نے پھر ایک بار پلٹا کھایا۔ جب اُس کے شوہر کو پتا چلا کہ وہ باپ بننے والا ہے تو وہ خوشی کے مارے حاشیہ کو بازوؤں میں اٹھا کر ناچنے لگا۔ وہ پچاس برس کا بوڑھا تھا۔ بچے کی اُمید نہیں تھی اور بچہ آ رہا تھا۔ وہ باپ بن رہا تھا۔ اسی خوشی میں اُس نے وسکی کی بوتل کھولی۔ وہ روز پیتا تھا لیکن روز پینے کی حد کر دی۔ نشے میں حاشیہ پر قربان ہوتا جاتا تھا اور بار بار کہتا جاتا تھا: "اب ہم پارس کو کسی فلاحی ادارے میں چھوڑ دیں گے۔ ہمارے بچے کی محبت میں کوئی حصے دار نہیں ہوگا۔

ٹوبل ودھ پارس اینڈ اے تھاؤزنڈ کیس ٹو آور ڈڈبی جائلڈ..."

وہ نشے میں بڑبڑاتا رہا اور پیتا رہا۔ پیتے پیتے مدہوش ہو کر صوفے پر لمبا ہو گیا۔ حاشیہ نے سوچا اُسے نیند آگئی ہے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ اُسے ابدی نیند آگئی تھی۔ کسی نے پارس کے لیے دعا نہیں کی تھی، کسی نے مرنے والے کو اُس کی زندگی میں بددعا دی تھی لیکن پارس کے راستے کی دیوار آپ ہی آپ گر گئی تھی۔

حاشیہ کو مرحوم شوہر کی دولت مل گئی۔ اُس نے سوچ لیا کہ اب شادی نہیں کرے گی۔ پارس اور اپنے ہونے والے بچے پر سوتیلا باپ نہیں لائے گی۔ مگر حالات پھر کروٹ بدل رہے تھے۔ اُسے شیبا اور آمنہ کے پاس پہنچا رہے تھے۔

اتنی معلومات حاصل کرنے تک حاشیہ اپنے بنگلے میں پہنچ گئی تھی۔ شیبا نے اُس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ حاشیہ نے اُس کی مرضی کے مطابق پارس کو ساتھ لیا۔ بنگلے کے دروازوں کو مقفل کیا۔ پھر آمنہ کی کار کی پچھلی سیٹ پر آکر پارس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اُسے ہوش تب آیا جب وہ قلعے کے اندر شیبا کے سامنے پہنچ گئی تھی۔

شیبا نے کہا: "حاشیہ! تم جانتی ہو، پارس کے ماں باپ ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ لہٰذا پارس کی اصلیت ہم سے نہ چھپانا۔ اب یہ بچہ ہمارے پاس رہے گا۔ ہم تمھیں اس سے جدا نہیں کریں گے۔ جب تک خود ماں نہ بن جاؤ، تم اس قلعے میں رہو گی۔ باہر جا کر پھر پارس کو سرِعام مخاطب کرو گی تو دشمن تمھارے پیچھے لگ جائیں گے۔ ماں بننے کے بعد اپنے بچے سے دل لگے گا۔ ایسے میں پارس سے جدا ہونا تمھارے لیے بہت آسان ہو گا۔"

وہ کسی بات سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ٹیلی پیتھی کی دہشت نے سمجھا دیا تھا کہ بات نہ ماننے پر اُس کے اپنے بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ وہ قلعے میں رہنے لگی لیکن شیبا اور آمنہ کے لیے حالات موافق نہیں تھے۔ نئے سپر ماسٹر ٹونی کے آدمیوں نے ایک رات قلعے پر زبردست حملہ کیا تھا۔ اگرچہ اس کے بیشتر آدمی مارے گئے تھے اور باقی زخمی ہو کر بھاگ گئے تھے، تاہم بچے کے لیے اندیشے جنم لینے لگے۔ آمنہ نے کہا: "اگر وہ پارس کو دیکھ لیتے تو یہ بات دور تک پھیلتی کہ ہم دو عورتوں کے پاس ایک بچہ بھی ہے۔ آئندہ حملہ کرنے والوں کے دماغوں میں شار پر اور ہار پر ہو سکتے ہیں، اُن کے ذریعے پارس کے دماغ تک پہنچ سکتے ہیں۔"

شیبا نے تائید کی: "بچے کی پرورش اور تعلیم و تربیت ایسی جگہ ہونی چاہیے جہاں ہمارے سوا کوئی نہ پہنچ سکے۔"

آمنہ نے کہا: "میرا مشورہ ہے اسے بابا صاحب کے ادارے میں بھیج دو۔"

"نہیں۔ اب اُس ادارے پر بھی دشمنوں کی نظر رہتی ہے۔ تم بھولتی ہو آمنہ کہ میں نے نمایاں کارنامے انجام دینے کے لیے یہ علیحدہ راہ اختیار کی ہے۔ ایک کارنامہ تو یہی ہے کہ گم شدہ پارس کو ہم نے دریافت کیا ہے۔ دوسرا کارنامہ یہ ہو گا کہ میں اسے دنیا جہان کے علم و ہنر سکھاؤں گی۔ یہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے نہایت کم عمری میں علوم و فنون کا انسائیکلوپیڈیا بن جائے گا۔ اگر ٹیلی پیتھی کے لیے اس کا مزاج موافق رہا تو میں فرہاد کے سامنے اسے دوسرا فرہاد بنا کر پیش کروں گی۔"

"کیا ہم دونوں اس بچے کو چھپا کر رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں؟"

"صرف جگہ کا مسئلہ ہے۔ کسی دوسرے شہر میں اس کے لیے ایک بنگلا خرید کر کسی قابلِ اعتماد میاں بیوی کی نگرانی میں اسے رکھا جا سکتا ہے۔ اس کا نام بدل دیا جائے گا تاکہ پارس کا نام کسی کے کانوں میں نہ پڑے۔"

"مناسب بنگلا اور نگرانی کے لیے مناسب لوگوں کا انتخاب کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ دشمن پھر کسی وقت بھی یہاں کا رُخ کر سکتے ہیں۔"

شیبا نے پوچھا: "کیا ہم وقتی طور پر کہیں اسے چھپا نہیں سکتے؟"

آمنہ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: "میں اسے خود لے کر استنبول جاؤں گی۔ وہاں محمت جواد ایک غیر ملکی ایجنٹ ہے۔ دہشت گردوں کو ہتھیار سپلائی کرتا ہے۔ تم اُس کے دماغ میں پہنچ کر ہتھیاروں کے خفیہ گودام کا سُراغ لگا سکتی ہو۔ یوں اُسے بلیک میل کر کے دو چار دن تک پارس کو اُس کی پناہ میں رکھا جا سکتا ہے۔"

اس مقصد کے لیے حاشیہ کا ساتھ جانا ضروری تھا کیونکہ پارس اچانک اُس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال آمنہ دونوں کو لے کر استنبول گئی۔ منصوبے کے مطابق شیبا نے جواد کے دماغ میں پہنچ کر اسے اپنے کام آنے پر مجبور کر دیا۔

اُس نے مجھ سے جدا ہونے کے بعد پہلی بار جواد کے دماغ میں خیال خوانی کا اظہار کیا تھا۔ ورنہ چپ چاپ ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرتی رہی تھی۔ اُس نے جواد کے دماغ میں یہ سوچ کر میرا لب و لہجہ اختیار کیا کہ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو نہ تو اس کی مصروفیات کا علم ہو اور نہ ہی کوئی اس پر توجہ دے۔ وہ روپوش ہی رہنا چاہتی تھی۔

اگر ہر چار طرف کے واقعات کو ایک دوسرے سے منسلک کر کے دیکھا جائے تو قدرت کا عجب تماشا دکھائی دیتا ہے۔ یہ قدرت کو منظور تھا کہ پارس اوّل سونیا کی نظروں میں آئے۔ وہ بیمار پڑ گیا۔ حاشیہ بزرگانِ دین سے والہانہ عقیدت رکھتی تھی۔ وہ علاج کے لیے پارس کو سونیا کے حجرے میں لائی اور نئی مصیبت میں پھنس گئی۔

وہ حجرے سے نکل کر کار میں آئی۔ سونیا اور دو مرید اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ میں حاشیہ کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اگر اس کی زبان جانتا تو اسی وقت پتا چل جاتا کہ وہ پارس کو لے کر فرار ہونے کے دوران ٹرانسمیٹر کے ذریعے آمنہ سے بات کر رہی ہے۔

وہ پارس کو سینے سے لگائے گراہٹ بازار کے دوسرے گیٹ سے نکلی اور دوسری کار میں گئی۔ ہم اتنے قریب رہ کر بھی سمجھ نہیں پائے کہ اُس کار کو آمنہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ اتنی دیر میں سگنل ٹرانسمیٹر کے ذریعے شیبا، آمنہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اُسے معلوم ہوا کہ سونیا پیچھے پڑ گئی ہے تو وہ پریشان ہو گئی۔

اگرچہ وہ سونیا سے بے حد محبت کرتی تھی، لیکن تنہا پارس کو ایک عظیم کارنامہ بنا کر پیش کرنا چاہتی تھی اور اس سلسلے میں کسی کا تعاون نہیں چاہتی تھی۔ بہرحال انھوں نے وقتی طور پر پارس کو چھپا لیا۔ مگر اسی دوران شیبا نے جواد کو نشے کی حالت میں ٹریپ کیا۔ اُس کے چور خیالات پڑھے۔ وہ ماسک مین سے پارس کا سودا کر رہا تھا۔ اُسے خطرے کا احساس ہوا۔ وہ پارس کو شاہکار بنانے کی دھن میں اُسے کھو سکتی تھی۔ ماسک مین جیسی سپر طاقتیں اس معصوم کے پیچھے پڑنے والی تھیں۔ آمنہ نے مشورہ دیا: "شیبا! تم سونیا کو اپنا راز داں بنا لو۔ اگر وہ ہم سے مل جائے تو ہمارے سامنے بڑی بڑی طاقتوں کے قدم اُکھڑ جایا کریں گے۔"

یہ بات دل کو لگی اور شیبا نے سونیا کو مخاطب کیا۔ اسے تمام حالات بتائے۔ سونیا نے کہا: "میں ضرور تمھارا ساتھ دوں گی۔ ہم تین عورتوں کی اس ٹیم کا ذکر فرہاد اور جنابِ شیخ صاحب سے بھی نہیں کروں گی۔ ابھی فرہاد قدسیہ بلڈنگ سے پارس کو لے جانا چاہتا ہے۔ میں اس کی کوششوں کو ناکام بنا دوں گی۔ تم جواد کو ہوشیار کر دو۔ اس بلڈنگ میں جو بھی انگریزی بولنے والا ہے، اُس پر کڑی نظر رکھے۔ وہ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا آلۂ کار بن سکتا ہے۔"

تین عورتوں نے مل کر جواد کی نظروں میں مجھے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والا دشمن بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ میں جیکب کے ذریعے پارس اوّل کے قریب تر پہنچنے کے باوجود اسے حاصل نہ کر سکا اور جیکب مارا گیا۔ اُس چڑیل سونیا نے یہ منصوبہ بنایا تھا اور ڈھونگ رچا رہی تھی کہ آگہی مل رہی ہے، میں اپنے بیٹے تک پہنچ نہیں پاؤں گا۔ پتا نہیں وہ کتنی مکار عورتوں کو مار کر پیدا ہوئی تھی۔

میں نے جواد کے دماغ میں رہ کر شیبا کو اپنے لہجے میں بولتے سُنا تھا۔ (اُن دنوں مجھے معلوم نہیں تھا کہ شیبا سونیا کے ساتھ مل کر یہ کھیل تماشے کر رہی ہے) شیبا نے میرے لہجے میں جواد سے کہا تھا: "میں نے (یعنی فرہاد نے) سونیا پر بھروسا کیا، مگر اُس نے مجھے بھی دھوکا دیا اور پارس کو کہیں غائب کر دیا ہے۔" یعنی پارس کا معاملہ یہاں تک پہنچا تھا کہ شیبا کہہ رہی تھی کہ وہ بچہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں جیکب کے ذریعے معلوم کرنے میں ناکام رہا اور سونیا یقین دلا رہی تھی کہ پارس اُس کے قبضے سے بھی نکل گیا ہے۔

یہ معاملہ بہت ہی پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس پیچیدگی کو کم کرنے اور قارئین کی اُلجھنیں دُور کرنے کے لیے میں نے شیبا اور آمنہ کی داستان سنائی ہے ورنہ اُن کی یہ داستان ترتیب کے لحاظ سے بعد میں سُنائی جانے والی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے، سونیا کی مکاریاں کیسے بیان کی جائیں؟ اگر انھیں مناسب ترتیب سے پہلے بیان کروں گا تو دلچسپی اور تجسس کے فن کو ٹھیس پہنچے گی۔

لہٰذا بات یہاں تک پہنچی کہ پارس اوّل ہم سب کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ وہ آئندہ بڑے ہی دلچسپ ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے اور ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔ تب تک آیئے، ہم پارس دوم کے پاس چلتے ہیں۔ ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ ہمارا اپنا پارس کون سا ہے؟

میں نے سوچا تھا، ٹرانسفارمر مشین کے تینوں حصّوں میں سے پہلے ایک حصّے کا ذکر کروں کہ وہ حصّہ کہاں ہے؟ اور اس کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ لیکن پارس کا معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ وہ میرا بیٹا ہے، میرا خون ہے۔ اپنی شناخت کے لیے چیلنج بن گیا ہے۔ لہٰذا میں پہلے اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ گھنے درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑ کے ایک غار میں رانی سردار میرے پاس سو رہی تھی۔ اس کے دوسرے ساتھی غار کے دوسرے حصّے میں محوِ خواب تھے۔ ایسے وقت میں پارس دوم کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ گہری نیند میں تھا۔ رسونتی ہر رات خیال خوانی کے ذریعے اُس کے دماغ کو ہدایات دیتی تھی کہ وہ فلاں وقت تک بڑے سکون سے سوتا رہے گا۔ اُس کے کمرے میں کوئی غیر معمولی بات ہو گی یا اُس کے دماغ میں کسی بھی پرائی سوچ کی لہریں آئیں گی تو وہ بیدار ہو جائے گا۔

جب میں اُس کے دماغ میں پہنچا تو وہ ماں کی ہدایت کے مطابق بیدار ہو گیا۔ اُس کی آنکھ فوراً ہی کھل گئی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی، وہ خلا میں تک رہا تھا اور میں اُس کی سوچ کے ذریعے معلوم کر رہا تھا کہ اُس کی ماں نے کس قسم کی ہدایات دی تھیں۔

میں نے آہستہ سے کہا: "بیٹے! تم اب تک ماں کا لہجہ سنتے رہے، بتاؤ یہ نیا لہجہ کس کا ہے؟"

وہ بولا: "میں غائب کی باتیں نہیں جانتا۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ لہجہ دوست کا بھی ہو سکتا ہے اور دشمن کا بھی۔ بائی دی وے آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں؟"

واہ! پانچ برس کا بچہ کیا سلیقے سے بول رہا تھا۔ مجھے رسونتی پر پیار سا آگیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "بیٹے! ماں نے تمھیں نہایت سنجیدہ بنایا ہے۔ باپ تمھیں زندہ دل بنانا چاہتا ہے۔ اس لیے چھیڑ چھاڑ سے گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ آپ میرے پاپا ہیں؟"

"تم نے کیسے یقین کیا تھا کہ وہ تمھاری ماما ہیں؟"

پارس دوم نے کچھ سوچا پھر کہا: "مسٹر! آپ بہت چالاک ہیں۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں نے اپنی ماما پر کیسے یقین کیا تو آپ مجھے یقین دلانے کے لیے وہی طریقۂ کار استعمال کریں گے۔"

میں نے خوش ہو کر کہا: "تمھاری باتوں سے پتا چلتا ہے تم میرے بھی باپ ہو۔"

"آپ باتیں بنا کر میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"بیٹے! میری پہلی نصیحت یاد رکھو۔ زندگی کا ہر لمحہ کچھ سیکھنے یا سمجھنے میں نہ گزارو۔ کچھ لمحوں کو آزاد چھوڑ دو۔ تمام علم و ہنر کو وقتی طور پر بھلا دو۔ دوڑو۔ دور تک بھاگو۔ قلابازیاں کھاؤ۔ کسی سے مذاق کرو اور کسی کو مذاق کرنے کا موقع دو۔ اور اس کے مذاق پر پھیپھڑے کی پوری قوت سے ہنسو اور ہنستے رہو۔"

"مسٹر! آپ تو عجیب باتیں کر رہے ہیں۔"

"جب تمھاری ماما نے کچھ سکھانا شروع کیا ہوگا تب بھی تمھیں عجیب سا لگا ہوگا۔ ہر نئی اور صحت مند گفتگو ابتدا میں عجیب اور ناقابلِ قبول لگتی ہے۔ تمھاری ماما تمھیں اچھی باتیں سکھاتی ہیں لیکن جو انھوں نے نہیں سکھایا وہ میں سکھا رہا ہوں۔"

وہ میری باتیں غور سے سن رہا تھا۔ میں نے کہا: "چوبیس گھنٹے میں صرف پانچ گھنٹے سویا کرو۔ باقی اُنیس گھنٹے رہے۔ اُنیس میں سے پانچ گھنٹے پڑھا لکھا کرو۔ باقی چودہ گھنٹے رہے۔ چودہ میں سے پانچ گھنٹے لوگوں سے ملنے، اُن کا مشاہدہ کرنے، اپنے اور اُن کے مزاج کو سمجھنے میں گزارو۔ باقی نو گھنٹے رہے۔ نو میں سے پانچ گھنٹے ہنسنے، بولنے کھیلنے، کودنے میں گزارو۔ باقی چار گھنٹے رہے۔ یہ چار گھنٹے گزرتے ہوئے وقت اور ناگہانی حالات سے نمٹنے کے لیے وقف کر دو۔"

"اگر آپ میرے پاپا ہیں تو ویری ویری سوری۔ آپ خود اپنے بتائے ہوئے ٹائم ٹیبل پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ میری ماما کہتی ہیں آپ چوبیس گھنٹے اپنے حالات سے لڑتے رہتے ہیں۔"

"میں عمر اور تجربات کے ایسے دَور سے گزر رہا ہوں جہاں مصروفیات بڑھتی جاتی ہیں۔ حالات بھی مصروف رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ میری عمر کو پہنچو گے تو تمھارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔"

"کوئی ضروری نہیں کہ جو باپ کے ساتھ ہو، وہ بیٹے کے ساتھ بھی ہو۔ میں آپ کی طرح درجنوں شادیاں نہیں کروں گا۔ میری ایک ہی محبت کرنے والی بیوی ہوگی۔ میں آپ کی طرح دنیا جہان کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔ صرف اپنی بیوی، بچوں اور گھریلو معاملات سے واسطہ رکھوں گا۔ پھر تو میری مصروفیات نہیں بڑھیں گی نا؟"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ کیا جواب دوں؟ اولاد سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مجھ جیسے لوگوں کا دل ہر رنگ، ہر خوشبو، ہر پھول اور ہر حسین عورت کے لیے دھڑکتا ہے۔ بچوں کو جوانی کی خرمستیاں سمجھائی نہیں جاسکتیں۔ دراصل آزادی سے نگر نگر گھومنے والے اور بے لگام ہو کر عیش و عشرت کی محفلوں سے گزرنے والے کو بچے کا باپ نہیں بننا چاہیے۔ محبت اور صبر کرنے والی بیوی اپنے شوہر سے نہیں لڑتی۔ البتہ اُس سے لڑنے والے سپاہی اُسی کے خون سے پیدا کرتی رہتی ہے۔

پانچ برس کے سپاہی نے میرے ہوش اُڑا دیے تھے۔ میں نے کہا: "تمھارے منہ میں اپنی ماں کی زبان بول رہی ہے۔ سچ بتاؤ کیا تمھاری ماما ابھی موجود ہیں۔ تم اُن کی سوچ کے مطابق بول رہے ہو؟"

"ماما نے کبھی اتنی رات کو مجھ سے گفتگو نہیں کی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، وہ موجود نہیں ہیں۔"

"کیا تم اپنی موجودہ رہائش سے مطمئن ہو؟"

"یوں تو یہاں ہر طرح کا آرام ہے۔ لیکن مجھے پابندیاں پسند نہیں ہیں۔ ماما کہتی ہیں، جو بچے ابتدائی عمر میں پابندیاں برداشت کرتے ہیں اور صحیح وقت پر لکھتے، پڑھتے، کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے ہیں، وہ بڑے ہو کر بڑا نام کماتے ہیں۔"

"تمھاری ماما درست کہتی ہیں۔"

"لیکن میں فوجی بیرک والی پابندیوں سے بیزار ہوں۔ باہر کی دنیا نہیں دیکھ سکتا۔ ماما کہتی ہیں، مجھ پر پاپا کا اثر ہے۔ میں بھی اپنے مزاج کے خلاف پابندیاں برداشت نہیں کرتا ہوں۔"

"کیا اتنی دیر کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں تمھارا پاپا ہوں؟"

"اندازے دھوکا دیتے ہیں۔ ماما اور پاپا سے میرا خون اور دودھ کا رشتہ ہے۔ لہٰذا نہ خون کو پانی ہونا چاہیے اور نہ دودھ میں پانی ملانا چاہیے۔ آپ خود کو ثابت کریں، میں تسلیم کر لوں گا۔"

"آئندہ ملاقات میں ثابت ہو جائے گا۔ مجھے افسوس ہے تمھاری نیند میں مداخلت کی۔ اب سو جاؤ۔"

اُس نے آرام سے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں بیٹے کو ٹیلی پیتھی کی لوری سنانے لگا۔ جب وہ سو گیا تو میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو تنویمی عمل سے متاثر کیا۔ اُس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی کہ تھوڑی دیر پہلے جو لہجہ وہ سُن رہا تھا، وہ اُس کے پاپا کا تھا۔ آئندہ اُس کے پاپا اُسے مخاطب کرتے ہی مخصوص کوڈ ورڈز ادا کریں گے۔ اس طرح اُسے باپ کی موجودگی کا یقین ہو جائے گا۔

وہ کوڈ ورڈز یوں تھے: "ہمارے پیار کے آنگن میں کھلنے والے گلاب! تیرا مالی آیا ہے۔"

میں نے دوسری بات یہ نقش کر دی کہ جس طرح وہ رسونتی کی خیال خوانی کا ذکر کسی سے نہیں کرتا ہے، اسی طرح میرا ذکر بھی نہ کرے، ماں کو بھی یہ نہ بتلائے کہ باپ اُس کے دماغ میں آتا ہے۔

پھر میں نے ہدایت کی: "اب تم اپنی ماما کے مقرر کیے ہوئے

وقت کے مطابق سوتے رہو گے۔ بیدار ہونے کے بعد یہ بھول جاؤ گے کہ کسی نے نیند کے دوران آ کر تم سے گفتگو کی تھی۔"

اُس نے ضروری باتوں کو یاد رکھنے اور غیر ضروری باتوں کو بھول جانے کا وعدہ کیا۔ پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔ میں اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوا۔ بیٹے نے میری کھوپڑی ہلا کر رکھ دی تھی۔ میں کافی دیر تک چُپ چاپ پڑا رہا۔ ڈاکوؤں کے اس خفیہ اڈّے میں آرام دہ بستر نہیں تھے۔ وہ میرے ساتھ ایک ہموار چٹان پر سو رہی تھی۔ اگر کسی دولت مند سے شادی کر لیتی تو پھولوں کی سیج پر سوتی رہتی۔ ایک دولت مند سود خور بنیے نے ہی اس کے خاندان کو تباہ کر کے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ انتقام لینے کے لیے ہاتھ میں بندوق پکڑ لے۔

اُس کی کہانی عام ڈاکوؤں کی کہانی تھی۔ اکثر لوگ دولت مندوں کے ظلم سے اور پولیس کی ناانصافیوں سے تنگ آ کر لوٹ مار، قتل و غارت گری کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ مجھے رانی سردار کے ہاں پناہ مل رہی تھی۔ اس کے اڈّے میں بھی، اُس کی آغوش میں بھی۔ وہ میرے کام آ رہی تھی۔ میں نے سوچا، وقت ملا تو میں اس کی راہ بدل دوں گا۔ فی الحال پارس دوم کے متعلق یہ فکر تھی کہ وہ یہاں کی فوجی بیرک میں کب تک قیدی کی طرح رہے گا۔ حالانکہ اُس سے قیدیوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ اُسے وی آئی پی ٹریٹمنٹ ملتا تھا، اس کے باوجود وہ دوسروں کے رحم و کرم پر تھا۔

پارس کی باتوں سے پتا چل گیا تھا، وہ بھی مزاجاً پابندیوں کا متحمل نہیں تھا۔ میں بھی چاہتا تھا کہ وہ آزاد فضاؤں میں پروان چڑھے اور ایسی جگہ رہے جہاں اُس پر دشمنوں کا سایہ بھی نہ پڑ سکے۔ ظاہر ہے، ایک ماں بھی اپنی اولاد کے لیے یہی چاہے گی۔ میرا دل کہتا تھا، رسونتی نے وقتی طور پر اسے وہاں چھوڑا ہے۔ شاید مناسب موقع ملنے پر اسے محفوظ مقام تک پہنچانے کے انتظار میں ہو اور اس مقصد کے لیے چُپ چاپ کچھ نہ کچھ کر رہی ہو۔

اپنی اولاد کا معاملہ تھا۔ مجھے رسونتی سے براہِ راست گفتگو کر کے پارس کے لیے مشترکہ جدّوجہد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ مگر اُس میں دو باتیں تھیں، ایک تو وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتی تھی، دوسرے یہ کہ وہ اپنی اولاد کے لیے تنہا جدّوجہد کرنا چاہتی تھی۔ میں ایک ماں کے حوصلے پورے کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے بھی پارس کی بہتری اور تحفظ کے لیے اپنے طور پر کوشش کرنا چاہیے۔ ایسے میں اُس کی ماں ناکام ہوتی تو باپ کامیاب ہو سکتا تھا یا باپ ناکام ہوتا تو ماں کامیاب ہو جاتی یا جدّوجہد کے کسی اہم موڑ پر اولاد کی خاطر ماں باپ ایک ہو جاتے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ صبح ہونے والی تھی۔ شاید غار کے باہر ہو چکی ہو۔ پتھریلی دیوار سے لگی ہوئی مشعل دھیمی پڑ رہی تھی۔ اس کی روشنی میں رانی سردار کو دیکھ کر ایک تدبیر سُوجھنے لگی۔ اگر یہ گھوڑے پر بیٹھ کر ڈاکا ڈالنے کے بجائے نئے دور کے اسمگلروں اور شریف بدمعاشوں کی طرح جدید طریقہ اختیار کرے اور شاہانہ طرز کی کوٹھیوں میں رہ کر ایک شریف خاتون یا شریمتی جی کہلائے تو اسی رانی سردار کے سامنے قانون ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہے گا۔

آئیڈیا اچھا تھا۔ ایسی جگہ ہمارا پارس بھی محفوظ رہ سکتا تھا یا کچھ عرصے کے لیے اسے وہاں چھپا کر رکھا جا سکتا تھا۔ قانون کے محافظ وہاں صرف سلام کرنے آتے اور ماہانہ رقم لے کر چلے جاتے۔ بڑی بڑی خطرناک تنظیمیں اور سپر طاقتیں رانی سردار جیسی شریف بدمعاش پر توجہ نہ دیتیں کیونکہ وہ بین الاقوامی سطح کی مجرمہ نہ ہوتی۔ ایسوں کو غیر ملکی ایجنٹ بھی نظر انداز کرتے ہیں۔

یہ آئیڈیا میرے دماغ میں پک رہا تھا اور وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میرے سامنے چٹان پر رکھی ہوئی تھی۔ مشعل کی ڈوبتی ہوئی روشنی میں اس کی سانسیں ڈوبتی اُبھرتی جا رہی تھیں۔ وہ ایسی بھرپور تھی کہ تھوڑی اور ہوتی تو تڑخ جاتی۔ میں نے اُس پر ہاتھ رکھا تو وہ نیند میں کسمسانے لگی۔ چونکہ پُرخطر زندگی گزارتی تھی، اس لیے پتا بھی کھڑکتا تو نیند سے چونک جاتی تھی۔ اس وقت میں نے خیال خوانی کے ذریعے اُس کی سوچ میں کہا: "ہائے، میں تو نیند میں بھی ان ہاتھوں کو پہچان لیتی ہوں۔ جب وہ جیت ہی چکا ہے تو ہارنے کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟"

اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ بڑی بڑی نیند بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ دیکھنے کا انداز ایسا تھا کہ میں نے بھی اُسے اچھی طرح دیکھنا شروع کر دیا۔ مشعل بجھ گئی تھی۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی غار کے اندر آ رہی تھی۔ وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی: "تو کون ہے رے۔ اب تو بتا دے؟"

"میں انتر گیانی ہوں، دوسروں کے اندر کی بات جان لیتا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "کیوں جھوٹ بولتا ہے؟"

"جھوٹی تو تو ہے۔ بی اے تک تعلیم حاصل کر کے ایک گنوار عورت کی طرح بولتی ہے۔"

اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا: "تیرا نام کماری کلپنا ہے۔"

وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں اُس کی زندگی کی سچی تصویریں پیش کرنے لگا۔ وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہی تھی اور ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلا کر اعتراف کرتی جا رہی تھی۔ میں نے اس کے متعلق ایسی ڈھکی چھپی ہوئی باتیں بھی بتائیں، جنھیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس بار اُس نے صحیح لب و لہجے میں پوچھا: "تم باتوں سے بھی لوٹتے ہو، دونوں ہاتھوں سے بھی لوٹتے ہو۔ میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔ بھگوان کے لیے بتا دو، تم کون ہو؟ میرے بارے میں ایک ایک تفصیل کیسے جانتے ہو؟"

"اس سوال کا جواب ممکن نہیں ہے کہ میں کون ہوں؟ میں پہلے کہہ

چکا ہوں، میری یادداشت گم ہوگئی ہے۔ میں اپنی پچھلی زندگی بھول گیا ہوں۔"

"یہ سفید جھوٹ ہے۔ میرے بارے میں سب کچھ یاد ہے اور اپنے بارے میں کچھ یاد نہیں، کیا یہ یقین کرنے والی بات ہے؟"

"تمھارے یقین نہ کرنے سے میری یادداشت واپس نہیں آئے گی۔ مجھے پچھلی زندگی کی صرف اتنی سی بات یاد ہے کہ میرے ایک گُرو دیو تھے۔ انھوں نے بددعا دی تھی کہ میں دوسروں کے بھید معلوم کرنے کا علم سیکھوں گا تو اپنے آپ کو بھول جاؤں گا۔ شاید یہ اسی بددعا کا اثر ہے۔ آج میں کسی کے بھی اندر جھانک کر اس کے دل کی بات بتا سکتا ہوں مگر اپنے بارے میں ایک بات بھی یاد کر کے نہیں بتا سکتا۔"

"میں تعلیم یافتہ ہوں، کسی گُرو دیو کی بددعا کو نہیں مانتی۔"

"نہ مانو۔ مگر بار بار ایک ہی سوال نہ کرو۔ ورنہ اٹھا کے چٹان سے نیچے پھینک دوں گا۔"

"تم بھی پڑھے لکھے لگتے ہو، مگر جانوروں کی طرح بولتے ہو۔ ابھی کلیجے سے لگا رہے تھے، اب پھینکنے کی بات کر رہے ہو۔ اب میں کس سے پوچھوں کہ تم کیا چیز ہو؟"

"کوئی میرے متعلق بتانے والا مل جائے تو مجھے ضرور بتانا۔ تب تک جیسا کہتا ہوں ویسا کرو۔ یہ جگہ چھوڑ دو۔ اپنے تمام وفاداروں کو لے کر دہلی چلو۔"

"ویسے تو میں کسی کا حکم نہیں مانتی مگر تم ساتھ رہو گے تو جہنم میں بھی چلوں گی۔"

ہم وہاں سے غار کے دوسرے حصّے میں آئے۔ رانی سردار کے گیارہ وفادار تھے۔ پچھلی رات دو مارے گئے تھے۔ باقی نو وفادار بہت تھکے ہوئے تھے، ابھی تک سو رہے تھے۔ میں نے کہا "ان نو میں سے ایک غدّار ہے۔ یہاں کی خبر پولیس والوں کو پہنچاتا ہے۔"

رانی سردار عرف کماری کلپنا نے کہا "ایسی بات ہوتی تو پولیس پارٹی اس غار تک پہنچ جاتی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ تو پہنچ گئی ہے۔ ہمارے یہاں پہنچنے کے بعد انھوں نے غار کے سامنے مورچا بنا لیا ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں ہمیں للکارنا نہیں چاہتے تھے۔ انھیں یقین ہے، دن کے اُجالے میں ہم کہیں سے بھی فرار ہونا چاہیں گے تو اُن کی نظروں اور گولیوں کی زد میں رہیں گے۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی "اگر یہ سچ ہے تو تم اب تک خاموش کیوں رہے؟ میں ابھی غار کے چور راستے سے جا کر تمھاری باتوں کی تصدیق کروں گی۔"

وہ جانا چاہتی تھی۔ میں نے اُس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔ پھر ایک ڈاکو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ جو سرخ قمیص پہن کر سو رہا ہے، حقیقتاً جاگ رہا ہے اور ہماری باتیں سن رہا ہے۔ دیکھو اس کا ہاتھ کمر کی طرف بڑھ رہا ہے، وہ ریوالور نکال رہا ہے۔"

اچانک اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ ریوالور نکال کر ہمیں نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "ہاں، میں مخبر ہوں، پولیس والے چور دروازے پر بھی ہیں۔ اگر تم لوگوں نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہ کیا تو ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

دوسرے وفادار آنکھیں ملتے ہوئے، انگڑائیاں لیتے ہوئے اُٹھ رہے تھے۔ میں چپ چاپ انھیں نیند سے چونکا رہا تھا تاکہ وہ بھی غدّار کو دیکھ لیں۔ وہ ریوالور دکھاتا ہوا غار کے دہانے کی طرف جا رہا تھا اور یہ بتا رہا تھا کہ مخبری کرنے کے سلسلے میں اُسے کتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔

میں نے کہا "تم سب اس کا اصلی چہرہ دیکھ رہے ہو۔ میں نے تمھاری رانی سردار کو بتایا ہے کہ میں انتر گیانی ہوں۔ میں اپنے گیان کے ذریعے کہتا ہوں، یہ غدّار ابھی اپنا ریوالور لا کر مجھے دے گا۔"

میں نے اس کی طرف ایک انگلی کا اشارہ کیا "چلو آ جاؤ۔"

وہ بڑی فرماں برداری سے چلتا ہوا آیا۔ پھر اپنا ریوالور مجھے دینے لگا۔ سب حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں میگا فون کے ذریعے آواز سنائی دی "رانی سردار! تم سب چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہو۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اٹھا کر باہر آ جاؤ۔"

میں نے غدّار کو وہ ریوالور واپس دیتے ہوئے کہا "اسے جیب میں رکھو اور دونوں ہاتھ اٹھا کر پہلے تم باہر جاؤ۔ اور اُن سے کہو کہ پچھلی رات ان سب نے زیادہ پی لی تھی۔ اب تک غار میں بے ہوش پڑے ہیں۔"

شنکر نامی ڈاکو نے مجھ سے پوچھا "تم نے یہ ریوالور اسے واپس کیوں کر دیا؟ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟ کیا اس طرح ہم گرفتاری سے بچ جائیں گے؟"

میں نے کہا "تم میں سے جسے یقین ہے کہ چاروں طرف سے گھر کر مقابلہ کرنے پر مارا جائے گا، وہ ہاتھ اٹھا کر باہر جا سکتا ہے۔"

سب نے باری باری کہا "ہم اپنی دیوی سردار کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ جئیں گے، مریں گے ایک ساتھ۔"

رانی سردار نے کہا "مجھے تم پر ناز ہے۔ میرا حکم ہے، ابھی ہمارا یہ اجنبی دوست جو کہتا ہے، وہ کرتے جاؤ۔"

میں نے کہا "مجھ پر بھروسا کرو۔ یہاں آرام سے رہو اور پیشین گوئی سنو۔ باہر جو لوگ ہیں، وہ خود آپس میں لڑتے مرتے رہیں گے۔"

وہ غدّار چور راستے کی طرف جانے لگا۔ میں ایک اونچے پتھر پر پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ جس نے میگا فون کے ذریعے آواز سنائی تھی، وہ غار کے سامنے تھا۔ میں نے غدّار کو چور راستے کی طرف اس لیے بھیجا کہ اُدھر پولیس پارٹی کو کمانڈ کرنے والے افسر کی آواز بھی سن سکوں۔

غدّار نے چور راستے پر پہنچ کر کہا "میں مخبر منگل سنگھ ہوں، گولی نہ چلانا۔ باہر آ رہا ہوں۔"

باہر سے آواز آئی "تم جو کوئی بھی ہو، دونوں ہاتھ اٹھا کر آؤ۔"

میں نے کہنے والے افسر کو ٹریپ کیا۔ اُس کے سامنے منگل سنگھ ہاتھ اٹھا کر آتے ہوئے بولا "وہ سب کے سب بے ہوش پڑے ہیں۔ رات کو زیادہ پی لی تھی۔"

وہاں بیس سپاہیوں کے پاس رائفلیں اور دو افسران کے پاس اسٹین گنیں تھیں۔ سپاہی دس دس کی قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے دوسرے افسر کی آواز سنتے ہی اُس کی گن سے سپاہیوں پر ایک برسٹ مارا۔ تڑ تڑ تڑ کی آواز کے ساتھ یہاں سے وہاں تک قطار میں کھڑے ہوئے سپاہیوں کی آخری چیخیں اُبھر اُبھر کر ڈوب گئیں۔

پچھلی قطار میں کھڑے ہوئے سپاہی خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ وہ اپنے افسر پر گولی نہیں چلا سکتے تھے، اپنی سلامتی کا بھی خیال تھا۔ دوسرے افسر نے غصّے سے اسٹین گن کا دستہ پہلے افسر کے سر پر مارا، پھر کہا "تم نے اپنے ہی دس سپاہیوں کو مار ڈالا۔ پاگل کے بچے . . ."

اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ میں نے غدّار کے اندر پہنچ کر ریوالور کی نال گردن سے لگا دی۔ پھر کہا "ہتھیار پھینک دو اور چیختے ہوئے جاؤ کہ رانی سردار نے چور راستے کا مورچا توڑ دیا ہے۔"

اُس نے اسٹین گن پھینک دی۔ میں نے (غدّار نے) اسے دھکا دیا۔ پھر اس کی اور زخمی افسر کی اسٹین گنوں کو اٹھا لیا۔ اس کے بعد کہا "میں اس پتھر کی آڑ سے دیکھتا رہوں گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو گولی مار دوں گا۔"

اُسے جان بچانے کے لیے وہاں سے دوڑنا پڑا اور ساتھ ہی چیخ کر کہنا پڑا کہ رانی سردار نے چور دروازے کا مورچا توڑ دیا ہے۔ اُدھر سے دوسرے سپاہی آ رہے تھے، میں نے اسٹین گن کا ایک برسٹ مارا۔ چار گھسے، باقی اِدھر اُدھر بھاگ کر چھپ گئے۔

جو افسر بھاگتا ہوا اور چیختا ہوا گیا تھا، اس کے کارتوس کٹ میں دو ہینڈ گرینیڈ رکھے ہوئے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول کر رانی سردار اور اُس کے وفاداروں کو دیکھا۔ وہ میری پیشین گوئی کے مطابق باہر گولیاں چلنے کی آوازیں سُن رہے تھے۔ مجھے حیرانی اور عقیدت سے دیکھتے جا رہے تھے۔ میں نے ایک سے کہا "تم رائفل لے کر چور دروازے کی طرف جاؤ۔ وہ غدّار اندر آئے تو اُسے گولی مار دینا۔ خود باہر نہ جانا۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پہلے غدّار کو دیکھا۔ وہ سر پکڑ کے بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا، اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ وہ کیوں پولیس والوں پر فائرنگ کرتا رہا تھا؟ میں اُسے چھوڑ کر افسر کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ غار کے سامنے صرف ایک میگا فون والا افسر اور بچنے والے سپاہی رہ گئے تھے۔ انھیں حکم دیا جا رہا تھا کہ غار کے دہانے پر ہینڈ گرینیڈ سے دھماکے کیے جائیں۔ اس سے پہلے ہی میں افسر کے اندر پہنچ گیا۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر بولا "رک جاؤ، پہلا گرینیڈ میں پھینکوں گا۔"

میں نے کٹ سے گرینیڈ نکالا اور کہا "دیکھو، یہ چھوٹی سی پن لگی ہوئی ہے، اسے دانتوں سے پکڑ کر یوں کھینچنا چاہیے۔"

میں نے دانتوں سے پکڑ کر اُسے کھینچا اور کہا "اسے کھینچتے ہی غار کے دہانے پر پھینکنا چاہیے۔ دیر ہوگی تو یہ اپنے ہی درمیان پھٹ جائے گا۔"

میگا فون والے افسر نے چیخ کر کہا "ارے جلدی پھینکو۔"

وہ خوف زدہ ہو کر سپاہیوں کے ساتھ بھاگنے لگا۔ میں اُن کے پیچھے دوڑتے ہوئے بولا "رُک جاؤ، نہیں تو یہ . . ."

بات پوری نہ ہو سکی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میرے جسم کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ میں فوراً ہی میگا فون والے کے پاس پہنچا۔ وہ زمین پر اوندھا پڑا کراہ رہا تھا۔ اس کے ساتھ کئی سپاہی زخمی ہوئے تھے اور کئی مر چکے تھے۔ اُس نے بڑی مشکل سے اٹھتے ہوئے اپنی کٹ سے ایک گرینیڈ نکالتے ہوئے کہا "ایک میرے پاس بھی ہے۔ اس میں ایک چھوٹی سی 'کی' ہوتی ہے۔ اسے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جاتا ہے۔"

وہ دانتوں سے 'کی' کو کھینچنے لگا۔ تمام سپاہی اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر چیختے ہوئے بھاگنے لگے۔ مگر وہ افسر بھی ساتھ بھاگ رہا تھا کیونکہ میں اُس کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ ایک بار پھر زوردار دھماکے سے میرے جسم کے چیتھڑے ہو گئے، اس دماغ کے مرتے ہی میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔

ابھی میں نے آنکھ نہیں کھولی۔ غدّار کے ذریعے دوڑتا ہوا اُدھر گیا جہاں چند سپاہیوں نے مورچا بنایا تھا۔ مگر وہ اب نہیں تھے، وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ غدّار نے ریوالور نکال کر اُس افسر کو گولی مار دی، جس نے سب سے پہلے اسٹین گن کے ذریعے اپنے سپاہیوں کو ہلاک کیا تھا۔ بعد میں دوسرے افسر کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔ بہرحال، میدان صاف ہو گیا۔ صرف ایک غدّار رہ گیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ یا حیرت! رانی سردار اور تمام وفادار میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے، سر جھکائے کھڑے تھے۔ میں نے منحت لہجے میں کہا "تم لوگوں کو تمھارے بھگوان کا واسطہ، مجھے بھگوان کا اوتار نہ سمجھنا اور نہ ہی میں دیوتا ہوں۔ آؤ اب ہم باہر نکلیں گے۔"

میں بڑے پتھر سے اُتر کر نیچے آیا۔ وہ سب میرے پیچھے ہاتھ جوڑ کر چلنے لگے۔ میرے منع کرنے پر بھی وہ اپنی عقیدت سے باز آنے والے نہیں تھے۔ کماری کلپنا میرے بازو سے لگ کر چلتے ہوئے فخر محسوس کر رہی تھی۔ باہر آ کر چاروں طرف دُور دُور تک دیکھتے ہی وہ

حیرت زدہ رہ گئے۔ یوں لگ رہا تھا میدانِ جنگ میں دو فوجوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی ہے جس کے نتیجے میں کم از کم چالیس سپاہی مارے گئے۔ جبکہ مقابلے پر دوسری کوئی فوج نہیں ہے۔

اور یہی سب سے حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین بات تھی جس پر یقین کرنا پڑ رہا تھا۔ کماری کلپنا نے اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے، دُور تک پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھتے ہوئے کہا: "یہ سب ایک آدمی نے کیا ہے؟ یہ تو شری کرشن بھگوان کرتے تھے۔ ایک جگہ بیٹھ کر صرف ایک انگلی کے اشارے سے موت کا چکر چلاتے تھے اور ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔"

وہ میری طرف پلٹ کر بولی: "تم کہتے ہو، دیوتا نہیں ہو، تو پھر یہ کیا ہے۔ تم نے ہمارے سامنے ایک جگہ بیٹھے بیٹھے دشمنوں کو ٹھکانے لگایا؟ اگر تم انسان ہو تو بھولے ناتھ کی قسم! ایسے ہی انسان کے روپ میں بھگوان آتے ہیں۔"

وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اُچھل کر میری گردن میں بانہیں ڈال کر جھول گئی۔ پھر بولی: "تم جو کوئی بھی ہو، میں نے تو دیوتا مان لیا۔ میں تمھاری داسی بھی ہوں، پجارن بھی ہوں۔"

ایک طرف وہ گلے کا ہار بن گئی تھی، دوسری طرف تمام وفادار میرے قدموں سے لپٹ گئے تھے۔ شاید بھگوان اسی لیے زمین پر نہیں آتا کہ آجائے تو یہ بندے کبھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑیں۔ میں پیچھا چھڑانے کے لیے اُس غدار کے پاس گیا۔ وہ ابھی تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ میں اُسے اُن کے سامنے لے آیا۔ وہ سب میرے قدموں سے الگ ہو کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ معلوم کرنا چاہتے تھے، میں نے اُسے زندہ کیوں چھوڑ دیا؟

وہ ہمیں دیکھ کر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے کہا: "تمھارے پاس ریوالور ہے۔ کتنے سپاہی اور افسر مردہ پڑے ہیں۔ ان کی رائفلیں اور اسٹین گنیں لے لو۔ پھر ان ہتھیاروں میں جو پسند ہو، اُس سے فوراً مر جاؤ، ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔"

وہ گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ میں نے کہا: "وہ سامنے سو گز کے فاصلے پر گیندے کے پھول کا پودا ہے۔ پودے کے اُس پار پہنچ جاؤ گے تو زندہ رہو گے، نہ پہنچ سکے تو مر جاؤ گے۔ جاؤ، دوڑو۔ وقت بہت کم ہے۔"

اُس نے جان بچانے کے لیے دوڑ لگائی۔ کماری کلپنا نے کہا: "اُس پودے کے پار جانا کون سی بڑی بات ہے۔ وہ تو بچ جائے گا۔ کیا اُس غدار کو زندہ چھوڑ دو گے؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "وہ بہت غیرت مند ہے۔ شرم سے اپنی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھے گا اور خودکشی کر لے گا تاکہ آئندہ غداری نہ کر سکے۔"

وہ سب غور سے دوڑنے والے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے وہی دیکھا، جو میں کہہ چکا تھا۔ اُس نے پودے کو پار نہیں کیا تھا، وہاں پہنچ کر رک گیا تھا۔ پودے کے قریب کھڑے ہو کر ریوالور کی نال کو کنپٹی سے لگایا تھا۔ پھر ٹھائیں کی آواز گونجی اور وہ زندگی کے پیڑ سے کٹی ہوئی شاخ کی مانند زمین پر آ گیا۔

میں نے کہا: "ابھی کچھ زیادہ کہنے سننے کا موقع نہیں ہے۔ تمام نقدی اور زیورات سمیٹ کر یہاں سے کوچ کرو۔ اب یہ اڈا تم لوگوں کے لیے محفوظ نہیں رہا۔"

اب میری ہر بات اُن کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ ہم آدھے گھنٹے کے اندر ضروری سامان سمیٹ کر وہاں سے گھوڑوں پر روانہ ہوئے۔ میں نے راستے میں سمجھایا: "ہم آئندہ بھی یہی کام کریں گے لیکن شریفانہ انداز اختیار کریں گے۔ ہم گھوڑوں پر نہیں، ائیر کنڈیشنڈ کار میں سفر کریں گے۔ اس مقصد کے لیے تم سب کو اپنا حلیہ اور اپنا لب ولہجہ بدلنا ہوگا۔"

ہمارا سفر بہت طویل تھا۔ کماری کلپنا نے بتایا کہ ہم جنگل اور غیر آباد علاقوں سے گزرتے ہوئے 'سنہان' نامی ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچیں گے لیکن وہاں ایسی دکانیں نہیں ہیں جہاں سے حلیہ بدلنے اور اچھے لباس پہننے کا سامان مل سکے، لہٰذا ہم پھر غیر آباد علاقوں سے گزرتے ہوئے انبالہ شہر پہنچ سکتے ہیں۔ اگر تیز رفتاری سے گھوڑے دوڑتے رہے تو تمام دن گزار کر آدھی رات کے قریب وہاں پہنچ سکتے ہیں۔

میں نے کہا: "میں پچھلی رات سے جاگ رہا ہوں۔ لہٰذا ہم دونوں 'سنہان' کے کسی ہوٹل میں قیام کریں گے۔ ہریا اور شنکر وغیرہ انبالہ جائیں گے، وہاں سے ہماری ضروریات کا تمام سامان خرید کر لائیں گے۔ اس کے بعد ہم شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے دہلی تک جائیں گے۔"

طویل اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر ہم دوپہر کو 'سنہان' کے قریب پہنچے۔ تمام گھوڑے چھوڑ دیے گئے۔ میں نے کہا: "ہم ایک دوسرے سے دور رہیں گے۔ ضرورت ہوئی تو اجنبیوں کی طرح ملاقات کریں گے اور میں اُن کے دماغوں میں پہنچ کر باتیں کیا کروں گا۔"

وہ لوگ بے شک و شبہ جان پر کھیلنے والے وفادار تھے۔ انھوں نے اچھی طرح یقین کر لیا تھا کہ وہ میرے ایک اشارے پر جان دے سکتے ہیں اور میرا راز کسی حال میں بھی کسی کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔ اس سے پہلے وہ اپنی زبانیں کاٹ لینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اس لیے میں نے خیال خوانی کا راز ظاہر کر دیا۔

میں نے کماری کلپنا کے ساتھ ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ شمبھو دلوا نامی ایک وفادار ہمارے ساتھ تھا۔ باقی لوگ بس میں سوار ہو کر چلے گئے۔ میں نے کچھ کھانے کے بعد بستر پر آرام سے لیٹ کر جاگنے کی نیند کا وقت مقرر کیا، پھر سو گیا۔

میرے کمرے میں صرف کماری کلپنا تھی۔ شمبھو دلوا دوسرے کمرے میں تھا۔ میں کسی خوف یا اندیشے کے بغیر سو رہا تھا۔ مجھے یہ مکمل اعتماد تھا کہ کماری کلپنا اور دوسرے آٹھ وفادار صرف میرے کام نہیں آ رہے ہیں، آئندہ پارس اوّل کے بھی محافظ اور وفادار رہیں گے۔

آرمر گم ہو گیا۔ اُس کی گم شدگی نے شارپر اور ہارپر کو پریشان کر دیا۔ اُن کی اغوا ہونے والی بہن روزانہ پہلے ہی ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ انھوں نے بھائی آرمر کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ وہی ٹرانسفارمر مشین کا معاملہ تھا۔ اس کے تین حصول تک پہنچنے کے لیے کسی منظم گروہ نے آرمر کو بھی اغوا کر لیا تھا۔

میں جانتا تھا، یہ کام ماسک مین کا ہے لیکن روزانہ کو لے جانے والے ابھی تک بے نقاب نہیں ہوئے تھے۔ جب میں روزانہ کے پاس پہنچا تو ہارپر اس کے دماغ میں موجود تھا۔ پریشان ہو کر کہہ رہا تھا: "تم جوجو اور بھائی آرمر تینوں ہمارے لیے مصیبت بن گئے ہو۔ تم ہمارے گلے کی ہڈی ہو، نہ نگل سکتے ہیں، نہ اُگل سکتے ہیں۔ اگر ہم خون کے رشتوں کا اتنا خیال کرتے ہیں، تم لوگوں سے محبت کرتے ہیں تو تمھارا بھی فرض ہے کہ محتاط زندگی گزارا کرو۔ جوجو کا بچکانہ پن، آرمر کی شراب نوشی اور تمھاری عیاش طبیعت ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ ہم آخری ممکن حد تک تم لوگوں کی حفاظت کریں۔ اس کے بعد نہ کر سکیں تو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ انھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم تمھاری قربانیاں تو دے سکتے ہیں مگر اس خزانے تک پہنچنے کا موقع نہیں دے سکتے۔"

وہ ایک ایسے کمرے میں قید تھی، جہاں کم سے کم سامان تھا۔ کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ باہر کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ جب سے وہاں لائی گئی تھی، تب سے کوئی نہیں آیا تھا۔ رات سے صبح ہو گئی تھی۔ اب کوئی دروازہ کھولتا تب بھی باہر نہ جاتی۔ وہ اپنا بگڑا ہوا چہرہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

اُس نے ناگواری سے کہا: "ہارپر! تم ہمیشہ جلی کٹی سناتے ہو۔ مجھے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ہے تو چلے جاؤ۔ بس اتنی مہربانی کرو کہ بھائی شارپر کو بھیج دو۔"

"وہ بھائی آرمر کے پاس ہے۔ اُس نے تم سے کہا تھا کسی طرح ان دشمنوں سے رابطہ قائم کرو۔"

"کیسے کروں؟ پچھلی رات سے کوئی ایک گلاس پانی کے لیے بھی پوچھنے نہیں آیا۔ میں نے کسی کی آواز بھی نہیں سنی ہے۔ اگر کوئی آجائے تو میں اُسے کس طرح بولنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔ اُسے پھانسنے کے لیے میرا حسن بھی نہ رہا۔ پتا نہیں یہ بگڑا ہوا چہرہ کب بنے گا۔"

"تمھیں اپنے حسن کی پڑی رہتی ہے۔ ہم یہاں دن رات کانٹوں پر لوٹتے رہتے ہیں۔ جب سے یہ ٹیلی پیتھی سیکھی ہے، وقت پر کھانا اور سونا نصیب نہیں ہوتا ہے۔"

اتنے میں آہٹ سنائی دی۔ روزانہ نے کہا: "کوئی دروازہ کھول رہا ہے۔"

ہارپر نے کہا: "اپنا چہرہ چھپا لو اور یاد رکھو، عورت جتنا چھپتی ہے، مرد اتنا ہی للچاتا ہے۔ آنے والے کو اُلّو بناؤ اور بولنے پر مجبور کرو۔"

مغربی تہذیب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بھائی اپنی بہن کو شکار پھانسنے کے گُر سکھاتا ہے۔ روزانہ نے اپنا باریک اسکارف کھول کر سر پر ڈال لیا۔ وہ اسکارف سیاہ تھا۔ باہر سے چہرہ صاف دکھائی نہیں دیتا تھا، اندر سے وہ شکار کو دیکھ لیتی تھی۔

دروازہ کھل گیا۔ آنے والے تین تھے۔ وہ دروازے پر رک گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں چاقو اور ریوالور تھے۔ تیسرا ایک ٹرے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں لایا تھا لیکن وہ تینوں دروازے پر ٹھٹک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر روزانہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک کوچ پر قلوپطرہ کے انداز میں لیٹی ہوئی تھی۔ بدن پر کہیں کپڑا تھا، کہیں نہیں تھا۔ مگر چہرہ چھپا ہوا تھا۔ دیکھنے والے یہ شکایت نہیں کر سکتے تھے کہ صاف چھپتی بھی نہیں، سامنے آتی بھی نہیں۔ وہ تو بالکل سامنے تھی۔ ہاتھ بڑھا کر چھونے کی دیر تھی۔

کوئی ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا، کوئی تھوک نگل رہا تھا، کوئی رال پونچھ رہا تھا۔ تینوں آگے بڑھتے ہوئے یوں گھبرا رہے تھے جیسے وہ بجلی ہو، چھوتے ہی جھٹکا مارے گی۔ وہ اُسے مخاطب نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں گونگے بن کر رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر کوئی بولتا تو اُسے گولی ماردی جاتی۔

ایک چالاک عورت کا ناز و انداز مرد کو گولی کھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ تینوں کمرے میں آ گئے۔ روزانہ یوں چھت کی طرف تک رہی تھی، جیسے اُن کی آمد سے بے خبر ہو۔ ایک نے کھانے کی ٹرے زور سے میز پر رکھی تاکہ وہ خیالات سے چونک جائے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ دوسرے نے قریب آ کر دو چار بار تالیاں بجائیں۔ تیسرے نے کھنکار کر گلا صاف کیا لیکن اُسے مخاطب کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

آخر اُس میں حرکت ہوئی۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ایک بھرپور انگڑائی لی۔ پھر اُس کے منہ سے ہائے نکلی جیسے انگڑائی کی اُٹھان پر بدن ٹوٹ رہا ہو۔ اِس بار ایک سے رہا نہ گیا۔ اُس نے ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہاتھ منہ پر رسید کر دیا۔ پھر بولی: "خبردار! جو گونگا ہے، وہ مجھے ہاتھ نہ لگائے۔"

منہ پر طمانچہ کھانے والا پیچھے چلا گیا۔ وہ تینوں اپنی مردانگی نہیں دکھا سکتے تھے۔ اس کے سلسلے میں حکم دیا گیا تھا، نہ بات کی جائے، نہ اُسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اگر وہ کسی کے حکم کے پابند نہ ہوتے تو بجلی کے جھٹکے پہنچانے والی کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔ اُس نے تینوں کو باری باری دیکھا، پھر اپنی چکنی چمکتی ہوئی بانہیں پھیلا کر کہا: "میرے لیے کھانا لاتے ہو مگر میں پیاسی ہوں، کسی شیر کی طرح گرم جسم والے کی پیاسی ہوں۔ وہ گرم جسم

اور بولنے والا اسیر تم میں سے کون ہے؟"

ایک نے اُچھل کر سامنے آتے ہوئے گرجتے ہوئے کہا۔ "میں ہوں۔"

یہ دو الفاظ کافی تھے۔ شاید میری طرح ہاربر بھی اس کے دماغ میں پہنچ گیا ہوگا۔ اِدھر ہم پہنچے اُدھر سٹھائیں سے ایک گولی اُس بولنے والے کے اندر پہنچی۔ اب اُس کا دماغ دو چار پل کا تھا۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے بجھنے والا تھا۔ ہاربر نے اُس کے دماغ کو جھنجوڑ کر پوچھا "بولو جلدی بولو، کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

مَیں نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ ڈوبتے ہوئے ذہن سے کسی شخص کا تصور کر رہا تھا۔ وہ شخص ایک وھیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بیکار تھیں۔ ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ یعنی جسم کے تین اہم حصے کسی کام کے نہیں تھے۔ وہ صرف ایک ہاتھ سے بڑے بڑے مجرموں پر حکومت کرتا تھا۔

گولی کھا کر گرنے والے نے زندگی کی آخری ساعتوں میں صرف اتنا ہی تصور کیا۔ پھر وہ آخری تصور بھی فنا ہو گیا۔ چند لمحوں تک گہری خاموشی رہی پھر خفیہ اسپیکر کے ذریعے کسی کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی "مس روزانہ! تمھارے بھائی مجھ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ مَیں بھی اُن کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں۔ پھر ہمارے درمیان پردہ کیوں رہے؟"

پھر اُس نے کہا "آں، نہیں۔ نہیں مسٹر اسیر سے دماغ میں پہنچنے کی اتنی جلدی نہ کرو۔ مَیں تم لوگوں کو خود بُلانے والا ہوں۔ یاد رکھو میں بن بلائے مہمانوں کو پسند نہیں کرتا۔ جبراً آؤگے تو دماغ سے دُھتکار دوں گا۔"

روزانہ نے کہا "میرا بھائی ابھی تم سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

"تمھارے بھائی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میرے پاس باتیں کرنے کا وقت ہونا چاہیے اور وہ ابھی نہیں ہے۔ اُس سے کہو، آج شام پانچ بجے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"کیا میں شام تک یہاں قید رہوں گی؟"

اس کی بات کا جواب نہیں ملا۔ اُس نے کئی بار آواز دی، لیکن حاکمانہ انداز میں بولنے والے کی آواز گم ہو چکی تھی۔ وہ دو شخص بھی جا چکے تھے اور دروازہ پہلے کی طرح بند ہو گیا تھا۔ ہاربر نے ناگواری سے کہا "روزانہ! صبر کرو۔ جب تک چیونٹی پاؤں تلے نہیں آتی، کاٹتی رہتی ہے۔ وہ ابھی فاتح بن کر کاٹ رہا ہے۔ شام کو اُسے دیکھ لوں گا۔"

مَیں نے جناب شیخ الفارس کو مخاطب کیا۔ پھر کہا "لندن میں ایک ایسا شخص ہے جس کے دونوں پاؤں بیکار ہیں۔ ایک ہاتھ کٹ چکا ہے، صرف ایک ہاتھ رہ گیا ہے۔ وہ وھیل چیئر پر زندگی گزارتا ہے۔ اِس حال میں بھی وہ کسی کا محتاج اور محکوم نہیں ہے۔ پہیّوں والی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بڑے مجرموں پر حکومت کرتا ہے۔ مَیں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ کیا ایسے کسی شخص کا سُراغ لگایا جا سکتا ہے؟"

انھوں نے کہا "آدھے گھنٹے بعد آؤ۔"

میں وہاں سے واپس آ گیا۔ پھر آرمر کے پاس پہنچا۔ وہاں شار پر اُسی کے لہجے میں کہہ رہا تھا "بھائی آرمر! کیا اب تک ایسا کوئی آدمی نہیں ملا جس کے دماغ میں تم پہنچ سکو؟"

آرمر نے کہا "مجھے اغوا کرنے والے نادان نہیں ہو سکتے۔ اب تک ایک ہی شخص بولتا رہا ہے اور مَیں اُس کے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوشش کر چکا ہوں۔"

"تم اُس شخص کو ہر ممکن طریقے سے یقین دلاؤ کہ ٹرانسفارمر مشین سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ہے اور تمھارے بھائی اِس مشین کو چھپا کر رکھنے کی خاطر اپنے بھائی بہنوں کی قربانیاں بھی دے سکتے ہیں۔"

"مَیں اُس شخص کو یقین دلا چکا ہوں۔ یہاں تک کہہ چکا ہوں کہ میرے بھائیوں کو مجبور کیا گیا تو میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا لیکن کسی کو اس مشین تک پہنچنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"شاباش میرے بھائی! ہمارے حوصلے ایسے ہی مستحکم رہیں تو تمام خطرناک تنظیمیں اور سپر طاقتیں اپنا سر ٹکراتی رہ جائیں گی لیکن کبھی مشین کا پُرزہ بھی حاصل نہیں کر سکیں گی۔"

"شار پر! میرے اطمینان کے لیے اتنا بتا دو، روزانہ کا حصہ محفوظ مقام تک پہنچ چکا ہے یا نہیں؟"

اُس نے جواب دیا "یہ بھی ایک پرابلم ہے۔ مَیں نے اُسے روزانہ کی خواب گاہ سے نکال لیا ہے۔ ایسے ہی وقت سونیا استنبول پہنچ گئی تھی۔ اس کی موجودگی بظاہر کچھ ہوتی ہے، در پردہ کچھ اور مقاصد ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے فرہاد کی ٹیم نے استنبول کی ناکا بندی کی ہو۔ یہ لوگ ایسی چالیں چلتے ہیں جو پہلے سمجھ میں نہیں آتیں بعد میں حیرت انگیز نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہ سوچ کر مَیں نے اسی شہر میں اُس حصے کو چھپا دیا ہے کسی مناسب موقع پر اسے شہر سے نکال لے جاؤں گا۔"

شار پر نے بھائی کو اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا۔ وہ حصہ ابھی تک استنبول میں ہے۔ یہی معلومات ہمیں اُس کے قریب تر لے جا سکتی تھیں یہ بات مَیں نے سونیا کو بتائی۔ اُس نے پوچھا "وہ حصہ کس شکل کا ہے اور کس دھات کا ہے؟"

مَیں نے کہا "انسانی کھوپڑی کے اوپری حصے کا خول جیسا ہوتا ہے ویسی ہی شکل ہے، یعنی ہم اُسے ٹوپی کی طرح سر پر رکھ سکتے ہیں۔ اس میں کچھ مختلف سائز کے پُرزے لگے ہیں جو باریک تاروں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔"

"وہ حصہ کتنا بڑا ہے؟"

"ایک نارمل سائز کی کھوپڑی کے برابر ہے۔ سفید چمکتے ہوئے اسٹین لیس اسٹیل کی پتلی پلیٹ سے بنایا گیا ہے لہٰذا وزن میں ہلکا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے یہاں سے اسمگل کرنے والے اُس پر کپڑا یا چمڑا منڈھ کر سر پر پہن کر جا سکتے ہیں۔ انھیں روکنے کے ——

ایئرپورٹ، ریلوے اسٹیشن، بڑی بڑی شاہراہوں اور بندرگاہوں پر نظر رکھنا ہوگی جو خاصا مشکل کام ہے۔"

"کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ کیا پارس اوّل کا سراغ ملا؟"

"نہیں ملا۔ مگر کسی ایک معاملے پر پہلے بات ختم کرو پھر دوسری بات پوچھو۔ اب مَیں مشین کے اِس حصے کے متعلق سوچوں یا پارس کے متعلق؟"

"پارس کے متعلق۔ اس سے بڑھ کر کسی کی اہمیت نہیں ہے۔"

"مَیں اسی کی فکر میں ہوں۔"

"تم مجھ سے کہہ چکی ہو کہ شیبا نے پارس اوّل کو دریافت کیا ہے۔ مَیں جواد کے دماغ سے معلوم کر چکا ہوں، وہ میرے لہجے میں خیال خوانی کرتی ہے۔ پھر اُس نے تم سے گٹھ جوڑ کیا۔ اس کے بعد پارس تم سب کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کیا یہ یقین کرنے والی بات ہے؟"

"اس میں کون سی بات یقین کرنے والی نہیں ہے؟"

"یہی کہ شیبا پارس اوّل کے دماغ میں پہنچ سکتی ہے۔ یہ معلوم کر سکتی ہے کہ وہ اب کہاں ہے۔"

"شیبا نے ایسا کیا تھا مگر وہ اُس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکی کسی نے تنویمی عمل کے ذریعے اس بچّے کے دماغ کو لاک کر دیا ہے۔"

"یہ نیا شوشہ چھوڑ رہی ہو۔"

"فرہاد! خواہ مخواہ عورتوں کو شکی کہا جاتا ہے۔ شکی تو مرد ہوتے ہیں۔ جب مَیں جھوٹی ہوں، مجھ پر بھروسا نہیں ہے تو اتنے اہم معاملات پر کیوں گفتگو کرتے ہو؟"

"وہ بچہ استنبول میں نہ ہوتا تو مَیں تمھیں منہ بھی نہ لگاتا۔"

"یہ منہ لگانے والی گندی باتیں نہ کرو۔ آج کل مجھ پر فرشتوں کا سایہ رہتا ہے۔"

"شیطان تم پر سایہ کر کے بھاگ گیا۔ یہ فرشتے بھی بھاگنے میں ہی عافیت سمجھیں گے۔ تمھارے جیسی چڑیل کے سامنے صرف فرہاد ہی ٹھہر سکتا ہے۔ پلیز کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ پندرہ منٹ کے بعد آؤ۔ مَیں لباس تبدیل کر کے نکل رہی ہوں۔ ایئرپورٹ اور بندرگاہوں کے کسٹمز والوں سے فون پر یا روبرو گفتگو کروں گی۔ تم اور شیبا اُن کے لہجوں کو یاد رکھو گے اور وقتاً فوقتاً اُن کے پاس پہنچ کر مسافروں کی چیکنگ کے دوران موجود رہو گے مگر ایک وعدہ کرو۔"

"بات سمجھے بغیر وعدہ کر رہا ہوں۔"

"تم میرے دماغ میں رہ کر شیبا کو کبھی مخاطب نہ کرنا۔ وہ سمجھتی ہے کہ مَیں نے تمھیں اُس کے متعلق کچھ نہیں بتایا ہے اور اُسے تمھارے متعلق بتاتی رہتی ہوں۔ وہ بے چاری پوشیدہ رہ کر کارنامے انجام دینا چاہتی ہے۔ اُسے ایسا کرنے دو۔"

"مَیں اُسے کبھی مخاطب نہیں کروں گا۔ اب بتاؤ پارس کہاں ہے؟"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ پلیز مجھے تلاش کرنے دو......... وہ جیسے ہی ملے گا —— مَیں اُس کا پتا بتا دوں گی۔ پھر تم تصدیق کر لینا کہ کسی نے اُس کے دماغ کو لاک کیا ہے یا نہیں؟ اب جاؤ، مجھے لباس بدلنے دو۔"

مَیں نے شیخ صاحب کے پاس آ کر اُس وھیل چیئر والے اپاہج کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے کہا "وہ واقعی اپاہج ہے۔ اس دنیا میں کیسے کیسے حیرت انگیز اور غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے موجود ہیں۔ اُس کا نام گائی ڈی مورو کو ہے۔ مورو کو، کو دیکھ کر آپ ہی آپ خدا کی خدائی پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں نہیں ہیں۔ دایاں ہاتھ نہیں ہے۔ صرف بائیں ہاتھ سے بڑے بڑے مجرموں کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

جناب شیخ صاحب کے سامنے ایک فائل کھلی ہوئی تھی وہ کہہ رہے تھے "ہمارے ہاں مجرموں کی فائلوں میں اُس کا ذکر نہیں ہے۔ لندن میں بھی اس کا شمار نہایت معزز شرفاء میں ہوتا ہے۔ گائی ڈی مورو کو کا ذکر ہمارے ادارے کی ایک ایسی فائل میں ہے، جس میں شریف بدمعاشوں کی مختصر ہسٹری ہوتی ہے۔ اس فائل میں اس کی پندرہ برس پہلے کی تصویر ہے۔ اُن دنوں وہ جسمانی طور پر مکمل تھا۔ دونوں پاؤں سے چلتا، دوڑتا اور چھلانگیں لگاتا تھا اور دونوں ہاتھوں کو اپنے لیے ڈھال اور دشمنوں کے لیے تلوار بنا لیتا تھا۔"

جناب شیخ صاحب نے جو معلومات فراہم کیں ان کے مطابق وہ ایک ذہین سائنسدان تھا۔ جدید ٹیکنالوجی میں مہارت رکھتا تھا۔ اپاہج ہونے کے بعد بھی جسمانی طور پر گینڈے کی طرح طاقتور اور سخت جان تھا۔ اُس کے دماغ کی لائبریری میں دنیا کے تمام مجرموں کا مکمل ریکارڈ موجود تھا۔ وہ کسی وقت بھی کسی کے جرائم کو مکمل ثبوت کے ساتھ عدالت میں پیش کر سکتا تھا۔ ایسے مجرموں میں کئی ممالک کے سابقہ حکمران اور سیاست دان بھی شامل تھے۔

جناب شیخ صاحب نے کہا "مَیں ابھی فون پر اُس سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ شاید وہ تم سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہو جائے۔"

انھوں نے ریسیور اٹھا کر رابطہ قائم کرنا شروع کیا۔ ساتھ ہی کہنے لگے "کچھ پُراسرار لوگ پیرس کے نوادرات خانے تک پہنچنے کی کوشش میں ہیں۔ تمھیں اُن ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ گوری سہاتہ کا مجسمہ حکومتِ فرانس کی تحویل میں ہے۔"

مَیں نے کہا "اُن دنوں تینوں بہن بھائی میرے لیے پُراسرار تھے۔ جب مَیں نے دیکھا کہ وہ کروڑوں ڈالر کے ہیروں کے لیے ہیرا سوامی کے ساتھ ہیں تو سمجھ گیا کہ ان میں سے کوئی خیال خوانی کرنے والا یا والی ہیرے جواہرات کے لالچی ہیں۔ مَیں نے سوچا گوری سہاتہ کے مجسمے کا لالچ دے کر انھیں پیرس آنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ جب کسی ایک شہر میں اُن کی

مصروفیات ہوں گی تو کوئی نہ کوئی ہمارے ہتھے چڑھے گا۔ مگر اس سے پہلے ہی بار سر اور پھر روزانہ میری گرفت میں آ گئے۔"

جناب شیخ صاحب جواباً کچھ نہ بول سکے۔ فون پہ رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ انھوں نے کہا "میں شیخ الفارس غلام البرقی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے گائی ڈی مورو کو نے چہکتے ہوئے کہا۔ "اخاہ! مسٹر شیخ یعنی کہ فرہاد علی تیمور کے مُشیرِ معظم! ابھی میں جانتا تھا مشین کے معاملے میں کہیں نہ کہیں فرہاد سے ٹکراؤ ہو گا۔"

"کیا تم صرف ٹکراؤ کے متعلق سوچتے ہو؟"

"ظاہر ہے کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا اپنے میدان میں کسی حریف کو برداشت نہیں کرے گا۔ وہ مشین کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا اور میں اسے اپنے لیے حاصل کر کے رہوں گا۔"

"مسٹر مورو کو! ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان بہن بھائیوں نے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے کے بعد مشین کو تباہ کر دیا ہو اور اب دنیا والوں کو صرف اس کا سپنا دکھا رہے ہوں۔"

اُس نے ہنستے ہوئے کہا "وہ ایسی حماقت نہیں کریں گے۔ قدرت اور مشین میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جو علم قدرتی حالات کے مطابق سیکھ کر حاصل کیا جائے وہ مرتے دم تک ساتھ رہتا ہے۔ مشین کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ناپائدار ہوتا ہے۔ روزانہ کا دماغ کسی وجہ سے کمزور ہوا اور وہ علم مٹ گیا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ دوبارہ خیال خوانی نہیں کر سکے گی۔ آج وہ دماغی طور پر صحت مند ہے۔ لیکن اس علم کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اُسے پھر اس مشین کی ضرورت پڑے گی۔ اس بات کو اس کے بھائی اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ کبھی وہ بھی دماغی کمزوری کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کبھی انھیں بھی اُس مشین کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ پھر وہ اُسے تباہ کرنے کی حماقت کیوں کریں گے۔"

اُس نے ایک ذرا توقف سے کہا "میں جرائم پیشہ افراد کی ایک ایک تنظیم اور ایک ایک سُپر طاقت کو جانتا ہوں۔ میں نے براہِ راست یا بالواسطہ ان سب کو یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ان بہن بھائیوں نے مشین تباہ کر دی ہے۔ میرا مقصد تھا وہ لوگ اُس کے حصول سے باز آ جائیں۔ لیکن روزانہ کی موجودہ حالت اِس خیال کو پختہ کر رہی ہے کہ اُسے دوبارہ مشین کا سہارا لینا ہو گا اور وہ مشین موجود ہے۔"

"تم اسے اغوا کر کے کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میں ثابت کروں گا کہ مشین تباہ ہو چکی ہے۔ اسی لیے روزانہ دوبارہ یہ علم حاصل نہ کر سکی۔"

"اگر وہ تمھاری قید سے نکل جائے اور علم حاصل کرے؟"

اُس نے ہنستے ہوئے کہا "وہ میری قید سے نکل چکی ہے۔ اُس کے چہرے کی پلاسٹک سرجری ہو چکی ہے۔ وہ آزادانہ گھومتی رہے گی مگر خیال خوانی نہیں کر سکے گی۔ اگر وہ مشین ہوتی تو دوبارہ ایسا کرتی۔ لہٰذا مشین نہیں ہے۔"

اُس کی باتوں کے دوران میں نے روزانہ کے پاس پہنچ کر دیکھا ... شیخ صاحب سے کہا "یہ جھوٹ کہتا ہے۔ روزانہ ابھی تک اس کی قید میں ہے، نہ پلاسٹک سرجری ہوئی ہے نہ وہ گھومنے پھرنے کے لیے آزاد ہے۔"

جناب شیخ صاحب نے اُس سے یہی بات کہی۔ وہ پھر ہنستے ہوئے بولا "اچھا تو فرہاد موجود ہے۔ بھئی میں اُس روزانہ کی بات نہیں کر رہا ہوں ... اصلی ہے اور میری قید میں ہے۔ میں تو اپنی ڈمی روزانہ کی بات کر رہا ہوں ... مجھے اسی طرح دوسروں کو مشین کی طرف سے مایوس کرنا ہے۔"

"اس میں شبہ نہیں ہے، بڑی شاطرانہ چال چل رہے ہو۔"

وہ بولا "میری اس چال کی خوبیاں دیکھیے۔ کوئی اُسے ڈمی ثابت نہ کر سکے گا۔ واقعی پلاسٹک سرجری کے ذریعے اسے روزانہ بنا گیا ہے ... کے دونوں بھائی میری ڈمی کو نقصان پہنچانا چاہیں گے تو ان کی بہن کو میری قید میں نقصان پہنچے گا۔ اگر فرہاد، رسونتی اور شیبا میری ڈمی کے ذریعے خیال خوانی کرا کے مشین کی موجودگی ثابت کرنا چاہیں گے تو ناکام رہیں گے ... ڈمی کا دماغ تنویمی عمل کے ذریعے مقفل کر دیا گیا ہے۔ آپ اور کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"فرہاد تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"میں فون پر موجود ہوں۔ وہ بات کر سکتا ہے۔"

جناب شیخ صاحب نے کہا "وہ کہیں ہے، میں کہیں ہوں، تم کہیں ہو، کیا دماغ کے ایکس چینج سے بات کرنا چاہو گے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "مسٹر غلام البرقی! زندگی میں پہلی بار تم نے اور فرہاد نے مجھے یاد کیا ہے۔ میں انکار کیسے کروں، میرے دماغ کا دروازہ کھلا ہے، وہ آ سکتا ہے۔"

میں آ گیا۔ وہ خلا میں تکتے ہوئے مجھے محسوس کر رہا تھا۔ میں نے کہا "ہیلو گائی ڈی مورو کو! مجھے کسی حوصلہ مند شخص سے گفتگو کر کے بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔ تم جس حد تک اپاہج ہو، اس کے بعد لوگ فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے ہیں اور تم بڑے بڑوں کو اپنے سامنے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیتے ہو۔ میں پھر ایک بار کہتا ہوں، مجھے تم سے مل کر بے انتہا خوشی ہو رہی ہے۔"

"شکریہ، اتنی تعریفیں سننے کے بعد مجھے غصہ آ جاتا ہے، اپنے مطلب کی بات کرو۔"

"میں یہ دیکھنے آیا ہوں، تم اس قدر معذور ہونے کے باوجود کس طرح خطرات سے کھیلتے رہتے ہو۔ کیا کسی لمحے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ کہیں سے بھی آنے والی ایک اندھی گولی تمھیں ختم کر سکتی ہے۔ بعض حالات میں جاں نثار باڈی گارڈز بھی اپنے مالک کو قتل کر دیتے ہیں۔ تم کتنے ہی حفاظتی انتظامات کر و، ان میں کوئی کمزوری ضرور رہ گئی ہو گی۔"

وہ ہنسنے لگا۔ وھیل چیئر کو چاروں طرف گھماتے ہوئے ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "دیکھو فرہاد! دیکھو، میں اپنے بنگلے میں کسی بھی حفاظتی انتظام کے بغیر ہوں۔ یہاں میرا ایک بھی وفادار نہیں ہے۔ میں دنیا کا پہلا آدمی ہوں جس کی حفاظت وفادار محافظ نہیں کرتے۔ میری حفاظت تو بین الاقوامی سطح کے بڑے بڑے مُجرم کرتے ہیں۔ کیوں کہ میں جب تک زندہ ہوں، وہ بھی سلامت ہیں۔ اگر کسی نے بھی مجھے قتل کیا تو اس دنیا کے ایک ہزار ایک مجرم اپنے اپنے ملک کی عدالت سے گزر کر تختۂ دار تک پہنچ جائیں گے۔"

اُس نے بھرپور قہقہہ لگایا پھر کہا "میں نے اپنی حفاظت کے لیے ایک کُتا بھی نہیں پالا۔ سب پلے پلائے مل گئے ہیں۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ میں نے بڑے بڑے حکمرانوں، معروف لیڈروں، پیشہ ور مجرموں اور نہایت مشہور و معروف اور معزز ہستیوں کے کالے کارناموں کے مکمل ثبوت کہاں چھپا کر رکھے ہیں۔ لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ دو بار مجھ پر قاتلانہ حملے ہوئے، میں نہیں جانتا وہ کون لوگ تھے، مگر دو بڑے مجرموں کے ریکارڈ مکمل ثبوت کے ساتھ اسکاٹ لینڈ یارڈ اور انٹرپول تک پہنچ گئے۔ ان دو مجرموں کو سزائے موت ہوئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ میں مروں گا تو میری خفیہ تدابیر کے مطابق تمام مجرم بے نقاب ہو جائیں گے۔ لہٰذا پردہ رکھنے کے لیے سب کے سب میری حفاظت کرتے ہیں اور میری طویل عمری کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔"

"اگر تمھیں قتل نہ کیا گیا اور تمھاری قدرتی موت واقع ہوئی تو اُن مجرموں کا کیا بنے گا؟"

"میں نے انھیں زبان دی ہے، اگر طبعی عمر گزار کر مروں گا تو اُن کے جرائم کے تمام ثبوت تباہ ہو جائیں گے۔ کسی پر ایک ذرا آنچ نہیں آئے گی۔ وہ سب جانتے ہیں، میں زبان کا دھنی ہوں۔"

"ٹیلی پیتھی جاننے والے تمھاری دھونس میں نہیں آئیں گے۔ وہ تمھاری حفاظت کرنے والے مجرموں کو آلۂ کار بنا کر تمھیں ختم کر دیں گے۔ کیا اس سلسلے میں تم مجبور نہیں ہو؟"

اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کلوز اور ریموٹ کنٹرولر تھا جس کے ذریعے وہ پہیوں والی کرسی اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی تھی۔ وہ اُس کے ذریعے پھر ایک بار کرسی پر گول گھومتے ہوئے اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "آج شام کو روزانہ کا ایک بھائی یا اُس کا نمائندہ مجھ سے ملاقات کرنے آئے گا۔ میں تمھارے لیے دماغ کے دروازے کھلے رکھوں گا۔ تم آ کر دیکھ لینا کہ خیال خوانی کرنے والے میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں یا نہیں؟"

"مورو کو! وہ تو میں شام کو دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ تم میرے کسی حملے سے کس طرح بچ سکو گے؟"

وہ مُسکراتے ہوئے بولا "ابھی تم سے خطرہ نہیں ہے۔ جب وہ مشین حاصل کر لوں گا تو تم میرے دشمن بن جاؤ گے۔ پھر میں تمھیں کئی وڈیو کیسٹ دوں گا جو تمھارے متعلق ہوں گی۔ اُن کیسٹوں میں تمھاری گھناؤنی وارداتوں کے مناظر ہیں۔ ایک طرح سے وہ تمھاری بلیو فلمیں ہیں۔ تم نے اس دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کتنی ہی معصوم لڑکیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا اور اس کے بعد بڑی سفاکی سے انھیں قتل کر دیا۔ ان بے شمار قتل کے مناظر دیکھ کر بین الاقوامی قانونِ تحفظ کے مطابق کوئی بھی ملک تمھیں سزائے موت دے سکتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوا تو ایسے شرمناک مناظر دیکھ کر دنیا کا ہر فرد حتیٰ کہ تمھاری اولاد تک تمھارے نام پر تھوکے گی۔ سُنا ہے تمھارا بیٹا پانچ برس کا ہو چکا ہے۔"

میں نے کہا "میں نہ تو ایسا ہوسناک اور بے شرم ہوں اور نہ ہی میں نے بے شمار لڑکیوں کو قتل کیا ہے۔ تم کن کیسٹوں کی بات کر رہے ہو؟"

"بھولے نہ بنو، فرہاد علی تیمور کے کیسٹوں کی بات کر رہا ہوں۔ جب میں ڈمی روزانہ تیار کر سکتا ہوں تو کیا ڈمی فرہاد کے بلیو کیسٹ تیار نہیں کر سکتا؟"

"تم بہت کمینے ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "مجھ سے ملاقات کی ابتدا میں بڑی تعریفیں کر رہے تھے۔"

"تم جیسے لوگ محبت کو نفرت میں اور تعریف کو تذلیل میں بدل دیتے ہیں۔"

"فرہاد! حالات کے مطابق دوستی اور دشمنی ہوتی رہتی ہے۔ تم میرے دماغ میں آ کر اتنی ساری معلومات حاصل کر رہے ہو۔ کچھ میں بھی تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے تمھارے دماغ سے اپنے دماغ میں یہ علم منتقل کیا۔ اس کے لیے وہ ٹرانسفارمر مشین استعمال کی جسے تم نے دیکھا ہے، کیا تم بتانا چاہو گے کہ وہ کیسی ہے؟ کس دھات کی ہے؟ اس کی ساخت کیسی ہے؟"

میں نے کہا "اس کی ساخت میں کوئی جدت نہیں ہے۔ کوئی بھی تکنیکی مہارت رکھنے والا ایسی مشین کا ڈیزائن تیار کر سکتا ہے۔ تم بھی کر سکتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کا ایک خاکہ بنا لیا ہے۔ میرے خاکے کے مطابق وہ ایک ٹوپی کی مانند ہے، کوئی بھی علم ٹرانسفر کرنے کے دوران اسے سر پر پہنا جاتا ہو گا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔ جتنے مجرم اس کے پیچھے پڑے ہیں، انھوں نے بھی اسی سے ملتا جلتا ڈیزائن تیار کیا ہو گا۔ تمھیں تو جدید ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل ہے۔ یہ سمجھ سکتے ہو کہ وہ کس دھات کی بنی ہو گی۔"

"میرے ڈیزائن کے مطابق اسے اسٹین لیس اسٹیل کی پتلی

"پلیٹ سے تیار ہونا چاہیے۔"
"تم بلاشبہ ذہین ہو۔"
"تم پھر میری تعریف کر رہے ہو۔"
"میں پھر تمھیں ذلیل بھی کر سکتا ہوں۔"
اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے وھیل چیئر سے لگے ہوئے واکی ٹاکی کو اٹھا کر کہا "ہیلو۔"
دوسری طرف سے کسی نے کہا "باس! سلطان پاشا ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، وہ کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔"
"کیا اس کی شامت آگئی ہے؟ کیا وہ اپنی بیٹی کا علاج نہیں کرنا چاہتا؟"
"اس کا علاج ہو رہا ہے باس!"
"یہ ناممکن ہے۔"
"اس کا علاج ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو رہا ہے۔"
یہ ہم دونوں کے لیے چونکا دینے والی بات تھی، ابھی میں اس معاملے کو نہیں سمجھتا تھا کہ کسی لڑکی کا مرض کیا ہے کس طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے علاج ہو رہا ہے؟ اور کون علاج کر رہا ہے؟
موروکو نے پوچھا "وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا کون ہے؟"
"باس! وہ کچھ بتاتا نہیں ہے۔ فخر سے کہتا ہے، اسے مددگار مل گیا ہے، وہ اس کے علم کے ذریعے آپ کو چیلنج کرتا ہے۔"
اس نے واکی ٹاکی کو دیکھتے ہوئے پوچھا "فرہاد! کیا تم سلطان پاشا کا ساتھ دے رہے ہو؟"
"میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔ آخر قصہ کیا ہے؟"
"قصہ معلوم ہو جائے گا، کیا تم معلوم کر سکتے ہو کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کا ساتھ کیوں دے رہا ہے؟"
"مجھے سلطان پاشا کی آواز سنا دو۔"
"کیا وعدہ کرتے ہو، مجھے صحیح معلومات فراہم کرو گے۔"
"موروکو! یہ تم لوگوں کے آپس کے معاملات ہیں، مجھے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، تم نے ایک کام کرنے کی درخواست کی ہے میں کر دوں گا، بھروسا ہو تو اس کی آواز سنا دو، ورنہ میں جاتا ہوں۔"
"میں ابھی سناتا ہوں۔" وہ کنٹرولر کے ذریعے وھیل چیئر کو چلاتا ہوا ایک ریکارڈ روم میں پہنچا۔ وہاں ایک کیسٹ تلاش کرنے کے بعد اسے ریکارڈر میں رکھ کر سنانے لگا۔ میں نے کہا۔ "اتنا ہی کافی ہے میں پھر آؤں گا۔"
میں سلطان پاشا کے پاس پہنچ گیا۔ اگرچہ وہ میرے لیے غیر ضروری تھا لیکن کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کی مداخلت نے میرے لیے دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ پھر وہ سلطان پاشا استنبول کا رہنے والا تھا۔ اس کے دماغ میں جانے والی شیبا ہو سکتی تھی یا وہ دونوں بھائی۔ لہٰذا اس کے دماغ میں میرا بھی اضافہ ہو گیا۔
سب سے پہلے یہ واضح ہو گیا کہ شاریر اس کے دماغ میں آتا ہے۔ سلطان پاشا اس کا پرانا شناسا تھا۔ جرائم کی دنیا میں شاہانہ زندگی گزارتا ہے، وہ بھی گاڈ فادر موروکو کی طرح بہت سے مجرموں کی کمزوریاں جانتا ہے اور انھیں بلیک میل کرتا ہے۔ ایک بار موروکو نے اسے وارننگ دی "مسٹر پاشا! استنبول میں محمد [illegible] میرا آدمی ہے۔ اس کے راستے میں نہ آیا کرو۔"
سلطان پاشا نے جواب دیا "میرے علاقوں میں جو بھی دھندا کرے گا وہ مجھے ٹیکس ادا کرے گا۔"
"ٹیکس تو تم مجھے ادا کرو گے۔ تمھیں بہت جلد اپنے نقصانات کا اندازہ ہونے لگے گا۔"
موروکو نے اسے چیلنج کیا تھا لیکن پاشا کی کوئی کمزوری اس کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ تقریباً دو ہفتے بعد سلطان پاشا کو معلوم ہوا کہ اس کی جوان بیٹی جنون میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جب تک اسے نشیلا انجکشن نہ لگایا جائے اسے سکون نہیں ملتا۔ موروکو نے پیغام بھیجا "مسٹر پاشا! یہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں تمھاری ایک ہی لاڈلی بیٹی ہے، اسے بچالو یا استنبول چھوڑ دو، اس شہر میں صرف میرے آدمیوں کی حکومت رہے گی۔"
سلطان پاشا کے لیے استنبول سونے کی کان تھی۔ وہ شہر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس نے معروف اور مہنگے ڈاکٹروں سے بیٹی کا علاج کرانا شروع کیا۔ وہ کبھی نارمل ہوتی تھی، کبھی پھر اس پر دورہ پڑنے لگتا تھا۔ موروکو نے کہہ دیا تھا "اس کا علاج ہمارے پاس ہے، وہ ہمیشہ نارمل رہے گی مگر پہلے یہ شہر چھوڑ دو۔"
پاشا بیٹی کی خاطر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ ایسے ہی وقت اسے اپنے دماغ میں جانا پہچانا لہجہ سنائی دیا۔ شاریر اپنے بھائی آرمر کے لہجے میں بول رہا تھا "کیوں پاشا! کبھی تم نے ٹیلی پیتھی کا کمال دیکھا ہے؟"
اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ٹیلی پیتھی کا کمال سنا ہے، دیکھا نہیں ہے۔ ابھی اپنے دوست شاریر کے ایک بھائی کی آواز سن رہا ہوں۔ لیکن یہ محض میرا اندازہ یا خیال خام ہو سکتا ہے۔"
شاریر نے اسے خیال خوانی کے ہتھکنڈوں کے ذریعے یقین دلایا کہ اس کے دماغ میں وہ اپنے بھائی کے لہجے میں بول رہا ہے۔ پاشا نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا "میرے دوست میں کیسے یاد آگیا؟"

"کچھ اپنی ضرورت اور کچھ تمھاری ضرورت پوری کرنے آیا ہوں۔ تم اپنی بیٹی ڈولی کی فکر کرو، میں خیال خوانی کے ذریعے اسے دو دن میں نارمل بنا دوں گا۔"
اس نے خوش ہو کر پوچھا "کیا یہ ممکن ہے؟"
"بے شک۔ نشے کی طلب کرنا اور طلب نہ پوری ہونے پر اضطراب اور انتشار کا شکار ہونا محض دماغی کمزوری ہے۔ میں اس کے دماغ کو صحت مند اور مستحکم بناؤں گا۔ اس کے اندر قوتِ ارادی پیدا کروں گا۔ تمھاری ڈولی دو دن میں ہنستی بولتی دکھائی دے گی۔"
"میرے دوست! تمھارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ تم نے ایک بہت بڑے دشمن کو نیچا دکھانے کا موقع دیا ہے، میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"
"ہاں تم سے ایک ضروری کام ہے، کیا تم سونیا کو جانتے ہو؟"
"اسے کون نہیں جانتا؟"
"وہ تمھارے شہر میں ہے۔"
"کیا واقعی؟"
"ہاں۔ اس کی موجودگی کا مطلب ہے، فرہاد میرے خلاف جال بچھا رہا ہے۔ ویسے بھی ایک معاملے میں مجھے مشکل پیش آرہی ہے۔"
"آج کل تم بھائیوں کی ٹرانسفارمر مشین کا بہت چرچا ہے۔ کیا اسی سلسلے میں مشکل ہے؟"
"خوب سمجھے۔ اس مشین کا ایک حصہ میں تمھارے پاس امانت رکھنا چاہتا ہوں، کوئی مناسب موقع دیکھ کر اسے لے جاؤں گا۔"
"تمھارے لیے جان حاضر ہے۔ میں اسے اپنی بیٹی کی طرح اہمیت دوں گا۔ اس طرح چھپا کر رکھوں گا کہ کسی کا سایہ بھی اس پر نہیں پڑے گا۔"
"اس کے لیے ضروری ہے کہ جب تک وہ حصہ تمھارے پاس رہے، تم گوشہ نشین ہو جاؤ، نہ کسی سے ملاقات کرو، نہ کسی کو اپنی آواز سناؤ۔"
"میں یہی کروں گا۔ میرا خاص کام میرے آدمی کر لیا کریں گے۔"
"کسی کام دھندے کی پروا نہ کرو، سب کچھ چھوڑ دو، میں کچھ دنوں میں تمھیں اس ملک کا بے تاج بادشاہ بنا دوں گا۔"
سلطان پاشا نے یہی کیا۔ گوشہ نشین ہو گیا۔ نہ کسی سے ملتا تھا نہ کسی کو آواز سناتا تھا۔ یہ بات اسے معلوم نہ تھی کہ موروکو کے آدمی کتنی چالاکی سے ڈولی کو ٹریپ کرتے ہیں اور اسے نشے کا عادی بناتے رہے ہیں۔ جب باپ نے اسے بتایا کہ ایک دوست خیال خوانی کے ذریعے اس کا علاج کرنے والا ہے تو ڈولی نے خفیہ رابطے کے ذریعے موروکو کے آدمی سے کہہ دیا کہ وہ باپ کے ساتھ گوشہ نشین ہو رہی ہے۔ اس کا علاج خیال خوانی کے ذریعے ہونے والا ہے۔
شاریر سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے ڈولی سے پہلے رابطہ قائم نہیں کیا۔ دوسرے معاملات میں الجھ کر رہ گیا۔ اس نے سوچا، فرصت ملتے ہی اس کے پاس آئے گا لیکن اتنی دیر میں ڈولی کے ذریعے موروکو کو اور موروکو کے ذریعے مجھ کو شاریر اور پاشا کے باہمی رابطے کا علم ہو گیا۔
میں نے سونیا کو مخاطب کر کے سلطان پاشا کا ایڈریس بتا دیا پھر کہا "اس کی رہائش گاہ میں مسلح افراد کا سخت پہرا ہے، باپ بیٹی کسی سے ملاقات نہیں کرتے ہیں، پاشا کی خواب گاہ میں جو آئرن سیف ہے، اس میں ڈبل لاکس ہیں، پہلا لاک زیرو زیرو تھری سے اور دوسرا لاک تھری زیرو زیرو سے کھلتا ہے، میں شاریر کو اپنی طرف مصروف رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، تم جتنی جلدی ہو سکے اس حصے کو وہاں سے نکال لاؤ۔"
میں روزانہ کے پاس آگیا۔ میں نے اب تک اسے خیال خوانی کے ذریعے مخاطب نہیں کیا تھا۔ وہ میرا لہجہ سن کر چونک گئی، میں نے کہا "اس میں چونکنے کی کیا بات ہے، انجانے دشمن تمھارے گھر تک پہنچ کر تمھیں اغوا کر سکتے ہیں تو کیا میں تمھارے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا؟"
وہ پریشان ہو کر بولی "تم کیوں آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟"
"تمھیں اس قید سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔"
"تم دشمن ہو کر اتنی مہربانی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"
"ظاہر ہے میرا بھی کوئی مفاد ہو گا۔"
"بولو، میں تمھارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"
"تمھارے پاس حسن ہے نہ صلاحیت ہے اور نہ طاقت، بھلا تم میرے لیے کیا کر سکو گی۔ البتہ تمھارے بھائی شاریر سے تمھاری رہائی کا سودا کرنا چاہتا ہوں، جب وہ تمھارے پاس آئے تو کہنا میں کسی بھی وقت تمھارے دماغ میں آکر اس سے اہم معاملات پر گفتگو کروں گا۔"
"تم وقت بتاؤ، کب آؤ گے؟"
"ابھی آکر بتاؤں گا، جن لوگوں نے تمھیں قید کیا ہے، ان کے نام پتے بھی بتا سکتا ہوں۔"
میں نے اسے انتظار کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ شاریر اس کے پاس آئے گا تو وہ بھی بہن کی رہائی کی خاطر میرے انتظار میں اس کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ اس طرح وہ اطمینان سے ڈولی اور پاشا کے پاس نہیں جا سکے گا۔

میں نے آرمر کے پاس پہنچ کر کہا۔ ”میں فرہاد ہوں اور تمھیں اس قید سے رہائی دلا سکتا ہوں۔“
آرمر نے پوچھا۔ ”پھر تو رہائی کے سلسلے میں کوئی شرط بھی ہوگی؟“
”میں اس سلسلے میں صرف شاریہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“
”میں آرمر کے لہجے میں شاریہ بول رہا ہوں۔“
یقیناً شاریہ بول رہا تھا۔ میں نے ٹالنے کے لیے کہا۔ ”کیوں جھوٹ بولتے ہو آرمر؟ تمھارے دماغ میں تمھارا ہی لب و لہجہ ہے اور تم اسے بھائی سے منسوب کر رہے ہو۔“
”تمھیں یقین کرنا ہے تو کرو، ورنہ جاؤ۔“
”اچھا اس دعوے کے ساتھ جا رہا ہوں کہ تم دونوں بہن بھائی کو میں ہی رہائی دلا سکتا ہوں۔ بلکہ تم لوگوں کو قید کرنے والے کا نام پتا بھی بتا سکتا ہوں۔“
”رک جاؤ۔ ابھی نہ جانا۔ پہلے میری بات سن لو۔ اگر میں روزانہ کے دماغ میں پہنچ کر بولوں تب تو تم مجھے شاریہ تسلیم کرو گے؟“
میں نے کہا۔ ”آرمر تم بھی خیال خوانی کرتے ہو۔ تم بھی روزانہ کے دماغ میں اپنا ہی لہجہ سنا سکتے ہو۔ پھر میں شاریہ کی موجودگی کیسے تسلیم کروں؟“
”معلوم ہوتا ہے تم کوئی چال چل رہے ہو۔ اس لیے شاریہ کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتے ہو۔ تم ہمارے کسی کام نہیں آسکتے۔“
”اچھا تو لو۔ میں ایک کام کر کے ثابت کرتا ہوں کہ فی الحال تم لوگوں کی بھلائی میری بھلائی ہے۔ پہلے میں روزانہ کو قید کرنے والے کا نام اور پتا بتاتا ہوں۔ جب تمھیں یقین ہو جائے کہ میری فراہم کردہ معلومات درست ہیں تو میں آرمر کی رہائی کے سلسلے میں ایک سودا کروں گا۔“
”ہمیں منظور ہے۔“
میں نے کہا۔ ”اگر تمھارے دماغ میں شاریہ ہے تو اس نے روزانہ کے قید خانے میں خفیہ اسپیکر کے ذریعے کسی کی آواز سُنی تھی؟“
شاریہ نے آرمر کے لہجے میں کہا۔ ”ہاں میں نے سنی تھی۔ اس نے شام پانچ بجے ملاقات کا وعدہ کیا ہے۔“
میں نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے، وعدہ پورا نہ ہو۔ میں ابھی اس کا نام اور پتا بتاتا ہوں۔ وعدہ کرو اس معاملے میں تم میرا نام نہیں لوگے۔“
اس نے وعدہ کیا۔ میں نے گاڈ ڈی مورو کو کی مختصر سی روداد سنادی۔ شاریہ تصدیق کرنے چلا گیا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ اسی طرح اس کا وقت برباد ہوتا رہے۔ ویسے بھی ان سے بحث کرنے اور مورو کو کی روداد سنانے میں ایک گھنٹا گزر چکا تھا۔
ویسے وہ چند لمحوں کے لیے پاشا کے پاس جا کر اپنی امانت کے سلسلے میں مطمئن ہونے کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ لہٰذا میں سلطان پاشا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ایک کمرے میں بند تھا اور دروازے پر ہاتھ مار مار کر کہہ رہا تھا۔ ”دروازہ کھولو۔ تم کون ہو؟ تم کیا بلا ہو؟ میرے مسلح گارڈز کہاں مر گئے ہیں؟“
میں نے مسکرا کر سوچا۔ سونیا اپنا کام کر رہی ہے یا کر چکی ہے مگر دوسرے ہی لمحے خوش فہمی ختم ہو گئی۔ ڈولی کہہ رہی تھی۔ ”ڈیڈ! مجھے آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ ایک ننھے سے بچے نے آپ کو بےبس کر دیا ہے۔“
یہ سنتے ہی میں نے توجہ سے پاشا کے دماغ کو پڑھنا شروع کیا اور اس کا دماغ جو بتا رہا تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا۔ پاشا اس بچے کی عمر کا اندازہ کر رہا تھا کہ وہ پانچ برس کا ہوگا۔ اس کے ہاتھوں میں اپنی عمر سے بڑا ریوالور تھا۔ وہ کمرے میں اچانک یوں آیا جیسے آسمان سے ٹپکا ہو۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ”ہاتھ اٹھا لو۔ مجھے بچہ سمجھ کر چالاکی نہ دکھانا۔ پہلے میرا نشانہ دیکھ لو۔ اُدھر کیلنڈر کو دیکھو۔ وہاں بڑے بڑے ہندسے ہیں۔ میں ٹھیک دس تاریخ کے صفر پر نشانہ لگاؤں گا۔“
یہ کہتے ہی اس نے گولی چلائی۔ ٹھس کی آواز اُبھری کیوں کہ سائیلنسر لگا ہوا تھا لیکن اس صفر میں سے گولی گزر کر دیوار میں پیوست ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ”دوسری گولی تمھاری بیٹی کی کھوپڑی میں پیوست ہوگی۔ اگرچہ یہ میری بہن جیسی ہے لیکن میں اپنے مقصد کے آگے جذبات نہیں دیکھوں گا۔“
سلطان پاشا اس کے ایکشن اور نشانے سے سہم گیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟“
”ابھی میرا نام نہ پوچھو۔ میرے باپ کا نام سنو گے تو گھبرا جاؤ گے۔ صرف مقصد بیان کرتا ہوں۔ آئرن سیف کے نمبر بتا دو۔“
پاشا نے کہا۔ ”میں مر جاؤں گا مگر دوست کے اعتماد کو دھوکا نہیں دوں گا۔“
”تمھارے جیسے بڈھے کو مار کے کیا کروں گا۔ ڈولی اپنی ایک انگلی اٹھاؤ۔ میں نشانہ لگاؤں گا۔ ایک سے تین گننے تک تم نے انگلی نہ اٹھائی تو تمھاری کھوپڑی کا نشانہ لگ جائے گا۔“
اس نے گنتی شروع کی۔ ”ایک، دو۔“ تین کہنے سے پہلے ہی ڈولی نے سہم کر انگلی اٹھائی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ نکل گئی۔ ایک گولی اس کی انگلی کے اوپری حصے کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ پاشا نے گھبرا کر غلط نمبر بتا دیے۔ اس نے سوچا تھا تھوڑی دیر کے لیے کچھ سوچنے اور اس بچے کو سمجھنے کی مہلت مل جائے گی۔
اس بچے نے انھیں دوسرے کمرے میں جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک کرسی پر چڑھ کر باہر سے چٹخنی چڑھا دی۔ پھر کہا۔ ”یہ آئرن سیف اس کمرے سے ملحق ہے۔ اگر نمبر غلط ہوا تو میں سیف کو ڈائنامیٹ سے اڑا دوں گا۔ اسی کے ساتھ باپ بیٹی بھی اڑ جائیں گے۔“
سلطان پاشا نے چیخ کر کہا۔ ”شیطان کے بچے تم کون ہو؟ کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو؟ پہلے لاک کا نمبر زیرو زیرو تھری ہے اور دوسرے کا تھری زیرو زیرو ہے۔“
اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ پاشا دروازے سے کان لگا کر سننے لگا۔ ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید وہ تجوری کھول چکا تھا۔ پاشا نے چیخ کر کہا۔ ”تم اچھے بچے ہو۔ اس عمر میں چوری کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ تمھیں جتنی رقم کی ضرورت ہوگی، میں دوں گا۔“
دوسری طرف سے وہ بولا۔ ”جو بچہ اس قدر تربیت یافتہ ہو، وہ رقم کے لیے اتنی زحمت نہیں اٹھائے گا۔ میں تو ایک گدھے کی امانت لے جا رہا ہوں۔ اوکے سو فار۔ فار اوور۔۔۔“
اس کی دور جاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ میں ایسے وقت پاشا کے دماغ میں پہنچا جب وہ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ یہ سمجھنا آسان تھا کہ وہ میرا گم شدہ پارس اوّل تھا لیکن جو کچھ ہوا یہ محض بچوں کی کہانی کا ایک باب ہو سکتا تھا۔ میں یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ پانچ برس کا بچہ اس قدر تربیت یافتہ ہوگا اور مشین کے اس حصے کو لے اُڑے گا۔
میں نے سونیا کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اسی لمحے وہ کھڑکی سے چھلانگ لگا کر کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ سلطان پاشا کے دروازہ پیٹنے کی آواز سن رہی تھی۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی آئرن سیف کے پاس گئی اور ٹھٹک گئی۔ اس کے اندر جھانک کر تلاشی لی۔ وہ مجھے محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”یہ کیا مذاق ہے۔ تم نے کہا تھا اس میں مشین کا ایک حصہ موجود ہے؟“
میں نے پوچھا۔ ”تم اب تک کہاں تھیں؟“
”میں یہاں تک پہنچنے کے انتظامات میں مصروف تھی۔ یہاں آتے ہی رہائش گاہ کے باہر مردہ باڈی گارڈز نظر آئے۔ اسی وقت میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ یہ کیا ہو گیا فرہاد؟ کوئی مجھ سے پہلے ہاتھ صاف کر گیا۔“
”مشین کے اس حصے کو ہمارا پارس چرا کر لے گیا ہے۔“
وہ جھنجلا کر بولی۔ ”مذاق نہ کرو۔ تم نے خواہ مخواہ مجھے یہاں تک دوڑایا ہے۔“
”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ وہی کہہ رہا ہوں جو پاشا اور اس کی بیٹی کا دماغ کہہ رہا ہے۔“

"تمھاری خیال عوانی میں کوئی کھوٹ ہو سکتا ہے مگر پلیز مجھے بچوں کی کہانی نہ سناؤ۔"

وہ وہاں سے جلنے لگی اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اس نے کہا "پارس ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے، پتا نہیں وہ کن ہاتھوں میں ہوگا۔ تم سنجیدگی سے بتاؤ، یہ قصہ کیا ہے ؟"

"سونیا! چپ چاپ جا کر آرام کرو، جس بات کو میرا ذہن تسلیم نہیں کر رہا ہے، اسے تم سے کیسے تسلیم کرا سکتا ہوں۔ مجھے ذرا اس معاملے کو سمجھنے دو۔"

سیدھی سی بات ہے، یہ معاملہ اپنے مناسب وقت سے پہلے سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ ڈولی اور سلطان پاشا نے جو کچھ دیکھا اگر وہ سچ تھا تو پارس نے پچھلے دو تین برس کسی منجھے ہوئے ہاتھوں میں گزارے ہیں، جس نے اس کی پرورش کی، وہ کوئی غیر معمولی ہستی ہے جو میرے بیٹے کو ناقابلِ فہم عجوبہ بنا کر پیش کر رہی ہے۔

اور یہ بھی سیدھی سی بات ہے کہ میں اپنی داستان میں ایسے عجوبے کو تسلیم کرنا نہیں چاہتا، خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، چوں کہ داستان کے تسلسل میں یہ بات آگئی ہے لہٰذا اسے پیش کرتا جا رہا ہوں، دیکھنا یہ ہے کہ جو نظر آتا ہے، وہ ہے ؟ یا جو نظر نہیں آتا، وہ پیش آنے والا ہے ؟

میں نے کہا "سونیا! ساری باتیں بھول جاؤ کسی طرح پارس اوّل کو تلاش کرو، وہ اسی شہر میں ہے۔"

وہ بولی "اب تو صرف اسی کی تلاش میں خود کو وقف کرنا ہوگا۔"

یہ معاملہ طول پکڑ رہا تھا۔ اس کی تلاش میں ہم دو نہیں تھے۔ اب جرائم پیشہ افراد کی ایک پوری دنیا اسے ڈھونڈنے والی تھی۔ آخر وہ ایک طلسمی مشین کا حصہ لے گیا تھا۔ کون اس کا پیچھا چھوڑنے والا تھا ؟

جب شاریر اپنی امانت کے سلسلے میں اطمینان کرنے پاشا کے پاس آیا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ پانچ برس کے بچے نے یہ طوفان اٹھایا ہے، وہ غصے میں آکر پاشا اور ڈولی کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا "شاریر! تمھارا غصہ مشین کے اس حصے کو واپس نہیں لائے گا۔ ڈولی ایک معصوم لڑکی ہے، میرے بیٹے نے اسے وقتی طور پر بہن کہا ہے تو وہ میری بیٹی ہے۔ اسے نقصان پہنچانے کی حماقت نہ کرنا۔"

شاریر نے پوچھا "اچھا تو تم بیٹے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہے ہو۔"

"یقین کرو، اپنے بیٹے سے اب تک نہ میری ملاقات ہوئی ہے اور نہ ہی میں اس کے دماغ تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا ہوں

وہ کسی بہت بڑے شاطر کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔"

دشمن میری باتوں کا یقین نہیں کر سکتا تھا مگر اس نے ڈولی کو نقصان نہیں پہنچایا کیوں کہ اس کی بہن روزانہ میرے نشانے پر تھی۔ مگر یہ بات اس نے عام کر دی کہ فرہاد کا بیٹا پارس دریافت ہو چکا ہے اور وہ اسی شہر استنبول میں ہے۔

اب جرائم پیشہ افراد کے لیے دو چیزوں کا حصول ... اختیار کر گیا۔ ایک تو مشین کا وہ حصہ، دوسرا پارس جس کے ذریعے دشمن مجھے بلیک میل کر سکتے تھے بشرطیکہ وہ کسی کے ہاتھ آجاتا۔

سلطان پاشا اور ڈولی نے جو کچھ دیکھا اس کے مطابق ... حلیہ نشر کیا جا رہا تھا یعنی نام پارس۔ قد پونے تین فٹ، خوبرو، خوش لباس اور صحت مند، آنکھوں میں غیر معمولی چمک، ریوالور کے نشانے میں یکتا اور بے مثال، چال میں چیتا اور حال میں حاضر دماغ، پہلے ... ہے پھر بولتا ہے اور جب بولتا ہے تو کر گزرتا ہے۔

سب کی متفقہ رائے تھی کہ ایسا کوئی بچہ نہیں ہو سکتا، اس رائے کے باوجود سب اسے تلاش کر رہے تھے۔

طیارہ رن وے پر اترنے ہی والا تھا۔ جوجو نے ... بیلٹ باندھ لیا۔ کھڑکی کے باہر استنبول کے ایئرپورٹ کا ... دیکھنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اسے آزادی ملی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اب تک رسیوں سے بندھی ہوئی تھی۔ اب کھول دی گئی ہے، اور تنہا رہنے کے سلسلے میں ایک نیا اعتماد پیدا ہو رہا ... البتہ اس اعتماد کے دوران اسے بھائی آرمر بہت یاد آ رہا تھا کیو ... وہ اسے بھائی سے زیادہ باپ مانتی تھی۔

اس آزادی سے جو پہلا تجربہ ہوا، وہ یہ تھا کہ اچھی صو... بھی کیا بری شے ہے، جس نے ڈالی بری نظر ڈالی۔

نیویارک سے استنبول تک نہ جانے کتنے لوگوں نے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ نوخیز دوشیزہ کوئی لوٹ کا ما... کیوں کہ وہ تنہا تھی اور جب مال کا کوئی وارث نہ ہو تو سب اپنے لیے وقف کرنے لگتے ہیں۔ ایک شخص تو ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔ اس نے طیارے کی سیڑھیاں اترنے کے دوران ...

"ہیلو مس! میرا نام وکی ہے، ہم بہترین دوست بن سکتے ہیں۔"

جوجو نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کے دماغ میں ... اس کے قدموں کو ذرا سا لڑکھڑا دیا۔ وہ اپنا توازن قائم ... نصف زینے پر گرا، پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔ ... کھڑے ہوئے سیکیورٹی فورس کے دو آدمیوں نے اسے ... کر اٹھایا۔ وہ جھینپ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے جوجو کو دیکھ... وہ خاموش تھی، اس کے سامنے سے یوں گزر رہی تھی جیسے

سنا ہو اور نہ اسے گرتے دیکھا ہو۔

وہ چیختے ہوئے رنگوں کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ سرخ و سفید چہرے پر سیاہ چشمہ تھا۔ ناک نقشہ اور جسم کے لہراتے ہوئے خطوط ایسے دلکش اور جاذبِ نظر تھے کہ وہ مقابلۂ حسن میں اوّل آسکتی تھی۔ اس معصوم کو اپنے حسن و شباب کا احساس نہیں تھا، وہ مغرور نہیں تھی مگر جوانی کی چال میں آپ ہی آپ غرور آجاتا ہے اور یہ غرور دیکھنے والوں کو اپنے پیچھے لگا لیتا ہے۔

وہ پھر پیچھے آتے ہوئے کچھ بولنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی اس کا ایک پاؤں اپنے دوسرے پاؤں سے الجھ گیا، وہ اس کے برابر پہنچنے سے پہلے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ جوجو کو ہنسی آ رہی تھی لیکن وہ برداشت کر رہی تھی۔ آرمر نے اسے سمجھایا تھا "کسی کو چھیڑ کر ہنسو گی تو خیال خوانی کا شبہ ہوگا۔ کسی پر اپنی اس غیر معمولی صلاحیت کو ظاہر نہ کرو۔ جتنا کم بولو گی، اتنے ہی کم دشمن ہوں گے۔ لہٰذا بہت ضروری کام کی بات ہو تو کرو، ورنہ خاموش رہا کرو۔"

وہ بھائی آرمر کی نصیحتوں پر عمل کر رہی تھی۔ دورانِ سفر اس کے کاغذات کی چیکنگ کے وقت کسی افسر نے کوئی سوال کیا تو اس نے جواب دیا، ورنہ خاموش رہی۔ طیارے میں ایک ہم سفر بوڑھی عورت اونچا سنتی تھی۔ اس سے تو بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ ایئر ہوسٹس کے کچھ پوچھنے پر اس نے 'ہاں' یا 'نہ' کے انداز میں سر ہلا یا گونگے جوابات دیتی رہی۔ اور خوامخواہ لفٹ لینے والے جوان کا حشر تو دنیا نے بھی دیکھ لیا۔

بعض اوقات اچھی نصیحتوں پر عمل کرو تو اچھے نتائج نہیں نکلتے۔ اس کی خاموشی نے اسے پُراسرار بنا دیا۔ ایک نہایت کم سن دوشیزہ اتنی حسین، اتنی اسمارٹ اور اتنی خاموش ہو تو لوگ اسے دریافت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ بے چین ہوتے ہیں۔ وہ بے چاری یہ نہیں جان سکتی تھی کہ کتنی نگاہیں اس کے تعاقب میں ہیں اور جو تعاقب میں ہیں، ان میں دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں۔

وہ شانے سے بیگ لٹکائے ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوئی، ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے قریب آکر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا "بے چارہ دوبار گر پڑا۔ بائی دی وے اس کا قصور نہیں ہے، یہ تمھاری کم سِن جوانی کا نشہ ہے۔ لوگ تمھیں آنکھوں سے پیتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔"

وہ ہنسنے لگا۔ ہنستے وقت کھانسی آگئی۔ پھر وہ ہنستے ہنستے کھانسنے لگا۔ کھانسی کا دورہ ایسا تھا کہ وہ ہنسی بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بے اختیار کیوں کھانس رہا ہے۔ نہ چاہنے کے باوجود آپ ہی آپ یہ دورہ پڑ رہا تھا۔ ویسے بھی آدمی اپنی مرضی سے نہیں کھانستا۔ یہ تو سردی، بخار اور دوسری وجوہات کی بنا پر خود بخود اندر سے نکلتی ہے۔ بہرحال جب کھانسی ختم ہوئی تو اس نے اپنے سینے اور گلے کو سہلاتے ہوئے دور تک دیکھا، وہ کم سن، سیاہ گاگلز والی جا چکی تھی۔

وہ اپنا سامان ایک ٹرالی میں رکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی، یہ تمام سامان کسٹمز کا عملہ چیک کرے گا۔ چیکنگ کے لیے قطار میں رہنا ہوگا۔ بڑی بوریت ہوگی۔ اسے بھائی آرمر کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں شاریر بول رہا ہوں۔ دیکھو بیٹے! تمھیں چیکنگ کے بغیر وہاں سے گزارنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر ہم تمام بھائی فی الوقت بہت پریشان ہیں، مسلسل تمھارے دماغ میں نہیں رہ سکیں گے۔ لہٰذا قطار میں چلی جاؤ۔ باہر نکلتے ہی تمھیں ایک ذمے دار بہن کی حیثیت سے ایک اہم فرض انجام دینا چاہیے۔"

"بھائی آرمر کہتے ہیں میں بچی نہیں رہی۔ بڑی ہو گئی ہوں، اب مجھے بڑے بڑے کام کرنے چاہئیں۔"

"شاباش! کام کی بات سنو، ہماری ٹرانسفارمر مشین کا ایک حصہ چوری ہو گیا ہے۔ کیا تم اسے تلاش کرو گی ؟"

"آپ مجھے گائیڈ کریں۔"

شاریر نے اس حصے کی شکل اور تفصیل بتانے کے بعد کہا۔ "تم پورے استنبول کی سیر کرتی رہو اور پانچ برس کے ایک بچے کو تاڑنے کی کوشش کرو۔"

وہ خوش ہو کر بولی "وہ ملے گا تو میں دوستی کر لوں گی۔"

"بیٹے! پہلے پوری بات سنا کرو۔ تازہ ترین معلومات کے مطابق اس بچے کا نام پارس ہے اور وہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا ہے۔"

وہ سہم کر بولی "پھر تو میں دوستی نہیں کروں گی، اس کی پٹائی کروں گی۔ دشمن کا بیٹا دشمن ہوتا ہے نا ؟"

"ہاں اسی پارس نے ہماری مشین کا وہ حصہ چرایا ہے۔"

"پھر تو میں اسے ضرور تلاش کروں گی۔"

میں تھوڑی دیر کے لیے جوجو کو چھوڑ کر اس شخص کے پاس پہنچا جس نے میرے اور مورو کو کی گفتگو کے دوران فون پر بات کی تھی اور سلطان پاشا کے متعلق رپورٹ سنائی تھی۔ اس شخص کے ذریعے معلوم ہوا کہ گائی ڈی مورو کو کے آدمی پارس کو تلاش کرنے کے

لیے اپنے تمام ذرائع اور اثر و رسوخ استعمال کر رہے ہیں۔

اب دلچسپی ایک میں نہیں، دو معاملات میں تھی۔ وہ مشین بے حد اہم تھی اور پارس بھی کم اہم نہ تھا۔ اگر وہ کسی بھی خطرناک تنظیم کے ہتھے چڑھ جاتا تو میں اس کی سلامتی کے لیے دشمنوں کے سامنے بہت کمزور پڑ جاتا۔ جہاں تک ہتھے چڑھنے کا تعلق ہے، وہ اپنے باپ کے ہاتھ بھی نہیں لگ رہا تھا۔

ہم اُسے چھپا کر اس کی پرورش کرنا چاہتے تھے مگر وہ چھٹانک بھر کا لڑکا ایسے دھوم دھڑلے سے منظرِ عام پر آیا تھا کہ تمام جرائم پیشہ افراد شاید کھانا پینا چھوڑ کر اسے تلاش کر رہے تھے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے ماسک مین کی مصروفیات بھی معلوم کر چکا تھا۔ نیا سُپر ماسٹر بھی مشین اور پارس کے لیے دور تک جال بچھا چکا ہو گا۔ اب وہ کوئی نادیدہ بچہ تو نہیں تھا کہ کسی کو نظر نہ آتا۔ نہ جانے دیر سویر کس کے ہاتھ لگنے والا تھا۔

جوجو کو اپنا سامان چیک کرانے کے لیے ایک کسٹمز آفیسر نے اپنی طرف بلایا۔ اس آفیسر کے ساتھ دو اسسٹنٹ تھے، وہ چیک کر رہے تھے اور آفیسر سوالات کر رہا تھا۔ وہ سر اور ہاتھوں کے اشاروں سے جواب دے رہی تھی۔ اس نے پوچھا "کیا تم گونگی ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ایک اسسٹنٹ نے اٹیچی سے ایک پلاسٹک کی تھیلی نکال کر دکھاتے ہوئے کہا "سر! یہ لڑکی اسمگلر ہے۔ اس میں کوکین معلوم ہوتی ہے۔"

آفیسر نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ اشارے سے بولی "یہ تھیلی میری نہیں ہے۔"

"میرے دفتری کمرے میں چلو، میں تمھیں بولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

وہ اپنے سامان کے ساتھ ایک کمرے میں پہنچی، دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ آفیسر نے پوچھا "کون ہو تم؟"

جوجو نے اپنے پاسپورٹ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ غصے سے بولا "اسمگلر وہ نہیں ہوتے جو پاسپورٹ اور دیگر سرکاری کاغذات میں نظر آتے ہیں۔"

آخر وہ زبان سے بولی "اور آفیسر بھی وہ نہیں ہوتے جو وردی سے نظر آتے ہیں۔ تم تینوں کا تعلق کسٹمز سے نہیں ہے، اس کمرے سے باہر نکلتے ہی فراڈ کے الزام میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

وہ مسکرا کر بولا "ہم جانتے تھے، تم بہت گہری ہو۔ تمھاری یقیناً کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے سے شناسائی ہے۔ لہٰذا ہم وارننگ دیتے ہیں، ہمارے دماغ کو نقصان پہنچے گا تو تم زیادہ دیر سانس نہیں لے سکو گی۔"

میں نے اپنی مرضی کے مطابق جوجو کو کہنے پر مجبور کیا۔ وہ بولی۔ "میں کسی ٹیلی پیتھی والے کو نہیں جانتی، ویسے تمنا ہے کہ کسی سے دوستی ہو جائے۔ زندگی بڑے شاہانہ انداز میں گزرے گی۔"

وہ سخت لہجے میں بولا "سنو لڑکی! تم کون ہو؟ کیا ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ اور کس سے تعلق رکھتی ہو؟ یہ جلد معلوم ہو جائے گا۔ تم یہاں سے سامان لے کر نکلو گی تو تمھارے آس پاس ہمارے آدمی رہیں گے۔ میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر وہ تمھیں گولی مار سکتے ہیں۔ اس عمارت کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی ہو گی۔ اس کا ڈرائیور خود تمھارے لیے دروازہ کھولے گا۔ پھر تم اُس میں بیٹھ کر جاؤ گی۔"

وہ ابھی ان معاملات میں نادان تھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرنا چاہتی تھی۔ میں نے آمر کے لہجے میں کہا "ایسا ہرگز نہ کرنا۔ یہ جہاں لے جانا چاہتے ہیں، وہاں جاؤ، شاید ان لوگوں کے ذریعے تم اس چور پارس تک پہنچ جاؤ۔ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی بھائی تمھارے ساتھ رہے گا۔"

وہ میرے سمجھانے پر کمرے سے نکلی۔ ٹرالی پر سامان رکھ دیا گیا تھا۔ وہ اسے دھکیلتی ہوئی عمارت کے باہر جانے لگی۔ کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی جا رہی تھی۔ ابھی اسے دوستوں اور دشمنوں کو پہچاننا نہیں آتا تھا۔ اگر آتا تو شاید ایک قدم بھی نہ چل سکتی، کیوں کہ ابھی تو ایک نے اسے گھیرا تھا۔ آگے اور کئی گھیرنے والے تھے۔

عمارت کے باہر ایک ٹیکسی ڈرائیور نے اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اس کا سامان ڈکی میں رکھا جا رہا تھا۔ اور وہ کچھ سہمی ہوئی سی تھی۔ میں نے کہا "تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ تمھیں ٹیلی پیتھی آتی ہے۔ پھر تمام بھائی تمھارے ساتھ ہیں۔ ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

وہ مسکرانے لگی۔ سامان رکھ دیا گیا تھا۔ ڈرائیور نے آ کر... اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی۔ چابی گھما کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ ایک ذرا حرکت میں آئی۔ اُسی لمحے کوئی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آیا پھر دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کر دیا۔

ڈرائیور نے چونک کر سر گھماتے ہوئے پوچھا "کون ہو تم؟"

وہ ریوالور دکھاتے ہوئے بولا "ابھی میرا نام نہ پوچھنا۔ البتہ میرے باپ کا نام سنو گے تو گھبرا جاؤ گے۔ یہ ریوالور میری عمر سے بڑا ہے مگر نشانہ دیکھو۔ سامنے ڈلیش بورڈ پر، فورڈ، لکھا ہوا ہے۔ فورڈ کے حرف 'او' میں ایک گولی پیوست ہو رہی ہے۔"

بات ختم ہوتے ہی ٹھس کی آواز سنائی دی۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی نکلی اور حرف 'او' کو چھیدتی ہوئی کہیں گم ہو گئی۔ وہی ریوالور اس کی گردن سے لگ گیا۔ آواز آئی "میں دوسری بار نہیں بولوں گا۔ ریوالور بولے گا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گاڑی چلاؤ اور تیز رفتاری سے چلاتے جاؤ۔ ناؤ کم آن۔ ہری اپ۔"

گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ جوجو بڑی بڑی سیاہ آنکھیں پھیلائے اسے شدید حیرانی سے دیکھ رہی تھی!

جوجو شدید حیرانی سے اس بچے کو دیکھ رہی تھی جو اپنے ہاتھوں میں اپنی عمر سے بڑا ریوالور پکڑے صحیح نشانہ بازی کا مظاہرہ کر چکا تھا اور آئندہ نہ جانے کیا کرنے والا تھا۔ وہ اس کی آواز سن چکی تھی۔ اب اس کے دماغ میں پہنچنا چاہتی تھی لیکن خیال خوانی کی پرواز کے بعد واپس آ گئی۔ پتا چلا، اس ننھے سے دماغ کو کسی نے لاک کر دیا ہے۔ کوئی پرائی سوچ کی لہر اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

مجھے یاد آیا، سونیا نے ایک بار کہا تھا "پارس اوّل ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور شیبا اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی۔ کسی نے اس بچے کے دماغ کو لاک کر دیا ہے۔"

بہرحال، جوجو اس بچے کی طرف سے ناکام ہو کر ڈرائیور کی سوچ پڑھنے لگی کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں لے جانا چاہتا ہے؟ خیالات پڑھنے کے بعد پتا چلا، وہی عام سی بات ہے۔ وہ ایک معمولی آلۂ کار ہے۔ اسے کرائے پر حاصل کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی ٹیکسی میں جوجو کو اغوا کر کے ایک ویران علاقے میں لے جائے۔

وہ مناسب رفتار سے ٹیکسی چلا رہا تھا اور سوچ رہا تھا، اس کم بخت ننھے سے فتنے نے میری گردن سے ریوالور کو ہٹا لیا ہے۔ اگر یہ گردن پر رہے اور میں اچانک بریک لگاؤں اور پھر اپنی گردن ایک طرف کر لوں تو بچہ توازن قائم نہیں رکھ سکے گا، وہ آگے کو لڑھکے گا، میں اس سے ریوالور چھین لوں گا مگر اس کم بخت نے ریوالور کو گردن سے ہٹا لیا ہے۔

پارس نے پوچھا "تم ٹیکسی چلا رہے ہو یا گھوڑا گاڑی؟ رفتار بڑھاتے جاؤ۔ میں ایک بات دو بار نہیں بولتا۔ دوسری بار تمھارے ہاتھ پر گولی لگے گی۔"

ڈرائیور نے ہنستے ہوئے کہا "تم ایسا کر کے غلطی کرو گے۔ میرا ایک ہاتھ بے کار ہو جائے گا تو تیز رفتاری کیسے قائم رکھوں گا؟"

سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے کھٹ کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائیور کے حلق سے چیخ نکلی۔ اسٹیرنگ بہکنے لگا۔ اس نے دوسرے ہاتھ کے ذریعے کمال مہارت سے ڈگمگانے والی گاڑی کو قابو میں کیا۔ پیچھے سے پارس کی آواز سنائی دی "میں کہہ چکا ہوں، ایک بات کو دوبارہ نہیں بولتا۔"

گاڑی کی رفتار خاصی تیز ہو گئی۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا اور ایک ہاتھ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ پارس نے سیٹ پر سے اُٹھ کر پیچھے آنے والی گاڑی کو دیکھا۔ بے شمار گاڑیوں میں سے تعاقب کرنے والے دشمنوں کو پہچاننا بہت مشکل تھا۔ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں اسے اگلی اور پچھلی سیٹوں کے درمیان کھڑے ہوئے پایا۔ اس نے سوچا، یہی موقع ہے۔ گاڑی کو اچانک روکا جائے تو یہ چھوکرا اُلٹ کر میرے سامنے آئے گا۔

اسے پتا نہیں تھا، جوجو خیال خوانی کر رہی ہے۔ اسی لمحے اس نے پارس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا، دوسرے ہاتھ سے اگلی سیٹ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی اور رکتے رکتے ایک طرف گھوم گئی۔ پیچھے آنے والی گاڑیاں اس سے ٹکرائیں، پھر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے دائیں بائیں گھومنے لگیں۔ فٹ پاتھ پر بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ گاڑیاں فٹ پاتھ پر چڑھ کر دکانوں میں گھس رہی تھیں۔ شوکیس کے شیشے ٹوٹ کر دور تک بکھر رہے تھے۔ بھری پُری شاہراہ پر جیسے قیامت برپا ہو گئی تھی۔ کچھ لوگ حادثے کی وجہ معلوم کر رہے تھے اور کچھ گاڑیوں والے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔

دو گاڑیوں سے چار افراد تیزی سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس ٹیکسی کی طرف آئے۔ ڈرائیور کو چوٹیں آئی تھیں، وہ باہر نکل رہا تھا۔ اس کی وجہ سے پیچھے آنے والی گاڑیوں کو نقصان پہنچا تھا۔ وہ لوگ اسے باہر نکلنے سے پہلے ہی کھینچ رہے تھے۔ آنے والے چار آدمیوں نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا پھر چیخ کر پوچھا "وہ کہاں گئی؟"

انھیں پتا ہی نہ تھا کہ ایک ننھے سے فتنے نے پہلے ٹیکسی والے کو اغوا کیا، اس کے بعد جوجو کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بھیڑ سے نکال کر لے جا رہا تھا۔ جوجو نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا "کہاں کھینچے لیے جا رہے ہو، میرا سامان ٹیکسی میں ہے۔"

اس نے کہا "فکر نہ کرو، سامان تمھارے پاس پہنچ جائے گا۔"

"کیسے پہنچے گا، کچھ معلوم تو ہو؟"

"میرے ساتھ دوڑتی چلو، ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

وہ واپس ٹیکسی کی طرف جانا نہیں چاہتی تھی۔ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی، وہاں خطرہ ہے۔ اگر آگے بھی کہیں خطرہ ہو گا تو یہ ننھا سا دوست پہلے کی طرح اسے بچائے گا۔ بہرحال وہ... دوڑتی ہوئی بھیڑ سے نکلتی ہوئی ایک گلی میں داخل ہوئی۔ پھر پارس

کے ساتھ کئی گلیوں کے چکر کاٹتے ہوئے اسی مین روڈ پر بہت دور پہنچ گئی جہاں بھیڑ نہیں تھی لیکن سامنے ہی پولیس اسٹیشن تھا۔ پارس نے کہا: "دیکھو ہم یہاں رپورٹ لکھوانے جا رہے ہیں، تم یہ بات ہرگز نہ کہنا کہ میرے پاس ریوالور تھا۔"

وہ تھانے پہنچ گئے۔ وہاں جوجو نے اپنی بپتا سنائی کہ کس طرح اسے ائیرپورٹ سے ایک ٹیکسی ڈرائیور اغوا کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی ریوالور لیے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ انھیں دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے دو بار گولی چلائی، دوسری بار خود اس کے ساتھی ڈرائیور کے ہاتھ میں گولی لگی پھر مین روڈ پر حادثہ پیش آیا تو وہ کسی طرح جان بچا کر پولیس اسٹیشن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

پولیس آفیسر نے دونوں کو آباصوفیا کے ایک بڑے سے مہنگے ہوٹل میں پہنچوا دیا۔ جوجو نے اپنے لیے ایک کمرہ لیا اور پارس سے کہا: "جب تک میرا سامان نہیں ملے گا میں تمھیں جانے نہیں دوں گی۔"

"کون کم بخت تمھیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔"

وہ دونوں لفٹ کے ذریعے کمرے میں پہنچے۔ پارس وہاں پہنچتے ہی ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ گیا، دونوں پاؤں سینٹر ٹیبل پر پھیلا دیے۔ جوجو دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ پارس نے بھی اس کی نقل کرتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھنا شروع کیا۔ اس نے پوچھا: "مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

اس نے مسکرا کر ایک آنکھ دبا دی، وہ بھڑک کر بولی۔

"اے خبردار، میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"میں بھی ایسی ویسی لڑکی کو آنکھ نہیں مارتا۔"

"آخر تم ہو کون؟ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

"آج سے پہلے تمھیں جانتا بھی نہیں تھا۔ آج میں تمھاری جان بھی چاہتا ہوں، پہچان بھی چاہتا ہوں۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی: "کیا کہا تم نے؟ میری جان چاہتے ہو؟"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا: "ارے بابا! عمدہ فقروں کی ادائیگی کو سمجھا کرو، لطف آیا کرے گا۔ تم تو دیکھنے میں جوان اور سمجھنے میں نادان ہو۔"

"نادان ہو گے تم۔ میں تو بہت عقلمند ہوں، اسی لیے تو آزادی سے دنیا کی سیر کرنے نکلی ہوں۔"

"انگلی پکڑنے کے لیے کسی کو ساتھ لینا چاہیے تھا۔ کوئی بات نہیں، میں تمھارے ساتھ ہوں۔"

"ہوں، بڑے ساتھ ہو۔ دیکھنے میں تو اتنے سے ہو۔ کیا میں بالشت سے ناپ کر دیکھوں۔"

"ابھی نہیں، پندرہ برس کے بعد ناپ کر دیکھنا۔ تمھاری بالشت چھوٹی پڑ جائے گی۔"

وہ چونک کر بولی: "اے تمھاری باتوں کا کچھ اور مطلب تو نہیں ہوتا ہے نا؟"

پھر وہ خود ہی چونک کر بولی: "ارے میں تو بھول ہی گئی تھی، بھائی نے سمجھایا تھا کسی بھی مرد سے دوستی نہ کرنا۔ چلو نکلو میرے کمرے سے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ پارس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کو کھولا۔ ہوٹل کے ملازم جوجو کا سامان لے آئے تھے۔ اس نے کہا: "دیکھو میں نہ کہتا تھا، سامان تمھارے پاس خود پہنچ جائے گا ـــــ ذرا سی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔"

وہ اسے گھور کر دیکھنے لگی۔ جب ملازم چلے گئے تو اس کی طرف غصے سے بڑھتے ہوئے بولی: "تم ملازموں کے سامنے مجھے بے عقل کہہ رہے تھے۔"

وہ سچ مچ مارنے آ رہی تھی، وہ اچھل کر سینٹر ٹیبل پر چڑھ گیا، جیسے ہی اس نے مارنے کے لیے ہاتھ گھمایا، اس نے ہاتھ پکڑ لیا، پھر دوسرے ہاتھ سے اسے سہلاتے ہوئے بولا: "بازار میں اس ہاتھ کو تھاما تھا، تب پریشانی کا عالم تھا۔ اب یہ کتنا نازک، کتنا ملائم، پھول کی پتی کی طرح لگ رہا ہے۔"

وہ ہاتھ کھینچ کر بولی: "ارے کیا تم مجھ سے عشق کر رہے ہو؟"

"ہاں، میں اس معاملے میں دیر نہیں کرنا چاہتا ورنہ اندھیر ہو جائے گا۔"

"اندھیر کیسے ہو گا؟"

"میرا باپ مجھ سے بھی بڑا عاشق ہے، کہیں تم پر نظر پڑ گئی تو میں دیکھتا رہ جاؤں گا۔"

میں جوجو کے دماغ میں تھا، مجھے بڑا غصہ آیا۔ کم بخت اپنے باپ کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پارس نے سینٹر ٹیبل پر چھلانگ لگائی، دوڑتا ہوا ٹیلیفون کے پاس گیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے اس کے دوسرے اسپیکر کو آن کر دیا تاکہ جوجو بھی آواز سن سکے۔ اس نے کہا: "ہیلو۔"

دوسری طرف سے آواز آئی: "تم کون ہو اور کس کمرے میں ہو؟"

پارس نے پوچھا: "آپ کس کمرے سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں مس جینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ چند لمحوں کے بعد آواز بدل کر بولا: "میں جینی ہوں اور کمرہ نمبر فون سے بول رہی ہوں۔"

جوجو اسے حیرانی سے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل اسی کی آواز اور اسی کے لہجے میں بول رہا تھا۔ دوسری طرف سے وہ شخص بول رہا تھا: "مس جینی، تم نے ائیرپورٹ سے یہاں تک ثابت کر دیا ہے کہ تم صرف پُراسرار ہی نہیں، چالاک بھی ہو۔"

پارس نے جوجو کی آواز میں کہا: "مسٹر! کام کی بات کرو۔"

"ہم تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں مردوں سے دوستی نہیں کرتی، پہلے ہی ایک مرد میرے سر پر سوار ہے۔"

یہ کہتے ہوئے پارس نے جوجو کی طرف دیکھا اور ایک آنکھ دبائی۔ جوجو نے بھڑک کر کہا: "اے خبردار، میں تیری آنکھیں پھوڑ دوں گی۔"

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی پارس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ دیا تھا تاکہ دوسری طرف اس کی آواز سنائی نہ دے۔ وہ شخص پوچھ رہا تھا: "کیا تمھارے کمرے میں کوئی موجود ہے؟"

"ہاں، ایک فتنہ ہے جو مجھ پر قیامت ڈھا رہا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے پارس نے پھر مسکرا کر جوجو کو دیکھا، وہ مارنے کے لیے لپکی۔ پارس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "کیا کر رہی ہو، بات تو کرنے دو۔"

اس نے ریسیور چھین کر کہا: "اے الو کے پٹھے، کیوں ہمارا وقت برباد کر رہے ہو؟ بکواس کرنا ہے تو کسی اور سے رابطہ قائم کرو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ اسی وقت تک پارس بستر پر کروٹیں بدلتا ہوا دوسری طرف چلا گیا تھا۔ جوجو نے کہا: "میں تمھیں نہیں چھوڑوں گی، اس کمرے سے نکلنے نہیں دوں گی۔ ایسی پٹائی کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

"بے شک پٹائی کر لینا مگر کچھ عقل سے کام لو، جس شخص کی آواز سنی ہے، اس کے دماغ میں پہنچو کیوں کہ تم خیال خوانی کرنا جانتی ہو۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی، پھر اس نے پوچھا: "تم کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمھارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں، لہٰذا جو مشورہ دیتا ہوں، اس پر عمل کرو۔ جو لوگ تمھارے پاس براہِ راست نہیں پہنچ سکیں گے، وہ بالواسطہ پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ تمھارے کھانے پینے کی چیز میں کوئی ایسی چیز ملائیں گے کہ تم بے بس ہو جاؤ گی، خیال خوانی کرنے کے قابل نہیں رہو گی۔ اے نادان لڑکی، کچھ اس مرد کی عقل سے کام لے جو تیرے سامنے کھڑا ہوا ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بستر پر بیٹھ گئی۔ پھر بڑبڑانے لگی: "میں نے زندگی میں پہلی بار تین فٹ کا مرد دیکھا ہے۔"

میں نے تھوڑی دیر کے لیے انھیں چھوڑ دیا اور سونیا کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا: "میں جانتی تھی، آج کل تم جلد جلد آتے جاتے رہو گے۔"

"تم بہت خبیث عورت ہو۔"

"اب کیا ہو گیا؟"

"تم جو چکر چلا رہی ہو، وہ میری سمجھ میں آ رہا ہے۔"

"ذرا مجھے بھی سمجھاؤ۔"

"تم سمجھتی ہو، ایک پانچ برس کا بچہ ریوالور کا صحیح نشانہ لگائے گا اور بڑے بوڑھوں کی طرح بہت ہی تلی تُلی اور گہری گفتگو کرے گا تو یقین آ جائے گا کہ وہ کوئی افلاطون کا بیٹا پارس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی صلاحیتیں دی ہیں، وہ بچہ ہو کر بوڑھوں کی طرح بولتا ہے اور ننھا سا جسم رکھ کر سپاہیوں کی طرح صحیح نشانہ لگاتا ہے۔"

"تم ایک ہی بات بار بار دہرا رہے ہو، آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"پارس کے پیچھے شیبا کی خیال خوانی کام کر رہی ہے، یہ میں پورے یقین سے کہتا ہوں۔"

"جب تمھیں یقین ہے تو پھر مجھے بھی یقین آنا چاہیے۔"

"دیکھو سونیا، انجان نہ بنو۔ اگر میں استنبول میں ہوتا تو سچ کہتا ہوں، اس وقت تمھارا منہ توڑ دیتا، ضرور توڑ دیتا۔"

"کبھی اپنی دھمکی پر عمل کر کے تو دکھاؤ۔ کتنی حسرت ہے کہ منہ توڑنے کے لیے آؤ مگر آؤ تو سہی۔"

"سونیا! میں نے تمھیں بتایا تھا کہ مشین کا وہ حصہ جو روزانہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ کس کے پاس ہے۔ اس کے بعد تم نے وعدہ کیا تھا، خود وہاں جا کر اس حصے کو اس کی تجوری سے نکال لاؤ گی لیکن ہوا یہ کہ تم سے پہلے پانچ برس کا ایک بچہ پہنچ گیا۔ تمھاری اور شیبا کی پلاننگ تھی کہ پہلے وہ بچہ اس حصے کو لے کر نکل جائے، اس کے بعد تم پہنچو اور ناکام رہو اور دنیا والوں کو یہ دکھاؤ کہ

ایک ننھا سا بچہ حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہا ہے۔ آخر تم اور شیبا یہ کیوں چاہتی ہو، کیوں پارس اوّل کی پبلسٹی کر رہی ہو؟"

"یہ تم نے پبلسٹی کا نہایت ہی مناسب لفظ استعمال کیا ہے۔ جو بات ابھی بتانا نہیں چاہتی تھی، چلو بتا رہی ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ شیبا ہم سب سے الگ رہ کر اپنے طور پر بڑے کارنامے انجام دینا چاہتی ہے لہٰذا میں اس کی اَنا اور خود داری کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے رہی ہوں۔ منصوبہ میں بناتی ہوں، عمل وہ کرتی ہے اور اس طرح جو بھی کارنامہ ہوگا، اس کا سہرا اسی کے سر جائے گا۔"

"تم تمہید باندھ رہی ہو، اصل بات کرو۔"

"اصل بات یہ ہے کہ ہم پارس اوّل کی خوب پبلسٹی کرنا چاہتے ہیں۔ اتنی پبلسٹی کہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس ننھے سے بچے کے نام کا ڈنکا بجتا چلا جائے۔ جب ہندوستان میں یہ خبر پہنچے گی کہ پارس تو استنبول میں ہے اور وہ ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہا ہے جن کی توقع ٹیلی پیتھی جاننے والے ماں باپ کی اولاد سے ہی کی جاسکتی ہے، تب وہ اپنے قیدی پارس سے بددل ہو جائیں گے۔ اسے شک و شبہے سے دیکھیں گے۔ جسے پارس سمجھ کر ملٹری بیرک میں چھپا رکھا ہے، وہ محض ایک فریب نظر آئے گا اور جب ان کے شکوک و شبہات تقویت اختیار کرتے جائیں گے تو قیدی پارس پر سے پہرا کمزور ہوتا جائے گا۔ ہوسکتا ہے، وہ اسے بیرک سے نکال دیں یا تم اور رسونتی اسے وہاں سے بہ آسانی نکال لینے میں کامیاب ہو جاؤ۔"

سونیا کی باتیں سن کر میں "واہ واہ" کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "خدا کی قسم سونیا! تم بے شمار ذہانت اور بے شمار مکاریوں کی ملکہ ہو۔ تم کتنی ذہانت اور مکاری سے یہ بات دور تک پھیلا رہی ہو۔ اب سبھی اس پارس اوّل میں الجھتے رہیں گے اور پارس دوم مشکوک ہوتا رہے گا۔"

میں نے کہتے کہتے کچھ سوچا، پھر کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی، پارس اوّل کی اس قدر پبلسٹی ہونے کے بعد وہ یقیناً دشمنوں کے ہتھے چڑھے گا۔ کیا اس کی جان کو خطرہ نہیں ہوگا۔ کیا وہ ہمارا پارس نہیں ہے؟"

"فرہاد! میں قسم کھا کر کہتی ہوں، مجھے بھی یہ نہیں معلوم ہے کہ ہمارا اصل پارس کون ہے۔ استنبول میں ہے یا دہلی میں ہے۔ اگر ہمارا پارس اوّل دشمنوں کے ہتھے چڑھتا ہے تو کیا ہوا، ہم بھی تو دشمنوں سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ اس بچے کی حفاظت، میں کر رہی ہوں، شیبا کر رہی ہے۔ وقت آئے گا تو تم بھی کرو گے۔ پھر ہمیں اپنی اولاد کو چار دیواری کے اندر چھپا کر تو نہیں رکھنا ہے۔ دنیا میں بے شمار حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کتنے حادثوں سے اپنی اولاد کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جب ایسا نہیں کر سکتے تو پھر انھیں پوری آزادی سے دنیا کے سامنے پیش کر دینا چاہیے اور ان کی حفاظت کرتے رہنا چاہیے۔"

"نہیں سونیا، تم جتنی آسانی سے یہ بات کہہ رہی ہو، میں اتنی آسانی سے تسلیم نہیں کروں گا۔ تم پھر کوئی چال چل رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ، جس پارس کو تم اتنی پبلسٹی دے رہی ہو، جسے چارے کے طور پر دشمنوں کے سامنے پیش کر رہی ہو، کیا واقعی تم سمجھتی ہو کہ وہ ہمارا پارس ہے اور اگر نہیں سمجھتی ہو تو کیا ایک معصوم بچے کو اس طرح چارا بنا کر پیش کرنا مناسب ہے؟"

"میں تمھارے ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی۔ جو بات تمھاری سمجھ میں آتی ہے، تم سمجھو۔ نہ سمجھ میں آئے تو وقت کا انتظار کرو۔"

"میں وقت کا انتظار نہیں کروں گا۔ تم پر میرا پورا پورا حق ہے، تم مجھے اصل بات بتاؤ۔"

"ویری ویری سوری۔ میں شیبا سے وعدہ کر چکی ہوں، ہر ممکن طریقے سے پہلے اس کی حمایت کروں گی اور اس کی حمایت اس لیے کر رہی ہوں کہ ہمارا پارس ہر حال میں محفوظ رہے اور ایک غیر معمولی انسان بن کر دنیا والوں کے سامنے ابھرتا چلا جائے۔"

میں نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ "اچھی بات ہے، میں خود ہی اپنے طور پر سمجھوں گا کہ تم کیسی چالیں چل رہی ہو۔ فی الحال یہ بتاؤ، پارس جوجو کے ساتھ رہے گا تو جوجو دنیا والوں کے سامنے بے نقاب نہیں ہوگی؟ کیا خطرناک تنظیموں کے سربراہوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ انہی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی بہن ہے؟"

"میں تو یہی چاہتی ہوں، اسی لیے تو پارس کو جوجو کے پیچھے لگا دیا ہے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا اور کہا۔ "میری کھوپڑی تمھاری طرح کام نہیں کرتی۔ خدا کے لیے بتاؤ، اس کا مقصد کیا ہے؟"

"مقصد یہی ہے کہ جوجو بے نقاب ہو جائے۔ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی بہن ہے، تب جتنے بھی خطرناک مجرم ہیں، وہ سب مشین کے اس حصے کو حاصل کرنے کے لیے جوجو کو پریشان کریں گے، اسے اغوا کرنے کی کوششیں کریں گے لیکن ہم پارس کی طرح جوجو کی بھی حفاظت کرتے رہیں گے اور ان سب باتوں کا مقصد صرف ایک ہے کہ دشمن ہمارے سامنے بے نقاب ہوتے رہیں، ہمارے سامنے آتے جاتے رہیں اور ہم ان سے نمٹتے رہیں۔"

سونیا جال بچھانے اور دشمنوں کو پھانسنے کا ہنر خوب جانتی تھی۔ اس کا دماغ نئی نئی مکارانہ تدبیریں سوچتا اور ان پر عمل کرتا رہتا تھا۔ میرا دماغ اتنی دور تک کام کر ہی نہیں سکتا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں بیک وقت کئی معاملات میں الجھا رہتا تھا۔

میں پہلی فرصت میں پارس اور جوجو کے پاس پہنچنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے اپنے حالات کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ میں ڈاکوؤں کی سردار کلپنا کماری عرف رانی سردار کے ساتھ ایک سرائے میں قیام کر رہا تھا۔ ہمارا باڈی گارڈ شمبھو دادا پاس والے کمرے میں جاگ رہا تھا اور ہماری حفاظت کے لیے پوری سرائے کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ باقی ساتھی انبالہ گئے ہوئے تھے تاکہ وہاں سے کوئی گاڑی خرید کر لائیں اور ہم اس کے ذریعے دہلی پہنچ جائیں۔ رانی سردار کے دو اہم بازو تھے۔ ایک شنکر، دوسرا ہریا۔ میں نے شنکر سے کہہ دیا تھا کہ وہ انبالہ سے سیدھا دہلی پہنچ جائے اور ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں ہماری رہائش کا انتظام کرے۔ ہوسکے تو کوئی بڑی سی کوٹھی ہمارے لیے خرید لے۔ اس کے پاس لوٹی ہوئی نقدی اور زیورات اتنے تھے کہ وہ دہلی کے مہنگے سے مہنگے علاقے میں بڑی سے بڑی کوٹھی خرید سکتا تھا۔

کلپنا کماری عرف رانی سردار پانچ گھنٹے کی نیند پوری کرنے کے بعد بیدار ہو گئی تھی۔ مجھے بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "کلپنا! تم بہت سندر ہو مگر میں ہمیشہ تمھارا ساتھ نہیں دے سکوں گا کیونکہ ہم دہلی پہنچیں گے تو میری بیوی وہاں موجود ہوگی۔"

"میں سمجھ گئی۔ شریمتی رسونتی دیوی آپ کے سواگت کے لیے دہلی میں موجود رہیں گی۔"

"وہ کوئی پرانی قسم کی دیوی نہیں، ماڈرن زمانے کی اعلیٰ بی بی ہے۔"

سچ تو یہ ہے کہ ان دنوں اعلیٰ بی بی بہت یاد آ رہی تھی، میرے تصور میں گھوم رہی تھی۔ اس سے روبرو ملاقات ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ پارس کو فوجی بیرک سے نکالنے میں اسی کی ذہانت کام آ سکتی تھی۔

میں نے جناب شیخ الفارس کو مخاطب کیا۔ انھوں نے کہا۔ "فرہاد! تم رابطہ قائم کرنے میں ایک عرصہ لگا دیتے ہو۔ اب تو شیبا بھی نہ رہی۔ ہمیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ہم کسے مخاطب کریں۔ کس سے کہیں کہ نادیدہ دشمن ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نے آپ سے رابطہ قائم کرنے میں دیر کر دی۔ بائی دی وے، کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ رسونتی بھی خیال خوانی کر سکتی ہے اور وہ اپنے بیٹے سے رابطہ قائم کرتی رہتی ہے؟"

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں ہم روحانی عمل سے سمجھتے ہیں لیکن بظاہر نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ میں رسونتی کے متعلق ایک عرصے سے جانتا ہوں، وہ دماغی طور پر صحت یاب ہے اور خیال خوانی کر سکتی ہے۔ چونکہ اس نے خود کو اس حیثیت سے ظاہر نہیں کیا، اس لیے میں نے بھی اس کی لاج رکھ لی۔ ویسے میں اس کے دل اور دماغ کو سمجھتا ہوں، وہ بہت اچھی ہے، کبھی ہم سے بے وفائی نہیں کرے گی۔ کبھی دشمنوں کے بہکاوے میں نہیں آئے گی۔ بیٹے، صاف بات یہ ہے کہ میں اپنی رسونتی بیٹی پر اس قدر اعتماد کرتا ہوں کہ اس کے خلاف تمھاری زبان سے بھی کچھ سننا گوارا نہیں کر سکتا۔"

"محترم، آپ پارس اوّل اور پارس دوم دونوں کے متعلق بہت کچھ معلوم کر چکے ہیں۔ کیا پارس دوم کو فوجی بیرک میں پابند رہنا چاہیے؟"

انھوں نے جواب دیا۔ "ہرگز نہیں۔"

میں نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح کلپنا کماری عرف رانی سردار کو ٹریپ کیا ہے اور اس کے ذریعے دہلی میں ایک اڈا قائم کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے لفظ اڈا بہت ہی بیک ورڈ ہے۔ میں جدید ترین اسمگلر کی حیثیت سے کلپنا کماری کو منظرِ عام پر لانا چاہتا ہوں۔ جہاں بڑے سے بڑے پولیس افسران کو وہ خرید سکتی ہے۔ اس کے بعد میں پارس کو اس فوجی بیرک سے نکالنا چاہتا ہوں۔"

جب انھوں نے پوری تفصیل سنی تو میرے منصوبے کی حمایت کی۔ انھوں نے کہا۔ "بہت اچھا منصوبہ ہے۔ تم اس پر عمل کرو گے تو ان شاء اللہ کامیاب رہو گے۔"

"اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے مجھے ایک نہایت ہی ذہین ساتھی کی ضرورت ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں، میں مختلف معاملات میں الجھا رہتا ہوں۔ کسی ایک طرف مکمل طور پر دھیان نہیں دے سکتا۔"

"صاف طور پر کہو، تمھیں اعلیٰ بی بی کی ضرورت ہے۔"

میں نے کہا۔ "جی ہاں۔"

"وہ کل تک دہلی پہنچ جائے گی۔"

"اعلیٰ بی بی اپنے اصل روپ میں رہے گی، صرف نام بدل

جائے گا اور اس کا نام ہوگا کلپنا کماری۔"

کلپنا کماری عرف رانی سردار کا دستِ راست ہریا جو اب میرا دستِ راست تھا اور میرا عقیدت مند تھا، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک ویگن کار خرید کر لے آیا تھا۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں پہننے کے لیے عمدہ ملبوسات، میک اَپ کا سامان اور دوسری ضرورت کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ پہلے جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے کے باعث ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں، غسل کرنے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ اگر وقت ملتا تو پانی نہیں ملتا تھا۔ میری ہدایت پر سب نے اپنی داڑھیاں مونڈھ لیں۔ چہرہ صاف کیا، غسل وغیرہ کرکے نئے لباس پہن کر اپ ٹو ڈیٹ بن گئے۔ ان میں سے کوئی میک اَپ میں نہیں تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ ڈاکے ڈالنے کے دوران اپنے چہرے پگڑیوں میں چھپائے رکھتے تھے لہٰذا ڈاکو کی حیثیت سے پہچانے نہیں جاسکتے تھے البتہ میں نے اپنے چہرے پر معمولی تبدیلیاں کی تھیں تاکہ ہمیشہ میک اَپ میں نہ رہنا پڑے اور کوئی مجھے پہچان بھی نہ سکے۔

رانی سردار ڈاکا ڈالنے کے دوران کبھی پتلون اور جیکٹ پہنتی تھی اور کبھی دھوتی اور قمیص پہن کر رہتی تھی۔ میں نے پہلی بار اسے ساری میں دیکھا تو بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ایک تو کسا ہوا بدن تھا۔ اس پر سے ساری نے اس کے حُسن کو اور نکھار دیا تھا۔ میں نے اس کی تعریف کی تو خوش ہوکر بولی۔ "تعریف صرف زبان سے نہیں، ہونٹوں سے بھی کرنا چاہیے۔"

میں مسکرا کر پھر اس کی تعریفیں کرنے لگا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم اس ویگن کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ میں نے کہا۔ "کلپنا! مجھے مخاطب نہ کرنا۔ میں تھوڑی دیر شنکر کے ساتھ رہوں گا۔"

شنکر دہلی پہنچ چکا تھا اور سونے کے زیورات بیچنا چاہتا تھا۔ وہ زیورات کوئی تولہ، دو تولہ نہیں بلکہ بیس پچیس سیر تھے۔ اتنے زیورات بیچنے والے کو سبھی شبہے کی نظروں سے دیکھ سکتے تھے۔ اس نے ایک ساہوکار سے خفیہ طور پر بات کی۔ ایسے وقت میں اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ "تم اطمینان رکھو، اسے زیورات لاکر دو۔ اگر یہ کوئی چال چلے گا تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

شنکر تمام مال کی گٹھری اٹھا کر اس اڈے پر آیا جہاں ساہوکار چوری کا مال خریدا کرتا تھا۔ وہ زیورات وزن میں پندرہ سیر تھے۔ ساہوکار نے کہا۔ "یہ تو چوری کا مال ہے۔ میں آدھی قیمت دیتا ہوں۔"

شنکر نے میری ہدایت کے مطابق کہا۔ "جو دینا چاہو، دے دو مگر ہزار ہزار کے نوٹ دو۔"

ان دنوں سونے کا جو بھاؤ تھا، اس کے مطابق آدھی قیمت ملنے پر بھی ستر ہزار کی رقم بنتی تھی۔ جب وہ ساہوکار تجوری کھول کر ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈی نکالنے لگا تو میں اس کے دماغ پر قابض تھا۔ میں نے اس کی تجوری سے تقریباً پانچ لاکھ روپے نکالے، انھیں بریف کیس میں رکھوایا۔ پھر وہ بریف کیس شنکر کے حوالے کر دیا۔ جب وہ چلا گیا تب میں نے آہستہ آہستہ اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے گھبرا کر اپنے سر کو ٹٹولا، حیرانی سے چاروں طرف دیکھا۔ پھر دوڑتا ہوا تجوری کی طرف گیا۔ اسے کھولنے پر پتا چلا کہ تجوری خالی ہوچکی ہے، وہ اپنا سر پیٹنے لگا۔ شنکر کا حلیہ سوچنے لگا مگر اس کا حلیہ گڈمڈ ہو رہا تھا، اچھی طرح یاد نہیں آرہا تھا۔ میں اسے یاد کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

شنکر ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا اخبار کھول کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "جائداد کی خرید و فروخت کے سلسلے میں جو اشتہارات ہیں، انھیں پڑھ کر دیکھو۔"

"میں یہی پڑھ رہا ہوں۔ دہلی شہر کے بہت مہنگے علاقے میں دو شاندار کوٹھیاں ہیں۔ مگر قیمت بہت زیادہ ہوگی۔"

"قیمت کی پروا نہ کرو، یہ تو دیکھو شہر کے باہر کوئی جائداد فروخت کے لیے ہے یا نہیں؟"

وہ ایک جائداد کے سلسلے میں پڑھنے لگا۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر سُن رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "یہ مناسب ہے۔"

اس نے کہا۔ "جناب! دو سو ایکڑ زمینیں بک رہی ہیں اور ان زمینوں کے ساتھ ایک محل نما بہت بڑی کوٹھی ہے۔ آپ اندازہ کریں، کم از کم پندرہ بیس لاکھ تو ضرور اس کی قیمت ہوگی۔"

"میں کہہ چکا ہوں، رقم کی بات نہ کرو۔ تمھارے پاس جو ہے اسے پیشگی کے طور پر ادا کروا دو اور پکے کاغذات پر معاملات طے کرلو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمھارے پاس آؤں گا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ ہماری ویگن کار تیز رفتاری سے جارہی تھی۔ سب خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جانتے تھے، میں خیال خوانی کر رہا ہوں لہٰذا شور نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے کہا۔ "تم سب گونگے کیوں بن گئے ہو؟ آپس میں باتیں کیا کرو، ہنستے بولتے رہا کرو۔ میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

وہ مسکرانے لگے، پھر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مجھے پھر پارس اوّل اور جوجو کے پاس جانا تھا مگر میں پارس دوم کی خبر لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا چپکے سے اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہاں رسونتی موجود تھی۔ اپنے بیٹے کو علم ریاضی کا ایک مشکل سوال حل کرکے بتا رہی تھی۔ رسونتی کی تعلیم اتنی نہیں تھی کہ وہ مشکل سوالات کے جوابات اپنے بچے کو سمجھا سکتی۔ میں نے پارس کے دماغ میں سوچ پیدا کی۔ اس کے مطابق اس نے پوچھا۔ "ماما! آپ اتنے مشکل سوال کس طرح حل کرلیتی ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "ماں وہی ہے جو اولاد کی خاطر مشکل سے مشکل حالات سے گزرنا جانتی ہو۔ ابتدا میں میرے حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی پھر ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے کچھ پڑھے لکھے بغیر دنیا کی کئی زبانیں سیکھنے کا موقع ملا اور جو معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں، خیال خوانی کے ذریعے کرلیتی ہوں۔ مجھے پھر بھی تعلیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن تمھارا سراغ ملا تو اس وقت تم چار برس کے تھے۔ میں نے سوچا، اگر میں نے اپنی اولاد کو خود تعلیم نہ دی اور دوسروں پر بھروسا کیا تو تمھیں وہاں سے نکالنے اور اپنے پاس لاکر تعلیم دلانے میں کافی وقت ضائع ہوگا۔ وہاں فوجی بیرک میں تمھیں جو تعلیم دی جاتی، وہ میرے لیے تسلی بخش نہ ہوتی۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی۔ "تب میں نے اپنے بزرگ جناب شیخ الفارس سے درخواست کی کہ مجھے فوری کتابیں اور ایسے استاد کی خدمات فراہم کی جائیں جو مجھے بہتر سے بہتر تعلیم دے سکے۔ چنانچہ میں ایک بہت ہی اچھے استاد سے تعلیم حاصل کرتی ہوں اور جو حاصل کرتی ہوں، وہ تمھارے دماغ تک پہنچا دیتی ہوں۔"

"پھر تو آپ میرے لیے دن رات پڑھتی ہوں گی۔"

"بیٹے، میں زیادہ سے زیادہ پڑھتی رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ کہلا سکو۔ میں نے دنیا ترک کر دی ہے۔ ایک بڑے سے کمرے تک محدود ہوگئی ہوں۔ صبح ورزش کرنے اور شام کو چہل قدمی کرنے کے لیے نکلتی ہوں پھر اپنے کمرے میں آجاتی ہوں اور تمھارے لیے مصروف رہتی ہوں۔"

"ماما، آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ نے میرے لیے دنیا چھوڑ دی۔ کیا آپ پاپا کو بھی چھوڑ دیں گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "بیٹے، ان سے تم ہو، تم سے میں ہوں۔ بھلا انھیں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں، جب تم اچھی تعلیم حاصل کرلوگے، اچھے ہنر سیکھ لوگے، غیر معمولی صلاحیتیں حاصل کرلوگے تب اچانک تمھارے پاپا کے سامنے پیش کروں گی تو وہ حیران رہ جائیں گے، ان کی خوشی قابلِ دید ہوگی اور ان کی خوشی ہم دونوں کی خوشی ہوگی۔"

ماں بیٹے کے درمیان گفتگو بھی ہو رہی تھی اور پڑھائی لکھائی بھی جاری تھی۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ وہ تنہا ہوگا تو اس سے کچھ باتیں ہوجائیں گی۔ میں اپنے طور پر بھی اسے دنیاوی اہم باتیں سمجھاتا رہوں گا۔ ابھی اپنا مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا میں نے وہاں سے واپس آنے کا ارادہ کیا۔

صرف ارادہ کیا، واپس آتے آتے رُک گیا کیوں کہ ایک مسلح فوجی نے آکر پارس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں کے بیرک انچارج مسٹر راجیش تم سے ملاقات کرنے آرہے ہیں۔"

میں راجیش کا نام سُن کر چونک گیا۔ یاد کرنے لگا، یہ نام کہاں سُنا ہے۔ اسی وقت رسونتی نے پارس سے کہا۔ "بیٹے، تمھارے انکل راجیش آرہے ہیں۔"

تب مجھے یاد آگیا۔ رسونتی کے ایک گرو دیو تھے، جن سے اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے بڑے بیٹے کا نام راجیش تھا۔ راجیش نے ماضی میں میرے لیے بھی بہت کام کیا تھا۔ وہ رسونتی کا رشتے دار بھی تھا اور میرا بہت اچھا دوست بھی۔

پارس وہاں سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں گیا، جہاں ملاقات ہونے والی تھی۔ ایک منٹ کے اندر ہی راجیش وہاں پہنچا۔ اس نے بڑی ہی محبت سے ہاتھ آگے بڑھا کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہیلو ماسٹر پارس، کیسے ہو؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

اس نے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "انکل! آپ بیک وقت دو سوال کر رہے ہیں، پہلے کس سوال کا جواب دوں؟"

راجیش نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پہلے اپنی خیریت سناؤ۔"

"الحمدُ للّٰہ، میں خیریت سے ہوں۔"

"یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"پنجرہ سونے چاندی کا ہو تب بھی تکلیف تو ہوتی ہے۔"

"واہ بیٹے، خوب بولتے ہو۔ یہ تمھاری ماں کی تعلیم ہے۔"

راجیش کے دماغ میں رسونتی کی آواز سنائی دی۔ "میں اس طرح کی باتیں کرنا نہیں سکھاتی، صرف تعلیم دیتی ہوں۔ اس

کی ذہانت کو پالش کرتی ہوں، یہ خود ایسی باتیں کرتا ہے۔"
اس نے پوچھا "جب میں یہاں سے جاؤں گا تو آپ میرے دماغ میں رہیں گی؟"
"ہاں، میں تم سے رابطہ قائم کرنے ہی والی تھی، کیا کوئی بات بن سکتی ہے؟"
"ابھی مشکل ہے، آپ نے جو منصوبہ بنایا ہے' وہی مناسب ہے، میرے ذریعے رفتہ رفتہ ایک ایک افسر اور یہاں کے ایک ایک ذمے دار شخص کے دماغ میں پہنچتی جائیں تاکہ وقت ضرورت آپ ان سب کو ٹریپ کر سکیں۔"

اب میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ رسونتی کس طرح پارس دوم تک پہنچی ہے۔ میں نے بعد میں راجیش کے خیالات پڑھے تو پتا چلا' وہ اس بیرک کا انچارج تھا۔ جب ایک عورت چار برس کے بچے کے ساتھ وہاں لائی گئی اور اس نے بچے کا نام پارس بتایا تو راجیش چونک گیا۔ اس عورت کا نام مونا سانگھی تھا، وہ وادیٔ قاف سے آئی تھی اور جیسا بیان دے رہی تھی' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رسونتی اور فرہاد علی تیمور کا بیٹا پارس ہے۔

راجیش کو اپنے دلیس سے بہت محبت تھی، وہ اپنے ملک کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہیں سکتا تھا لیکن معاملہ اپنی بہن کے بچے کا تھا، یہ نہایت ہی نامناسب بات تھی کہ ایک بچے کو چھپا کر رکھا جائے اور بعد میں اس کی بہن کو اس کے ذریعے بلیک میل کیا جائے۔ وہ کسی طرح رسونتی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کس طرح اسے پارس کی خبر پہنچائے۔

بہت سوچ بچار کے بعد اس نے اپنی بیوی کو پیرس بھیجا۔ اپنی آواز کا ایک کیسٹ اس کے حوالے کیا اور کہا۔ "وہاں بابا صاحب کے ادارے میں یقیناً رسونتی ہوں گی۔ اگر ملاقات ہو جائے تو میرا یہ کیسٹ انھیں دے دینا' اگر ملاقات نہ ہو تو فون کے ذریعے بابا صاحب کے ادارے کے انچارج سے رابطہ قائم کرنا۔ اس طرح رسونتی سے بات ہو سکے گی اور تم فون پر میرا کیسٹ اسے سنا سکو گی۔"

اس کی بیوی نے یہی کیا۔ بابا صاحب کے ادارے تک اس کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے پیرس پہنچنے کے بعد ٹیلی فون کے ذریعے جناب شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا، پھر انھوں نے رسونتی سے اس کی بات کرائی اور رسونتی نے ٹیلی فون پر ہی راجیش کی آواز سن کر کہا "بھابی! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے بہت عرصے تک آپ لوگوں کی خیریت دریافت نہیں کی۔ راجیش مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میرے بیٹے کے سلسلے میں کوئی خوشخبری سنانا چاہتے ہیں تو یقین کرو رسونتی تم لوگوں کی داسی بن کر رہے گی۔ تم لوگوں کا احسان کبھی نہیں بھولے گی۔"

اس طرح رسونتی نے راجیش سے دماغی رابطہ قائم کیا اور پارس تک پہنچ گئی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ پارس کو تنہا اعلیٰ تعلیم دے گی۔ اسے بہتر سے بہتر ہنر سکھائے گی۔ اسے ایک غیر معمولی انسان بنا کر میرے سامنے پیش کرے گی لہٰذا اس مقصد کے لیے وہ رازداری سے کام لے رہی تھی اور چاہتی تھی کہ جب تک پارس بیرک میں ہے' اسے دماغی رابطے کے ذریعے تعلیم دیتی رہے اور اسے یہاں سے نکالنے کی کوشش کرتی رہے۔ اس کے لیے وہ راجیش کے ذریعے تمام اہم افراد اور ذمے دار افراد کے دماغوں میں آہستہ آہستہ پہنچتی جا رہی تھی۔ ہر ایک کے لب و لہجے کو یاد رکھتی جاتی تھی تاکہ کبھی وہ ٹریپ کر کے اپنے بیٹے کو وہاں سے نکال سکے۔

ویسے اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کس طرح انھیں بیک وقت ٹریپ کرنا چاہیے اور اپنے بیٹے کو کہاں لے جانا چاہیے۔ وہ جلد بازی میں کوئی ایسا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی جس کے بعد پارس کی نگرانی اور سخت کر دی جائے، چاروں طرف پہرا اتنا مستحکم ہو جائے کہ پھر خیال خوانی کام نہ آ سکے۔ ایسا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ لہٰذا وہ چپ چاپ وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

ویسے صرف منصوبہ بنانے سے کچھ نہیں ہوتا' اس پر عمل کرنے کا طریقہ کار ایسا ٹھوس ہونا چاہیے جس سے منصوبے پر حرف نہ آئے اور عملی اقدامات ایسے ہوں کہ وہ منصوبہ پورا کامیاب رہے، یہ سلیقہ ابھی رسونتی میں نہیں تھا۔

میں فی الحال وہاں سے واپس آ گیا۔ سوچا' جب رسونتی راجیش کے پاس سے واپس چلی جائے گی تو میں اس کے پاس جاؤں گا۔ اتنی دیر کے لیے میں شنکر کے پاس آیا' وہ دہلی سے تقریباً پچیس میل دور ایک چھوٹی سی بستی میں آیا تھا۔ بمشکل پچیس تیس گھر ہوں گے۔ ان سے ذرا فاصلے پر ایک بڑی محل نما کوٹھی تھی۔ اس کوٹھی کے اطراف پھیلی ہوئی زمینیں قابلِ فروخت تھیں۔ شنکر ان کا سودا کر رہا تھا۔ اس بستی کا نام رانی پور تھا اور یہ بڑی اچھی بات تھی کہ رانی سردار کی مناسبت سے وہ علاقہ رانی پور ہی کہلاتا۔

دو سو ایکڑ اراضی کے مالک کو جوا کھیلنے کی عادت

وہ بڑی بڑی رقمیں ہارتا رہتا تھا۔ مزید کھیلنے اور عیش کرنے کے لیے وہ اپنی زمینوں کو فروخت کر رہا تھا۔ اس نے تمام اراضی کی مجموعی قیمت چالیس لاکھ لگائی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ جواری ہے اور جوئے کی لت ایسی ہوتی ہے کہ انسان کو کنگال بنا کر چھوڑتی ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں رہ کر قیمت کم کرتے کرتے پچیس لاکھ تک پہنچا دی۔ شنکر نے دو لاکھ بیعانہ دے کر اس کی رسید حاصل کر لی۔ پھر وہاں سے واپس آتے ہوئے بولا "سر! میں جانتا ہوں آپ کے لیے دولت کوئی اہمیت نہیں رکھتی مگر میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، دو لاکھ ادا کیے ہیں تین لاکھ میرے پاس ہیں۔ باقی بیس لاکھ کہاں سے آئیں گے؟"

"تم دہلی شہر میں جہاں جہاں سے گزرو گے تمھارے بریف کیس میں رقم جمع ہوتی جائے گی۔"

اس نے خوش ہو کر کہا "کمال ہے، میرے دیوتا! کمال ہے۔ میں آپ کا پجاری، آپ کا سیوک ہوں۔ ساری زندگی آپ کے قدموں میں گزار دوں گا۔ مجھے ایسا باکمال انسان آج تک نظر نہیں آیا۔ آپ انسان نہیں، سچ مچ دیوتا ہیں۔"

وہ دہلی شہر پہنچا۔ اپنے ہوٹل کے کمرے میں آیا۔ میں نے کہا "اپنا حلیہ ذرا سا بدل لو، میک اپ کر لو تاکہ کوئی تمھیں پہچان نہ سکے۔"

تھوڑی دیر بعد جب وہ ہوٹل کے کمرے سے نکلا تو کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ اس طرح وہ کسی بھی بڑے جیولر کے پاس جاتا تھا تو اس کے ذریعے میں اس جیولر کو ٹریپ کرتا تھا۔ دو چار یا پانچ دس لاکھ روپے نکلواتا تھا۔ اس کے بعد اسے دوسری جگہ پہنچا دیتا تھا۔ شام پانچ بجے وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں آیا تو اس کے پاس تیس لاکھ روپے تھے۔ اور وہ حیران پریشان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا میں تکتے ہوئے میری تعریف میں نہ جانے کیا کچھ کہنے والا تھا۔ میں نے کہا "بس، بہت کہہ چکے ہو، اب کچھ نہ کہنا۔ اس وقت ٹیلی فون کا ریسیور اٹھاؤ اور کار ڈیلروں سے رابطہ قائم کر کے ایک نئے ماڈل کی گاڑی خریدو۔ اس میں بیٹھ کر سودا کرنے جاؤ، ان زمینوں کے مالک کو کورٹ کچہری لے جاؤ۔ میں موجود رہوں گا۔ یہ کام ایک ہی دن میں ہو جائے گا۔ یہ تمام جائیداد رانی سردار نہیں بلکہ رانی سرکار کے نام سے خریدی جائے۔ آئندہ تمھاری سردار ڈاکو کا نام رانی سرکار ہوگا۔ کلپنا کماری ایک دوسری ہستی ہے جو یہاں پہنچنے والی ہے۔"

میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر رانی سردار کو بتایا کہ شنکر وہاں کیا کرتا پھر رہا ہے اور کس حد تک کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ کل ہم جب دہلی پہنچیں گے تو ایک نہایت خوبصورت کوٹھی ہماری ملکیت ہوگی اور ہم دو سو ایکڑ اراضی کے مالک ہوں گے۔"

اس نے میرے سینے پر سر رکھ کر کہا "جانے میں نے کون سا نیک کام کیا تھا کہ تم مل گئے۔ میں ساری زندگی ڈاکے ڈالتی رہتی پھر بھی اس مقام تک کبھی پہنچ نہ پاتی۔ تم نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ اب سماج میں میری عزت ہوگی۔ لوگ مجھ جیسی دولت مند کے سامنے سر جھکائیں گے۔ ہر محفل میں میرا گرم جوشی سے استقبال کیا جائے گا اور مجھے ہر جگہ مہمان خاص بنایا جائے گا۔ میں کیا سے کیا بن رہی ہوں۔"

"میں تمھیں اتنے بلند مقام پر پہنچاؤں گا کہ یہاں کے حکمران بھی تم سے ملاقات کرتے ہوئے فخر محسوس کریں گے لیکن ایک بات یاد رکھو، کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ مجھے کھونے کے لیے تیار رہو۔"

وہ ایک دم سے اداس ہو گئی۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "میں نے اپنا تن، اپنا من سب تم پر وار دیا۔ کیا میری تم کوئی کشش محسوس نہیں کرو گے؟"

"یقیناً کروں گا۔ تم نظر آتی رہو گی تو تمھارا طلب گار رہوں گا لہٰذا تمھیں کم سے کم نظر آنا چاہیے۔ تم اپنے معاملات میں مصروف رہو گی اور میں اپنے معاملات میں۔ ہماری ملاقات برائے نام رہے گی اور جب ہوا کرے گی تو تم مجھے پا لیا کرو گی ورنہ کھو دیا کرو گی۔ وہ ہستی جو کلپنا کماری کے نام سے دہلی پہنچ رہی ہے اس کے متعلق تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ وہ کیا بلا ہے۔ لہٰذا اس بلا سے ہمیشہ دور رہنا۔"

اگر میں اس کی نظروں میں ایک عام آدمی ہوتا تو وہ مجھ سے لڑ پڑتی کہ اپنا تن من سب کچھ دیا ہے تو پھر کسی دوسری کو یہاں کیوں بلا رہے ہو لیکن میں تو اس کی اور اس کے تمام ساتھیوں کی نظروں میں دیوتا تھا اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ میرے سامنے وہ زبان ہلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا نظریں جھکا کر خاموش رہی۔

جب میں اپنی داستان بیان کرتا ہوں تو بعض اوقات بڑی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہوں کہ مجھے اپنی داستان کے کس حصے پر زیادہ زور دینا چاہیے، کسے تفصیل سے بیان کرنا چاہیے اور کسے سرسری انداز سے بیان کرتے ہوئے گزر جانا چاہیے۔ بہت سی باتیں وضاحت طلب ہوتی ہیں، اگر انھیں بیان نہ کیا جائے تو بعد میں شکایت ہوتی ہے کہ یہ بات کیسے ہو گئی۔

فی الحال میری داستان کا سب سے دلچسپ حصہ وہ

جہاں پارس اوّل اور جوجو کی دوستی رفتہ رفتہ قائم ہو رہی ہے اور دشمنوں کے لیے وبالِ جان بنتی جا رہی ہے۔ میں اس حصے میں یقیناً پہنچنے والا ہوں۔ ابھی اپنے متعلق جو بیان کر رہا ہوں تو اس کا ایک مقصد ہے۔ میں اپنے طور پر دہلی میں قدم جمانے اور پارس کو وہاں سے نکالنے کی کوششوں میں مصروف ہوں اور کامیابی حاصل کرتا جا رہا ہوں لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ میری نادانستگی میں دشمن میرے اطراف جال پھیلاتا جا رہا ہے اور میں اس میں الجھتا جا رہا ہوں۔

جس طرح آپ کو شیبا کے حالات میری داستان کی ترتیب کے خلاف معلوم ہوئے، اسی طرح ایک بار پھر اپنی داستان کی ترتیب کے خلاف آپ کے سامنے شاریر کی چالیں پیش کر رہا ہوں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں ہندوستان میں موجود ہوں۔ اگر وہ کسی طرح مجھے پھانس لے گا تو اس کی زندگی کی بہت بڑی کامیابی ہوگی، اس کے بعد وہ ساری دنیا کا بے تاج بادشاہ بن جائے گا۔

اس مقصد کے لیے وہ دہلی میں یا دہلی کے آس پاس کے علاقوں میں اپنا ایک خاص اڈا قائم کرنا چاہتا تھا۔ جرائم کی دنیا میں ایسے خفیہ اڈے قائم کرنے کے لیے ہمیشہ مجرمانہ ذہنیت کے لوگوں کو پھانسا جاتا ہے۔ اس نے اتفاق سے اسی شخص کو پھانسا جو اپنی محل نما کوٹھی اور دو سو ایکڑ اراضی شنکر کو فروخت کر رہا تھا۔ چوں کہ وہ فروخت کرنے والا جوا کھیلتا تھا اور مجرمانہ ذہنیت رکھتا تھا، اس لیے شاریر نے اسی پر نظر رکھی ہوئی تھی، اسی وقت شنکر خریدار بن کے پہنچ گیا۔ چوں کہ شنکر یوگا کا ماہر نہیں تھا، سانس روک نہیں سکتا تھا، پرائی سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ میں محسوس نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے شاریر کو محسوس نہیں کیا۔

یعنی بازی اب شاریر کے ہاتھ میں تھی، میدان صاف تھا۔ وہ شنکر کے دماغ میں رہ کر ساری معلومات حاصل کر رہا تھا کہ اس سے قبل وہ لوگ ڈاکو تھے۔ ایک چالاک عورت رانی سردار کے ساتھ مل کے ڈاکے ڈالتے تھے۔ اچانک ایک غیر معمولی صلاحیت کا آدمی ان کی ٹولی میں شامل ہو گیا پھر اس نے ایسے کارنامے انجام دیے کہ ان کے غار کو چاروں طرف سے گھیرنے والی پولیس پارٹی زندہ واپس نہ جا سکی۔ وہ دیوتا ہے اور ایک جگہ بیٹھے بیٹھے اپنے تمام دشمنوں کو مار ڈالتا ہے۔

بس اتنی معلومات کافی تھیں۔ شاریر کی سمجھ میں آ گیا کہ فرہاد اب ڈاکوؤں کی ٹولی میں رہ کر خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اور ان کے ذریعے کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔

جس طرح میں دشمنوں کی نادانستگی میں ان کی چالوں کو سمجھنے کے لیے خاموشی اختیار کر لیتا ہوں اور چپ چاپ ایک تماشائی کی طرح ان کی حرکتیں دیکھتا ہوں، اسی طرح شاریر نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ بھی خاموش رہے گا اور فرہاد علی تیمور کی چالوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

میں نے فی الحال اپنے قارئین کو اتنا ہی بتایا ہے کہ دشمن میری تاک میں ہیں، ایسے میں اگر میں پارس اوّل اور جوجو کی طرف ہی دھیان دیتا رہوں اور خود اپنی ذات سے غافل ہو جاؤں تو مجھے زبردست نقصان پہنچے گا لہٰذا اب اپنے حالات بیان کرتا جا رہا ہوں۔ اس کے بعد پارس اوّل اور جوجو یقیناً سامنے آئیں گے۔

ہم صوبہ پنجاب کے شہر انبالہ سے گزر گئے، اب دہلی جانے والی شاہراہ پر ہماری گاڑی دوڑتی جا رہی تھی۔ ڈرائیو کرنے والے ایک ماتحت نے کہا "جناب! آگے راستہ خطرناک ہے۔ ہمیں کسی شہر میں رات گزارنا چاہیے۔"

میں نے پوچھا "خطرناک کیوں ہے؟"

"راستے میں ڈاکو گھیر لیتے ہیں۔ اسمگلر راستہ روکتے ہیں۔ پتا نہیں وہ کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جنھیں پولیس والوں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے ہمارے پاس ایک بھی ہتھیار نہیں رہنے دیا۔ اس پر ہم رات کا سفر کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے حکم کے بندے ہیں۔ میں گاڑی ڈرائیو کرتا جاؤں گا۔"

"تم ڈرائیو کرتے جاؤ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ راستہ روکنے والے کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔"

ہمارا سفر جاری رہا۔ ہم ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچے، وہاں رات کا کھانا کھایا، پھر آگے بڑھ گئے۔ ادھر شاریر، شنکر کے دماغ سے یہ معلوم کر رہا تھا کہ ہم کس طرح ایک ویگن کار میں سفر کرتے ہوئے دہلی کی طرف آ رہے ہیں۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ میں اس ویگن کار میں موجود ہوں، تب اس نے مجھے وہیں نیست و نابود کر دینے کا تہیہ کر لیا اور اپنے طور پر پلاننگ کرنے لگا۔

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا دشمن کیسی چالیں چل رہا ہے تو میں اس ویگن کار سے اتر کر کسی دوسری گاڑی میں بیٹھ جاتا اور اس گاڑی سے پہلے وہاں پہنچ جاتا جہاں اس ویگن کار کو ٹریپ کیا جانے والا تھا۔ لیکن میں انجان تھا۔ جب آدمی انجان ہوتا ہے اور کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو وہ مصیبت اس کے لیے ناگہانی ہوتی ہے۔ اگر میں شاریر کے دماغ کو پڑھ

لیتا تو وہی مصیبت میرے لیے ناگہانی نہ ہوتی۔

رات کے ایک بجے ہم نے محسوس کیا، ہمارے سامنے چلنے والی گاڑیاں ہمارا راستہ روکتی جا رہی ہیں۔ ہم نے پیچھے گھوم کر دیکھا، دو گاڑیاں ہمارا تعاقب کرتی آ رہی تھیں۔ چال چلنے والا خواہ شاہ یر ہو یا فرہاد علی تیمور، ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی کمزوری یا مجبوری ضرور ہوتی ہے۔ شاہ یر کے ساتھ مجبوری یہ تھی کہ وہ جلدی میں ایسے افراد کا انتظام نہیں کر سکتا تھا جو یوگا کے ماہر ہوتے اور فرہاد علی تیمور کو ان کے دماغ تک پہنچنے سے روک سکتے۔ ایسی مجبوری کے تحت شاہ یر نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ جس شخص کو ٹریپ کیا اور جس کے دماغ پر قابض ہوا تھا اسے سب سے پیچھے رکھا تھا اور راستہ روکنے والوں کا سربراہ کسی اور کو بنایا تھا تاکہ فرہاد اس کے دماغ میں پہنچ کر اصلیت معلوم نہ کر سکے۔ کم از کم اسے یہ پتا نہ چلے کہ کوئی کسی کو دماغی طور پر ٹریپ کر کے اس کا راستہ روک رہا ہے اور دہلی پہنچنے سے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہتا ہے۔

آگے پیچھے دوڑتے والی گاڑیاں قریب سے قریب تر ہوتی گئیں حتیٰ کہ ہمیں اپنی گاڑی کو روکنا پڑا۔ تب آگے جانے والی گاڑی میں سے ایک نے نکل کر کہا "ہم تم میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے، جو ہیڈ آف دی فیملی ہے، وہ گاڑی سے باہر آ جائے اور ہم سے بات کرے۔"

میں نے رانی سردار کو اشارہ کیا۔ وہ گاڑی سے باہر نکل کر اس شخص سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی پھر بولی "میں ہیڈ آف دی فیملی ہوں۔"

رانی سردار جس سے مخاطب تھی، اس کے دماغ میں شاہ یر موجود تھا اور وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ اس ویگن کار میں سفر کرنے والوں کی سربراہ وہی ہے۔ اس شخص نے کہا "میں کسی عورت سے نہیں، مرد سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

رانی سردار نے کہا "یہ ہندوستان ہے، یہاں ہیڈ آف دی فیملی ایک عورت بھی ہوتی ہے۔"

اس شخص نے کہا "بحث نہ کرو، میں اپنے سامنے کسی مرد کو دیکھنا چاہتا ہوں اور اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے ہریا کو گاڑی سے باہر بھیج دیا۔ اس نے رانی سردار کے پاس آ کر کہا "اگر تم مرد سے بات کرنا چاہتے ہو تو میں حاضر ہوں۔"

میں ہریا کے دماغ پر پوری طرح قابض تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس کے وجود کے اندر فرہاد علی تیمور تھا۔ شاہ یر نے جب اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی ...

واپس ہو گیا۔ اس طرح اسے یقین ہو گیا کہ وہ ہریا ہی ... تیمور ہے۔

تب وہ شخص بے نقاب ہو گیا، جس کو شاہ یر نے ... کیا تھا اور اس کو سب سے پیچھے رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ ... ایک ریوالور تھا اور وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا "فرہاد ... تیمور! میں نے تمھیں پہچان لیا ہے، آج تمھاری زندگی کا آخری ... دن ہے، اپنی آخری سانسیں گن لو۔"

یہ کہتے ہی اس نے تڑاتڑ فائرنگ شروع کر دی۔ ہریا ... سے بچ کر نکلنا چاہتا تھا، میں خود اسے بچانا چاہتا تھا ... ناکام رہا۔ کئی گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور وہ ... لڑکھڑا کر گر پڑا۔

مجھے افسوس ہے میری خاطر اس کی جان گئی مگر اس ... جان دیتے وقت کہا "فرہاد صاحب، میں کیا، میری پوری نسل ... تو آپ پر قربان ہو جاتی۔ میرے لیے اس سے بڑی عبادت ... اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ میں آپ پر قربان ہو رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جان دے دی۔ اس نے تو ... فرض ادا کر دیا لیکن آخری لمحات میں اس نے جو کچھ کہا، اس ... یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ہریا تھا اور فرہاد علی تیمور کے دھوکے ... مارا گیا تھا۔ یہ بات شاہ یر کو معلوم ہو گئی۔ دوسری طرف ... بھی ہوشیار ہو گیا کیوں کہ جس شخص نے فرہاد علی تیمور کو ... ہوئے آخری وقت میں گولیاں چلائی تھیں، اس سے ثابت ... ہو گیا کہ کوئی شخص مجھے فرہاد علی تیمور کی حیثیت سے جانتا ... اور اسے یہ معلوم ہے کہ اس کار میں فرہاد سفر کر رہا ہے۔ ... یہی شاہ یر کی بہت بڑی غلطی تھی جس نے مجھے چوکنا کر دیا۔

ہریا کے دم توڑتے ہی میں نے خیال خوانی کی چھلانگ ... لگائی اور اس کے قاتل کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر مخاطب ... "ہیلو شاہ یر، تم نے میرا ایک بہت اہم آدمی مار دیا ہے۔ ... بتاؤ، میں تمھارے کتنے اہم آدمیوں کو ٹھکانے لگاؤں؟"

شاہ یر نے اس قاتل کے لب و لہجے میں کہا "فرہاد علی ... صرف اپنی ذات اہم ہوتی ہے، یہ نہ پوچھو کہ میرے کتنے ... کو ٹھکانے لگاؤ گے۔ تمھاری جو مرضی ہو، وہ کر سکتے ہو۔ ایسے ... تو کیڑے مکوڑوں کی طرح مارے جاتے ہیں۔ میرے آدمی ... مارے جائیں گے، کوئی بات نہیں۔ تم قسمت کے دھنی ہو ... تمھیں ختم کر ہی دیتا مگر بچ گئے لیکن یاد رکھو، میں تمھیں ہندوستان ... میں نہیں رہنے دوں گا۔"

"فی الحال اپنے سکون پر ماتم کرو۔ اور اپنی بہن ...

پاس جاؤ۔ میں تمھارے ان آدمیوں سے نمٹ کر اس کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

اس نے غصے سے کہا "تم اس معصوم لڑکی کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔"

"میں کیا کروں گا، یہ تم وہیں پہنچ کر دیکھنا۔ اب تمھارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اس قاتل کو بچانا چاہتے ہو اور ہمیں گھیر کر مارنا چاہتے ہو تو اس کے دماغ میں رہو۔ میں جوجو کے پاس جا رہا ہوں اور اگر اپنی بہن کی سلامتی منظور ہے تو اس کا دماغ چھوڑ دو اور بہن کے پاس جاؤ۔ صرف چند ساعتوں میں فیصلہ سناؤ، میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔"

"میں جوجو کے پاس جا رہا ہوں۔"

"میں پہلے ہی جانتا تھا، تمھاری نظروں میں تمھارے کام آنے والے کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں، یہ مر جائیں گے تو تمھیں پروا نہیں ہو گی۔ جاؤ۔"

وہ جا چکا تھا۔ میں نے اس قاتل کے ذریعے اس کے آدمیوں کو حکم دیا "اپنے ہتھیار واپس رکھ لو۔ ان پر کوئی حملہ نہیں کرے گا اور میں نے جس آدمی کو قتل کیا ہے، اس پر شرمندگی ہے۔ اس کی لاش کو اٹھاؤ، ہم اسے لے جائیں گے اور عزت و احترام سے اس کی چتا جلائیں گے۔"

اس کے ساتھیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ہریا کی لاش کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھ لیا۔ آگے والی دونوں گاڑیوں نے ہمارا راستہ چھوڑ دیا۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد رانی سردار نے کہا "مجھے ہریا کی موت پر افسوس ہو رہا ہے۔"

میں نے کہا "ہاں، افسوس کی بات ہے۔ ہم سب کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ کیا پتا، ابھی آگے جا کر ہم میں سے اور کسے موت آ جائے لہٰذا ہریا کے لیے اطمینان رکھو۔ وہ لوگ اس کی آخری رسومات ادا کرتے ہوئے چتا میں جلائیں گے۔ اس طرح ہم پولیس والوں کے سامنے ایک مرڈر کیس کے سلسلے میں جواب دینے سے محفوظ رہیں گے۔"

میں نے ششکر کے پاس پہنچ کر کہا "معاملات کچھ بگڑ گئے ہیں۔ ہمارا ایک دشمن خیال خوانی کرنے والا تمھارے دماغ تک پہنچ گیا ہے، وہ تمھاری مصروفیات کو سمجھ رہا ہے، لہٰذا تم ہلٹ کا کھانا نہ کھاؤ۔ دو عدد خواب آور گولیاں کھا کر آرام سے بستر پر لیٹ جاؤ۔ میں تم پر تنویمی عمل کروں گا تاکہ آئندہ وہ دشمن تمھارے دماغ میں نہ آ سکے۔"

وہ میری ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا، شاہ یر میرے تنویمی عمل کے دوران مداخلت نہیں کرے گا کیوں کہ میں اسے جوجو کی سلامتی کی فکر میں مبتلا کر چکا تھا۔ میں نے ایک ذرا جوجو کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ پتا چلا، وہاں پارس کے شرارت آمیز کارنامے دیکھ کر شاہ یر حیران تھا اور اب تک انہی میں الجھا ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ میں نے ششکر پر تنویمی عمل کیا، اس کے دماغ کو مقفل کر دیا اور اپنے لیے کوڈ ورڈ مقرر کیا کہ جب یہ الفاظ اس کے دماغ میں دہرائے جائیں تو وہ میرے لیے دماغ کے دروازے کھولے ورنہ کسی کو اپنے اندر بولنے کی اجازت نہ دے۔

میں نے اسے دماغی دروازہ بند کرنے کا طریقہ بتایا کہ صرف ایک بار سانس روک لے تو پرائی سوچ کی لہریں واپس چلی جاتی ہیں پھر دوبارہ آنا چاہیں گی تو دماغ خود بخود تنویمی عمل کے زیر اثر مقفل رہے گا۔

تیسری بات یہ بتائی کہ وہ اپنا نام بدل دے، جو دو لاکھ روپے پیشگی کے طور پر ادا کیے ہیں، اسے بھول جائے، دہلی شہر میں کوئی بڑی سی کوٹھی خرید لے۔ ہم وہیں قیام کریں گے۔

شاہ یر نے ششکر کے دماغ میں رہ کر یقیناً رانی سردار اور اس کے تمام ساتھیوں کے نام معلوم کیے ہوں گے۔ میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر ان سب کے نام بدل دیے، انھیں تاکید کر دی کہ آئندہ وہ اسی نئے نام سے ایک دوسرے کو مخاطب کیا کریں۔ رانی سردار نہ تو اب رانی سردار تھی اور نہ ہی کلپنا کماری۔ اب اس کا نام رکمنی دلوی تھا۔ میں نے جناب تبریز الفارس سے رابطہ قائم کر کے انھیں حالات سے آگاہ کیا۔ پھر بتایا "اب اعلیٰ بی بی کلپنا کماری کے نام سے نہیں آئے گی۔ اس کا نیا نام آپ کوئی اور رکھ دیں۔"

انھوں نے کہا "تم ہی کوئی ہندو کا نام رکھو۔"

"آپ اسے کامنا کماری کے نام سے بھیج سکتے ہیں، اسی نام سے اس کے کاغذات تیار کروا لیں۔"

میں نے ان سے رابطہ ختم کیا۔ ہر طرح اطمینان ہو گیا کہ دہلی پہنچنے تک آرام اور سکون ہے پھر میں جوجو کے پاس پہنچ گیا۔ پچھلی بار جب میں اس کے پاس سے آیا تب پارس اسے سمجھا رہا تھا "دشمن تمھیں ٹریپ کرنے کے لیے تمھارے کھانے پینے کی چیزوں میں کچھ ملا سکتے ہیں۔ تمھیں بے ہوش کر کے یہاں سے لے جانے کی کوشش کریں گے یا کسی اور طرح نقصان پہنچائیں گے لہٰذا پہلے سے احتیاطی تدابیر پر عمل کرو۔"

جوجو نے کہا "میں یہاں سے کچن میں جاؤں گی' وہاں پکانے والوں کی باتیں سنوں گی اور ان کے دماغ میں رہ کر معلوم کروں گی کہ کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی ملاوٹ تو نہیں ہو رہی ہے؟"

"یہاں سے کچن جانے کے دوران راستے میں کسی نے اغوا کر لیا تو؟"

"اے تم مجھے خوامخواہ ڈرایا نہ کرو۔"

"میں تمھاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ کچن تک چل کر جاؤ گی، نازک پاؤں دکھنے لگیں گے۔ یہاں ریسیور اٹھاؤ۔ منیجر سے رابطہ قائم کر کے پوچھو' آج کی اسپیشل ڈش کیا ہے؟"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"اس رابطے سے رابطہ ملتا جائے گا اور تم بیٹھے بیٹھے کچن میں پہنچ جاؤ گی۔"

وہ خوش ہو کر چٹکی بجاتے ہوئے بولی "نائس آئیڈیا۔ تم بہت سمجھ دار ہو۔"

وہ جلدی سے ٹیلی فون کے پاس گئی۔ ریسیور اٹھا کر منیجر سے رابطہ قائم کیا۔ پھر پوچھا "آج کی اسپیشل ڈش کیا ہے؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "ویٹ اے منٹ، میں ابھی بتاتا ہوں۔"

منیجر نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر انٹر کام کے ذریعے کچن کے سپروائزر سے رابطہ قائم کیا۔ اس سے اسپیشل ڈش کے متعلق پوچھا۔ سپروائزر نے جواب دیا اور اس طرح جوجو وہاں بیٹھے بیٹھے اس سپروائزر کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہاں دوسرے کام کرنے والوں کی باتیں سنتی رہی۔ پارس نے کہا "بھوک لگ رہی ہے' کچھ ہلکا سا ناشتا منگواؤ۔"

وہ گھور کر بولی "کیا میں تمھاری نوکرانی ہوں؟"

"میری میزبان ہو۔ میں تمھارا مہمان ہوں۔"

"زبردستی کے مہمان ہو' یہاں سے جاتے کیوں نہیں؟"

"کتنی بے مروّت ہو۔ تمھاری جان بچا کر یہاں تک لے آیا ہوں۔ نہ جانے وہ ٹیکسی والا تمھیں کہاں لے جانے والا تھا۔"

"میں اس کی کھوپڑی ہلا دیتی۔"

"اس کی کھوپڑی کے پیچھے بھی درجنوں دشمن ایسے ہیں جن کا علم تمھیں نہیں ہے۔ اب رفتہ رفتہ ہوگا۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کھانے کا آرڈر دو۔ ہو سکتا ہے کھانے کے ساتھ دشمن چلے آئیں۔"

اس نے آرڈر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی' کھانا اور بیرا آرہا ہے۔ جوجو نے پارس سے کہا "میں مطمئن ہوں۔ کچن میں سب کے دماغ کو پڑھا ہے' وہاں سے جو کھانا آرہا ہے اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔"

"جو ویٹر کھانا لے کر آرہا ہے' اس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"میں کیا جانوں، کون کھانا لا رہا ہے۔ یہاں آئے گا تو اس کی آواز سنوں گی۔"

"اگر وہ گونگا بن گیا تب کیا کرو گی؟"

"تم خوامخواہ بحث کرتے ہو۔ وہ بھلا کیوں گونگا بنے گا؟"

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہتی تھی۔ پارس نے کہا "سنو' میری بات پر عمل نہیں کرو گی تو پچھتاؤ گی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھو کون ہے؟ جب تک وہ جواب نہ دے اسے نہ کھولنا۔"

جوجو نے یہی کیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر بولی۔ "کون ہے؟"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ صرف دروازے پر دستک سنائی دی۔ جوجو نے پھر پوچھا "میں پوچھتی ہوں' کون ہے؟ جواب دو۔"

باہر سے غوں غاں کی کچھ ایسی پھنسی پھنسی سی آواز سنائی دی جیسے گونگا بول رہا ہو۔ پارس نے کہا "دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ آنے والا اپنی مادری زبان بولے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "اب میں اس کے دماغ میں کیسے پہنچوں؟"

اس نے ہاتھ اٹھا کر سمجھانے کے انداز میں کہا "اطمینان رکھو' میں دروازے کے پیچھے ہوں' اسے کھول کر دور کمرے میں چلی جاؤ۔"

اس نے دروازے کو آہستگی سے کھولا پھر دور کمرے میں جا کر بولی "یس کم اِن۔"

دروازہ آہستگی سے کھلا۔ پھر ایک بیرا کھانے کی ٹرے دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اندر آیا۔ پھر جیسے ہی آگے بڑھ کر رکھنا چاہتا تھا' پارس نے اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی' وہ یکبارگی اوندھے منہ گرا۔ گرتے ہی چائے کی کیتلی ٹوٹ گئی گرم گرم چائے اس کے منہ پر آئی۔ اس نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا "اوہ مائی گاڈ۔"

پارس نے ہنستے ہوئے کہا "دیکھا، گونگے کیسے بولتے ہیں' بول' میاں مٹھو اور بول۔"

وہ غصے سے اٹھ کر پارس کی طرف لپکا مگر اس پر حملہ نہ کر سکا' جہاں تھا' وہیں رک گیا — پارس نے جوجو سے کہا "تم شکل ہی احمق لڑکی ہو۔ جیسے ہی یہ بول پڑا تھا تمھیں اس کے دماغ میں پہنچنا چاہیے تھا۔ تم حاضر دماغ نہیں رہتی ہو۔ اب تو جب سے گونگا' یہ پھر بولے گا۔"

پھر اس نے بیرے سے پوچھا "ارے تم تو مجھ پر حملہ کرتے کرتے رک گئے۔ کیا بات ہے، چائے بہت گرم تھی؟"

وہ چیختا ہوا اس کی طرف بڑھا "میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمھیں مار ڈالوں گا۔"

پارس وہاں سے بھاگتا ہوا، چھلانگیں لگاتا ہوا صوفے پر پہنچ گیا۔ وہ اس کے تعاقب میں وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ اس وقت تک جوجو کو عقل آگئی تھی۔ اس نے ایک دماغی جھٹکا پہنچایا' وہ دوڑتے دوڑتے چیخ مار کر الٹ پڑا۔ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ پارس نے کہا "اطمینان سے تڑپتے بھی جاؤ اور بتاتے بھی جاؤ' گونگے کیوں بن گئے تھے؟"

پھر اس نے جوجو سے کہا "ذرا اسے اٹھا کر بٹھا دو۔"

وہ بولی "کیا میں تمھاری نوکرانی ہوں؟ کیا میں اتنے موٹے آدمی کو اٹھا کر بٹھا سکتی ہوں؟"

"خدا کے لیے عقل سے کام لیا کرو۔ اپنے ہاتھوں سے نہیں، اپنی صلاحیتوں سے اٹھا کر بٹھاؤ۔"

وہ چونک کر بولی "ارے ہاں، میں تو بھول ہی جاتی ہوں۔"

اس نے تڑپنے والے کو گھور کر دیکھا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گڑگڑا کر کہنے لگا "مجھے معاف کر دو۔ میں مجبور تھا۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں اپنی آواز نہ سناؤں۔"

"تمھیں یہ حکم کیوں دیا گیا تھا؟"

"وہ لوگ کہتے تھے' یہ لڑکی پُراسرار ہے۔ ایئر پورٹ سے جو بھی اس کا تعاقب کرتا آیا' کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہوا۔ ان کا خیال ہے' یہ لڑکی ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ یہی آزمانے کے لیے مجھے گونگا بنا کر بھیجا گیا — اس چائے کے ساتھ جو دودھ ہے' اس میں نشیلی دوا حل کی گئی ہے۔ چائے پینے کے بعد اس لڑکی کا دماغ کمزور ہو جاتا۔ تھوڑی دیر میں کچھ لوگ یہاں آنے والے ہیں۔ ان کے سامنے یہ خیال خوانی نہیں کر سکے گی اور وہ اسے اٹھا کر لے جائیں گے۔"

پارس نے پوچھا "تم باہر جا کر کیا بیان دو گے؟"

"میں تو گونگا بنا رہوں گا۔ جن لوگوں نے مجھے اس کام پر لگایا ہے' ان کے سامنے وہی کہوں گا جو حکم دو گے۔"

"ان سے کہو' تم نے چائے اور ناشتا پہنچا دیا ہے۔ لڑکی تھوڑی دیر میں چائے پینے والی ہے۔"

وہ فرش پر سے اٹھتے ہوئے' کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا "میں یہی کہوں گا۔"

جوجو نے کہا "تمھیں یہی کہنا ہوگا۔ اگر کچھ اور کہنا چاہا تو زندہ نہیں رہو گے۔ میں تمھیں پاگل بنا کر پاگل خانے پہنچا دوں گی۔"

اس نے دونوں کان پکڑتے ہوئے کہا "میں وہی کروں گا جو تم کہہ رہی ہو۔"

اس نے جلدی سے جھک کر فرش پر گرے ہوئے سامان کو ٹرے میں رکھا۔ ٹرے کو وہاں سے اٹھا کر سینٹر ٹیبل پر لایا۔ پارس نے کہا "باہر کسی سے یہ نہ کہنا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ تمھارا بیان یہی ہوگا کہ لڑکی کمرے میں تنہا ہے۔"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ قالین کو اچھی طرح صاف کیا۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی جوجو نے کہا "میں اچھی طرح جانتی ہوں' وہ دشمن خوامخواہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

پارس نے پوچھا "آخر وہ دشمن کون ہے؟"

"اور کون ہوگا، وہی فرہاد علی تیمور۔"

"اے لڑکی، میں تمھارا منہ توڑ دوں گا۔ میرے سامنے میرے باپ کو دشمن کہہ رہی ہو؟"

"کیا؟" وہ تقریباً چیخ کر بولی "تمھارا باپ؟ کیا فرہاد علی تیمور تمھارا باپ ہے۔ نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ تم اس کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔"

"بیٹا ثابت کرنے کے لیے میں دوبارہ پیدا ہو کر نہیں دکھا سکتا۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"کیا تم کسی دوسرے کو اپنا باپ کہہ سکتی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔"

"اسی طرح میں صرف اپنے باپ کو ہی باپ کہہ رہا ہوں۔"

جوجو نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہونٹوں کو سختی سے دبا کر گہری گہری سانس لیتے ہوئے چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی پھر جیسے وہ پھٹ پڑی "دشمن کے بچے، تم اب تک مجھے بے وقوف بنا رہے تھے۔ میرے پاس آکر اپنے باپ کے لیے راستہ صاف کر رہے تھے۔"

"غلط الزام نہ دو' میں تو اپنے لیے راستہ صاف کر رہا ہوں۔"

"کیا بکواس کرتے ہو؟"

"یقین کرو، جب سے تمھیں دیکھا ہے، دنیا کے سارے کام بھول گیا ہوں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حسین صورتیں دیکھتے ہی میری رگوں میں میرے باپ کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔"

"آئی سے گیٹ آؤٹ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ میں اپنے دشمن کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتی۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پارس صوفے پر سے چھلانگیں لگاتا ہوا بستر پر آیا۔ پھر وہاں سے ٹیلی فون کے پاس پہنچ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف کی آواز سن کر اس نے پھر جوجو کے لہجے کی نقل کی۔ اس کی آواز میں کہا "جی ہاں، میں کمرہ نمبر ون ون سے جینیفر بول رہی ہوں۔"

اس نے اسپیکر کو آن کر دیا تھا تاکہ جوجو بھی آواز سن سکے۔ دوسری طرف سے کسی نے پوچھا "کیا تمھارے ساتھ کوئی بچہ بھی ہے؟"

"ابھی تو میں خود ہی بچی ہوں ۔۔ اس لیے کوئی دوسرا سوال کرو۔"

جوجو اسے گھور کر دیکھ رہی تھی، دوسری طرف سے وہ جھنجلا کر بول رہا تھا "میں تمھارے بچے کی نہیں، اس بچے کی بات کر رہا ہوں جس کی عمر تقریباً پانچ چھ برس ہو گی۔"

"میرے کمرے میں ایسا کوئی بچہ نہیں ہے کیا آپ بچے سپلائی کرنے کا کام کرتے ہیں۔"

"یو شٹ اپ" دوسری طرف سے دہاڑنے کی آواز آئی۔ پھر ریسیور رکھ دیا گیا۔ پارس نے جوجو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی "کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو؟"

وہ بولا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھاری کھوپڑی کچھ کام کرتی ہے یا نہیں؟ اتنی دیر سے وہ شخص بول رہا تھا۔ کیا تم نے اس کے لب و لہجے کو یاد رکھا؟ کیا تمھیں یہ معلوم نہیں کرنا چاہیے کہ کون تمھارے متعلق اتنی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے؟"

میں اس کے لب و لہجے کو یاد رکھ سکتی تھی لیکن تم مجھے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہے تھے، تم میرے دشمن ہو، جب تک میرے پاس رہو گے، میں کوئی عقل کا کام نہیں کر سکوں گی۔"

"عقل ہو گی تو کرو گی۔ تمھاری ممی سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں، میری پیاری بچی کتنی اچھی اور خوبصورت ہے مگر بڑی جلدی میں پیدا ہو گئی اور عقل میرے پاس چھوڑ گئی۔"

جوجو نے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا سچ کہہ رہے ہو، میری ممی سے ملاقات ہوئی تھی؟ مگر وہ تو دس برس پہلے مر چکی ہیں۔"

"میں دس برس پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ اس وقت انھوں نے کہا تھا، میری بیٹی مجھے مل جاتی تو میں اس کی عقل اسے واپس کر دیتی۔"

اس نے پھر بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"کیا میں جھوٹ کہوں گا۔ تمھاری ممی نے وہ عقل مجھے دے دی کہ میں امانت کے طور پر رکھوں، جب دس برس کے بعد تمھارے بھائی ایک حیرت انگیز مشین ایجاد کر لیں اور اس کے ذریعے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کر لیں تو اسی مشین کے ذریعے وہ عقل تمھارے دماغ میں پہنچا دی جائے۔"

وہ سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی "کیا مشین کے ذریعے میری عقل مجھے واپس مل جائے گی؟"

پارس نے سر اٹھا کر گویا آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یا اللہ، تو بھی کیسے کیسے نمونے پیدا کرتا ہے۔"

جوجو نے گھور کر پوچھا "کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ کہ تمھاری عقل میرے پاس آ گئی ہے، میں اپنے پاس رکھوں گا۔ اتنی اچھی عقل تمھیں کیوں دوں گا؟"

"وہ میری ہے، میری ممی نے امانت کے طور پر تمھیں دی تھی تمھیں امانت میں خیانت کرتے شرم نہیں آئے گی؟"

"جب تم مجھے دشمن سمجھتی ہو تو شرم کیوں آئے گی، ہاں اگر دوستی کرو گی تو تمھاری چیز واپس کر دوں گا۔"

وہ جلدی سے مسکرا کر بولی "میں دوستی کروں گی۔ ہم دونوں اچھے دوست بن کر رہیں گے۔"

ایسا کہتے ہی وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اسے گھور کر دیکھا، پھر کہا "ارے تم تو میرے دشمن کے بیٹے ہو، تم ابھی تک یہیں ہو، چلو نکلو یہاں سے۔"

پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پارس نے کہا "تمھارے دشمن اب یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹیلی جانے کا اثر ہو رہا ہے یا نہیں؟"

پارس نے ریسیور کو اٹھایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی "ہیلو۔"

پارس نے جھومتے ہوئے نشیلی آواز میں کہا "ہیلو کون منیجر، بلیز منیجر، یہ تمھارا ہوٹل کیسا ہے۔ اس کی چھت گول گول گھوم رہی ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "گھبرانے کی بات نہیں ہم ابھی آ کر چھت کو گول گھومنے سے روک دیں گے۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ پارس نے بھی ریسیور رکھتے ہوئے کہا "وہ لوگ آ رہے ہیں۔ تم اسی طرح باتیں کرنا جس طرح میں ابھی فون پر کر رہا تھا۔ گویا تمھیں نشہ ہو گیا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم خیال خوانی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ وہ تمھیں لے جانا چاہیں تو چلی جانا۔ میں بھی ساتھ رہوں گا۔ اگر وہ مجھے نہ لے گئے تو تمھارا تعاقب کروں گا۔"

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو، ارے میں تمھارے جیسے چھوکروں کو ٹھینگنی کا ناچ نچا سکتی ہوں، میں بڑی عقلمند ہوں۔ میں سمجھ گئی ہوں، فرہاد علی تیمور آ رہا ہے، اتنی دیر سے تم اپنے باپ کے لیے کام کر رہے ہو اور مجھے الو بنائے جا رہے ہو۔"

"جوجو ذرا عقل سے کام لو میرے پاپا کو آنے کے لیے اس دروازے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ سیدھے تمھارے دماغ میں پہنچ جائیں گے، یہاں وہ لوگ آ رہے ہیں جو ٹیلی پیتھی نہیں جانتے ہیں۔ وہ تمھیں اغوا کر کے تمھارے بھائیوں کو کمزور بنانا چاہتے ہیں۔"

"تم میرے دشمن کے بیٹے ہو، میرے بھائیوں سے ہمدردی کیوں کر رہے ہو؟"

"کیا دشمن دشمن لگا رکھا ہے۔ ارے، ساری دشمنی ایک طرف، جوجو کے بھائی ایک طرف، آخر ایک نہ ایک دن وہ میرے سالے بننے والے ہیں۔"

"میں تمھارا منہ توڑ دوں گی۔ بھائی آرمر تے ٹھیک ہی کہا تھا کسی مرد سے دوستی نہ کرنا۔ یہ مرد ذات بڑی بے وفا ہوتی ہے، بڑی چالاک ہوتی ہے، باتیں بنا بنا کر پھانس لیتی ہے اور میں دیکھ رہی ہوں، تم نے اتنی دیر سے مجھے الجھا رکھا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ پارس نے کہا "لو آ گئے جان کے دشمن، اتنی دیر سے سمجھا رہا ہوں، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب خود ہی بھگت لو ان سے۔"

"میں کوئی ڈرنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ کوئی کچھ کہے گا تو فوراً ہی اسے دماغی جھٹکا پہنچاؤں گی۔"

وہ طنطناتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگی۔ پارس نے کہا "اور اگر وہ گونگا ہوا تو؟"

وہ دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے رک گئی۔ پلٹ کر پارس کو دیکھنے لگی۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ پارس نے آگے بڑھ کر پوچھا "اب بولو؟"

وہ پھر تن کر بولی "کیا تم مجھے ڈرپوک سمجھتے ہو، میں بھی تمھاری طرح چالاک ہوں، میں فوراً ہی دروازے کے پیچھے چھپ جاؤں گی، جیسے ہی وہ اندر آئے گا میں اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دوں گی۔"

"ہوں، میری نقل کرنے چلی ہو۔ اچھی بات ہے، جاؤ۔"

وہ دروازے کے پاس گئی۔ پھر اسے کھول کر جلدی سے ایک طرف ہو گئی تاکہ آنے والے کی ٹانگ میں اپنی ٹانگ پھنسا کر گرا سکے لیکن اس کی حسرت دل ہی میں رہ گئی کیوں کہ آنے والا پہیے دار کرسی پر آ رہا تھا۔ پارس بے اختیار ہنسنے لگا۔ اس وہیل چیئر پر گائی ڈی موردکو بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے چار ہٹے کٹے جوان آ رہے تھے۔ ان میں سے دو نے جوجو کو دو طرف سے پکڑ لیا تھا اور دھکیلتے ہوئے کمرے میں لا رہے تھے۔

گائی ڈی موردکو پارس کو سر سے پاؤں تک سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

وہ بولا "پہلے اپنے آدمیوں سے کہو، میری گرل فرینڈ کے بازو چھوڑ دیں۔ یہ میری پہلی اور آخری وارننگ ہے۔"

موردکو نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر اپنے آدمیوں سے کہا "تم سب کو ڈوب مرنا چاہیے۔ دیکھو ایک ننھا سا بچہ گائی ڈی موردکو کو چیلنج کر رہا ہے۔ اسے آخری وارننگ دے رہا ہے۔ چھوڑ دو، لڑکی کو فوراً چھوڑ دو۔ مجھے اس کی وارننگ بہت پسند آئی۔ میں اس بچے کی قدر کرتا ہوں۔"

جوجو کو چھوڑ دیا گیا۔ موردکو نے کہا "ہاں تو ننھے بالک، اب بتاؤ تم کون ہو؟ اور یہ لڑکی کون ہے؟"

پارس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا "میں ان بچوں میں سے ہوں جن کے ماں باپ انھیں پیدا کرنے کے بعد دنیا کی سیر کو نکل جاتے ہیں۔ میں اپنے والدین کو تلاش کرنے والا ایک معصوم بچہ ہوں کہتے ہیں، آگ لینے جاؤ تو پیغمبری مل جاتی ہے۔ ڈھونڈنے کچھ جاؤ، کچھ اور مل جاتا ہے۔ میں اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہا تھا کہ یہ حسینہ نظر آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور اس کے ساتھ ہوٹل کے اس کمرے میں چلا آیا۔"

موردکو نے مسکرا کر جوجو کو دیکھا۔ پھر کہا "لڑکی غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے اور معصوم بھی۔ برخوردار میں تمھارے باپ کے برابر ہوں۔ اگر اس لڑکی کو بازوؤں میں دبوچ لوں تو کیا تم اسے اپنی ماں کہو گے؟"

برخوردار نے جواباً پوچھا "کیا تم نے اپنی ماں کو اسی طرح ماں کہا تھا؟"

موردکو کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے ایک دم سے تلملا کر اسے دیکھا۔ چند لمحوں تک غراتا رہا۔ پھر اچانک آہستہ آہستہ سرد پڑ گیا۔ اس کے بعد قہقہے لگانے لگا۔ اپنی

وصیل چیئر کو کمرے میں اِدھر سے اُدھر لے جاتے ہوئے کہنے لگا: "دیکھو دیکھو، اس چھوکرے کو دیکھو، یہ مجھے منہ توڑ جواب دے رہا ہے۔ اب میں اس کمرے سے باہر جاؤں گا تو دنیا کہے گی، ایک بچے نے مجھے ذلیل کر دیا اور اگر میں اس بچے کو تڑپا تڑپا کر ماروں تو دنیا کیا کہے گی۔ گاڈ ڈی مورو کو دنیا کا سب سے دہشت ناک مجرم جس سے تمام مجرم تھراتے ہیں، اس نے ایک معمولی سے بچے کو تڑپا تڑپا کر مارا یعنی جیت بھی اس کی، ہیٹ بھی اس بچے کی۔ اب میں کیا کروں۔ ارے، تم سب میرا منہ کیا تک رہے ہو، جو مجھے سب سے بہترین مشورہ دے گا، میں اسے انعام دوں گا۔ بتاؤ، اس بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

اس کے ایک ماتحت نے کہا: "اس ننھی سی چیونٹی کو مسلنا آپ کی شان کے خلاف ہے۔ ہم بھی اسے ماریں گے تو آپ ہی کا نام آئے گا لہٰذا اس لڑکی کو مجبور کیا جائے، یہ اپنے ہاتھوں سے اسے مار ڈالے گی اور ہم تماشا دیکھیں گے۔"

مورو کو نے اپنی انگلی سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اتار کر ماتحت کو دیتے ہوئے کہا: "بے شک، یہ بہت ہی عمدہ منصوبہ ہے۔ ہم میں سے کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا اور یہ مر جائے گا۔"

جو جو نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کہا: "ارے، میں تو پہلے ہی اسے مارنا چاہتی ہوں۔ یہ میرے دشمن کا بیٹا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا اسے ہاتھ کیسے لگاؤں، یہ ہاتھ ہی نہیں آتا۔"

پارس نے ہنستے ہوئے مورو کو سے کہا: "میرے بوڑھے بچے، تم تو مجھ سے بھی زیادہ بچے ہو۔ اتنی دیر سے میری باتوں میں اُلجھے ہوئے ہو اور اپنے آنے کا مقصد بھول چکے ہو۔"

تب مورو کو کو ہوش آیا۔ اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر جو جو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "تم کون ہو؟"

جو جو سے پہلے پارس نے کہا: "ہم دونوں وہی ہیں جن کی تمھیں تلاش ہے۔"

مورو کو نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا: "اے، اب ہمارے درمیان نہ بولنا۔ تم خوامخواہ باتوں میں اُلجھا رہے ہو۔ ہاں تو لڑکی، تم کون؟ ابھی کہہ رہی تھیں کہ یہ تمھارے دشمن کا بیٹا ہے۔ تمھارا دشمن کون ہے؟"

جو جو نے کہا: "دنیا میں ایک ہی تو خطرناک دشمن ہے، وہ فرہاد علی تیمور۔"

"کیا؟" مورو کو نے شدید حیرانی سے پارس کی طرف دیکھا پھر پوچھا: "کیا تم پارس ہو، کیا تم وہی لڑکے ہو جس نے سلطان پاشا کے آہنی سیف سے مشین کا وہ اہم حصہ چُرایا تھا۔"

پارس نے صوفے کی پشت کے اوپر بیٹھتے ہوئے کہا: "خوب سمجھے برادر مگر ذرا دیر سے سمجھے۔ اب یہ بات بھی ذرا جلدی سمجھ لو کہ یہ لڑکی ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائیوں کی چہیتی بہن ہے۔"

اس بار مورو کو نے مسکرا کر جو جو کو دیکھا اور کہا: "میرا شبہ درست نکلا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو جو کے بھائیوں سے فرہاد کی دشمنی ہے مگر اس کا بیٹا یہاں موجود ہے۔ یقیناً کسی خاص مقصد کے تحت پارس کو یہاں بھیجا گیا ہے۔"

پارس نے کہا: "میرا باپ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پی سکتے ہیں، اسی لیے میں اور جو جو ساتھ نظر آ رہے ہیں۔"

مورو کو نے کہا: "میں تمھیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ فضول بکواس کے ذریعے میری توجہ ہٹانا چاہتے ہو۔ لڑکی، تم فوراً اپنا فیصلہ سناؤ۔ آرام سے ہمارے ساتھ چلو گی یا زبردستی لے چلیں؟"

وہ سہم کر پیچھے ہٹتی ہوئی پارس کے پاس پہنچ گئی، پھر بولی: "نہیں، میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ تم لوگ صورت سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے ہو۔"

پارس نے کہا: "دیکھ لو، یہ پناہ کے لیے میرے پاس آگئی ہے۔ اب میری غیرت یہ گوارا نہیں کرے گی کہ اسے کوئی ہاتھ لگائے۔"

مورو کو نے ہنستے ہوئے کہا: "لڑکی، ابھی تم نے اسے دشمن کا بیٹا کہا ہے۔ کیا تم اس کے پاس محفوظ رہ سکو گی۔ کیا اس کا باپ تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گا؟"

جو جو نے سہم کر پارس کو دیکھا۔ پھر اس سے بھی دور ہٹ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرنا چاہیے۔ پھر وہ بولی: "تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ پارس کو بھی لے جاؤ۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں دشمن کے بیٹے سے دوستی نہیں کروں گی اور تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ چلے جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ۔"

پارس نے اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: "کہنے کا انداز ایسا ہے جیسے شوہر کو کمرے سے نکال رہی ہو۔ وہ بے چارہ تو چلا جاتا ہے، یہ کیسے جائیں گے؟"

"یہ چھوکرا باتوں میں وقت ضائع کر رہا ہے۔ تم اپنا فیصلہ فوراً سناؤ۔"

پارس نے کہا: "صرف ایک منٹ کی مہلت دو۔ میں اس سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

مورو کو نے کہا: "تنہائی اسی کمرے میں نصیب ہو سکتی ہے، ذرا دور جا کر باتیں کر لو۔"

پارس نے جو جو کو اپنے قریب بلایا، وہ آنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کہا: "مجھے دشمن سمجھ کر ہی ایک بات سن لو، اس کے بعد تمھاری مرضی، اس پر عمل کرو یا نہ کرو۔"

وہ قریب آئی، پارس نے اس کے کان میں کچھ کہنا شروع کیا۔ وہ سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ پھر اس نے کہا: "ارے، میں تو بالکل ہی بھول جاتی ہوں۔ مجھے پہلے ہی ایسا کرنا چاہیے تھا۔"

پارس نے کہا: "مسٹر مورو کو، فیصلہ ہو گیا۔ یہ لڑکی میرے ساتھ رہے گی، تمھارے ساتھ نہیں جائے گی لیکن زبردستی کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لو تمھاری عزت کا جنازہ اس کمرے سے نکلے گا۔ بہتر ہے چُپ چاپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر چلے جاؤ۔"

مورو کو نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: "جاؤ، اس لڑکی کو پکڑ لو۔"

اس سے پہلے ہی ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگ گئی۔ اس کا جو خاص ماتحت تھا اور جس نے بہترین مشورہ دے کر ہیرے کی انگوٹھی حاصل کی تھی، وہی مورو کو کی کنپٹی سے ریوالور لگا کر کھڑا ہو گیا تھا اور کہہ رہا تھا: "کسی نے اس لڑکی کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو باس کو گولی مار دوں گا۔"

مورو کو نے غصے سے کہا: "کیا تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم مجھے گولی مارو گے۔ کیا تمھیں زندہ نہیں رہنا ہے؟"

"میں اس وقت ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں ہوں۔ تمھاری کوئی دھمکی اثر نہیں کرے گی۔ خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے واپس چلو۔"

پارس نے ہنستے ہوئے کہا: "مسٹر مورو کو، ذرا جو جو کی طرف دیکھو، یہ بالکل ساکت کھڑی ہوئی ہے۔ اس وقت تمھارے خاص ماتحت کے دماغ میں موجود ہے۔ اگر کوئی اسے چھیڑے گا تو یہ فوراً اس کے ذریعے تمھیں گولی مار دے گی۔ اب فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔ تم چند سیکنڈ کے اندر اس کمرے سے باہر نہ گئے تو بے موت مارے جاؤ گے۔"

مورو کو نے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ ایسا بے بس وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے سامنے دنیا کے اہم ترین دو نگینے تھے۔ ایک فرہاد کا بیٹا پارس اور دوسری ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی بہن جو جو۔ دونوں اہم تھے، وہ ان کے ذریعے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا لیکن موت اس کی کنپٹی پر اٹکی تھی۔ ابھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے مجبوراً پسپا ہونا پڑ رہا تھا۔ اس نے حکم دیا: "تم سب یہاں سے باہر نکلو۔"

اس کا حکم سنتے ہی تمام ماتحت باہر جانے لگے۔ پھر اس نے وصیل چیئر کو گھماتے ہوئے کہا: "میں زندگی میں پہلی بار چوٹ کھا کے جا رہا ہوں، وہ بھی تم جیسے کم سن بچوں سے۔ مگر بُری طرح انتقام لوں گا۔"

پارس نے پوچھا: "کیا میں اسے گولی مارنے کا حکم دوں؟"

وہ جلدی سے وصیل چیئر کو آگے بڑھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ جب وہ چلے گئے تو پارس نے آہستگی سے کہا: "خبردار! اس آدمی کے دماغ سے ابھی نہ نکلنا، جیسے ہی اس کے دماغ کو آزاد چھوڑو گی، وہ پھر واپس آ جائیں گے۔"

یہ سمجھا کر وہ دوڑتا ہوا دروازے کے پاس آیا، پھر اسے اندر سے بند کر دیا۔ جو جو نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا: "اب اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دوں؟"

اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "ارے، مجھ سے بات کر رہی ہو، اس کا مطلب ہے کہ اُسے چھوڑ چکی ہو، جاؤ، جلدی سے دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے۔"

ہونا کیا تھا، دماغ آزاد ہوتے ہی وہ ریوالور والا ایک دم سے بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا اور کہا: "اوہ، مجھے کیا ہو گیا تھا باس، ہم کمرے سے باہر کیسے نکل آئے۔"

مورو کو نے کہا: "خدا کا شکر ہے، تم اپنے آپ میں ہو، فوراً ریوالور اٹھا کر مجھے دو۔"

اس نے جھک کر اسے اٹھایا لیکن اسے دینے سے پہلے ہی پھر الرٹ ہو کر بولا: "خبردار، میں پھر تمھارے دماغ میں آگئی ہوں۔ زیادہ چالاکی نہ دکھانا، چپ چاپ اس ہوٹل سے نکل جاؤ۔"

اس نے ریوالور کو کوٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا: "اب یہ میری جیب میں ہے اور میں اسی کے ذریعے تمھارا نشانہ لوں گی۔ لہٰذا وصیل چیئر گھسیٹتے چلو۔"

جو جو کمرے میں ساکت کھڑی ہوئی تھی۔ پارس صوفے پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد جو جو نے ایک گہری سانس لی پھر پارس کو دیکھتے ہوئے بولی: "وہ لوگ ہوٹل سے باہر جا کر ایک گاڑی میں بیٹھ گئے تھے، پھر اس میں بیٹھ کر چلے گئے ہیں۔"

"اگر میں تمھیں خیال خوانی کرنے کا طریقہ نہ بتاتا اور اس آدمی کے ذریعے مورو کو کو ٹریپ نہ کرتا تو تم کہاں ہوتیں؟"

وہ خوش ہو کر بولی: "پارس، تم بہت اچھے ہو۔"

"مگر میں دشمن کا بیٹا بھی تو ہوں۔"

وہ پھر دور ہو گئی۔ سہم کر اسے دیکھتے ہوئے بولی: "تم ابھی تک اس کمرے میں ہو۔ چلو نکلو یہاں سے۔"

"مجھے کبھی نہ کبھی اس کمرے سے باہر جانا ہے مگر تم ایک بات یاد رکھو، میرے جانے کے بعد یاد کرو گی۔ میں تمھارے دل و دماغ پر چھایا رہوں گا۔"

"بھائی آرمر ٹھیک کہتے تھے، کسی کو دل و دماغ پر مسلط ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ تم یہاں سے...."

وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ ایسے ہی وقت شاریر اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ یہ وہی وقت تھا جب اس نے ہندوستان میں میرے راستے کی رکاوٹ بننے کی کوشش کی تھی۔ جس کے نتیجے میں ہر یا مارا گیا تھا اور میں نے اسے چیلنج کیا تھا کہ وہ فوراً جوجو کے پاس نہ گیا تو اسے بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میری دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی اور وہ چلا گیا تھا۔ جب جوجو کے دماغ میں پہنچا تو وہ پارس کو کمرے سے بھگا رہی تھی۔ شاریر نے اپنے بھائی آرمر کے لہجے میں کہا "میں تمھارا بھائی بول رہا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ، یہ لڑکا کون ہے؟"

"یہ ہمارے دشمن فرہاد کا بیٹا ہے۔ ابھی دوسرے دشمنوں سے کہہ رہا تھا کہ اس نے مشین کے ایک حصے کو چرایا ہے۔"

اُس نے چونک کر کہا "بہن، اسے کمرے سے نہ بھگانا۔ کسی طرح بہلا پھسلا کر اپنے پاس ہی رکھنا۔ کیا تمھارے پاس خواب آور گولیاں ہیں؟"

"نہیں۔"

"میں ابھی اپنے ذرائع استعمال کر کے تمھارے پاس دوا بھیجتا ہوں تم کسی طرح اسے دودھ یا چائے میں وہ گولیاں حل کر کے پلا دو، اسے بے ہوش کر کے اپنے کمرے میں ہی رکھو۔ فرہاد اس کے دماغ میں آکر تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

میں پہلے بتا چکا ہوں، انھوں نے اپنی بہن کو مجھ سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بار تنویمی عمل کیا تھا تاکہ میں اُس معصوم کے دماغ میں پہنچ کر اُسے نقصان نہ پہنچا سکوں، لیکن میں ایسے وقت موجود تھا اور اُن کے تنویمی عمل کو ناکام بنا رہا تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ میں جوجو کے دماغ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔

شاریر تھوڑی دیر کے لیے اپنی بہن کے پاس سے چلا گیا تھا۔ اپنے ذرائع استعمال کر کے جلد سے جلد وہاں خواب آور گولیاں پہنچانا چاہتا تھا۔ یقیناً پارس کو نیندی حالت میں اغوا کر کے کسی خاص اڈے میں پہنچانا چاہتا تھا تاکہ مشین کے اُس حصے کا سُراغ لگا کر دوبارہ اُسے حاصل کر سکے۔

اور یہ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی، میرا بیٹا اس کے ہاتھ آنے والا تھا وہ اس سنہرے موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتا لہٰذا وہ اسرائیلی ذرائع استعمال کر رہا تھا، جن کا انکشاف بعد میں ہوا۔ میں صرف اسرائیلی لابی کی بات کر رہا ہوں۔ ویسے پارس نے جب سے مشین کا وہ حصہ چرایا تھا، تب سے ریڈ پاور اور سپر ماسٹر کی تنظیم کے افراد حرکت میں آگئے تھے۔ اس بچے کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ جب موروکو، پارس تک پہنچا تھا اور وہاں سے ناکام ہو کر واپس ہو گیا تھا تو یقیناً یہ خبر دوسری خطرناک تنظیموں تک بھی پہنچنے والی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پارس کو خواب آور دوا کھلائی یا پلائی جانے والی تھی۔ میں اُس وقت ہندوستان میں مصروف تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچنے والا تھا اور تھوڑی دیر بعد کیا قیامت آنے والی تھی، یہ میں نہیں جانتا تھا۔ ویسے اطمینان اِس بات کا تھا کہ پارس تنہا کبھی نہیں رہتا۔ اُس کے دماغ میں شیبا موجود رہتی ہے۔

جوجو پلنگ کے سرے پر بیٹھی پارس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے پوچھا "میں جاؤں؟"

وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی، پھر بولی۔ "نہیں، تم میرے پاس رہو۔"

"ابھی تم مجھے بھگا رہی تھیں۔"

"میں غلطی پر تھی، تم بہت اچھے دوست ہو۔ میرے سامنے بیٹھے رہو۔ تم نے کتنے خطرناک لوگوں سے بچایا ہے ---- میں ہمیشہ اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بھول جاتی ہوں اور صلاحیتیں یاد رہیں تب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے دشمن کو بے بس کرنا چاہیے۔ تم مجھے مشورہ نہ دیتے تو میں محفوظ نہ رہتی۔ دشمنوں کے شکنجے میں ہوتی۔"

ایسا کہتے کہتے اُس کے اندر ایک ہلکا سا درد پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے دل کی جگہ سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُس کا ضمیر اس کی طرح معصوم تھا۔ کہہ رہا تھا واقعی پارس نے کتنے خطرناک دشمنوں سے بچایا ہے۔ اِس سے پہلے بھی وہ بیرا نشیلی دوا ملا کر چائے پلانا چاہتا تھا۔ پھر ٹیکسی ڈرائیور سے جان بچائی۔ یہ میرے کتنے کام آرہا ہے۔ بے شک، یہ دشمن کا بیٹا ہے مگر مجھ سے دشمنی نہیں کر رہا ہے، میری حفاظت کرتا جا رہا ہے۔ یہ میرے ساتھ اتنی ہمدردی اور محبت کیوں کر رہا ہے؟

اُسے اپنے دماغ میں شاریر کی آواز سنائی دی جو بھائی آرمر کے لہجے میں بول رہا تھا "دشمن ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنی دشمنی کا پتا نہیں چلنے دیتے۔ اوپر سے محبت کرتے ہیں، اندر سے گلا کاٹتے ہیں۔ تم ابھی معصوم ہو۔ دنیا والوں کی مکاریوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ تم یہ بھی نہیں سمجھ سکتیں کہ کس طرح فرہاد نے اپنے بیٹے کو تمھارے پاس بھیجا ہے اور تمھاری معصومیت اور نادانی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ میں تم سے زیادہ عقل مند ہوں، تم مجھ پر بھروسا کرتی آئی ہو، لہٰذا جیسا کہتا ہوں ویسا کرتی جاؤ۔ خواب آور دوا کسی وقت بھی یہاں پہنچنے والی ہے۔ جو بھی دروازے پر دستک دے، تم دروازہ کھول کر اُس سے دوا لے لینا۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ شاریر نے کہا "جاؤ، گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ دروازہ کھولو۔"

جوجو نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دروازہ اُس کے منہ پر لگا۔ کسی نے اُسے ایک جھٹکے سے کھولا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔ آنے والے چھ تھے۔ انھوں نے اُسے بازوؤں سے جکڑ لیا۔ اُس کی ناک پر رومال رکھا۔ وہ تڑپنے لگی، تلملانے لگی۔ شاریر اُس کے دماغ میں موجود تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دوستوں کی توقع میں دشمن پہنچ جائیں گے۔ اُس نے جوجو کے دماغ میں رہ کر پوری طرح جسمانی جدوجہد کرنے کی کوشش کی لیکن وہ نازک اندام تھی، جدوجہد کامیاب نہ ہو سکی اور وہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑ گئی۔

پارس اُس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا مگر ٹھٹک گیا۔ ایک شخص ریوالور دکھا رہا تھا۔ پھر اُس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا گولی کی صورت میں پارس کی طرف پھینکا۔ پارس نے اُٹھا کر پڑھا۔ لکھا تھا ---- اگر تم جوجو کی زندگی چاہتے ہو تو چپ چاپ ہمارے ساتھ چلو۔

وہ اُن کے ساتھ جانے لگا۔ شاریر کی عجیب حالت تھی، اب وہ بہن کے دماغ میں نہیں رہ سکتا تھا، وہ اُس کے کسی کام نہیں آسکتی تھی۔ اُس نے پارس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ پہلی بار پتا چلا، اُس کے دماغ کو پہلے ہی مقفل کر دیا گیا ہے یعنی وہ اُس کے ذریعے بھی یہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ وہ انجانے دشمن اس کی بہن کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ انسان مکافاتِ عمل کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ پارس کو خواب آور گولیوں کے ذریعے بے ہوش کرنا چاہتا تھا، اب خود اس کی بہن بے ہوش ہو گئی تھی۔ یہ غلطی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہ جلد سے جلد اسرائیلی ذرائع استعمال کرنے کے لیے جا چکا تھا۔

ایسے ہی وقت میں اپنے معاملات سے نمٹنے کے بعد جوجو کے دماغ میں پہنچ رہا تھا مگر پتا چلا، وہ بے ہوش ہے۔ پارس کے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوشش پہلے کر چکا تھا۔ لہٰذا میں نے سونیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "جوجو اور پارس کسی مشکل میں مبتلا ہیں۔ کیا تمھیں خبر ہے؟"

"میں جانتی ہوں۔" پھر اُس نے مجھے بتایا کہ پارس اور جوجو پر کیا بیتی۔ کس طرح پہلے مورو کو آیا تھا۔ اس کے بعد پھر انجانے دشمن آئے۔ جوجو کو بے ہوش کیا گیا۔ پارس اُس کی سلامتی کی خاطر چپ چاپ اُن کے ساتھ چلا گیا ــــ

میں نے پوچھا "کہاں گیا ہے؟"

"جہاں بھی گیا ہے، ہم سمجھ لیں گے، فکر میں دُبلے کیوں ہو رہے ہو۔ تم پارس دوم کی خبر لو اور اپنے معاملات کو سمجھتے رہو۔ اللہ نے چاہا تو ہمارا پارس اوّل سلامت رہے گا۔"

سونیا سے مزید پوچھنا بے کار تھا۔ سونیا، شیبا اور آمنہ تینوں عورتوں نے مل کر اپنا ایک خفیہ سنڈیکیٹ بنایا تھا۔ پتا نہیں کیا کھچڑی پکا رہی تھیں اور کس طرح ہضم کرتی جا رہی تھیں۔ میں نے سوچا، جوجو ہوش میں آئے گی، تب میں اس کے دماغ میں پہنچ کر حالات معلوم کر لوں گا۔

بعد میں جب جوجو ہوش میں آئی اور اُس کے ذریعے حالات کا علم ہوا تو ان حالات کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

گاڈی ڈی مورو کو بہت مجبور اور بے بس ہو کر جوجو کے کمرے سے گیا تھا مگر اندر ہی اندر تلملا رہا تھا۔ دنیا کے تمام خطرناک مجرم اُس سے دبتے تھے، اُس کے محتاج رہتے تھے۔ اِدھر دو معمولی کم سن بچوں نے اُسے بے بس کر کے کمرے سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک بار اُسے موقع ملا تھا، جب اُس کے خاص ماتحت کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا تھا۔ لیکن فوراً ہی جوجو نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس طرح وہ مجبور ہو کر ہوٹل سے باہر آیا تھا اور اپنی خاص گاڑی کے پچھلے حصے میں وھیل چیئر سمیت سوار ہو گیا تھا۔ وہاں بھی اُس کا خاص ماتحت اُسے نشانے پر رکھے ہوئے تھا، جب گاڑی چل پڑی اور دیر تک چلتی رہی، تب اچانک ماتحت کو ہوش آیا۔ اُس نے معذرت چاہتے ہوئے کہا "باس، میں بہت مجبور ہوں۔ میرا دماغ اُس کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔ اب میں آزاد ہوں۔"

مورو کو نے کہا "جتنی جلدی ہو سکے، اس گاڑی کا دروازہ کھول کر چلے جاؤ، بہت دُور چلے جاؤ، پھر کبھی نظر نہ آنا۔ ورنہ میرے آدمی تمھیں گولی مار دیں گے۔ ویسے تمھیں ابھی ختم کر سکتا ہوں لیکن تم میرے وفادار رہے ہو، اس لیے تمھاری جان بخش رہا ہوں۔"

اُس نے گاڑی روکنے کا حکم دیا۔ اس کا خاص ماتحت ریوالور وہیں چھوڑ کر دروازہ کھول کر بھاگتا چلا گیا۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ اب مورو کو آزاد تھا۔ اس پر ٹیلی پیتھی کا حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اُس نے اپنے چند اہم آدمیوں کو اچھی طرح ہدایت کی تھی کہ وہ گونگے بنے رہیں گے اور ان دونوں کو اغوا کر کے باس فورس کے ساحلی قلعے میں لے آئیں گے۔ جب جوجو ہوش میں آئی تو مجھے اُس کے دماغ کے ذریعے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اغوا کر کے کس جگہ لایا گیا ہے۔ مجھے یہ سوچ کر غصہ آرہا تھا کہ شیبا، سونیا اور آمنہ کو پوری طرح علم تھا۔ کیونکہ پارس ہوش میں تھا اور وہ اغوا ہونے کے دوران راستے کو پہچان رہا تھا۔ سونیا کو معلوم ہو گا کہ وہ کس قلعے میں لائے گئے ہیں لیکن وہ بتانے والی نہیں تھی اور میں اُس سے پوچھنے والا نہیں تھا۔

جوجو ایک کمرے کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ پارس اُس کے سر کو اپنے زانو پر رکھ کر سہلا رہا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو اُس نے حیرانی سے دیکھا، پھر سوچنے لگی، اِس وقت کہاں ہے؟ جب اُسے احساس ہوا کہ سخت اور کھُردرے فرش پر لیٹی ہوئی ہے تو اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پارس نے کہا "ہم انجانے دشمنوں کی قید میں ہیں۔"

"کیا تم قید میں بھی پیچھا نہیں چھوڑو گے؟"

"ہمارے ایک ایک ہاتھ مقدر کی ہتھکڑی میں ہیں۔ الگ ہونا ممکن نہیں ہیں۔ بائی دی وے، تمھیں میری ذات سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"یہ نقصان کم ہے کہ میں انجانے دشمنوں کی قید میں آگئی ہوں اور یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"کیا تمھارے بھائی کی وجہ سے نہیں ہوا، وہ مجھے خواب آور گولیاں کھلا کر بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ بڑی خوش فہمی میں مُبتلا تھا کہ دروازے پر دستک دینے والے میری موت کا سامان لے کر آگئے ہیں۔ بعد میں اُسے ہوش آیا ہوگا کہ اُس نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری ہے۔"

اِس وقت تک شار پرا اپنی بہن کے دماغ میں پہنچ گیا تھا اور کہہ رہا تھا "یہ لڑکا بہت بولتا ہے۔ بے شک مجھ سے غلطی ہوئی مگر تم اس پر کبھی بھروسا نہ کرنا اور کبھی نہ بھولنا کہ یہ دشمن کا بیٹا ہے۔"

مَیں نے کہا "شار پرا میں بھی جوجو کے دماغ میں ہوں۔ اس خوش فہمی میں مُبتلا نہ رہو کہ تم نے اس کے دماغ کو میرے لیے مقفّل کر دیا ہے۔ بہرحال میرے بیٹے سے دشمنی کرنے کے بجائے اپنی بہن کے تحفّظ کی فکر کرو اور معلوم کرو کہ یہ کہاں قید ہے؟"

"مجھے تم سے زیادہ بہن کی فکر ہے لیکن مَیں تمھارے بیٹے سے مشین کا وہ حصّہ نکلوا کر رہوں گا۔ اس سے معلوم کر کے رہوں گا کہ اسے کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

"مشین کے اس حصّے کے لیے صرف تم نہیں، ساری دنیا میرے بیٹے کے پیچھے پڑنے والی ہے۔ لہٰذا مجھے پارس کے سلسلے میں دھمکی نہ دو۔ میں اس کے لیے فکر مند ہوتا تو اُسے یوں آزادی سے منظرِ عام پر آنے نہ دیتا۔"

اُس نے ناگواری سے کہا "تم میری بہن کے دماغ میں کیوں موجود ہو پارس کے پاس جاؤ اور معلوم کرو، انھیں کہاں قید کیا گیا ہے؟"

"تمھیں شاید یہ سُن کر تعجب ہوگا اور شاید یقین بھی نہ آئے کہ مَیں اپنے بیٹے کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔"

"یہ سفید جھوٹ ہے۔"

"کچھ بھی کہہ لو، اُس کی ماں نے اُس کے باپ پر پابندی عائد کر دی ہے۔"

"تمھاری باتوں سے پتا چلتا ہے، رسونتی میدانِ عمل میں آ چکی ہے۔"

"تم کچھ بھی سمجھ سکتے ہو۔ فی الحال وقت ضائع کر رہے ہو معلومات حاصل کرو، یہ دونوں کہاں ہیں؟"

میری بات ختم ہوتے ہی بہت دُور سے ہارن کی آواز سنائی دی یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی جہاز ساحل کی طرف سے گزر رہا ہو۔ شار پرا نے چونک کر کہا "میری بہن کسی ساحلی علاقے میں لائی گئی ہے۔ مَیں باس فورس اور بحیرۂ مُرمرہ کے تمام ساحلی علاقوں کو کھنگال ڈالوں گا۔"

مجھے استنبول میں سونیا کی موجودگی سے اطمینان تھا۔ وہ چُپ چاپ پورے شہر پر حکمرانی کر رہی ہوگی اور ایسی چالیں چل رہی ہوگی جو کسی کی سمجھ میں نہ آ سکتی ہوں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے۔ انجام کار جب اُس کی چالیں سمجھ میں آتی ہیں تو دشمن سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں۔

مشکل یہ تھی کہ مَیں چُپ چاپ سونیا کے دماغ میں پہنچ کر معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال مجھے پھر اُس کے پاس جانا پڑا۔ مَیں نے کہا "مَیں تہیہ کر چکا تھا کہ تم سے پارس کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گا لیکن مَیں باپ ہوں، اس کی فکر میں سو نہیں سکتا۔"

"کیا مَیں اُس کی ماں نہیں ہوں۔ کیا اس لیے ماں نہیں ہوں کہ مَیں نے اُسے جنم نہیں دیا ہے۔ دیکھو فرہاد، مَیں یہ ثابت کر دوں گی کہ صرف جنم دینے والی ماں نہیں ہوتی۔ بچّے کی اعلیٰ تربیت کو تکمیل تک پہنچانا، اُسے بہتر سے بہتر ہُنر سکھانا، اُسے غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک بنانا، اگر کوئی عورت یہ جانتی ہے اور اُسے ایسا بنا دیتی ہے تو اُس سے بڑھ کر کوئی اور ماں نہیں ہو سکتی۔ مَیں ثابت کر دوں گی کہ مَیں ہی پارس کی ماں ہوں۔ دوسری ماں شیبا ہے، تیسری ماں آمنہ ہے۔ ہاں رسونتی کا احسان ہے کہ اُس نے ہمارے پارس کو جنم دیا ہے۔"

"تم ایک بات بتا دو، پارس کو اتنی ڈھیل کیوں دے رہی ہو؟"

"مَیں دو باتیں بتا چکی ہوں۔ ایک تو یہ کہ اسے زیادہ سے زیادہ پبلسٹی دے رہی ہوں تاکہ دہلی والا پارس دوم مشکوک ہو جائے۔ تم صرف کل تک انتظار کرو اور دیکھو دہلی کی ہیرک میں کیا ہلچل پیدا ہوتی ہے!"

"یہ بات تو تم بتا چکی ہو، دوسری بات بتاؤ۔"

"دوسری بات یہ کہ مشین کے اس حصّے کو مَیں خود سلطان پاشا کے ہاں سے چُرا کر لا سکتی تھی، لیکن پارس کی وجہ سے تمام جرائم پیشہ افراد چوکنّے ہو گئے ہیں۔ ایک پانچ سال کے بچّے نے اس مشین کے حصّے کو چُرایا ہے جس کے لیے ساری دنیا پاگل ہے۔ اب شار پرا، بار پرا کوئی بھی اُن کا حمایتی یہ ثابت نہیں کر سکے گا کہ مشین محض ایک سپنا ہے، ایک خیالی بات ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور یہ صرف دنیا کو دھوکا دینے کے لیے ہے اور یہ کہ وہ مشین تباہ کی جا چکی ہے۔ مَیں اس بات کی نفی کر رہی ہوں۔ مَیں ثابت کر رہی ہوں، مشین کو تباہ نہیں کیا گیا ہے۔ ابھی وہ موجود ہے اور اس کے لیے فسادات برپا ہوتے رہیں گے اور جب تک فسادات برپا ہوتے رہیں گے، شار پرا اور بار پرا کی زندگی اجیرن ہوتی رہے گی۔"

"تم نے پارس کو جوجو کے پیچھے کیوں لگا دیا ہے؟"

"اُس کے بھائیوں نے جوجو کے دل و دماغ میں یہ بات نقش کر دی ہے کہ تم اُس کے بدترین دشمن ہو۔ پارس اُس کے ساتھ لگا رہے گا اور بہت جلد اُسے قائل کر دے گا کہ تم اُس کے دشمن نہیں، ایک ہمدرد بزرگ ہو۔ لفظ بزرگ استعمال کرنے کی معذرت چاہتی ہوں کیونکہ ہمارا بیٹا جوجو سے عشق شروع کر چکا ہے۔ اب باپ کو اپنے اِن اعمال سے توبہ کر لینا چاہیے۔ بہرحال، دو چار دنوں میں جوجو کے دل و دماغ سے تمھارے لیے نفرت مٹ جائے گی۔"

مَیں جانتا ہوں، یہ سونیا کی ذہانت اور دماغی قوتیں ہیں ورنہ تو میرے پاس اتنا وقت ہے نہ ہی اتنی دماغی توانائی ہے کہ مَیں یہ سوچتا اور غور کرتا رہوں کہ کیسی کیسی چالیں چلنے سے کیسے کیسے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ مَیں تو ہر وقت چالیں چلتا تھا جس کا نتیجہ کبھی اچھا نکلتا تھا، کبھی بہت بُرا۔ اور مَیں مصائب میں اُلجھتا جاتا تھا۔ فی الحال نئی مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہی مَیں نے اعلیٰ بی بی کو اپنے پاس بلایا تھا۔ سونیا استنبول چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس کا متبادل اعلیٰ بی بی ہی تھی۔

اس وقت بھارت میں رات کے دو بجنے والے تھے۔ ہمارا سفر دہلی کی سمت جاری تھا۔ اس حساب سے استنبول میں رات کے دس بج چکے تھے۔ ابھی میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ پھر یہ کہ پارس اوّل کی شرارتوں نے اور اس کے پیچھے سونیا، شیبا اور آمنہ کی ذہانتوں اور کوششوں نے جو گُل کھلائے تھے، اُس سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ مَیں سونے کے بجائے پھر جوجو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پارس سے پوچھ رہی تھی "تم میرے ساتھ یہاں کیسے چلے آئے۔ مَیں بے ہوش تھی، تم تو ہوش میں تھے۔ تم تو بہت چالاک ہو، تم اُن کے جال میں کیسے پھنس گئے؟"

"شاید تمھیں یقین نہ آئے، انھوں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ مَیں نے کوئی حرکت کی تو تم سلامت نہیں رہو گی۔ تمھاری سلامتی کی خاطر مَیں بھی قیدی بن کر چلا آیا۔"

جوجو نے ایک ذرا چُپ ہو کر اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر کہا "مجھے یقین نہیں آتا۔ تم بھلا میرے لیے اتنی بڑی قربانی کیوں دو گے۔ تم تو میرے دشمن کے بیٹے ہو۔"

"تمھیں کیسے پتا چلا کہ میرے پاپا تمھارے دشمن ہیں؟"

"میرے بھائی کہتے ہیں۔"

"تمھارے بھائیوں کو کہنے دو۔ صرف اتنا بتا دو، آج تک میرے پاپا نے تمھیں کسی قسم کا نقصان پہنچایا ہے؟"

وہ سوچنے لگی، پھر انکار میں سر ہلا کر بولی "نقصان تو نہیں پہنچایا ہے مگر میرے بھائی کہتے ہیں اور میرے بھائی غلط نہیں کہہ سکتے۔"

"تمھارے بھائی نے تو یہ بھی کہا تھا کہ مجھے خواب آور گولیاں کھلا کر سُلا دیا جائے، بے ہوش کر دیا جائے، اُلٹا تم بے ہوش ہو گئیں۔ کیا یہ تمھارے بھائیوں کی غلطی نہیں ہے؟"

"کیا تم مجھے بھائیوں کی طرف سے بہکا رہے ہو؟"

"ہرگز نہیں، تمھارے بھائی تمھیں مبارک ہوں۔ مَیں تو اپنے پاپا کی طرف سے صفائی پیش کر رہا ہوں۔ جب کسی کی طرف سے کوئی نقصان نہ پہنچے تو وہ بھلا دشمن کیسے ہو سکتا ہے!"

"تم دیکھنے میں چھوٹے ہو مگر باتوں میں قدآور ہو۔ مَیں تمھاری باتوں کا جواب نہیں دے سکتی۔"

"مَیں بھی تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ تم بھی تنہائی میں سکون سے اس بات پر غور کرو کہ جس سے نقصان نہ پہنچتا ہو وہ بھلا دشمن کیسے ہو سکتا ہے اور جس کا بیٹا قدم قدم پر تمھاری حفاظت کر رہا ہو وہ دوست ہوگا یا تمھاری اوندھی کھوپڑی کے مطابق دشمن؟"

"اے خبردار، میری کھوپڑی کو اوندھی نہ کہنا، یہ سیدھی ہے۔"

"یہ کھوپڑی اُس وقت تک اوندھی رہے گی جب تک مَیں تمھاری ممّی کی دی ہوئی عقل واپس نہیں کروں گا۔"

وہ چونک کر بولی "ارے ہاں، مَیں تو بھول ہی گئی تھی کہاں ہے وہ امانت جو میری ممّی نے دی تھی؟"

"جب تمھارے بھائی ٹرانسفارمر مشین کے تینوں حصّے ایک جگہ جمع کر لیں گے، تب مَیں وہ عقل لا کر دوں گا تاکہ اُس کے ذریعے تمھارے دماغ میں اسے پہنچایا جائے۔"

وہ جلدی سے پارس کا ہاتھ تھام کر بولی "کیا سچ مُچ ایسا کرو گے، میری عقل مجھے واپس کرو گے نا؟ بے ایمانی تو نہیں کرو گے؟"

"تمھاری جیسی معصوم لڑکی سے بے ایمانی کرنے والا نہ جانے کون سنگدل ہوگا۔ ابھی دنیا والوں کو یہی سمجھنے دو کہ آج بھی ہماری دنیا میں ایسی بھولی بھالی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہماری دنیا خوب صورت ہے اور تمھاری ہی جیسی معصوم اور شریف زادیوں سے خوب صورت ہے۔"

"مَیں تم پر بھروسا کروں گی، تم سے دوستی کروں گی۔"

"لیکن مَیں تو دشمن کا بیٹا ہوں اور تمھارا بھائی تمھیں میرے خلاف بھڑکا رہا ہے۔"

"انھیں بھڑکانے دو، جب تم میری عقل واپس کرو گے تو مَیں اُس عقل سے سوچوں گی کہ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے۔"

مَیں اُن کی باتیں سُن رہا تھا اور سوچ رہا تھا، نادان، معصوم اور بھولی بھالی جوجو نے کتنی اچھی بات کہہ دی ہے کہ جب اُسے عقل مل جائے گی تو وہ اچھی اور بُری باتوں کو سمجھنے لگے گی۔ واقعی یہ سارا کھیل عقل کا ہوتا ہے۔

پارس نے کہا "جب ہم دوست بن گئے ہیں تو دوستوں کی طرح باتیں کریں گے۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ بتاؤ مَیں کیسا لگتا ہوں؟"

وہ اُسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی "تم بہت پیارے لگتے ہو۔"

پارس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "ابھی تمھارا بھائی آئے گا اور میرا سارا پیارا پن ختم ہو جائے گا۔ تمھاری کھوپڑی کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر کھسکتی رہتی ہے۔"

"ہائے، تم میری اِنسلٹ کر رہے ہو۔"

"جب تک تمھاری عقل واپس نہ ملے اُس وقت تک اِنسلٹ برداشت کر لو۔"

"تمھاری باتیں کچھ سمجھ میں آتی ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتیں۔ شاید میں جلدی میں پیدا ہو گئی تھی اور اپنی ممّی کے پاس عقل چھوڑ آئی تھی۔ بھائی آرمر بھی ہمیشہ شکایت کرتے ہیں کہ مَیں ہر کام میں جلدی کرتی

ہوں اور بہت کچھ بھول جایا کرتی ہیں۔ اس لیے تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے واقعی میں نے ممی کے پاس عقل چھوڑ دی تھی۔ اوہ گاڈ، میں نے یہ کیا کیا۔ اب تو اس نھّے دوست پر اعتماد کرنا ہوگا۔ کیا تم درست کہتے ہو، کیا ٹرانسفارمر مشین کے تینوں حصّے ایک جگہ ہو جائیں تو وہ عقل میرے دماغ میں منتقل ہو سکتی ہے؟"

"میں نے اب تک تمھیں دھوکا نہیں دیا ہے، تمہاری حفاظت کرتا آرہا ہوں۔ تمہارے لیے جان کی بازی لگا کر اس قید خانے میں آگیا ہوں کیا اب بھی مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟"

جوجو نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پارس نے اس کے ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہتھیلی کی پشت کو سہلاتے ہوئے کہا "تمھارے یہ ہاتھ کتنے خوب صورت ہیں، کتنے . . ."

اُس نے یکبارگی اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا "بھائی آرمر نے کہا تھا کسی مرد سے دوستی نہ کرنا اور تم مجھے دوستی میں اُلجھا رہے ہو۔ ارے تم ابھی تک یہاں موجود ہو۔ نکلو میرے کمرے سے۔"

پارس نے پھر اپنا سر پیٹ کر کہا "محترمہ یہ قید خانہ ہے۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی "پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ میں بھول جاتی ہوں۔ میں کہیں بھی رہوں ایسا لگتا ہے، جیسے اپنے کمرے میں ہوں۔"

"ایسی بھول سے زیادہ نقصان نہیں ہوتا لیکن تم خاص موقع پر خیال خوانی کرنا بھول جاتی ہو، اس سے ہم دونوں کو نقصان پہنچے گا جب بھی دشمن ہمارے سامنے آئیں ہمیشہ حاضر دماغ رہا کرو اور موقع کی تاک میں رہا کرو کہ کب کوئی بول اُٹھے تو اس کے لہجے کو گرفت میں لے سکو۔ کیا تم یہ باتیں یاد رکھ سکو گی؟"

اُس نے ہاں، ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی "تم نے ابھی تک میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا؟"

"تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے کر بھول گئی تھیں۔ ابھی خود اعتراف کر چکی ہو کہ تمھیں بھولنے کی عادت ہے۔"

"میں ایسی بھلکڑ نہیں ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، تم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں خود لیا تھا۔"

"اچھا بتاؤ، کیوں لیا تھا؟"

"میرے ہاتھ کی تعریف کر رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"یہی کہ یہ ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔"

"تم خود اپنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھو خوب صورت ہے یا نہیں؟"

وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے، اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولی "میں بہت خوب صورت ہوں۔ پہلے میرے بھائی مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ کہتے تھے نظر لگ جائے گی۔ وہ میری بہن روزانہ ہے، وہ میرے حسن سے جلتی ہے مگر بھائی آرمر بہت محبت کرتے ہیں، کہتے ہیں اتنی بڑی دنیا میں میری جیسی کوئی نہیں ہے"

"اور خدا نہ کرے کوئی ہو۔"

وہ خوش ہو کر بولی "میں بھی یہی چاہتی ہوں، میری جیسی اور کوئی حسین نہ ہو۔ ایک بات بتاؤں، جب تم میری تعریف کرتے ہو تو بہت اچھا لگتا ہے مگر غصہ بھی آتا ہے۔"

"غصہ کیوں آتا ہے؟"

"بھائی آرمر نے کہا تھا جب بھی کوئی مرد تعریف کرے تو اُسے غصہ دکھانا تاکہ وہ زیادہ لفٹ حاصل نہ کر سکے۔ اگر وہ ڈھیٹ پھر بھی پیچھا نہ چھوڑے تو اسے طمانچہ مار دینا۔"

"تم نے اب تک طمانچہ نہیں مارا؟"

وہ خوشامدانہ انداز میں بولی "پلیز، ایک بار مجھے مار لینے دو بھائی آرمر سے کہہ سکوں گی کہ میں اُن کی تمام ہدایات پر عمل کرتی ہوں۔"

"تمھیں اتنی ہی خواہش ہے تو مار دو۔"

پارس نے اپنا چہرہ آگے بڑھایا۔ جوجو نے ہاتھ اٹھا کر پوری قوت سے گھمایا اور خود گھوم کر رہ گئی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ جوجو کو غصہ آیا وہ تلملا کر اٹھی۔ پارس اور پیچھے چلا گیا۔ وہ اُنگلی دکھا کر بولی "دیکھو! ایک طمانچہ مارنے دو، نہیں تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا تمھیں اتنی بھی عقل نہیں ہے کہ اپنی خوشی سے کوئی نہیں کھاتا؟"

"میں تمھیں ضرور ماروں گی۔" وہ اسے طمانچہ مارنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑنے لگی۔ پارس اِدھر سے اُدھر جھکائی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا "تمہارے بھائی آرمر نے یہ نہیں بتایا کہ جو ڈھیٹ طمانچہ بھی نہ کھائے تو تمھیں کیا کرنا چاہیے۔"

وہ دوڑتے دوڑتے رُک گئی۔ پھر سوچتے ہوئے بولی "ہاں آرمر نے اس کے بعد کچھ بتایا ہی نہیں۔ اب میں کیا کروں؟"

اسی وقت دونوں چونک گئے۔ اس بند کمرے میں کسی طرف سے گائی ڈی مورو کو کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "کیا تم نے اسے بچّوں کا پارک بنا لیا ہے کہ ہنستے کھیلتے جا رہے ہو؟"

پارس نے کہا "مسٹر مورو کو! بچّے معصوم ہوتے ہیں وہ آزادی، پابندی کو نہیں سمجھتے، گھر ہو یا قید خانہ، ہنسی آتی ہے تو ہنس دیتے ہیں، رونا آتا ہے تو رو دیتے ہیں۔ اس اُمید پر کہ اُن کے بڑے آکر پوچھیں گے۔"

مورو کو نے کہا "میری مرضی کے بغیر یہاں تمہارا کوئی بڑا نہیں آسکے گا۔ اگر تمہارے دماغوں میں لینے اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں تو میں اُن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یعنی بچّوں کے باپ سے بات کرنا چاہتے ہو؟"

"لڑکے، تم زیادہ بکواس کیوں کرتے ہو؟"

"ایک بات کسی کے لیے بکواس ہوتی ہے اور کسی کے لیے نصیحت، اگر تم ہمارے سرپرست سے یا ہمارے باپ سے بات کرنا چاہتے ہو تو بچّہ آدمی کا باپ ہوتا ہے اور میں خود اپنا باپ ہوں۔ لہٰذا مجھ سے بات کرو۔"

"ہوں"، اُس کے غرّانے کی آواز سنائی دی۔ پھر اُس نے کہا "تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس وقت بھی تمہارے دماغ میں تمہارا باپ یا تمہاری ماں موجود ہے۔ مجرمانہ زندگی گزارنے والے اتنے احمق نہیں ہوتے کہ وہ پانچ برس کے ایک بچّے کو پیدائشی افلاطون سمجھ لیں۔ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا۔ تم اور سلطان پاشا کے آئرن سیف سے مشین کا وہ حصّہ خود چرا کر لے جانے تھیں تو ابھی گھٹنوں کے بل چلنا چاہیے، پیروں سے دوڑنے کیسے لگے۔ کیا اِس کے پیچھے تمہارے ماں باپ نہیں ہیں؟"

پارس نے کہا "چلو یہی سہی، میں اپنی ماما اور پاپا کی زبان سے بول رہا ہوں، وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں، اب تو بولو۔"

اُس نے پوچھا "کیا جوجو کے پاس اُس کے بھائی موجود ہیں؟"

شاریر نے بھائی آرمر کے لہجے میں جوجو سے کہا "تم اُسے یقین دلاؤ۔"

جوجو نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میرے بھائی موجود ہیں، وہ پوچھتے ہیں تم نے ہمیں کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

مورو کو کا قہقہہ سنائی دیا۔ پھر اُس نے کہا "کیسا احمقانہ سوال ہے۔ کیا چور بتاتا ہے کہ چوری کا مال کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ ابھی میں ایک فاتح ہوں۔ تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی اہم کمزوریاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ لہٰذا تم میں سے کسی کو سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ سوال میں کروں گا، جواب تم دو گے۔"

وہ ذرا چپ ہوا، شاید چپ رہ کر تجسس پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا "میں پارس کے ماں باپ سے پوچھتا ہوں، ٹرانسفارمر مشین کا وہ حصّہ کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟ اور جوجو کے بھائیوں سے کہتا ہوں، مشین کے باقی دو حصّے میرے پاس پہنچا دیے جائیں۔ جب تینوں حصّے ایک جگہ ہوں گے، وہ مشین مکمل ہوگی تو میں اُسے آزما کر دیکھوں گا۔ وہ ٹرانسفارمر کا کام کرے گا اور میرے دماغ میں بھی ٹیلی پیتھی کی صلاحیت پہنچا دے گا تو میں تمہاری بہن جوجو کو اور فرہاد تمہارے بیٹے پارس کو آزاد کر دوں گا۔"

پارس نے کہا "میرے پاپا کہتے ہیں، ہمیں سوچنے کی مہلت دی جائے۔"

حالانکہ میں کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ میں تو جوجو کے دماغ میں خاموش تھا۔ یقیناً شیبا اُسے سمجھا رہی تھی۔ اُدھر جوجو نے اپنے بھائی شاریر کی ہدایت کے مطابق کہا "میرے بھائی بھی مہلت چاہتے ہیں۔"

مورو کو کی آواز سنائی دی "کوئی بات نہیں، چوبیس گھنٹے کی مہلت دے سکتا ہوں۔ رات آرام سے گزار لو، کل صبح تک جواب ملے گا تو اچھی بات ہے ورنہ صبح سے دونوں کو بھوکا پیاسا رکھا جائے گا۔ ہلکی ہلکی اذیتیں پہنچائی جائیں گی۔ پھر ان اذیتوں کو انتہا تک پہنچایا جائے گا۔ یہ جب تڑپیں گے اور اپنی معصوم زبانوں سے فریاد کریں گے تو یقیناً ماں باپ کا اور بھائیوں کا کلیجا ہل جائے گا۔"

پارس نے کہا "چونکہ تم نے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی ہے، اس لیے ہمیں مکمل قیدی بنا کر رکھنا مناسب نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے درمیان سمجھوتا ہو جائے لہٰذا ہمیں کسی کمرے میں نظر بند رکھا جا سکتا ہے۔"

جوجو نے بھی اپنے بھائی کی ہدایت کے مطابق کہا "میں یہاں نہیں رہ سکوں گی۔ جب تک ہمارے بزرگوں سے مذاکرات جاری رہیں گے، ہمیں کسی مناسب کمرے میں رہنا چاہیے۔"

مورو کو کا قہقہہ سنائی دیا۔ پھر اُس نے کہا "میں جانتا ہوں، مہلت اس لیے حاصل کی جا رہی ہے کہ تمہارے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو یہاں تک پہنچنے کا موقع مل جائے۔ کوئی بات نہیں، وہ اپنی حسرت پوری کر لیں۔ تم دونوں کو کسی مناسب کمرے میں منتقل کیا جا رہا ہے۔"

فی الحال پارس اور جوجو کے سلسلے میں اطمینان ہو گیا تھا۔ میں اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ ہمارا سفر جاری تھا۔ ڈرائیور جاگ رہا تھا۔ باقی لبنیٰ اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے سو رہے تھے۔ اِس وقت ہم پانی پت کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ میں نے کہا "تم ڈرائیونگ کرتے کرتے تھک گئے ہو گے۔ کسی قریبی شہر میں گاڑی روک لو۔ ہم وہاں چار چھ گھنٹے آرام کریں گے پھر آگے بڑھیں گے۔"

میری بات سن کر رانی سردار جاگ گئی۔ پھر انگڑائی لیتی ہوئی میری طرف گھوم کر اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ میں نے کہا "تم نے اچھی خاصی نیند پوری کر لی ہے۔"

وہ ذرا ٹھنک کر بولی "میں کہاں سو رہی تھی بس جاگ رہی تھی کبھی کبھی تمھیں دیکھتی جاتی تھی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "بعض لوگ گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں اور صبح اُٹھ کر یہی بیان دیتے ہیں کہ نیند نہیں آئی، کروٹیں بدلتے رہے۔"

"کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

میں نے اُس پر جھک کر آہستگی سے کہا "کیا میں سچ تک پہنچنے کا ہنر نہیں جانتا؟"

تب وہ چونک کر مجھ سے الگ ہو گئی۔ اپنے آنچل کو سر پر رکھتے ہوئے سوچنے لگی: اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی یہ دیوتا ہیں ہمارے

اندر پہنچ کر تمام جھوٹ اور سچ معلوم کر لیتے ہیں۔ شاید میں گہری نیند سو رہی تھی۔ مجھے تو کچھ پتا نہیں چلا مگر خوابیدہ دماغ کو انھوں نے پڑھ لیا ہے۔"

ہم آدھے گھنٹے میں ایک چھوٹے سے شہر تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے کر سب سے پہلے میں نے نیند پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ رانی سردار نے کہا "آپ اطمینان سے لیٹ جائیں، میں آپ کو سلا دوں گی۔"

"میرا دماغ مجھے خود سلاتا ہے اور خود ہی بیدار کر دیتا ہے تم بھی آرام سے نیند پوری کر لو۔"

"ہمارا باڈی گارڈ شمبھو دادا جاگ رہا تھا۔ میں نے کہا "تمھیں بھی نیند پوری کرنا چاہیے۔ دروازہ اندر سے بند کر کے اُسی کے ساتھ بستر لگا کر سو جاؤ۔ کسی بات کی فکر نہ کرو، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

یوں بھی میں اپنے دماغ کو ہدایات دیتا ہوں کہ کمرے کے اندر غیر معمولی بات ہو تو فوراً آنکھ کھل جائے۔ میں نے اپنی نیند کے لیے پانچ گھنٹے کا وقت مقرر کیا، پھر آرام سے سو گیا لیکن آرام کہاں نصیب ہوتا ہے۔ بمشکل تین گھنٹے کی نیند پوری کی تھی، اچانک آنکھ کھل گئی۔ کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ شمبھو دادا نے ہڑبڑا کر اُٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے؟"

دوسری طرف سے ہمارے ہی ایک آدمی کی آواز سنائی دی "شمبھو دادا، جلدی سے دروازہ کھولو۔ پولیس نے ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔"

دروازہ فوراً کھولا گیا۔ وہ شخص اندر آ کر میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا "صاحب! آپ کسی طرح یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ ایک پولیس آفیسر کہہ رہا تھا کہ اس ہوٹل میں فرہاد علی تیمور ہے یہاں سے کسی ایک بچّے کو بھی باہر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

میں نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا تم پورے یقین سے کہتے ہو کہ ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے؟"

شاید آپ یقین نہ کریں، سو سے بھی زیادہ مسلح پولیس کی نفری کے ذریعے ہر طرف سے ناکا بندی کی گئی ہے۔"

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شاردا پراتنی اوچھی چال چلے گا۔ مجھے یہاں قانون کی گرفت میں پہنچانے کے لیے یہ بھی نہیں سوچے گا کہ اس کی بھی کچھ کمزوریاں میرے ہاتھوں میں ہیں۔ فی الحال میں اس کی کسی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ پولیس فورس چاروں طرف سے ہوٹل کو گھیر چکی تھی اور میرے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا۔ سوچنے کا بھی زیادہ وقت نہیں تھا۔ شمبھو دادا نے کہا "مالک! آپ کی جگہ مجھے جان دینا پڑے تو حاضر ہوں۔ آپ کوئی ایسی تدبیر سوچیں کہ آپ کا یہ داس مر جائے، آپ زندہ سلامت یہاں سے نکل جائیں۔"

میں اس کی باتیں سُن کر اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایک تدبیر دماغ میں پک رہی تھی۔ میں نے کہا "مجھے فوراً دھوتی اور قمیص لا کر دو۔ شمبھو دادا، تم بوڑھے ہو۔ میں جو تدبیر سوچ رہا ہوں، اس پر تم عمل نہیں کر سکو گے۔ کالی چرن کو بلاؤ۔"

میرے احکامات کی تعمیل کی گئی۔ میرے لیے دھوتی اور قمیص لائی گئی۔ میں لباس تبدیل کرتے ہوئے کالی چرن سے کہنے لگا "تم میرے ہم قد ہو، ہم عمر ہو، جسامت ایک جیسی ہے لہٰذا رانی سردار کے ساتھ رہو گے، اس طرح جیسے تم دونوں میں بہت محبت ہے۔"

رانی سردار نے کہا "میں تمھارے سوا کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن تمھاری جان بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں، اور کیا کیا کرنا ہے؟"

"فی الحال میری خاطر شرم و حیا کو بھول جاؤ، جو کر سکتی ہو کرتی رہو۔ میں فرار کا کوئی راستہ ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ اگر کامیابی سے نکل گیا تو تم سب کو حراست سے نکال لے جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہی میں کمرے سے نکل گیا۔ ابھی اتنا موقع تھا کہ میں کچھ کر سکوں کیونکہ پولیس والے پہلے باہر کا مورچا مضبوط کر رہے تھے۔ اندر آنے سے پہلے اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ میری ٹیلی پیتھی سے کسی افسر وغیرہ کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ میرے آدمی مجھے پل پل کی خبر پہنچا رہے تھے۔ ایک نے آ کر بتایا کہ ایک افسر ہوٹل کے کاؤنٹر پر کھڑا ہوا رجسٹر چیک کر رہا ہے کہ کس کمرے میں کون ٹھہرا ہوا ہے؟ کس کا کیا نام ہے؟ اور کون کہاں سے آیا ہے؟

ہوٹل کے تمام کمروں سے مسافر نکل آئے تھے۔ میں تیسری منزل سے اُتر کر دوسری منزل پر آ گیا۔ ایک کمرے کے دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے رُک گیا۔ اندر کسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شاید میاں بیوی آپس میں لڑ رہے تھے۔ میں نے باری باری دونوں کے دماغوں میں پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ دہلی سے آئے تھے۔ کل ہی ان کی شادی ہوئی تھی۔ وہ ہنی مون منانے جا رہے تھے۔ انھوں نے رات گزارنے کے لیے اس ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا سفر دوبارہ شروع کرتے، پولیس والوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

میں نے دروازے پر دستک دی۔ اُس شخص نے اندر سے جھنجلا کر کہا "کون ہے، چلے جاؤ یہاں سے۔"

میں اُسے دروازے کے پاس آ کر کھولنے پر مجبور کر چکا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی میں اندر پہنچا، پھر اُسے بند کرتے ہوئے بولا "وجے شرما، چیخنے چلّانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمھارا ہمزاد ہوں۔ تمھارے اندر کے تمام رازوں کو جانتا ہوں۔ تم باہر سے کچھ ہو، اندر سے کچھ۔ تم نے کل شادی سے ایک رات پہلے ایک ساہوکار کے ہاں ڈاکا ڈالا۔ تم اپنی اِس دھرم پتنی پر ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تم کنگال نہیں ہو۔ تمھارے پاس اچھی خاصی دولت ہے۔ تمھارا ڈاکا کامیاب رہا مگر وہ ساہوکار چیخنے چلّانے لگا تو تم نے اُس کی زبان بند کرنے کے لیے اُسے قتل کر دیا۔"

میں بول رہا تھا۔ وجے شرما پیچھے ہٹ کر گھبرایا ہوا سا مجھے دیکھتا جا رہا تھا۔ اُس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں نے کہا، نا۔ میں تمھارا ہمزاد ہوں۔ اُس رات قتل کرتے وقت تم نے یہ خیال نہیں کیا۔ . . . . . کہ ایک بجلی سی کوندی تھی۔ اُس کے بعد تاریکی چھا گئی تھی، جانتے ہو میں نے فلیش لائٹ سے تمھاری تصویر اُتاری تھی۔ ٹھیک قتل کرنے کے دوران۔"

وہ زرد پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا "میں وہ تصویر ابھی پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں لیکن ایسا نہیں کروں گا۔ شرط یہ ہے کہ جیسا کہوں ویسا کرتے جاؤ۔"

اُس نے پریشان ہو کر کہا "ٹھیک ہے تم کیا چاہتے ہو؟"

میں نے اُس کے سوال کو نظر انداز کیا، پھر اُس عورت کی طرف دیکھا جو کسی اچھے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ خوب صورت بھی تھی، جوان بھی تھی۔ اُسے اچھے سے اچھے گھرانے کے خوبرو جوان مل سکتے تھے۔ پتا نہیں، وجے شرما کے فریب میں کیسے آ گئی تھی۔ یہ تفصیلی باتیں بعد میں معلوم کی جا سکتی تھیں۔ میں نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "مالا! تم ایک دھوکے باز کے چکر میں پڑ گئی ہو۔ یہ تمھارے ذریعے تمھارے باپ کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے نہ تو تم سے محبت ہے اور نہ ہی کوئی ہمدردی۔ وقت آنے پر یہ تمھیں بھی قتل کر سکتا ہے۔"

وہ پہلے ہی پریشان ہو گئی تھی۔ اُس نے کہا "میں وجے کی صورت دیکھ کر سمجھ گئی ہوں کہ یہ بہروپیا ہے۔ آپ کے آتے ہی اس کا رنگ بدل گیا ہے۔ کیا واقعی آپ اس کے خلاف ثبوت فراہم کر سکتے ہیں؟"

"میں بہت کچھ کر سکتا ہوں لیکن فی الحال پولیس والوں کے جھمیلے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ یوں بھی یہ لوگ کسی بہت بڑے مجرم کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ کیا تم مجھ پر بھروسا کرو گی؟"

ایسا کہتے ہی میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا اور اسے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ اُس نے کہا "آپ میرے لیے دیوتا بن کر آئے ہیں۔ مجھے اس دھوکے باز کی اصلی صورت دکھا چکے ہیں۔ بے شک میں آپ پر بھروسا کروں گی۔"

میں نے وجے شرما سے کہا "اس لمحے سے تمھارا نام وجے شرما نہیں ہو گا۔ تم اپنا کوئی سا بھی نام پولیس والوں کو بتا سکتے ہو۔ اگر تم نے خود کو وجے شرما کہا تو میں تمھارے خلاف پولیس کو ثبوت پیش کر دوں گا پھر تمھیں پھانسی کے پھندے تک پہنچنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

وہ فوراً ہاتھ جوڑ کر بولا "میں اپنا نام بدل لوں گا۔"

"ہوٹل کا منیجر یا دوسرے ملازم تمھیں نام سے نہیں پہچانتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں جانتا کہ بتیس نمبر کے کمرے میں جو وجے شرما ہے اُس کی شکل و صورت کیسی ہے۔ یہاں روزانہ پچاسوں مسافر آتے جاتے ہیں۔ میں تمھاری جگہ وجے شرما بن کر مالا کے ساتھ رہوں گا۔ اب تم بتاؤ یہاں سے باہر جا کر کیا کرو گے؟"

اُس نے اپنی اٹیچی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا میں اپنی رقم لے جا سکتا ہوں؟"

"مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکو تو لے جاؤ۔"

"یہاں تیسری منزل کے ایک کمرے میں ایک شخص اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ میں کل سے منہ چھپاتا پھر رہا ہوں کیونکہ میں نے اُس سے دس ہزار روپے قرض لیے تھے۔ اس اٹیچی میں پچیس ہزار ہیں۔ اگر تم مجھے یہ رقم دے دو تو میں اوپر جا کر اسے دس ہزار ادا کر دوں گا اور اُس سے کہوں گا کہ میں صرف اس کا قرض ادا کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس طرح پولیس والوں کو وہ بھی گواہی دے گا کہ اُسے قرض کے دس ہزار مل چکے ہیں۔"

"تمھاری بات سمجھ میں آ رہی ہے لیکن وہ تمھیں وجے شرما کے نام سے جانتا ہے۔ اس ہوٹل میں دو وجے شرما ہوں گے تو . . ."

وہ میری بات کاٹ کر بولا "میرے مختلف نام ہیں۔ مجھے وہ قرض دینے والا آدمی، مہیش کے نام سے جانتا ہے۔"

"پھر تو کوئی بات نہیں۔ اٹیچی یہیں رہنے دو، صرف پچیس ہزار نکال کر لے جاؤ۔"

اُس نے جلدی سے اٹیچی کھولی، پچیس ہزار نکالے پھر اُٹھیں

جیب میں ٹھونستا ہوا کمرے سے نکلنے لگا۔ مَیں نے کہا "ایک بات یاد رکھنا۔ اگر مجھ سے بھی پولیس کو یہ کہا کہ مَیں تمھاری جگہ بتیس نمبر کے کمرے میں ہوں تو . . ."

اُس نے ایک ہاتھ سے کان کو پکڑتے ہوئے کہا "مَیں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔"

وہ باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ مالا تنہائی میں مجھے دیکھ کر گھبرا رہی تھی۔ مَیں نے کہا "مَیں ایک شریف آدمی ہوں تمھیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس اتنی مہربانی کرنا کہ پولیس والے میرے متعلق دریافت کریں تو مجھے وجے شرما کہنا، مجھے اپنے شادی کے کاغذات نکال کر دکھاؤ، مَیں انھیں اپنی اٹیچی میں رکھنا چاہتا ہوں۔ مَیں یقین دلاتا ہوں، کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جس سے تم اپنی نظروں میں گر جاؤ۔"

اُس نے پوچھا "آپ کون ہیں اور پولیس سے کیوں چھپنا چاہتے ہیں؟"

"مَیں تمھیں سب کچھ بتا دوں گا، مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔"

وہ مجھ سے دور ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ مَیں بستر کے سرے پر بیٹھ کر سوچنے لگا، شار پہ سے کس طرح رابطہ قائم کیا جائے کیونکہ مَیں جو کچھ بیان کر رہا تھا، وہ کسی پولیس افسر کے دماغ میں رہ کر اُس کے خلاف کارروائی کرا سکتا تھا۔ مثلاً وجے شرما کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر سکتا تھا کہ مَیں اس کی جگہ بتیس نمبر کے کمرے میں ہوں۔ اسی طرح رانی سردار کے ساتھ جو شخص فرہاد بنا ہوا تھا، وہ اس کی بھی اصلیت پولیس والوں کو بتا سکتا تھا اور مَیں اُسے ایسی حرکتوں سے روکنا چاہتا تھا۔

فوری طور پر شار پہ سے رابطہ قائم کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ مَیں ہار پر کے دماغ میں پہنچ کر اُسے بھائی سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور کرتا۔ لہٰذا مَیں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور ہار پر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مجھے پہلے ہار پر کی طرف دھیان دینا چاہیے تھا۔ مَیں شار پہ کے چکر میں اسے نظر انداز کرتا رہا تھا۔

ابھی چند گھنٹے پہلے شار پہ نے اپنے بھائی ہار پر سے رابطہ قائم کیا تھا اور اُس سے کہا تھا "مَیں استنبول میں جوجو کے ساتھ بہت مصروف ہوں۔ تم ہندوستان میں فرہاد کے پیچھے لگ جاؤ۔ وہ شملہ سے دہلی کی طرف جا رہا ہے۔ ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ساتھ ہے۔ وہ اتنی جلدی اپنا راستہ بدل نہیں سکے گا۔ تم اُسے پانی پت کے علاقے تک پہنچنے سے پہلے ہی پولیس پارٹی کے ذریعے گھیر سکتے ہو۔ وہاں کے حکمرانوں کو اطلاع دو کہ وہ بڑی آسانی سے فرہاد کو گھیر کر گرفتار کر سکتے ہیں، لیکن اُسے گھیرنے کے لیے بہت ہوشیاری اور نہایت خاموشی سے عمل کرنے کی ضرورت ہو گی۔ اگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو ہم سب کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ لہٰذا تم اُس پولیس پارٹی کے ساتھ ضرور رہنا۔ کسی افسر کے دماغ میں رہ کر وہاں گھیرے جانے والے ایک ایک آدمی، ایک ایک عورت کے دماغ کو پڑھنا۔ اس بار فرہاد نکل نہیں پائے گا۔"

مختصر یہ کہ ہار پر اپنے بھائی شار پہ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اُس نے پولیس کے ذریعے چاروں طرف سے مجھے گھیر لیا تھا۔ میرے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ کسی افسر کے دماغ میں رہ کر خیال خوانی کے ذریعے مجھے بے نقاب کر سکتا تھا۔ اب میرے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ مَیں ہار پر کے سامنے کھل کر آ جاؤں۔ اب تک چُپ چاپ اُس کے دماغ میں پہنچتا رہا تھا اور اب براہِ راست مخاطب کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ میں نے کہا "ہیلو ہار پر! ایک کچھوا اپنے خول سے کتنا باہر نکل سکتا ہے؟ اتنا ہی، نا جتنا اُس کی جسامت ہے۔ تم کتنے ہاتھ پاؤں پھیلاؤ گے؟"

وہ بوکھلا کر ایک ہاتھ سے اپنے سر کو تھام کر خلا میں تک رہا تھا۔ مَیں نے کہا "کیا میرے لب و لہجے کو نہیں پہچانتے۔ کیا تم نے میرا ریکارڈ کیسٹ نہیں سنا ہے؟"

وہ ایک دم سے گھبرا گیا تھا۔ پریشان ہو کر ہکلا کر کہہ رہا تھا "کیا تت تم فرہاد علی تیمور ہو؟"

"تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے، مَیں بہت عرصے سے تمھارے دماغ میں ہوں اور چُپ چاپ تمھاری مصروفیات کو دیکھتا رہتا ہوں۔ مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم سپر ماسٹر بننے کے لیے بھرپور کوشش کرنے کے بعد ناکام ہو چکے ہو۔ بہر حال یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ ابھی تم نے جس ہوٹل کو پولیس کے ذریعے گھیر رکھا ہے، مَیں وہاں موجود ہوں، لیکن تم نے مجھے بے نقاب کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھو، میں تمھیں ذہنی اذیتیں دے دے کر مار ڈالوں گا۔ بولو زندگی چاہتے ہو یا میری گرفتاری؟"

اُس کے ہوش اُڑ چکے تھے، وہ بدحواس ہو رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بار بار ایک ہی بات دماغ میں گونج رہی تھی، علی تیمور آخر اُس کے دماغ میں کیسے پہنچ گیا؟

مَیں نے کہا "اگر تم یہ سوچنے میں وقت گزارو گے تو مَیں سزا کے طور پر دماغی جھٹکا پہنچاتا ہوں۔"

وہ نہیں نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی میں نے زور دار جھٹکا پہنچایا۔ وہ جہاں بیٹھا تھا، وہاں سے کئی فٹ اُوپر اُچھلا، نیچے آ کر فرش پر گرا اور چیخ چیخ کر تڑپنے لگا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کہنے لگا "نہیں، نہیں، مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔"

"ٹیلی پیتھی کو اپنے اندر منتقل کرنے سے پہلے دماغ کو کر لینا چاہیے تھا۔ تم لوگ اتنی خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ بالکل ہی حقیر سمجھنے لگے۔ تمھارا خیال تھا مَیں کبھی تمھارے دماغ

تک نہیں پہنچ سکوں گا مگر نمونہ دکھایا۔ اب فیصلہ کر دو۔"

اُس نے تھرتھراتے ہوئے کہا "مَیں تمھارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ ابھی وہاں کے اعلیٰ افسر کے دماغ میں پہنچ رہا ہوں۔ مَیں اس افسر کو مس گائیڈ کروں گا، غلط بیانی سے کام لوں گا۔ تم اُس ہوٹل سے نکل جاؤ۔"

"مَیں آخری وارننگ دے رہا ہوں، میرے وہاں سے نکلنے سے پہلے تمھارا ارادہ بدلے گا تو گرفتار ہونے سے پہلے یا مرنے سے پہلے تمھیں ضرور مار ڈالوں گا۔"

"مَیں اُس افسر کے دماغ میں جا رہا ہوں۔ تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔"

مَیں اُس کے دماغ کے ذریعے اس اعلیٰ افسر تک پہنچ گیا، جس کی قیادت میں پولیس پارٹی نے ہوٹل کو گھیر رکھا تھا۔ اُس کا اسسٹنٹ میگا فون کے ذریعے اعلان کر رہا تھا "فرہاد علی تیمور، رانی سردار اور اُن کے تمام ساتھی ہتھیار پھینک کر، دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر ہوٹل کے باہر آ جائیں۔ ہم صرف پندرہ منٹ کی مہلت دیتے ہیں، اس کے بعد خود آئیں گے اور تمھیں ہتھکڑیاں پہنا کر لے جائیں گے۔ فرہاد علی تیمور کو معلوم ہونا چاہیے، اس بار وہ ہمارے محاصرے سے نکل نہیں سکے گا۔"

ہار پر اس اعلیٰ افسر کے دماغ میں پہنچ کر کہہ رہا تھا "مَیں آپ کے دماغ میں موجود رہوں گا۔ ہوٹل کے جتنے مسافر آپ کے سامنے سے باتیں کرتے ہوئے گزریں گے، مَیں اُن کے دماغ میں پہنچ کر فرہاد علی تیمور کو بے نقاب کروں گا۔ آپ اپنی کارروائی پندرہ منٹ کے بعد شروع کر سکتے ہیں۔"

میں نے رانی سردار کو مخاطب کر کے کہا "پندرہ منٹ کے بعد ہوٹل کے مسافروں کو باری باری کاؤنٹر کے پاس آ کر باہر جانے کے لیے کہا جائے گا، ہر ایک سے بیان لیا جائے گا۔ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ وہ سب سے آخر میں نکلیں۔"

ابھی پندرہ منٹ پورے ہونے کے لیے کافی وقت تھا۔ مَیں اور بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس اعلیٰ افسر کے ذریعے دوسرے ماتحت افسروں تک پہنچنے لگا۔ ہوٹل کے چاروں طرف مسلح سپاہی رائفلوں کے ساتھ موجود تھے۔ چاروں طرف جو بڑے بڑے ٹرک کھڑے ہوئے تھے، اُن میں سب مشین گنیں تھیں۔ ایسے انتظامات دیکھ کر مَیں نے اپنے پروگرام میں ذرا سی تبدیلی کی۔ پھر رانی سردار کو مخاطب کر کے کہا "تم سب آخر میں نہیں بلکہ پہلے ہوٹل سے نکلو۔ تم سے پہلے میں ایک عورت کے ساتھ باہر نکلنے والا ہوں۔ تم لوگ دس منٹ پورے ہونے تک فرسٹ فلور پر آ جاؤ۔"

مَیں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر گھڑی دیکھی۔ پھر مالا کو دیکھتے ہوئے کہا: "ہم یہاں سے جائیں گے۔ تم اپنا بیگ سنبھال لو۔ مَیں اٹیچی اٹھا لیتا ہوں۔ یاد رکھنا، مَیں تمھارا شوہر وجے شرما ہوں۔ تم مجھے شوہر تسلیم کرنے میں ذرا جھجک محسوس کرو گی یا چہرے سے گھبراہٹ ظاہر ہو گی تو پولیس والے تاڑ لیں گے۔"

وہ اپنے بیگ کو سنبھالتے ہوئے بولی: "آپ نے مجھے ایک دھوکے باز سے بچایا ہے۔ مَیں کوشش کروں گی کہ آپ پر کوئی آنچ نہ آئے۔"

دس منٹ پورے ہونے والے تھے۔ مَیں نے پھر رانی سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ہوٹل سے باہر نکلنے کے بعد تم سب ایک ساتھ ویگن کار میں جا کر نہ بیٹھنا۔ تم شمبھو دادا اور کالی چرن کے ساتھ جاؤ گی۔ باقی ساتھی مختلف ٹیکسیوں یا بسوں میں بیٹھ کر دہلی کی طرف جائیں گے۔ وہاں پہنچ کر ہم سب ایک ہو جائیں گے۔"

جیسا کہ مَیں کہہ چکا ہوں، مالا ایک دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ اُسے شملہ جانے کے لیے باپ نے ایک نئی کار خرید کر دی تھی۔ مَیں نے کہا: "اس کار کی چابی مجھے دے دو۔"

اُس نے چابی میرے حوالے کر دی۔ ہم اس کمرے سے نکلے۔ پولیس والوں کی وارننگ کے مطابق پندرہ منٹ پورے ہو چکے تھے۔ اب میگا فون پر کہا جا رہا تھا: "ہوٹل میں رہنے والے مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ ایک ایک کر کے کاؤنٹر کے پاس آئیں اور اپنی شناخت کرانے کے بعد باہر چلے جائیں۔"

مالا میرے ساتھ چلتی ہوئی فرسٹ فلور تک آئی۔ اب میگا فون سے کہا جا رہا تھا: "ہم فرہاد علی تیمور سے کہتے ہیں، اگر وہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دے تو یہ مسافر پریشانیوں سے بچ جائیں گے۔"

مالا نے اس سے پہلے بھی میگا فون کے ذریعے میرا نام سُنا تھا۔ دوسری بار پھر وہی نام سُن کر مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ مَیں اُس سے انجان بن کر اُس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے سوچ رہی تھی: کیا میرے ساتھ فرہاد علی تیمور ہے۔ نہیں یقین نہیں آتا۔ وہ تو کوئی عجوبہ ہے، قصّے کہانیوں کا کردار ہے۔

وہ کبھی ہاں کے انداز میں سوچ رہی تھی اور کبھی نہ کے انداز میں۔ ہاں کے انداز میں سوچتے ہوئے دماغ میں یہ بات آ رہی تھی کہ اس کا یقیناً ایک وجود ہے۔ تبھی تو میگا فون کے ذریعے پولیس والے اسے للکار رہے ہیں۔

مَیں نے ہار بھر کے پاس پہنچ کر کہا: "مَیں سب سے پہلے آ رہا ہوں۔ میرا نام وجے شرما ہے اور میری بیوی کا نام مالا۔"

مَیں زینے سے اُترتے ہوئے گراؤنڈ فلور پر پہنچا۔ پھر کاؤنٹر کے پاس آ گیا۔ وہاں وہ اعلیٰ افسر دوسرے دو ماتحت افسر[ان] چند سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ان تمام سپاہیوں کے پا[س] اسٹین گنیں تھیں۔ ان اسٹین گنوں اور باہر رکھی ہوئی سب مشی[نوں] سے زیادہ خطرناک ہار بھر تھا جو اعلیٰ افسر کے دماغ میں تھا[۔] بچ کر جانے کا موقع کبھی نہ دیتا لیکن اب بے چارہ مجب[ور] ہو گیا تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے ماتحت افسران مجھ سے اور مالا سے الگ سوالات کرنے لگے۔ مَیں کبھی مالا کے دماغ میں پہنچ [کر] ان کے جواب سنتا تھا اور اُسی کے مطابق خود جواب دیتا تھا۔ [ہمارے] پاس شادی وغیرہ کے سلسلے میں ایسے کاغذات تھے، جن [کے] پیشِ نظر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر ہار بھر نے اعلیٰ افسر سے کہ[ا:] میں ان کے دماغوں کو پڑھ چکا ہوں، یہ شخص وجے شرما [اور] مالا اُس کی دھرم پتنی ہے۔"

یہ تصدیق ہونے کے بعد اعلیٰ افسر نے باہر جانے کی اجاز[ت] دی۔ ہم وہاں سے جانے لگے۔ ہمارے پیچھے رانی سردار اور کالی چ[رن] شناخت کے لیے پہنچے۔ اب کالی چرن کو میرا رول ادا کرنے کی [ضرورت] نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی ثابت کر رہے تھے [اور ان] کے سوالوں کے صحیح جواب دیتے جا رہے تھے۔ ہار بھر نے تصدیق کر دی کہ ان میں نہ تو فرہاد ہے اور نہ ہی فرہاد کا کوئی ساتھی۔

اُنھیں بھی باہر جانے کی اجازت مل گئی۔ اُن کے پیچھے دوسرے آدمی آ رہے تھے۔ اپنی شناخت کرا رہے تھے اور ہا[ر بھر ان] کی تصدیق کرتا جا رہا تھا اور انھیں باہر جانے کی اجازت دی [جا رہی تھی۔]

صرف پینتالیس منٹ کے اندر ہم سب باری باری [ہوٹل] سے نکل آئے۔ وہ میری ہدایت کے مطابق دہلی پہنچنے کے [لیے] اپنے ذرائع اختیار کر رہے تھے۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکتا تھا، [وہ] دُور چلے جانا چاہتے تھے۔ مَیں مالا کی کار میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ [وہ] کار کے آگے بڑھاتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا: "کیا [شملہ] جانا ضروری ہے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی: "اب کس لیے جاؤں؟"

"ہم دہلی چلتے ہیں۔ مَیں تمھیں والدین کے پاس پہنچا دوں[گا۔]"

مَیں تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر [تک] ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی رہی۔ پھر مجھے دیکھتے ہوئے آ[ہستگی سے] بولی: "ایک بات پوچھوں؟"

اُس کے پوچھنے سے پہلے ہی مَیں نے کہا: "مَیں فرہاد علی تیمور ہوں۔"

"مَیں نے ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے لیکن مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ بات زبان تک آنے سے پہلے [ہی آپ] تک پہنچ گئی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں، اب آپ سے کیا کہنے والی ہوں؟"

"تم سوچ رہی ہو، اب مَیں کچھ نہیں پوچھوں گی۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مَیں فرہاد علی تیمور کے ساتھ ہوں۔"

"اوہ گاڈ، آپ تو میری سوچ کا ایک ایک لفظ ادا کر رہے ہیں۔ واقعی یہ کمال کا ہنر ہے۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا آپ میرے ساتھ ہیں اور میں حیران تھی کہ اتنے سخت پہرے سے کس طرح نکل پائیں گے۔ مَیں دیکھ رہی ہوں، وہ پہرے دار اپنی قانونی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے وہیں بیٹھے ہوں گے۔ ایک ایک شخص کو ٹٹول رہے ہوں گے اور آپ آرام سے اپنی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔"

مَیں نے مُسکراتے ہوئے کہا: "تم میرے متعلق زیادہ اور اپنے متعلق کم سوچ رہی ہو۔ تمھیں یہ سوچنا اور سمجھنا ہے کہ شادی کی ناکامی کے بعد اپنے والدین کو اور گھر والوں کو کیا جواب دو گی؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی: "میرے فادر اندھے ہیں۔ پچھلے سال آنکھوں کی بینائی چلی گئی۔ ایک پرانا وفادار منیجر ہمارا کاروبار ایمانداری سے چلا رہا ہے۔ دس برس پہلے میری ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ میرے فادر نے دوسرے رشتے داروں سے ملنا چھوڑ دیا کیونکہ سب مطلبی اور خود غرض ہیں۔ وجے شرما سے میری کورٹ میرج ہوئی تھی۔ میرا اپنا کوئی رشتے دار شریک نہیں ہوا تھا۔"

مَیں نے پوچھا: "کیا وہ منیجر بھی نہیں تھا؟"

"وہ کاروبار کے سلسلے میں کلکتہ گیا ہے۔ جب مَیں وجے شرما کی دُلہن بن کر گھر آئی تو میرے اندھے باپ نے ہمارا استقبال کیا تھا۔"

"تمھارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وجے شرما کو نہ تو تمھارے فادر پہچانتے ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا رشتے دار اُسے جانتا ہے۔"

"یہی بات ہے۔ مَیں بہت دیر سے سوچ رہی ہوں، اپنے فادر کو کس طرح جا کر کہوں کہ مَیں دھوکا کھا گئی۔ اُن کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ مَیں اُنھیں صدمہ پہنچانا نہیں چاہتی۔ آہ! وہ جھوٹا، فریبی وجے شرما میرے ساتھ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ میری زندگی برباد ہوتی، کوئی بات نہیں مگر اندھے باپ کے دل کو تسکین تو ہوتی۔ وہ خوش رہتے کہ مَیں ایک سُہاگن کی زندگی گزار رہی ہوں۔"

"مَیں ایک مشورہ دوں۔"

"مَیں بڑی خوشی سے آپ کے مشورے پر عمل کروں گی۔"

"وجے شرما سے دھوکا کھانے کے بعد سبق حاصل کرو، اپنے اندھے باپ کو دھوکا نہ دو۔ جو بات ہے صاف اور سچ کہہ دو۔"

وہ تھوڑی دیر تک چُپ رہی۔ گاڑی تیز رفتاری سے کھلی سڑک پر دوڑتی رہی۔ پھر اُس نے آہستگی سے کہا: "مَیں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ زبان سے نہیں کہوں گی، آپ میرے دماغ کو پڑھ لیں۔"

مَیں نے چند لمحوں کے بعد کہا: "تم مجھے ڈمی وجے شرما بنا کر باپ کے پاس لے جانا چاہتی ہو تاکہ وہ خوش رہیں اور تمھاری بھی عزت رہ جائے۔"

وہ جواباً خاموش تھی۔ سر جھکائے ہوئے اپنی ساری کے آنچل سے کھیل رہی تھی۔ مَیں نے کہا: "مَیں ایک سیلانی ہوں۔ آج یہاں، کل وہاں۔ مَیں زیادہ دنوں تک ڈمی بن کر نہیں رہ سکوں گا۔ میرے جانے کے بعد کیا ہو گا؟"

اُس نے سوال کیا: "آپ کو دہلی میں چھُپ کر رہنے کی کوئی جگہ درکار ہو گی۔ کیا آپ میرے ہاں محفوظ نہیں رہیں گے؟"

"مَیں اپنی حفاظت کے ہزار راستے تلاش کر سکتا ہوں۔ تم میری بات کا جواب دو۔ مَیں ڈمی بن کر تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ تم میری بیوی کی حیثیت سے رہو گی۔ مَیں ایک انسان ہوں۔ مَیں نے تمھیں اپنی شرافت کا یقین دلایا تھا، صرف اس حد تک کہ اس ہوٹل سے نکل آؤں اور اس کے بعد ہمارا راستہ الگ ہو جائے۔ مَیں تمھیں نیک مشورہ دیتا ہوں، کسی کو ڈمی شوہر بنا کر اپنے اندھے باپ کے پاس نہ لے جانا۔ وہ ڈمی سچ مچ تم پر اپنا حق جتائے گا اور اپنا حق وصول کرے گا۔"

ایسے مشوروں پر عورت کی خاموشی پُراسرار بن جاتی ہے۔ وہ اپنے دل کی بات زبان تک نہیں لاتی۔ اپنی اداؤں سے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کی اداؤں کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ مَیں نے دماغ کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ سوچ رہی تھی: کیا مَیں اتنی گئی گزری ہوں کہ بین الاقوامی شہرت رکھنے والا فرہاد میری طرف مائل نہیں ہو سکتا؟ جب مَیں کالج میں تھی تو کوئی لڑکی میری طرح حسین اور اسمارٹ نہیں تھی۔ جن دنوں ہم بمبئی میں رہتے تھے، وہاں مقابلۂ حُسن ہو رہا تھا۔ اُس مقابلے میں حصہ لینے کا مشورہ بار بار دیا گیا مگر مَیں نے شرکت نہیں کی، اگر اس مقابلے میں شریک ہوتی تو مس بمبئی کہلاتی۔

وہ سوچ رہی تھی اور مجھے اپنی سُبکی کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک طرح سے توہین محسوس ہو رہی تھی۔ میرے سامنے اپنے آپ

کو منوانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کسی طرح مجھے اپنے پاس سے جانے نہ دے، اپنے گھر لے جائے۔

اُس نے کہا: "میں اپنی بھلائی کیا دیکھوں جب کہ ایک غلطی کر بیٹھی ہوں۔ میں آپ کی بھلائی سوچ رہی ہوں۔ بے شک آپ پناہ لینے کے لیے ہزار راستے اختیار کر سکتے ہیں لیکن کسی بھی نئی پناہ گاہ میں اطمینان نہیں ہو سکتا۔ نئی جگہ بے شمار اندیشے جنم لیتے ہیں۔ آپ میرے ہاں رہیں گے تو کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا اور آپ نے تو ہوٹل میں ثابت کر ہی دیا ہے کہ آپ وجے شرما ہیں۔"

"تم ایک بات نہیں جانتیں، میرے دشمن بھی خیال خوانی کرتے ہیں، وہ اُس ہوٹل میں موجود تھے۔ میں اُن کی ایک کمزوری سے واقف ہوں، اس وجہ سے وہ مجھے پولیس والوں کے سامنے بے نقاب کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ لیکن سانپ کا زہر نکال دینے سے کیا ہوتا ہے، وہ اپنی عادت کے مطابق پھن ضرور مارتا ہے۔ میرے دشمنوں کے پھن مارنے سے میرا زیادہ نقصان نہیں ہو گا، صرف سکون برباد ہو جائے گا۔ میں تمہارے ہاں آرام سے نہیں رہ سکوں گا۔ وہ لوگ ہیرا پھیری ضرور کریں گے۔ کبھی پولیس والوں کو اور کبھی دوسرے دشمنوں کو میری نشاندہی کرتے رہیں گے تاکہ ایک ہی جگہ آرام سے ہاتھ پاؤں پھیلا کر تھکن نہ اتار سکوں۔ وہ میرا پیچھا کرتے رہیں اور میں آگے بھاگتا رہوں۔ ابھی میرے مقدر میں یہی لکھا ہے۔" اسی وقت مجھے اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہر محسوس ہوئی۔ میں نے پہلے تو سانس روکی، پھر آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے پوچھا: "کون ہے؟"

بار بیرنے کہا: "میں آپ کے دماغ میں آنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ آپ کو خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ راز فاش ہو چکا ہے کہ فرہاد، وجے شرما کے نام سے ہوٹل میں تھا اور مالا نامی عورت کے ساتھ جا چکا ہے۔"

میں نے پوچھا: "یہ راز کیسے کھلا؟"

"میرے پاس بھائی شار پیر آئے تھے۔ میں اُن سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ میرے دماغ میں پہنچنے لگے ہیں۔ اگر کہتا تو بھائی کی نظروں میں کمتر ہو جاتا۔ میں اپنی بہن روزانہ اور بھائی آرمر سے برتر سمجھا جاتا ہوں۔ میں اُن کے سامنے اپنی یہ کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔"

"یہ میرے حق میں بہتر ہے۔ میں کبھی یہ نہیں بتاؤں گا کہ تمہارے دماغ تک یہ پہنچ چکا ہوں تم گے۔ بولو، کیا ہوا؟"

"بھائی شار پیر نے پوچھا کہ میں فرہاد کو بے نقاب کیوں نہیں کر سکا۔ تب میں نے بات بنائی کہ ایک ڈاکٹر کے مشورے سے دوا کھا رہا ہوں۔ اس دوا کا ری ایکشن ہوا جس کی وجہ سے میں صحیح طور پر خیال خوانی نہ کر سکا۔ جب وجے شرما کے دماغ میں پہنچا تو شاید فرہاد نے مجھے محسوس کر لیا تھا، اسی لیے اُس نے میری کمزور خیال خوانی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خیالات کو وجے شرما کی حیثیت سے مستحکم رکھا۔ اس طرح میں نے بھی تصدیق کر دی۔ بہر حال، فرہاد صاحب! میں نے بھائی شار پیر سے بات بنائی ہے۔ ویسے کب تک ایسا کرتا رہوں گا۔ اب شاید میں راتوں کو خواب آور گولیوں کے بغیر سو نہ سکوں۔ ہمیشہ آپ کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا رہے گا۔"

"شار پیر تمہارا بھائی ہے اور میں تمہارا دشمن ہوں۔ بھائی سے محبت کرتے آئے ہو۔ اب اپنی سلامتی کے لیے دشمن سے بھی محبت کرتے رہو۔ بے شک خواب آور گولیاں کھا کر ہی نیند آئے گی مگر سوچو، صرف نیند آئے گی، موت تو نہیں آئے گی۔"

"میں کان پکڑ کر کہتا ہوں، آئندہ آپ کو کبھی دشمن نہیں سمجھوں گا۔"

"مجھے گھیرنے کے لیے کیا کیا جا رہا ہے؟"

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ بھائی شار پیر نے آپ کے معاملات پھر اپنے ہاتھوں میں لے لیے ہیں۔ مجھ سے کہا ہے جب تک دوائیں کھا رہا ہوں، آرام کرتا رہوں۔"

"یعنی ہوٹل میں جس پولیس پارٹی نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی، وہ میرے تعاقب میں نہیں رہے گی۔ دوسری پولیس پارٹیاں آئیں گی۔"

"صرف پولیس نہیں، فوج بھی آئے گی۔ آپ ہوشیار رہیں۔ اپنے بچاؤ کی فکر کریں۔"

"وہ تو ضرور کروں گا مگر جب بھی تمہاری ضرورت پڑے اور میں تمہیں آواز دوں تو فوراً چلے آنا۔"

"آپ آدھی رات کو بھی آواز دیں گے تو نیند سے اُٹھ کر بیٹھ جاؤں گا۔"

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک چھوٹے سے شہر سے گزر رہا تھا۔ میں نے وہیں گاڑی روک دی۔ مالا نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

"مجھے افسوس ہے، اب ہمارے بچھڑنے کا وقت آ گیا ہے۔"

وہ چونک کر بولی: "مجھ سے اچانک ہی دُور بھاگ رہے ہیں۔ کیا میں اتنی بدصورت ہوں یا پھوہڑ عورت ہوں کہ آپ مجھ سے بیزار ہو گئے ہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ ہمارا راز فاش ہو گیا ہے۔ وہ پولیس والے سمجھ گئے ہیں کہ وجے شرما کے بھیس میں فرہاد ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ وہ مجھے گھیرنے کے لیے صرف پولیس ہی نہیں بلکہ فوج بھی بھیج رہے ہیں۔ میں ایسے میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہ وجے شرما کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔"

اُس نے اچانک ہی میرے بازو کو سختی سے تھام لیا، پھر کہا: "میں اپنی مالا کی حیثیت ختم کر دوں گی، اپنا نام بدل دوں گی۔ سنا ہے آپ میک اپ کے ماہر ہیں۔ میرا چہرہ بدل دیجیے لیکن مجھ سے دور مت جائیے۔"

میں سمجھ گیا، یہ مجھے نہیں چھوڑے گی۔ بحث کروں گا تو کافی وقت ضائع ہو گا۔ میں نے کہا: "یہ تمہارا آئیڈیا پسند آیا۔ میں میک اپ کے ذریعے تمہارا چہرہ بدل سکتا ہوں۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں کسی دکان سے میک اپ کا سامان خرید کر لاتا ہوں۔"

اُس نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے کہا: "جو ضرورت کی چیزیں ہوں، خرید لیں۔ یہ لیجیے، پانچ ہزار۔"

"آج تک فرہاد علی تیمور کو ہاتھ پھیلا کر لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں کسی بھی ملک کے سکوں سے کوئی چیز نہیں خریدتا۔ ٹیلی پیتھی دنیا کے ہر بازار میں سکۂ رائج الوقت ہے۔"

میں جلد آنے کا وعدہ کر کے تیزی سے چلتا ہوا قریبی بازار میں گیا، جہاں دُور تک دکانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اِن دکانوں کے پیچھے بھی دکانیں تھیں۔ میں اُن کے پیچھے جا کر مالا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ صبح سے کھانا نصیب نہیں ہوا تھا۔ ایک ہوٹل میں پہنچ کر کھانے کا آرڈر دیا، پھر آرام سے بیٹھ کر مالا کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق اسٹیئرنگ سیٹ پر آئی، کار کو اسٹارٹ کیا، پھر اُسے ڈرائیو کرتی ہوئی دہلی کی طرف جانے لگی۔

دس منٹ کے بعد میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میرے سامنے میز پر کھانا رکھا جا رہا تھا۔ جب بیرا واپس چلا گیا تو میں نے مالا کی خبر لی، وہ سڑک کے کنارے کار روک کر چاروں طرف حیرانی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی: "میں یہاں کیسے آ گئی؟"

میں نے کہا: "مالا، میں نے تمہیں کار ڈرائیو کرتے ہوئے دہلی جانے پر مجبور کیا ہے۔ میرا تمہارا ساتھ ممکن نہیں ہے لہٰذا اسی طرح ڈرائیو کرتی چلی جاؤ اور بھول جاؤ کہ کبھی فرہاد علی تیمور تمہاری زندگی میں چند گھنٹوں کے لیے آیا تھا۔"

اُس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں، نہیں، میں تمہارے بغیر گھر نہیں جاؤں گی۔ میں واپس آ رہی ہوں۔"

اُس نے پھر کار اسٹارٹ کی لیکن میں نے اُسے دہلی کی طرف جانے پر ہی مجبور کیا۔ اُس کے دماغ پر پوری طرح قبضہ نہیں جمایا۔ اسے بھی سوچنے کا موقع دیا۔ وہ اپنی مرضی کے بغیر بے اختیار کار ڈرائیو کرتی ہوئی دہلی کی طرف جا رہی تھی۔ ہزار کوشش کے باوجود ڈرائیونگ روک نہیں سکتی تھی۔ گاڑی کو پیچھے موڑ نہیں سکتی تھی۔ میں نے کہا: "ضد نہ کرو۔ میں جو فیصلہ کر لیتا ہوں، اُس پر عمل کرتا ہوں۔"

وہ جھنجلا کر بولی: "تم نے عورت کو کیا سمجھا ہے، کیا اُس کا فیصلہ کمزور ہوتا ہے؟ میں تمہیں اپنے پاس بلا کر رہوں گی۔"

"شریف لڑکیاں ایسی ضد نہیں کرتیں۔"

"میں شریف ہوں۔ آپ کے سامنے بولتے وقت شرم بھی آ رہی تھی۔ اپنے دل کی بات بتا نہیں سکتی تھی۔ میں اپنے دل سے مجبور ہوں، فرہاد پلیز، ایک دن کے لیے آ جاؤ، ایک رات کے لیے آ جاؤ، ایک گھنٹے کے لیے آ جاؤ مگر وہ ایک گھنٹا میری زندگی میں یوں نقش کر دو کہ میں ساری عمر تمہارے نام سے پہچانی جاؤں۔"

"میں تمہارے پاس آنے کا وعدہ کروں تو اپنے گھر جاؤ گی؟"

"ضرور جاؤں گی۔"

"پھر جاؤ۔ دہلی پہنچوں گا تو جلد ہی ملاقات کروں گا۔"

اُس نے سیدھے گھر جانے کا وعدہ کیا تو میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ چپ چاپ کھانا بھی رہا اور اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا بھی رہا۔ وہ خوش تھی، اُسے یقین تھا کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں نے آس پاس کے ماحول پر توجہ دی۔ وہ ایک درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔ میرے قریب ہی کاؤنٹر پر ہوٹل کا مالک بیٹھا ہوا گاہکوں سے پیسے وصول کر رہا تھا۔ مجھے کچھ اونچا بولنے کی عادت تھی اس لیے میں اُس کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر معلوم کرنے لگا۔ اُس کے سامنے دراز کے خانے میں کتنے چھوٹے بڑے نوٹ رکھے ہوئے ہیں۔ پھر کھانا ختم کر کے کاؤنٹر کی طرف جانے لگا۔ بیرے نے آواز لگائی: "وصولی والے صاحب سے پندرہ روپے۔"

کاؤنٹر کے پاس مجھ سے پہلے ہی تین چار گاہک کھڑے ہوئے اپنے پیسے دے رہے تھے۔ میں بھی اُن میں شامل ہو گیا۔ اُن گاہکوں میں کوئی کہہ رہا تھا: "بھئی جلدی پیسے لو۔ ہمیں جانا ہے۔"

کوئی کہہ رہا تھا: "آج سالن میں نمک زیادہ ہو گیا ہے۔"

میں نے کہا: "بھئی نمک زیادہ ہو یا کم، میرے پیسے تو واپس کر دو۔"

ہوٹل کے مالک نے چونک کر مجھے دیکھا، پھر پوچھا: "کیا تم نے پیسے دیے ہیں؟"

میں نے کہا: "بھائی صاحب! میں نے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ دیا ہے۔"

یہ کہتے ہی میں اُس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ انکار کرنا چاہتا تھا، پھر سوچ میں پڑ گیا۔ دراز کھول کر جھانکنے لگا۔ میں نے کہا: "دیکھو، میں تم سے دُور کھڑا ہوں لیکن اپنے نوٹ کی پہچان بتا سکتا ہوں۔ پانچ سو کا نوٹ ہے۔ اُس کا ایک کونا پھٹا ہوا ہے اور جہاں نوٹ کے نمبر لکھے ہوئے ہیں، وہاں تیل کا داغ ہے۔"

وہ بدستور اُلجھا ہوا تھا۔ وہ نوٹ اوپر ہی رکھا ہوا تھا۔ اُس نے دیکھ کر تائید میں سر ہلایا مگر کچھ اُلجھا ہوا بھی تھا۔ میں اُس کے دماغ میں رہ کر قائل کر رہا تھا: بھئی گاہک نے یہی نوٹ دیا ہے۔ ورنہ اُسے کیسے معلوم ہوتا کہ میرے پاس جو نوٹ ہے، اُس کا حلیہ کیا ہے۔ اُس نے چار سو پچاسی روپے مجھے تھما دیے۔ گاہکوں کی بھیڑ تھی۔ اُسے حجت کرنے کی فرصت بھی نہیں تھی، اگر فرصت ہوتی تو میں اُسے بحث کرنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ میں اُس سے اتنی رقم کبھی نہ لیتا۔ ایک تو سبے چارے کا کھانا کھایا،

پھر اتنی رقم بھی لی۔ دراصل بیرے نے جب آواز لگائی کہ دھوتی والے صاحب سے پندرہ روپے، تب مجھے یاد آیا کہ میں دھوتی اور قمیص میں ہوں۔ لہٰذا مجھے لباس بھی بدلنا چاہیے۔ اس کے لیے مزید روپوں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا تھوڑے سے روپے، ہوٹل کے مالک سے وصول کر لیے۔

مَیں نے ایک دکان سے اپنے لیے چار بہترین جوڑے خریدے۔ جن میں پتلون، شرٹ، ویسٹ کوٹ، پاجامہ قمیص وغیرہ شامل تھے۔ چار جوڑے کا سات سو روپے بل بنا۔ مَیں خریداری کے دوران دکان کے مالک کے دماغ کو پڑھ رہا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچنے سے پہلے اُس کی ہتھیلی میں اُس کے ہی کیش بکس سے ایک ہزار روپے نکال کر اُس کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ جب مَیں وہاں پہنچا تو بل دیتے ہوئے سو روپے کا ایک نوٹ دیا۔ اُس کی توجہ چند ساعت کے لیے دوسری طرف ہٹائی اور اُس کے ہاتھ سے سو کا نوٹ کھینچ لیا۔ پھر اُسے بل کی طرف متوجہ کیا۔ اُس نے کہا "سات سو روپے۔" پھر اُس نے اپنے ہاتھ میں ہزار کا نوٹ دیکھا اور سوچنے لگا۔ مَیں نے کہا "ذرا جلدی کریں — مجھے جانا ہے۔"

اُس نے جھجکتے ہوئے پوچھا "کیا یہ ہزار کا نوٹ آپ نے دیا ہے؟"

مَیں نے ہنستے ہوئے پوچھا "کیا آپ کو شبہ ہے؟ جب مَیں اتنا بڑا نوٹ اپنے پاس رکھتا ہوں تو احتیاطاً اُس کے نمبر یاد کر لیتا ہوں۔ نوٹ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مَیں یہاں سے دیکھ نہیں سکتا مگر نمبر بتا سکتا ہوں۔"

مَیں نے نوٹ کے نمبر بتائے۔ وہ پڑھ کر بولا "آپ ٹھیک کہتے ہیں صاحب! میرا دماغ ذرا کمزور ہو گیا ہے۔ حالانکہ بادام کا حلوہ کھاتا ہوں۔ ویسے بھی یہ دن رات کا لین دین ہے، کوئی کہاں تک خیال رکھے۔"

اُس نے تین سو روپے واپس کیے۔ مَیں سامان لے کر وہاں سے نکلا۔ جوتوں کی دکان میں جا کر اپنے لیے بہترین جوتے خریدے۔ ایک جوڑی چپل پہن لی اور جوتے رکھ لیے تاکہ نئے لباس کے ساتھ پہن سکوں۔ مَیں پچھلے دو دن سے شیو نہیں کر رہا تھا۔ ایک سیلون میں جا کر کہا "میری مونچھیں اور داڑھی ایسے ہی رہیں گی، بس ذرا خوبصورتی سے تراش دی جائیں۔"

وہاں پر مَیں نے حمام میں غسل کیا۔ لباس تبدیل کیا۔ پھر بس اسٹینڈ کی طرف جانے لگا۔ راستے میں ایک بھکاری نے ہاتھ پھیلا کر کہا "بابا! کچھ کھایا نہیں ہے۔ ایک وقت کی روٹی کھلا دو۔"

مَیں نے سو روپے کا ایک نوٹ دیا تو وہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ پھر مَیں نے بیگ میں سے وہ دھوتی، قمیص اور چپلیں نکالیں جو مَیں ہوٹل سے پہن کر آیا تھا۔ یہ چیزیں بھی اُسے خیرات کر دیں۔

اس کے بعد دہلی جانے والی بس میں آ کر بیٹھ گیا۔

دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ بس وہاں سے روانہ ہوئی۔ کچھ دُور جانے کے بعد مَیں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سُنی۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ اُسی شاہراہ کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ دہلی کی طرف سے آ رہا تھا۔ اُس کا رُخ پانی پت کی طرف تھا۔ مَیں نے فوراً ہی مالا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اُس کی کار ایک پولیس چوکی کے پاس رُکی ہوئی تھی۔ وہ چوکی کے ایک دفتر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پتا چلا کہ کچھ فوجیوں نے اُس کی گاڑی روکی ہے کیونکہ ہوٹل کے رجسٹر میں جہاں مالا کے گھر کا پتا لکھا ہوا تھا۔ وہاں کار نمبر بھی نوٹ کیا گیا تھا۔ اس نمبر سے وہ پہچان لی گئی۔ پھر اُس کے کاغذات دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ یہ وہی مالا ہے جو وجے شرما سے شادی کرنے کے بعد شملہ جانے والی تھی۔ اُس سے پوچھا گیا "وجے شرما کہاں ہے؟"

اُس نے بڑی اداسی سے آہ بھرتے ہوئے کہا "وجے شرما ایک دھوکا تھا بلکہ ڈبل فراڈ تھا۔"

ایک فوجی افسر نے کہا "ڈبل فراڈ کا مطلب کیا ہے؟"

"پہلے تو وہ وجے شرما میری سمجھ میں نہیں آیا، جس نے مجھ سے شادی کی تھی۔ بعد میں ہوٹل کے کمرے میں دوسرا وجے شرما آیا۔ اُس نے پہلے والے پر الزام لگایا کہ وہ قاتل ہے اور میرے باپ کی دولت ہتھیانے کے لیے مجھ سے شادی کر کے شملہ لے جا رہا ہے۔ پہلے وجے شرما نے اس بات کا اعتراف کر لیا اور دوسرے وجے شرما سے نہ جانے کیوں خوف زدہ ہو گیا۔ اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا، تم جو کہو گے مَیں اُس پر عمل کروں گا۔ تب دوسرے نے اُس سے کہا کہ وہ میرا شوہر بن کر ہوٹل سے باہر جائے گا اور جب تک وہ نہ جائے پہلا وجے شرما ہوٹل میں چھپا رہے۔"

فوجی افسر نے پوچھا "جب ہوٹل کے کاؤنٹر پر پولیس افسران چیک کر رہے تھے، اُس وقت تم نے فراڈ وجے شرما کے متعلق بیان کیوں نہیں دیا؟"

"مَیں نہیں جانتی، مجھے کیا ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے میرا دماغ میرے قابو میں نہیں ہے اور مَیں بے اختیار وہ کر رہی ہوں جو مجھے نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کہہ رہی ہوں جو نہیں کہنا چاہیے۔ اس طرح مَیں دوسرے وجے شرما کے ساتھ اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ ڈرائیو کرتا ہوا میرے ساتھ تقریباً بیس میل تک آیا۔ پھر گاڑی روک کر بولا، تم یہاں سے جاؤ اور یہ بھول جاؤ کہ دوسرا وجے شرما بھی تمہاری زندگی میں آیا تھا۔"

مالا نے بیان دیتے ہوئے کہا "مَیں دوسرے وجے شرما کی موجودگی میں گم سُم رہی تھی۔ مجھے اپنا ہوش نہیں تھا۔ جب وہ چلا گیا تب ایسا لگا جیسے میرا دماغ ہلکا ہو گیا ہے۔ میرے اوپر سے

ایک بوجھ اُتر گیا ہے اور مَیں اپنے آپ کو اچھی طرح پہچاننے لگی ہوں۔ تب مَیں نے جلدی سے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے دہلی کی طرف جانے لگی۔"

فوجی افسر نے پوچھا "تم نے کسی پولیس اسٹیشن میں رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"راستے میں کتنے ہی پولیس اسٹیشن آئے۔ مَیں نے ارادہ کیا لیکن محسوس ہوا کہ مَیں ارادہ کرتی ہوں مگر عمل نہیں کر سکتی۔ میرا دماغ پھر کسی کے قابو میں چلا جاتا ہے اور مَیں بے اختیار سیدھی ڈرائیو کرتے ہوئے دہلی کی طرف چلی جا رہی ہوں۔"

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ تم سے رخصت ہو کر وہ کدھر گیا تھا؟"

"وہ شملہ جانے والی بس میں بیٹھ گیا تھا۔"

اس کے بعد ہی فوجی افسر نے اپنے دوسرے ماتحت افسر کو حکم دیا تھا "فوراً ہیلی کاپٹر لے کر جاؤ اور انبالہ تک اُس بڑی شاہراہ پر نظر رکھو، جتنی بسیں شملہ کی طرف جا رہی ہیں، اُنھیں روک کر چیک کرو۔ مَیں مزید چار عدد ہیلی کاپٹر اس سلسلے میں روانہ کر رہا ہوں۔"

مالا کے خیالات پڑھنے کے بعد مَیں نے اُسے مخاطب کیا اور کہا "تم نے میرے حق میں بہت اچھا بیان دیا ہے۔ اُنھیں مِس گائیڈ کیا ہے۔ مَیں تم سے بہت خوش ہوں۔"

"مَیں بھگوان سے یہی پرارتھنا کرتی آ رہی ہوں کہ آپ کے زیادہ سے زیادہ کام آؤں اور آپ کا دل جیت لوں۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ ابھی ابتدا ہے۔ میرے ساتھ رہنے والے لمحہ بہ لمحہ نئی نئی مشکلات میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں۔"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "فی الوقت مَیں یہی کہوں گی کہ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں۔ ان فوجی افسران نے مجھے اس لیے بٹھا رکھا ہے کہ شاید تم مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرو گے۔"

"تم انھیں یہی تاثر دو کہ مَیں ایک خود غرض انسان ہوں۔ مَیں نے ہوٹل سے نکلنے کے لیے تمھیں اور تمھاری کار کو استعمال کیا۔ اس کے بعد تمھیں بھول چکا ہوں۔ شاید کبھی تمھارے دماغ میں نہیں آؤں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "ایسی بات نہ کرو، نہیں تو میرا دل دھڑکتے دھڑکتے رک جائے گا۔"

"اپنی دھڑکنیں سنبھال کر رکھو۔ مَیں صرف دشمنوں کو یہ بیان سننے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ ویسے ضرورت پڑی تو رابطہ قائم کروں گا ورنہ اپنے وعدے کے مطابق تم سے ضرور ملنے آؤں گا۔"

ہماری بس ایک چھوٹے سے گاؤں کے اسٹاپ پر رُکی ہوئی تھی۔ وہاں سے ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ سوار ہوا۔ اندر آتے ہی ایک سرے سے تمام مسافروں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے بہت ہی خونخوار قسم کا آفیسر ہو اور ایک نظر میں مجرم کو تاڑ لیتا ہو۔ ڈرائیور اور کنڈکٹر خوشامدانہ انداز میں اُسے سلام کر رہے تھے۔ کچھ غریب کسان تھے جو اُسے دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اُسے اپنی اپنی سیٹ پیش کر رہے تھے لیکن وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ چھوٹے لوگوں کو دیکھنے کا عادی نہیں ہے۔ اُس کی نظریں میری طرف تھیں۔

میرے پاس ایک سیٹ خالی تھی۔ وہ بڑی شان سے چلتا ہوا میرے پاس آیا۔ پھر ذرا جھک کر میرے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکرانے لگا۔ پھر ہنستے ہوئے بولا "ہا، ہا، ہا، میرا نام منگل پانڈے ہے۔ کیا مَیں آپ کے پاس تشریف رکھ سکتا ہوں؟"

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اُس نے تشریف رکھ لی۔ پھر کہنے لگا "کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ لوگ ڈر کے مارے کہتے ہیں 'بڑے داروغہ جی' اور وہ غلط نہیں کہتے۔ مَیں ایک ہی نظر میں مجرم کو تاڑ لیتا ہوں۔ ویسے ایک بات بتاؤ، تم فرہاد علی تیمور کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

مَیں نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "جی ہاں، مَیں نے اُس کے متعلق پڑھا ہے۔"

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "کہاں پڑھا ہے؟ کیا پڑھا ہے؟"

"وہ شیریں سے محبت کرتا تھا اور اُس کے لیے ایک کدال لے کر پہاڑ کاٹنے گیا تھا۔ پہاڑ کاٹ کر دودھ نکالنا چاہتا تھا مگر یہ کوئی یقین کرنے کی بات ہے؟ پہاڑ کے اندر سے کبھی دودھ نکلتا ہے؟ دودھ تو گائے دیتی ہے۔"

اُس نے زور سے گرج کر کہا "یُو شٹ اپ۔"

اُس کی آواز بڑی گرجدار تھی۔ بس کے تمام مسافر سہم کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ اُس نے غصے سے کہا "چلو اُدھر دیکھو، سب اُدھر دیکھو۔ اِدھر کیا تمھارے باپ کا تماشا ہو رہا ہے اور ڈرائیور! تم کیا کر رہے ہو۔ گاڑی کیوں روکی ہے۔ چلو اسٹارٹ کرو۔"

گاڑی فوراً اسٹارٹ ہو گئی۔ مسافر سیدھے بیٹھ کر اپنے سامنے دیکھنے لگے۔ اُس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں تھی۔ داروغہ منگل پانڈے نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر میری طرف جھک کر آہستگی سے کہا "تم گدھے ہو۔ مَیں شیریں والے فرہاد کو نہیں، ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

بس تیز رفتاری سے چلنے لگی تھی۔ مَیں نے کہا "اگر مجھے فرہاد کا ہاتھ مل جائے تو مَیں اُس کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔"

اُس نے جھنجلا کر کہا "کس بے وقوف کے پاس بیٹھنے کے لیے سیٹ ملی ہے۔ ارے، فرہاد کا ہاتھ مل ہی جاتا تو مَیں ہتھکڑیاں نہ پہنا دیتا۔ تجھے ہاتھ لا کر دوں گا، بھلا کس لیے؟"

مَیں نے ذرا اکڑ کر کہا "لوگ مجھے مہا جوتشی دھرم راج کہتے ہیں۔ اگر آپ کو کسی فرہاد کی تلاش ہے تو کم از کم اُس کے ہاتھ کا پرنٹ

لاکر دیں۔ مَیں ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ پہلے وہ کہاں تھا اب کہاں ہے اور آئندہ کہاں ہوگا۔"

اُس کا غصّہ یکلخت ختم ہوگیا۔ اُس نے خوش ہوکر پوچھا۔ "کیا واقعی تم جوتشی ہو؟ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر سب کچھ بتا سکتے ہو؟"

مَیں نے کہا۔ "آزما کر دیکھ لیجیے۔"

اُس نے اپنی وردی پر دائیں ہتھیلی کو رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ پھر میری طرف بڑھا دیا۔ مَیں نے اُس کے ہاتھ کو تھام لیا پھر کہا۔ "ایک منٹ تک مجھے آواز نہ دینا۔"

مَیں اُس کا ہاتھ دیکھنے لگا مگر خیالات بہت دیر سے پڑھتا آرہا تھا۔ اُس کی پوری ہسٹری معلوم کر رہا تھا۔ ایک منٹ کی مہلت لے کر میں نے اور بہت کچھ معلوم کیا۔ اس کے بعد کہنا شروع کیا۔

"تم اوپر سے پتھر ہو، اندر سے موم۔ تمھارا دل بہت بڑا ہے۔"

"ارے کیا خاک بڑا ہے، سینے کے ناپ کے مطابق ہے۔ تم تو پیشہ ور جوتشیوں کی طرح باتیں بنا رہے ہو۔ کام کی بات بتاؤ۔"

"تمھاری ایک جائز بیوی اور دو جائز بچے ہیں۔ باقی درجنوں ناجائز بیویاں اور نہ جانے کتنی ناجائز اولادیں ہیں۔"

اُس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "تم ہاتھ دیکھتے ہو یا گھاس کاٹتے ہو، تم جوتشی نہیں گھسیارے ہو۔"

"مَیں سچ بتاتا ہوں تو تمھیں غصہ آتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھو مگر اپنے گریبان میں جھانک کر بتاؤ مَیں نے سچ کہا ہے یا جھوٹ؟"

اُس نے آس پاس دیکھتے ہوئے میرے قریب جُھک کر کہا۔ "ذرا دھیرے سے سچ بولا کرو۔"

مَیں نے دھیرے سے کہا۔ "آج صبح تم ہیلی بور گاؤں میں تھے۔ وہاں ایک چور کو پکڑ کر حوالات تک لے جانا تھا مگر وہ چور زمیندار کا خاص آدمی تھا۔ لہٰذا تم خالی ہتھکڑی لے آئے مگر جیب بھر گئی۔"

اُس نے پھر ہاتھ کھینچ کر کہا۔ "اب بکواس کرو گے تو منہ توڑ دوں گا۔ میرا نام منگل پانڈے ہے، کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب مجھے بڑے داروغہ جی کہتے ہیں اور تو مجھے آپ سے تم کہنے لگا۔"

"جب مَیں کسی کا ہاتھ دیکھتا ہوں تو مہا جوتشی ہوتا ہوں۔ اپنے سامنے والے کو تُو یا تم کہہ کر مخاطب کرتا ہوں۔ اگر تمھیں منظور ہے تو ہاتھ دکھاؤ۔ ورنہ مَیں جتنی لکیریں دیکھ چکا ہوں۔ وہ۔ ۔ ۔"

مَیں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ اُس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ پیش کر دیا اور پوچھا۔ "جلدی بتاؤ، میرے ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں۔ دیکھو اُلٹی سیدھی بات نہ کہنا۔"

"تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو، مَیں اب تک سیدھی بات کرتا آرہا ہوں۔ چلو، اب مَیں کوشش کروں گا کہ میری بات بُری نہ لگے۔ لیکن اس سے تمھارا نقصان ہوگا۔ آدمی کو کبھی کبھی آئینے میں اپنا اصلی چہرہ دیکھنا چاہیے۔ جو اپنی بُرائی نہیں سُن سکتا، وہ خود اپنا دشمن ہوتا ہے۔"

"نصیحت نہ کرو۔ یہ بتاؤ میری ترقی ہوگی یا نہیں؟"

"ہیڈ آفس میں تمھارے پروموشن کے کاغذات مکمل ہوگئے ہیں کچھ باقی ہیں۔ تم سے حسد کرنے والے اس ترقی کی فائل کو دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

"وہ فائل اوپر کب آئے گی؟"

"جب تمھارے اعمال درست ہوں گے۔ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ تم رشوت لیتے ہو، مجرموں کو اور زیادہ سے زیادہ جرم کرنے کی ڈھیل دیتے ہو۔ یہ رپورٹ تمھارے بڑے افسروں تک پہنچتی ہے اور تمھاری فائل نیچے دب کر رہ جاتی ہے۔ اگر تم رشوت نہ لو اور کوئی بڑا سا کارنامہ انجام دو تو داروغہ سے ترقی پاکر۔ ۔ ۔"

مَیں نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔ اُس نے بے تابی سے پوچھا۔ "ہاں، ہاں، آگے بولو۔"

"کیا بولوں۔ ابھی تمھارے ہاتھ میں ایک بہت بڑا کیس آنے والا ہے مگر تم رشوت لوگے تو ترقی رُک جائے گی۔"

"نہیں، مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں، کوئی بڑا کیس ہاتھ آیا تو مَیں رشوت نہیں لوں گا۔ مجرموں کو قانون کے حوالے کروں گا۔ پھر میری ترقی ضرور ہوگی، نا؟"

"ضرور ہوگی۔"

"مگر وہ کیس کب ملے گا؟"

"ایک بات کا وعدہ کرو تو مَیں تمھیں ایک راز کی بات بتاؤں گا۔"

"ایک نہیں، دس وعدے کرالو مگر کوئی بڑا سا کیس نمٹا لینے دو۔"

"کسی سے یہ نہ کہنا کہ مَیں بہت بڑا جوتشی ہوں ورنہ سب میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"مَیں کسی سے نہیں کہوں گا۔"

"جب تک ہمارا سفر جاری رہے گا، تم مجھے اپنا پرانا دوست ظاہر کرو گے۔ ہم بچپن میں ایک ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے۔"

"مَیں سب کروں گا۔ تم جو چاہو گے وہی ہوگا، بتاؤ، کیس کیا ہے؟"

"جب کنڈیکٹر مجھ سے ٹکٹ لینے آیا تھا اور پیسے کے لیے میرے سامنے ہاتھ پھیلایا تھا تو مَیں نے اُس کے ہاتھ کی لکیروں کو فوراً ہی پڑھ لیا تھا۔ جانتے ہو، وہاں کیا لکھا تھا؟"

اُس نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔ "کیا لکھا تھا؟"

"لکھا ہوا تھا، ڈرائیور کی سیٹ کے نیچے چرس سے بھرا ہوا تھیلا چھپا کر رکھا گیا ہے۔ یہ تھیلا دہلی میں ایک غیر ملکی کے پاس پہنچایا جائے گا اور وہ انھیں پچاس ہزار روپے دے گا۔"

داروغہ منگل پانڈے کی سانس اوپر کی اوپر رہ گئی۔ وہ گھور کر ڈرائیور کی سیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مَیں نے کہا۔ "دیکھو، جلد بازی سے کام نہ لینا۔ کسی بڑے پولیس اسٹیشن میں پہنچ کر اپنا کارنامہ دکھانا۔"

اُس نے جلدی سے ہاں، ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شک، بے شک۔ تمھاری بات درست نکلی تو مَیں تمھیں انعام دوں گا۔"

"مَیں کسی کا ہاتھ دیکھ کر ایک پیسہ نہیں لیتا اور تم مجھے انعام دینا چاہتے ہو۔"

"پھر مَیں تمھارے کام آؤں گا۔ بولو، کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں، تمھارے ہاتھ میں لکھا ہے کہ تم بہترین دوست ثابت ہوسکتے ہو اور مجھ سے دوستی کرنے میں تمھاری ترقی ہی ترقی ہے کیونکہ مَیں ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر مجرموں کی نشاندہی کرسکتا ہوں، لیکن خبردار، تم نے کسی اور سے یہ بات کہہ دی تو پھر دوسرے کی تو ترقی ہوگی مگر تمھاری ترقی پیچھے چلی جائے گی۔"

اُس نے نہیں، نہیں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مَیں اتنا بدھو نہیں ہوں۔ مَیں اپنی ترقی دیکھوں گا۔ مَیں بھلا کسی اور کو کیوں بتاؤں گا کہ تم اتنے بڑے گیانی ہو۔ یہ راز میرے دل میں رہے گا اور مَیں دل سے تمھیں دوست کہتا ہوں۔"

"دوست کو صرف دھن راج کے نام سے پکارنا، مہا جوتشی کبھی نہ کہنا۔"

اُس نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "دھن راج، آج سے تم میرے لنگوٹیا یار ہو۔ مَیں دوسروں کے سامنے تمھیں اپنا دوست کہنے پر فخر محسوس کروں گا۔"

مَیں نے اطمینان کی سانس لی۔ اب ایک داروغہ دوست بن چکا تھا۔ مَیں پولیس کے سائے میں رہ کر ہی پولیس والوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ بس اُسی پولیس چوکی کے پاس رک گئی جہاں مالا کی کار روکی گئی تھی۔ وہ کار وہاں کھڑی ہوئی تھی اور مالا ایک دفتر میں بیٹھی ہوئی بور ہو رہی تھی۔ شملہ سے دہلی تک جتنے بھی چھوٹے بڑے پولیس اسٹیشن تھے، وہاں کے افسروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ شاہراہ سے گزرنے والی ہر گاڑی کو چیک کریں اور مشکوک لوگوں کو روک کر تھانے میں بٹھالیں اور ٹیلی فون کے ذریعے ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دیں تاکہ وہاں سے مشکوک لوگوں کی آواز فون کے ذریعے سُنی جاسکے۔ اس سے ظاہر تھا کہ شار پر نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو اپنا اڈا بنایا ہوا تھا اور وہاں کے ایک افسر کے ذریعے تمام علاقوں سے آنے والی فون کالوں کو سنتا تھا اور مجھ تک پولیس والوں کو پہنچانا چاہتا تھا۔ شاید فوجی ہیڈ کوارٹر میں بھی اُس نے یہی طریقہ کار اختیار کیا ہوگا۔

پولیس چوکی پہنچ کر ڈرائیور اُترنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی منگل پانڈے نے اپنا ریوالور اُس کی کھوپڑی سے لگاتے ہوئے کہا۔ "جہاں بیٹھے ہو وہیں رہو۔ میرا نام منگل پانڈے ہے، کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب مجھے بڑے داروغہ جی کہتے ہیں۔"

پھر اُس نے سپاہیوں سے کہا۔ "اِسے ہتھکڑی پہناؤ اور دیکھو، کنڈیکٹر بھی بھاگنے نہ پائے۔"

ایک سپاہی نے کنڈیکٹر کی گردن دبوچ لی۔ دوسرے نے اپنے داروغہ سے ہتھکڑی لے کر ڈرائیور کو پہنا دی۔ پھر اُسے وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھنے کے لیے کہا۔ بلکہ پولیس والے شرافت سے کہتے کہاں ہیں۔ اُسے دھکا دیتا ہوا دوسری جگہ لے گیا۔ داروغہ منگل پانڈے نے اُس کی سیٹ کی گدّی کو اٹھا کر دیکھا تو نیچے ایک بڑا سا تھیلا رکھا ہوا تھا جسے کھول کر دیکھنے سے میرے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ منگل پانڈے نے وہیں سے پلٹ کر خوش ہوتے ہوئے مجھے دیکھا۔ مَیں نے اشارے سے سمجھایا کہ اس کامیابی میں وہ میرا نام ہرگز نہ لے۔

اِس کے بعد مَیں نے مالا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مَیں ایک بس میں یہاں تک آگیا ہوں۔ اگر میرا تمھارا سامنا ہو تو انجان بن کر رہنا۔"

وہ خوش ہوکر بولی۔ "کیا آپ میرے قریب پہنچ چکے ہیں؟"

"مَیں بعد میں باتیں کروں گا۔"

مَیں نے رابطہ ختم کر دیا۔ ڈرائیور، داروغہ منگل پانڈے سے کچھ لین دین کی باتیں کر رہا تھا۔ اُسے دس ہزار روپے دینا چاہتا تھا لیکن وہ رشوت لینے سے انکار کر رہا تھا۔ اُس کی گردن پکڑ کر دھکیلتا ہوا بس سے باہر لے جا رہا تھا۔ پھر اُس نے پلٹ کر کہا۔ "یار دھن راج! مَیں تو اب تمھارے بغیر ایک قدم بھی نہیں چلوں گا۔ آجاؤ میرے ساتھ۔"

مَیں اپنا بیگ سنبھالتا ہوا اُٹھ گیا۔ اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ایک فاتح کی شان سے آگے آگے جا رہا تھا۔ سپاہی ڈرائیور اور کنڈیکٹر کو ہتھکڑیاں ڈال کر دفتر کے اندر لے جا رہے تھے۔ اندر مالا بیٹھی ہوئی تھی۔ وہاں ایک افسر کو دیکھ کر مونچھوں پر بل دیتے ہوئے منگل پانڈے نے کہا۔ "میرا نام منگل پانڈے ہے۔ کوئی میرا نام لینے کی ہمت۔ ۔ ۔"

افسر نے کہا۔ "پانڈے جی! ہمیں آپ کا نام معلوم ہے اور آج تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔ ڈرائیور کی سیٹ کے نیچے سے اتنی چرس نکلوا لی۔"

منگل پانڈے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مَیں ایک نظر میں ہی مجرم کو تاڑ لیتا ہوں۔ اس ڈرائیور کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا۔ یہ اپنی سیٹ پر بیٹھا پچاس ہزار کے انڈے دیتا جا رہا ہے۔"

میں نے مالا سے کہا تھا، مجھ سے انجان بن کر رہے لیکن وہ بے اختیار میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "یہ بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔ یہاں فوجی افسران بھی ہیں، انھیں شبہ ہو سکتا ہے۔"

ایک فوجی کیپٹن نے پانڈے سے کہا: "آپ بہت ہوشیار آفیسر ہیں۔ دراصل ہمارے ہاں ایماندار آفیسروں کی کمی ہے۔ اب یہی دیکھیے کہ اس چوکی میں کتنی گاڑیاں آکر رکتی ہیں اور چلی جاتی ہیں لیکن کبھی کوئی مجرم پکڑا نہیں جاتا۔ مسٹر، آپ کا نام کیا ہے؟"

"مجھ کو منگل پانڈے کہتے ہیں، کوئی میرا نام لینے کی ہمت۔ ۔ ۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ فوجی افسر اُس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ افسر نے مسکراتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں نے سنا ہے کہ کوئی آپ کا نام لینے کی جرأت نہیں کرتا، سب آپ کو بڑے داروغہ جی کہتے ہیں۔ بھئی، ہم بھی بڑے داروغہ جی کہتے ہیں۔ کیا آپ چوکی میں کھڑی ہوئی دوسری گاڑیوں کو چیک کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ ہو سکتا ہے کچھ اور مجرم آپ کی وجہ سے پکڑے جائیں۔"

منگل پانڈے نے میری طرف دیکھا۔ پھر کہا: "ہاں ہاں ضرور، میں ابھی جا کر چیک کروں گا، چلو دھن راج۔"

اُس نے میرے بازو کو تھام لیا۔ فوجی کیپٹن نے پوچھا: "یہ صاحب کون ہیں؟"

"سر، یہ میرے بچپن کا ساتھی ہے، جس کو ہم اپنی زبان میں لنگوٹیا یار کہتے ہیں۔"

کیپٹن مجھے شبہ کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جب ایک پولیس افسر مجھے بچپن کا ساتھی کہنے لگا تو شبہ کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی ـــــ کیپٹن نے ریسیور اٹھا کر اپنا تعارف کرایا۔ پھر دوسری طرف کی آواز سن کر بولا: "کیا کہا، ایک بھکاری کے پاس سے وہ دھوتی اور قمیص برآمد ہوئی ہے جسے فرہاد پہن کر ہوٹل سے نکلا تھا۔ ٹھیک ہے، وہ کپڑے فوراً یہاں لے آؤ۔ اُس کے ساتھ آنے والی مالا نامی عورت یہاں موجود ہے، وہ کپڑوں کو پہچان لے گی۔ اس شہر کے آس پاس دور تک کے علاقوں کو چھان مارو، وہ زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔"

میں نے مالا کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "وہ کپڑے آئیں تو تم شناخت کر لینا۔"

میں منگل پانڈے کے ساتھ باہر جاتے ہوئے بولا: "تم نے رشوت نہ لے کر اپنی تقدیر بدل لی ہے۔ تم اور زیادہ خوش نصیب بننے والے ہو۔ میں نے پہلے تمھیں نہیں بتایا تھا۔ تمھارے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں، آج تم جتنی رشوتوں کو ٹھکراؤ گے اتنے ہی بڑے بڑے کیس ہاتھ آتے جائیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا: "اب میں تمھاری ایک ایک بات کو مانتا ہوں، دھرم سمجھتا ہوں۔ تم کہو گے کہ اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دے، میری ترقی ہو سکتی ہے تو میں سوچے سمجھے بغیر چھلانگ لگا دوں گا۔"

میں نے کہا: "تم جن لوگوں پر شبہ کرو، کسی بہانے اُن کا ہاتھ دکھا دو۔ میں تمھیں صحیح طور پر گائیڈ کر دوں گا۔"

اُس نے یہی کیا۔ چند سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹرک کو چیک کرتا رہا۔ وہاں اُسے کسی پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ دراصل میں نے ہی اُسے شبہ کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ جب وہ ڈرائیور اور کنڈیکٹر وغیرہ سے باتیں کرتا تھا تو میں اُن کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لیتا تھا کہ وہ کوئی مال چھپا کر لے جا رہے ہیں یا نہیں؟ اُس نے ایک بڑی سی ویگن کار کو چیک کیا۔ اُس کے مالک سے بات کی تو میں نے اُس کے دل میں شبہ پیدا کیا۔ اُس نے ویگن کار کے مالک سے پوچھا: "یہ تمھارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے؟"

اُس نے کہا: "کچھ بھی نہیں۔"

"میں نے ابھی دیکھا ہے، تم مٹھی باندھے ہوئے تھے۔ چلو ہاتھ دکھاؤ۔"

اُس نے اپنی ہتھیلی سامنے پھیلا دی۔ میں اُس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ منگل پانڈے نے ہتھیلی کو اچھی طرح کھول کر دیکھتے ہوئے کہا: "مجھے اس میں سے چرس کی بُو آ رہی ہے۔"

وہ شخص گھبرا گیا۔ پھر ہنستے ہوئے بولا: "داروغہ جی! آپ تو مذاق کرتے ہیں۔ بھلا میرا چرس سے کیا تعلق ہے۔ شاید آپ کو نہیں معلوم، میں دہلی ویسٹ کمشنر کا سالا ہوں۔"

میں نے منگل پانڈے کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "سالوں کے منہ نہیں لگنا چاہیے۔ چلو آؤ، ہم دوسری گاڑی چیک کرتے ہیں۔"

میں نے اُسے دور لے جاتے ہوئے کہا: "یہ شخص تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے مالیت کی چرس لے جا رہا ہے۔ تم پوری ویگن کو کھول کر پھر سے جوڑ دو گے پھر بھی سمجھ نہیں پاؤ گے کہ وہ چرس کہاں چھپا کر لے جا رہا ہے۔"

"یار! دھن راج، تم زیادہ نہ اُلجھاؤ۔ بتا دو، وہ کہاں چھپا کر لے جا رہا ہے؟"

"ویگن میں دو ایکسٹرا وھیل یعنی فاضل پہیے ہیں۔"

منگل پانڈے نے کہا: "ہر گاڑی میں ایک دو پہیے فاضل ہوتے ہیں تاکہ پنکچر ہو جائے تو دوسرا لگایا جائے۔"

"میری بات سنو، پہیے کے ٹائر کے اندر ٹیوب ہوتی ہے۔ ٹیوب میں ہوا بھری ہوتی ہے لیکن ان دونوں پہیوں کے اندر جو ٹیوب ہے، اُن کے اندر چرس بھری ہوئی ہے۔"

وہ ایک دم سے اچھل کر میری طرف پلٹ گیا۔ پھر بولا: "ارے، یہ تو بڑا ہی فنٹاسٹک آئیڈیا ہے۔ کیا وہ اس طرح چرس لے جا رہا ہے۔ اگر میں نے اسے پکڑ لیا تو میری واہ واہ ہو جائے گی۔ کل کے اخبارات میں صرف میرا ہی نام ہو گا۔"

"اور تم سے کوئی یہ پوچھے کہ تمھیں پہیے میں چھپی ہوئی چرس کے متعلق کیسے معلوم ہوا تو یہ کہہ دینا کہ تمھیں چرس کی بُو محسوس ہو جاتی ہے۔ تم چیکنگ کے دوران ان پہیوں کے پاس گئے تھے۔ تمھیں بُو محسوس ہوئی اور تم نے اُسے ڈھونڈ نکالا۔"

اُس نے میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "ہاں یار، میں نے اخبار میں پڑھا ہے۔ انگلینڈ ائیر پورٹ پر ایک ایسا کتا ہے جو سونگھ کر چرس کے اسمگلروں کو گرفتار کرا دیتا ہے۔"

"یار منگل پانڈے، اب میں تمھیں کتا تو نہیں کہہ سکتا۔"

اُس نے غصے سے غرا کر دیکھا۔ پھر اُسے یاد آیا کہ میں اس کا بڑا محسن ہوں، وہ یک بیک قہقہہ مار کر میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "یار، تم مجھے کتا بھی کہہ دو تو بُرا نہیں مناؤں گا۔"

"اب جاؤ اور فوجی کیپٹن سے کہو، اس ویگن کو چاروں طرف سے گھیر لے، پولیس والوں کا یہ کام نہیں ہے کیونکہ اس گاڑی کا مالک اور اس کے دو ساتھی اپنے ساتھ زبردست اسلحہ رکھتے ہیں۔ وہ مقابلے پر اُتر آئیں گے۔"

ہم پھر دفتر کے اندر آئے۔ اُس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر کیپٹن کو ایک طرف لے جا کر اس سلسلے میں بات کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی کتنے فوجی جوان الرٹ ہو گئے۔ انھوں نے چاروں طرف سے ویگن کار کو گھیر لیا۔ گاڑی کے مالک اور اُس کے ساتھیوں کو ہتھیار نکالنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اب منگل پانڈے دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا۔ اگر پہیے کے اندر سے چرس برآمد نہ ہوئی تو بڑی انسلٹ ہو گی۔ فوجی افسروں کی ڈانٹ سننا پڑے گی۔ اگرچہ وہ میرے کہنے پر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا دعویٰ کرتا تھا، پھر بھی ابتدا میں مکمل یقین اور اعتماد نہیں ہوتا۔

وہ ویگن کار کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے حکم سے سپاہی دو دو پہیوں کو باہر نکال رہے تھے۔ دو فوٹو گرافرز تیار تھے اور تصویریں اُتارتے جا رہے تھے۔ جب پہیے کے ٹائر کو الگ کیا گیا اور ٹیوب کو چاقو سے کاٹا گیا تو سب حیران رہ گئے۔ منگل پانڈے کا دعویٰ سچ ثابت ہو گیا کہ وہ سونگھ کر چرس کا سراغ لگا لیتا ہے۔ پانڈے کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ فوجی کیپٹن خوش ہو کر اس سے مصافحہ کر رہا تھا، فوٹو گرافرز تصویر اُتار رہے تھے۔ پھر ان چرس بھرے ہوئے دو پہیوں کے ساتھ منگل پانڈے کی تصویر اتاری گئی اور یہ ساری تصویریں کل کے اخبارات میں آنے والی تھیں۔

میں دفتر میں مالا کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا مگر ہم اجنبی بنے ہوئے تھے۔ میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "میں جانتا ہوں، تم مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہو، مگر ایسی غلطی نہ کرنا۔ بعد میں بات کرنے کے بہت سے مواقع آئیں گے۔"

اُس نے پوچھا: "آپ نے اس پولیس افسر سے کیسے دوستی کر لی؟"

"یہ سب ٹیلی پیتھی کا کمال ہے مگر اسے یہ نہیں معلوم ہے کہ میں فرہاد ہوں۔ وہ مجھے دھن راج کے نام سے جانتا ہے اور میرا پکا مرید ہو چکا ہے۔"

میں نے منگل پانڈے کے دماغ میں رہ کر اُس کی سوچ میں کہا: "اس خوشی میں مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ دھن راج صرف میرے بچپن کا بہت پیارا دوست ہے۔ وہ جوتشی نہیں ہے، اُس نے ان مجرموں تک میری رہنمائی نہیں کی ہے۔ یہ بات مجھے کسی سے نہیں کہنا چاہیے۔"

میں اُس کی سوچ میں یہ بات بار بار یاد دلا رہا تھا۔ وہ ایک اخباری رپورٹر کو بیان دیتا جا رہا تھا۔ میرے یاد دلانے پر وہ اور محتاط ہو گیا تھا۔ بڑے داروغہ نے ایک ہی جگہ دو گاڑیوں سے مختلف مجرموں کو گرفتار کرایا تھا۔ اس سلسلے میں ابتدائی قانونی کارروائیاں ہو رہی تھیں جس میں خاصا وقت لگنے والا تھا۔ میں فوجی کیپٹن کے دماغ کو پڑھنے لگا کیونکہ وہ دہلی کی فوجی بیرک سے ہی آیا تھا۔

اُس کیپٹن کا نام گنگا دھر تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی۔ صبح اُسے اعلیٰ افسران نے طلب کیا تھا۔ وہ نو بجے ایک ایسے روم میں داخل ہوا جہاں اعلیٰ افسران کی ایک خفیہ میٹنگ ہو رہی تھی۔ اس خفیہ اجلاس میں گفتگو کا مرکز ہمارا بیٹا پارس تھا۔ ملٹری انٹیلی جنس کے ایک اعلیٰ افسر نے بات شروع کرتے ہوئے کہا: "یہ تازہ ترین اطلاع ہے اور اس کی تصدیق ہو چکی ہے، رسونتی اور فرہاد کا بیٹا پارس استنبول میں ہے۔"

تمام آفیسر اُسے توجہ سے اور کچھ بے یقینی سے دیکھنے لگے۔ انٹیلی جنس کا وہ آفیسر اپنی فائل میں سے ایک کاغذ نکال کر اجلاس کے چیئرمین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا: "یہ انٹرپول کے چیف کی رپورٹ ہے جو استنبول سے بھیجی گئی ہے۔ ریڈ پاور کے ملک سے ہماری گہری دوستی ہے۔ ہم اُس کے ماسک مین سے بھی صحیح صورتِ حال معلوم کر سکتے ہیں۔ مسٹر چیئرمین، آپ ماسک مین سے ہاٹ لائن پر گفتگو کر سکتے ہیں۔ پھر سپر ماسٹر سے بھی اس کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔"

چیئرمین نے تائید میں سر ہلا کر انٹرکام کے ذریعے اپنے پرسنل سیکرٹری کو حکم دیا کہ وہ ماسک مین سے رابطہ قائم کرائے۔ پھر اس نے پوچھا: "کیا آپ اُس بچے کے متعلق وضاحت فرمائیں گے جو استنبول میں ہے؟"

انٹیلی جنس کے افسر نے کہا: "جیسا کہ آپ جانتے ہیں، چند بھائیوں نے ایک ایسی ٹرانسفارمر مشین ایجاد کی ہے جس کے ذریعے ایک شخص کی تمام ذہنی صلاحیتوں کو دوسرے شخص میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ان بھائیوں نے فرہاد کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیت کو اپنے اپنے اندر منتقل کر لیا تھا۔ چونکہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائی ہم سے یہاں تعاون کر رہے ہیں، فرہاد کو ہمارے ہی ملک میں گرفتار کرانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں تو ہم اسے قصے کہانی کی بات نہیں سمجھیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے، اس ٹرانسفارمر مشین کا وجود ہے۔"

ایک افسر نے کہا: "اُس مشین کا بچے سے کیا تعلق ہے؟"

"میں یہی کہنے جارہا ہوں، ان بھائیوں نے اُس مشین کے تین حصے کیے تھے، تاکہ وہ مشین اپنی مکمل صورت میں ایک ہی جگہ نہ رہے، اس کے چوری ہونے کا خدشہ تھا۔ اگر وہ چوری بھی ہوئی تو مکمل چوری نہیں ہوگی۔ وہ مشین کسی بھی چور کے پاس، کسی بھی خطرناک تنظیم کے پاس مکمل صورت میں نہیں پہنچے گی۔ پھر ہوا یوں کہ پچھلے دن ایک پانچ برس کے بچے نے اُس خفیہ مشین کے ایک حصے کو ایک خفیہ جگہ سے چرا لیا۔"

تمام افسران مسکرانے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آسکتا تھا کہ ایک پانچ برس کے بچے نے ایسا کیا ہے۔ ایک افسر نے پوچھا: "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس مشین کے لیے دنیا کی خطرناک تنظیمیں اور بڑے بڑے ممالک دیوانے ہو رہے ہیں، اُس کے ایک حصے کو ایک پانچ برس کے بچے نے چرا لیا۔ کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ بھی قصے کہانی کی بات نہیں ہے؟"

سراغرساں افسر نے جواب دیا: "ابھی آپ قائل ہو جائیں گے۔ ذرا دماغ پر زور دے کر سوچنے کی بات ہے۔ اس پانچ برس کے بچے کے دماغ میں اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے ماں باپ موجود ہوں تو بچہ اُس سے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے، بلکہ ایسے کارنامے انجام دے رہا ہے اور جرائم پیشہ افراد کو حیرانی میں مبتلا کرتا جارہا ہے۔"

کئی افسران نے قائل ہو کر باری باری کہا: "ہاں، یہ تو ہم بھول ہی گئے تھے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے ماں باپ اس بچے کو اپنا آلہ کار بنا کر دنیا کو حیران کر سکتے ہیں۔"

اُن کی گفتگو کے دوران اجلاس کا چیئرمین انٹرپول کی رپورٹ پڑھ رہا تھا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر کہا: "معزز حاضرین، یہ رپورٹ غلط نہیں ہوسکتی۔ انٹرپول ایک ذمے دار ادارہ ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق وہ بچہ وادیٔ قاف کی ایک عورت کے پاس تھا۔ اس عورت کا نام حاشیہ ہے۔"

چیئرمین نے اُس رپورٹ پر پھر ایک نظر ڈالی اور کہا: "دوسری اہم بات یہ ہے کہ سونیا استنبول میں موجود ہے، اُس کی موجودگی کوئی معنی رکھتی ہے۔ ابھی ہمارے سراغرساں افسر نے ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے ماں باپ بچے کے دماغ میں رہ کر بڑے بڑے کارنامے دکھا سکتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسونتی اور فرہاد بھی استنبول میں مصروف ہیں۔ اگر چہ فرہاد جسمانی طور پر ہمارے ملک میں ہے۔"

ایک افسر نے سوال کیا: "ہمیں اس بات کو اہمیت دینا چاہیے کہ فرہاد یہاں کیوں موجود ہے؟"

"اُس کی موجودگی کی بہت سی وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں معلوم ہوا، اُس نے ایک عورت شیلا داسی کو ماں بنایا ہے۔ وہ اپنی ماں کی خاطر یہاں آیا تھا تاکہ اُس سے تعلق رکھنے والے ہیرے کسی دوسرے کی تحویل میں نہ جائیں۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں، ہیرے اُس مندر سے برآمد کیے گئے تھے، انھیں سرکاری تحویل میں پہنچانے کے لیے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ اس کے باوجود فرہاد وہ ہیرے نکال لے گیا۔"

وہ افسران میرے متعلق غلط سوچ رہے تھے کیونکہ شارپر اور ہارپر اُن کے دوست بنے ہوئے تھے۔ وہ دوستوں پر شبہ نہیں کر سکتے تھے جب کہ ہیرے چرانے والے وہی لوگ تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب وہ ہیرے امریکا پہنچائے گئے تو وہاں سے میں نے غائب کرا دیے اور ماں جی سے وعدہ کر لیا، جب بھی وہ نیویارک پہنچیں گی انھیں ہیرے مل جائیں گے۔

بہرحال، ہیروں کی بات ضمنی طور پر آگئی تھی۔ ابھی تو استنبول والا پارس اُن کے لیے مسئلہ بن گیا تھا۔ افسر کہہ رہا تھا: "ان ہیروں کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ فرہاد انھیں یہاں سے منتقل کر چکا ہے۔ اب ہمارے ملک میں کیا کر رہا ہے؟"

"کیا اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ ہم نے ایک اور پارس کو اپنے یہاں چھپا رکھا ہے؟"

تیسرے افسر نے ناگواری سے کہا: "یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم نے بڑی رازداری سے کام لیا ہے۔ رسونتی اور فرہاد ہماری فوجی بیرک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

ایک اور افسر نے کہا: "بڑے بڑے ممالک ایسی ہی خوش فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور وہ اپنا کام کر کے نکل جاتا ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے، فرہاد اگر فوجی بیرک میں پہنچ چکا ہے اور اُس پارس کے دماغ میں بھی آتا ہے تو کیا اصل پارس یہی ہے جو ہمارے پاس ہے یا اصل وہ ہے جو استنبول میں ہنگامے کر رہا ہے؟"

چیئرمین نے کہا: "ہمیں صرف فرہاد کی موجودگی کی وجوہات معلوم کرنا چاہئیں لیکن اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ہماری فوجی بیرک تک پہنچ سکتا ہے۔ جو شخص سمندر کی تہ میں اور زیرِ زمین تنظیموں کی شہ رگ تک پہنچ جاتا ہے، اُسے فوجی بیرک تک پہنچنے میں کیا دیر لگے گی۔ اگر ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں خوش فہمی کا شکار رہتے ہیں۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا: "ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ فرہاد ہمارے قیدی پارس کے دماغ تک پہنچ چکا ہے تو پھر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اصل پارس یہی ہے جو ہمارے پاس ہے۔"

ایک اور اعلیٰ افسر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "اُس کے لیے فرہاد کا یہاں موجود رہنا ضروری نہیں ہے۔ وہ تو دنیا کے کسی بھی حصے میں رہ کر قیدی پارس کے دماغ تک پہنچ سکتا ہے، اُسے یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی یہ دلیل کمزور ہے کہ اُس کی موجودگی سے ہمیں اپنے قیدی پارس کو اصلی سمجھ لینا چاہیے۔"

اس سلسلے میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، کیا رسونتی اور فرہاد ہمارے دماغوں تک پہنچ چکے ہیں؟"

ایک افسر نے کہا: "ہم نے ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائیوں سے بھی محفوظ رہنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ہم انھیں اپنی فوج کے ایک معمولی سپاہی تک بھی پہنچتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے۔ وہ پولیس والوں تک پہنچ رہے ہیں، یہی کافی ہے۔ ہم اس ڈپارٹمنٹ کے ذریعے دوست اور دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی مصروفیات کو سمجھتے رہتے ہیں اور انھیں گائیڈ کرتے رہتے ہیں۔ جب ہماری ضرورت پیش آئے گی تو ہم میدانِ عمل میں آئیں گے لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ ہم میں سے کسی افسر کے دماغ میں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا پہنچ نہ سکے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا: "آج ہم نے اپنی فوج کا ایک علیحدہ شعبہ بنایا ہے۔ اس میں چند افسران اور تقریباً ایک سو فوجی جوان ہوں گے جو بیرک سے باہر رہیں گے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے سلسلے میں ہماری ضرورت پیش آئے گی تو وہی فرنٹ لائن میں رہیں گے۔"

مختصر یہ کہ اس فرنٹ لائن میں کیپٹن گنگا دھر کو رکھا گیا تھا۔ پھر جب یہ اطلاع ملی کہ فرہاد ایک ہوٹل میں تھا اور پولیس والے اسے گھیر کر گرفتار کرنے میں ناکام رہے ہیں اور اب وہ دہلی کی طرف سفر کر رہا ہے تو فوج کا وہ شعبہ حرکت میں آگیا جو فرنٹ لائن کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔

میں کیپٹن گنگا دھر کے خیالات بھی پڑھتا جارہا تھا اور دماغی طور پر اس دفتر میں حاضر بھی رہتا تھا۔ کیونکہ گنگا دھر مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں اور مالا جس میز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اُس کے دوسری طرف ایک اور فوجی افسر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے نمبر ڈائل کرنے کے بعد تھوڑی دیر انتظار کیا، پھر کہا: "میں ایئرپورٹ کے سیکیورٹی آفیسر سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد سیکیورٹی آفیسر سے رابطہ قائم ہوا۔ اُس نے پچھلے فوجی احکامات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: "جو جہاز ملک سے باہر جارہا ہے۔ اُس کے مسافروں پر کڑی نظر رکھو۔ ہر مسافر کو اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے دیکھو۔ کوئی مشکوک ہو تو اس کی تصویر فوراً اتارو اور اسے حراست میں لے لو۔"

دوسری طرف سے کہا گیا: "یس سر، بی او اے سی کا ایک طیارہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد فلائی کرنے والا ہے، وہ استنبول ہوتے ہوئے جائے گا۔ ہمیں کیپٹن گنگا دھر نے پہلے ہی تاکید کی ہے کہ استنبول جانے والے طیارے کے تمام مسافروں پر کڑی نظر رکھی جائے۔"

میں چپ چاپ بیٹھا فون پر ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ گفتگو میرے لیے بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ میں تقریباً آدھے گھنٹے بعد دوسری طرف بولنے والے سیکیورٹی آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کا ایک ماتحت اینٹی میک اپ کیمرہ ہاتھ میں لیے ان مسافروں کو دیکھ رہا تھا، جنھیں کیبن میں جا کر خود کو پوری طرح چیک کرانا پڑتا تھا۔ ایسے وقت وہ انھیں اس کیمرے کے لینس سے دیکھتا تھا۔ مسافر ٹھہر ٹھہر کر آ رہے تھے۔ پندرہ منٹ گزرنے کے بعد میں نے اُس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ اُس کے ذریعے ایک تنہا مسافر کے لب و لہجے کو بھی یاد رکھا تاکہ آئندہ وہ میرے کام آئے۔

ایک گھنٹے کے بعد بی او اے سی کا طیارہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے تقریباً آدھے گھنٹے تک اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں رکھا پھر اُسے چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر اپنے آپ کو اور ماحول کو دیکھنے لگا۔ میں نے کہا: "ہیلو! مسٹر! تمھارا اینٹی میک اپ کیمرہ کسی کام نہیں آیا۔ جس وقت میں سامنے سے گزرنے والا تھا، اس سے پہلے ہی تمھارے دماغ پر قبضہ جما چکا تھا۔ تم میری تصویر نہ اُتار سکے اور نہ ہی مجھے میک اپ میں دیکھ سکے۔ اب یہ طیارہ ہندوستان کی سرحد پار کر چکا ہے۔ اس لیے تمھارے دماغ کو آزاد چھوڑ رہا ہوں۔"

کیمرہ مین نے جب یہ بات سیکیورٹی آفیسر کو بتائی تو وہ پھٹ پڑا: "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"جناب، میں عرض کر رہا ہوں کہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میرا دماغ اُس کے قبضے میں تھا۔ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔"

یہ خبر کیپٹن گنگا دھر تک پہنچی تو وہ بھی تلملا کر رہ گیا۔ اُس نے جونیئر آفیسر کو دیکھتے ہوئے کہا: "یہ شخص چھلاوہ ہے، پلک جھپکتے ہی اِدھر سے اُدھر نظر آتا ہے۔ ہم شملہ جانے والے راستوں کی ناکا بندی کر رہے ہیں۔ گاڑیوں کی تلاشی لے رہے ہیں اور یہ جانے کس طرح دہلی پہنچ گیا تھا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسے انتظامات کیے ہوں گے کہ دہلی پہنچتے ہی طیارے میں سیٹ مل گئی ہوگی۔ وہ

ہمارے ایک اہم کیمرہ مین کو ٹریپ کر کے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔"

گنگا دھر نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے ہیڈ کوارٹر والوں سے رابطہ قائم کیا۔ پھر اپنے اعلیٰ افسر سے کہا "جناب! اس صورت حال کے پیش نظر انٹرپول سے ہی مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیمرہ مین کے بیان کے مطابق فرہاد استنبول جانے والا ہے۔ حالات بھی یہی بتا رہے ہیں۔ اُس کی پوری ٹیم استنبول میں موجود ہے۔"

دوسری طرف سے یقین دلایا گیا کہ ابھی انٹرپول سے رابطہ قائم کیا جا رہا ہے۔ اُس نے ٹرانسمیٹر کو آف کیا، اُسے جیب میں رکھا۔ پھر بند کمرے سے باہر آیا۔ میں مالا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے مجھ پر نظر ڈالی۔ بے چارہ میرے لیے کتنا پریشان تھا۔ مجھے دیکھ رہا تھا، اپنی مصروفیات کے دوران قریب سے گزرتا بھی رہتا تھا۔ اور مجھے تلاش کرنے کے لیے انٹرپول والوں کو زحمت دے رہا تھا۔ برسوں پولیس کی نوکری کرنے کے باوجود داروغہ منگل پانڈے کو سرکاری گاڑی کبھی نہیں ملی تھی۔ آس پاس کے علاقوں سے چوروں، بدمعاشوں کو گرفتار کرنے کے بعد وہ بسوں میں سوار ہو کر انھیں حوالات پہنچاتا تھا۔ آج پہلی بار اُسے سرکار کی طرف سے ایک گاڑی ملی تاکہ وہ مجرموں کو بٹھا کر دہلی لے جائے۔ اتنی دیر میں وہ دھوتی، قمیص اور چپلیں پولیس چوکی تک پہنچ گئی تھیں۔ مالا نے انھیں دیکھتے ہی شناخت کر لیا اور کہا "جو شخص مجھے ہوٹل سے نکال کر لایا تھا اُس نے یہی کپڑے پہنے تھے۔"

کیپٹن گنگا دھر نے کہا "مسٹر پانڈے! آپ مس مالا کو بھی اپنے ساتھ دہلی لے جائیں۔ وہاں اِن کی ضمانت دینے والا کوئی ہو تو بے شک انھیں رہا کر دیں ورنہ آپ تو قانونی کارروائی جانتے ہی ہیں۔"

منگل پانڈے نے کہا "میں اس کیس کو بھی نمٹا لوں گا۔"

اس طرح مالا کو ہمارے ساتھ جانے کا موقع ملا۔ میں نے کہا "پانڈے! یہ بہتر ہوگا کہ ہم آرام سے مالا کی گاڑی میں بیٹھ کر چلیں اور مجرم تمھارے سپاہیوں کی نگرانی میں سرکاری گاڑی میں سفر کریں۔"

اُس نے میرے مشورے کو تسلیم کیا۔ ہماری گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے پوچھا "مالا! اب تو مطمئن ہو، میں تمھارے ساتھ ہی دہلی جا رہا ہوں۔"

"وہاں پہنچ کر پھر داروغہ کے ساتھ چلے جاؤ گے۔ یہاں مختصر سی ملاقات ہو رہی ہے۔ اس کی موجودگی میں بات بھی نہیں کر سکتے۔"

وہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ منگل پانڈے اُس کے ساتھ والی سیٹ پر یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے مجرمہ کو پکڑ کر لے جا رہا ہو۔ میں پچھلی سیٹ پر تھا۔ میں نے کہا "ذرا تماشا دیکھو، ابھی ہماری سیٹیں بدل جائیں گی۔"

میں نے پانڈے کے دماغ کو آہستہ آہستہ تھپکنا شروع کیا۔ اس نے جمائی لی۔ پھر کہا "بہت تھک گیا ہوں، نیند آ رہی ہے۔"

"پچھلی سیٹ پر آ کر آرام سے لیٹ جاؤ، میں اگلی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہوں۔"

"ہاں آرام سے سونے کا موقع ملے گا ورنہ میرا نام منگل پانڈے ہے، کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب مجھے بڑے [illegible] کہتے ہیں اور اس لیے کہتے ہیں کہ میں کبھی سوتا نہیں۔ سوتا بھی ہوں تو ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہوں۔"

مالا نے سڑک کے کنارے گاڑی روکی۔ ہمارے پیچھے آنے والی قیدیوں کی گاڑی بھی رک گئی۔ میں اگلی سیٹ پر آیا۔ منگل پانڈے پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔ پھر گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔ میں نے دوبارہ اس کے دماغ کو تھپکنا شروع کیا۔ ایک منٹ کے اندر ہی اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ وہ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "تم زبان سے گفتگو کر سکتی ہو۔"

اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو سنبھالا، دوسرا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولی "میں آپ کو کسی حال میں چھوڑنا نہیں چاہتی۔ آپ جیسا باکمال انسان ساری دنیا میں نہیں ملے گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے، ساری دنیا میں ایک ہوں اور ساری عورتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ مجھے پکڑ کر نہیں چھوڑیں گی۔" یہ بات میں نے زبان سے نہیں کہی ورنہ وہ بُرا مان جاتی۔ اُس نے کہا "ایک اور کمال دکھاؤ، تمھارا بڑا احسان ہوگا۔"

"کیا چاہتی ہو؟"

"دہلی پہنچنے تک ایسا چکر چلاؤ کہ یہ داروغہ قیدیوں کو اپنے ساتھ لے جائے اور تمھیں میرے ساتھ چھوڑ دے۔"

"اس کے لیے کمال نہیں دکھانا ہوگا۔ تم وہاں پہنچتے ہی اپنی ضمانت کا انتظام کرو۔"

"میں نے پولیس چوکی سے اپنے وکیل کو فون کیا تھا کہ دہلی پہنچنے والی ہوں، میری ضمانت کے کاغذات تیار رکھے جائیں۔"

"جیسے ہی تمھاری ضمانت ہوگی، میں منگل پانڈے سے رخصت ہو جاؤں گا۔"

میں نے ایک دم سے چونک کر کہا "گاڑی روکو، آگے خطرہ ہے۔"

بہت دور راستے میں دو ٹرک ایک دوسرے کے سامنے منہ کیے کھڑے ہوئے تھے یعنی آگے جانے کا راستہ روک رہے تھے۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا، پیچھے قیدیوں کی گاڑی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے بھی دو ٹرک دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے کہا "مالا! جیسے ہی میں تم سے کہوں تم فوراً سیٹ پر لیٹ

جاتا۔ ذرا بھی سر اُٹھا کر دیکھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ گولیاں چلیں گی تو ان کی زد میں آجاؤ گی۔"

یہ کہنے کے بعد میں نے اچانک ہی منگل پانڈے کو نیند سے جگا دیا۔ وہ ہڑبڑ کر اُٹھتے ہوئے بولا۔ "خبردار! کون ہے؟ خبردار۔ میرا نام منگل پانڈے ہے، کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب مجھے بڑے داروغہ جی۔۔۔"

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "بڑے داروغہ جی! ہم چاروں طرف سے گھیرے جا رہے ہیں۔"

اس نے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ سامنے دو ٹرک میں سے مسلح افراد رائفلیں اُٹھائے چلے آرہے تھے۔ پیچھے سے بھی کچھ رائفل بردار نظر آئے۔ وہ سب تعداد میں دس ہوں گے۔ ایک شخص کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے دور ہی سے چیختے ہوئے کہا۔ "داروغہ منگل پانڈے! ہم فائرنگ شروع کرنے سے پہلے آخری بات پوچھنا چاہتے ہیں، دوست بنو گے یا نہیں؟ ہماری دوستی تمھیں فائدہ بھی پہنچائے گی اور زندگی بھی دے گی ورنہ یہاں تمھیں کوئی بچانے نہیں آئے گا۔"

منگل پانڈے کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ تھوک نگل کر بولا۔ "یار دھن راج! یہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے؟"

میں نے کہا۔ "ترقیاں یونہی تو نہیں ہوتیں، ایک پولیس انسپکٹر کو اسی طرح خطرات سے کھیلنا پڑتا ہے۔ اپنی زندگی داؤ پر لگانا پڑتی ہے۔"

"کیسی بات کرتے ہو، زندگی داؤ پر لگا دی تو ترقی کیسے ملے گی؟"

ریوالور والا قریب آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں اپنی جان داؤ پر لگا کر تمھارے پاس آرہا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ میں مروں گا، باقی ساتھی تمھیں بھون کر رکھ دیں گے، پھر اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر لے جائیں گے۔"

اس نے قریب آکر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "داروغہ جی! باہر آؤ۔"

میں اتنی دیر میں معلوم کر چکا تھا کہ اس شخص کے ساتھیوں کے پاس ہینڈ گرنیڈ بھی ہیں۔ انھوں نے یہ سوچا تھا، جب داروغہ قابو میں نہیں آئے گا اور گاڑی لے کر بھاگنے لگے گا تو بم کے دھماکوں سے گاڑی تباہ کر دی جائے گی۔ اس کی دہشت سے پیچھے آنے والی قیدیوں کی گاڑی رک جائے گی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق زور سے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "جے کشن! کیا تیار ہو؟"

دور محاذ بنائے ہوئے جے کشن نے جواب دیا۔ "میں بالکل تیار ہوں۔"

جے کشن کے پاس دو ہینڈ گرنیڈ تھے۔ اس نے میری مرضی کے مطابق اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کیا، جس کے پاس اور دو ہینڈ گرنیڈ تھے۔ اس طرح میں نے اس کے ساتھی کی بھی آواز سن لی۔ اب آگے راستہ روکنے والے ٹرک سے جتنے آدمی آئے تھے، ان کے پاس بھی دو دو ہینڈ گرنیڈ تھے۔ میں نے اس شخص کے ذریعے انھیں بھی مخاطب کیا اور ان ہینڈ گرنیڈ والوں تک پہنچ گیا۔

منگل پانڈے پچھلی سیٹ سے نکل کر اس شخص کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ وہ شخص کہہ رہا تھا۔ "داروغہ جی! کار کی طرف گھوم کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ تاکہ میں تمھارے ہولسٹر سے ریوالور نکال سکوں۔"

منگل پانڈے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہی گھوم گیا لیکن گھومتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ریوالور ہولسٹر سے نکالا، پچھلی طرف اس طرح ٹانگ چلائی کہ آنے والے کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔ اس وقت تک میں وہاں پہنچ گیا تھا، میں نے اس کا ریوالور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف منگل پانڈے نے اسے ریوالور کی زد میں رکھتے ہوئے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام منگل۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمھارے آگے پیچھے بہت سے منگل، بدھ، جمعرات باقی ہیں۔"

میں نے ایک طرف سے جے کشن اور اس کے ساتھی کو دوڑتے ہوئے آنے پر مجبور کیا۔ دوسری طرف سے وہ دو ہینڈ گرنیڈ والے بھی دوڑتے ہوئے ہماری طرف آنے لگے۔ میں کبھی ان کے دماغ میں جاتا تھا، کبھی ان کے دماغ میں آتا تھا۔ وہ رکتے جاتے تھے، چونک کر اپنے آپ کو دیکھتے جاتے تھے۔ پھر میری گرفت میں آکر آگے بڑھ جاتے تھے۔ جب وہ ہماری زد پر آگئے تو میں نے منگل پانڈے کو ان کی طرف فائر کرنے پر مجبور کیا اور خود دوسری طرف گھوم کر باقی دو آنے والوں پر فائرنگ کی۔ وہ اناڑی نہیں تھے لیکن میری خیال خوانی سے بوکھلائے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کہ اپنی رائفلیں سنبھالتے، ہماری گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ آنے والا بدحواسی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی کنپٹی سے ریوالور لگا کر کہا۔ "تم اپنی جان دینے آئے ہو، ہم جانتے ہیں، تمھارے ساتھی تمھیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکیں گے۔ اپنے چار ساتھیوں کا انجام دیکھ چکے ہو۔ میں تمھارے ہاتھ کی لکیروں میں دیکھ چکا ہوں، ان چار مرنے والوں کی جیبوں میں دو دو ہینڈ گرنیڈ موجود ہیں۔"

یہ بات میں نے منگل پانڈے کو سنانے کے لیے کہی، پھر اس سے کہا۔ "اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ رائفلیں پھینک کر دونوں ہاتھ اُٹھا کر کھڑے ہو جائیں۔"

وہ اپنے ساتھیوں کو حکم دینے لگا۔ اُدھر منگل پانڈے دوڑتا ہوا مرنے والوں کے پاس گیا تھا اور ان کی جیبوں سے ہینڈ گرنیڈ نکال رہا تھا۔ ٹرک کے ایک طرف محاذ بنانے والوں نے اپنی رائفلیں پھینک دی تھیں، اپنے ہاتھ اٹھا کر آرہے تھے مگر دوسری طرف محاذ بنانے والوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ "ہم ہار نہیں مانیں گے۔ اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ میرے دوست! اگر تم مرتے ہو تو مر جاؤ۔ لو، پہلے میں ہی تمھیں مار رہا ہوں۔"

وہ ہمارے شکار کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی میں نے منگل پانڈے کے دماغ میں پہنچ کر پھرتی دکھائی۔ اس نے فوراً ہی میری مرضی کے مطابق ہینڈ گرنیڈ کی چابی دانتوں میں دبا کر نکالی اور اُسے محاذ کی طرف اچھال دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے منگل پانڈے کو زمین پر گرا دیا تاکہ دوسری طرف سے آنے والی گولی کی زد میں نہ آسکے۔ چند ساعتوں کے بعد ہی دوسری طرف کے محاذ پر ایک زبردست دھماکا ہوا، کتنے ہی لوگوں کی چیخیں سنائی دیں اور جو زندہ بچے، وہ بھاگنے لگے۔

منگل پانڈے کو پے در پے کامیابیوں نے اور جوشیلا اور جذباتی بنا دیا تھا۔ اس نے فوراً ہی زمین پر سے اُٹھ کر دوسرے ہینڈ گرنیڈ کی چابی دانتوں سے نکالی، اسے دوسری طرف سے آنے والوں کی طرف اچھال دیا۔ اُدھر بھی وہی قیامت کا دھماکا ہوا، وہی چیخ و پکار سنائی دی۔ کتنے ہاتھوں سے رائفلیں گریں، کتنے گرنے کے بعد اُٹھنے کے قابل نہ رہے اور جو اس قابل تھے، وہ بھاگنے لگے۔ ان کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے قیدیوں کی گاڑی سے بھی سپاہی نکل کر اپنی رائفلوں سے فائرنگ کرنے لگے۔

منگل پانڈے نے اپنے سپاہیوں کو للکارتے ہوئے کہا۔ "خبردار! اپنی رائفلیں نیچے کر لو۔ میرا نام منگل پانڈے ہے، کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب مجھے بڑے داروغہ جی کہتے ہیں۔ میں نے تنہا ان لوگوں کو مارا ہے۔ تم سب اس بات کے گواہ رہو گے۔ ان کی لاشوں کو اُٹھا کر ہماری کار کی چھت پر ڈال دو، جو زخمی ہیں، انھیں سرکاری گاڑی کی چھت پر ڈال کر رسیوں سے باندھ دو اور اسی طرح دہلی لے چلو۔"

میں نے کہا۔ "ان میں کسی کی جیب میں آگے والے ٹرک کی چابی ہو گی، اپنے سپاہی سے کہو، تلاشی لے کر سامنے والا ٹرک ہٹا دیں۔ ہم جائیں گے کیسے؟"

اس نے ایک سپاہی کو یہی حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد سامنے کا راستہ صاف ہو گیا۔ لاشوں کو کار کی چھت پر ڈال دیا گیا تھا اور زخمیوں کو سرکاری گاڑی کی چھت پر باندھ دیا گیا تھا۔ جو شخص ریوالور لے کر منگل پانڈے کو دھمکی دینے آیا تھا، اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا کر اسے بھی قیدی گاڑی میں پہنچا دیا گیا۔

پانڈے اپنی کامیابیوں پر پھولا نہیں سما رہا تھا، مارے خوشی کے اِدھر سے اُدھر دوڑتا بھاگتا پھر رہا تھا، سپاہیوں کو حکم دیتا جا رہا تھا۔ اپنے تمام کام نمٹانے کے بعد اچانک میرا خیال آیا۔ اس نے چونک کر کار کی طرف دیکھا۔ میں کار کی اگلی سیٹ پر مالا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا، پھر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر میرے پاؤں پر گر پڑا۔ کہنے لگا۔ "ارے میرے باپ! تو اب تک کہاں تھا؟"

میں نے اپنے قدموں سے اس کے سر کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "داروغہ جی! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہاں مس مالا بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"ارے مالا ہو یا دیو مالا ہو، میں تو آج سے تیری پوجا کروں گا۔"

"پھر تو تمھاری ترقیاں رک جائیں گی۔"

"آں!" وہ گم سم سا ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے تنبیہ کے انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میرا راز فاش کرو گے اور کسی کو بتاؤ گے کہ میں مہا جوتشی ہوں اور تمھاری ترقی کے پیچھے میرا ہاتھ ہے تو تمھاری زندگی سے دور چلا جاؤں گا۔ پھر تمھارے ہاتھ کی لکیریں مٹ جائیں گی۔ تم آج صبح جہاں تھے، وہیں پہنچ جاؤ گے۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر جلدی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں، میں کسی سے نہیں کہوں گا۔ مس مالا! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ تو میرے بچپن کا دوست ہے، لنگوٹیا یار ہے۔ میں نے تو دل لگی اور مذاق میں اس کے قدموں پر سر رکھ دیا تھا۔ تم کچھ اور مت سمجھنا۔"

مالا نے مسکرا کر کہا۔ "میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ رہی ہوں مگر آپ گاڑی میں آکر بیٹھ جائیں، ہمیں دہلی پہنچنا ہے۔ اوپر لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔"

وہ فوراً پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہماری گاڑیاں آگے چل پڑیں۔ میں نے کہا۔ "تم نے مالا کے سامنے میرا بھید کھول دیا ہے، اب آئندہ کسی کے سامنے کچھ نہ کہنا۔"

اس نے کان پکڑ کر کہا۔ "میں ایک لفظ زبان سے نہیں نکالوں گا۔ چاہے مجھے کتنی ہی کامیابیاں، کتنی ہی ترقیاں ملتی جائیں۔"

"دوستی اور محبت دل میں ہوتی ہے۔ زبان پر لاؤ گے تو کیا میں خوش ہو جاؤں گا؟"

"ہرگز نہیں، تم تو بہت اونچے انسان ہو۔ یار! عمر میں مجھ سے چھوٹے ہو لیکن ایسا لگتا ہے، پچھلے جنم میں میرے باپ تھے۔"

میں نے پچھلی سیٹ پر گھوم کر کہا۔ "تمھارے باپ کا دل مالا پر آگیا ہے لہٰذا دہلی پہنچ کر جیسے ہی ضمانت ہو گی، میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا، تم اپنے سارے کام نمٹا کر آنا۔"

وہ بھلا انکار کیسے کر سکتا تھا۔ اگلے ایک چھوٹے سے پولیس اسٹیشن پہنچ کر اس نے ٹیلیفون کے ذریعے دہلی ہیڈ کوارٹر میں فون کیا۔ پھر کہا۔ "میرا نام داروغہ منگل پانڈے ہے، کوئی میرا نام

لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ سب مجھے بڑے داروغہ جی کہتے ہیں۔ انسپکٹر جنرل سے کہو، مجھ سے فون پر بات کرے۔ اس وقت میں چھ لاشیں اور دس زخمیوں کو لے کر آرہا ہوں، یہ لوگ قیدیوں کو چھڑانے آئے تھے، سب کے سب مجرم ہیں۔"

یہ ایسی خبر تھی کہ سیدھی انسپکٹر جنرل تک پہنچی، اس نے فون اٹینڈ کرتے ہوئے پوچھا "ہیلو، کون ہے؟"

وہ فوراً سنبھل کر بولا "جناب، میں داروغہ منگل پانڈے بول رہا ہوں، آپ کو پہلے بھی کیپٹن گنگا دھر نے اطلاع دی ہے کہ میں نے کس طرح مجرموں کو گرفتار کیا ہے۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہے اور میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں تم یہاں آؤ، میں تمہیں خوش کر دوں گا۔"

جناب، اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے مسلح بدمعاشوں کا گروہ آیا تھا۔ میں نے تنہا ان کا مقابلہ کیا۔ مجبوری کی حالت میں گولیاں چلانا پڑیں۔ بم کے دھماکے کرنے پڑے۔ جس کے نتیجے میں چھ بدمعاش مر گئے دس زخمی ہیں، ان سب کو لے کر آرہا ہوں۔ باقی جو بچے تھے، وہ بھاگ گئے۔"

انسپکٹر جنرل نے کہا "منگل پانڈے! تم تو حیران کر رہے ہو۔ تم نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ بھی تنہا۔ تم دہلی آؤ۔ ہم تمہارا گرمجوشی سے استقبال کریں گے۔"

منگل پانڈے نے خوش ہو کر کہا "جناب! کیا اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر بھی ہوں گے؟"

"تم یہاں آؤ تو سہی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا، پھر گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ جب ہم دہلی کے قریب پہنچے تو پہلی پولیس چوکی پر بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ انسپکٹر جنرل خود وہاں آیا تھا۔ لہٰذا پولیس فورس بھی موجود تھی دنیا جہان کے اخبارات کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز آئے ہوئے تھے۔ جیسے ہی منگل پانڈے کار سے اترا، چاروں طرف تالیوں کا شور بلند ہونے لگا۔ سب نے دونوں گاڑیوں پر لاشوں اور زخمیوں کو دیکھ لیا تھا۔ فوٹو گرافرز چاروں طرف دوڑ دوڑ کر منگل پانڈے کی تصویریں اتار رہے تھے۔ انسپکٹر جنرل نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا تھا اور وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔

انسپکٹر جنرل نے کہا "میں یہاں اتنی بھیڑ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پتا نہیں کیسے پورے شہر کو پتا چل گیا۔ اخبارات والے آدھمکے ہیں، اب تو رسمی باتیں کرنا ہوں گی۔ تم انھیں مختصر سا بیان دیتے جاؤ۔ بعد میں ایک پریس کانفرنس رکھ لیں گے۔"

صرف وہی نہیں، اس کے سپاہی بھی اخباری رپورٹروں کو بیان دے رہے تھے اور وہ قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ انھوں نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے دیکھا تھا، تنہا منگل پانڈے ان لوگوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ سپاہیوں کی چشم دید گواہیوں حتیٰ کہ اس ریوالور والے مجرم کی گواہی نے بھی منگل پانڈے کی دلیری کو شبہات سے بالاتر کر دیا تھا۔

اس نے انسپکٹر جنرل سے درخواست کی "مس مالا کا وکیل ہمارے پاس ہیڈ کوارٹر میں آنے والا ہے۔ اس کی ضمانت منظور کر لی جائے۔ یہ ایک بہت ہی شریف لڑکی ہے اور یہ میرا دوست دھن راج ہے، میرے بچپن کا ساتھی۔ ہم دونوں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ بے چارے کا اس دنیا میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"

انسپکٹر جنرل نے مجھ سے اور مالا سے بھی ہاتھ ملایا......

داروغہ منگل پانڈے نے پے در پے اتنے کارنامے انجام دیے تھے کہ مالا کی ضمانت ہونے میں دیر نہیں لگی۔ ایک گھنٹے بعد میں اس کی عالیشان کوٹھی میں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے باپ سے میرا تعارف دھن راج کی حیثیت سے کرایا اور اپنی ناکام شادی کی داستان سنائی اور یہ تاثر دیا کہ اسے ناکامی کا دکھ نہیں ہے کیونکہ اسے ایک بہت اچھا ساتھی مل گیا ہے۔

اس نے مجھے ایک بیڈ روم دکھایا اور کہا "یہاں آرام کرو، تمہارے لیے نئے کپڑے منگواتی ہوں۔ فی الحال ریڈی میڈ سے کام چلاؤ۔ آج راتوں رات درزی تمہارے لیے بہترین ملبوسات تیار کرے گا۔"

"فی الحال مجھے ایک آدھ گھنٹے کے لیے تنہا چھوڑ دو، میں تھک گیا ہوں۔"

وہ مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "یہ کیوں نہیں کہتے، خیال خوانی کرو گے۔"

"کچھ بھی سمجھ لو۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر رہا ہوں۔ کم از کم ایک گھنٹے بعد آکر دستک دینا۔"

وہ میرے بالکل قریب آگئی، میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی "پہلے تم پیار کی ایک دستک دو پھر چلی جاؤں گی؟"

میں نے ایک گہری سانس لی، اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ چلی گئی میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ ایک صوفے پر بیٹھ کر آرام سے اپنے جوتے اتارے۔ پھر اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جو بی او اے سی کے طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ اسے لندن جانا تھا۔ میں نے اینٹی میک اپ کیمرہ مین سے کہہ دیا تھا کہ میں اتنہوں جانے والا ہوں۔ اب مجھے اپنی بات کی لاج رکھنا تھی۔ جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ ٹیلی پیتھی کے موضوع پر کتابیں پڑھ رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اسے اپنی داستان ضرور پڑھاتا۔ مشکل یہ تھی کہ ان دنوں میری داستان کا آغاز نہیں ہوا تھا حالانکہ میں پانچ برس کے ایک بچے کا باپ بھی بن چکا تھا۔ جب پارس ساتویں

برس میں ہوا تب داستان کا آغاز ہوا۔ تادمِ تحریر پارس سولہ برس کا ہو چکا ہے اور اٹھارویں میں داخل ہو رہا ہے۔

میری داستان شروع ہونے سے پہلے میرے کارنامے اور میری ساتھی عورتوں کے کارنامے مختلف ذرائع سے لوگوں تک پہنچتے تھے، اس طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک میرے علاوہ سونیا، روما، رسونتی، مرجانہ، اعلیٰ بی بی، پومی اور دوسرے اہم ساتھی دنیا والوں کے سامنے متعارف ہونے لگے تھے جب میں شیکھر کے دماغ میں پہنچا تو وہ ٹیلی پیتھی کی کتاب پڑھتے ہوئے میرے اور میری ٹیم کی عورتوں کے متعلق ہی سوچ رہا تھا، مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ حقیقی کردار ہوں گے۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا، اگر ان میں سے کوئی کردار میرے پاس آجائے تو کیا تب بھی ٹیلی پیتھی کی حقیقت سے انکار کروں گا؟

اس کی سوچ نے کہا، میں ٹیلی پیتھی کے علم سے انکار نہیں کرتا مگر فرہاد، رسونتی اور شیبا جیسے کیریکٹر ہو سکتے ہیں اور ایسے ٹیلی پیتھی جاننے والوں پر سبقت لے جانے والی سونیا جیسی کوئی عورت ہو سکتی ہے۔ یہ یقین نہیں آتا۔

میں نے اچانک اسے مخاطب کیا "ہیلو شیکھر۔ کیا تمہیں یقین آسکتا ہے کہ فرہاد علی تیمور تم سے مخاطب ہے؟"

اس نے ایک دم سے بوکھلا کر ٹیلی پیتھی کی کتاب بند کر دی۔ سر اٹھا کر دور طیارے کے اندرونی خلا میں تکتے ہوئے سوچنے لگا، کیا یہ میری اپنی سوچ ہے؟

میں نے کہا "نہیں، میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ ابھی تم نے کتاب بند کی ہے۔ مستحکم ارادہ کر لو کہ اسے نہیں کھولو گے پھر دیکھو، میں کتاب کھولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

اس نے آزمائشی طور پر مستحکم ارادہ کیا کہ کتاب کسی صورت میں نہیں کھولے گا۔ اس نے سامنے والی سیٹ کی پچھلی باسکٹ میں اسے ڈال دیا۔ اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیا لیکن چند سیکنڈ کے بعد حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اس کے ہاتھ میں وہ کتاب کھلی ہوئی تھی۔ اسے پتا بھی نہ چلا کہ کس طرح میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا تھا اور اس کے ذریعے باسکٹ سے کتاب نکال کر اس کے ہاتھوں میں کھول دی تھی۔ اس نے حیرانی سے کہا "ہے شیو شمبھو، یہ کیسی حیرت انگیز بات ہے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں مگر پھر بھی یقین نہیں آتا۔"

"یقین آجائے گا۔ اب تم باسکٹ میں کتاب ڈال کر دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو پکڑ دگے۔"

اس نے گھبرا کر آس پاس دیکھا۔ پھر کہا "نہیں نہیں، فرہاد صاحب! آپ ایسی حرکتیں نہ کرائیں، میری انسلٹ ہو گی۔"

"چلو، تمہاری انسلٹ نہیں کروں گا لیکن تمہیں یقین دلانے کے لیے کہتا ہوں، کتاب باسکٹ میں ڈال کر اپنی ناک کھجاؤ گے۔"

اس نے مصمم ارادہ کر لیا، ایسا نہیں کرے گا لیکن دوسرے ہی لمحے کتاب باسکٹ میں پہنچ چکی تھی اور وہ ہاتھ اٹھا کر ناک کھجا رہا تھا۔ تب اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کہا۔ "اوہ مائی گاڈ، میں کتنا بھاگوان ہوں۔ آپ میرے دماغ میں ہیں اور میں یقین نہیں کر رہا تھا۔ اب یقین ہو گیا ہے۔ میں اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں، مجھے یقین ہو گیا۔"

"قسم نہ کھاؤ تب بھی میں دماغ کی گہرائیوں میں سچ اور جھوٹ کو سمجھ لیتا ہوں۔ تم ٹیلی پیتھی کی کتاب پڑھتے ہوئے سوچ رہے تھے، اگر تمہیں بھی یہ علم آتا یا اس علم کے جاننے والوں سے دوستی ہوتی تو تم کتنے اونچے پیمانے پر اسمگلنگ کرتے۔ اس وقت تمہارے پاس دو کلو چرس ہے۔ میں مانتا ہوں، انگلینڈ اور یورپ میں چرس کی بڑی قیمت ملتی ہے لیکن تم کون سے دولت مند بن جاؤ گے؟"

وہ جلدی سے بولا "اب میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ مجھے اپنا سیوک، اپنا خدمت گار بنا لیں اور میری جو خواہشات ہیں وہ پوری کر دیں۔"

"میں تمہارے اندر رہ کر تمہاری خواہشات کو پڑھ سکتا ہوں۔ تم پہلی فرصت میں چرس نکال کر باتھ روم میں جاؤ۔ پھر وہاں چھوڑ کر چلے آؤ اور تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں اور یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت فرہاد علی تیمور تمہارے دماغ میں موجود ہے لہٰذا تم بے اختیار یہاں سے جاؤ گے اور وہی کرو گے جو ابھی میں نے کہا ہے۔"

وہ وہی کرنے لگا۔ میں نے اس کے دماغ کو اس حد تک آزاد رکھا کہ وہ اپنی حرکتوں کو سمجھتا ہوا یہ تسلیم کرتا جائے کہ بے اختیار ایسا کر رہا ہے۔ باتھ روم میں دو کلو چرس چھوڑ آنے کے بعد وہ اپنی سیٹ پر پہنچا تو میں نے کہا "اس وقت ہندوستان میں چرس کی اہمیت سونے جیسی ہے۔ لوگ پہلے بھاری بھرکم سونا اسمگل کرتے تھے، اب ہلکی پھلکی چرس اسمگل کرتے ہیں۔ پھر بھی زیادہ مقدار میں اسمگل کرنے والے پکڑے جاتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی یہی مجبوری ہے۔"

"اگر آپ نے میری مدد کی تو میں جرائم سے توبہ کر لوں گا اور سیدھے سادے انداز میں دولت مند بننے کی کوشش کروں گا۔"

"اسی لیے تمہارے دماغ میں آیا ہوں۔ تمہیں سیدھے راستے پر چلاؤں گا اور اتنا دولت مند بنا دوں گا جس کا تم نے سپنا بھی نہیں دیکھا ہو گا۔"

خوشی سے اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ میں نے کہا "اپنے آپ پر کنٹرول رکھو۔ آس پاس کے مسافر تمھیں اس طرح خوش ہوتے دیکھیں گے تو پاگل سمجھیں گے۔"

وہ فوراً ہی سنجیدہ ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے کہا "وہ خالقِ دوجہاں، وہ مالکِ کون و مکاں جو سب کی تقدیریں لکھتا ہے، وہ تمھاری تقدیر میں یہ لکھ چکا تھا کہ میں تمھارے دماغ میں پہنچوں۔ میں دہلی ایئرپورٹ پر ہی تمھیں تاڑ گیا تھا۔ تمھیں اپنا آلۂ کار بنانے کے متعلق فیصلہ کر چکا تھا۔ لہٰذا اب تم استنبول میں اترو گے اور وہاں قیام کرو گے۔"

"جناب، میں لندن جا رہا ہوں۔ کیا استنبول میں ٹھہرنے کی اجازت ملے گی؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔ وہاں سونیا آئے گی اور تمھیں اپنے ساتھ لے جائے گی۔"

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے پوچھا "کیا مادام سونیا میرے پاس آئیں گی؟"

"ہاں، مگر ایک شرط ہے۔"

"میں آپ کی ہزار شرطیں ماننے کو تیار ہوں۔ بلکہ اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"شرط یہ ہے کہ تم خود کو فرہاد علی تیمور سمجھو گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "کیا میرے سمجھنے سے ایسا ہو سکتا ہے۔ کہاں آپ جیسا دیوتا اور کہاں مجھ جیسا ناچیز انسان۔"

"تم آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو جاؤ۔ میں تمھیں ٹیلی پیتھی کی نیند سلاؤں گا۔ اس کے بعد تنویمی عمل کروں گا۔ جب تم تنویمی نیند سے بیدار ہو گے تو خود کو بے اختیار فرہاد علی تیمور سمجھو گے اور تمھاری شیکھر کی شخصیت صرف کاغذات کے مطابق ہو گی۔"

اس نے راضی خوشی میرے احکامات کی تعمیل کی، سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا، آنکھیں بند کر لیں۔ میں اسے ٹیلی پیتھی کی نیند سلانے لگا۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ کس طرح میں نے اسے سلایا، کس طرح اس پر تنویمی عمل کیا اور اس کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے اور اس کا دماغ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرے گا۔ کسی کو اپنے دماغ میں آنے کی اجازت نہیں دے گا۔

میں ٹیلی پیتھی اور تنویمی عمل کے ایسے ہتھکنڈے بے شمار جانوروں پر آزما چکا ہوں اور دوستوں پر بھی آزماتا رہا ہوں۔ شیکھر ہمارا اچھا ساتھی تھا۔ ہمارے کام آ رہا تھا، اس لیے میں نے دوستانہ انداز میں اسے ٹریپ کر لیا۔

تنویمی عمل کی کامیابی کے بعد میں نے اس کے دماغ کو ہدایت کی کہ وہ ایک گھنٹے بعد نیند سے بیدار ہو جائے گا۔ پھر میں نے سونیا کو مخاطب کیا "ہیلو سونیا، میں ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔"

میرے ساتھ ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ میں سونیا کو بتانے لگا۔ پھر میں نے کہا "میں انھیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان چھوڑ چکا ہوں اور استنبول پہنچ رہا ہوں۔ وہاں کے فوجی افسران انٹرپول سے رابطہ قائم کر رہے ہیں تاکہ میرے استنبول پہنچنے کی تصدیق ہو سکے۔"

اس نے پوچھا "اس مقصد کے لیے کیا کر رہے ہو؟"

"شیکھر نام کا ایک ہندوستانی پی آئی اے سی کے طیارے میں سفر کرتا ہوا لندن جا رہا تھا۔ میں نے اسے دوست بنا لیا ہے، وہ میرا رول ادا کرے گا۔ میں اس کے دماغ کو لاک کر چکا ہوں۔ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ اب تم اسے فرہاد کی حیثیت سے استنبول میں ریسیو کرو۔"

سونیا نے کہا "اس کے پاس استنبول میں ٹھہرنے کا اجازت نامہ نہیں ہو گا۔"

"نہیں ہو گا تو تم حاصل کرو۔ اپنے تمام ذرائع استعمال کرو لیکن شیکھر کو بحیثیت فرہاد علی تیمور استنبول میں اترنا چاہیے اور اسے تمھارے ساتھ دیکھا جانا چاہیے۔"

"میں اپنے معاملات میں مصروف رہتی ہوں، تم ایک نئے معاملے میں الجھا رہے ہو۔ جاؤ، میں اپنا کام کر لوں گی۔"

"میں جانتا تھا، تمھارے لیے یہ کچھ مشکل نہ ہو گا۔ خدا حافظ۔"

میں نے عین وقت پر خدا حافظ کہا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر دیکھا تو خود کو مالا کے بیڈ روم میں پایا۔ کہیں سے ہلکی ہلکی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ ایسا میٹھا جلترنگ تھا کہ سر دُر آ رہا تھا۔ اس پر دستک دینے والی لَے، تال کے مطابق دستک دے رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

یہ وہی مالا تھی جسے میں صبح سے دیکھتا آ رہا تھا لیکن صبح اور ہوتی ہے، شام اور ہوتی ہے۔ صبح کا اجالا دھوپ کی دھمکی دیتا ہے، شام کا اجالا رات کی چاندنی کا پیغام پہنچاتا ہے۔

وہ دروازے کی چوکھٹ پر مجسم چاندنی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ سفید لباس میں تھی اور لباس بے حد مختصر تھا اور وہ لباس اپنی زبان بے زبانی سے کہہ رہا تھا۔ میں مجبور ہوں، اسے صاف چھپا نہیں سکتا اور یہ صاف چھپنا بھی نہیں چاہتی۔

میں دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بڑی ہی شاہانہ نزاکت سے چلتی ہوئی اندر آئی، ایک کیسٹ ریکارڈر میں کیسٹ رکھ کر آن کیا۔

بھارتی کلاسیکی موسیقی کمرے کی محدود فضا میں ابھرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رقص کے لیے اپنے پاؤں کو حرکت دی، آپ ہی آپ گھنگرو بجنے لگے۔ اکثر ہندوستانی عورتیں بچپن ہی سے گیت، موسیقی اور رقص کی تعلیم حاصل کرتی ہیں، جوان ہوتے ہوتے ان میں گیتوں کا تاثر، موسیقی کا خمار، رقص کی لچک اور مسحور کن ادائیں جوان ہوتی جاتی ہیں۔ یوں دوسری جوان آنکھوں کو دیکھتے ہی دیکھتے تسخیر کر لیتی ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا اور ایک عجب ماحول میں پہنچ رہا تھا۔ کیا انداز تھا، کیا ادائیں تھیں، کیا لوچ تھا، کیا نزاکت تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے گیت، موسیقی اور شاعری جہاں آ کر دم توڑ دیتی ہیں، وہاں مالا جیسی عورتیں بھری بھری سانسیں لیتی ہیں۔ دل کو دھڑکاتی ہیں اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ جب وہ تھک ہار کر میرے سامنے گری تو میں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

میں ایک بات کی پھر وضاحت کر دوں کہ منجالی ایک نیگرو لڑکی تھی، کالی تھی مگر دل والی تھی۔ اس نے میری زندگی میں اتنا اہم رول ادا کیا تھا کہ اس کے بعد جو لڑکی میری زندگی میں آتی تھی، ایک انجانے نشے میں گرفتار ہو جاتی تھی۔ گرفتار ہونے والی کو یوں لگتا تھا جیسے کسی زہریلے ناگ نے ڈس لیا ہے، وہ کرب میں مبتلا ہوتی تھی مگر وقت گزرنے کے بعد اسی کرب کی تمنا کرتی تھی۔ ایسا ہی نشہ طلب کرتی تھی جیسے ہیروئن کے عادی کرتے ہیں اور اس کے بغیر اپنی بوٹیاں نوچنے لگتے ہیں۔ ہیروئن کا نشہ پاگل بنا دیتا ہے، میرا نشہ نارمل رکھتا ہے مگر بے چینی اور اضطراب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ کس عالم میں رہا مگر جہاں بھی رہا، خوب رہا۔ میں اس کا مطلوب رہا اور وہ ہمہ وقت محبوب رہی۔ مجھے کیا چاہیے، یک گونہ سکون چاہیے اور سکون اس خود مختار تفریح سے ہوتا ہے جو کسی کے اختیار میں نہیں ہوتی اور میں کچھ زیادہ ہی بے اختیار رہا۔

رات کے نو بج چکے تھے۔ میں نے کہا "تمھارے پتا جی کیا سوچتے ہوں گے، تمھیں اب جانا چاہیے۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم میرے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر سکتے ہو، ہماری محبت میں کوئی مداخلت کر سکتا ہے یا نہیں؟"

میں نے معلوم کیا۔ اس کا باپ رات کو خواب آور گولیاں کھا کر سونے کا عادی تھا۔ آج بیٹی نے اسے جلدی سُلا دیا تھا۔ ایک ملازم کو باہر کوٹھی کے دروازے پر بٹھا کر سمجھا دیا تھا کہ کوئی بھی ملنے والا آئے خواہ وہ منگل پانڈے ہی کیوں نہ ہو، اس سے کہہ دیا جائے کہ مالا دھن راج کے ساتھ اپنی سہیلی کے ہاں ایک تقریب میں گئی ہے۔ رات ایک بجے تک واپسی ہو گی، اگر وہ چاہیں تو فون پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

اسی طرح اس نے ایک ملازم کو ٹیلیفون کے پاس بٹھا دیا تھا۔ اسے بھی یہی ہدایت کی تھی کہ کہیں پوچھا جائے تو جواب دیا جائے کہ صبح ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔

"میں نے تمھارے خیالات پڑھ لیے ہیں۔ تم نے چاروں طرف ایسا جال بچھا دیا ہے کہ صبح تک کوئی مداخلت نہیں کرے گا لیکن میں خود مداخلت کر رہا ہوں۔ یہاں سے اٹھو اور کھانے کے لیے کچھ لاؤ، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

اس نے جانے سے پہلے بھرپور انگڑائی کا مظاہرہ کیا۔ پھر میٹھی ناراضگی سے مسکراتے ہوئے بولی "اُدھر منہ کرو۔"

میں نے دوسری طرف کروٹ لی۔ پتا نہیں وہ کیا کرتی رہی، اس کے بعد چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میں شیکھر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ استنبول پہنچ گیا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اطلاع دی جا رہی تھی۔ "مسٹر شیکھر جو لندن جانے والے ہیں، وہ استنبول میں قیام کر سکتے ہیں۔ اُن کی میزبان مادام سونیا اناؤنسنگ کاؤنٹر پر اُن کا انتظار کر رہی ہیں۔"

سونیا نے شیکھر کے قیام کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل کیا تھا، اسے حاصل کرنے کے لیے یقیناً شیبا کی خیال خوانی سے کام لیا ہو گا اور شیبا نے متعلقہ افسران کو ٹریپ کر کے شیکھر کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہو گا۔

شیکھر اور سونیا ایک دوسرے کو چہرے سے نہیں پہچانتے تھے۔ میں نے کہا "سامان لے کر چلو۔ میں تمھیں سونیا کے پاس پہنچا رہا ہوں۔"

اس نے ٹرالی میں سامان رکھا۔ اناؤنسنگ کاؤنٹر کے پاس سونیا کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا "وہ نوجوان جو ٹرالی میں سامان لے کر آ رہا ہے، شیکھر ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ پھر سونیا نے اس کے بازو میں اپنا بازو ڈال کر آہستگی سے کہا "چونکہ تم فرہاد کا رول ادا کر رہے ہو، اس لیے کسی حد تک بے تکلفی لازمی ہے۔ تم ایسا تاثر نہ دینا جیسے پہلی بار ملاقات کر رہے ہو۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "مادام! میں کوئی اداکار تو نہیں ہوں لیکن آپ لوگوں کے...... ساتھ رہنے کی خاطر اداکار بننے کی پوری کوشش کروں گا۔"

سونیا کے ساتھ آنے والے مُرید نے ٹرالی سنبھال لی۔ وہ اسی طرح اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیے بڑی لگاوٹ سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگی۔ مالا میرے لیے کھانا لے آئی تھی۔ میں دماغی طور پر حاضر ہو کر کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ کھانا بہت لذیذ تھا۔ میں تعریف کرتا گیا اور کھاتا گیا۔ وہ خوش ہو رہی تھی۔ کھانا ختم کرنے کے بعد

میں نے کہا۔ "ذرا چہل قدمی کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے باہر سب کو منع کر رکھا ہے۔ ایسا کرتے ہیں' چھت پر چلیں گے۔ تازہ ہوا ملتی رہے گی۔ بڑا لطف آئے گا۔ میں ابھی انتظام کرتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ اس وقت فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ملازم نے ریسیور اٹھایا۔ مالا اس کے قریب پہنچ کر رک گئی' سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ ملازم نے دوسری طرف کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "ہماری مالکن اپنے مہمان کے ساتھ سہیلی کے ہاں گئی ہیں۔ ایک بجے تک واپس آئیں گی۔"

اس نے خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سنیں۔ پھر کہا۔ "میں ان کی سہیلی کا پتا نہیں جانتا ہوں ورنہ آپ کو بتا دیتا۔"

پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف سے منگل پانڈے میرے متعلق پوچھ رہا تھا۔ ملازم نے اسے وہی جواب دیا جو سکھایا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں مالا کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر پہنچا۔ وہاں چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ ایک بڑی سی ٹرے میں تازہ پھل رکھے ہوئے تھے۔ دودھ کا جگ اور گلاس بھی تھا۔ ٹیلیفون بھی اوپر پہنچا دیا گیا تھا تاکہ نیچے ڈرائنگ روم میں بات ہو تو ہم اوپر سن سکیں۔ اس نے تمام ملازموں کو حکم دیا تھا' اوپر کوئی نہ آئے۔ کوئی بات ہو تو ٹیلیفون سے اطلاع کریں۔

میں آرام سے چاندنی پر لیٹ گیا۔ سر کے نیچے گاؤ تکیہ رکھا پھر انگور کا ایک خوشہ اٹھا کر ایک دانہ منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی مصروف رہوں گا۔ تم مداخلت نہ کرنا۔"

راجیش سونے جا رہا تھا۔ میں چپ چاپ اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا' ایک گھنٹے پہلے فوجی افسران کا پھر خفیہ اجلاس ہوا تھا۔ ملٹری انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر کو انٹرپول کی طرف سے مکمل رپورٹ ملی تھی۔ وہ رپورٹ اس اجلاس میں پڑھ کر سنائی گئی۔ استنبول میں انٹرپول کے ایک چیف ایجنٹ نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ فرہاد علی تیمور' شیکھر کے نام سے سفر کر رہا تھا۔ وہ دہلی سے لندن جا رہا تھا جبکہ انٹرپول کے جاسوس' طیارے کے ایسے مسافروں کی فہرست تیار کر چکے تھے جو استنبول میں اترنے والے تھے۔ ان میں شیکھر کا نام نہیں تھا۔ شاید اسی لیے فرہاد نے لندن تک کا ٹکٹ لیا تھا تاکہ اس پر کوئی شبہ نہ کرے۔ انٹرپول کے جاسوس ان افراد پر کڑی نظر رکھ رہے تھے جو استنبول کے ایئرپورٹ پر نظر آ رہے تھے۔ پھر اچانک لاؤڈ اسپیکر سے اناؤنسمنٹ سن کر جاسوس حضرات کی توجہ ادھر ہو گئی۔ اعلان کرنے والا کہہ رہا تھا کہ مسٹر شیکھر استنبول میں قیام کر سکتے ہیں اور ان کی میزبان مادام سونیا اناؤنسنگ کاؤنٹر پر ان کا انتظار کر رہی ہے۔

آگے چل کر اس رپورٹ میں لکھا تھا۔ "ہم دور ہی دور سے سونیا اور شیکھر کی نگرانی کرتے رہے۔ ہمارے سامنے جو بات آئی' وہ یہ ہے کہ شیکھر لندن جا رہا تھا' اچانک استنبول میں قیام کرنے لگا۔ اس کے لیے سونیا نے خاص طور پر اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔ اگرچہ فرہاد میک اپ میں شیکھر بنا ہوا ہے لیکن سونیا اپنی خوشی کو چھپا نہ سکی۔ ہوٹل پہنچنے تک وہ اس کے ساتھ لگی رہی۔ پھر وہ ایک کمرے میں بند ہو گئے۔ دو گھنٹے تک ہمارا آدمی ان کا انتظار کرتا رہا مگر دروازہ نہیں کھلا۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد وہ دونوں کمرے سے نکلے۔ ہوٹل سے باہر آنے کے بعد دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔ ہمارے جاسوس اب بھی دونوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ فرہاد' شیکھر کے نام سے استنبول پہنچ گیا ہے۔ ہم نے استنبول کے انٹیلی جنس والوں کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔ وہ چاہیں تو فرہاد کو گرفتار کر سکتے ہیں۔ ہم اس معاملے سے دور ہی رہتے ہیں۔ فرہاد اور اس کی ٹیم کی کسی عورت کو چھیڑ کر اپنی ساکھ بگاڑنا نہیں چاہتے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارا ان سے کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔"

انٹرپول کی جانب سے روانہ کردہ اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد ایک فوجی افسر نے کہا۔ "اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ فرہاد ہمارے ملک میں نہیں ہے۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "دوسری بات جو ثابت ہوتی ہے' وہ یہ کہ اسے اپنے قیدی بیٹے کا کوئی علم نہیں ہے۔"

ایک اور افسر نے کہا۔ "ایک اور بات ثابت ہوتی ہے۔ استنبول میں جو پارس ہے' وہی اس کا بیٹا ہے۔ اس بچے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ترکی کے اس شہر میں فرہاد کی پوری ٹیم موجود ہے اور اب فرہاد بھی پہنچ گیا ہے۔"

اجلاس کے چیئرمین نے کہا۔ "قیدی پارس کے ساتھ جو عورت ہے' اس کا نام مونا سانچی ہے۔ وہ بھی وادیٔ قاف سے آئی ہے۔ میں نے آج اسے بلا کر سختی سے سوالات کیے تھے اور اسے جھوٹ بولنے پر سخت سے سخت سزا دینے کی دھمکی دی تھی۔ مشکل یہ ہے کہ ہم براہِ راست اس سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ وہ وادی کی مخصوص زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتی ہے۔ یہ زبان جاننے والا ہمارا آدمی میری بات اس عورت تک پہنچاتا ہے اور اس کا جواب مجھے سناتا ہے۔ اس کا جواب شروع سے اب تک یہی ہے کہ یہ قیدی بچہ پارس ہے۔ رسونتی اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھتی تھی۔ کبھی کبھی مونا سانچی کی گود میں دے دیا کرتی تھی۔ یہ محض تقدیر کی بات ہے کہ بمباری سے ایک گھنٹا پہلے مونا سانچی اس بچے کو لے کر چشمے پر نہانے اور کپڑے دھونے گئی تھی۔"

ایک افسر نے کہا۔ "کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے کہ رسونتی کسی خدمت گار پر بھروسا نہیں کرتی تھی۔ بچے کو زیادہ سے زیادہ اپنے پاس رکھتی تھی لیکن بمباری سے ایک گھنٹا پہلے اس نے بچے کو بہت دور چشمے تک لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

ایک اور افسر نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی یہ عورت مونا سانچی فراڈ معلوم ہوتی ہے۔"

اجلاس کے چیئرمین نے کہا۔ "وہ فراڈ ہو یا نہ ہو اور یہ بچہ پارس ہو یا نہ ہو' اگر ہم اسے بدستور قیدی بنا کر رکھیں تو کیا فرق پڑے گا؟"

ایک اعلیٰ افسر نے جواب دیا۔ "یہ بچہ غیر اہم ہے۔ فرہاد یہاں سے جا چکا ہے۔ اس کے بعد بھی ہم بچے کو اہمیت دیں تو یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔"

ایک اور اعلیٰ افسر نے کہا۔ "اب تک کی معلومات کے مطابق یہی ثابت ہو رہا ہے کہ ہم بچے کے سلسلے میں وقت ضائع کرتے جا رہے ہیں۔"

ایک اور افسر نے پوچھا۔ "فرض کیجیے' ہم نے اس بچے سے توجہ ہٹالی' اسے آزاد کر دیا یا کہیں دوسری جگہ منتقل کر دیا اور بعد میں ثابت ہوا کہ اصل پارس یہی تھا تب ہم نہیں پچھتائیں گے؟"

"بچے کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا' صرف اسے فوجی بیرک سے ہٹا دیا جائے گا۔ ہم خواہ مخواہ اپنا وقت اس کے لیے صرف کر رہے ہیں۔"

اجلاس کے چیئرمین نے کہا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ بچے کو یہاں سے منتقل کر کے کسی مکان میں رکھا جائے' اس مکان کے آس پاس ہمارے سیکورٹی فورس کے مسلح افراد موجود رہیں۔ ان کی ڈیوٹی بدلتی رہے گی اور وہ چوبیس گھنٹے اس بچے کی نگرانی کرتے رہیں گے۔"

"مسٹر چیئرمین! میں آپ کے اس فیصلے سے متفق ہوں۔ جب تک یہ بچہ فوجی بیرک میں رہے گا' ہمارے لیے دردِ سر بنا رہے گا۔ کیا ہمیں یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ اس کے ماں باپ اس کے دماغ میں پہنچیں گے تو پھر ہمارے فوجی رازوں تک بھی پہنچتے جائیں گے؟"

سب نے تائید میں سر ہلایا اور سب نے اس بات سے اتفاق کیا کہ بچے کا فوجی بیرک میں موجود رہنا نامناسب ہے۔ اگر یہ پارس ہے تو کسی وقت بھی ہمارے لیے زبردست خطرہ بن سکتا ہے اور اگر پارس نہیں ہے تو ہم خواہ مخواہ اندیشوں میں گھرے رہتے ہیں۔ لہٰذا اسے یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔

میں راجیش کے خیالات پڑھ رہا تھا' اسی وقت رسونتی کی آواز سنائی دی۔ وہ راجیش کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں تمہارے خیالات پڑھ رہی ہوں اور مجھے پتا چل رہا ہے کہ میرے بیٹے کو کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا۔"

"ہاں' آج صبح پانچ بجے یہاں ایک گاڑی آئے گی۔ پھر پارس اور مونا سانچی کو لے جائے گی۔ میں یہ نہیں جانتا کہ اسے کہاں لے جایا جائے گا۔"

"میں تمہارے ذریعے یہاں کے بیشتر افسران کے دماغوں تک پہنچ چکی ہوں۔ صبح پانچ بجے سے پہلے پارس کے دماغ میں رہوں گی۔ شاید اس کے ذریعے نئے افسران تک پہنچ سکوں۔ پھر ان سے پتا چل جائے گا کہ انھوں نے اسے کہاں پہنچایا ہے۔"

ٹیلیفون کی گھنٹی سے خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ مالا ریسیور اٹھا کر سن رہی تھی۔ نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ملازم منگل پانڈے کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بھائی! ایک بج چکا ہے۔ وہ میرا دوست دھن راج کہاں ہے' اس سے بات کراؤ۔"

میں نے فوراً ہی مالا سے ریسیور لے کر کہا۔ "ہیلو' پانڈے...! میں دھن راج بول رہا ہوں۔"

اس نے چہک کر پوچھا۔ "یار! تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ تمہارے نہیں رہنے سے میں خود کو بیوہ' نہ میرا مطلب ہے' خود کو یتیم سمجھنے لگتا ہوں۔ میں آ رہا ہوں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔"

پھر میں نے نیچے بیٹھے ہوئے ملازم کو ڈانٹ کر کہا۔ "رامو! تم نے اب تک ریسیور کیوں اٹھا رکھا ہے۔ کیوں ہماری باتیں سن رہے ہو؟"

اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ تب میں نے پانڈے سے کہا۔ "یار! کیوں رنگ میں بھنگ ڈال رہے ہو۔ آج رات یہاں عیش کرنے دو۔"

وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "کیا کام بن گیا؟"

"ابھی تو بنا رہا ہوں۔ میرے ہاتھ کی لکیریں کہتی ہیں' اگر اس گھر میں رہ گیا تو صبح تک کام بن جائے گا۔"

"بناؤ' بناؤ' صبح تک سہی' اطمینان سے کام بناؤ۔ اب میں ڈسٹرب نہیں کروں گا۔ صبح تمہارے پاس آؤں گا' بتاؤ کتنے بجے آؤں۔"

میں نے مالا سے پوچھا۔ "منگل پانڈے کو کس وقت بلایا جائے۔"

اس نے ریسیور لے کر کہا۔ "ہیلو داروغہ جی! آپ کل ایک بجے میرے ہاں تشریف لائیں گے۔ ہم دوپہر کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔"

اس نے کہا۔ "مالا جی! میرے دوست کو خوش رکھنا' کوئی شکایت نہ ہونے پائے۔ اگر وہ خوش ہوا تو میں تمہارا کیس ختم کرا دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

میں نے مالا کی زبان سے کہا۔ "میں تو انھیں خوش کرنا چاہتی ہوں مگر یہ ہمیشہ سوچ میں گم رہتے ہیں۔ ہمیشہ آپ ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں' ہمیرا یار پانڈے ایسا ہے۔ میرا یار پانڈے ویسا ہے۔ وہ آگے جا کر اتنی ترقی کرے گا' اتنی ترقی کرے گا کہ ہاتھ اٹھا کر آسمان

کو چھو لے گا!"

میں خیال خوانی کے ذریعے پانڈے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے منہ پھاڑے، آنکھیں پھاڑے خلا میں تک رہا تھا اور آسمان کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے ہاتھ بڑھا کر ابھی چھو لے گا۔ میں نے ریسیور لے کر اُسے مخاطب کیا، وہ چونک کر بولا "ارے یلو! کیوں اتنی حسین عورت کے پاس بیٹھ کر مجھے یاد کرتا ہے۔ بے چارے کا دل ٹوٹ رہا ہے۔ مجھے کل صبح یاد کر لینا، ابھی اسی کو یاد کرتا رہ۔ اب میں ریسیور رکھ رہا ہوں۔ کل ایک بجے آؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ مالا نے میرے ہاتھ سے ریسیور لے کر رکھتے ہوئے کہا "تم خیال خوانی نہیں کر رہے تھے، جیسے ہی فون آیا، فوراً اٹینڈ کرنے لگے۔"

"فون کی گھنٹی نے چونکا دیا تھا۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ مداخلت نہ کرنا مگر فون کی گھنٹی کو کیسے سمجھاتا؟"

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ ٹھیک تین گھنٹے بعد یعنی پانچ بجے پارس فوجی بیرک سے منتقل کیا جانے والا تھا۔ اب دو تین گھنٹے کے لیے سونا مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا میں پارس اوّل اور جوجو کے پاس پہنچ گیا۔

***

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ گائی ڈی مورد کو نے پارس کے سرپرستوں سے کہا تھا، جو مشین کا حصہ پارس نے چرایا ہے، اسے اس کے حوالے کیا جائے اور جوجو کے سرپرستوں سے کہا تھا کہ مشین کے باقی دو حصے اس کے حوالے کر دیے جائیں۔ اس طرح وہ تینوں حصوں کو ملا کر اسے آزمائے گا۔ اگر وہ ٹرانسفارمر مشین کارآمد ثابت ہوئی اور اس کے ذریعے مورد کو نے اپنے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیت منتقل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تو پارس اور جوجو کو رہا کر دیا جائے گا۔

میں نے اور پارس نے اس سے مہلت مانگی تھی۔ اس نے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی۔ شرط یہ تھی کہ ہم صبح تک اُسے مشین کے تینوں حصے واپس کرنے کی ہامی بھر لیں اور چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے وہ حصے اس کے حوالے کر دیں۔ اگر صبح تک ہم نے ہامی نہ بھری تو اس وقت سے چوبیس گھنٹے پورے ہونے تک پارس اور جوجو کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جائیں گی۔

پارس اور جوجو کو اس پتھریلے فرش والے قید خانے سے نکال کر آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا تھا، جب دوبارہ وہاں پہنچا تو صبح ہونے میں سات گھنٹے باقی تھے۔ پارس آرام سے سو رہا تھا لیکن جوجو جاگ رہی تھی۔ کبھی پارس کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگتی تھی۔

اس کے بھائی آرمر نے اچھی طرح سمجھایا تھا کسی مرد سے دوستی نہ کرنا مگر حالات اس کے بس میں نہیں تھے۔ ایک پانچ برس کا مرد اس کے کمرے میں آرام سے سو رہا تھا۔ بھلا ایسے مرد کی موجودگی میں وہ کیسے سو سکتی تھی، وہ بھائی آرمر کی نصیحتوں پر عمل کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتی تھی۔ یہ بات ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ پارس کو کیا سمجھے، جب یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے خیال خوانی کی پرواز کی اور اپنے بھائی آرمر کے دماغ میں پہنچ گئی "میرے بھائی! میں تمہاری لاڈلی بہن جوجو بول رہی ہوں۔"

آرمر نے خوش ہو کر کہا "میری بہن! مجھے معلوم ہوا ہے تم کہیں قیدی بنا کر رکھی گئی ہو۔ کیا بہت پریشان ہو؟"

"جی ہاں۔ ایک بہت بڑا پرابلم ہے۔"

"مجھے فوراً بتاؤ۔ میں تمہارے مسائل حل کر سکتا ہوں۔"

"بھائی! تم نے نصیحت کی تھی کسی سے دوستی نہ کرنا مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی، اگر پانچ برس کا بچہ دوستی کرنا چاہے تو میرا جواب کیا ہونا چاہیے؟"

وہ مسکرا کر بولا "اری پگلی! بچہ تو آخر بچہ ہی ہوتا ہے، تم اس سے دوستی کر سکتی...."

وہ بات کرتے کرتے چونک گیا۔ پھر بولا "کیا کہا؟ پانچ برس کا بچہ؟ کہیں وہ پارس تو نہیں ہے؟ کیا تم فرہاد کے بیٹے کی بات کر رہی ہو؟"

"جی ہاں! جب سے میں استنبول آئی ہوں، وہ میرے ساتھ لگا ہوا ہے۔"

"جوجو! یہ فرہاد کی سازش ہے۔ تم اس بچے سے دور رہو۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کیسے دور رہوں۔ جب سے وہ میرے پاس ہے، مجھے مصیبتوں سے بچا رہا ہے، میرے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دے رہا ہے۔ ہم دونوں کو ساتھ اغوا کیا گیا ہے اور ایک ہی کمرے میں بند کر دیا گیا ہے۔ وہ تو آرام سے سو رہا ہے، میں اس فکر میں جاگ رہی ہوں کہ مجھے اس کی موجودگی میں سونا چاہیے یا نہیں؟"

"اس کی موجودگی میں سو جاؤ، کوئی ہرج نہیں ہے۔ ہمیں اندیشہ صرف یہ ہے کہ فرہاد اس کے ذریعے تمہیں ٹریپ کرنا چاہتا ہے یا کوئی اور چال چل رہا ہے۔"

"میں نہیں سو سکتی، مجھے شرم آتی ہے۔"

"تم تو سچ مچ پگلی ہو۔ ارے وہ کوئی جوان مرد نہیں ہے۔"

"میں کیا بتاؤں، وہ نوجوان مردوں سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ اکثر میرے حُسن کی تعریفیں کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔"

آرمر نے شدید حیرانی سے پوچھا "یہ کیا بکواس ہے؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ہمیں اغوا کرنے والے بھی جانتے ہیں۔ ان کے سامنے بھی پارس نے مجھ سے عشق کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ کہتا ہے، اتنی حسین صورت دیکھنے کے بعد اس کے اندر باپ کا خون جوش مارتا ہے۔"

"پھر تو اس بچے کے پیچھے فرہاد بولتا ہو گا۔ وہ کمبخت عیاش ہے، حُسن پرست ہے۔ اُسے شرم نہیں آتی، اپنے بچے کے ذریعے تمہیں پھانسنا چاہتا ہے۔"

میں نے اُس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "آرمر! تمہیں میرے متعلق اتنے شرمناک خیالات نہیں رکھنے چاہئیں۔ تم اور تمہارے دوسرے بھائی نہایت ہی بے غیرت ہیں۔ انہوں نے مجھے پھانسنے کے لیے اپنی بہن روزانہ کو چارا بنا کر ہندوستان بھیجا تھا۔ میں روزانہ کے خیالات پڑھ چکا ہوں۔ شاید بے غیرتوں کو عزت اور غیرت کا مطلب نہ معلوم ہو۔ وہ مقدس رشتوں کو بھی نہ سمجھتے ہوں۔ اس کے باوجود میں کھلے الفاظ میں کہتا ہوں کہ جوجو میری بیٹی جیسی ہے، آئندہ ایسے خیالات کا اظہار کرو گے تو تمہیں دماغی اذیتیں پہنچاؤں گا۔"

اس نے پوچھا "تم نے اپنے بیٹے کو میری بہن کے پیچھے کیوں لگا دیا ہے؟"

"اس کے لیے بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا اپنے بیٹے سے کوئی دماغی رابطہ نہیں ہے۔ کسی نے اس کے دماغ کو مقفل کر دیا ہے۔ ہم خود اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے۔"

"یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ وہ تمہارا بیٹا ہے اور کسی اور نے خیال خوانی کے ذریعے یا تنویمی عمل کے ذریعے اس کے دماغ کو مقفل کیا ہو اور تمہیں پتا نہ ہو تو کیا یہ قابلِ یقین بات ہو سکتی ہے؟"

"میں یقین دلانا نہیں چاہتا۔ اپنی بہن کو سمجھاؤ کہ وہ آرام سے سو جائے۔ پتا نہیں اس کے بعد کیسے حالات پیش آئیں گے۔ لہٰذا اسے جسمانی اور دماغی طور پر چاق و چوبند رہنے کے لیے نیند پوری کرنا چاہیے۔ تم میرے بیٹے کی فکر چھوڑ دو، اپنی بہن کی فکر کرو۔ میں جا رہا ہوں۔"

میں جوجو کے پاس آ گیا، وہ کہہ رہی تھی "بھائی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیوں ڈر رہی ہو؟"

"ابھی میں تمہارے دماغ میں تھی، وہاں فرہاد کی آواز سُن رہی تھی۔ کیا وہ میرے دماغ میں بھی آئے گا؟"

آرمر کے جواب دینے سے پہلے ہی میں نے ایک سوچ کے ذریعے اسے چونکنے پر مجبور کیا۔ پھر وہ میری مرضی کے مطابق بولی "ارے ہاں بھائی! آپ کے دماغ میں فرہاد مجھے بیٹی کہہ رہا تھا۔ کیا وہ بیٹی کہہ کر مجھے نقصان پہنچائے گا؟"

آرمر اُلجھن میں پڑ گیا۔ تمام بھائی میرے خلاف جوجو کے دماغ میں زہر بھرنا چاہتے تھے۔ بھلا وہ کیسے اعتراف کرتا کہ بیٹی کہنے والا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا "تم ابھی دُنیا کو نہیں سمجھتی ہو۔ یہ دشمن زبان سے کچھ کہتے ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اس کے بیٹی کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، وہ بہت فریبی ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا چاہیے لیکن فکر نہ کرو، وہ تمہارے دماغ میں نہیں آئے گا۔ میں نے اُسے منع کر دیا ہے۔"

اس کا باپ بھی مجھے منع نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ جوجو کے بچکانہ ذہن کو اسی طرح سمجھایا کرتا تھا اور جوجو بھی اپنے بھائی پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ ہر بات مان لیتی تھی۔ اس نے یہ مان لیا کہ فرہاد دماغ میں نہیں آئے گا تب آرمر اسے سمجھانے لگا "اب تم سو جاؤ۔ پارس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

وہ بستر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "یہاں ایک ہی بستر ہے اور کمبل بھی ایک ہی ہے۔"

آرمر نے کہا "جب وہ گہری نیند میں ہے تو اسے سونے دو۔ اس کا کمبل کھینچ کر اپنے اوپر ڈال لو۔"

وہ بچپن سے بھائی کی بات ماننے کی عادی تھی۔ اس نے بہی کیا بستر پر آ کر آہستہ آہستہ کمبل کو پارس کے اوپر سے کھینچنے لگی۔ پورا کمبل اپنی طرف کرنے کے بعد آہستگی سے لیٹ گئی پھر اُسے اپنے اوپر ڈال لیا۔ آرمر نے کہا "تم میری بہت اچھی بہن ہو۔ چپ چاپ آنکھیں بند کر کے اپنے دماغ کو ہدایت دو اور آرام سے سو جاؤ۔"

وہ آنکھیں بند کر کے اپنے دماغ کو ہدایت دینے لگی۔ میں نے آرمر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بہن کی طرف سے مطمئن ہو کر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا تھا۔ اِدھر میں نے پھر جوجو کے پاس پہنچ کر اُس کی آنکھیں کھول دیں۔ اُسے سر گھما کر پارس کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ اُس نے دیکھا، وہ اپنی جگہ سُکڑا سمٹا پڑا ہوا تھا۔ سردی اچھی خاصی تھی۔ میں نے جوجو کے دماغ میں سوچ پیدا کی "آہ! بچارہ کس طرح سردی میں ٹھٹھر رہا ہے۔"

بھائی نے اپنی معصوم بہن کو خود غرضی اور بے حسی کا درس دیا تھا۔ میں اس کی معصومیت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اسی لیے اس کے اندر انسانی محبت کا جذبہ پیدا کر رہا تھا۔ جو معصوم ہوں، جنہوں نے کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو، ان میں انسانی محبت کے جذبات پیدا کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی، وہ خود ہی فطرتاً انسان دوست ہوتے ہیں۔ جوجو اپنے اندر انسانی دوستی کے جذبوں کو سمجھتی نہیں تھی، بس ذرا سمجھانے کی ضرورت تھی اور میں یہی کر رہا تھا۔

صرف دس منٹ کے اندر ہی اس کا دل پگھلنے لگا۔ وہ پارس کو اس سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آہستہ آہستہ کھسکتی

ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر کمبل کا آدھا حصہ آہستگی سے اس کے اوپر ڈال دیا مگر اس سے ذرا دور رہی اور جلدی سے آنکھیں بند کر کے کہنے لگی "اوہ گاڈ! میں اپنے دماغ کو ہدایت دے کر سو رہی ہوں۔ اس مرد کو مجھ سے دور رکھنا۔ اگر یہ مجھ کو ہاتھ لگائے تو فوراً میری آنکھ کھل جائے۔"

وہ سہمی سہمی سی اپنے دماغ کو ہدایت دے رہی تھی مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ آخر میں نے اس کے دماغ کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ ابھی صبح ہونے میں تقریباً پانچ گھنٹے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ سونیا اور شیبا ان دونوں کو وہاں سے نکالنے کے لیے کیا کر رہی ہیں، ضرور کچھ کر رہی ہوں گی بلکہ کچھ زیادہ ہی کر رہی ہوں گی۔ اُدھر شارپر بھی اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہا تھا۔ میں نے ماسک مین کو مخاطب کیا۔ اُس نے کہا "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ مجھ سے خود رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، بُری طرح ناراض ہیں؟"

"میں کہہ چکا ہوں، جب تک ٹرانسفارمر مشین کسی فیصلہ کن نتیجے تک نہ پہنچے، میرے اور آپ کے درمیان اعتماد والا رشتہ قائم نہیں ہوگا۔ ہم دوسرے معاملات میں ایک دوسرے کی اب بھی مدد کریں گے اور اب بھی دوست بن کر رہیں گے۔"

"شکریہ فرہاد صاحب! آپ فرمائیں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں یونہی معلوم کرنے آیا تھا کہ آپ آرمر کو قیدی بنا کر کیا فائدہ حاصل کر رہے ہیں؟"

"جناب! ہم سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہے۔ مثلاً ہم آرمر کے ذریعے اس کے بھائیوں کو بلیک میل کر کے مشین کے حصے تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن اس حصے کو آپ کے صاحبزادے اُڑا لے گئے۔ یہ بھی کمال ہو گیا۔ پانچ برس کے بچے نے وہ حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے کہ ہمیں یقین نہیں آتا۔"

"یقین کیوں نہیں آتا۔ جب کہ اُس کے ماں باپ ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "جی ہاں، یہ تو میں سمجھ رہا ہوں کہ پیچھے کے پیچھے آپ لوگوں کا دماغ کام کر رہا ہے مگر ساری دُنیا تو یہ نہیں جانتی ہے، اس لیے سب حیران ہیں۔"

"جو آپ جانتے ہیں، اس کے متعلق گفتگو کریں۔ پارس کو مورد کو کی قید سے نکالنے کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں؟"

وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا "وہ آپ کا بیٹا ہے۔ یہ میرا پہلا فرض ہے کہ میں اسے دشمن کی قید سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کروں۔"

"ماسک مین! مجھے ایسی دوغلی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ صاف بات کرو۔ جب کہ جانتے ہو میں دماغ کی گہرائیوں میں پہنچ جاتا ہوں اور دل کی دھڑکنیں سُن لیتا ہوں۔ تم صرف مشین کے اس پہلے حصے کے لیے پارس کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے پارس کو حاصل کر لیا تو اسے نقصان نہیں پہنچاؤ گے، بلکہ میرے پاس پہنچا دو گے۔ تمہارا مقصد صرف اس مشین کے حصے کو حاصل کرنا ہے۔"

وہ شرمندہ سا ہو کر بولا "آپ سے ہماری کوئی بات چھپ نہیں سکتی پھر آپ کیوں ہماری زبان سے اُگلواتے ہیں۔ آپ نے میرے متعلق اتنی اچھی رائے قائم کی، میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں، پارس ہمارا بھی بیٹا ہے۔ جب بھی وہ میرے ہاتھ لگے گا، میں اسے صحیح سلامت آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔"

"میرے اس سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دو۔ کیا تمہارے آدمی اس جگہ تک پہنچ چکے ہیں، جہاں پارس اور جوجو کو قید کیا گیا ہے؟"

پہلے تو وہ جھجکنے لگا پھر جلدی سے بولا "یہ بات بھی آپ سے چھپ نہیں سکے گی۔ میں زبان سے ہی کہتا ہوں۔ ان دونوں کو باس فورس کے ایک ساحلی قلعے میں قید کیا گیا ہے۔ وہ قلعہ چھوٹی سی پہاڑی کی بلندی پر ہے، اس کے باہر بھی گاڈ ڈی مورد کو کے آدمی دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔"

"کیا اس قلعے کے اندر رہنے والے کسی بھی فرد کی آواز سُنی جا سکتی ہے؟"

"یہ بہت مشکل ہے۔ قلعے میں مختلف نمبر والے کئی بیس ٹیلیفون تھے۔ مورد کو نے بیسوں ٹیلیفون کے کنکشن کاٹ دیے ہیں۔ اس سے ہمیں شبہ پیدا ہوا کہ ان دونوں کو وہیں قید کیا گیا ہے۔"

میں نے کہا "آپ کی جو ٹیم اس قلعے تک پہنچنا چاہتی ہے، اس کی راہنمائی یقیناً استنبول کا باس کر رہا ہوگا۔ کیا آپ مجھے اس کی آواز سُنا سکتے ہیں تاکہ میں اُن کی مدد کر سکوں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "دیکھیے فرہاد صاحب! یہ ٹرانسفارمر مشین کا معاملہ ہے۔ آپ نے خود فرمایا تھا ہم اس معاملے میں ایک نہیں ہوں گے لہٰذا مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

"میں ہرگز شرمندہ نہیں کروں گا۔ وہ تو میں نے رسمی طور پر پوچھ لیا تھا ورنہ میں جانتا ہوں کہ استنبول کا باس شاکر ہے۔ میں ابھی اُس کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

ماسک مین ایک دم سے بوکھلا کر بولا "ارے آپ۔ آپ کیسے آدمی ہیں۔ سب کچھ جانتے ہیں اور خواہ مخواہ میرا مطلب ہے کہ میں شاکر کی آواز سُنا سکتا ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "جب میں کہہ رہا ہوں کہ خود پہنچ سکتا ہوں تو آپ آواز سُنانے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے۔ آپ آرام فرمائیں۔"

میں شاکر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اس قلعے سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے بنگلے میں موجود تھا۔ اپنے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس اہم آدمی سے گفتگو کر رہا تھا، جو قلعے والی پہاڑی تک پہنچ گیا تھا اور آہستہ آہستہ اوپر چڑھتے ہوئے مورد کو کے آدمیوں کو بڑی خاموشی سے ٹھکانے لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ رپورٹ وہ شخص دے رہا تھا جو ماسک مین کی ایک خاص ٹیم کے ساتھ قلعے تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ میں اس خاص آدمی کے دماغ تک پہنچ گیا۔ اس کا نام کچھ اور ہوگا مگر اسے ڈینی کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔

ریڈیارڈ کا باس ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر رہا تھا۔ اسی وقت ایک دوسرے ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہوا۔ اس نے فوراً ڈینی سے رابطہ ختم کر کے دوسرے ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کیا۔ ماسک مین کی آواز سُنائی دے رہی تھی "ہیلو شاکر، کیا فرہاد سے کبھی تمہارا سامنا ہوا ہے یا کسی کے ذریعے اس نے تمہاری آواز سُنی ہے؟"

شاکر نے کہا "میں پورے یقین سے کہتا ہوں، میری آواز اب تک فرہاد یا اس کے کسی ساتھی تک نہیں پہنچ سکی ہے۔"

"لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے دماغ میں پہنچ سکتا ہے۔"

"میں اس بات پر صرف حیرانی ظاہر کر سکتا ہوں ورنہ اب بھی یقین ہے، وہ میرے دماغ تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

میں انہیں چھوڑ کر ڈینی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بہت ہی محتاط تھا۔ اپنے آدمیوں سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرتا تھا اور بڑی دھیمی آواز میں گائیڈ کرتا جاتا تھا۔ پتا چلا اب تک اس کے آدمیوں نے چار ایسے پہرے داروں کو مار ڈالا ہے جو اسی قلعے سے تعلق رکھتے تھے۔

میں ہارپر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا اور اپنے بھائی شارپر کی باتیں یاد کر رہا تھا۔ شارپر نے تقریباً دو گھنٹے پہلے اس سے رابطہ قائم کر کے کہا تھا "تمہاری غلطی سے یا تمہاری بیماری کی وجہ سے فرہاد نکل گیا ہے۔ اب وہ ہندوستان بھی چھوڑ چکا ہے۔ استنبول پہنچ رہا ہے۔ میں جوجو کو اس قلعے سے نکالنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ اسرائیلی تنظیم سے بہت ہی ذہین سراغرساں وہاں تک پہنچ رہے ہیں۔ میں تمہیں دو اہم افراد کی آوازیں سُنا رہا ہوں تاکہ میں کسی اور معاملے میں اُلجھ جاؤں تو ان کے دماغوں میں موجود رہ سکو۔"

پھر اس نے دو افراد کی آواز سُنائی تھی۔ ہارپر ان کے دماغ میں باری باری پہنچ رہا تھا۔ وہ دونوں اسرائیلی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے ہارپر کو مجبور کیا کہ وہ پھر ان سے دماغی رابطہ قائم کرے۔ اس طرح میں ان کے دماغوں میں پہنچ گیا۔ وہ بھی اس قلعے کی پہاڑی کے پاس تھے مگر ان کی پوزیشن دوسری تھی۔ وہ باس فورس کے ساحل کی طرف سے آ رہے تھے۔ ان کی ٹیم میں مزید بارہ افراد تھے اور وہ بھی ٹرانسمیٹر کے ذریعے چپکے چپکے اپنے لوگوں کو ہدایات دیتے جا رہے تھے۔

یوں دیکھا جائے تو میں نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ایک تو ماسک مین کے آدمیوں تک پہنچ گیا تھا۔ دوسرے اسرائیلی تنظیم کے اندر بھی سُرنگ بنالی تھی۔ تیسرے قلعے کے اندر پارس اور جوجو کے پاس موجود رہ سکتا تھا۔ میری معلومات کے مطابق ابھی دو پارٹیاں ایسی تھیں جہاں تک میری رسائی ممکن نہیں تھی۔ ایک تو سونیا اور شیبا کی پارٹی۔ پتا نہیں، وہ کیا کھچڑی پکا رہی تھیں۔ اس کے بعد سُپر ماسٹر کی ٹیم بھی ضرور ہو گی جو اس قلعے تک پہنچنا چاہتی ہو گی اور وہ نیا سُپر ماسٹر اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے جوجو اور پارس کو اپنی گرفت میں لے کر ایک بڑا کارنامہ انجام دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا ہوگا اور اپنے تمام چھوٹے بڑے ذرائع استعمال کر رہا ہوگا۔

میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر بولی "فرہاد! اب سے دس منٹ کے بعد مجھ سے رابطہ قائم نہ کرنا۔ میں صبح کے بعد تم سے گفتگو کر سکتی ہوں۔"

"تم بڑی رازداری سے کام لے رہی ہو لیکن دیکھ لینا، تم سے پہلے میں پارس اور جوجو کو وہاں سے نکال کر دکھاؤں گا۔"

"تم کس لیے آئے ہو؟"

"صرف یہ پوچھنے آیا ہوں، مشین کا پہلا حصہ جو پارس نے حاصل کیا ہے کیا اس کی نقل مل سکتی ہے؟"

"میں اس کی ہوبہو نقل تمہارے حوالے کر سکتی ہوں۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں اپنی پلاننگ نہیں بتاؤں گا۔ جس وقت مجھے نقل کی ضرورت پڑے، تم میرے مطلوبہ آدمی تک اسے پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے، میں وعدہ کرتی ہوں۔ اب مجھ سے رابطہ قائم نہ کرنا۔ میں اپنے لائن آف ایکشن پر ہوں۔"

اس نے سانس روک لی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حرکت میں آ چکی ہے اور برکت تک پہنچنے والی ہے۔ یہ ہم دیکھتے آ رہے ہیں۔ جب بھی وہ عملی اقدامات کرتی ہے تو اس پر آپ ہی آپ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ مجھے ایک ذرا کمتری کا احساس ہوا، کیا وہ مجھ سے سبقت لے جائے گی؟

ہرگز نہیں، میں نے تہیہ کر لیا کہ اس سے پہلے پارس اور جوجو کو وہاں سے نکال لاؤں گا۔ اگر اس نے سبقت حاصل کر لی تو اس کی صرف ایک وجہ ہوگی اور وہ یہ کہ وہ جسمانی طور پر استنبول میں موجود تھی اور میں وہاں سے ہزاروں میل دُور تھا۔ اس کے باوجود میں نے اپنے طور پر کوشش کی اور اس کے لیے مورو کو کے دماغ پر دستک دی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں خوش آمدید کہتا ہوں، تم فرہاد ہو یا شارپر؟"

"میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہاہا، بیٹے کے لیے پریشان ہو؟"

"نہیں، میں جوجو کے لیے سودا کرنے آیا ہوں۔"

اُس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا مطلب ہے؟"

"میرا بیٹا گیلے صابن کی طرح ہے۔ تم جتنی سختی سے مٹھی بند کرو گے، اتنی ہی تیزی سے وہ پھسل جائے گا۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

"کیا جوجو پسند آگئی ہے؟"

"وہ میری بیٹی ہے۔"

"اوہ آئی سی۔ اُسے بیٹی بنا کر بھائیوں کا دل جیتنا چاہتے ہو؟"

"میں مقدس رشتوں کی آڑ لے کر ایسے اوچھے حملے نہیں کرتا۔"

"چلو مان لیا، کس قسم کا سودا کرنا چاہتے ہو؟"

"پارس نے جو مشین کا پہلا حصّہ چرایا ہے، وہ تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اس کے بدلے جوجو کو میرے حوالے کر دو۔"

اُس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں کہہ چکا ہوں، پہلے تینوں حصّے میرے پاس آئیں گے۔ میں انہیں آزماؤں گا، ان کے ذریعے میرے اندر ٹیلی پیتھی کی صلاحیت منتقل ہو جائے گی، تب میں دونوں کو رہا کر دوں گا۔"

"مورو کو! پہلے میری پوری بات سُن لو۔"

"اچھا سناؤ؟"

"تم جوجو کو میرے حوالے کر دو گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ شارپر اور اس کے دوسرے بھائیوں تک کبھی نہیں پہنچ سکے گی۔ حالانکہ میں اسے بیٹی کہہ چکا ہوں۔ اسے کبھی نقصان نہیں پہنچاؤں گا لیکن اس کے بھائی میرے سامنے کمزور بن کر رہیں گے۔ اس لیے یہ سودا کر رہا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ یہ ٹیلی پیتھی کی جنگ ہے۔ تم اس میدان میں ان بھائیوں کو زیردست رکھنا چاہتے ہو۔"

"میں اس مشین کا اہم حصّہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں تینوں حصّے ایک ساتھ پسند... دیکھنا چاہتا ہوں اور انہیں آزمانا چاہتا ہوں۔"

"میری یہ بات نوٹ کر لو۔ تمہارا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ تم میرے بیٹے پارس کو نقصان نہیں پہنچا سکو گے... لیے مجھے اس کی فکر نہیں ہے اور اس لیے میں اس کے سلسلے میں... سودا نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے جوجو چاہیے۔ انکار کرو گے تو کوئی بات نہیں۔ مجھے افسوس ہو گا کہ زندگی میں پہلی بار کسی جوان لڑکی کو بیٹی کہا... وہ بھی تمہارے ہاتھوں اپنی جان دے بیٹھی۔ میں جوجو کے سلسلے میں... افسوس کر سکتا ہوں۔ مگر اسے نقصان پہنچا اور وہ میرے ہاتھ نہ آئی... مشین کا وہ پہلا حصّہ کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا، چاہے شارپر... حصّے تمہارے حوالے کر دے۔ تم کبھی اس مشین کو مکمل نہیں کر... "

میرا یہ چیلنج ایسا تھا کہ اسے سوچنے اور پریشان ہونے پر... کرنے لگا۔ یہ پریشانی کی بات تھی کہ وہ دو حصّے لے کر کیا کرے گا... جب کہ پہلا حصّہ نہیں ملے گا۔ اس پر ستم یہ کہ ایک باپ کو اپنے... کی پروا نہیں تھی اور کیوں پروا نہیں تھی؟ یہ بات سمجھ میں نہیں... تھی لیکن باپ کے لہجے سے ثابت ہو رہا تھا کہ پارس گیلے صابن... طرح اس کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے۔

وہ سوچ رہا تھا۔ اسی وقت تڑاتڑ فائرنگ کی آواز سنائی دی... آوازیں دُور سے آ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "مورو کو! اپنے آدمیوں... سے پوچھ لو تمہارے اس قلعے کو چاروں طرف سے گھیرا جا رہا ہے... گھیرنے والی کتنی ہی خطرناک تنظیمیں ہیں۔ اگر ایک دو ہوتیں تو تم... مقابلہ کر سکتے تھے۔ اب دانشمندی یہی ہے کہ دو قیدیوں میں سے ایک... کا سودا مجھ سے کر لو۔ تمہیں شکست ہوئی تو یہ سودا بعد میں تمہارے... کام آئے گا۔"

"میں اپنے دماغ کے دروازے بند کر رہا ہوں۔ تم دماغ... کے بعد آنا۔"

اس نے سانس روک لی۔ میں اس کے دماغ سے نکل... جب دس منٹ کے بعد پہنچا تو اس نے پوچھا۔ "اس بات... ضمانت ہے کہ مشین کا جو حصّہ تم میرے حوالے کرو گے، وہ نقلی... ہو گا، اصلی ہو گا؟"

"جب تک اس کے اصلی ہونے کا یقین نہ ہو، اس وقت... تک جوجو ایسی جگہ رہے گی جس کا علم ہم دونوں کو ہو گا۔ میں... کے ذریعے اور تم اپنے مختلف ذرائع سے اس کی نگرانی کرو... پھر یہ کہ پارس تمہارے پاس رہے گا۔ میں تمہیں کوئی دھوکا نہ... دوں گا۔"

وہ قائل ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "تم راضی ہو تو جوجو کو اس... سے نکالو۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی چور دروازے سے نکال کر لے جاؤں گا، تم اس کے ذریعے چور راستوں کو معلوم کرتے جاؤ گے لیکن میں اپنے دماغ کے دروازے بند کر لوں گا۔ پھر جوجو کو کسی دوسری جگہ پہنچانے کے بعد تم سے رابطہ قائم ہو سکے گا۔"

"تم ہر طرح اطمینان کر سکتے ہو۔ مجھے اس قلعے کا چور دروازہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف جوجو کو چاہتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ آدھے گھنٹے بعد تم میرے دماغ میں آسکتے ہو۔"

اس نے سانس روک لی۔ میں نے یہ چال اس لیے چلی کہ پارس کی طرف سے اطمینان تھا۔ سونیا ایکشن میں تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ پارس اور جوجو دونوں کو لے اُڑے گی۔ لہٰذا میں نے جوجو کو اس کی گرفت سے نکال کر اپنی گرفت میں رکھنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ویسے میں حیران ہو کر سوچتا تھا، اس نے کون سی لائن آف ایکشن اختیار کی ہو گی۔ سونیا خداوند کریم کا تخلیق کردہ ایک ایسا ذہن تھا جس کی مثال سامنے رکھ کر انسان حوصلہ کرتا ہے کہ وہ اگر ذہانت سے کام لے تو کائنات کے ہر ذرّے کو تسخیر کر سکتا ہے۔ جب بھی وہ کوئی قدم اُٹھاتی تھی تو ناکامیاں منہ پھیر کر کھڑی ہو جاتی تھیں اور کامیابیاں خود اس کے قدم چومنے چلی آتی تھیں۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ دونوں کو ضرور وہاں سے نکال لے جائے گی، صرف اتنا ہی نہیں، اپنی کامیابیوں کے معقول ذرائع بھی بتائے گی کہ وہ کس طرح وہاں پہنچی تھی۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ گائیڈی مورو کو مجھ سے سمجھوتا کرنے کے لیے جوجو کو وہاں سے کہاں منتقل کرنے والا ہے۔ لہٰذا میں جوجو کے خوابیدہ دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں دُور سے آنے والی مسلسل فائرنگ کی آواز سُن سکتا تھا۔ مختلف تنظیموں کے افراد فائرنگ کرتے ہوئے اس قلعے کے اندر پہنچنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہوں گے۔ مسلسل فائرنگ سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ اگر وہ ایسا کر رہے تھے تو بڑی حماقتیں کر رہے تھے۔ اتنی سمجھ تو ہونا چاہیے تھی کہ فائرنگ ہو گی اور مورو کو خطرے کا احساس ہو گا کہ دشمن کس طرح قلعے کے اندر داخل ہو سکتے ہیں تو وہ پہلے ہی دونوں کو کہیں دوسری جگہ منتقل کر دے گا۔ لیکن ان ٹرانسفارمر مشین کو حاصل کرنے کا جنون ہر تنظیم کے سرغنہ کے دماغ میں تھا۔ مزید ستم یہ کہ پارس منظر عام پر آ گیا تھا اور وہ بھی ٹرانسفارمر مشین سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

میں اس کے خوابیدہ دماغ میں موجود رہا تاکہ گائیڈی مورو کو اسے کہیں منتقل کرنا چاہے تو اس کے ذریعے مزید معلومات حاصل کر سکوں اور تب میں نے وہ تماشا دیکھا جس کی توقع نہیں تھی۔ پارس

اور جوجو ایک ہی کمبل میں لپٹے ہوئے تھے، ان کے درمیان تقریباً دو بالشت کا فاصلہ تھا۔ اچانک نیند میں پارس کا ہاتھ اپنی جگہ سے اُٹھا اور جوجو کے ہاتھ پر پہنچ گیا۔

جوجو نے سونے سے پہلے اپنے دماغ میں کہا تھا ”اوہ گاڈ، مجھے اس مرد سے دُور رکھنا۔ اگر یہ مجھے ہاتھ بھی لگائے تو میری آنکھ کھل جائے۔“ چونکہ وہ سہمی ہوئی تھی اور اپنے دماغ کو ہدایت دے رہی تھی۔ اس لیے اس پر نیند غالب نہیں آ رہی تھی۔ تب میں نے ہی اسے ٹیلی پیتھی کی نیند سُلا دیا تھا لیکن یہ ہدایت نہیں دی تھی کہ پارس کا ہاتھ اس کے ہاتھ پر آئے تو وہ بیدار ہو جائے۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ بیدار ہو گئی تھی۔

لیکن نہیں، یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ یقیناً شیبا پارس کے دماغ میں موجود تھی، بے شک اس نے ہی یہ حرکت کی تھی۔ اِدھر پارس کے ہاتھ کو جوجو کے ہاتھ پر پہنچایا تھا اور جوجو کو نیند سے بیدار کر دیا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کہنے لگی ”اے مرد! تجھے شرم نہیں آتی۔ تُو سمجھتا ہے میں سو رہی ہوں۔ اس لیے میرا ہاتھ پکڑ رہا ہے۔“

پارس گہری نیند میں تھا۔ جوجو نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر ہاتھ پکڑ کر ہلایا مگر وہ بیدار نہیں ہوا تب اُسے ایک نسوانی آواز سُنائی دی ”جوجو، یہ تمہارا ایک معصوم دوست ہے۔ اس پر شبہ نہ کرو۔ بھرپور اعتماد کرو۔“

جوجو نے فوراً ہی سر گھما کر دیکھا۔ اس کے سامنے ایک قدآور عورت کھڑی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ اپنی اصلیت نہ بتاتی لیکن جوجو کے ذریعے میں نے اُس کا جو حلیہ معلوم کیا اُس سے پتا چل گیا کہ وہ آمنہ تھی۔

آمنہ نے تیزی سے قریب آ کر پارس کو جھنجوڑ کر اُٹھایا، پھر کہا۔ ”بیٹے چلو، یہاں سے ابھی نکلنا ہے۔“

اُس نے جوجو کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا ”آؤ جوجو، ہم تمہارے دوست ہیں، تمہیں اس قید خانے سے نکالنے آئے ہیں۔“

اسی لمحے جوجو کو اپنے دماغ میں بھائی آرمر کی آواز سُنائی دی۔ یقیناً شایر آرمر کے لہجے میں بول رہا تھا ”جوجو، اس عورت پر بھروسا نہ کرنا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کر چکا ہوں مگر ناکام رہا ہوں، یہ یقیناً فرہاد سے تعلق رکھتی ہے۔ تم اس کے ساتھ ہرگز نہ جاؤ۔“

اچانک پارس نے جوجو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”مسٹر شایر! میں اپنے باپ کی طرف سے بول رہا ہوں۔ اگر تم نے جوجو کو یہاں سے نکلنے سے روکا تو یہ قید ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے ذریعے موردکو تمہیں بلیک میل کرتا رہے گا۔ تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بہن قربانی کا بکرا بنتی رہے تو میں ایسا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ میں جوجو کو چاہتا ہوں اور اسے ہر حال میں یہاں سے لے جاؤں گا۔“

میں نے پارس کا چیلنج سُن کر سمجھ لیا کہ اس کے پیچھے یہ شیبا کا چیلنج ہے۔ میں نے جوجو کے دماغ میں رہ کر شایر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”احمق نہ بنو، اس وقت ہماری ذاتی دشمنی کو لے کر گئے تو بہن کو ہمیشہ کے لیے کھو دو گے اور اگر چاہو گے کہ خیال خوانی کے ذریعے اسے جانے سے روک سکو تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ اس وقت جوجو کے دماغ میں صرف تم نہیں ہو۔ نہ جانے کتنے ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود ہیں۔ تم اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لو۔“

یہ کہتے ہی میں پوری طرح جوجو کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اسے اتنی ڈھیل دی کہ وہ اپنے موجودہ حالات کو سمجھتی رہے اور یہ دیکھتی رہے کہ فرہاد کی طرف سے آنے والی ایک عورت اور پارس اس کے لیے کتنی جدوجہد کر رہے ہیں۔

اگر میں یہ بیان کروں کہ اچانک آمنہ اس قلعے میں پہنچ گئی تھی جہاں تک پہنچنے کے لیے دنیا کی خطرناک تنظیمیں سر توڑ کوشش کر رہی تھیں تو یہ ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔ وہ کس طرح وہاں پہنچی پہلے میں اس کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ جو وضاحت میں اب کر رہا ہوں، وہ میں نے بعد میں سونیا سے معلوم کی اور اس نے جو بیان دیا وہ یوں ہے۔

”میں سونیا ایک ناچیز عورت ہوں۔ ایک خاک کا ذرہ ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ اور آخری نبیؐ پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے پیر و مرشد بابا فرید واسطی مرحوم کی احسان مند ہوں کہ انہوں نے میری ذہانت کو حیرت انگیز طور پر پالش کیا ہے، آج میں دُنیا والوں کے سامنے بے مثال ذہانت کا ایک حیرت انگیز نمونہ بن گئی ہوں۔“

بعد میں سونیا نے بتایا ”فرہاد! تم سب اُدھر جاتے ہو جدھر تمہارے مقاصد ہوتے ہیں اور میں اُدھر جاتی ہوں جدھر مقاصد کی وجوہات ہوتی ہیں اور جہاں سے ان کی بنیاد شروع ہوتی ہے۔ بس یہیں سے میری اور تم لوگوں کی ذہانت کا فرق شروع ہوتا ہے۔

دُنیا کی خطرناک تنظیمیں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ پارس اور جوجو کو کہاں قید کیا گیا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا تو وہ اس قلعے کو چاروں طرف سے گھیرنے لگے۔ یہ ایک عام سی بات ہے کوئی بھی مجرم ہو، کوئی بھی قانونی تحفظ کرنے والی فوج ہو، وہ ایسے ہی اقدامات کرتی ہے لیکن میں ان سے الگ سوچتی ہوں۔“

واقعی وہ دُنیا والوں سے الگ سوچ رکھنے والی ایک بے مثال عورت تھی۔ اس نے کہا ”میں نے سب سے پہلے یہ سوچا کہ دُنیا میں کوئی ایسا قلعہ نہیں ہے جو تہ خانہ نہ رکھتا ہو، جو چور دروازے اور خفیہ راستے نہ رکھتا ہو۔ یہ سوچ کر میں نے محکمۂ تعمیرات سے رابطہ قائم کیا۔ یہ

قائم کرنے کے لیے شیبا کی خیال خوانی کام آتی رہی۔ تب پتا چلا جس قلعے میں پارس اور جوجو قید کیے گئے ہیں، وہ کس صدی میں تعمیر ہوا تھا اور کس انجینئر نے تعمیر کیا تھا۔ آج اس کا پوتا استنبول میں موجود ہے۔ میں انجینئر کا نام معلوم کر کے اس کے پوتے کے پاس پہنچی تھی۔ شیبا نے اس کے دماغ سے معلوم کیا قلعے کا راز انجینئر کے خاندان میں سینہ بہ سینہ دفن رہتا ہے۔ ہم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس راز کو ان کے سینے سے نکال لیا۔“

یہ ذہانت کی اعلیٰ ترین مثال ہے کہ جہاں جرائم پیشہ افراد مختلف ہتھکنڈوں سے اس قلعے تک پہنچنے کی کوششیں کر رہے ہوں، وہاں سونیا کا دماغ محکمۂ تعمیرات کی طرف جائے اور وہ قلعے کے انجینئر کی موجودہ نسل تک پہنچ کر چور راستوں تک پہنچ جائے۔ دنیا کی خطرناک تنظیمیں جب تک اس قلعے میں پہنچنے کے لیے وقت ضائع کرتی رہیں، کارتوس ضائع کرتی رہیں، اپنے منصوبے ضائع کرتی رہیں، اتنی دیر میں اس نے آمنہ کو قلعے کے اندر پہنچا دیا۔

خدایا، ذہانت کیا چیز ہے؟ تُو جسے ذہین بنا دے اُس کے سامنے دُنیا کے تمام علوم، دُنیا کے تمام ہُنر، دُنیا کی تمام صلاحیتیں، دُنیا کے تمام راز اور اس دُنیا سے لے کر کائنات کے ذرّے ذرّے پر ہر چیز اس خداداد ذہانت کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ٹیلی پیتھی کی صلاحیت مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے۔ اے میرے خالق و مالک، تُو نے انسانی ذہانت کو کیا سے کیا بنا دیا ہے۔

آمنہ ایک ہاتھ سے پارس کا ہاتھ پکڑ کر، دوسرے سے جوجو کو کھینچتے ہوئے لے جانے لگی۔ اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے اور مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے چور دروازے تک پہنچ گئی۔ وہ چور دروازہ ایک مخصوص میکنزم کے تحت کھلتا تھا۔ آمنہ نے اُسے کھولا، پھر وہاں سے گزار کر ایک سُرنگ سے لے جانے لگی۔

وہ سُرنگ اچھی خاصی چوڑی تھی بلکہ دائرہ نما تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ تینوں کسی ٹیوب کے اندر سے گزر رہے ہوں۔ اس ٹیوب کے دائیں بائیں کئی شاخیں نکلی ہوئی تھیں، کئی راہداریاں تھیں۔ اگر وہاں سے گزرنے والا کسی راہداری کے دائیں بائیں نکل جاتا تو ہمیشہ کے لیے اُلجھ کر رہ جاتا۔ چونکہ شیبا آمنہ کو گائیڈ کر رہی تھی، اس لیے وہ صحیح راستے سے گزرتی جا رہی تھی۔ ایسے ہی وقت اچانک آمنہ کو ٹھوکر لگی۔

وہ ٹھوکر نہیں تھی، کسی نے ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی تھی۔ وہ اوندھے منہ گری، اُس کے ہاتھ سے جوجو کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ پارس نے بھی ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ کوئی انجانا شخص جوجو کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے وہاں سے کھینچتا ہوا لیے جا رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے فرش پر پھسلتا ہوا گیا پھر اُس نے دونوں ٹانگوں کو اُس کی ٹانگوں میں پھنسا دیا۔ آگے بڑھنے والا اوندھے منہ گرا۔ جوجو اُس کے ہاتھ سے نکل گئی لیکن اور چار شخص آ گئے تھے۔ آمنہ اُن کے مقابلے پر ڈٹ گئی۔

وہ سب گونگے بنے ہوئے تھے۔ میں کوشش کرنے لگا کسی طرح اُن کے منہ سے آواز نکلے تو ایک آدھ کو میں ٹھکانے لگا دُوں۔ ویسے شیبا بھی آمنہ کے دماغ میں رہ کر ایسے ہی کسی موقع کا انتظار کر رہی ہوگی۔ آمنہ اتنے سلیقے اور ہُنر مندی سے لڑ رہی تھی کہ وہ چاروں جلد ہی محتاط ہو گئے۔ سنبھل سنبھل کر اُس پر حملہ کرنے لگے۔ اُن کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ حملہ کرنے سے زیادہ خود کو بچانے کی فکر میں مبتلا ہو گئے ہوں۔

موردکو نے آدھے گھنٹے بعد رابطہ قائم کرنے کے لیے کہا تھا، میں دیکھنا چاہتا تھا دونوں بچوں کے اغوا ہونے پر اُس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ میں نے اُس کے دماغ پر دستک دی۔ اُسی وقت اُس کے منہ پر ایک ٹھوکر لگی۔ یعنی دستک دے کر انتظار کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ انتظار کا دروازہ آپ ہی آپ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ ٹھوکر سونیا نے منہ پر ماری تھی۔ اس کی پہیوں دار کرسی پیچھے کی طرف سرکتی ہوئی چلی گئی تھی۔ پھر ایک دیوار سے جا کر ٹکرا گئی تھی۔

سونیا نے کہا ”موردکو! تمہیں بڑا ناز ہے کہ تم نہتے رہتے ہو۔ اس کے باوجود محفوظ رہتے ہو۔ بڑے سے بڑا مجرم تمہیں قتل کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیونکہ سب کی کمزوریاں تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔“

اُس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک وہیل چیئر کے ہتھے سے فائر ہوا۔ سونیا اُچھل کر ایک طرف چلی گئی۔ موردکو نے کہا ”میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ مجرموں کو یہی تاثر دیتا ہوں کہ مجھے کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ لیکن ایسے بھی سرکش مجرم ہوتے ہیں جو کسی کمزوری کی پروا نہیں کرتے۔ پھانسی کے تختے تک جانے سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگ کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں لہٰذا میں نے کچھ انتظامات کیے ہیں جو اب تمہارے کام آئیں گے۔“

اُس نے پھر فائر کیا، سونیا پھر بچ گئی۔ اُس نے پوچھا ”کب تک بچو گی؟ میں تمہیں اس کمرے سے نکلنے نہیں دُوں گا۔“

سونیا نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ جیسے فرار ہونا چاہتی ہو۔ اس نے کرسی کو دروازے کی طرف کرتے ہوئے دوسرے ہتھے سے فائر کیا لیکن دھوکا کھا گیا۔ یہ بھول گیا کہ سونیا کبھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگتی۔ بے شک اُس نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی تھی مگر آدھے راستے سے ہی یکبارگی اُچھل کر اُس کی طرف آئی تھی۔ اور اُس کے منہ پر فلائنگ کک مارتے ہوئے دوسری طرف چلی گئی

تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہیئوں دار کرسی سمیت وہ دوسری طرف اُلٹ گیا۔ وہ فضائی قلابازی کھاتی ہوئی واپس اُس کی طرف آئی، مُنہ پر دوسری ٹھوکر ماری۔ پھر اُس کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر دوسری طرف اُلٹ دیا۔ اس طرح اسے کرسی سے الگ کر دیا۔ اس کرسی کو سیدھا کر کے ایک لات ماری، وہ اُس سے دُور رینگتی ہوئی چلی گئی۔

وہ اپنا مُنہ سہلاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے کہا "لو، سب جتنے انتظامات کیے تھے، وہ تم سے دُور ہو گئے۔"

وہ کراہتے ہوئے بولا "تم کیا چاہتی ہو؟"

"اتنی دیر بعد خیال آیا کہ میں تم سے کچھ چاہنے آئی ہوں۔"

"دیکھو سونیا، میں جان پر کھیل جاؤں گا لیکن پارس اور جوجو کو یہاں سے لے جانے نہیں دُوں گا۔"

"کس زمانے کی باتیں کر رہے ہو؟ وہ تو چلے بھی گئے۔"

"نہیں"۔ اُس نے چیخ کر کہا۔ پھر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بھول گیا تھا کہ دونوں پاؤں سے معذور ہے۔ اُٹھتے اُٹھتے پھر گر پڑا۔ سونیا نے یکے بعد دیگرے کئی ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا "میں نے سوچا تھا، تمھارے جیسے معذور آدمی کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں مگر تم نے ہمارے بیٹے کو اغوا کر کے بہت بڑی غلطی کی، آج سے تمھاری ساکھ بگڑ جائے گی۔ وہ مجرم جو تم سے ڈرتے تھے، تمھیں حقارت سے دیکھا کریں گے۔ میں تمھیں جان سے نہیں ماروں گی۔ اس قلعے میں کتنی ہی خطرناک تنظیموں کے افراد داخل ہونے والے ہیں۔ وہ تمھارا عبرتناک انجام دیکھیں گے اور آئندہ ہمارے بیٹے کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

وہ اُسے ٹھوکریں مارتے ہوئے بولی "زندہ رہنا چاہتے ہو تو سُرنگ کے راستے میں جو تمہارے آدمی ہیں، انہیں حکم دو کہ پارس اور جوجو کا راستہ نہ روکیں اور اپنے دماغ کو کھلا رکھیں تاکہ معلوم ہو سکے، تم مکاری نہیں کر رہے ہو۔"

میں نے موروکو کی زبان سے کہا "سونیا! اس کا دماغ تو پہلے ہی کھُل گیا ہے۔ اتنی ٹھوکریں پڑی ہیں کہ یہ سانس نہیں روک سکے گا۔ جس کرسی کو تم نے دُور کیا ہے، اُس میں ایک مائک لگا ہوا ہے۔ اسی مائک کے ذریعے یہ سُرنگ والے پہرے داروں سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔"

میں موروکو کے خیالات پڑھتا جا رہا تھا اور سونیا کو بتاتا جا رہا تھا۔ اس کے مطابق اس نے کرسی کے ایک ایسے بٹن کو آف کر دیا جس کے ذریعے وہ فائرنگ کیا کرتا تھا۔ پھر اس نے کرسی کو قریب لا کر مائک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "چلو اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرو، دیر کرو گے تو لہولہان کرتی جاؤں گی۔"

میں پھر سُرنگ کے اندر جوجو کے پاس آ گیا۔ آمنہ نے ان چاروں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ پارس اور جوجو کو لے کر وہاں سے بھاگی جا رہی تھی۔ اچانک ہی کہیں سے فائرنگ کی آواز سُنائی دی۔ ایک شخص سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے پھر نشانہ لیا اور فائر کیا۔ اچانک پارس نے چھلانگ لگائی۔ جوجو کے سامنے آ کر اُسے دوسری طرف دھکیلنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ گولی اُسے لگی تھی۔ آمنہ ان کے ساتھ فرش پر گر پڑی تھی اور پارس کو سنبھال رہی تھی۔ اُس کا لباس لہو سے بھیگ رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ پانچ برس کا بچہ، گولی لگنے سے اس کی کیا حالت ہو گی، یہ خوب سمجھتی تھی۔ اس نے سینے سے لگا کر کہا "میرے بچے، ہمت سے کام لینا۔ میں ابھی ہسپتال پہنچاؤں گی۔"

اس وقت تک وہ ریوالور والا اُن کے سروں پر آ پہنچا تھا۔ وہ کچھ نہ کر سکا، اسی وقت خفیہ اسپیکروں کے ذریعے کانی موروکو کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے آدمیوں سے کہہ رہا تھا "اپنے ہتھیار استعمال نہ کرو، پارس اور جوجو ایک عورت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ان کا راستہ نہ روکو۔ یہ میرا حکم ہے، اس پر فوراً عمل کرو۔"

ریوالور والا پیچھے ہٹ گیا۔ آمنہ نے فوراً ہی پارس کو دونوں بازوؤں میں اُٹھایا، وہاں سے دوڑتی ہوئی جانے لگی۔ جوجو بھی آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور وہ کہتی جا رہی تھی "تم نے، تم نے مجھے بچانے کے لیے گولی کھائی۔ پارس تم نہیں مرو گے۔ میں دعا کروں گی۔ میں رو رو کر خدا سے کہوں گی کہ میری زندگی تمھیں دے دے۔"

میں نے سونیا کے پاس آ کر کہا "غضب ہو گیا۔ پارس کو گولی لگی ہے۔ فوراً یہاں سے جاؤ۔ آمنہ اکیلی ہے۔"

یہ سُن کر سونیا کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اسے پریشان دیکھا۔ جیسے وہ بچہ اس کا اپنا ہو۔ اس نے خود اسے جنم دیا ہو۔ اس سے درد کا گہرا رشتہ ہو۔ وہ ایک دم جھنجلا کر آئی اور پے در پے موروکو کو ٹھوکریں مارتے ہوئے بولی "کمینے، بدذات، اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں تجھے کُتے کی موت ماروں گی۔"

اس پہیئے دار کرسی کے ہتھے کے نیچے ایک چاقو چھپا ہوا تھا۔ سونیا نے اس چاقو کو نکال لیا اور اُس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی "میں کبھی ہتھیار استعمال نہیں کرتی لیکن اس حد تک کروں گی کہ تو سانس نہ روک سکے۔ بچے کو کچھ ہو گیا تو تیرے دماغ کو کھنڈر بنا دے گا۔"

وہ جنون میں مبتلا ہو گئی تھی۔ پے در پے چاقو سے حملے کر رہی تھی کہ وہ جان سے نہ جائے مگر بُری طرح زخمی ہو کر کچھ عرصے تک بے دست و پا رہے۔ میں جوجو کے پاس آ گیا۔ وہ سُرنگ سے نکل چکے تھے۔ آمنہ نے پارس کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ جوجو اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر وہ ڈرائیو کرتی ہوئی تیز رفتاری سے کسی قریبی اسپتال کی طرف جانے لگی۔ گولی پارس کے ایک بازو کو چھُوتی ہوئی گزر چکی تھی۔ خون بُری طرح بہتا جا رہا تھا۔ یہی تشویش کی بات تھی۔ خون کو کسی طرح روکنا تھا اور اس کے لیے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔

تنویمی عمل کے ذریعے پارس کے دماغ کو لاک کیا گیا تھا مگر اب کمزوری کے باعث میں دماغ میں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی تکلیف کو اس کے اندر رہ کر محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل ایسا دکھ رہا تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ زندگی میں پہلی بار پتا چلا، اولاد کا درد ہم جیسے فولاد کو بھی پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

وہ پہلے ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسپتال پہنچتے پہنچتے اس کی نبض ڈوبنے لگی۔ جوجو کے ذریعے میں نے اسپتال کے تمام اہم ڈاکٹروں کو پارس کے پاس آنے پر مجبور کر دیا۔ شیبا بھی یہی کر رہی تھی۔ ڈاکٹر اس کی حالت دیکھ کر مایوس ہو رہے تھے۔ پھر بھی اُسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ سب سے پہلے اس کا خون بند کرنے اور آکسیجن پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ پھر کہا گیا، اسے مزید خون کی ضرورت ہو گی۔ ویسے اس کے لیے خون کی کمی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اور شیبا ان ڈاکٹروں کے دماغ میں جم کر بیٹھ گئے تھے جو پارس کو خاص طور پر اٹینڈ کر رہا تھا۔ ہمیں دُشمن کی طرف سے خطرہ تھا، وہ ڈاکٹر کے ذریعے ہمارے بچے کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔

بعد میں پتا چلا، شاریہ اسی کوشش میں تھا۔ وہ جوجو سے کہہ رہا تھا "دیکھو بہن! بہ اچھا موقع ہے۔ دشمن کو اس سے بڑی سزا نہیں ملے گی۔ پارس کی ناک سے گیس سلنڈر کی نلکی نکال لو۔"

وہ کمرے کے باہر تھی۔ کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔ وہ بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اسے آکسیجن پہنچائی جا رہی تھی۔ خون بند ہو چکا تھا مگر ابھی وہ خطرے سے باہر نہیں تھا۔

وہ بھائی کی باتیں سُن کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے پر آئی۔ پھر دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوئی۔ وہاں سونیا اور آمنہ کھڑی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر پارس کی نبض محسوس کر رہا تھا۔ جوجو وہاں پہنچتے ہی سونیا کو دیکھ کر دونوں مُٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی "تم مجھے دشمن کیوں نہیں سمجھتی ہو؟ میں دشمنوں کی بہن ہوں۔ میرے دماغ میں کہا جا رہا ہے کہ میں اس کی ناک سے نلکی نکال لوں۔"

یہ کہتے ہی وہ دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپ کر رونے لگی "سونیا! مجھے فوراً گولی مار دو۔ نہیں تو بھائی میرے دماغ پر قبضہ کر کے مجھ سے ایسا کام لیں گے جس کے بعد میں زندہ نہیں رہوں گی۔ پارس کے ساتھ جان دے دُوں گی۔"

سونیا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پھر تھپک کر بولی۔ "تم بہت پیاری ہو، ہماری گڑیا ہو۔ روتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں، ہنستی رہا کرو۔"

ڈاکٹر نے کہا "اگر بچے کو دشمنوں سے خطرہ ہے تو کسی ایک کو کمرے میں رہنا چاہیے۔ پلیز یہاں باتیں نہ کریں۔"

آمنہ ڈاکٹر کے ساتھ باہر جانے لگی۔ سونیا نے کہا "جانتی ہو، ہم تمھیں کتنا چاہتے ہیں اور تم پر کتنا اعتماد کرتے ہیں؟ اتنا کہ تم پارس کے پاس تنہا رہو گی۔"

یہ کہہ کر اس نے جوجو کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر چلی گئی۔ وہ حیران حیران سی کھڑی تھی۔ آج اُس کی سمجھ میں آ رہا تھا، جنہیں دشمن سمجھتی رہی، وہ دشمن نہیں ہیں اور جنہیں دوست سمجھتی رہی، وہ اسے خواہ مخواہ دشمنی سکھاتے رہے۔

میں اور شیبا اپنی اپنی جگہ محتاط تھے۔ شاریہ کا باپ بھی میرے بیٹے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ صاف شفاف بستر پر پارس آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر جوجو کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ سوچنے لگی "اس نے مجھے بچا لیا اور خود موت سے لڑ رہا ہے۔ اس نے مجھے کیوں بچایا؟"

وہ ایک ٹک پارس کو دیکھتے ہوئے بستر کے پائنتی آئی۔ پھر فرش پر گھٹنے ٹیک دیے۔ دونوں ہاتھوں سے پارس کے پاؤں کو تھام لیا۔ پھر زیرِ لب بولی "تم میرے کون ہو؟"

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں "تم میرے کوئی نہیں ہو۔ میں نے تمھارے اُوپر سے کمبل کھینچ لیا تھا۔ میں بہت حقیر ہوں۔ بہت چھوٹی ہوں۔"

وہ پارس کو دیکھتے ہوئے بولی "تم کتنے قدآور لگ رہے ہو۔ مجھ سے بہت اونچے ہو۔ آج معلوم ہوا مردانگی قد سے نہیں، حوصلوں سے ہوتی ہے۔"

آہ! میں نہیں جانتی، تمھاری کتنی سانسیں رہ گئی ہیں۔ میں تمھاری لمبی عمر کی دُعا مانگتی ہوں۔ میں پورے ہوش و حواس میں رہ کر یہ عہد کرتی ہوں، تم زندگی کی طرف لوٹ آؤ گے تو صرف تم سے دوستی کروں گی اور مرتے دم تک اپنا بدن کسی کو چھُونے نہیں دُوں گی۔

میں تم سے نو برس بڑی ہوں۔ کوئی بات نہیں، نو برس کے بعد تم میرے سامنے پہاڑ بن جاؤ گے۔

میرے مرد! میں قسم کھاتی ہوں، میں تمھاری سربلندی کا انتظار کروں گی اور محبت کی ایک نئی مثال قائم کروں گی۔"

خطرہ ٹل گیا، پارس نے آنکھیں کھول دیں۔

اب نئے خطرات ہمارا محاصرہ کر رہے تھے۔ شاریہ نے دیکھا کہ اپنی بہن جوجو کو آلۂ کار نہیں بنا سکے گا تو وہ دوسری چالیں چلنے لگا۔ اسرائیلی تنظیم کے افراد اس کے حکم کے مطابق قلعے میں داخل ہونے والے تھے۔ اس نے اسرائیلی تنظیم کے سربراہ سے کہا "اب قلعے میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، جوجو اور پارس ڈی کے اسپتال میں ہیں۔ فوراً اسپتال کا محاصرہ کرلو۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گا، اسپتال کے اندر کی باتیں بتاتا رہوں گا۔ موقع پاتے ہی ان دونوں کو وہاں سے اغوا کرسکتے ہو۔"

دوسری تنظیموں کے افراد ابھی اس بات سے بے خبر تھے۔ وہ قلعے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہاں پہنچنے کے بعد انھیں بھی اس حقیقت کا علم ہونا ہی تھا کہ جن کے لیے جان کی بازی لگا کر قلعے میں داخل ہوئے ہیں، انھیں پہلے ہی اغوا کرلیا گیا ہے۔ شاید یہ بھی معلوم ہوجائے کہ پارس اور جوجو اسپتال میں مل سکتے ہیں۔

شاریہ کی یہی کوشش تھی کہ دوسری کسی تنظیم کے وہاں پہنچنے تک پارس اور جوجو ہاتھ آجائیں اور یہ اتنا آسان نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک تو ٹیلی پیتھی جاننے والے پارس کی حفاظت کر رہے تھے، دوسرے سونیا اور آمنہ بنفسِ نفیس موجود تھیں۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی تھیں۔ کسی نرس یا ڈاکٹر کو کمرے میں اس وقت جانے کی اجازت دیتی تھیں جب ان کے خیالات پڑھ کر اطمینان ہوجاتا تھا۔

پارس پہلے زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا۔ اب... خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے، وہ خطرے سے نکل آیا تھا۔ اس دوران ایسے کئی مواقع آئے جب میں اور شیبا ایک دوسرے سے مخاطب ہوسکتے تھے لیکن ہم انجان بنے رہے۔ ویسے یہ بھید کھُل گیا کہ شیبا ترکی میں ہے اور شاید استنبول میں ہی ہے کیوں کہ آمنہ نظروں میں آگئی تھی۔

سونیا نے کہا "شیبا! تم پارس کی فکر نہ کرو۔ فرہاد وہاں موجود رہیں گے۔ میں تمھیں گائیڈ کرتی ہوں۔ تم قانونی اداروں سے امداد حاصل کرو تاکہ پولیس فورس بھی یہاں موجود رہے، کوئی دشمن کمرے تک آنے کی جرأت نہ کرسکے اور نہ اسپتال میں ہتھیار استعمال کرسکے۔"

ہم نے آج تک کسی بھی ملک میں رہ کر پولیس والوں کی امداد حاصل نہیں کی تھی لیکن پارس اور جوجو کی سلامتی کے لیے یہ ضروری ہوگیا تھا۔ پھر یہ کہ ہم حق بجانب تھے۔ شیبا کہیں بھی خیال خوانی کے ذریعے کسی کے دماغ میں جاتی تو میرے ہی لب و لہجے میں بولتی تھی۔ وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ذمے دار افراد سے رابطہ قائم کررہی تھی اور فرہاد کی حیثیت سے کہہ رہی تھی "ڈی کے اسپتال میں میرا بیٹا زیرِ علاج ہے، دشمن اسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اسپتال میں ہنگامے کریں گے، ہتھیار استعمال کریں گے۔ تخریبی کارروائیاں ہوں گی۔ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ وہاں حفاظتی انتظامات کریں۔ ایک لمحے کی دیر اس اسپتال کو کھنڈر بنا سکتی ہے۔"

سونیا کی یہ حکمتِ عملی کام آئی۔ ایسے وقت جب کہ اسرائیلی خفیہ تنظیم کے افراد اس اسپتال کو چاروں طرف سے گھیر رہے تھے، وہاں کی پولیس پارٹی بھی ہتھیاروں سے لیس ہو کر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ پولیس کا افسر سونیا سے گفتگو کر رہا تھا۔ سونیا اسے بتا رہی تھی "اسپتال کے باہر ایسے تخریب کار موجود ہیں جنھوں نے اپنے لباس میں اسلحہ چھپا رکھا ہے۔ فی الحال مریضوں کی عیادت کو آنے والوں پر پابندی لگا دی جائے اور انھیں اسپتال سے دور ہی رکھا جائے۔"

اسی وقت شاریہ نے آرمر کے لہجے میں پولیس افسر سے کہا "یہ عورت آپ لوگوں کا قیمتی وقت ضائع کر رہی ہے۔ باہر ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس کے پاس ہتھیار ہو۔ اس اسپتال میں کچھ نہیں ہوگا۔"

افسر نے کہا "مادام! میرے دماغ میں کوئی یقین دلا رہا ہے کہ آپ ہمارا وقت ضائع کر رہی ہیں۔"

"وہ ہمارا دشمن ہے، وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ اسرائیلی خفیہ تنظیم سے اس کا تعلق ہے۔ اس وقت اسپتال کے باہر اسی تنظیم کے افراد موجود ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں یقین دلا سکتی ہوں، انھیں فائرنگ پر مجبور کرسکتی ہوں لیکن یہاں بہت سے کمزور دل کے مریض ہیں۔ آپ فائرنگ کا انجام سمجھ ہی سکتے ہیں۔"

ڈاکٹروں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر فیصلہ کیا کہ مریضوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ سونیا نے کہا "یہ اقدامات مناسب ہیں۔ انھیں دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ رہ گیا ہمارا بیٹا تو اس کی ہمیں پروا نہیں ہے۔ ہم تو اب تک دوسرے مریضوں کا خیال کر رہے ہیں۔"

شاریہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ اس نے پولیس افسر کو دھمکی دی "یہاں سے ایک بھی مریض منتقل نہیں ہوگا۔ سب یہاں رہیں گے۔ میری شرط پوری کردو، پارس اور جوجو کو میرے حوالے کردو۔ پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور یہ اسپتال کھنڈر نہیں بنے گا۔ ورنہ تمھارے جیسی دس پولیس پارٹیاں بھی یہاں ہونے والی تخریبی کارروائیوں کو نہیں روک سکیں گی۔"

شیبا نے میرے لہجے میں کہا "شاریہ! کیا تم کو اپنی بہن جوجو کا خیال نہیں ہے؟ کیا وہ فائرنگ کی زد میں نہیں آئے گی؟"

"مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ وہ تم لوگوں میں رہ کر میری بات ماننے سے انکار کرتی ہے۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ وہ میری بہن ہے اور میں اسے اولاد کی طرح چاہتا ہوں۔ میں اسے یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کروں گا۔"

جب اسپتال کے وارڈ بوائے پہلے مریض کو باہر لے جانے لگے تو اس سے پہلے ہی کسی نے کہیں سے فائرنگ کی۔ شاریہ نے پولیس افسر کے دماغ میں پہنچ کر کہا "یہ پہلی وارننگ ہے۔ اس کے بعد جو بھی مریض باہر جائے گا، اس کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جاسکے گی۔"

پولیس افسر نے پریشان ہو کر شاریہ کی یہ بات ڈاکٹروں کو سنائی۔ ایک ڈاکٹر نے غصے سے کہا "یہ ظلم ہے، مریضوں پر حملہ کرنا بدترین درندگی ہے۔"

شاریہ نے افسر کی زبان سے ہنستے ہوئے کہا "درندگی کبھی بہترین نہیں ہوتی۔"

مجھے اچھی طرح علم نہیں تھا کہ کمرے کے باہر کیا مذاکرات ہو رہے ہیں اور شاریہ کس طرح چیلنج کر رہا ہے۔ پھر میں وقفے وقفے سے کبھی سونیا کے پاس اور کبھی پولیس افسر کے دماغ میں جانے لگا تاکہ باہر کے حالات معلوم کرسکوں۔ کمرے کے اندر جوجو اور پارس تنہا تھے۔ جوجو نے پلنگ کے سرے پر بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور کہہ رہی تھی۔ "میں زندگی میں کبھی نہیں روئی، میرے بھائی مجھے رونے کا موقع ہی نہیں دیتے مگر تم نے رُلا دیا۔"

پارس نے بڑی نقاہت سے مسکراتے ہوئے کہا "میں تمھیں کلی کی طرح مسکراتے اور پھول کی طرح ہنستے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میری وجہ سے تم رو رہی ہو تو مجھے افسوس ہے۔"

"اب تو میں ہنسنے لگی ہوں۔ تم اچھے ہوگئے ہو۔ بائی دی وے، تم اتنی شاعرانہ گفتگو کیسے کرلیتے ہو؟ کیا میں سچ مچ اچھی لگتی ہوں؟"

"میں نے اتنی سی عمر میں جو حسین صورت دیکھی، وہ تمھاری ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ تمھاری جیسی اور کوئی نہیں ہوگی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"میرے باپ کی زندگی میں بھی صرف ایک عورت ایسی آئی جس کے بعد ویسی کوئی دوسری نہ ہوسکی۔ وہ میرے پاپا کی پہلی محبت ہے اور آخری محبت بھی وہی ہوگی۔ اس سے میں نے سمجھا کہ مرد کی زندگی میں صرف ایک ہی عورت آتی ہے، باقی جتنی بھی آتی ہیں وہ آتی جاتی رہتی ہیں۔"

"وہ کون ہے پارس؟"

"وہ بند دروازے کے باہر کھڑی ہے اور جب تک وہ وہاں کھڑی رہے گی، موت کسی بھی بہانے کمرے کے اندر نہیں آسکے گی۔"

دروازہ کھُلا۔ ایک نرس ٹرے میں سُوپ لے کر آئی تھی۔ اس نے جوجو سے کہا "بے بی! یہ سُوپ بابا کو پلا دو۔"

جوجو نے اسے گھور کر دیکھا اور اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ تھوڑی دیر تک اسے ٹٹولتی رہی۔ نرس نے گھبرا کر پوچھا "تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔ اسے یہاں رکھ دو۔ میں نے اطمینان کرلیا ہے، اس میں ملاوٹ نہیں ہے۔"

وہ سُوپ رکھ کر چلی گئی۔ جوجو نے پارس پر جھکتے ہوئے پوچھا "کیا میں تمھیں سہارا دے کر اٹھاؤں؟"

وہ مسکرا کر بولا "تم سہارا دو گی تو میں آسمان تک پہنچ جاؤں گا۔ ویسے مجھ میں اتنی توانائی ہے کہ خود اُٹھ کر بیٹھ سکوں۔"

وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر نیم دراز ہوگیا۔ جوجو نے اس پر ایک نیپکن رکھا، پھر سُوپ کا پیالہ اٹھا کر ایک ایک چمچ پلانے لگی۔ پارس نے پوچھا "کیا تم اندازہ کرسکتی ہو کہ باہر خطرات منڈلا رہے ہیں؟"

"میرے اندر ایک بے چینی اور گھبراہٹ سی ہے، مگر تمھارے پاس رہ کر یقین ہوتا ہے، مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ تم پھر میرے لیے ڈھال بن جاؤ گے۔ خدا کے لیے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ نہیں تو میں روتے روتے مر جاؤں گی۔"

میں ان کی باتیں سُن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ جب ہمارے بچے کلی کی طرح مسکراتے ہیں اور پھول کی طرح ہنستے ہیں تو یہ دنیا کتنی خوب صورت ہوجاتی ہے۔ ہم ان معصوم بچوں کی زندگی میں تخریب کاری اور دہشت گردی کا زہر کیوں گھولتے ہیں؟ ہم کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ دنیا صرف بارود کا ڈھیر بن جائے؟ کیا معصومیت ہمیشہ کے لیے نابود ہوجائے؟ اور جن کے ہاتھوں میں دنیا کی تمام دولت ہے، دنیا کی تمام طاقت ہے، دنیا کے تمام ذرائع ہیں، کیا صرف وہی زندہ رہیں، باقی سب مر جائیں؟

اپنے بچوں کو ہنستے بولتے اور پیار بھری باتیں کرتے دیکھ کر دل چاہتا ہے، اس دنیا سے نفرت، برائی اور جرائم کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ٹیلی پیتھی کی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتے ہوئے بھی ہم کتنے ہی ٹیلی پیتھی جاننے والے لوگ جرائم کو ختم نہیں کرسکتے۔ یہ اتنی بڑی شیطانی قوت ہے جو خداوند کریم کے حکم پر سجدے سے انکار کرتی ہے، پھر ٹیلی پیتھی کے سامنے کیا جھکے گی۔

میں کبھی پارس اور جوجو کے پاس ہوتا تھا، کبھی کمرے سے باہر پولیس افسر کے دماغ میں پہنچتا تھا یا سونیا کے ذریعے ان کے ارادوں کو سمجھتا تھا۔ شار پر کسی سمجھوتے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ وہ بضد تھا کہ رہا تھا۔ دس منٹ کے اندر پارس اور جوجو کو اس کے حوالے نہ کیا گیا تو یہاں زبردست فائرنگ ہوگی اور دھماکے بھی ہوسکتے ہیں۔

وہ ہماری ایک عادت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ایسے موقع پر اس عادت کو حماقت بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں اور میری ساتھی عورتیں اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھتی تھیں۔ اس وقت سونیا، آمنہ نہتی تھیں۔ شار پر کے لیے ایک مشکل یہ تھی کہ وہ پولیس افسر کے دماغ کو پوری طرح ٹریپ نہیں کرسکتا تھا کیوں کہ شیبا اس کے دماغ پر مستقل قبضہ جمائے ہوئے تھی۔ اس قبضے کو میں بار بار پہنچ کر مستحکم کرتا رہتا تھا۔ یوں پولیس افسر نے اسپتال کے اندر رہ کر نیچے اور اوپر کی منزلوں تک جو مورچا بندی کی تھی، شار پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ اسرائیلی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے فائرنگ کرتے رہیں، دھماکے کرتے رہیں اور کسی نہ کسی طرح اسپتال میں داخل ہو کر پارس اور جوجو تک پہنچ جائیں۔

ایسے وقت میں نے ماسک مین کو مخاطب کیا اور کہا "تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بیٹے کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لہٰذا میں تمھیں بیٹے تک پہنچا رہا ہوں۔ استنبول کے باس سے فوراً رابطہ قائم کرو اور اس سے کہو، ڈی کے اسپتال میں پارس زخمی پڑا ہے، اس کے ساتھ جوجو بھی ہے۔ شار پر نے اسرائیلی خفیہ تنظیم کے ذریعے اس اسپتال کا محاصرہ کیا ہے۔ تمھارے آدمی وہاں پہنچ کر محاصرہ توڑ سکتے ہیں۔"

"میں ابھی آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں، میری پوری کوشش یہی ہوگی کہ آپ کے بیٹے کو نقصان نہ پہنچے۔"

ترکی کی حکومت ریڈ پاور اور سپر ماسٹر دونوں سے تعلق رکھتی تھی۔ اپنی خارجہ پالیسی اس طرح بنا رکھی تھی کہ جس طرف ضرورت ہوتی اُس طرف جھک جاتی تھی۔ میں نے ماسک مین سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ اس کے ذریعے محاصرہ توڑنے والا تھا۔ سپر ماسٹر سے رابطہ قائم نہیں کرسکتا تھا۔ ابھی وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ میں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ویسے یقین تھا کہ وہ اپنے تمام اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے پارس تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور یہی ہوا۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے کئی اعلیٰ افسران سپر ماسٹر کے احسان مند تھے لہٰذا جو پولیس آفیسر اپنے مسلح سپاہیوں کے ساتھ اسپتال میں مورچا بنائے ہوئے تھا، وہ بھی سپر ماسٹر کا وفادار تھا اور وہ کسی بھی لمحے سپر ماسٹر کی تنظیم کے خطرناک افراد کو اسپتال تک پہنچنے کا موقع دے سکتا تھا۔

یوں دیکھا جائے تو ہمارا نقصان تھا۔ سپر ماسٹر کے افراد کو یہاں نہیں پہنچنا چاہیے تھا لیکن موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر انھیں اسرائیلی خفیہ تنظیم کا محاصرہ توڑنا چاہیے تھا۔ جب ماسک مین کی پارٹی وہاں پہنچتی تو سپر ماسٹر کے آدمیوں کا ٹکراؤ ان سے ہوتا۔ اس طرح وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہ جاتے اور ہم اپنا کام نکالنے کی کوشش کرتے۔ لہٰذا ہم اسی موقع کی تلاش میں تھے۔

شار پر نے دس منٹ کی مہلت دی تھی۔ اس کے بعد ہی فائرنگ شروع ہوگئی۔ اسپتال کے اندر مورچا بنانے والے سپاہیوں نے بھی جوابی فائرنگ کی۔ جتنے ڈاکٹر وہاں موجود تھے، وہ کمزور دل کے مریضوں کو توجہ سے اٹینڈ کر رہے تھے۔ سینئر نرسیں بھی ہر مریض کے پاس دوڑتی بھاگتی جا رہی تھیں اور انھیں تسلیاں دیتی جا رہی تھیں۔

یہ فائرنگ چند منٹ تک جاری رہی، پھر اس کا رُخ دوسری طرف بدل گیا کیونکہ اسپتال کو چاروں طرف سے گھیرنے کے لیے ماسک مین کی ٹیم آگئی تھی۔ اب اسرائیلی خفیہ تنظیم کے افراد کبھی اسپتال کی طرف اور کبھی پیچھے سے آنے والوں کی طرف فائرنگ کر رہے تھے۔ شار پر ان حالات میں اسرائیلی خفیہ تنظیم والوں کے پاس موجود تھا۔ ایسے ہی وقت ٹرانسمیٹر کے ذریعے پولیس افسر کو اشارہ موصول ہوا۔ اس نے ٹرانسمیٹر آن کر کے کوڈ ورڈز دہرائے، اس کے اعلیٰ افسر نے کہا "سپر ماسٹر کے اہم افراد ہیلی کاپٹر کے ذریعے اسپتال کی چھت پر اترنے والے ہیں۔ ان کے لیے راستہ صاف رکھو تاکہ پارس اور جوجو کو وہاں سے اٹھا لیا جائے۔ اس کے بعد ہنگامے خود ہی ختم ہو جائیں گے۔"

میں نے افسر کی زبان سے پوچھا "مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ چھت پر اُترنے والا ہیلی کاپٹر سپر ماسٹر کا ہے۔ مجھے ان کے کسی آدمی سے متعارف ہونا چاہیے۔"

جواب ملا "جیسے ہی ہیلی کاپٹر کی آواز سنو فوراً چھت پر چلے جاؤ، وہاں تعارف حاصل ہو جائے گا۔"

میں نے یہ باتیں سونیا کو بتائیں۔ سونیا نے کہا "میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ سپر ماسٹر کے خفیہ آدمی ہیلی کاپٹر کے ذریعے آئیں اور پولیس آفیسر سے تعارف حاصل کریں تاکہ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے ان آدمیوں تک پہنچ جائیں۔ نیا سپر ماسٹر اتنا احمق تو نہیں ہوسکتا۔"

"تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"آمنہ اس کمرے کے سامنے رہے گی اور میں چھت کی طرف جاؤں گی۔"

تھوڑے تھوڑے وقفے سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ پھر شار پر نے چیلنج کیا "اگر دس منٹ کے اندر ہمارے آدمیوں کو اسپتال میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی تو ہینڈ گرنیڈ پھینکے جائیں گے۔ اس طرح اسپتال کی عمارت تباہ ہوگی، کوئی مریض زندہ نہیں بچے گا۔"

اس چیلنج کے دوران ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ پولیس آفیسر وہاں سے دوڑتا ہوا سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت کی طرف جانے لگا۔ شیبا بدستور اس کے دماغ پر قابض تھی۔ جب وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا، تب سونیا نے کہا "آمنہ یہاں محتاط رہنا، میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جانے لگی۔ چوں کہ اس کے دماغ میں شیبا بھی موجود رہتی تھی، اس لیے وہ یہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ ابھی اس کے دماغ میں شیبا ہے یا فرہاد۔ اس نے پوچھا "کیا تم موجود ہو؟"

"میں فرہاد موجود ہوں۔"

"تم میرے پاس آتے جاتے رہو اور پارس اور جوجو کو کسی وقت بھی ایکشن کے لیے آمادہ رکھو۔"

ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ چھت کی طرف آرہا تھا۔ میگا فون کے ذریعے اسرائیلی خفیہ تنظیم کا ایک جاسوس چیلنج کر رہا تھا "ہم وارننگ دے رہے ہیں، ہیلی کاپٹر کو چھت پر نہ اُترنے دیا جائے ورنہ ہم بم کے دھماکے کریں گے۔"

میں پچھلی رات اسرائیلی تنظیم کے دو اہم سراغرسانوں کے دماغوں تک پہنچ چکا تھا۔ اگرچہ میری موجودگی جوجو اور پارس کے پاس لازمی تھی، اس کے باوجود میں ان کے دماغوں تک پہنچنے لگا کیوں کہ ان کی طرف سے ہونے والے دھماکے پورے اسپتال کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

دوسری طرف ریڈ پاور کا باس شاکر اور اس کا اہم ماتحت ڈینی بھی میری خیال خوانی کی مٹھی میں تھے۔ میں نے ڈینی کے پاس پہنچ کر دیکھا، وہ ان کے عقب میں محاذ بنائے ہوئے تھا۔ میں نے ڈینی کا رُخ اُدھر کیا جدھر چیلنج کیا گیا تھا۔ میں نے اسے تیار کیا تاکہ بم کے دھماکے ہونے سے پہلے ہی فائرنگ شروع کر دی جائے۔ چند لمحوں کے بعد یہی ہوا۔ ڈینی اور اس کے آدمیوں نے اُدھر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں دشمنوں کو چھت کی طرف ہینڈ گرنیڈ پھینکنے کا موقع نہیں ملا اور ہیلی کاپٹر بخیریت وہاں سے اُتر گیا۔

پولیس آفیسر چھت پر پہنچ چکا تھا۔ سونیا بھی قریب ہی تھی مگر زینے کے ایک حصّے میں چھپی ہوئی دیکھ رہی تھی ...... گردش کرتا ہوا پنکھا آہستہ آہستہ تھم رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا سلائیڈنگ دروازہ ایک طرف کھسکتا ہوا کھل گیا تھا۔ وہاں سے دو مسلح افراد نیچے اُتر رہے تھے۔ پولیس آفیسر نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا "مجھے ..."

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی نکلی پھر اسے ہمیشہ کے لیے چاٹ گئی۔ آنے والوں میں سے ایک نے سائلنسر لگے ہوئے ریوالور کو اپنی بیلٹ میں اُڑس لیا۔ وہ دونوں محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے ہیلی کاپٹر کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں سے اور چار آدمی نیچے اُتر کر آنے لگے۔

سونیا دبے قدموں زینے سے اُتر کر نیچے آئی، ایک سپاہی سے کہا "تمھارے افسر کا ریوالور بے کار ہوگیا ہے، وہ تم سے رائفل مانگ رہا ہے۔"

وہ انکار کرسکتا تھا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ اس نے چپ چاپ رائفل اور کارتوس اس کے حوالے کر دیے۔ وہ تیزی سے زینے پر چڑھتے ہوئے اوپر جانے لگی۔ آدھے زینے پر پتا چلا، وہ لوگ اوپر سے نیچے آرہے ہیں۔ اس نے کہا "فرہاد، ہوشیار رہنا۔ ان میں سے کسی نہ کسی کے حلق سے آواز نکلے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے فائرنگ شروع کر دی۔ دوسری طرف سے بھی جوابی فائرنگ ہو رہی تھی۔ سونیا کی کوشش یہ تھی کہ اس کی گولی کسی کو ہلاک نہ کرے، زخمی کرے اور ایسا ہی ہوا۔ زخمی ہونے والا زندہ رہتا ہے لیکن تکلیف برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے وہ تکلیف کی شدت سے چیخنے چلانے اور بڑبڑانے لگا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں نے اس کے ذریعے ایک قریبی آدمی پر جان بوجھ کر فائرنگ کی ناکام کوشش کی۔ وہ غصّے سے جھنجلا کر بولا "کیا تمھارا دماغ خراب ہوگیا ہے، مجھ پر گولی چلا رہے ہو؟" وہ جھنجلاہٹ میں یہ خیال نہ رکھ سکا کہ اپنی آواز سنا رہا ہے۔ اسے اطمینان تھا کہ آس پاس کوئی سننے والا نہیں ہے۔

وہ اسپتال کے اندر پہنچنے کے لیے زینے کے نچلے حصّے میں فائرنگ کر رہے تھے۔ ان میں سے کوئی اپنے ہی ساتھی پر فائر کر دیتا تھا جس سے اندازہ ہوگیا کہ وہ سب ٹیلی پیتھی کی زد میں آگئے ہیں۔ اس طرح ان پر اور زیادہ بوکھلاہٹ طاری ہوگئی۔

اسپتال کے اندر پے در پے فائرنگ کی آواز سن کر شار پر وہاں پہنچا مگر اسے دیر ہوچکی تھی۔ میں نے ہیلی کاپٹر سے

آنے والے آخری آدمی کو بھی ختم کر دیا تھا۔ پھر میں نے آمنہ کے پاس پہنچ کر کہا: "پارس کو اُٹھا کر چھت پر لے جاؤ۔ میں جوجو کے دماغ پر قابض رہوں گا۔"

یہی بات میں نے سونیا کو بتائی۔ اس نے کہا: "میں یہاں سے ہیلی کاپٹر لے جاؤں گی۔ تم جوجو کے پاس رہو۔"

میں دوسرے ہی لمحے جوجو کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ شاریہ بہن کو اپنی محبت کا واسطہ دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا: "اس وقت میرے کام آجاؤ، ہم دشمنوں کو شکست دیں گے۔ یہ دشمن تمھیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔"

میں نے جوجو کی آنکھیں بند کر دیں تاکہ اس کے ذریعے شاریہ یہ نہ دیکھ سکے کہ آمنہ، پارس کو اٹھا کر لے جا رہی ہے۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ لیکن اسے بستر کی طرف دیکھنے نہیں دیا۔ دروازے کی طرف چلاتا ہوا لے گیا۔ شاریہ پوچھ رہا تھا: "جوجو! مجھے بتاؤ تم کہاں جا رہی ہو؟ جوجو! میری بہن! میں تمھارا بھائی شاریہ بول رہا ہوں۔"

وہ ایسا کہنے کے دوران اس کے سر کو ادھر اُدھر گھما کر اس کمرے کو اور بستر کو دیکھنا چاہتا تھا مگر میں نے موقع نہیں دیا۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ باہر سونیا کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے کہا: "اسے سنبھالو۔"

اس نے یکبارگی جوجو کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ اسے اپنے کاندھے پر لادا۔ پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی، زینے پر چڑھتی ہوئی چھت کی طرف جانے لگی۔ میں بدستور جوجو کے دماغ میں تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ شاریہ یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ سونیا اسے کہاں لے جا رہی ہے؟

وہ بُری طرح اُلجھ گیا تھا۔ اِدھر جوجو کے ذریعے کچھ معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ اُدھر اسرائیلی خفیہ تنظیم کے افراد دو طرفہ فائرنگ میں گھر گئے تھے۔ اسپتال کے اندر سے پولیس والے فائرنگ کر رہے تھے اور ان کے عقب سے ریڈ پاؤر والے گولیوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ ان حالات میں شاریہ کچھ دیر کے لیے غائب ہو گیا۔ نہ وہ سونیا کے پاس آ رہا تھا، نہ میرے پاس، نہ جوجو کے پاس نہ آمنہ کے پاس اور نہ ہی پارس کے دماغ میں پہنچ رہا تھا۔ میں نے سونیا سے کہا: "وہ تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گیا ہے۔"

"یقیناً اس نے سمجھ لیا ہے کہ ہیلی کاپٹر پر ہمارا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہم جوجو اور پارس کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ وہ اسرائیلی خفیہ تنظیم یا دوسرے ذرائع سے ہمارا تعاقب کرے گا۔"

"تم میرے دماغ سے جاؤ۔ جوجو کے پاس رہنا مگر میرے دماغ میں نہ آنا۔ میں خفیہ لائن آف ایکشن پر کام کر رہی ہوں۔"

میں جوجو کے پاس آ گیا۔ اتنا سمجھ گیا تھا کہ وہ پارس اور جوجو کو راستے ہی میں دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کرے گی۔ چوں کہ وہ شیبا کی مصروفیات کو مجھ سے راز رکھنا چاہتی تھی! اس لیے مجھے دماغ سے جانے کے لیے کہا تھا۔

ہیلی کاپٹر چھت سے بلند ہوتا ہوا پرواز کرتا ہوا جانے لگا۔ دشمن ہیلی کاپٹر کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ دو طرفہ فائرنگ میں گھرے ہوئے تھے۔ سونیا نے خفیہ طریقے سے شیبا کو بتا دیا تھا کہ وہ ہیلی کاپٹر کہاں اتارنے والی ہے۔ وہ وہاں اپنی کار میں موجود تھی۔ ہیلی کاپٹر وہیں اُترا۔ آمنہ نے پارس کو اپنے شانے پر لاد لیا۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی کار کی طرف جانے لگی۔ شیبا نے پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔ آمنہ نے پارس کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ جوجو اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر آمنہ اسٹیرنگ سیٹ کے پاس شیبا کے قریب آگئی۔ اس کے بعد وہ کار اسٹارٹ ہو کر جانے لگی۔ سونیا نے ہیلی کاپٹر کو زمین سے بلند کیا۔ اب وہ پرواز کرتے ہوئے کسی دوسری جگہ جا کر دوسرے ہیلی کاپٹر میں آنے والے دشمنوں کو بھٹکانے والی تھی۔

میں جوجو کے دماغ میں تھا اور شاید شیبا اس بات کو سمجھتی تھی۔ ہمارے درمیان اجنبیت کی ایک عجیب سی دیوار کھڑی ہوئی تھی۔ سونیا نے مجھے منع کیا تھا کہ میں شیبا کو کبھی مخاطب نہ کروں۔ اسے موقع دوں کہ وہ بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دیتی رہے۔ اس کے بعد وہ فخر سے خود تمھیں مخاطب کرے لہٰذا میں خاموش تھا۔ اس کے قریب رہتے ہوئے بھی اسے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔

***

فوجی افسران کے خفیہ اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ صبح پانچ بجے قیدی پارس کو فوجی بیرک سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا۔ یہ بات مجھے رات دو بجے معلوم ہوئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا، اب تین گھنٹے کے لیے نہیں سوؤں گا۔ پانچ بجے سے پہلے پارس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اتنا وقت گزارنے کے لیے میں پارس اوّل اور جوجو کے پاس چلا گیا تھا۔

ان دونوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ میں بیان کر چکا ہوں لیکن معاملات پیچیدہ تھے۔ پارس بُری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس لیے میں قیدی پارس کی طرف دھیان نہ دے سکا۔ جب شیبا اور آمنہ، پارس اور جوجو بخیریت ایک گاڑی میں سفر کرتے ہوئے جانے لگے تو میں مطمئن ہو کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ پارس کو منتقل کرنے کا

وقت گزر چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی راجیش کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ بے چارہ اس معاملے میں انجان تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ بیرک سے چند غیر معروف فوجی افسران آئے تھے۔ انھوں نے اپنی شناخت کرائی تھی لیکن زبان سے ایک لفظ ادا نہیں کیا تھا۔ اس طرح وہ ایک گاڑی میں پارس کو لے گئے تھے۔ شاید رسونتی بھی ان اجنبی افسران کے دماغ تک پہنچنے میں ناکام رہی تھی۔

میں پارس دوم کے دماغ میں پہنچا۔ وہ ایک چھوٹے سے بنگلے میں تھا۔ اس وقت برآمدے میں کھڑا ہوا دور تک دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذریعے پتا چلا، بنگلے کے چاروں طرف جو دیواریں ہیں، وہ بہت اونچی ہیں۔ باہر سے گزرنے والے بنگلے کے اندر دیکھ نہیں سکتے۔ وہ حد بندی لمبائی میں تقریباً چھ سو گز اور چوڑائی میں چار سو گز ہو گی۔ اس کے چاروں گوشوں پر چار اونچے مچان بنے ہوئے تھے جن پر دو دو مسلح جوان پہرا دے رہے تھے۔ حد بندی کے اندر بہت خوب صورت باغیچہ تھا۔ تیرنے کے لیے سوئمنگ پول تھا۔ بنگلے میں اس کے ساتھ مونا سانچی اور فوج کا ایک جونیئر افسر تھا جو پارس کی ضروریات کا خیال رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ مونا سانچی کو حکم دیا گیا تھا کہ وہی کھانا پکایا کرے گی اور بنگلے کی صفائی کیا کرے گی۔ اس کے اور جونیئر آفیسر کے سوا کسی تیسرے کو بنگلے کے احاطے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

میں نے خیال خوانی ختم کر دی۔ آنکھیں کھول دیں۔ میرے سامنے مالا بیٹھی ہوئی تھی۔ چھت پر بچھی ہوئی چاندنی، اس پر رکھے ہوئے گاؤ تکیے، پھلوں سے بھرا ہوا تھال، دودھ سے بھرا ہوا جگ اور گلاس سب کے سب ویسے ہی رکھے ہوئے تھے اور وہ بے چاری میرے انتظار میں بیٹھے بیٹھے رات گزار چکی تھی۔

میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ جھکی ہوئی نظروں میں بے پناہ شکایتیں تھیں۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ اس نے موتیے کا ہار جوڑے میں گوندھ رکھا تھا جو مُرجھا رہا تھا ــــ وہ جُوڑا کھولنے لگی۔ ہار کو الگ کرنے لگی۔ پھر اس نے مُرجھائے ہوئے ہار کو دونوں ہتھیلیوں پر رکھ کر میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے اسے اٹھا کر سونگھا۔ پھر کہا: "اس میں رات بھر کے انتظار کی خوشبو ہے۔ میرے ساتھ رہو گی تو ایسا ہی ہو گا۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ سورج جس نے تمھارے ارمانوں بھری رات کو سمیٹ لیا ہے، پھر ڈوب جائے گا پھر رات آئے گی۔"

میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر چُپ ہو گیا۔ سیڑھی پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ مالا نے چونک کر ادھر دیکھا۔ اس کا اندھا باپ چھڑی ٹیکتا ہوا اوپر آ گیا تھا اور پوچھ رہا تھا۔ "مالا! تم کہاں ہو بیٹی؟"

وہ گھبرا کر اُٹھ گئی۔ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی: "ڈیڈا! میں یہاں ہوں، یوں ہی تازہ ہوا کھانے آئی ہوں۔"

"میں کب سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔ آج تم نے بیڈ ٹی لا کر نہیں دی۔"

وہ بولتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر چونک کر رُک گیا۔ اپنی چھڑی سے ٹٹولتے ہوئے، فرش پر بچھی ہوئی دری اور چاندنی کو محسوس کرتے ہوئے بولا: "یہ کیا، یہ تو بستر معلوم ہوتا ہے کیا تم رات کو یہاں سو رہی تھیں؟"

"جی، جی ہاں۔ میں گرمی محسوس کر رہی تھی لہٰذا اوپر آ گئی۔"

وہ اندھا خلا میں تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا: "تمھارا وہ مہمان دھن راج کہاں ہے؟"

میں پہلے ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دبے قدموں ذرا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ باتیں کرتا ہوا میری ہی طرف آ رہا تھا۔ وہ مجھے پا نہ سکا لیکن چھڑی نے پھلوں سے بھرے ہوئے تھال تک اسے پہنچا دیا۔ اس نے بیٹھ کر پھلوں کو چھو کر دیکھا۔ ٹٹولنے کے دوران اس کا ہاتھ بھرے ہوئے جگ سے لگا۔ اس نے جگ اٹھایا۔ اسے سُونگھا اور سمجھ لیا کہ وہ دودھ ہے۔

اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: کیا اتنے سارے پھل مالا اکیلی کھائے گی؟ کیا ایک جگ دودھ تنہا پیے گی؟ نہیں نہیں، میری بیٹی ایسی تو نہیں ہے۔ میں اس پر ناز کرتا ہوں۔ میں دنیا والوں سے کہتا ہوں، اندھا ہوں تو کیا ہوا، میری آنکھیں میری بیٹی ہے۔ اس نے چھڑی کو پھر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ کہنے لگا: "نہیں نہیں، میری بیٹی ایسی نہیں ہو سکتی۔ مجھے اس پر یقین کرنا چاہیے۔"

وہ سوچتا ہوا چھڑی کو ادھر سے اُدھر لے جا کر ٹٹولنے کے انداز میں کچھ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت میں دبے قدموں چلتا ہوا اپنی چپلوں تک پہنچ گیا تھا تاکہ انھیں پہن کر دور چلا جاؤں مگر اس سے پہلے ہی اس کی چھڑی کا آخری سرا میری ایک چپل میں جا کر پھنس گیا۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھا پھر ایسا دنگ رہ گیا جیسے اس کا دم رُک رہا ہو۔

میں نے اور مالا نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر مالا ہچکچاتے ہوئے بولی: "ڈیڈ! یہ، یہ میری چپل ہے۔"

"بیٹی! اندھا ضرور ہوں مگر احمق نہیں ہوں۔ اگر مہمان کی یہ چپل میرے سر پر مارنے کے لیے لائی ہو تو پھر آؤ، دیکھوں کرتی ہو۔ اسے لو اور میرے سر پہ اتنا مارو کہ دنیا والوں کے تھوکنے کا احساس نہ رہے۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولی: "ڈیڈ! دراصل بات یہ ہے کہ..."

"کوئی بات نہ کہنا۔ تم نے اپنے اندھے باپ کے اعتماد کو دھوکا دیا۔ تم... تم..."

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اُسے اس قدر صدمہ پہنچا تھا کہ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ زبان سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لوگ تو بینائی رکھ کر اپنوں کی بے حیائی برداشت نہیں کرتے جب کہ وہ اندھا شخص اپنی اندھیری دنیا میں بیٹی کی بے حیائی دیکھ رہا تھا اور شرم سے مرا جا رہا تھا۔ صدمات سے چُور ہو رہا تھا۔ غیرت کے مارے ایک ایک سانس اس طرح ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی جس طرح بیٹی نے اس کے اعتماد کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

وہ کچھ اور کہنے کے لیے تھر تھر کانپتے ہوئے اٹھنا چاہتا تھا، اسی وقت دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ مالا ڈیڈ کہہ کر چیختی ہوئی اس کے پاس گئی۔ پھر اسے جھنجوڑنے لگی۔ وہ بالکل ساکت تھا، چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اندھی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ مرنے کے بعد بھی وہ دیدے حیرت سے پھیلے ہوئے تھے۔ شاید پوچھ رہے تھے "کیا بیٹیاں اندھے باپ کے اعتماد کو اسی طرح ٹھیس پہنچاتی ہیں؟"

وہ تھوڑی دیر تک جھنجوڑ کر باپ کو آواز دیتی رہی۔ پھر اس نے پوچھا: "دیکھو، انھیں دیکھو، کیا ہو گیا ہے؟"

میرا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں نے ایک غیرت مند کی بیٹی کو ہاتھ لگایا ہے، اُس ہاتھ سے اس غیرت مند کو چھو نہیں سکتا۔ ان کی آنکھیں بند کر دو۔"

مالا نہیں کہہ کر چیختی ہوئی باپ سے لپٹ گئی۔ میں وہاں سے سر جھکا کر سیڑھیاں اُترتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ ان لمحات میں شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے ایک شریف گھرانے کی خوشی لوٹی ہے۔

میں نے دوسرا لباس لیا۔ پھر باتھ روم میں جا کر غسل کرنے لگا۔ یہ جو رنگین اور جذباتی کہانیاں ہوتی ہیں، جن میں حسن ہوتا ہے، شباب ہوتا ہے، رنگینیت اور سنگین رات کے بہکتے ہوئے لمحات ہوتے ہیں تو انھیں پڑھنے میں کتنا لطف آتا ہے۔ اس بات کی طرف دھیان نہیں جاتا کہ ایک شریف گھرانے کی عزت، ایک غیرت مند باپ کی خودداری کو کچل کچل کر اتنی رنگین کہانیاں اور جذباتی افسانے تراشے ہیں۔ ایک بھنی ہوئی ٹانگ کو نوچ نوچ کر کھاتے وقت یہ کون سوچتا ہے کہ مرغی اپنی جان سے گئی، وہ تو جاتی ہی ہے۔

اس کے باپ کی لاش نیچے لائی گئی تھی۔ ٹیلی فون کے ذریعے عزیزوں، رشتے داروں کو اطلاع دی جا رہی تھی۔ میں نے لباس بدل کر وہاں سے نکلتے ہوئے سوئچ کے ذریعے کہا: "مالا! میں اس ماتمی ماحول میں رہوں گا تو ندامت سے مرتا رہوں گا۔ تمھارے پتا جی کا کریا کرم ہو جانے گا تو رات تک واپس آ جاؤں گا۔"

وہ روتے ہوئے بولی: "دیکھو فرہاد! ایسی حالت میں چھوڑ کر نہ جانا۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے، میرا یہ مان رکھنا کہ واپس آ کر میرے آنسو پونچھو گے۔"

میں وہاں سے چلا آیا۔ راستے میں اخبار فروش دار وغیرہ منگل پانڈے کا نام لے کر چیخ چیخ کر اخبار بیچ رہے تھے۔ آج کے تمام اخبارات میں منگل پانڈے کی بڑی بڑی تصویریں شائع ہوئی تھیں۔ اس کا یہ کارنامہ بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا تھا کہ اس نے تنہا درجنوں مسلح مجرموں کا مقابلہ کیا ہے۔ اسے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بنانے کا سرکاری وعدہ کیا گیا تھا اور دہلی میں اس کی رہائش کے لیے ہیڈ کوارٹر کے احاطے میں ایک چھوٹا سا بنگلا الاٹ کیا گیا تھا۔ میں ایک آٹو رکشے میں بیٹھ کر اس بنگلے میں پہنچ گیا۔

اس نے مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر دوڑ لگائی اور آ کر لپٹ گیا۔ کہنے لگا: "دیکھو دیکھو، آج کا کوئی اخبار ایسا نہیں ہے جس میں میری تصویر نہ ہو۔ جس میں میرے کارنامے شائع نہ کیے گئے ہوں اور یہ دیکھ رہے ہو، یہ چھوٹا سا بنگلا مجھے مل گیا ہے۔"

میں نے اس کے کان میں کہا: "اپنی خوشی میں یاد رکھنا کہ میں مہا جوتشی نہیں ہوں۔ تمھیں پھر خوشخبری سنا دوں کہ اس سے بڑی کوٹھی الاٹ کی جانے والی ہے۔"

وہ مارے خوشی کے تڑپ کر بولا: "یار! اتنی خوشخبری مت سناؤ، میرا جی چاہتا ہے، ابھی تمھارے قدموں سے لپٹ جاؤں۔"

ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے اندر آئے۔ اندر فرش پر اور بڑی سی میز پر اخبارات بکھرے پڑے تھے۔ اس نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ تمام اخبارات سمیٹ کر ترتیب سے رکھے جائیں اور ہمارے لیے بہترین ناشتا لایا جائے۔

میں نے کہا: "میں ناشتا کرنے کے بعد سو جاؤں گا۔"

اس نے معنی خیز انداز میں میرے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "سمجھ گیا، ساری رات جاگتے رہے ہو۔"

"جاگتا رہا مگر ٹریجڈی ہو گئی۔"

میں نے مالا کے باپ کے مرنے کی روداد سنائی تو اس نے کہا: "چلو جو ہوا سو ہوا، پہلے یہ بتاؤ، تمھارا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے نا؟"

"یہ پوچھ کر کیا کرو گے؟"

"میں تمھیں زندگی بھر اپنے ساتھ رکھوں گا۔ تمھیں کہیں جانے نہیں دوں گا۔"

"ایسا ظلم نہ کرنا۔ تمھیں کیا معلوم کہ تمھارے ہاتھ کی لکیریں کیا کہہ رہی ہیں۔"

اس نے جلدی سے پوچھا: "کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہمارا تمھارا ساتھ ہمیشہ نہیں ہو سکتا۔ زیادہ ساتھ رہے گا تو تمھارے لیے ایک ٹریجڈی ہو گی۔"

"ارے ٹریجڈی کی ایسی کی تیسی۔ میں تمھارے لیے دنیا کی ساری مصیبتیں برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ بولو کیا ٹریجڈی ہو سکتی ہے؟"

"میں ایک بار ذرا اچھی طرح ہاتھ دیکھنا چاہتا ہوں، اس کے بعد بتاؤں گا۔"

اس نے جلدی سے ہتھیلی پھیلا دی۔ میں نے تھوڑی دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد کہا: "یہ لکیر کہہ رہی ہے، میں زیادہ تمھارے ساتھ رہوں گا تو تم عورت کے معاملے میں بے حد کمزور ہوتے جاؤ گے۔ ہر بارہ گھنٹے بعد کوئی نہ کوئی تمھاری پٹائی کیا کرے گی۔"

"یار، کیوں مذاق کرتے ہو۔ میں اتنا بڑا پولیس آفیسر بنتا جا رہا ہوں، کسی عورت کی کیا مجال ہے کہ وہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔"

"میں نے لکیروں میں جو دیکھا ہے وہ بتا دیا۔ یقین کرو یا نہ کرو، تم ضد کرتے ہو تو تمھارے ساتھ رہوں گا مگر نتیجہ تمھارے سامنے آئے گا۔"

"دیکھ یار دمن راج! تو میری ترقیوں کی جتنی باتیں بتا رہا ہے، میں ان پر آنکھ بند کر کے یقین کرتا ہوں مگر یہ عورت کے ہاتھوں پٹائی ہونے والی بات اپنے حلق سے نہیں اُترتی۔ اگر یہ سچ بھی ہوا تو کیا ہے یار، تیرے لیے روز جوتے کھا سکتا ہوں۔"

"پانڈے! اس معاملے میں اچھی طرح غور کر لو۔ یہ جو شوہر حضرات جوتے کھاتے ہیں تو ان کی تو عزت رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سب چار دیواری کے اندر ہوتا ہے۔ تمھارا معاملہ گھر کے باہر سڑک پر یا بازار میں ہوا تو کیا عزت رہ جائے گی؟"

اس نے پریشان ہو کر اپنی ہتھیلی کو گھور گھور کر دیکھا، پھر کہا: "یہ ہاتھ کچھ میلا ہو گیا ہے۔ اس کو صاف کرنے کا کوئی طریقہ بتاؤ تاکہ اس لکیر سے عورتوں کا صفایا ہو جائے۔"

ہمارے لیے ناشتا آ گیا۔ میں نے ناشتا شروع کرتے ہوئے کہا: "تم مقدر کی لکیر مٹا سکتے ہو، مقدر کے لکھے کو نہیں مٹا سکتے۔"

وہ فکر میں مبتلا ہو گیا۔ میں ناشتا کرنے کے بعد اس کے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا۔ پھر پوچھا: "اگر تمھیں اعتراض نہ ہو تو میں دروازہ اندر سے بند کر کے سو جاؤں؟"

"بے شک بند کر لو، کوئی ادھر نہیں آئے گا۔"

میں نے دروازے اور کھڑکیوں کو بند کر دیا۔ بستر پر آ کر لیٹا۔ اپنے دماغ کو ہدایت دی اور نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ اس دوران شنکر نے دہلی کے ایک مہنگے علاقے میں ایک شاندار کوٹھی خرید لی تھی۔ وہاں رانی سردار اور اس کے دوسرے ساتھی پہنچ گئے تھے لیکن سب کا ایک ساتھ رہنا مناسب نہیں تھا، اس لیے رانی سردار نے صرف شنکر کے ساتھ اس کوٹھی میں رہنے کا ارادہ کیا۔ باقی لوگوں سے کہا کہ وہ دوسرے علاقے میں کرائے کا مکان لے کر اپنی ایک سماجی حیثیت بناتے رہیں۔ جب فرہاد سے رابطہ ہو گا تو ان کے مشوروں پر عمل کیا جائے گا۔

وہ سب میرے منتظر تھے، کل کا آدھا دن اور پوری رات گزر گئی تھی۔ میں نے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ وہ میرے لیے کچھ پریشان بھی تھے۔ شنکر، رانی سردار کو دلاسے دے رہا تھا: "آپ اطمینان رکھیں، انھیں کچھ نہیں ہو گا۔ آپ نے خود دیکھا ہے، پولیس فورس دو بار ہمیں گھیر چکی تھی۔ کہیں سے نکلنے کا راستہ نہیں تھا، انھوں نے کتنی آسانی سے نکال دیا تھا۔ بھگوان نے چاہا تو وہ صحیح سلامت آئیں گے۔"

میں شام چار بجے تک گہری نیند سوتا رہا۔ پھر دروازہ کھول کر باہر آیا۔ منگل پانڈے نے کہا: "یار، تم نے تو سونے کی حد کر دی۔ میں ایک بجے سے تمھارے جاگنے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

میں نے پوچھا: "خیریت تو ہے؟"

"تم باتھ روم سے آ جاؤ، پھر اطمینان سے بات کروں گا۔"

میں باتھ روم میں چلا گیا اور اس کے خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا، اسے سرکاری کاغذات کے مطابق اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بنا دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی افسرِ اعلیٰ نے ایک بہت بڑا کیس اس کے حوالے کیا ہے اور وہ یہ کہ رانی سردار نامی ایک ڈاکو عورت اپنے ساتھیوں کے ساتھ دہلی کی طرف آئی ہے۔ اس گروہ کے ساتھ فرہاد تھا۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فرہاد یہ ملک چھوڑ چکا ہے لیکن وہ گروہ دہلی کی طرف آتے آتے غائب ہو گیا ہے۔ ان کے کسی ایک آدمی کا بھی سراغ

نہیں مل رہا ہے۔ اب ان کا سراغ لگانے کی ذمے داری منگل پانڈے پر عائد کی گئی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا، اگر میں اس گروہ کو ڈھونڈ نکالوں گا تو دہلی میں میری پوسٹنگ پکّی ہو جائے گی۔ میں باتھ روم سے باہر آیا اس نے لپک کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "جلدی بتاؤ، کیا میں اس گروہ کو گرفتار کر لوں گا؟"

میں نے انجان بن کے پوچھا "کس گروہ کی باتیں کر رہے ہو؟"

وہ وہی باتیں بتانے لگا جو میں اس کے دماغ سے پڑھ چکا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو بغور دیکھتے ہوئے ذرا پریشانی کا اظہار کیا۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

میں نے بہت ہی مردہ دلی سے کہا "تمھیں کامیابی ہوگی۔"

"ارے یار، تو روتے ہوئے کیوں بول رہے ہو خوش ہو کر بولو۔"

"خوش کیسے ہو سکتا ہوں، کامیابی کے لیے وہی شرط ہے۔"

"کون سی شرط؟"

"یہی کہ ہم دونوں کو ساتھ رہنا ہوگا۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے، میں یہی چاہتا ہوں۔"

"مگر ساتھ رہنے سے وہی عورتوں والی ٹریجڈی ہو گی۔"

"یعنی کوئی عورت منگل پانڈے جیسے داروغہ کو مارے گی جب کہ میں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ہو چکا ہوں۔"

"تم چاہے ساری دنیا پر حکومت کرنے لگو لیکن میرے ساتھ رہو گے تو ہر بارہ گھنٹے میں کوئی نہ کوئی عورت تمھاری پٹائی کرے گی۔"

وہ پریشان ہو کر بے اختیار مجھ سے دور ہو گیا۔ مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہنے لگا "یقین نہیں آتا مگر تم نے جتنی پیشین گوئیاں کیں سب درست ثابت ہوئیں۔ میں کیا کروں، میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"سیدھی سی بات ہے، کچھ دنوں کے لیے میرا ساتھ چھوڑ دو۔"

"اس گروہ کو گرفتار کیسے کروں گا؟"

"تم صاف صاف کہہ دو، ابھی تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بلکہ میڈیکل بنیاد پر کچھ دنوں کی چھٹی لے لو۔"

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ ابھی میری ترقی کے گن گائے جا رہے ہیں، اخبارات میری تعریفیں کر رہے ہیں۔ ایسے میں ایک اور کارنامہ انجام دوں گا تو لوگ میرے دیوانے ہو جائیں گے، مجھے کاندھوں پر بٹھا کر جلوس نکالیں گے۔"

"اور وہ جو ہر بارہ گھنٹے میں عورتیں تمھارا جلوس نکالیں گی اس کا کیا ہوگا؟"

وہ پریشان ہو کر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا، پھر بولا "کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا۔ میں دیکھوں گا کس عورت میں اتنا دم خم ہے۔ میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم میرے ساتھ رہو گے اور میں اس گروہ کو گرفتار کر کے دکھاؤں گا۔"

"اگر تم ضد کرتے ہو تو میں ساتھ رہوں گا۔"

"اب جلدی سے بتاؤ، میں انھیں کس طرح گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"سیدھی سی بات ہے، وہی طریقہ اختیار کرو جو اب تک کرتے آئے ہو، یعنی کسی مجرم کا ہاتھ مجھے دکھا دو۔ میں ان کے گروہ تک پہنچ جاؤں گا۔"

"مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تمھیں کس کا ہاتھ دکھانا ہے؟"

"پریشان کیوں ہوتے ہو، وہ ہاتھ تمھارے ہاتھوں میں آئیں گے اور تم ان میں ہتھکڑیاں ڈالو گے۔ اس کے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔"

"میں ہزار کروں گا، جلدی بتاؤ۔"

"ایسی تمام فائلوں کا مطالعہ کرو جن میں مجرم عورتیں ہیں اور جو بڑی بڑی واردات کرتی ہیں۔ تم وہ فائلیں لے آؤ، ان کی تصویریں بھی مجھے دکھاؤ۔ پھر ہم وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"فائلیں درجنوں ہوں گی، یہاں لانا مشکل ہے۔ وہ سب دفتری راز ہوتے ہیں۔"

"صرف مجرم عورتوں کی تصویریں نکال کر لے آؤ، پھر وہاں لے جا کر رکھ دینا۔"

وہ راضی ہو گیا اور اسی وقت ریکارڈ روم کی طرف چلا گیا۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا، پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر مالا کو مخاطب کیا۔ وہ رشتے داروں کے درمیان سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک سادہ سی ساری پہنے ہوئے تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اسے باپ کے مرنے کا بے حد صدمہ تھا۔ صدمہ اس بات کا زیادہ تھا کہ باپ کی موت اس کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ خود کو ایک مجرم سمجھ رہی تھی۔ میرے مخاطب کرنے پر دل میں ہلکی سی خوشی کی ایک لہر پیدا ہوئی، پھر وہ لہر دب گئی۔ صدمات نے گھیر لیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ آس پاس بیٹھی ہوئی رشتے کی عورتیں اسے تھپک کر تسلیاں دینے لگی تھیں۔ میں نے کہا "مجھے افسوس ہے، میں نے پھر رُلا دیا۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی "نہیں فرہاد نہیں، تمھارے مخاطب کرنے پر تو دل بھر آیا کہ ابھی کوئی میرا ہے۔ تم نے وعدہ کیا ہے کہ کریا کرم ہو جانے کے بعد آؤ گے۔ یہاں سب کچھ ہو چکا ہے۔"

"رشتے داروں کے سامنے آنا مناسب نہیں ہے۔ میں کل ملاقات کروں گا۔"

"میں بہت ٹوٹ گئی ہوں، کسی کا سہارا چاہتی ہوں اور وہ سہارا تمھارا ہی ہو سکتا ہے۔ تم یہاں نہیں آ سکتے، میں تمھارے پاس آؤں گی، تم کہاں ہو؟"

"میں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔"

میں واپس آ گیا۔ منگل پانڈے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر آہستگی سے کہہ رہا تھا "یہ تصویریں چھپا کر لایا ہوں۔ جلدی دیکھو، پھر انھیں واپس لے جا کر رکھ دوں گا۔"

اس نے میرے سامنے والی چھوٹی سی میز پر تصویریں رکھ دیں، دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ میں ایک ایک تصویر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ وہاں پندرہ تصویریں تھیں۔ ان میں زیادہ تر بوڑھی یا ادھیڑ عمر عورتیں تھیں۔ جرائم کی دنیا میں اتنی ہی عمر کو پہنچنے تک پختگی آتی ہے۔ چار یا پانچ تصویریں جوان عورتوں کی تھیں۔ رانی سردار کے سلسلے میں یہ رپورٹ پہلے سے درج تھی کہ وہ ایک جوان عورت ہے۔ ڈاکا ڈالتے وقت منہ پر نقاب رکھتی ہے، صرف آنکھیں کھلی رکھتی ہے۔ چہرے سے کوئی اس کی عمر کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ صرف اس کے ہاتھ پاؤں، اس کی پھرتی اور اس کی گھڑ سواری سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ ایک جوان عورت ہے۔

میں جوان عورتوں کی تصویریں باری باری دیکھنے لگا اور ایک ایک تصویر کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جھانکتے جھانکتے ان کے دماغوں تک پہنچنے لگا۔ منگل پانڈے نے کہا "تم ان لڑکیوں کا چہرہ دیکھ رہے ہو یا لکیریں؟ چہروں پر لکیریں نہیں ہوتیں۔"

میں نے سر اٹھا کر کہا "جو بہت بڑا جوتشی ہوتا ہے، وہ قیافہ شناس بھی ہوتا ہے۔ انسانی حرکات و سکنات کو خوب سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ ساری باتیں ایک جگہ جمع کر کے پیشنگوئی کرتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں صرف ہاتھ کی لکیریں دیکھتا ہوں؟ میں تو تمھارا چہرہ بھی پڑھتا ہوں۔ میں مجرموں کا بھی چہرہ پڑھتا ہوں۔ کیا تم لوگوں کو ٹریننگ کے دوران یہ نہیں سمجھایا جاتا کہ کس طرح مجرموں کے چہرے کو سمجھنا چاہیے اور ان کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے سچ اور جھوٹ کا پتا چلانا چاہیے؟"

وہ تائید میں سر ہلانے لگا۔ میں نے کہا "مجھے ڈسٹرب نہ کرو، ذرا غور سے ان چہروں کو پڑھنے دو۔"

میں ان تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک نوجوان عورت کا نام لارا تھا۔ اس کا تعلق جرمنی سے تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شخص سے شادی کرنے کے بعد دہلی میں رہ گئی تھی۔ انٹیلی جنس والوں کو یقین کی حد تک شبہ تھا کہ وہ بہت بڑی اسمگلر ہے لیکن اب تک کوئی ثبوت ہاتھ نہیں آیا تھا۔

دوسری جوان عورت کا نام جے دلوی تھا۔ وہ بہت ہی ظالم اور سفاک عورت تھی۔ مردوں سے شدید نفرت کرتی تھی۔ اس نے اب تک کتنے ہی مردوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا اور انھیں زندہ بھی جلایا تھا۔ اب سے پانچ برس پہلے وہ ایک غریب عورت تھی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی، کروڑ پتی اور ارب پتی بنتی جا رہی تھی۔ پولیس والوں کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اب وہ ایک ارب پتی کی بیوی بن کر زندگی گزار رہی تھی۔

اس کے خلاف تحقیقات نہیں کی جا سکتی تھیں کہ اتنی دولت مند کیسے ہو گئی، اس کے شوہر ارب پتی کے کئی معقول کاروبار تھے اور وہ حکومت کو اچھا خاصا انکم ٹیکس ادا کرتا تھا لہٰذا جے دلوی کے خلاف جتنی رپورٹس تھیں، سب کو اس کی تصویر کے ساتھ ایک فائل بنا کر رکھ دیا گیا تھا تاکہ وہ تمام رپورٹس کسی وقت کام آ سکیں، جہاں تک ایک ارب پتی شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کا تعلق ہے، وہ محض ایک ڈراما تھا۔ اس نے اپنے شوہر سے کہہ دیا تھا "میرے بستر تک آنے کی جرأت نہ کرنا۔ میں کسی مرد کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر تم نے مردانگی دکھانے کی حماقت کی تو اربوں کی دولت بھی ہاتھ سے جائے گی اور تمھاری زندگی بھی۔ دولت تو پھر بھی ہاتھ آ جائے گی، زندگی واپس نہیں آئے گی۔"

میں نے تمام تصویریں دیتے ہوئے کہا "انھیں واپس رکھ کر آؤ۔ ہم یہاں سے چلیں گے، میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا ہے۔"

وہ خوش ہو کر چلا گیا۔ میں جے دلوی کے خیالات پڑھنے لگا۔ ایک بات ہمارے حق میں یہ تھی کہ وہ بھی شملہ گئی ہوئی تھی اور کل ہی دہلی واپس آئی تھی۔ میں نے رانی سردار کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "میں نے ہوٹل میں اپنا لباس اتار کر دھوتی اور قمیص پہنی تھی، میرا اتارا ہوا لباس یعنی پتلون اور شرٹ کہاں ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "میرے پاس ہے، میں اسے حفاظت سے رکھتی ہوں۔"

"میں ایک پتا بتا رہا ہوں، لباس لے کر اُدھر چلی آنا مگر اب سے ٹھیک دو گھنٹے بعد۔"

میں نے اسے پتا بتا دیا۔ یوں تو اس لباس کے بغیر بھی کام چل سکتا تھا لیکن پولیس والے اور انٹیلی جنس والے بھرپور تحقیقات کر رہے تھے۔ ہم نے جہاں سے ملبوسات اور دوسری ضروریات کی

چیزیں خریدی تھیں، وہاں کے ایک اسٹور سے یہ رپورٹ ملی تھی کہ پہننے کے لیے کس قسم کے لباس خریدے گئے تھے چوں کہ راقی سردار کے تمام آدمی دھوتی قمیص یا پاجامہ کرتہ پہنتے تھے اس لیے خاص طور سے پتلون اور شرٹ پر زیادہ توجہ دی گئی۔ وہ ایک ہی شخص کے لیے خریدی گئی تھیں اور وہ میں تھا۔ پتلون اور شرٹ کے سلسلے میں دکان دار نے کہا تھا کہ ایک بلو پتلون اور ایک آف وھائیٹ شرٹ تھی۔ دوسری ایک لائٹ اورنج شرٹ اور گرے کلر کی پتلون تھی۔ لہٰذا ایسی لباس جسے دیوی کے گھر میں پہنچانا چاہتا تھا۔

منگل پانڈے نے واپس آکر کہا "میں نے ساری تصویریں رکھ دی ہیں۔ اب بتاؤ، تم نے کچھ سراغ لگایا، کچھ قیافہ شناسی سے پتا چلا؟"

"وہ جو ارب پتی کی بیوی ہے، وہی دراصل راقی سردار ہے۔"

"یار کیا بات کرتے ہو۔ ایک ارب پتی عورت کو ڈاکا ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"دیکھو پانڈے! یہ میں نہیں جانتا مگر اس کا چہرہ بتا رہا ہے، وہ ڈاکا ڈالتی ہے۔ جب اسے گرفتار کرو گے یا اس کا محاسبہ کرو گے، تب پتا چلے گا کہ حقیقت کیا ہے؟"

"مجھے بدنام نہ کرا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ اتنی بڑی عورت کے خلاف تحقیقات کرنے جاؤں اور ذلیل ہو کر واپس آؤں۔"

"اسی لیے تو کہتا ہوں، میرے ساتھ چلو۔ ہم کسی نہ کسی بہانے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ لیں گے، اس کے بعد ایک دم پکی بات بتاؤں گا کہ وہ ڈاکو ہے یا نہیں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ اتنی دولت مند ہے۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کہیں ڈاکا ڈالے۔"

"اگر تم تقدیر سے لڑنا چاہتے ہو، اپنے مقصد کے خلاف چلنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی، میں جا رہا ہوں۔"

میں نے جانے کے لیے قدم بڑھائے تو وہ ایک دم سے فرش پر بیٹھ کر قدموں سے لپٹ گیا، کہنے لگا "ارے میرے باپ، تو کہاں جاتا ہے، کون تجھے جانے دے گا۔"

اسے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ایک جیپ دی گئی تھی، ہم اس میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ اس نے پوچھا "کہاں جانا ہے؟"

"ایک شاندار کلب میں چلتے ہیں۔"

"گھاس کھا گئے ہو۔ ہم اس گروہ کی تلاش میں جا رہے ہیں، راقی سردار کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں کلب کی سوجھ رہی ہے۔"

"ایسے کلبوں میں چلو جہاں سرکاری افسران آتے ہیں کیوں کہ وہ سرکاری افسران کو ٹریپ کرتی ہے۔ اپنے جال میں پھنساتی ہے، پھر ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ڈاکے ڈالتی ہے۔"

ہم نے کچھ وقت اِدھر اُدھر تفریح کرتے ہوئے گزارا۔ پھر رات کے نو بجے آفیسرز کلب میں پہنچے۔ میں پہلے ہی معلوم کر چکا تھا جسے دیوی اس کلب میں آنے والی ہے بلکہ اکثر آیا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کئی حسین عورتیں تھیں اور ان میں کئی حسین عورتیں افسروں کی بیگمات تھیں۔ اگرچہ منگل پانڈے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بن چکا تھا لیکن اب تک اعلیٰ افسران کی سطح تک نہیں پہنچا تھا۔ کلب میں اس کا داخلہ ممکن نہیں تھا لیکن اس نے انکوائری کاؤنٹر پر لاکر بڑی شان سے کہا "میں اپنے افسرِ اعلیٰ انسپکٹر جنرل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

فوراً ہی ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم کرایا گیا۔ منگل پانڈے نے کہا "جنابِ عالی، میں ایک اہم معاملے میں آیا ہوں۔ مجھے اپنے ایک دوست کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت دیجیے۔"

"اچھی بات ہے۔"

اسے اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ ایک ملازم نے اسے آئی جی تک پہنچایا۔ منگل پانڈے نے اس کے سامنے پہنچتے ہی الرٹ ہو کر سیلوٹ کیا تو اس نے ڈانٹ کر کہا "یہ کلب ہے، آفس نہیں ہے۔ عام آدمی کی حیثیت سے گفتگو کرو اور بتاؤ کیوں آئے ہو؟"

اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "میں آپ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ اسے دوسرے کیبن میں لے گیا۔ وہاں پانڈے نے آہستگی سے کہا "آپ جانتے ہیں، جسے دیوی کی فائل ہمارے دفتر میں ہے، اس کے خلاف آج تک کوئی ثبوت حاصل نہ ہو سکا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کل دن کے بارہ بجے تک آپ کو اس کے خلاف ثبوت فراہم کر دوں گا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ آیا ہوں۔ مجھے یہاں وقت گزارنے کی اجازت دی جائے۔"

"تم اپنے دوست کو کیوں لائے ہو؟"

"یہ میری عزت کا سوال ہے، جب اس کے ساتھ آ ہی گیا ہوں تو اسے بھی ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ جاؤ، یہاں میرے اکاؤنٹ میں شراب پی سکتے ہو، کھانا کھا سکتے ہو، جوا کھیل سکتے ہو۔ جو چاہے کر سکتے ہو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، تم کل بارہ بجے تک اپنا وعدہ پورا کرتے ہو یا نہیں۔"

آئی جی نے اپنی میز پر جا کر ریسیور اٹھا کر کاؤنٹر پر منیجر کو حکم دیا "اسے ایس پی منگل پانڈے کو ہر طرح کی سہولیات

فراہم کی جائیں اور اس کے تمام بل میرے نام منتقل کیے جائیں۔"

میں پانڈے کے ساتھ کلب کی ایک میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ سامنے ہی اسٹیج پر ایک دلچسپ پروگرام ہو رہا تھا۔ ہماری میز سے تقریباً کچھ فاصلے پر جسے دیوی اپنے بناسپتی ارب پتی شوہر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ شوہر ایک وقت میں ایک پیگ پیتا تھا، وہ دو پیگ میں سوڈا ملا کر پیتی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔

اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی، پھر جام اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا اور اسٹیج شو کی طرف دیکھنے لگی۔ میں اس کی اپنی سوچ میں کہہ رہا تھا، پتا نہیں، اس میز پر کون بیٹھا ہے۔ بڑا ہی خوب رو اور پرکشش ہے۔

اس کی اپنی سوچ نے کہا۔ اونہہ، کوئی مرد میرے لیے پرکشش نہیں ہوتا۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ مگر وہ کیوں اچھا لگ رہا ہے؟

اس سوچ کے ساتھ ہی اس نے کن انکھیوں سے پھر میری طرف دیکھا۔ میں مسکرا دیا۔ اس وقت پانڈے میرے اور اپنے جام میں شراب ڈال رہا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا "تمہیں یہ تو بتانا بھول ہی گیا، میں کبھی نہیں پیتا۔ پیوں گا تو میرا علم کمزور پڑ جائے گا، کیا تم یہ چاہتے ہو؟"

اس نے فوراً ہی کہا "ہرگز نہیں، تم بالکل نہ پیو۔ تمہارے حصے کا جام میں حلق سے اتار لوں گا۔ میں ابھی تمہارے لیے ایک ٹھنڈی بوتل منگواتا ہوں۔"

میں نے اس کی بکواس کے دوران پھر جسے دیوی کے دماغ میں پہنچ کر اپنی طرف دیکھنے کے لیے مجبور کیا۔ اس نے پھر دیکھا تو میں پھر ہونٹوں سے مسکرا دیا۔

وہ سوچنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے، یہ شخص میرا شکار بننے والا ہے، بہت دن ہوئے، میں نے اپنے ہاتھوں سے کسی کو قتل نہیں کیا۔ کیا ہرج ہے، اسے پھانس لیا جائے۔

اس خیال کے ساتھ ہی اس نے ایک گھونٹ بھرا، پھر اپنے بناسپتی شوہر کی طرف جھک کر کہا "وہ جو سامنے میز پر خوب رو جوان نظر آ رہا ہے، میں اسے کوٹھی میں لے کر آؤں گی۔ تم مجھ سے پہلے چلے جاؤ اور خبردار، اپنی خواب گاہ سے باہر نہ نکلنا۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "کیا کرتی ہو۔ آج پورے تین مہینے کے بعد تمہیں کسی کو پھانسنے اور اسے قتل کرنے کا خیال کیوں آ رہا ہے؟"

"وہ جوان میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا ہے اور یہ میرے لیے ایک چیلنج ہے۔ میں کسی مرد کی عاشقانہ مسکراہٹ برداشت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا میں جو کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔"

وہ اپنا جام خالی کرنے کے بعد اٹھ گیا۔ اب مجھے اس بات کی فکر تھی کہ کسی طرح پانڈے کو خود سے الگ کیا جائے تاکہ جسے دیوی مجھے پھانسنے کی کوشش کرے تو اس کے ساتھ تنہا جاؤں۔ کلب کے درمیانی اسٹیج پر میجک شو ہو رہا تھا۔ ایک جادوگر اپنے کرتب دکھا رہا تھا اور ایک رقاصہ موسیقی کی تال پر تھرکتی جا رہی تھی۔ پانڈے اسے دیکھ رہا تھا۔ ناچنے والی کی نظر جب اس کی طرف گئی تو میں نے پانڈے کو ایک آنکھ دبانے پر مجبور کر دیا۔ ادھر یہ بوکھلا سا گیا کہ آنکھ مارنے کی حماقت کیوں کر دی۔ اُدھر رقاصہ کے چہرے پر ذرا سی ناگواری آئی، پھر مسکرانے لگی کیوں کہ بڑے بڑے افسروں کے درمیان تھی، کسی کو ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے رقص کرتے کرتے جادوگر کے قریب آ کر کہا "میں اس میز پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو اپنے پاس بلاؤں گی۔"

"ضرور بلاؤ، میں اس کے ساتھ جھو منتر کا کمال دکھاؤں گا۔"

رقاصہ رقص کرتی ہوئی اسٹیج کے قریب آئی۔ پھر ہماری میز کے قریب آ کر پانڈے کے سامنے تھرکنے لگی۔ وہ بوکھلا رہا تھا۔ رقاصہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دوسرے آس پاس بیٹھے ہوئے افسران تالیاں بجانے لگے۔ پانڈے کو اٹھنا پڑا کیوں کہ بڑے بڑے آفیسر خوش ہو رہے تھے۔ وہ اسے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی اسٹیج پر لے آئی۔

جادوگر نے کہا "معزز حاضرین! اب آپ کے سامنے جو تماشا دکھاؤں گا، اس کا تقاضا ہے کہ یہاں روشنی کبھی ہوتی رہے اور کبھی بجھتی رہے۔ لہٰذا وقفے وقفے سے اندھیرا ہوگا، اپنی اپنی جیبیں سنبھال کر رکھیے۔ اگر کسی کی جیب سے کوئی چیز چوری ہو جائے تو وہ اسے اسٹیج پر مل جائے گی۔ چور کو ہم پکڑ لیں گے۔"

جادوگر نے اسٹیج سے ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے لائٹ مین کو اشارہ کیا تاکہ وہ اس کے اشارے پر بتیاں جلاتا اور بجھاتا رہے۔ پھر اس نے دور بیٹھے ہوئے ایک افسر سے کہا "جنابِ عالی! آپ کی اوپری جیب میں کیا ہے؟"

افسر نے کہا "جیب میں گھڑی ہے۔"

"آپ اتنے لوگوں کے سامنے جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ آپ کی جیب تو خالی ہے۔"

اس نے جلدی سے ٹٹول کر دیکھا، جیب میں گھڑی نہیں تھی۔ جادوگر نے کہا "گھبرانے کی بات نہیں ہے، چور اسٹیج پر موجود ہے، یہ دیکھیے۔"

وہ داروغہ منگل پانڈے کے قریب پہنچ کر اس کی اوپری جیب سے گھڑی نکالنے لگا۔ چاروں طرف سے تالیوں کا شور بلند ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا، یکبارگی تاریکی چھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس عورت نے دھیمی آواز میں کہا: "مجھے آنکھ مار رہے تھے، شرم نہیں آتی؟"

تڑاخ کی آواز سنائی دی، پھر روشنی ہو گئی۔ رقاصہ موسیقی کی تال پر رقص کر رہی تھی اور پانڈے اپنا ایک گال سہلا رہا تھا۔ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہیں کسی نے دیکھا تو نہیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "گھبرانے کی بات نہیں ہے، میری عزت رہ گئی کیوں کہ اندھیرا تھا۔"

اسی وقت جے دیوی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں بھی مسکراتے ہوئے اٹھنے لگا۔ ادھر پانڈے میری طرف آنے لگا لیکن لڑکی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا پھر محبت سے بولی: "ڈارلنگ، کیا مجھے چھوڑ کر جاؤ گے؟"

اس نے کہا: "سوری، مجھے کام ہے، جانے دو۔"

جادوگر نے کہا: "جناب! آپ سے بڑے بڑے آفیسر یہاں موجود ہیں، اگر وہ اس بات کی اجازت دیں تو آپ یہاں سے جا سکتے ہیں لیکن اجازت کیسے ملے گی جب کہ سامنے بیٹھی ہوئی خاتون کے پرس سے ایک لپ اسٹک غائب ہے۔"

منگل پانڈے پریشان ہو کر جلدی جلدی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر مطمئن ہو کر بولا: "دیکھ لیجیے، میرے پاس نہیں ہے۔"

"جی ہاں، آپ ہی کے پاس ہے۔ حاضرین! آپ دیکھیں کہ ان کے پاس سے وہ لپ اسٹک کیسے نکلتی ہے۔"

جادوگر نے آ کر پانڈے کے منہ پر ہاتھ رکھا پھر کہا: "ہاں بھئی، ذرا سا منہ کھولو۔ ہاں، شاباش منہ کھولو۔"

اس عورت نے رقص کرتے ہوئے کہا: "منہ ایسے نہیں کھولے گا بلکہ ایسے کھولے گا۔"

اس نے رقص کرتے ہوئے پانڈے کی گردن پر ایک ہاتھ جمایا تو منہ کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی لپ اسٹک باہر آ گئی۔ چاروں طرف سے تالیوں کا شور گونجنے لگا، پھر تاریکی چھا گئی۔ اور تڑاخ کی دوسری آواز سنائی دی۔ اس وقت تک میں کلب سے باہر پارکنگ ایریا میں آ گیا تھا۔ جے دیوی کار کے پاس کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے کہا: "ہیلو، کیا میں تم سے تعارف حاصل کر سکتا ہوں؟"

وہ ایک ادائے ناز سے مسکراتے ہوئے بولی: "میرا خیال ہے، ہم کار میں بیٹھ کر تعارف حاصل کریں گے۔"

میں دوسری طرف سے گھوم کر کار میں آیا پھر اسٹیئرنگ سیٹ کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ کار اسٹارٹ کر کے پارکنگ ایریا سے نکلتی ہوئی مین روڈ پر آ گئی۔ میں نے کہا: "مجھے دھن راج کہتے ہیں۔"

وہ خشک لہجے میں بولی: "کہتے ہوں گے، میں زیادہ باتیں پسند نہیں کرتی، چپ چاپ چلو۔"

چپ چاپ چلنا میرے حق میں بہتر تھا۔ یوں تو میں اس کے متعلق اچھی خاصی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ایک ارب پتی اس سے اتنا دبتا کیوں ہے، یقیناً اس کی کمزوریاں جے دیوی کے ہاتھ میں تھیں۔ اب سے دو برس پہلے ارب پتی دلیپت رائے کی بیوی نے خودکشی کر لی تھی۔ ایک بڑے پولیس افسر نے اس کی عزت لوٹی تھی۔ دلیپت رائے اپنی بے انتہا دولت سے بڑے بڑے افسران کو خرید سکتا تھا لیکن اپنی بے عزتی کا بدلہ نہیں لے سکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے کرائے کے قاتل کی خدمات حاصل کیں۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ کرائے کا قاتل جے دیوی کا خاص آدمی تھا۔

اس قاتل کا نام گردھاری لال تھا۔ اس کی اور ارب پتی دلیپت رائے کی گفتگو ایک کیسٹ میں ریکارڈ ہو گئی تھی کہ کس طرح دلیپت رائے نے اسے دس ہزار روپے ایک پولیس افسر کو قتل کرنے کے لیے دیے اور وعدہ کیا کہ قتل کرنے کے بعد مزید دس ہزار دیے جائیں گے۔

اس کے لیے طے پایا کہ جیسے ہی پولیس افسر کا قتل ہوگا، دلیپت رائے کو جائے واردات پر آنا ہوگا اور وہیں رقم کی ادائیگی کرنا ہوگی۔ وہ انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی کی موت کا بے حد صدمہ تھا۔ وہ راضی ہو گیا۔ پھر ایک دوپہر ٹیلی فون پر گردھاری نے کہا: "سیٹھ جی! آپ دس ہزار لے کر کوٹھی سے باہر آئیں، ہمارا آدمی انتظار کر رہا ہے۔ آپ کا کام ہو چکا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے اطمینان کے لیے دشمن کو مردہ دیکھ سکتے ہیں۔"

"میں وہاں نہیں آؤں گا البتہ رقم لے کر آ رہا ہوں۔"

دلیپت رائے رقم لے کر اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر آیا جہاں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ کار رکتے ہی دو شخص پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔ ایک نے ریوالور کی نال گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔ "چپ چاپ چلو اور جہاں اس افسر کو قتل کیا گیا ہے، اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

وہ گھبرا کر بولا: "اس کی کیا ضرورت ہے، میں رقم دے رہا ہوں۔"

"گردھاری نے کہا ہے، تمہیں وہاں چلنا ہوگا۔"

اسے ریوالور کی زد پر جانا پڑا۔ جب وہ اپنے دشمن کی لاش کے پاس پہنچا تو گردھاری نے کہا: "سیٹھ جی! یہ ریوالور پکڑ لیجیے اور یہاں کھڑے ہو جائیے۔"

وہ گھبرا کر بولا: "تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟"

"ہم جو کہہ رہے ہیں، اس پر عمل کرو۔ ورنہ اس لاش کے پاس تمہاری لاش بھی ہوگی۔"

چاروں طرف سے گردھاری کے آدمیوں نے ریوالور دکھانے شروع کیے۔ دلپت رائے نے مجبور ہو کر گردھاری سے وہ ریوالور لے لیا جو خالی تھا۔ گردھاری اور اس کے آدمی باہر چلے گئے لیکن گردھاری کی آواز سنائی دے رہی تھی: "دلپت رائے، تم ہاتھ میں ریوالور لیے ایسے گھبرا رہے ہو جیسے تم نے اسے قتل کیا ہے۔"

وہ سچ مچ سہما ہوا تھا۔ چاروں طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ریوالور کو دیکھا اور سہم کر اسے لاش کے پاس پھینک دیا۔ وہاں سے دوڑتا ہوا دروازے کے پاس آگیا۔ اس کا خیال تھا، دروازہ بند ہوگا، اسے باہر جانے کی اجازت نہیں ملے گی لیکن دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اس مکان سے باہر آیا۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ سامنے اس کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنے گھر چلا آیا۔ بعد میں پتا چلا کہ اس لاش کے پاس ریوالور کے ساتھ اس کی وڈیو فلم تیار کر لی گئی تھی۔

میں نے شنکر کو مخاطب کیا۔ پھر اس سے پوچھا: "کیا جے دیوی کو جانتے ہو؟"

اس نے انکار کیا۔ میں نے کہا: "تم لوگ جنگل میں رہ کر ڈاکے ڈالتے ہو اور یہ شہر میں بڑے بڑے ہاتھ مارتی ہے، بڑے بڑے لوگوں کو بلیک میل کرتی ہے۔ ان کے کچھ راز ایک جگہ چھپا کر رکھتی ہے۔ تم گاڑی لے کر کوچۂ درویشاں میں جاؤ۔ وہاں تمھیں ایک ایسا مکان ملے گا جس کا دروازہ سبز رنگ کا ہے۔ دروازے کے ساتھ والی دیوار پر چار سو بائیس بٹا دو لکھا ہوا ہے۔ اس مکان کے ایک کمرے میں لکڑی کا بہت بڑا صندوق ہے۔ اس صندوق کے اندر جتنے بریف کیس اور اٹیچی وغیرہ ہیں، سب اٹھا کر لے آؤ۔"

شنکر نے پوچھا: "مکان میں کتنے لوگ ہیں؟"

"وہاں جے دیوی کا خاص آدمی گردھاری رہتا ہے۔ اگر وہ موجود ہو تو اس سے دوستانہ انداز میں گفتگو کرنا۔ میں اسے ٹریپ کر دوں گا۔ تم اپنا کام کر کے چلے جانا۔"

میں جے دیوی کے ساتھ کار میں بیٹھا اس کی کوٹھی کے پورچ میں پہنچ گیا۔ وہ کار سے اترتے ہوئے بولی: "اندر چلو۔"

میں کار سے نکلا، اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا کوٹھی کے اندر داخل ہوا۔ اس نے مجھے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے لیے کہا، پھر چلی گئی۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ کر شنکر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اسی مکان کے سامنے پہنچ گیا تھا اور دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ گردھاری نے دروازہ کھولا۔ پھر ایک دوسرے سے بات ہوئی۔ میں گردھاری کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ پتا چلا، وہ مکان میں تنہا ہے۔ میں نے گردھاری کی زبان سے کہا: "شنکر! اس وقت میں فرہاد بول رہا ہوں۔ آرام سے اندر آؤ اور اپنا کام کرو۔"

میں نے گردھاری کی ایک الماری کھول کر اس کی دراز میں سے صندوق کی چابی نکالی، اسے شنکر کے حوالے کیا۔ شنکر نے بڑی پھرتی سے صندوق کا تالا کھولا۔ اسے کھول کر اندر کی تمام چیزیں اٹھا اٹھا کر اپنی کار کی ڈکی میں لے جا کر رکھنے لگا۔ جب ساری چیزیں منتقل ہو گئیں تو میں نے کہا: "میں اس صندوق کے اندر گردھاری کو بٹھا رہا ہوں، تم اسے بند کر کے تالا لگا دو۔"

اس نے یہی کیا۔ گردھاری صندوق کے اندر گیا، باہر سے تالا لگا دیا گیا۔ شنکر نے باہر سے آ کر دروازے کو بند کیا، کار میں بیٹھا، پھر وہاں سے چلا گیا۔ اس کام میں صرف بیس منٹ صرف ہوئے تھے۔ میں نے گردھاری کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ گھبرا رہا تھا۔ اس کی سانس رک رہی تھی۔ ہوا کی آمد و رفت کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ بہت ہی مضبوط، پرانے زمانے کا صندوق تھا۔ لکڑی اتنی مضبوط تھی کہ اسے گھونسا مار مار کر نہیں توڑ سکتا تھا۔ وہ کسی طرح اپنی جان بچانے کے لیے صندوق پر گھونسے مار رہا تھا۔ لاتیں چلا رہا تھا لیکن سیدھی طرح لات بھی نہیں چل سکتی تھی۔ وہ اس کے اندر سکڑا ہوا تھا۔ ایک ملازمہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں پھر دماغی طور پر جے دیوی کے ڈرائنگ روم میں حاضر ہو گیا۔

وہ کہہ رہی تھی: "مالکن بلا رہی ہیں۔"

میں اٹھ کر اس کے ساتھ چلتا ہوا اس شاندار کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ایک دروازے پر آیا۔ اس نے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں دروازہ کھول کر اندر آیا۔ بہت ہی خوبصورت خواب گاہ تھی۔ میں چاروں طرف اس کی سجاوٹ کو دیکھنے لگا۔ جے دیوی نے کہا: "اچھی طرح دیکھ لو۔ یہ خواب گاہ نہیں، قتل گاہ ہے۔"

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: "یہی سوچ رہا ہوں۔ یہاں آ کر محبت کرنے والوں کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ کتنا آرام دہ بستر ہے۔ فرش کا قالین اتنا دبیز ہے کہ چلتے وقت پاؤں دھنستے ہیں۔"

"اور یہاں سے تم اپنی چتا میں پہنچ جاؤ گے۔"

پھر اس نے میری طرف خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "تمھیں اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ میری تمنا کر سکو؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "سنا ہے، تمھیں مردوں سے سخت نفرت ہے۔ آج میں تمھیں بتاؤں گا کہ مرد تمھاری جیسی عورت سے کس قدر نفرت کر سکتا ہے۔"

"تم یہ نہ سمجھنا کہ یہاں سے واپس جا سکو گے۔ تمام دروازے مقفل ہو چکے ہیں۔ کھڑکیاں بند ہیں اور یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے، تمھاری چیخیں باہر تک نہیں جائیں گی۔"

اس نے یکبارگی میری طرف چھلانگ لگائی۔ لڑنے میں کچھ مہارت رکھتی تھی لیکن یہ نہیں جانتی تھی، ہم کون ہیں۔ وہ فلائنگ کک مارتے آئی تھی۔ میرے پاس سے گزرتی ہوئی قریب ہی قالین پر دھم سے چاروں شانے چت ہو گئی۔ میں نے پوچھا: "کیا قالین پر ہی لیٹے رہنے کا ارادہ ہے؟"

وہ تڑپ کر اٹھی، پھر میرے سامنے کھڑی ہو کر پینترا بدلنے لگی۔ اس نے دونوں ہتھیلیاں سخت کر لی تھیں۔ کراٹے کا پوز بنا رہی تھی۔ میں نے کہا: "کیوں اپنی نازک سی جان کو تکلیف دیتی ہو۔ تمھاری زندگی میں مرد نہیں، ہیجڑے آئے ہوں گے۔"

اس نے یکبارگی حملہ کیا۔ یہ اس کے خیال کے مطابق اچانک حملہ تھا مگر میں جانتا تھا، وہ کیا کرنے والی ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھما دیا۔ جب تک وہ پوری طرح گھوم کر میرے سامنے آتی، میں نے اس کے لباس کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو وہ دور تک پھٹتا ہوا چلا گیا۔ "تمھیں اپنے حسن و شباب پر بڑا ناز ہے مگر آج دیکھو، میں تمھارا کیا حشر کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں نے اس پر تھوک دیا۔ اس کے حلق سے ہذیانی انداز میں چیخ نکلی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تنہائی میں کوئی تھوکنے والا مرد بھی آئے گا۔ وہ ایک دم سے جھنجلا کر آگے بڑھی۔ میں نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے چلی گئی۔ وہ محض عورت ہوتی تو میں اس پر کبھی ہاتھ نہ اٹھاتا۔ وہ تو اپنے سامنے سب کو کتا سمجھتی تھی۔ دوسری بار حملہ کرنے آئی تو میں نے ایک ہاتھ سے اس کے جبڑوں کو دبا لیا۔ میری گرفت کافی مضبوط تھی۔ اسے اپنے جبڑے ٹوٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ چیخنے لگی۔ میں نے کہا: "تم بھول گئی ہو، یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولی: "کون ہو تم؟"

"میں وہ نہیں ہوں، جو تمھاری خواب گاہ میں پاؤں چاٹتے رہے اور اپنی جان سے جاتے رہے۔ آج میں تمھاری جان لینے آیا ہوں۔"

اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا مگر وہ بہت ہی سرکش اور ضدی تھی۔ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی: "ایک عورت سے زور آزمائی کرتے شرم نہیں آتی؟"

میں نے اسے چھوڑ دیا، پھر کہا: "جو عورت بات سے نہیں مانتی، لات سے مانتی ہے، پھر مرد کی طاقت ہوتی کس لیے ہے؟ عورت کو دکھانے کے لیے۔ جنھوں نے اپنی مردانگی نہیں دکھائی، وہ تمھارے ہاتھوں مارے گئے۔"

اس نے اچانک ہی بیٹھے ہوئے لباس کے اندر سے چاقو نکال لیا۔ ایک جھٹکے سے کھولا اور مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اسے گھما کر چاقو کی نوک اسی کے جسم کی طرف لے جانے لگا۔ وہ پوری قوت سے اسے اپنی طرف آنے سے روک رہی تھی۔ میں چاہتا تو پلک جھپکتے ہی وہ چاقو اس کے جسم میں پیوست ہو جاتا لیکن میں اسے دکھانا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک زور آزمائی کرتی ہے اور کتنی ناکام رہتی ہے۔

جب اسے ناکامی کا یقین ہو گیا اور چاقو کی نوک بالکل اس کے سینے کے قریب آنے لگی تو اس نے مٹھی کھول دی، چاقو چھوڑ دیا۔ میں زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے زور زور سے سانس لینے اور ہانپنے پر مجبور کرنے لگا۔ وہ ادھر سے ادھر دوڑنے لگی۔ دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگی۔ کمرے کے اندر مسلسل دس منٹ تک یہ عمل جاری رہا۔ پھر میں نے اسے نڈھال کر کے بستر پر گرا دیا۔ اسے چاروں شانے چت لیٹنے پر مجبور کیا۔ پھر اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دے۔

اب وہ میرے احکامات سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اسے ٹیلی پیتھی کی نیند سلانے لگا۔ اس کے دماغ کو پرسکون بنانے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ گہری نیند سو چکی تھی۔ پھر میں نے وہی طریقۂ کار اختیار کیا۔ اس کے خوابیدہ دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے اپنا معمول بنا لیا۔

جب وہ مکمل طور پر میری معمولہ بن گئی تو میں نے ایک منٹ کے لیے اسے چھوڑ دیا۔ خیال خوانی کے ذریعے رانی سردار سے کہا: "شنکر وہاں ہوگا۔ تم میرے دونوں لباس اسے دے دو اور اس سے کہو، کوٹھی سے نکل پڑے۔"

جب شنکر میرے دونوں لباس لے کر کوٹھی سے نکلا تو میں نے اسے جے دیوی کی کوٹھی کا پتا بتایا اور کہا: "تم کوٹھی کے قریب ہی میرا انتظار کرنا۔ جب بلاؤں تو اندر چلے آنا۔"

اس کے بعد میں نے جے دیوی کے دماغ کو حکم دینا شروع

کیا۔ اس کے دماغ سے جے دلوی کا نام اور اس کی شخصیت کو مٹانے لگا۔ رانی سردار کا نام اور شخصیت نقش کرنے لگا۔ وہ تنویمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد خود کو رانی سردار سمجھنے والی تھی۔

میں نے اس کے دماغ کو مقفل کیا۔ اسے حکم دیا کہ اس کا ذہن اتنا حساس رہے گا کہ وہ پرائی سوچ کی لہر محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرے گی اور کسی بھی سوچ کا اثر قبول نہیں کرے گی جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے مکمل طور پر رانی سردار بنا دیا ہے اور میرے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے اسے خیال خوانی کے ذریعے ٹریپ نہیں کر سکیں گے تو میں نے اسے تنویمی نیند سونے کے لیے چھوڑ دیا۔

شنکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم وہیں کھڑے رہو۔ یہاں کا ارب پتی دلیپ رائے تمہارے پاس آئے گا۔ تم وہ دونوں لباس اسے دے دینا۔ اور وہیں میرا انتظار کرنا۔"

پھر میں دلیپ رائے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں بیٹھا پی رہا تھا اور اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا۔ ایک عورت اس پر غالب آگئی تھی، اس کی تمام دولت کی مالک بننا چاہتی تھی۔ شاید اس کے لیے وہ کسی مناسب موقع پر اسے قتل بھی کر دیتی تاکہ بیوہ کی حیثیت سے تمام دولت سمیٹ سکے۔

میں نے دلیپ رائے کو وہاں سے اٹھایا۔ وہ کوٹھی سے باہر آیا۔ پھر ٹہلنے کے انداز میں احاطے سے باہر جانے لگا۔ وہاں کے ملازم اور چوکیدار اسے سلام کرتے ہوئے ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے لیے باہر کا گیٹ کھول دیا گیا تھا۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں ایک طرف چلتا گیا۔ پھر میں نے اسے شنکر کے پاس پہنچا دیا۔ اس سے کہا۔ "لباس اسے دے دو اور میرا انتظار کرو۔"

اس نے لباس اس کے حوالے کر دیا۔ دلیپ رائے پھر واپس آیا۔ اس بار کوٹھی کے اندر پہنچ کر جے دلوی کی خواب گاہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ کس میکنزم کے تحت وہ دروازہ آپ ہی آپ مقفل ہو جاتا ہے اور پھر کھل جاتا ہے۔ اس طرح میں نے دروازے کو کھولا۔ دلیپ رائے اندر آگیا۔ کمرے میں جے دلوی کے ملبوسات کی بہت بڑی الماری تھی۔ اسے کھول کر میرے دونوں لباس ملبوسات کے ڈھیر کے نیچے چھپا دیے۔ پھر میں اس کے ساتھ کمرے کے باہر آیا۔ اسے خوامخواہ باتیں کرنے پر مجبور کرتا رہا اور میں "ہاں ہاں" کے انداز میں سر ہلاتا رہا تاکہ دیکھنے والے ملازم یہی سمجھیں کہ ان کا مالک مجھ سے گفتگو کر رہا ہے۔ ہم دونوں پورچ میں آئے۔ پھر کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اس نے کار اسٹارٹ کی۔ وہاں سے ڈرائیو کرتا ہوا احاطے سے باہر آیا اور

اس کی رفتار بڑھاتا ہوا شنکر کے پاس پہنچ کر گاڑی روک دی۔ وہ پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ تب میں نے دلیپ رائے کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ یوں تو اس کا دماغ اس حد تک آزاد تھا کہ وہ اپنے متعلق سوچ سوچ کر پریشان ہوتا تھا وہ ایسا کیوں کر رہا ہے اور بے اختیار ایسا کرتا چلا گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "مسٹر رائے، تم جو کچھ اپنی مرضی کے خلاف کرتے آئے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس نے مجھے غور سے دیکھا، پھر سر گھما کر پیچھے بیٹھے ہوئے شنکر کو دیکھنے کے بعد بولا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں تم جے دلوی سے خوفزدہ کیوں رہتے ہو، اگر تمہیں اس عورت سے نجات مل جائے تو؟"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا۔ "یہ بات ایک خواب معلوم ہوتی ہے۔ میں ایک ایسی چڑیل کے پنجے میں ہوں جس سے جیتے جی نجات نہیں ملے گی۔"

"تمہاری وڈیو فلم اور آڈیو کیسٹ میں نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے، اب جے دلوی کے پاس کچھ نہیں ہے۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "تم نے یہ تمام چیزیں کس طرح حاصل کر لیں؟"

"اس کے دماغ سے معلوم ہو گیا کہ اس نے یہ چیزیں کہاں چھپا کر رکھی ہیں اور جہاں چھپا کر رکھی تھیں وہاں سے میں نے چرا لیں۔"

اس نے ہم دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم دونوں مجھے بلیک میل کرو گے؟"

میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "ہم دوست ہیں۔ تم کو بے لوث دوستی کا ثبوت دیں گے۔ گاڑی ڈرائیو کرو۔ تمہارے خلاف جتنے ثبوت ہیں وہ ابھی تمہارے سامنے ہوں گے۔"

وہ اتنی جلدی ہم پر یقین نہیں کر سکتا تھا اور بے یقینی کا مظاہرہ کر کے دشمنی بھی مول لینا دانشمندی نہ ہوتی۔ لہٰذا اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ڈرائیو کرنے لگا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ کہاں جانا ہے۔ میں اس کے دماغ کو گائیڈ کرتا جا رہا تھا۔ وہ بے اختیار اسی طرف ڈرائیو کر رہا تھا۔ آخر ہم اس کوٹھی میں پہنچ گئے جسے شنکر نے خریدا تھا۔

رانی سردار اور ہمارے دوسرے ساتھی انتظار کر رہے تھے، مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ سر جھکا جھکا کر، دونوں ہاتھ جوڑ کر میرا استقبال کرنے لگے۔ میں نے شنکر سے کہا۔ "مسٹر رائے کے خلاف جتنے ثبوت ہیں وہ لے آؤ اور ان کی وڈیو فلم دکھانے کا انتظام کرو۔"

رانی سردار نے دلیپ رائے کو بڑی عزت سے بٹھایا۔ اس کے سامنے بہترین شراب اور ایک گلاس رکھ دیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے میری طرف دیکھا پھر کہا۔ "کیا میں اکیلا پیوں گا؟"

میں نے کہا۔ "میں نہیں پیتا اور میرا لحاظ کرتے ہوئے میرا کوئی ساتھی بھی اسے ہاتھ نہیں لگاتا — اگر تمہیں شبہ ہے کہ اس میں کچھ ملا ہوا ہے تو ہرگز نہ پیو۔"

وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "میں شبہ نہیں کر رہا ہوں، جب یہاں تک آگیا ہوں تو ڈرنے کے لیے اور کیا رہ گیا ہے؟"

"مسٹر رائے! جے دلوی کو تم بھی پسند نہیں کرتے اور ہم بھی نہیں کرتے۔ ہم اسے رانی سردار کے کیس میں پھانسنا چاہتے ہیں۔"

میں نے اسے سمجھایا کہ کس طرح تنویمی عمل کے ذریعے اسے رانی سردار بنا دیا گیا ہے۔ کل صبح وہ بیدار ہو گی تو خود کو رانی سردار سمجھے گی۔ جے دلوی کی شخصیت اس کے اندر سے ختم ہو چکی ہے۔ وہ حیرانی سے میری باتیں سن رہا تھا اور یقین کرتا جا رہا تھا کہ ٹیلی پیتھی اور تنویمی عمل کے ذریعے ایسے تماشے ہو سکتے ہیں۔

"مسٹر دلیپ رائے، کل سے یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھو گے اور تم بھی اس کے ایک کردار رہو گے۔ تم جے دلوی کے خلاف جو کچھ اگل سکتے ہو، اس کی تمہیں پوری آزادی ہو گی، کیوں کہ وہ تمہارے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے گی۔"

تھوڑی دیر بعد شنکر نے کہا۔ "اگر مسٹر رائے ہمارے بیڈ روم میں آنا پسند کریں تو ہم ان کی وڈیو فلم دکھائیں گے۔"

ہم وہاں سے اٹھ کر بیڈ روم میں گئے۔ دلیپ رائے نے وہاں اپنی وہی فلم دیکھی جو اسے دھوکے میں رکھ کر بنائی گئی تھی، جس کے ذریعے اسے ایک بہت بڑے پولیس آفیسر کا قاتل ثابت کیا جا سکتا تھا۔ اس فلم کو دیکھ کر اسے پسینہ آنے لگا تھا۔

میں نے کہا۔ "شنکر! یہ فلم ختم کرو اور مسٹر رائے کی چیزیں انھیں واپس کر دو۔"

وہ بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے آڈیو کیسٹ بھی سنایا گیا جس میں وہ کرودھاری سے ایک پولیس آفیسر کے قتل کا سودا کر رہا تھا۔ یہ ساری چیزیں جب اس کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو وہ خوشی سے کانپ رہا تھا۔ مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو احسان مندی سے دیکھ رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا۔ "مجھ سے کچھ مانگو، مجھ سے کچھ کام لو۔ بولو، کیا چاہتے ہو؟ میں اپنی تجوری کا منہ کھول دوں گا۔ میں اپنے تمام ذرائع استعمال کروں گا اور تمہارا کوئی بڑے سے بڑا کام کرا دوں گا۔"

میں نے کہا۔ "اگر تم ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھو گے۔ کسی سے ہمارے بارے میں ذکر نہیں کرو گے تو اس سے زیادہ دوستی کا ثبوت کوئی اور نہیں ہو گا۔ میں ٹیلی پیتھی جاننے والے کی حیثیت سے خود کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔"

اس نے کہا۔ "یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں، یہ راز میرے اندر سے کوئی نہیں اگلوا سکے گا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا آپ مجھ پر اتنی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں۔ ہماری تو کوئی دوستی نہیں اور کوئی شناسائی نہیں ہے۔"

"مسٹر رائے! انسان تھوڑا سا خود غرض ضرور ہوتا ہے۔ ہماری غرض یہی ہے کہ ہم جے دلوی کو قانون کے حوالے کر دیں۔"

دلیپ رائے نے کہا۔ "یہ تو میرے دل کی بات ہے۔ میں اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون کروں گا اور اس کے خلاف بیانات دوں گا۔ اب تو مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔"

"کل تک پولیس آفیسر ایس پی منگل پانڈے گھر کی تلاشی اور جے دلوی کی گرفتاری کا وارنٹ لے کر آئے گا۔ وہ میرا دوست ہے لیکن وہ بھی میری ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ آپ اس سے ہرگز میرے بارے میں کوئی ذکر نہ کریں۔ منگل پانڈے کو یہ بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آج رات ہماری ملاقات ہو چکی ہے اور میں کبھی آپ کی کوٹھی میں آیا تھا۔ آپ کے دو چار ملازموں نے دیکھا ہے۔ میں کوشش یہی کروں گا کہ کبھی آپ کی کوٹھی کا رخ نہ کروں۔"

"میں اپنے ملازموں کو حکم دوں تو وہ تمہارے بارے میں کسی کے سامنے زبان نہیں کھولیں گے لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ جب تم ایک بار میرے ہاں آچکے ہو تو میری ایک بات مان لو۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"تم میرے بیٹے بن جاؤ۔ میں بیان دوں گا کہ تم میرے مرحوم دوست کے بیٹے ہو جو سات برس بعد اچانک ملاقات ہو گئی، تم رات میرے یہاں آئے۔ اس کے بعد میں نے اپنے ہاں سے جانے کی اجازت نہیں دی۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ آپ کی محبت ہے کہ مجھے بیٹا سمجھتے ہیں۔ میں آئندہ ایک بزرگ کی حیثیت سے آپ کی عزت کروں گا۔ ایک بات یاد رکھیے۔ آپ ارب پتی ہیں لیکن میرے پاس کتنی دولت ہے، اس کا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جتنے ارب پتی اور کھرب پتی ہیں ان کی دولت پلک جھپکتے ہی میرے قدموں میں آسکتی ہے لہٰذا ہمارے درمیان دولت کا نہیں، صرف محبت کا رشتہ ہو گا۔"

"تم جو چاہو گے، ویسا ہو گا۔"

"میں اسی لمحے سے آپ کو انکل کہوں گا اور آپ سے یہ پوچھوں گا کہ ان ثبوت کا کیا کر رہے ہیں؟"

"ظاہر ہے، انھیں تباہ کر دیا جائے گا۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے، یہیں انھیں آگ لگا دیں۔"

وہ ہمارے ساتھ کچن میں آیا۔ پھر اپنے ہاتھوں سے آڈیو اور ویڈیو دونوں کیسٹوں کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد ہم سے رخصت ہوا۔ اس کے جانے کے بعد شنکر نے کہا۔ "گردھاری کے صندوق سے جو مال لے کر آیا ہوں ان میں ضروری دستاویزات اور دوسروں کے خلاف بہت سے جرائم کے ثبوت ہوں گے۔ ان کے ذریعے جے دلوی دوسروں کو بلیک میل کرتی ہو گی۔ صرف دو بریف کیس ایسے ہیں جن میں ضروری کاغذات ہیں ورنہ باقی اٹیچی وغیرہ میں ہیرے جواہرات، امریکی ڈالر اور برٹش پاؤنڈ وغیرہ کی گڈیاں بھری ہوئی ہیں۔"

"پھر کیا ہے، عیش کرو۔ یہ سب مال تم لوگوں کا ہے۔"

رانی سردار نے حیرانی سے کہا۔ "فرہاد! تم کتنے سخی داتا ہو۔ اتنی دولت دیکھ کر تو باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا خون کر دیتا ہے اور تم یہ سب کچھ ہم میں بانٹ رہے ہو۔"

"تم سب میرے اپنے ہو۔ مجھے کس چیز کی کمی ہے کہ میں اس میں سے کچھ اپنے لیے رکھوں گا۔ ہاں، یہ جان لو کہ میں اپنے لیے کیا رکھنا چاہتا ہوں۔"

سب نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے لیے تم سب کو سمیٹ کر رکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ سب میرے پاس آ کر جھکنے لگے۔ میں نے سب کو روکا تو وہ مجھ سے آ کر لپٹ گئے۔ مالا میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر کہا۔ "میں مصروف تھا، جلد نہیں آ سکا۔ اب رات بہت ہو گئی ہے، آرام سے سو جاؤ۔ کل ملاقات ہو گی۔"

"میں سو نہیں سکوں گی۔ تھوڑی دیر کے لیے تمھارے پاس آؤں گی۔"

"تمھارے ہاں رشتے داروں کی بھیڑ ہے۔ ایسے میں اتنی رات کو گھر سے نکلنا دانشمندی نہیں ہے۔"

وہ سوگ منانے کے انداز میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "تم نے کچھ کھایا ہے؟"

وہ چپ رہی۔ میں نے معلوم کر لیا، وہ صبح سے بھوکی تھی۔ میں اسے مناتا تو گھنٹوں لگ جاتے۔ نہ وہ کھاتی اور نہ ہی سونا چاہتی۔ مجھ سے ملے بغیر اسے نیند کبھی نہ آتی لہٰذا میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اسے کچن کی طرف لے گیا۔ آج [illegible] چولھا نہیں جلا تھا۔ باہر سے کھانے کا کچھ سامان آ گیا تھا۔ [illegible] تھوڑا بہت کھا رہے تھے۔ مالا کو دیکھ کر فوراً اس کے لیے ایک پلیٹ میں کچھ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ چپ چاپ کھانے لگی۔ پھر پانی پینے کے بعد اپنے بیڈ روم میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پلنگ پر آ کر آرام سے لیٹ گئی۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی وہ گہری نیند میں تھی۔ میں اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔

اب منگل پانڈے کی سنیے۔ بے چارہ دو چار طمانچے کھانے کے بعد کلب سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں حاضرین نے اسے طمانچے کھاتے ہوئے دیکھا تھا یا صرف جادوئی کمالات پر تالیاں بجا رہے تھے۔ چوں کہ اس نے طمانچے کھائے تھے اور انسلٹ محسوس کر رہا تھا اس لیے یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اسے بار بار طمانچے پڑنے پر بار بار تالیاں بجائی گئی تھیں۔

وہ بدحواسی میں بھاگتا ہوا دور تک چلا گیا۔ پھر ایک جگہ کھڑا ہو کر ہانپنے لگا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ بہت دور چلا آیا ہے اور وہ طمانچے مارنے والی بھی دور ہو چکی ہے تب اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے بھگوان! میرے پاس بھیجنے کے لیے تجھے یہی ایک جوتشی ملا تھا۔ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، یا تو ہاتھ کی لکیریں بدل دے یا جوتشی بدل دے۔"

ایسا کہتے وقت اسے یاد آیا کہ وہ مجھے کلب میں چھوڑ آیا ہے۔ پھر یاد آیا، "نہیں، دھن راج، جے دلوی کے ساتھ گیا ہے۔ عجیب بے ہودہ جوتشی ہے۔ مجھے مار کھانے کے لیے چھوڑ گیا ہے۔"

پھر اسے یاد آیا کہ وہ بدحواسی میں دوڑتا ہوا یہاں تک آ گیا ہے اور اپنی جیپ کلب کے احاطے میں چھوڑ دی ہے۔ اب دھن راج کو تلاش کرنے کے لیے جیپ میں ہی جانا ہو گا۔ یہ سوچ کر وہ کلب کی طرف جانے لگا لیکن ڈرتا بھی جا رہا تھا۔ وہ رقص کرنے والی نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ پھر اس کے دماغ میں بات آئی، "یہ تو ہو چکا ہے۔ بارہ گھنٹے میں ایک بار کسی عورت سے مار کھانے والی بات ہے، ہاتھ کی لکیریں یہی کہتی ہیں یعنی ابھی مجھے طمانچے کھائے ہوئے صرف آدھا گھنٹا گزرا ہے۔ ساڑھے گیارہ گھنٹے تک کوئی کم بخت مجھے نہیں مار سکے گی، مجھے ڈرنا نہیں چاہیے۔"

وہ کلب میں پہنچا۔ وہاں سے اپنی جیپ میں بیٹھ کر جے دلوی کے گھر کے سامنے آیا لیکن اندر جانے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ دماغ میں بات آئی کہ جے دلوی بھی ایک عورت ہے۔

ہو سکتا ہے، اتنی دیر میں ہاتھ کی لکیر کچھ بدل کر دوسری عورت کا بھی ذکر کر رہی ہو جسے وہ پڑھ نہیں سکتا۔ اگر دھن راج ہوتا تو اسے بتا دیتا کہ جے دلوی سے دور رہنا چاہیے یا کوٹھی میں داخل ہونا چاہیے۔

وہ تھوڑی دیر تک شش و پنج میں رہا۔ پھر وہاں سے جیپ دوڑاتا ہوا مالا کی طرف آیا۔ اس نے سوچا۔ مالا سے میرے متعلق پوچھے گا اور وہیں سے جے دلوی کے ہاں فون کر کے مجھ سے گفتگو کرے گا۔ لیکن اس کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر کھوپڑی میں بات آئی، "مالا بھی تو ایک عورت ہے۔ آہ! دھن راج کہاں ہے۔ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اتنا ہی بتا دیتا کہ مالا کے پاس بھی جانا چاہیے یا نہیں؟"

آخر وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کے نئے بنگلے میں آ گیا۔ اس کا خیال تھا، دھن راج، مالا کے ہاں ماتمی ماحول میں نہیں جائے گا۔ اسی کے پاس نئے بنگلے میں آئے گا۔ تب وہ پہلی فرصت میں اپنا ہاتھ دکھا کر یقین کرے گا کہ بارہ گھنٹے میں صرف ایک ہی عورت لکھی گئی ہے یا دو چار عورتیں اس کی عزت اتاریں گی؟

میں رات کے دو بجے اس کے پاس پہنچا۔ وہ نیند سے ہڑبڑا کر اٹھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "دھن راج! جلدی کرو۔" میں نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

اس نے دروازے کو بند کیا۔ کمرے کے دونوں بلب روشن کیے۔ پھر میری طرف ہتھیلی بڑھا دی۔ "میرے بھائی، تم کس قیامت کے جوتشی ہو، جو کہتے ہو، وہی ہوتا ہے۔ وہ مجھے تین طمانچے مار چکی تھی۔ چوتھا مارنے والی تھی کہ میں اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلا۔ بھگوان کے لیے ہاتھ دیکھو اور بتاؤ۔ مقدر کی وہ بلا ٹل گئی ہے یا نہیں؟"

"میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، جب تک ساتھ رہوں گا، ہر بارہ گھنٹے کے اندر کوئی نہ کوئی عورت تمھیں کسی نہ کسی بہانے دو چار ہاتھ دکھائے گی۔ ہو سکتا ہے، اپنے پاؤں سے جوتی بھی نکال لے۔"

وہ ایک دم سے چونک کر پیچھے ہٹا۔ پھر اکڑ کر بولا۔ "خبردار، میری انسلٹ نہ کرنا۔ کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں کہ عورت کے جوتے کھاؤں گا۔ میں اس کی گردن مروڑ کر رکھ دوں گا۔"

"تم اپنی تقدیر کی گردن نہیں مروڑ سکتے۔"

وہ بڑی تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "تم کب تک میرے ساتھ رہو گے۔ کب تک یہ بارہ گھنٹوں کا چکر چلتا رہے گا؟"

"میں کل چلا جاؤں گا۔ تم پر سے یہ بلائیں ٹل جائیں گی۔"

اس نے آگے بڑھ کر میرے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "ہرگز نہیں، میں تمھیں کبھی نہیں جانے دوں گا۔"

"ان بلاؤں کا کیا کرو گے؟"

"اگر ایسے ہی مار کھاتے وقت اندھیرا ہو جایا کرے تو برداشت کرنے کی کوشش کروں گا مگر تمھیں جانے نہیں دوں گا۔ اچھا یہ بتاؤ، تم جے دلوی کے ساتھ گئے تھے؟"

"ہاں، گیا تھا۔"

"کیا تم نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں؟"

"ہاں، دیکھ لیں۔ اس عورت کی لکیریں بھی تمھیں یاد کر رہی ہیں۔"

وہ سہم کر بولا۔ "ہرگز نہیں، میں اس عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔"

"پھر گرفتار کیسے کرو گے؟"

اس نے پوچھا۔ "کیا کچھ سراغ ملا؟"

"ہاں، مگر ابھی سے بتاؤں گا تو اسے گرفتار کرنے دوڑ پڑو گے اور ناکام رہو گے۔ وہ بڑے بڑے ذرائع کی مالک ہے، اپنے بچاؤ کے انتظامات کر لے گی۔ لہٰذا اس کی کوٹھی کی تلاشی اور اس کی گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرو۔ تم اپنے اعلیٰ افسر انسپکٹر جنرل، یہاں کے کمشنر اور مجسٹریٹ کی موجودگی میں چھاپا مارو گے تاکہ جو چیزیں برآمد ہوں ان کے چشم دید گواہ وہ تمام ذمے دار افراد ہوں گے۔"

وہ خوش ہو رہا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک کرسی پر لایا۔ پھر وہاں بٹھاتا ہوا بولا۔ "میں جانتا تھا، جب بھی تم جے دلوی کا ہاتھ دیکھو گے تو میرا کام بن جائے گا۔ اب مجھے تفصیل سے بتاؤ، اس کے ہاں سے کس قسم کی چیزیں برآمد ہوں گی۔"

میں نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اور دونوں پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "میں بہت تھک گیا ہوں، کل صبح بتاؤں گا۔"

وہ جلدی سے میرے پاؤں دابتے ہوئے بولا۔ "صبح ہونے میں بہت دیر ہے، مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو آ رہی ہے۔"

"یار، دوست کی خاطر دوست جان دے دیتا ہے، تم میرے لیے تھوڑی دیر جاگ نہیں سکتے؟"

"اچھی بات ہے، سنو۔ جب تم وہاں چھاپا مارو گے تو اس کی الماری سے فرہاد کے پہنے ہوئے کپڑے برآمد ہوں گے۔"

وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی بتیسی نکل آئی تھی۔ "کیا میں فرہاد تک پہنچ جاؤں گا؟"

"اس کے پاس پہنچ کر کیا کرو گے؟"

"جب میں اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالوں گا اور اسے کھینچتا ہوا عدالت میں لے جاؤں گا تو دنیا کے ہر ملک کے اخبارات میری بڑی بڑی تصویریں شائع کریں گے۔ دنیا کے ہر ٹی وی اسٹیشن سے میرا انٹرویو نشر کیا جائے گا۔ دنیا کے تمام دولت مند بورے بھر بھر کر نوٹوں کی گڈیاں پیش کریں گے۔ کیونکہ انھیں فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے خطرہ رہتا ہے۔ وہ کسی وقت بھی انھیں کنگال بنا سکتا ہے۔"

"اگر تم اسے گرفتار کرنا چاہتے ہو تو تمھیں یہ دنیا چھوڑنا ہو گی۔"

وہ چونک کر بولا "کیا مطلب؟"

"تمھارے ہاتھ میں ایک ایسی لکیر ہے جو تمھیں خطرے کی طرف لے جانا چاہتی ہے لیکن تم نہیں جاؤ گے۔ ہاں آئندہ ترقیاں کرتے کرتے ساری دنیا میں شہرت حاصل کرنا چاہو گے تب خود بخود اس تباہ کن لکیر کی طرف نکل جاؤ گے وہاں فرہاد سے سامنا ہو گا اور اس کے بعد پھر زندگی سے کبھی سامنا نہیں ہو گا۔"

اس نے ہاتھ جھٹک کر کہا "یار چھوڑو، کیا فرہاد کا قصہ لے بیٹھے ہو۔ مجھے کیا ضرورت ہے میں اس کے چکر میں پڑوں۔ ہاں تو جے دلوی کے بارے میں تم کہہ رہے تھے اس کے پاس فرہاد کے پہنے ہوئے کپڑے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس کی محبوبہ ہے۔"

"پہلے تھی، اب تو فرہاد اسے چھوڑ کر اس ملک سے جا چکا ہے۔"

"کیا جے دلوی واقعی رانی سردار ہے؟"

"تم وہاں جاؤ گے تو ثبوت مل جائیں گے۔"

"لیکن اتنے بڑے ارب پتی کی بیوی رانی سردار بن کر ڈاکے کیوں ڈالتی تھی؟"

"اسے فرہاد علی تیمور مجبور کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا رانی سردار دُہری زندگی گزارے۔ شہر میں جا کر جے دلوی کی حیثیت سے ایک ارب پتی کی بیوی بن جائے۔ اس نے بڑی چالاکی سے دلیپ رائے کو پھانس لیا تھا اور اسے جے دلوی کو بیوی تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

وہ میری باتیں اتنی توجہ سے سن رہا تھا کہ اس کا منہ کھل گیا تھا اور وہ ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتا جا رہا تھا۔ میں نے کہا "اگر تم جے دلوی کی زبان کھلوانے میں کامیاب رہے تو وہ اعتراف کر لے گی کہ اس کا اصل نام رانی سردار ہے۔ فرہاد چاہتا تھا کبھی وہ جنگلوں میں رہے اور کبھی شہر میں تاکہ خود فرہاد کو قانون سے چھپنا پڑے تو وہ شہر سے بھاگ کر جنگلوں میں پناہ لے سکے اور جنگلوں میں نہ رہ سکے تو پھر شہر کی طرف لوٹ آئے اور ہر حال میں اسے رانی سردار کی طرف سے پناہ ملتی رہے۔"

وہ قائل ہو کر بولا "تم درست کہہ رہے ہو۔ ابھی ایک رات پہلے رانی سردار نے شملہ کی ایک سرائے پر حملہ کیا تھا اس کے ساتھ فرہاد بھی تھا۔ کیونکہ اس کے خفیہ اڈے کو جب پولیس نے گھیرا تو فرہاد نے ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے پولیس پارٹی کو ختم کر دیا تھا۔ اب تمھارے بیان کے مطابق جے دلوی کی الماری میں اس کے اتارے ہوئے کپڑے ہیں تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک عورت رانی سردار کے نام سے جنگلوں میں رہتی ہے اور کبھی کبھی ڈاکے ڈالتی ہے اور جے دلوی کے نام سے شہر میں ایک بہت بڑے رئیس کی بیوی کہلاتی ہے۔"

کیا تمھیں معلوم ہے کہ ارب پتی دلیپ رائے میرے انکل ہیں؟"

اس نے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں خود نہیں جانتا تھا۔ جے دلوی کے ساتھ ان کے ہاں گیا تو دلیپ رائے نے میرے ماں باپ کے متعلق پوچھا۔ تب پتا چلا میرے پتاجی برج موہن اور دلیپ رائے بچپن میں گہرے دوست تھے اور جوانی تک ساتھ رہے تھے۔ پھر حالات نے الگ کر دیا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً ملتے رہتے تھے اور ایک دوسرے کے کام آتے رہتے تھے۔ اب دلیپ رائے کا اصرار ہے کہ میں اس کے پاس آ کر رہوں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے میں اپنے لنگوٹیے یار منگل پانڈے کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

منگل پانڈے نے بے چینی سے کسمساتے ہوئے کہا۔ "اب تو مجھے جے دلوی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے جیسا تم نے کہا ہے ویسا ہی کروں گا۔ ہر طرح سے مکمل انتظامات کروں گا تاکہ میرے چھاپا مارنے کے بعد وہ میری گرفت سے نہ نکل سکے اور کوئی بھی بڑا پولیس افسر اس عورت کو میری گرفت سے بچانے کی کوشش نہ کر سکے۔ میں سب کچھ کروں گا، بس تم اپنے انکل کے پاس چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ جو بارہ گھنٹے گزر رہے ہیں اس کے بعد پھر کوئی بلا میری بے عزتی کرنے چلی آئے۔ کیا ضروری ہے کہ بارہ گھنٹے گزرنے کے بعد جو آئے گی وہ اندھیرے میں ہی مجھے طمانچے مارے گی۔ ہو سکتا ہے وہ دن کا وقت ہو، میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ یار عجیب بات ہے۔ میں اتنا شہ زور ہوں، میرا اتنا رعب و دبدبہ ہے لیکن میں اپنے

بڑے بڑے افسران کے درمیان بے بس ہو گیا تھا۔ اس رقاصہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اور وہ الّو کی پٹھی اندھیرا ہوتے ہی طمانچہ مارتی تھی۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا تھا کہ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے اور میں روشنی ہونے کے بعد اپنے افسران سے یہ شکایت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مجھ سے بدتمیزی کر رہی ہے۔ اپنی ہی بے عزتی ہوتی۔ اس لیے میں بہت کشمکش میں مبتلا رہا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ آئندہ بارہ گھنٹوں میں آنے والی بلا کون ہو گی، کہاں ملے گی۔ اور میں کس طرح اس سے نجات حاصل کر سکتا ہوں؟"

میں نے مایوسی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "اس سے نجات ممکن نہیں ہے۔ میں نے کہا نا، میرا ساتھ چھوڑ دو۔"

"تم تو اپنے انکل کے پاس چلے جاؤ گے۔"

"میں سوچتا ہوں۔ اگر تمھارے چھاپا مارنے سے پہلے انکل کے پاس جاؤں گا تو شبہ ہو سکتا ہے کہ میں تمھارے پاس بھی دیکھا جاتا ہوں اور انکل کے پاس بھی۔ شاید تمھاری ترقی میں میرا ہاتھ ہو گا جب کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے تائید میں جلدی جلدی سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم ہر بات سچے کی کرتے ہو لیکن میرے لیے وہ بات مصیبت بن جاتی ہے۔ نہ میں تم سے پیچھا چھڑا سکتا ہوں اور نہ ہی جوتے کھانا چاہتا ہوں۔ یہ کم بخت عورتیں میرے مقدر سے کیوں چپک گئی ہیں؟"

میں جماہی لیتے ہوئے کرسی سے اُٹھ گیا۔ پھر دوسرے کمرے میں آ کر جوتے اتارے، جو لباس پہنا تھا وہی پہن کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ پانڈے نے سمجھا میں سو رہا ہوں۔ وہ خود سونے کے لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور پارس دوم کے پاس پہنچ گیا۔

مجھے پتا تھا اتنی رات ہو گئی ہے، وہ سو رہا ہو گا۔ میں صرف اس کے خوابیدہ ذہن سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آج اس کا تمام دن کس طرح گزرا۔ کیا رسونتی آئی تھی یا کوئی اور غیر معمولی بات ہوئی تھی؟

کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی۔ رسونتی کئی بار اس کے پاس آئی تھی۔ تعلیم بھی دیتی رہی تھی اور جہاں اسے رکھا گیا تھا وہاں آس پاس کے ماحول کو سمجھتی بھی رہی تھی۔ میں نے شنکر کے پاس پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔ وہ سونے جا رہا تھا، فوراً ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا "یس سر، میں حاضر ہوں۔"

"رانی سردار اور تمام ساتھیوں کو جمع کرو۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

صرف ایک منٹ کے اندر سب ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔ شنکر نے کہا "فرہاد صاحب میری زبان سے جو کہہ رہے ہیں اسے توجہ سے سنو۔"

پھر میں آہستہ آہستہ انھیں پارس دوم کے متعلق بتانے لگا۔ جب انھیں پتا چلا کہ اسے فوجی بیرک سے نکال کر کسی دوسری جگہ منتقل کیا گیا ہے تو شنکر نے کہا "ہم اس جگہ کا سراغ لگائیں گے۔ آپ بنگلے کے باہری ڈھانچے کے متعلق بتائیے اس کی خاص خاص پہچان کیا ہے؟"

"خاص پہچان یہی ہے کہ اس بنگلے کی چار دیواری کے چاروں کونوں پر اونچے مچان بنے ہوئے ہیں، وہاں ہمہ وقت دو دو مسلح پہرے دار موجود ہوتے ہیں۔"

"آپ ہمیں گائیڈ کریں۔ ہم اس پر عمل کریں گے۔"

"تم سب اس ٹوہ میں رہو کہ وہ پہرا دینے والے سپاہی کب تک ڈیوٹی دیتے ہیں جب ان کی ڈیوٹی ختم ہوتی ہے تو وہ کہاں جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہوں گے جو بیوی بچے والے ہوں گے اور وہ اپنے گھروں میں جاتے ہوں گے۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو کسی بہانے ان سے دو باتیں کر لو۔ خواہ اچانک ٹکرا جانے کی صورت میں یا کسی کا پتا پوچھنے کے بہانے....."

شنکر نے کہا "جناب! ہم سمجھ گئے۔ ہم کسی نہ کسی طرح انھیں بولنے پر مجبور کریں گے اور آپ ان کے دماغوں میں پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے یہی طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے۔ ہم چوبیس گھنٹے کے اندر آہستہ آہستہ ان سپاہیوں کے دماغوں میں سرنگ بنا سکتے ہیں۔ میری ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا کوئی کام جلد بازی میں نہ کرنا۔ ذرا کسی بات پر بھی شبہ ہو تو اس کام سے رک جانا۔ پہلے مجھ سے مشورہ لینا، اس کے بعد کوئی قدم اٹھانا۔"

سب نے مجھ سے وعدہ کیا۔ پھر شنکر نے کہا "میں ابھی ایک ساتھی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر یونہی تفریح کے لیے نکلتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کسی مہنگے علاقے میں ایسی کوٹھی نظر آئے جس کے چاروں طرف اونچے مچان بنے ہوں اور وہاں مسلح پہرے دار نظر آتے ہوں۔"

"شنکر! تم نے بڑی بھاگ دوڑ کی ہے۔ ابھی آرام سے سو جاؤ۔ یہ کام دوسروں پر چھوڑ دو۔ وہ صبح تک ایسے کسی خاص بنگلے کا سراغ لگائیں گے۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اسی طرح آنکھیں بند رکھیں

دماغ کو ہدایات دیں، اس کے بعد گہری نیند میں ڈوب گیا، اگلے چند روز بڑے سکون سے گزرنے لگے۔ کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی، ایک تو پارس اوّل کا بازو زخمی ہوا تھا۔ وہ اور رجو جو بخیریت شیبا کی پناہ میں پہنچ گئے تھے۔ سونیا کے متعلق تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا کہ وہ بیلی کاپٹر میں پرواز کرتے ہوئے کس طرح دشمنوں کو بھٹکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ادھر مجھے سکون مل رہا تھا۔ اُدھر وہ مصائب میں اُلجھتی جا رہی تھی۔ کیوں کہ تمام دشمنوں کی نظروں سے پارس اور رجو اچانک ہی غائب ہو گئے تھے، ان تک پہنچنے کے لیے صرف سونیا ہی ایک ذریعہ تھی جو انھیں استنبول میں نظر آتی رہی تھی۔

اِدھر پارس دوم کے اطراف سخت پہرا لگا ہوا تھا، تنکر کے آدمی ان پہرے داروں تک پہنچنے کی بڑی محتاط کوششیں کر رہے تھے۔ تیسری جانب منگل پانڈے میری ہدایات کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ اس نے افسرانِ اعلیٰ سے درخواست کی تھی کہ جب وہ وجے دلوی کے گھر پر چھاپا مارنا چاہے تو اس وقت صرف پولیس کے اعلیٰ افسران ہی نہیں بلکہ کمشنر اور مجسٹریٹ کی موجودگی بھی لازمی ہے۔

دوسرے پولیس افسران نے اس بات پر اعتراض کیا تھا، طرح طرح کی نکتہ چینی شروع کی تھی۔ چوں کہ منگل پانڈے دو بڑے کارنامے انجام دے چکا تھا، اس لیے اس کی بات مان لی گئی، وجے دلوی کی کوٹھی پر چھاپا مارنے کے سلسلے میں جو انتظامات کیے گئے، اس کے لیے پورا ایک دن گزر گیا۔ منگل پانڈے بہت بے چین تھا۔ وہ جلد سے جلد یہ معاملہ نمٹانا چاہتا تھا تاکہ بارہ گھنٹے گزرنے کے بعد دوسرے بارہ گھنٹے نہ گزریں۔

وہ اسی کوشش میں تھا کہ کسی عورت سے سامنا نہ ہو۔ وجے دلوی کے سلسلے میں جو انتظامات ہو رہے تھے، اس دوران کسی عورت سے سامنا ہوتا یا اس سے پوچھ گچھ کی نوبت آتی تو وہ اپنے جونیئر آفیسر کو آگے بڑھا دیتا تھا اور خود وہاں سے دور چلا جاتا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی بیوی کا ٹیلی فون آیا، وہ چہک کر بول رہی تھی۔ "سنتے ہیں جی، میں دہلی آگئی ہوں۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تمھیں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"واہ کیسی باتیں کرتے ہیں، بچّوں کے ساتھ آئی ہوں، آپ کی اتنی بڑی بڑی تصویریں اخباروں میں چھپ رہی ہیں، بچے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ میں یہاں چاچا جی کے پاس ہوں، آپ جلدی سے آئیے اور ہمیں نئے بنگلے میں لے چلیے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "تم کیا مصیبت بن کر آگئی ہو۔ میں آج کل بہت مصروف ہوں۔ مجرموں کے ایک بہت بڑے گروہ کو پکڑنے والا ہوں، میری اور ترقی ہونے والی ہے، میں تمھارے پاس نہیں آسکوں گا۔"

"ابھی نہ آئیں۔ کام ہے تو مجبوری ہے مگر شام تک ضرور آجائیں۔"

"میں نہیں آسکوں گا۔"

"کیسے نہیں آئیں گے، بچّے بھی آپ کو یاد کر رہے ہیں، ہم دُکھ مصیبت میں آپ کا ساتھ دیتے رہے، آج بھگوان نے اتنی ترقی دی ہے، اتنا نام ہو رہا ہے تو بیوی بچّوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔ دیکھیے! میں سیدھی طرح کہہ دیتی ہوں، شام سے پہلے آجائیں اور اگر نہ آئے تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔"

"میری دھرم پتنی ہو کر، میرے پاؤں کی جوتی ہو کر مجھے دھمکی دیتی ہے۔ جب سے میری ترقی ہو رہی ہے، میں نے عورتوں کے منہ لگنا چھوڑ دیا ہے۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا شام تک آؤں گا۔"

وہ اس قدر مصروف رہا کہ شام تک نہ جا سکا، رات کو زیادہ پی لی پھر کھانے کے بعد سو گیا۔ دوسری صبح اس کو خیال آیا تو اس نے کہا۔ "یار دھن راج! بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ بیوی بچے انتظار کرتے ہوں گے، میں ان کے پاس جانا ہی بھول گیا، چلو، تمھاری بھابی کو لے آتے ہیں، جب وہ میری جیپ دیکھے گی تو پورے محلے میں سر اٹھا کر چلے گی۔"

ہم جیپ میں بیٹھ کر اس کے چاچا کے گھر کے پاس پہنچے، میں پانڈے کے ذریعے پہلے ہی اپنی بھابی کی آواز سن چکا تھا لہٰذا میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، اس وقت اس نے ساڑی کو اچھی طرح کمر کے گرد لپیٹ کر باندھا تھا اور جھاڑو ہاتھ میں لے کر کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ جیپ کا ہارن سن کر وہ برآمدے میں آئی۔ اپنے شوہر کو جیپ میں بیٹھا دیکھ کر غصے سے بولی۔ "اچھا، تو تم کل آنے والے تھے اور اب ہماری یاد آئی ہے۔"

وہ ایک ہاتھ میں جھاڑو لے کر اپنے انداز میں بات کر رہی تھی، میں نے آہستگی سے کہا۔ "پانڈے، ہوشیار، دوسرے بارہ گھنٹے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ جیپ سے اچھل کر نیچے آیا، پھر بولا۔ "اری جا، بڑی آئی جھاڑو مارنے والی۔ تیری جیسی کتنی عورتوں کو میں دیکھ چکا ہوں۔ ہمت ہے تو پکڑ لے مجھے۔"

یہ کہتے ہی اس نے دوڑ لگائی۔ وہ بے چاری زبان کی ذرا تیز تھی مگر کبھی اپنے شوہر پہ جھاڑو تو کیا ہاتھ اٹھانے کا بھی حوصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے بھاگتا دیکھ کر اس کے پیچھے دوڑی۔ "ارے کہاں جاتے ہو، رک تو جاؤ۔"

اس نے سمجھا جھاڑو مارنے کے لیے رکنے کو بول رہی ہے۔ اس نے اور تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ میں نے کہا۔ "بھابی! اس کے دماغ کا اسکرو کچھ ڈھیلا ہے، جلدی سے جا کر پکڑ لیجیے پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔"

وہ کب چاہتی تھی کہ شوہر ہاتھ نہ آئے، اس نے بھی پیچھے دوڑ لگائی۔ اب عورت کو اتنا تو غصہ آتا ہے کہ شوہر وعدہ خلافی کرے۔ آنے کو کہے اور نہ آئے، پھر دوسرے دن آئے اور واپس بھاگنے لگے۔ ایسے میں عورت کی زبان کچھ چلتی ہے۔ ایسے میں وہ دوڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں کہتی ہوں سیدھی طرح رک جائیے ورنہ میرے جیسی کوئی بُری عورت نہ ہوگی۔"

یہ بھی ایک چیلنج تھا بھلا وہ کیسے رک سکتا تھا، اس لیے دوڑتا جا رہا تھا۔ اور لوگوں میں تماشا بنتا جا رہا تھا۔ دیکھنے والے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک پولیس افسر وردی میں تھا۔ کچھ لوگ تو اسے پہچانتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "ارے، یہ وہی دلیر افسر ہے جس نے تنہا درجنوں مسلح مجرموں کا مقابلہ کیا تھا اور انھیں گرفتار کیا تھا۔"

اس کے جواب میں کوئی کہہ رہا تھا۔ "ہاں بھئی، ایسے دلیر پولیس افسر بھی ہوتے ہیں جو بندوق اور توپ سے نہیں ڈرتے، بیوی کی جھاڑو سے ڈر کر بھاگتے ہیں۔"

وہ دوڑتے دوڑتے ایک ریڑھے والے سے ٹکرایا۔ اس ریڑھے پر رکھے ہوئے پھلوں اور سبزیوں پر سے گزرتا ہوا دوسری طرف گیا۔ زمین پر گر کر کراہنے لگا۔ ریڑھے والا وردی سے خوف کھا رہا تھا۔ نقصان کے باوجود دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا۔ "حجور، مائی باپ، میری غلطی ہے، میں بیچ سڑک پر ریڑھا لے آیا تھا۔"

پانڈے نے دیکھا، بیوی ہاتھ میں جھاڑو لیے دوڑتی چلی آرہی تھی۔ جھاڑو والا ہاتھ اٹھائے کہتی جا رہی تھی۔ "میں کہتی ہوں، رُک جائیے نہیں تو۔"

وہ بھلا جھاڑو کھانے کیسے رک سکتا تھا۔ دن دہاڑے اتنے لوگوں کے سامنے اپنی بے عزّتی نہیں کرا سکتا تھا۔ لہٰذا پھر بھاگنے لگا۔ میں کوئی سچ مچ نجومی نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ہر بارہ گھنٹے میں کوئی نہ کوئی عورت اس کی پٹائی کرے گی۔ میں نے سوچا تھا، جو پیشنگوئی کر رہا ہوں، اس کے مطابق ایسے حالات پیدا کر دوں گا کہ پانڈے کسی نہ کسی عورت سے ایک دو ہاتھ کھائے اور مجھے پکّا نجومی تسلیم کرتا جائے۔ پہلی بار کلب کے اسٹیج پر جو کچھ ہوا، اس میں میری اتنی شرارت تھی کہ میں نے پانڈے کو آنکھ مارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد رقاصہ نے خود اس سے نمٹ لیا تھا۔ اس کے نمٹنے میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔

وہ بارہ گھنٹے کب کے پورے ہو چکے تھے۔ اب دوسرے بارہ گھنٹے پورے ہونے والے تھے، ایسے وقت اس کی اپنی بیوی جھاڑو لے کر دوڑ رہی تھی جب کہ وہ جھاڑو سے مارنا نہیں چاہتی تھی لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ وہ آگے جا کر چند عورتوں سے اُلجھ گیا۔ ان میں سے جس عورت سے ٹکرایا تھا، اس نے یکبارگی ہاتھ اٹھا کر زوردار طمانچہ رسید کر دیا پھر ایک دم سے سہم کر پیچھے چلی گئی۔ ہاتھ رسید کرنے کے بعد اسے افسر کی وردی نظر آئی تھی۔ وہ فوراً ہی ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی مگر معافی مانگنے سے کیا ہوتا تھا۔ میری پیشنگوئی تو پوری ہو چکی تھی۔

اس کی بیوی جھاڑو لے کر آگئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کو طمانچہ مارنے والی پر حملہ کرنا چاہتی تھی مگر دوسری عورتوں نے پکڑ لیا۔ اس کی طرف سے صفائی پیش کرنے لگیں۔ لوگوں کی بھیڑ لگتی جا رہی تھی۔ میں نے پانڈے کی سوچ میں کہا۔ "دوسرے بارہ گھنٹے والی شرط بھی پوری ہو چکی ہے۔ اب کوئی عورت مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھائے گی۔ میں خواہ مخواہ اپنی بیوی سے ڈر رہا تھا۔"

یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ پھر کہا۔ "اری کم بخت، کیا تو سمجھتی ہے، میں تجھ سے ڈر کر بھاگ رہا ہوں۔"

پھر اس نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بھائیو، آپ نے ابھی دیکھا، میں اتنی دور سے بھاگتا آ رہا ہوں اور یہ میرے پیچھے جھاڑو لیے دوڑ رہی تھی، آپ سمجھ رہے تھے، یہ مجھے مارنا چاہتی ہے اور میں اس سے ڈر رہا ہوں۔ ہرگز نہیں، میں دراصل آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مرد چاہے کتنا ہی شہ زور ہو اور وہ بڑے سے بڑے افسر کی وردی پہن لے اور رعب اور دبدبہ دکھاتا رہے لیکن وہ اپنے گھر میں بیوی سے ضرور ڈرتا ہے۔"

اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں، آپ میں سے بہت سے مرد ایسے ہیں جنھیں میری یہ بات بُری لگے گی۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے، نہ تسلیم کریں، اس لیے کہ کون ان کے گھر میں جھانک کر دیکھنے آتا ہے کہ اپنی مردانگی دکھلانے والے گھر کے اندر کس طرح جورو کی مار کھاتے ہیں۔"

کسی دل جلے مرد نے پوچھا "آپ کو اتنا تماشا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں آپ کو یہ بھی سمجھانا چاہتا ہوں کہ مرد کو صرف پتھر نہیں، کبھی کبھی پھول بن کر رہنا چاہیے۔ اب یہی دیکھیے کہ اس نادان عورت نے مجھے طمانچہ مار دیا۔ میں اتنا بڑا افسر ہوں۔ ابھی اسے حوالات میں بند کر سکتا ہوں۔ ابھی اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے جا سکتا ہوں اور کوئی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا لیکن نہیں، میں ایک انسان ہوں۔ میں جانتا ہوں اس بے چاری سے غلطی ہو گئی اور میں بھی انجانے میں اس سے ٹکرا گیا۔ دونوں سے بھول ہوئی لہٰذا مجھے اپنی افسری کا رعب نہیں دکھانا چاہیے۔ میں آپ کا خادم ہوں، آپ جیسا انسان ہوں۔"

چاروں طرف سے تالیاں بجنے لگیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا "یہ تقدیر کا عجیب مذاق ہے جہاں طمانچے کھاتا ہوں وہاں تالیاں ضرور بجتی ہیں۔"

میں جیب لے کر پہنچ گیا "بھابی، گاڑی میں بیٹھیے اور بچوں کو بھی ساتھ لے چلیے۔ میرے دوست پانڈے کو بہت سے اہم کام کرنے ہیں۔ اسے آئندہ تیس سے بارہ گھنٹوں سے بھی گزرنا ہے۔"

میرے آخری فقرے پر وہ ایک دم سے گھبرا گیا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ایک طرف لے گیا۔ پھر بولا "کیا تم آئندہ بارہ گھنٹے میں بھی میرے ساتھ رہو گے، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمھارے بغیر جے دیوی کو گرفتار کر سکوں؟"

"ہو سکتا ہے، مجھے یہاں سے لے چلو۔ راستے میں کہیں اتار دینا۔ اس کے بعد خود ہی اپنے معاملات سے نمٹتے رہنا۔ اگر کوئی دشواری پیش آئے تو مجھے مالک کے ہاں یا انکل ولیت رائے کے ہاں فون کر لینا۔"

میں نے تین دن پہلے جناب شیخ الفارس سے کہا تھا۔ مجھے اعلیٰ بی بی کی ضرورت ہے تاکہ میں اس کی ذہانت سے کام لے کر پارس کو یہاں سے نکال سکوں۔ انھوں نے وعدہ کیا تھا، اعلیٰ بی بی کو دوسرے دن روانہ کر دیا جائے گا۔ میں نے بتا دیا تھا کہ اعلیٰ بی بی کو یہاں کامنا کماری کے نام سے آنا چاہیے لیکن بعد میں حالات بدل گئے۔ میں جناب شیخ الفارس سے رابطہ قائم کرتا تو پہلے ہی معلوم ہو جاتا کہ اعلیٰ بی بی میرا کام نہیں کرے گی بلکہ رسونتی کے کام سے ہندوستان آئے گی۔

جب میں نے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے کہا "فرہاد! اچانک ہی رسونتی نے میرے پاس آ کر اپنی خیال خوانی کا راز ظاہر کر دیا ہے۔ وہ بہت الجھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی، اس کے بیٹے پارس کو فوجی بیرک سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ اسے نکالنے کے لیے اعلیٰ بی بی کی ذہانت اور حاضر دماغی چاہیے۔"

شیخ صاحب نے پوچھا "بیٹی، تم کیا چاہتی ہو؟"

"سب سے پہلے تو اس بات کو راز میں رکھنا چاہتی ہوں۔ فرہاد کو بھی نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے پارس کو ڈھونڈ نکالا ہے اور اس کے ساتھ اپنا وقت گزارتی ہوں۔ اسے وہاں سے نکال لانا چاہتی ہوں۔ میں اس طرح فرہاد کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔"

شیخ صاحب نے اس سے وعدہ کیا کہ اس کی یہ باتیں راز میں رہیں گی۔ رسونتی نے کہا "میں چاہتی ہوں، اعلیٰ بی بی ہندوستان جائے۔ یورپ میں ایسے بہت سے ہندو خاندان ہیں۔ اعلیٰ بی بی کسی خاندان میں ایک ممبر کی حیثیت سے شریک ہو سکتی ہے۔"

فرانس کی انٹیلی جنس سروس میں ایک ہندو افسر بھی تھا جو پچھلے بارہ برس سے ملازمت کر رہا تھا۔ فرانسیسی حکومت کا وفادار بھی تھا۔ جناب شیخ صاحب کی درخواست پر انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر نے اس ہندو افسر کو طلب کیا۔ اس کا نام روی سُندر تھا۔ وہ تقریباً پچاس برس کا ہو گا۔ اس کی بیوی کو کبھی ماں نہ بننے کا بہت صدمہ تھا۔ روی سُندر سے کہا گیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چند ماہ کے لیے ہندوستان چھٹیاں گزارنے جائے گا۔ ان کے ساتھ ان کی ایک جوان بیٹی بھی ہو گی۔ وہ اپنے دھرم کے مطابق اس جوان لڑکی کا کوئی سا بھی نام رکھ سکتا ہے۔ اگر اسے اعتراض ہو کہ اس کے ملک کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی ہونے والی ہے تو وہ جانے سے انکار کر دے، کسی دوسرے کا انتخاب کر لیا جائے گا۔

وہ ایک عرصے سے اس حکومت کا وفادار تھا، اس کی اور ترقی ہونے والی تھی۔ اس کی بیوی نے کہا "اگر ہمارے ہاں کوئی بیٹی ہوتی تو آج وہ جوان ہوتی۔ کیا حرج ہے، ہم اس طرح ایک بیٹی کی خواہش پوری کر لیں گے۔"

روی سندر نے کہا "ہم بہت زیادہ دولت مند بننے کے لیے آج سے چھتیس برس پہلے ہندوستان سے نکلے تھے اور پیرس آ گئے تھے۔ کتنی بھاگ دوڑ کے بعد مجھے یہ ملازمت ملی اور میں ترقی کرتا گیا۔ ہم یہاں خوشحال ہیں۔ ہمارا اچھا خاصا بینک بیلنس ہے لیکن اپنے ہی وطن کے خلاف کسی لڑکی کو لے کر جانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

رسونتی، جناب شیخ صاحب کے ذریعے انٹیلی جنس والوں تک پہنچی تھی۔ پھر وہاں سے روی سُندر کے دماغ میں پہنچ گئی تھی۔ ان کی باتیں سُن رہی تھی۔ اس نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "مسٹر روی سندر! میں رسونتی تم سے مخاطب ہوں۔ کیا تم میرے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

وہ ایک دم سے پریشان ہو کر بولا "جی ہاں، میں آپ کے اور فرہاد صاحب کے متعلق بہت کچھ سنتا رہتا ہوں۔ ہماری فرانسیسی حکومت آپ لوگوں کی بہت اچھی دوست ہے۔"

"تو پھر تم دشمن کیوں ہو۔ میں بھی ایک ہندوستانی عورت ہوں۔ میں اپنے ملک کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی نہیں کروں گی لیکن میری ایک مجبوری ہے۔ مجھے وہاں سے کچھ حاصل کرنا ہے لہٰذا میرا ساتھ دو۔ نہیں دو گے تو ساری زندگی تم دونوں میاں بیوی پاگل خانے میں گزارو گے۔"

وہ بھلا ٹیلی پیتھی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے۔ دونوں میاں بیوی نے خلا میں تکتے ہوئے اپنے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا "ہم وہی کریں گے جو تمھارا حکم ہو گا۔"

"دوست بن کر رہو گے تو میں حکم کبھی نہیں دوں گی۔ ہاں، یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ کبھی مجھ سے دشمنی کرنے کے لیے ایک ذرا سی بھی سوچ تم میں سے کسی کے دماغ میں آئے گی اور تم میرے خلاف ہندوستان میں جاسوسی کرو گے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ٹیلی پیتھی کی لہریں دنیا کے آخری سرے تک پیچھا کرتی ہیں بلکہ آخری سانس تک کہیں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

مختصر یہ کہ رسونتی نے اپنا کام بنا لیا۔ میری تازہ ترین معلومات کے مطابق اعلیٰ بی بی دوسرے دن روی سندر اور اس کی بیوی کے ساتھ ان کی جوان بیٹی کماری سینا بن کر ہندوستان پہنچنے والی تھی۔ میری ٹیم میں دو ٹیلی پیتھی جاننے والی عورتیں ہیں۔ ثیبا نے ایک علیحدہ راستہ اختیار کیا تھا لیکن پارس کے معاملے میں وہ بھی مجبور ہو گئی تھی اور وہ اس سلسلے میں سونیا کی ذہانت کو استعمال کر رہی تھی —— ادھر رسونتی نے اعلیٰ بی بی کی ذہانت اور حاضر دماغی کا سہارا لینا شروع کیا تھا۔ یہ دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والیاں اس قدر غیر معمولی صلاحیت رکھنے کے باوجود سونیا اور اعلیٰ بی بی کی محتاج تھیں۔

شنکر اور رانی سردار سب مل کر پارس دوم کے سلسلے میں کوششیں کر رہے تھے۔ وہ اب تک دو مسلح فوجی جوانوں سے مل چکے تھے۔ اس ملاقات کے لیے انھوں نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ چُپ چاپ ان کی نگرانی کرنے کے بعد، پھر تعاقب کرنے کے بعد ان کے گھروں تک پہنچ پائے تھے۔ اس کے بعد رانی سردار اور شنکر میاں بیوی کی حیثیت سے ایک فوجی کے گھر گئے۔ دروازے پر دستک دینے کے بعد جب وہ آیا تو اس سے پوچھا "کیا اس محلے میں کوئی مکان کرائے پر مل سکتا ہے؟"

اس شخص نے کہا "بھئی، میں فوج کا آدمی ہوں۔ آج چھ مہینے کے بعد بیوی بچوں سے ملنے آیا ہوں۔ آپ مکان کے سلسلے میں کسی اور سے دریافت کریں۔"

اس طرح دوسرے فوجی جوان سے بھی دوسرے انداز میں ملاقات کی گئی۔ ایسے وقت ان کے لب و لہجے کو اچھی طرح ذہن نشین کر چکا تھا۔ وہ فوجی جوان ڈیوٹی کے وقت گونگے بن جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے، خواہ کتنی ہی ضرورت پیش آئے۔ وہ اعلیٰ افسران کی ہدایات پر عمل کرتے تھے تاکہ ان کی آواز دیوار کو بھی نہ سنائی دے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے کے لیے زبان دی ہے۔ سننے کے لیے کان دیے ہیں۔ دیکھنے کے لیے آنکھیں دی ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اسے انسان اچھی طرح استعمال کرنے پر مجبور ہے اور نہ کرے تو عجیب سی بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آدمی زبان رکھ کر گھنٹوں گونگا نہیں رہ سکتا۔ وہ کچھ نہ کچھ بولنا چاہتا ہے۔ کسی سے کچھ نہ بول سکے تو تنہائی میں زیرِ لب بڑبڑانا چاہتا ہے۔ اگر بڑبڑانا پاگل پن کی علامت ہے تو ہولے ہولے گنگنانا چاہتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح اپنے حلق سے آواز نکالنا چاہتا ہے، زبان ہلانا چاہتا ہے، الفاظ ادا کر کے خود سننا چاہتا ہے کہ وہ کس طرح بولتا ہے یا کس طرح گاتا اور گنگناتا ہے۔

ایک وقت میں ایک مچان پر دو مسلح سپاہی ہوا کرتے تھے۔ اس طرح چار مچانوں پر آٹھ سپاہی ہوتے تھے۔ ان کی ڈیوٹی آٹھ گھنٹے تک رہتی تھی۔ اس کے بعد دوسرے سپاہی ان کی جگہ آ جاتے تھے۔ اس طرح چوبیس سپاہی تھے جو پارس کے سلسلے میں رازدار بنائے گئے تھے اور ان چوبیس سپاہیوں کو سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ ڈیوٹی کے بعد سیدھے بیرک میں چلے جایا کریں۔ ان سپاہیوں کو اوّل تو چھٹی نہیں ملتی تھی، اگر کسی مجبوری کے تحت میڈیکل رپورٹ کے مطابق چھٹی دینا پڑ جاتی تو انھیں ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ باہر کسی اجنبی سے قطعی گفتگو نہ کریں لیکن کون کہاں تک احتیاط برت سکتا ہے، کہیں نہ کہیں تو لغزش ہوتی ہی ہے۔

جب وہ ڈیوٹی کے بعد بیرک میں جاتے تو ایک دوسرے سے کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ وہاں پورا اطمینان تھا کہ کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا ان کی آواز نہیں سُن سکے گا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ چوبیس سپاہیوں میں سے دو جوان

میرے آلۂ کار بن چکے ہیں اور ان کے ذریعے میں رفتہ رفتہ باقی سپاہیوں کے دماغوں میں بھی پہنچتا جا رہا ہوں۔

رسونتی ابھی اعلیٰ بی بی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دوسرے دن پہنچنے والی تھی۔ میں بھی اس کا منتظر تھا۔ خود ہی پارس کے سلسلے میں اقدامات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب کہ رسونتی نیتے سر پر اثر دینا چاہتی تھی۔ اپنے بچے کو ایک بہت ہی خوب صورت انمول تحفہ بنا کر پیش کرنا چاہتی تھی۔ تو میں بھی اس کا مان رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی لاعلمی میں اعلیٰ بی بی کی مدد کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم کر سکوں اور وہ پارس کو یہاں سے لے جانے کے سلسلے میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کا بھی مظاہرہ کر سکے۔

اُدھر منگل پانڈے کی شہرت کے ڈنکے بجنے لگے تھے تمام اخبارات میں اس کی بڑی بڑی تصویریں اور کارنامے شائع کیے جا رہے تھے۔ اس نے ایک ایسی عورت کو گرفتار کیا تھا جو دُہری زندگی گزارتی تھی۔ وہ دہلی شہر میں ارب پتی شوہر دلپت رائے کی بیوی بن کر رہتی تھی اور یہ بات دلپت رائے کو معلوم نہیں تھی۔ دوسری طرف وہ جنگلوں میں رانی سردار بن کر خفیہ اڈوں میں کبھی کبھی وقت گزارتی تھی اور وہاں کے قریبی علاقوں میں ڈاکے ڈالتی تھی۔

اس کارنامے کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ وہ عورت جو ایک وقت میں دیوی بھی تھی اور رانی سردار بھی، وہ فرہاد علی تیمور کی محبوبہ تھی اور اس کے اشاروں پر دُہری زندگی گزارتی تھی تاکہ فرہاد کو کبھی جنگلوں میں اور کبھی شہروں میں اس کے ذریعے پناہ ملتی رہے۔

منگل پانڈے نے اخبارات کے ذریعے ایک دعویٰ کرتے ہوئے کہا تھا۔ رانی سردار کا کیس اس کے ہاتھوں میں دیر سے دیا گیا، اگر ایک دن پہلے یہ کیس مل جاتا تو وہ فرہاد علی تیمور کو بھی گرفتار کر لیتا اور اسے ملک سے باہر جانے کا موقع نہ دیتا۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ جے دیوی کتنے عرصے تک میرے تنویمی عمل کے زیرِ اثر رہے گی۔ یہ اثر کبھی تو ختم ہونا تھا۔ اور جب ختم ہوتا اور ایسے وقت میں میں اس کے پاس موجود نہ ہوتا تو وہ سارا بھونڈا پھوڑ سکتی تھی۔ اس نے آج تک نفرت کی آگ میں جلتے ہوئے نہ جانے کتنے مردوں کو قتل کیا تھا۔ ویسے بھی وہ سزائے موت کی مستحق تھی۔ میں اسے سزا نہ دیتا تو قانون دیتا لہٰذا میں نے ہی اس کے لیے سزا تجویز کی۔

جب اس کے خلاف ثبوت فراہم ہونے لگے اور اسے گرفتار کیا گیا تو اس نے میری مرضی کے مطابق اچانک ہی ایک افسر کے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر دھمکی دی "خبردار! کوئی میری طرف نہ آئے ورنہ میں کسی کو بھی گولی مار سکتی ہوں۔"

تمام افسران خوش فہمی میں تھے۔ اسے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ وہ مجبور تھی لیکن اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ان سب کو مجبور کر دیا تھا۔ ایک افسر نے کہا "جے دیوی! تم زیادہ سے زیادہ ایک دو کو مار سکتی ہو۔ اس کے بعد تمہارا انجام کیا ہوگا؟"

"میں نے اب سے پہلے بے شمار قتل کیے ہیں، انجام کے متعلق کبھی نہیں سوچا۔ آج اپنا انجام دیکھ کر سوچ رہی ہوں کہ فرہاد سے دل لگا کر بہت بڑی غلطی کی۔ میں مردوں سے سخت نفرت کرتی تھی لیکن اس نے میرے دماغ کو تسخیر کر لیا اور مجھے اپنا بنا لیا۔ رفتہ رفتہ میں اس سے محبت کرنے لگی۔ وہ بدترین ہرجائی ہے۔ آخر مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

منگل پانڈے نے بڑے افسران کے درمیان سینہ تان کر کہا "رانی سردار! میں دعوے سے کہتا ہوں، اگر حکومت نے مجھے ملک سے باہر فرہاد کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تو میں اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر لاؤں گا۔ ہو سکتا ہے تمہارے ساتھ ہی اسے کسی جیل میں قیدی بنا کر رکھا جائے۔ فی الحال یہ ریوالور پھینک دو ورنہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "جب میں نے اپنی بُری زندگی کو نہیں سمجھا تو تمہارے جیسے بُرے آدمی کو کیا سمجھوں گی، بائی دی وے میں کسی کو ہلاک نہیں کروں گی میں خود کو ہلاک کرنے جا رہی ہوں۔ ابھی آخری بار فرہاد کو پکار رہی ہوں، اگر مجھ سے محبت ہے تو وہ میرے دماغ میں آ کر بولے مجھے مرنے سے روک لے۔ مجھے قانون کی گرفت سے نکال کر لے جائے، فرہاد، تم کہاں ہو، کہاں ہو فرہاد؟ آواز دو۔ آواز دو ورنہ میں اپنے آپ کو گولی مارنے والی ہوں۔"

اس نے دو چار بار مجھے آواز دی۔ اس کے بعد ریوالور کی نال کو کنپٹی سے لگا کر گولی چلا دی۔ یہ تمام تفصیلات اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ جے دیوی کی موت جس طرح ہوئی اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ فرہاد اس ملک میں نہیں ہے، اگر ہوتا تو اسے خودکشی کرنے سے روکتا اور قانون کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرتا۔ یہ بات سب جانتے ہیں اور مانتے بھی ہیں کہ وہ جس سے ایک بار تعلق قائم کرتا ہے اسے بے موت مرنے نہیں دیتا اور نہ ہی قانون کے ہاتھوں میں جانے دیتا ہے۔

رانی سردار اور شنکر وغیرہ کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ان پر سے رانی سردار کے نام سے ہونے والی ڈکیتی کے سارے الزامات مٹ چکے تھے۔ اب کوئی ان کے ماضی کو کرید نہیں سکتا تھا۔ نہ ہی انہیں کسی موقع پر ڈاکو ثابت کر سکتا تھا۔ وہ معزز شہری کی حیثیت سے زندگی گزار سکتے تھے۔

منگل پانڈے کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے، وہ تو جیسے آسمانوں پر اُڑا جا رہا تھا۔ اسے بڑی بڑی محفلوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ تمام افسران اس کی عزت بھی کرتے تھے اور اس سے حسد بھی کرنے لگے تھے۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا تھا کہ اسے پچاس ہزار روپے انعام میں دیے جائیں گے۔ میرے کہنے پر انکل دلپت رائے نے اسے چُپ چاپ پچاس ہزار روپے اور دیتے ہوئے کہا تھا "یہ رشوت نہیں ہے بلکہ اس بات کا انعام ہے کہ آپ نے مجھے ایک بہت بڑی بلا سے نجات دلائی ہے۔ میں ان پچاس ہزار کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔"

پانڈے نے وہ رقم رکھ لی تھی۔ سرکار کی طرف سے بھی پچاس ہزار ملنے والے تھے۔ اس طرح وہ پہلی بار خود کو لکھ پتی محسوس کر رہا تھا۔ ایسے وقت مجھے بہت یاد کرتا تھا، سوچتا تھا اس میں سے دو چار ہزار روپے دھن راج کو دینا چاہیے، بے چارہ غریب آدمی ہے، میرے کتنے کام آ رہا ہے اور شاید آئندہ بھی آئے گا۔

وہ میرے متعلق بہت کچھ سوچتا تھا لیکن مجھ سے ملنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ ملنے کے خیال سے ہی لرز جاتا تھا کہ وہ بارہ گھنٹے والی تقدیر کی شرائط پوری ہوں گی۔ اب تک جتنی عزت کما چکا ہے وہ عورتوں سے مار کھاتے کھاتے خاک میں مل جائے گی لہٰذا اسے دھن راج سے کبھی ملاقات نہیں کرنا چاہیے۔

میں اس شہر میں رہ کر اپنے تحفظ کا مکمل انتظام کر چکا تھا۔ کوئی میری موجودگی کا شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ رانی سردار وغیرہ پر آنچ نہیں آ سکتی تھی۔ پارس دوم کو وہاں سے نکالنے کے سلسلے میں تقریباً تمام راستے ہموار کر چکا تھا۔ اس سلسلے میں صرف اعلیٰ بی بی کا انتظار تھا۔ استنبول میں شیبا، آمنہ اور سونیا ہمارے پارس اوّل کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں اور اب دہلی میں رسونتی اور اعلیٰ بی بی کی جدوجہد کا آغاز ہونے والا تھا۔

***

سونیا پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی دور آمنہ کو دیکھ رہی تھی جو پارس کو اپنے شانے پر لادے دوڑتی ہوئی شیبا کی کار کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ جوجو بھی تھی۔ جب وہ کار میں بیٹھ گئیں اور.... وہ کار اسٹارٹ ہو کر دور جانے لگی تب سونیا نے بھی اسٹارٹ لیا۔ پنکھا پہلے ہی گردش کر رہا تھا پھر اس میں تیزی آ گئی۔ ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہوتا ہوا فضا میں پرواز کرتا ہوا دور جانے لگا۔

ترکی کے دو حصے ہیں، مغربی ترکی یورپ میں ہے اور مشرقی ترکی ایشیا میں۔ ان کے درمیان بحیرۂ مرمر اور باسفورس ہے۔ شیبا، آمنہ، جوجو اور پارس وغیرہ یورپ والے حصے میں تھے جب کہ سونیا پرواز کرتے ہوئے ایشیائی حصے میں جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے دیکھا، چار ہیلی کاپٹر مختلف سمت سے آ رہے تھے۔ وہ ایسے ہی تعاقب کرنے والوں کو بھٹکانے کے لیے ایشیائی استنبول کی طرف جا رہی تھی۔

اسے ریڈیو وائرلیس سے مخاطب کیا جانے لگا "ہیلو مادام سونیا! اٹینشن پلیز، مادام سونیا! اٹینشن پلیز۔ ہیلی کاپٹر نمبر جی ون تھری ہنڈرڈ الفریڈ ائیر ویز کمپنی کی ملکیت ہے، آپ کی یہ پرواز غیر قانونی ہے، آپ سے درخواست کی جاتی ہے اسے فوراً ہمارے پرائیویٹ پورٹ میں پہنچا دیں۔"

سونیا کے منہ کے سامنے ایک چھوٹا سا مائک تھا۔ وہ آواز اور لہجہ بدل کر بولی "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں سونیا نہیں ہوں اور جو ہوں وہ آپ نہیں جانتے اور نہ ہی میں بتانا چاہتی ہوں۔"

"تم جھوٹ کہتی ہو، تم سونیا ہو۔"

"تمہارے اصرار کرنے سے میرا نام اور میری شخصیت تو نہیں بدل جائے گی۔ ایک بار کہہ چکی ہوں کہ میں مادام سونیا نہیں ہوں۔"

جھلا کر کہا گیا "تم جو کوئی بھی ہو، وہ ہیلی کاپٹر ہماری ملکیت ہے، اسے واپس لاؤ۔"

"میں مجبور ہوں۔ چار ہیلی کاپٹر مجھے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔"

"ان میں سے ایک ہمارا ہے، وہ تمہاری واپس آنے میں مدد کرے گا۔"

"تو پھر اس کے پائلٹ سے کہو، باقی تینوں کو ڈاج دینے کی کوشش کرے۔ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو میں ضرور واپس آؤں گی۔ میں پریشان ہوں، اس وقت میں زمین پر ہوں نہ آسمان پر۔ آخر میں کس طرح پرواز کر رہی ہوں؟"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"میں خود نہیں جانتی، کیا بول رہی ہوں۔ میں ایک اسپتال میں مینٹل کیس کے سلسلے میں لائی گئی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں میرا دماغ خراب ہے۔ میں اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتی ہوں۔ اب یہی دیکھیں کتنے اچھے دماغ والے وہاں فائرنگ کر رہے تھے۔ لوگوں کی جانیں لے رہے تھے۔ مجھے چھت پر یہ ہیلی کاپٹر خالی ملا۔ میں اس میں بیٹھ گئی پھر یہ اُڑنے لگا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا، مجھے کہاں جانا چاہیے۔"

دوسری طرف سے گھبرا کر پوچھا گیا۔ "اسے تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم اسپتال کے دماغی امراض والے شعبے میں تھیں۔ کیا تم پاگل ہو؟"

"خبردار، مجھے پاگل نہ کہنا۔ میں اچھے اچھوں کو پاگل بنا دیتی ہوں۔ اب یہی دیکھو۔ میں نے کہا، مجھے ہیلی کاپٹر چلانا نہیں آتا۔ تمھیں یقین آگیا کہ یہ آپ ہی آپ اڑنے لگا ہے۔ آخر تم پاگل ہوئے نا؟"

وہ قہقہے لگانے لگی۔ دوسری طرف سے بار بار پوچھا جا رہا تھا۔ "تم اپنی شناخت کراؤ۔ تم کون ہو، تمھارا نام کیا ہے۔ اسپتال کے کس شعبے میں اور کس کمرے میں تھیں؟"

دوسری طرف سے پوچھا جا رہا تھا اور وہ قہقہے لگاتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے اچانک مائک والے سوئچ کو آف کیا۔ ریڈیو وائرلیس کے بٹن کو بھی آف کر دیا۔ تین ہیلی کاپٹر قریب آتے جا رہے تھے۔ چوتھا جو سپر ماسٹر سے تعلق رکھتا تھا، وہ سونیا کے ہیلی کاپٹر کے سامنے آ گیا تھا اور ڈھال بن کر ہیلی گن کے ذریعے فائر کر رہا تھا۔

آنے والے منتشر ہونے لگے لیکن وہ دور تک پھیل کر صرف سونیا کو نہیں بلکہ دوسرے ہیلی کاپٹر والے کو بھی گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دور ہی دور سے فائر کر رہے تھے۔

سونیا تھوڑی دیر تک تماشا دیکھتی رہی، ان کے محاصرے سے بچ کر نکلنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر مددگار ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ دو طرفہ فائرنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تینوں پھر منتشر ہونے لگے۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہیلی کاپٹر کی رفتار بڑھاتے ہوئے ان کے درمیان سے نکلتی چلی گئی۔ ایسے وقت دو طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی اور یہ جوابی فائرنگ کر رہی تھی۔ فضا میں اتنی تیز رفتاری کے دوران صحیح نشانہ بازی مشکل ہوتی ہے۔ سونیا ماہر نہیں تھی لیکن قسمت کی دھنی تھی۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے جب وہ فائر کرنے لگی تو ایک ہیلی کاپٹر کی ایندھن کی ٹنکی میں کئی بلٹ پیوست ہوئے، پھر یکبارگی آگ بھڑک اٹھی۔

اب تعاقب کرنے والے دو رہ گئے۔ سونیا کے نقطۂ نظر سے تین تھے۔ سپر ماسٹر کا وہ مددگار بھی دوست نہیں تھا۔ اسے گھیر کر اپنے پرائیویٹ پورٹ تک لے جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت سونیا کو شیبا کی آواز سنائی دی۔ سونیا نے غصے سے کہا۔ "تم کہاں رہ جاتی ہو؟ کتنی بار سمجھایا ہے۔ ایک ہی وقت میں ہر پہلو پر باری باری نظر رکھو مگر تم نے مجھے نظر انداز کر دیا تھا۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں، اپنے معاملات میں الجھ گئی تھی۔ فی الحال ہم بخیریت قیصری قلعے کی طرف جا رہے ہیں۔ تم سناؤ۔"

"میں ریڈیو وائرلیس کے ذریعے گفتگو کر رہی ہوں۔ جس کی طرف کہوں، اس کی طرف خیال خوانی کے ذریعے چلی جانا۔"

یہ کہتے ہی اس نے وائرلیس کو آن کیا۔ پھر اپنے مائک کو آن کرتے ہوئے بولی۔ "ہیلو ہیلو، میں ایک گمنام مریضہ بول رہی ہوں۔ جب تک مجھے اپنے مددگار ہیلی کاپٹر والے سے رابطہ قائم کرنے کا موقع نہیں ملے گا، ہم دونوں مل کر دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تم مریضہ ہو مگر اناڑی پن میں بڑا کمال دکھا چکی ہو۔ تم نے ایک ہیلی کاپٹر کو تباہ کر دیا ہے۔ ہم تمھیں مددگار ہیلی کاپٹر سے رابطہ قائم کرنے کا طریقہ بتا رہے ہیں۔"

انھوں نے طریقہ اور کوڈ ورڈز بتائے۔ اس کے مطابق سونیا نے عمل کیا تو مددگار پائلٹ سے رابطہ قائم ہو گیا۔ سونیا نے کہا۔ "ہیلو، کیا میں صحیح رابطہ قائم کر رہی ہوں؟"

مددگار پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "ہاں، صحیح رابطہ قائم کر رہی ہو۔ اپنی پوزیشن بتاؤ؟"

سونیا نے شیبا کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "کیا تم نے اس کی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لیا؟"

"ہاں، میں اس کے دماغ میں پہنچ سکتی ہوں۔"

"فوراً پہنچو، ہو سکے تو اس ہیلی کاپٹر کو دوسرے ہیلی کاپٹر سے ٹکرا دو۔"

وہ چلی گئی۔ سونیا ہیلی کاپٹر کی رفتار بڑھاتے ہوئے اسکرین پر تینوں ہیلی کاپٹرز کو دیکھنے لگی۔ ویسے تو ونڈ اسکرین اور سائیڈ اسکرین کے ذریعے تعاقب کرنے والوں کو دیکھ سکتی تھی، لیکن چھوٹے سے اسکرین پر عقب سے آنے والوں کی پوزیشن معلوم نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے دیکھا، اس کا مددگار ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا ایک دشمن ہیلی کاپٹر کے اوپر چلا آیا تھا اور اس سے چند سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اچانک اوپر والا ہیلی کاپٹر ایک جھٹکا کھا کر نیچے آیا اور نیچے پرواز کرنے والے ہیلی کاپٹر کے پنکھے سے ٹکرا گیا۔ صرف پنکھے سے ٹکرانا ہی کافی ہوتا ہے، اس کے بعد پرواز قائم نہیں رہتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ہیلی کاپٹر پستی کی طرف جانے لگے۔ اب ان میں سے کسی کے بھی زندہ بچنے کی توقع نہیں تھی۔

چند لمحوں کے بعد ہی شیبا نے آ کر کہا۔ "وہ دونوں تباہ ہو چکے ہیں، ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچا۔"

"تم صرف میرے مددگار ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کے دماغ میں تھیں، تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ دوسرے زندہ نہیں بچے؟"

"جب ایک ہیلی کاپٹر کے آدمی مر چکے ہیں تو دوسرے

کے بھی مر چکے ہوں گے۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی بچ بھی گیا ہو تو... تمھیں کس بات کی فکر ہے؟ اب تم ایک کے مقابلے پر ہو اور آگے بڑھتی جا رہی ہو۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "بہت بولنے لگی ہو، بائی دی وے ایک ہی مقابلے پر ہے، میں اس سے نمٹ لوں گی۔"

"کیا تم اس کی آواز اور لب و لہجہ سنا نہیں سکتیں؟"

"مجھے اس پائلٹ کا کوڈ اور فریکوئنسی معلوم نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں اس سے نمٹ لوں گی۔ تم اپنے معاملات پر دھیان دو لیکن وقتاً فوقتاً میرے پاس آتی رہو۔"

اب دو ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کر رہے تھے، ایک دوسرے کے آگے پیچھے اپنی تیز رفتاری دکھا رہے تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تعاقب کرنے والے پیچھے ہوتے ہیں لہٰذا سونیا آگے جا رہی تھی اور کوئی مناسب جگہ تلاش کر رہی تھی۔ تب ایسی جگہ نظر آ گئی۔

وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اونچی نیچی پہاڑیاں تھیں، بڑے بڑے پتھر دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے نیچے ریت بچھی ہوئی تھی کیوں کہ ان پتھروں اور پہاڑیوں کے بعد سمندر شروع ہوتا تھا۔ سونیا نے ایک جگہ دیکھا، اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان اتنی جگہ تھی، جہاں ہیلی کاپٹر کو اتارا جا سکتا تھا۔ دوسرا پرواز کرتے کے دوران جب اسے اترتے دیکھتا تو فائر نہیں کر سکتا تھا۔ چاروں طرف سے چٹانیں آڑے آ سکتی تھیں۔ اچھی طرح سوچ بچار کے بعد وہ ہیلی کاپٹر کو اتارنے لگی۔

دوسرا ابھی پرواز کر رہا تھا۔ ایک دائرے کی صورت میں گھوم کر اپنے لیے اترنے کی مناسب جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ پھر وہ بھی کہیں اترنے لگا۔ سونیا اپنے ہیلی کاپٹر سے نکل آئی تھی۔ چٹانوں کی آڑ لیتے ہوئے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ ہیلی کاپٹر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ آس پاس کہیں اتر گیا ہے۔ سونیا کو معلوم نہیں تھا کہ اس ہیلی کاپٹر میں کتنے لوگ سوار ہیں اور کس قسم کے اسلحے سے لیس ہیں۔

ایسے وقت اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کرتا تھا۔ وہ ہر پہلو پر گہری نظر رکھتی تھی۔ اتنا جانتی تھی کہ دوسرے ہیلی کاپٹر سے اترنے والے چاروں طرف پھیل جائیں گے اور مختلف سمت سے فائرنگ بھی کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں ایک ہی بنیادی اور اہم بات تھی کہ وہ دشمنوں کی نظروں میں نہ آئے۔ پہلے وہ دشمنوں کو دیکھ لے، انھیں اچھی طرح سمجھ لے۔ سمجھنے کے لیے کئی طریقے ہوتے ہیں، مثلاً دشمن اپنی چال سے، اپنے بدلتے ہوئے چہرے سے، اپنی محتاط طبیعت سے اور اپنے اسلحے سے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اور کس طرح حملے کرے گا۔

وہ تھوڑی دیر تک کان لگا کر سنتی رہی۔ پھر اپنے ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑتی ہوئی آئی۔ چابی اس کے پاس تھی، اس کے باوجود اس نے ہیلی کاپٹر میں کچھ خرابیاں پیدا کیں، پھر وہاں سے اتر کر دوڑتی ہوئی چٹانوں کی آڑ لیتی ہوئی، چھپتی چھپاتی دور نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ آخر بہت دور جا کر رک گئی۔ تھوڑی دیر تک غور کرتی رہی، سمجھتی رہی۔ پھر اس نے اپنا راستہ بدل دیا۔

وہ جیسے ہی راستہ بدل کر ایک چٹان کی آڑ میں آئی، اسے دو مسلح جوان نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں جدید ترین رائفلیں تھیں۔ ان رائفلوں پر ٹیلی اسکوپ لگے ہوئے تھے، وہ اس کے علاوہ کئی ہینڈ گرنیڈ کے ہار بنا کر گلے میں پہنے ہوئے تھے، وہ یعنی سونیا اگر کسی چٹان کے پیچھے یا غار میں چھپنے کی کوشش کرتی تو وہ ہینڈ گرنیڈ سے حملے کرتے اور اسے باہر نکلنے پر مجبور کر دیتے۔

وہ دبے قدموں چلتے ہوئے ایک چٹان سے دوسری چٹان کے پیچھے آئی پھر اسی طرح چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے ان سے دور جانے لگی۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی۔ دوسری طرف دو اور مسلح افراد نظر آ رہے تھے، وہ بھی اسی قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ دو دو کی ٹولی میں دو مختلف سمت سے آئے تھے۔ اس طرح سونیا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کدھر سے آئے ہیں اور ان کے ہیلی کاپٹر نے کہاں لینڈ کیا ہو گا۔

وہ اسی طرف بڑھنے لگی۔ اسے تلاش کرنے والے دوسری طرف پہاڑی کے دامن میں تھے۔ مختلف چٹانوں کی آڑ لیتے ہوئے اسے تلاش کرتے ہوئے اس طرف جا رہے تھے، جہاں سونیا نے اپنے ہیلی کاپٹر کو اتارا تھا۔ یعنی اسے تلاش کرنے والے اس کے ہیلی کاپٹر کی طرف جا رہے تھے اور وہ دشمنوں کے ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ رہی تھی۔

یہ محض تجربات کی بات ہوتی ہے۔ اگر اسے تلاش کرنے والے خرانٹ قسم کے تجربہ کار ہوتے تو وہ بھی سونیا کی طرح محتاط ہو کر پہلے ہر پہلو کا جائزہ لیتے کہ جسے تلاش کر رہے ہیں وہ ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد کس طرح ان سے چھپنے کی کوشش کرے گی۔ سونیا نے تو اپنے تجربات کی روشنی میں انھیں اچھی طرح پڑھ لیا تھا اور ان کے ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ گئی تھی۔ وہاں ایک پائلٹ اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھا سستا رہا تھا۔ اس نے اپنی رائفل ایک طرف رکھ دی تھی۔ اس کے ہولسٹر میں ایک ریوالور تھا۔ کارتوس کی پیٹی کمر سے بندھی ہوئی تھی اور رائفل کے کارتوس شانے سے لٹکے ہوئے تھے۔

سونیا ریت پر لیٹ گئی۔ پھر آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ فرہاد اور اس کی ساتھی عورتیں ہمیشہ ہنستی رہتی ہیں اور دشمنوں پر ہمیشہ بلائیں کر نازل ہوجاتی ہیں۔ پتھر کے قریب پہنچتے ہی اچانک سونیا نے اٹھ کر چھلانگ لگائی پھر اس پائلٹ کو لیے ہوئے پتھر سے لڑھکتے ہوئے ریت پر آگئی۔ بعد میں اسے پتا چلا کہ جسے محض پائلٹ سمجھتی تھی وہ بہت اچھا باڈی بلڈر اور فائٹر ہے۔ سونیا جو اپنی عادت کے مطابق کسی سے بھی بہت کم ہاتھا پائی کرتی تھی اور آسانی سے کام بنا کر نکل جانے کی کوشش کرتی تھی تاکہ نہ خود زخمی ہو نہ کسی کو زخمی کرے ....

اس وقت وہ مجبور ہوگئی تھی۔ اپنے فائٹر ہونے کا بھرپور مظاہرہ کر رہی تھی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ پائلٹ اسے پھرتیلی تسلیم کر رہا تھا۔ اسے اتنی فرصت نہیں مل رہی تھی کہ وہ ہولسٹر سے اپنا ریوالور نکال سکتا۔

لڑنے کے دوران بے اختیار منہ سے آہیں اور کراہیں نکلتی ہیں اور جھنجلا کر لڑنے والے گالیاں بھی دیتے ہیں۔ جب اس نے سونیا کو غالب ہوتے دیکھا تو گالیاں دینے لگا۔ شیبا نے کہا "میں موجود ہوں، اگر تم برا نہ مانو تو اسے ٹریپ کر لوں!"

"برا ماننے کی بات ہی نہیں ہے۔ تم دانش مندی دکھانے والی ہو، میں وقت ضائع کرنا حماقت سمجھتی ہوں۔ فوراً اسے ٹریپ کر دو۔"

شیبا اس کے دماغ پر قابض ہوگئی۔ سونیا نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے چابی نکالی۔ ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئی پھر اسے اسٹارٹ کیا۔ پنکھا تیزی سے گردش کرنے لگا۔ اس کی آواز سن کر وہ چاروں تلاشی کرنے والے چونک گئے۔ پھر اس طرف دوڑنے لگے لیکن جب تک وہ قریب آئے، ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوچکا تھا۔ ان کے ٹارگٹ سے بھی آگے نکل چکا تھا۔ اس کے باوجود وہ جھنجلا کر فائر کر رہے تھے اور ریت پر پاؤں پٹخ رہے تھے۔ پھر انھوں نے پائلٹ سے اس ہیلی کاپٹر کی طرف جانے کے لیے کہا جسے سونیا لائی تھی۔ وہ سب ایک ساتھ دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ اس ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے، بعد میں خیال آیا کہ اس کی چابی سونیا لے گئی ہے، اس کے علاوہ چند پرزے بھی غائب ہیں، اب وہ سر پیٹنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

استنبول سے انقرہ کا فاصلہ بہت طویل ہے، شیبا کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ اسے انقرہ تک جانے، پھر وہاں سے قیصری قلعے تک پہنچنے میں کم از کم ایک رات اور ایک دن لگ جاتا، اسی لیے سونیا نے دشمنوں کے ساتھ ایسی چال چلی تھی، اپنا ہیلی کاپٹر بے کار کر دیا تھا اور ان کا ہیلی کاپٹر لے کر پرواز کرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئی تھی، جہاں شیبا ڈرائیو کرتے ہوئے مین شاہراہ پر جا رہی تھی۔ دونوں کے درمیان دماغی رابطہ قائم تھا۔

وہ ایسے علاقے میں پہنچے جو بہت ہی ویران تھا۔ وہاں سے اکا دکا گاڑیاں گزرتی تھیں۔ سونیا نے اس شاہراہ سے بہت دور ہیلی کاپٹر کو اتار دیا۔ شیبا نے بھی کار روک دی تھی، پھر آمنہ نے پارس کو اپنے شانے پر لاد لیا۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی ہیلی کاپٹر کی طرف آئی۔ جوجو بھی ساتھ تھی۔ شیبا، جوجو اور پارس ہیلی کاپٹر میں سوار ہوگئے، آمنہ نے کہا "میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے قیصری قلعے تک آؤں گی، مجھ سے رابطہ قائم کرتے رہنا ورنہ میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوجاؤں گی۔"

وہ دوڑتی ہوئی کار کی طرف چلی گئی۔ سونیا نے پھر ہیلی کاپٹر کو اسٹارٹ کیا، وہاں سے پرواز کرتے ہوئے جانے لگی۔ شیبا نے کہا "تم بڑے اچھے موقع پر لینے آگئیں کیوں کہ یہاں سے چھ میل کے فاصلے پر ایک پولیس چوکی ہے جہاں سخت چیکنگ ہوتی ہے۔ اگر کوئی زخمی پارس کو دیکھ لیتا تو سمجھ لیتا ہم اسی اسپتال سے آئے ہیں۔ پھر جوجو بھی پہچانی جاتی۔"

جوجو نے پریشان ہو کر پوچھا "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں نے جب سے استنبول کی زمین پر قدم رکھا ہے، تب سے یوں لگ رہا ہے جیسے ساری دنیا پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

پارس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر کہا "ساری دنیا کو الزام نہ دو، صرف میں پیچھے پڑ گیا ہوں۔"

سونیا اور شیبا دونوں ہنسنے لگیں۔ پارس نے پوچھا "جوجو! ایک بچے کی کتنی مائیں ہوسکتی ہیں؟"

جوجو نے آنکھیں نکال کر کہا "کتنا بے تکا سوال ہے، کسی بھی بچے کی صرف ایک ہی ماں ہوتی ہے۔"

"میری چار مائیں ہیں۔"

وہ حیرانی سے بولی "چار؟"

"ہاں، ایک وہ جس نے مجھے جنم دیا ہے، ایک یہ شیبا ممی ہیں جو تمھارے پاس بیٹھی ہیں۔ یہ میری وہ ماں ہیں جو میری سلامتی کے لیے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھتی ہیں، ہمیشہ میرے دماغ میں موجود رہتی ہیں تاکہ دشمن مجھے نقصان نہ پہنچائیں اور میں جو تمھاری حفاظت کرتا آ رہا ہوں، دشمنوں کے مقابلے میں اتنے کارنامے انجام دے رہا ہوں تو اس کے پس پردہ میری شیبا ممی کا ہاتھ ہے، ان کی صلاحیتیں ہیں، ان کی محبتیں ہیں اور ان کا دل لگاؤ اور وہ رشتہ ہے جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا مگر اس بے نام رشتے کے لیے اپنی جان تک قربان کی جاسکتی ہے۔"

شیبا نے بڑی محبت سے پارس کے ہاتھ کو تھام لیا، اپنے سینے سے لگا لیا۔ جوجو نے پوچھا "تیسری ماں کون ہے؟"

"وہ میری آمنہ ممی ہیں، وہ مجھے لڑنے کا فن سکھاتی ہیں، عجیب و غریب ہتھیاروں کا استعمال سمجھاتی رہتی ہیں۔ اگرچہ میں پوری طرح ریوالور چلانا سیکھ نہیں سکا لیکن جو کمی رہ گئی ہے، اسے میری شیبا ممی دماغ میں پہنچ کر پورا کر دیتی ہیں، اس طرح میرا نشانہ کبھی نہیں چوکتا اور لوگ حیران ہوتے ہیں کہ میں اپنی عمر سے بڑا ریوالور کس طرح استعمال کر لیتا ہوں۔"

سونیا خاموشی سے پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہیلی کاپٹر کو تیزی سے قلعے کی طرف لے جا رہی تھی۔ جوجو نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر سونیا کی پشت پر آ کر اپنی دونوں بانہیں پھیلا کر اسے پیچھے سے جکڑ لیا۔ وہ بولی "جوجو یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں پارس کو بتا رہی ہوں کہ اپنی چوتھی ممی کا نام نہ بتلائے۔ یہ نام میرے ہر بھائی کے دماغ میں گونجتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے جب بھی آپ کا نام آتا ہے، میرے بھائی کھانا بھول جاتے ہیں، یہ سونا بھول جاتے ہیں اور سوچتے ہیں، کس طرح مادام سونیا سے کترا کر اپنا کوئی وار فرہاد اور اس کی دوسری ساتھیوں پر کریں۔"

اس نے سونیا کے گال کو چومتے ہوئے کہا "میں بھی آپ کو ممی کہوں گی، میرے بھائی آرمر کہتے ہیں، بیٹی جوجو! اگر کبھی کوئی مصیبت آئے تو کوئی دشمن کام نہیں آتا اور اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ مصیبت میں دوست بھی کام نہیں آتے لیکن ایک دشمن کام آسکتی ہے اور وہ ہے سونیا۔"

سونیا نے پوچھا "تمھارے بھائی آرمر نے یہ بات کیسے کہہ دی جب کہ وہ فرہاد اور اس کی پوری ٹیم کے خلاف تمھارے دماغ میں نفرت کا زہر بھرتے ہیں۔"

"بے شک، میرے تمام بھائی ایسا کرتے آئے ہیں لیکن آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی شار بیر اور ہاربیر سے اس کا ذکر نہ کروں اور خدانخواستہ کوئی افتاد آپڑے تو میں سونیا کی پناہ میں چلی جاؤں۔ وہ کبھی مجھے دشمن نہیں سمجھے گی۔ بیٹی سمجھ کر اپنی آغوش میں چھپا لے گی۔"

سونیا نے ایک ہاتھ سے جوجو کے گلابی گلابی گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "تمھارا بھائی آرمر بہت اچھا ہے مگر دشمنی نے اسے مجبور کر دیا ہے۔"

پارس نے سونیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ممّا کیا میں بھی جوجو کے گال کو تھپتھپا سکتا ہوں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "یونا ٹی بوائے، کوئی شرارت نہیں، چپ چاپ آرام سے لیٹے رہو۔"

شیبا نے کہا "پارس، جوجو ہمارے پاس آگئی ہے، تمھاری نگاہوں کے سامنے رہے گی۔ تم دونوں بہت اچھے دوست بن کر رہو گے لہٰذا چھ ماہ تک باہر نکلنے نہیں دوں گی۔ تم اچھی طرح ٹریننگ حاصل کرو گے۔ تعلیم حاصل کرو گے۔ اپنے باپ کی طرح دلیر، میری طرح اور اپنی ماں رسونتی کی طرح باصلاحیت، آمنہ کی طرح پرعزم، اعلیٰ بی بی کی طرح حاضر دماغ، بومی کی طرح بازی گر اور سونیا کی طرح ذہین اور وقت کے نباض بن کر ابھرو گے لہٰذا میری زبان سے اپنی اور جوجو کی چھ ماہ کی قید کی سزا سن لو۔"

جوجو ابھی تک سونیا سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ممّا! آپ ہوں گی تو میں ساری زندگی یہ قید بخوشی قبول کر لوں گی۔"

سونیا نے پھر اس کے گال کو تھپتھپایا اور شیبا سے کہا۔ "آمنہ اس پولیس چوکی سے گزر چکی ہوگی جہاں سخت نگرانی ہوتی ہے۔"

وہ ہیلی کاپٹر کو اڑاتے ہوئے اس شاہراہ تک آنے لگی، پھر شیبا سے کہا "تم آمنہ سے کہو، کسی ویران علاقے میں کار روک دے، تم لوگوں کو پھر اس کار میں سفر کرنا چاہیے۔ دشمن اپنی شکست برداشت نہیں کریں گے۔ اتنے ہیلی کاپٹروں کا نقصان ہوچکا ہے، وہ میر التعاقب ضرور کریں گے۔"

ان ہدایات کے مطابق آمنہ نے آگے جا کر کار کو شاہراہ سے موڑ لیا۔ ایک کچے راستے پر ڈرائیو کرتے ہوئے چھوٹی سی پہاڑی کی طرف جانے لگی۔ سونیا اس پہاڑی کے پیچھے ہیلی کاپٹر اتار رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ شاہراہ سے گزرنے والے ایک ہیلی کاپٹر کے مسافروں کو کار میں منتقل ہوتے دیکھ سکیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں کار میں منتقل ہوچکے تھے، کار اپنے راستے پر جا رہی تھی اور سونیا تنہا ہیلی کاپٹر میں پرواز کر رہی تھی۔ ہم دن رات دشمنوں سے نمٹتے رہتے ہیں، اس طرح ہمیں اچھی طرح اندازہ ہوجاتا ہے کہ کس ٹائپ کے لوگ کس قسم کے

چالیس چلتے ہیں۔ اس طرح سونیا کا یہ اندازہ بھی درست ہوا کہ دوبارہ تعاقب کیا جائے گا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ ٹارگٹ اسکرین پر کئی ہیلی کاپٹروں کو اپنی طرف آتے دیکھ رہی تھی اور وہ مختلف سمتوں سے آرہے تھے۔

وہ سامنے ڈیشس بورڈ کو کھول کر اندر کی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ وہ سُپر ماسٹر کا جدید ترین ہیلی کاپٹر تھا۔ اس کے ونڈ اسکرین سے اور کھڑکی کے شیشے گہرے رنگ کے تھے۔ باہر سے کوئی اندر والوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن اس کا پائلٹ باہر والوں کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ اگر موسم کی خرابی کے باعث تعاقب کرنے والے نظر نہ آتے تو انھیں ٹارگٹ اسکرین واضح کر دیتا تھا۔

ڈیش بورڈ کے اندر سے ایک ریموٹ کنٹرولر برآمد ہوا سونیا اسے دیکھنے لگی۔ اس کے ذریعے دور رہ کر بھی ہیلی کاپٹر کو کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔ اسے آزمانے کے لیے سونیا نے پائلٹ کی سیٹ چھوڑ دی۔ پچھلی سیٹ پر آگئی۔ ریموٹ کنٹرولر کو آن کر کے اس کے ذریعے...... پرواز کو جاری رکھا۔ جب یقین ہو گیا کہ اس کنٹرولر کے ذریعے وہ بہ آسانی اسے اپنی مرضی کے مطابق اڑا سکے گی تو اس نے پرواز نیچی کر دی۔ ابھی اس کے تعاقب میں آنے والے دور تھے۔ شاید انھوں نے اتنا ہی دیکھا ہو گا کہ وہ ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا پہاڑیوں کے درمیان گم ہو گیا ہے۔ ادھر زمین کے قریب پہنچتے ہی سونیا نے کھڑکی کھول کر چھلانگ لگا دی۔ ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے کھڑکی کو بند کیا پھر اس ہیلی کاپٹر کو بلند کر کے ان پہاڑیوں سے دور پہنچانے لگی۔

وہ اسے کنٹرول بھی کر رہی تھی اور دوڑتی ہوئی ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر اوپر چڑھتی جا رہی تھی۔ خود کسی محفوظ بلندی پر پہنچ کر اس ہیلی کاپٹر کو دور تک جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔

دوسرے ہیلی کاپٹر قریب آ رہے تھے۔ سونیا کے ہیلی کاپٹر کا رُخ سمندر کی طرف تھا۔ تعاقب کرنے والے کوشش کر رہے تھے کہ اسے سمندر کی طرف نہ جانے دیں۔ شاید اسے ہیلی کاپٹر سمیت مار کر گرانے کے بعد یقین کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے اس ہیلی کاپٹر کی تباہی کے ساتھ سونیا کی لاش بھی دیکھی ہے۔

ان کے گھیرنے اور حملہ کرنے کا انداز ہی بتا رہا تھا کہ سونیا کا اندازہ درست ہے۔ وہ اسے سمندر سے دور لے جانا چاہتے تھے۔ خشکی کی طرف لا کر تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ گھیرنے والے اس پر فائر نہیں کر رہے تھے۔ سونیا نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا پھر اس نے خود ہی ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے ہیلی گن سے فائرنگ شروع کر دی۔ ایسے میں یا تو گھیرنے والوں کو دور بھاگنا تھا یا جوابی فائرنگ کرنا تھی۔ ان میں سے دو ہیلی کاپٹر والوں نے جوابی فائرنگ کی۔ وہ جان بوجھ کر اپنے ہیلی کاپٹر کو ان کی زد میں لائی۔ آخر وہ آگ کے شعلوں میں لپٹ گیا۔ فضا میں ڈگمگانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی تعاقب کرنے والوں نے اسے سمندر میں ڈوبتے دیکھا۔

وہ تعاقب کرنے والے مختلف تنظیموں کے افراد کو تو دھوکا دے سکتی تھی لیکن سُپر ماسٹر یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا ہیلی کاپٹر ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے بھی پرواز کرتا ہے اور سونیا ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اتنی آسانی سے ڈوب کر مر جاتے ہیں کہ نہ ان کا جنازہ اٹھتا ہے نہ کہیں مزار ہوتا ہے اور نہ ہی ان کا کوئی نشان ملتا ہے۔ سونیا جانتی تھی، سُپر ماسٹر اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔ بہرحال اس نے دوسری تنظیم کے افراد کو اپنی موت کا یقین دلا دیا تھا۔

ابھی تعاقب کرنے والے تمام ہیلی کاپٹر سمندر اور ساحل کی طرف پرواز کر رہے تھے اور یقین کرنا چاہتے تھے کہ وہ ڈوب چکی ہے۔ سُپر ماسٹر کے ہیلی کاپٹر اسی جگہ پرواز کر رہے تھے۔ اس لیے دوسرے بھی چیل کوؤں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ باقی دو ہیلی کاپٹر کس وجہ سے اب تک وہاں پرواز کر رہے ہیں۔

سونیا پہاڑی کے ایک بلند حصّے میں تھی۔ مختلف چٹانوں کی آڑ لے کر اپنی جگہ بدلتی جا رہی تھی تاکہ پہاڑی کی طرف سے گزرنے والے ہیلی کاپٹر کے افراد اسے نہ دیکھ سکیں۔ وہ چھپتی چھپاتی ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں آگے بڑھنے کا راستہ نہیں تھا۔ پہاڑی کی پتھریلی دیواریں تھیں۔ اوپر سے ایک وسیع و عریض چٹان چھت کی طرح نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس نے ایک طرف گھوم کر دیکھا تو راستہ نظر آیا مگر وہ پہاڑی سے اُترنے کا نہیں پہاڑی کے اندر ڈوبنے کا راستہ تھا یعنی وہ ایک غار تھا۔

یہ تعجب کی بات تھی کہ غار عموماً پہاڑوں کے دامن میں یا ذرا بلندی پر ہوتے ہیں لیکن پہاڑی کی چوٹی پر غار کا ہونا ایک عجیب بات تھی۔ پھر یہ کہ اس کی بناوٹ قدرتی نہیں تھی۔ صاف پتا چل رہا تھا اس کی دیواروں کو انسانی ہاتھوں نے تراشا ہے۔

قریب ہی ہیلی کاپٹروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ وہ کبھی قریب آ رہے تھے کبھی دور جا رہے تھے لیکن سونیا کو دیکھ نہیں سکتے تھے حالاں کہ وہ چٹانوں کے نیچے بڑی آزادی سے کھڑی ہوئی تھی۔ اس غار کو تراشنے والوں نے بڑی عمدہ جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ ہیلی کاپٹروں اور طیاروں سے پرواز کرنے کے دوران وہ حصّہ نظر نہیں آتا تھا۔ دور سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ قدرتی چٹانیں آڑی ترچھی ہیں اور ایک چٹان اوپر چھت کی طرح پھیلی گئی ہے۔

ہیلی کاپٹروں کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ سونیا نے دبے قدموں آگے بڑھ کر غار کے اندر دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ رہی تھی، وہاں کوئی معزز خاندان آباد نہیں ہو گا۔ بعد میں پتا چلے گا کہ وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئی ہے۔

دن کی روشنی غار کے اندرونی حصے تک پہنچ رہی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے قدم بڑھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ راستہ نشیبی اور دائرہ نما تھا، یعنی وہ چکردار زینے کی طرح گھومتا ہوا نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ شیبا نے اُسے مخاطب کیا "سونیا، تم کہاں ہو؟"

"تم نے بہت اچھے وقت پر رابطہ قائم کیا ہے، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

سونیا اُسے بتانے لگی کہ وہ کس طرح ہیلی کاپٹر کو تباہ کر چکی ہے اور خود چھپنے کے لیے پہاڑی کے پیچیدہ راستوں سے گزرتے ہوئے ایک غار کے اندر پہنچ گئی ہے، وہ اپنے حالات بتا رہی تھی پھر یکلخت خاموش ہو کر کچھ سننے لگی، دُور کوئی آواز سُنائی دی تھی۔ شیبا نے کہا۔ "اگر وہ آواز ذرا صاف ہو تو میں اُسے گرفت میں لے سکوں گی۔"

وہ دبے قدموں آگے بڑھنے لگی۔ ہر دو چار قدم کے بعد آواز کچھ واضح ہوتی جاتی تھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا، کئی لوگ ہیں جو بہت زیادہ محنت و مشقت کا کام کر رہے ہیں اور ایک ساتھ مل کر ہانپتے جا رہے ہیں اور منہ سے مخصوص قسم کی آوازیں نکال کر کسی کام کے سلسلے میں زور لگا رہے ہیں۔

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی۔ ایک بڑے پتھر کی آڑ سے نیچے سر جھکا کر دیکھنے لگی۔ وہاں ایک بڑا ہال نظر آیا جہاں سُوا سُوا سو پہلوان قسم کے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سب ایک ساتھ ایک ہی انداز میں ورزش کر رہے تھے جیسا کہ اکثر کراٹے سیکھنے والے کرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ زمانۂ قدیم کے پہلوانوں کے سے انداز میں ورزش کر رہے تھے۔ اُن کے بدن پر ایک ایک لنگوٹ تھی، سر سے پاؤں تک پسینے میں بھیگے ہوئے تھے۔ شیبا نے کہا "میں تمہارے ذریعے جو معلوم کر رہی ہوں، اس سے پتا چلتا ہے، یہاں پہلوانوں کی فوج رہتی ہے۔"

سونیا نے کہا "اس ہال سے ایک اور راستہ نشیب کی طرف گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے، اس پہاڑ کے اندر ہی اندر نیچے زمین تک مزید ایسے ہال اور رہائشی کمرے ہوں گے۔ اُن سب کے انتظامات کے لیے دفاتر نما کمرے بھی ہوں گے اور پتا نہیں کیا کچھ ہو رہا ہو گا۔"

"سونیا! خواہ مخواہ کسی نئے مسئلے میں اُلجھنا، نئی مصیبتوں کو دعوت دینا، دانشمندی نہیں ہے، واپس چلی آؤ۔"

"شیبا! کولمبس امریکا دریافت کر رہا تھا، اُس کے ساتھ جہاز پر سفر کرنے والے کہہ رہے تھے، پتا نہیں وہ دُور نظر آنے والی زمین کیسی ہے، وہاں کون لوگ ہوں گے۔ انسان ہوں گے یا صرف درندے لہٰذا وہاں جانا دانشمندی نہیں ہے۔ اگر اُن کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے کولمبس واپس ہو جاتا تو امریکا دریافت نہ ہوتا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں جانتی ہوں تم ایک بار آگے بڑھنے کے بعد پیچھے ہٹنا نہیں جانتیں۔"

"صرف اتنی سی بات نہیں ہے۔ ہمیں پارس کی سلامتی کے لیے ایسے ہی مزید خفیہ اڈوں کی ضرورت ہے۔ تمہارا قیصری قلعہ ہمیشہ محفوظ نہیں رہے گا۔ جو جو تمہارے ساتھ جا رہی ہے۔ شاید وہ اُس کے دماغ میں رہ کر قیصری قلعے کی ایک ایک اینٹ گن سکتا ہے۔ وہاں تم اپنے تمام معاملات کو راز میں نہیں رکھ سکو گی۔"

"اچھی بات ہے۔ آگے بڑھو، میں تمہارے ساتھ رہ کر دیکھتی ہوں، کون سا نیا امریکا دریافت ہونے والا ہے۔"

وہ اُس بڑے سے پتھر کے اوپر چڑھنے لگی۔ وہاں سے ایک چٹان کے اوپر پہنچ گئی۔ ذرا رُک کر آس پاس دیکھنے کے بعد ایک طرف بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں سے وہ ہال کا کچھ حصّہ دیکھ سکتی تھی مگر کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اُس نے چھوٹے چھوٹے دو پتھر اٹھائے پھر کہا "شیبا توجہ سے سنو، وہ کچھ کہنے والے ہیں۔"

اُس نے کسی کو تاک کر ایک پتھر مارا۔ وہ ورزش کرتے کرتے اچھل پڑا۔ آس پاس دیکھنے لگا۔ پھر اوپر کی طرف نظریں اُٹھائیں۔ ٹریننگ دینے والے نے سخت لہجے میں پوچھا "تم کیا کر رہے ہو؟"

اُس نے کہا "مجھے کسی نے پتھر مارا ہے۔"

تمام ورزش کرنے والے رک گئے تھے۔ اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک نے کہا "ہم نے اپنے ہاتھوں سے اس ہال کو تراشا ہے۔ اکثر چھت پر سے یا دیواروں پر سے چھوٹے چھوٹے پتھر جھڑتے رہتے ہیں۔ اگر اوپر سے پتھر گر پڑا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کوئی حسینہ تمہیں اشارے کر رہی ہے۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ تھوڑی دیر تک وہ قہقہے گونجتے رہے، پھر سبھی یکلخت خاموش ہو گئے کوئی اسپیکر پر ڈانٹ کر کہہ رہا تھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایسی کیا بات ہے جس پر قہقہے لگاتے وقت بھول گئے کہ اتنی ساری آوازیں پہاڑی کے باہر تک جا سکتی ہیں؟"

سونیا نے کہا "شیبا! اسپیکر کے ذریعے بولنے والے تک پہنچو۔"

وہ حسبِ ہدایت پہنچ گئی۔ بولنے والے کا نام فیڈل سامرد تھا۔ وہ ایک بڑی سی میز پر بچھے ہوئے بڑے سے نقشے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ میز کے اطراف مزید پانچ افراد تھے۔ فیڈل سامرد ہاتھ میں ایک لانبی سی چھڑی تھامے اس نقشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا لیکن اُلجھ گیا تھا۔ اپنے سامنے کھڑے ہوئے پانچ افراد کو دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا "آخر یہ سب کے سب پہلوان بیک وقت قہقہے کیوں لگا

رہے تھے، کیا بات ہو گئی تھی؟"

ایک نے کہا "مسٹر سامرد! جانے بھی دیجیے۔ کوئی ہنسی مذاق کی بات ہو گی، ہمیں اپنے کام کی طرف توجہ دینا چاہیے۔"

اُس نے چھڑی سے ایک جگہ اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہماری پہاڑی ہے۔ ہم یہاں سے پچھلے چھ ماہ میں بیس مرتبہ شام کی فوجوں پر حملہ کر چکے ہیں۔ حملے کرنے کا انداز وہی ایک ہے۔ ہم سمندری راستے کو اختیار کرتے ہیں اور شام کی نیوی فوج سے ٹکراتے ہیں۔ اگر ہم . . ."

وہ بول رہا تھا۔ پانچوں سُن رہے تھے۔ شیبا اُس کے دماغ کو ٹٹولتی جا رہی تھی جس کے ذریعے پتا چل رہا تھا کہ ترکی اور شام کی سرحدیں جہاں ملتی ہیں، اُسی کے قریب تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر وہ پہاڑی ہے وہ خفیہ اڈّا ہے جہاں اِس وقت سونیا پہنچی ہوئی تھی۔

ترکی اور ملکِ شام کے درمیان قابلِ ذکر عداوت نہیں ہے۔ ان کے درمیان سرحدی جھڑپیں نہیں ہوتیں۔ پتا چلا اِس پہاڑی کے خُفیہ اڈّے میں اسرائیلی خطرناک تنظیم کا وہ عملہ موجود ہے، جنھیں بلائنڈ کمانڈوز کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ سب وہ اندھے جنگجو تھے جو اپنی زندگی کی ذرا پروا نہیں کرتے تھے۔ گوریلا جنگ لڑتے تھے۔ اچانک حملے کرتے تھے۔ شام کی سرحدی بستیوں میں پہنچ کر دہشت گردی کا مظاہرہ کرتے تھے پھر چھُپ چھُپا کر رات کی تاریکی میں واپس آ جاتے تھے۔ یہ بلائنڈ کمانڈوز کے افراد دن کو اِس پہاڑی سے نہیں نکلتے تھے۔ انھیں رات کی تاریکی میں جنگ کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔

فیڈل سامرد نے چھڑی کے ذریعے نقشے پر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اب ہمارے کمانڈوز ان راستوں سے جایا کریں گے۔"

ایک نے سوال کیا "ہم تین سو میل کا فاصلہ نئے راستے سے کس طرح طے کریں گے؟ ہمارے کمانڈوز کے وہاں تک جانے اور واپس آنے میں دن نکل آئے گا۔"

"تین ہیلی کاپٹرز رات کی تاریکی میں آیا کریں گے۔ ہم اُن کے ذریعے آدھے گھنٹے میں شام کی سرحد تک پہنچ جائیں گے۔ وہاں اگر رکاوٹیں ہوں گی تو ان کی فوج سے ٹکراؤ ہو گا ورنہ آس پاس کی بستیوں میں تخریبی کارروائیاں کر کے چلے آئیں گے۔"

وائی ٹاکی کے ذریعے اشارہ موصول ہونے لگا۔ اُس نے اُسے آن کیا۔ پھر دوسری طرف کی آواز سنتے ہی کہا "یس سر! میں حاضر ہوں۔"

دوسری طرف سے کسی نے سخت اور بھاری بھرکم لہجے میں پوچھا۔ "یہ قہقہوں کی آوازیں کیوں آ رہی تھیں؟"

دوسری طرف سے بولنے والا کوئی زبردست اعلیٰ افسر ہو گا، جس کی آواز سنتے ہی وہ سب کے سب اٹینشن ہو گئے تھے حالانکہ وہ سامنے موجود نہیں تھا۔ فیڈل سامرد نے کہا "جناب! کوئی خاص بات نہیں ہے، وہ کسی بات پر ہنس پڑے تھے۔"

دوسری طرف سے گرج کر کہا گیا "یو نان سنس۔ سو میں سے سو آدمی کبھی نہیں ہنستے۔ کچھ سنجیدہ ہوتے ہیں، کچھ غمزدہ ہوتے ہیں۔ کچھ اپنے مسائل میں اُلجھے رہتے ہیں لہٰذا سب کے سب بیک وقت نہیں ہنستے، خواہ وہ کتنا ہی قہقہہ آور لطیفہ کیوں نہ ہو، اس پر پوری محفل کبھی قہقہہ نہیں لگاتی۔"

فیڈل سامرد نے کہا "سر! آپ کے مشاہدات اور تجربات کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا لیکن اسپتال کے تمام مریض ایک ہی مرض میں مبتلا ہوں تو وہ ایک ہی انداز میں اپنی تکلیف کا اظہار کریں گے کسی بھی محفل میں تمام لوگوں کا ایک ہی مسئلہ ہو تو وہ اس ایک مسئلے پر ایک طرح سے بولیں گے۔ ایک طرح سے رائے پیش کریں گے کیونکہ دوسری طرح سے وہ مسئلہ دوسرا ہو جاتا ہے۔"

"میرے سامنے فلسفیانہ انداز میں گفتگو نہ کیا کرو۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے بلائنڈ کمانڈوز کے جو ان برسوں گزر جاتے ہیں، کسی عورت کا چہرہ نہیں دیکھ پاتے۔ ہم انھیں شہری یا گھریلو زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کسی عورت کے قریب جانے پر انھیں سخت سزائیں دیتے ہیں لیکن ان کی فطرت کو اور ان کے جذبات کو دبا نہیں سکتے۔ یوں تو بظاہر وہ اپنی محرومیوں کو برداشت کرتے ہیں لیکن جب عورت کے معاملے میں کوئی ایسی ویسی گفتگو چھڑ جائے یا کوئی لطیفہ سنایا جائے تو بیک وقت قہقہے لگانے لگتے ہیں، اس طرح وہ اپنے اندر کی بھڑاس نکالتے ہیں۔"

شیبا نے سونیا کے پاس آ کر کہا "تم کہاں آ کر پھنس گئی ہو۔ یہاں سے فوراً نکلو، یہ سب جانور ہیں، درندے ہیں۔ یہ عورتوں کے بھوکے ہیں اور تم یہاں ایک تنہا عورت ہو۔"

"کام کی باتیں کیا کرو، تم کہاں تک پہنچ چکی ہو؟"

"میں یہاں کے کمانڈو فیڈل سامرد اور اُس کے تین اہم ماتحتوں تک پہنچ چکی ہوں۔"

"اور جو انھیں ڈانٹ رہا تھا، اُن کا اعلیٰ افسر ہے، کیا اُس کے دماغ میں پہنچ چکی ہو؟"

"ابھی جا رہی ہوں۔"

"آئندہ کام کی باتیں چھوڑ کر مجھے ڈرانے یا بھاگنے کا مشورہ دینے کی حماقت نہ کرنا۔ دیکھو شیبا! میں بعض حالات میں سختی سے پیش آتی ہوں۔ تمھیں بُرا بھی لگے گا لیکن اِس طرح بزدلی کا مظاہرہ کرو گی، مجھے بھاگنے کا مشورہ دو گی تو زندگی کے عملی میدان میں کس طرح ثابت قدم رہو گی۔"

وہ شرمندگی سے بولی "آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گی تمھاری کسی بات پر بُرا ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تمھیں کوئی بوڑھی بزرگ عورت نہیں سمجھتی لیکن جب میں تمھیں دیکھتی ہوں تمھارے بارے میں سوچتی ہوں تو تمھارے پاؤں زمین پر پاتی ہوں اور تمھارے سر کو آسمان سے لگا ہوا دیکھتی ہوں تو تمھارے سامنے بہت چھوٹی ہو جاتی ہوں۔ اتنی چھوٹی کہ شاید ذرّہ بھی اِتنا نہ ہو۔"

"میری جان شیبا! تم اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔"

"میں ابھی اُس کے دماغ میں پہنچ رہی ہوں۔"

وہ شخص جس کی آواز سُن کر فیڈل سامرد اور دوسرے تمام افسران اٹینشن ہو جایا کرتے تھے، اُس کا نام میک گونیل موس ماس تھا، ہم اُسے صرف موس کے نام سے یاد کریں گے۔ وہ وہاں کا پلان میکر اور ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ تھا یعنی اس خفیہ اڈّے کے تمام افراد کا باس تھا۔ کوئی اُس کے حکم کی ذرا خلاف وَرزی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں پلان میکر اور ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ مسٹر موس کے اپنے علیحدہ کمانڈوز تھے جو نہایت ہی خطرناک تھے۔ انہی کمانڈوز کے قبضے میں وہاں کے تمام اسلحے اور گولہ بارود تھے، یعنی اوپر جن پہلوانوں کو سونیا نے دیکھا تھا وہ زیادہ سے زیادہ پہلی اور دوسری منزل تک جا سکتے تھے۔ جہاں کا انچارج فیڈل سامرد تھا۔ فیڈل سامرد کے نیچے جو تیسری اور چوتھی، پانچویں منزلیں تھیں وہاں کسی کو قدم رکھنے اجازت نہیں تھی۔

اس پہاڑی کے خفیہ اڈّے کو سمجھنے کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب ہم کسی عمارت کی منزلوں کو گنتے ہیں تو نیچے سے گننا شروع کرتے ہیں۔ گراؤنڈ فلور، فرسٹ فلور، سیکنڈ فلور، تھرڈ فلور، فورتھ فلور۔ اسی طرح وہ منزلیں اوپر تک جاتی ہیں۔ چونکہ اس پہاڑی کا خفیہ راستہ اُس کی بلندی پر تھا۔ اس لیے اس اڈّے کو اوپر سے گنا جاتا ہے کہ پہلی منزل سب سے اوپر تھی، دوسری نیچے، تیسری اُس کے نیچے۔ اسی طرح چوتھی، پانچویں، بالترتیب نیچے تھیں، آخر میں گراؤنڈ فلور تھا۔ ابھی پتا نہیں تھا کہ گراؤنڈ فلور میں کیا ہے؟

بہرحال، سونیا اور شیبا کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ وہاں جو جنگجو افراد ہیں، وہ صرف پہلی اور دوسری منزل تک آتے جاتے ہیں۔ تیسری منزل سے گراؤنڈ فلور تک کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ وہ صرف مسٹر موس اور اُس کے خاص کمانڈوز جانتے تھے۔ آئندہ شیبا بھی جان سکتی تھی۔ مگر افسوس جیسے ہی اُس نے خیال خوانی کی پرواز کی اور مسٹر موس کے دماغ میں پہنچنا چاہا، اُس نے سانس روک لی۔ خلا میں تکتے ہوئے آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے بولا "کون ہے؟"

اُسے پھر خیال خوانی کی لہریں محسوس ہوئیں۔ اُس نے سانس روک لی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح دم سادھے رہا، پھر وہ مائک کے بٹن کو آن کرتے اور چیختے ہوئے کہنے لگا "یہاں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا کیسے آ گیا؟ یو فیڈل سامرد ایڈیٹ! ان سب کے بیک وقت قہقہہ لگانے کی وجہ سمجھ میں آ رہی ہے۔ کوئی اِس خفیہ اڈّے تک پہنچ گیا ہے۔ فوراً اُسے تلاش کرو۔ اگر تم نے پندرہ منٹ کے اندر اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کو گرفتار نہ کیا تو میں تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔"

شیبا نے سونیا کے پاس آ کر کہا "یہ کیا ہو گیا؟"

اُس نے مسکرا کر کہا "کوئی بات نہیں، ایسا ہوتا ہے۔ اب ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کے خاص کمانڈوز بھی سانس روکنے کے عادی ہوں گے۔ آئندہ ہوشیار رہنا۔"

"میں ہوشیار رہوں گی مگر خدا کے لیے مجھے بزدلی کا طعنہ نہ دینا۔ ان حالات میں دانش مندی یہی ہے کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں بہت گڑبڑ ہونے والی ہے۔"

"اتنی باتیں نہ کرو۔ فیڈل سامرد کے دماغ میں رہو۔ یہاں کے تمام پہلوان فیڈل سامرد کے احکامات پر عمل کرتے ہیں، تم اس کے ذریعے ان لوگوں کو اپنے قابو میں رکھ سکو گی۔ رہ گئے وہ خفیہ کمانڈوز جو تیسری منزل سے آئیں گے، میں اِن کے متعلق تمھیں گائیڈ کرتی جاؤں گی۔"

فیڈل سامرد اسپیکر کے ذریعے پہلی منزل کے پہلوانوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا "ابھی تم لوگوں نے جو قہقہہ لگایا تھا، اس کے پیچھے ایک راز ہے اور وہ راز ہے ٹیلی پیتھی۔ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا ہمارے درمیان موجود ہے، اُسے تلاش کرو۔ مسٹر موس نے ہماری تقدیر کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ ہم نے اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کو گرفتار کر لیا تو زندہ رہیں گے ورنہ نابود ہو جائیں گے۔"

یہ حکم سنتے ہی تمام پہلوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ فوراً ہی اپنے کمرے میں جا کر لباس پہن رہے تھے۔ اپنے آپ کو ہتھیاروں سے لیس کر رہے تھے۔ ان میں دس پہلوان لباس پہنے بغیر غار کے دہانے کی جانب دوڑتے گئے تاکہ ٹیلی پیتھی جاننے والا فرار کا راستہ اختیار نہ کر سکے۔

اُن کی بھاگ دوڑ سے پتا چل رہا تھا کہ وہی ایک اوپر کا راستہ آمد و رفت کے لیے ہے جہاں سے سونیا آئی تھی ورنہ اس پہاڑی کے نیچے کوئی راستہ نہیں ہے اور ہو بھی سکتا تھا۔ اِس خفیہ راستے کو شاید موس اور اُس کے خاص کمانڈوز جانتے ہوں، بہرحال انھوں نے سونیا کے فرار کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ شیبا اُس کی ہدایت کے مطابق اُن کمانڈوز کے دماغوں میں پہنچتی جا رہی تھی، جن کی آوازیں وہ سن چکی تھی۔ اُس نے ٹریننگ دینے والے اُستاد کو بھی گرفت میں لے رکھا تھا۔

سونیا نے مزید سمجھایا "عین وقت پر کسی کی آواز سننا ہو اور تم ایک ہی دماغ میں رہو تو اُس ایک کے ذریعے دوسرے پر حملہ کراؤ، وہ بے اختیار کچھ نہ کچھ بولے گا۔ اگر ڈھیٹ ہو گا تو مار کھاتا جائے گا

لیکن ایک موقع پر وہ کراہنے اور کچھ گڑبڑانے یا گالیاں دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ تم ایسے طریقۂ کار سے ایسے ڈھیٹ لوگوں کے دماغوں تک پہنچ سکتی ہو۔"

اب جو پہلوان پوری طرح لباس پہن کر اور مسلح ہو کر وہاں سے نکل رہے تھے، ان میں سے دو کو شیبا نے باری باری ٹریپ کیا اور انھیں مجبور کیا کہ جہاں سونیا چھپی ہوئی ہے وہاں لپنے اپنے ہتھیار پھینکتے جائیں۔

وہ ایک بڑے پتھر پر چڑھنے کے بعد مختلف چٹانوں سے گزرتی گئی تھی۔ شیبا کے معمول اپنے ہتھیار اس بڑے سے پتھر کے اوپر پھینکتے گئے تھے اور پھینکنے کے دوران انھیں ذرا ہوش نہیں تھا۔ وہ پوری طرح شیبا کے قبضے میں تھے۔ بعد میں شیبا نے ان کے دماغوں کو آزاد چھوڑا تو وہ بوکھلا گئے تھے، اپنے ساتھیوں کو بھاگتے دوڑتے دیکھ رہے تھے اور خود سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ تھوڑی دیر تک غائب دماغ کیسے ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ بات اور زیادہ حیرانی کی تھی کہ اُن کے تمام ہتھیار غائب ہو گئے تھے۔ ایک ہینڈ گرنیڈ بھی اُن کی جیب میں نہیں رہا تھا۔ انھیں ٹریننگ دینے والے استاد نے کہا: "اسے پتھروں اور چٹانوں کے پیچھے تلاش کرو، ایسی جگہ بھی دیکھو جہاں پہنچنا دشوار ہوتا ہے۔ کسی بہت بڑے پتھر کے یا بڑی سی خطرناک چٹان کے پیچھے وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا چھپا ہوگا۔"

شیبا ایک ایک پہلوان کو ٹریپ کرتی جاتی تھی اور اُس بڑے سے پتھر کی طرف سے گزرتے وقت ہتھیار اوپر کی طرف پھینکنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اس طرح تمام ہتھیار سونیا کے پاس جمع ہو رہے تھے۔

اس دوران مسٹر موس نے یقیناً ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ اسرائیلی خفیہ تنظیم کے ہیلی کاپٹر سونیا کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ اسی علاقے میں کہیں گم ہو گئی تھی بلکہ اُس کا ہیلی کاپٹر سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔

اس طرح موس نے اندازہ کیا۔ سونیا اُن کے خفیہ اڈّے میں پہنچ گئی ہے اور اُس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی جاننے والے اپنا کام دکھا رہے ہیں، اُس نے مائک کے ذریعے فوراً ہی اعلان کیا: "رک جاؤ، کوئی اُسے تلاش نہ کرے، سب اپنی اپنی جگہ پہنچ کر مطمئن رہیں۔ خطرہ کم ہو سکتا ہے، مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا یا جاننے والی نہیں ہے۔ سونیا ہے اور میں سونیا سے خود گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

موس کے حکم کی تعمیل ہو رہی تھی۔ تمام پہلوان دوڑتے ہوئے اپنی اپنی جگہ واپس جا رہے تھے۔ ہال میں پہنچنے کے بعد اپنے کمروں میں گم ہو رہے تھے۔ موس نے کہا: "سونیا! تم جہاں بھی ہو آزادی سے تیسری منزل پر چلی آؤ۔ کوئی تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"شیبا نے پوچھا: "کیا تم جاؤ گی؟"

"تم موس کے دماغ پر دستک دو، میری طرف سے گفتگو کرو۔ اس سے کہو، یہاں کوئی سونیا نہیں ہے۔"

شیبا نے کہا: "میں فرہاد کے لب و لہجے میں گفتگو کروں گی۔"

"بے شک یہی طریقہ اختیار کرو۔"

شیبا نے موس کے دماغ پر دستک دی اُس نے پوچھا: "کون ہے؟"

"میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ سونیا کے وجود کو بھول جاؤ، صرف میں ہوں اور تم مجھ سے گفتگو کرو گے۔"

"تم یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"یہی بتا دوں تو سسپنس کیا رہے گا۔ اتنا یقین کر لو آدمی کی سانس جب تک چلتی رہے اور وہ قبر میں بھی چھپ جائے تو میں وہاں بھی پہنچ جاتا ہوں۔ بہتر ہے صرف کام کی باتیں کرو۔"

"بات تم شروع کرو گے، اس لیے کہ تم میرے اڈّے میں آئے ہو۔"

شیبا نے کہا: "میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ سونیا کے پاس آکر بولی: "میں اُسے کیا بتاؤں کہ فرہاد علی تیمور اس اڈّے تک کس طرح پہنچا ہے اور کیا چاہتا ہے؟"

سونیا نے کہا: "یہ یہودی کمانڈوز ہمارے اسلامی ملک شام کی سرحدوں پر تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں۔ سرحدی جھڑپوں کا باعث بنتے ہیں لہٰذا فرہاد ان شیطانی حرکتوں کو ختم کرنے آیا ہے۔"

شیبا نے کہا: "کچھ تو خیال کرو۔ میں بھی یہودی ہوں، مجھے اپنے ملک، اپنی زمین سے محبت ہے۔ اگر وہ کوئی ناجائز کارروائی کریں تو میں ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ ہوں لیکن تم بھی تسلیم کرو کہ تمھارے بعض اسلامی ملک ایسے ہیں جو برائے نام اسلامی ہیں، وہ تمھارے مذہب کو بدنام کر رہے ہیں۔"

"تم نے سیاسی گفتگو شروع کر دی، غلطی میری ہے۔ مجھے شام اور ترکی کی سرحدوں کو سیاسی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ بہرحال، تم فوراً ہی فیصلہ کرو۔ یہ خفیہ اڈّا تمھیں چاہیے یا نہیں؟"

شیبا تذبذب میں پڑ گئی۔ اُسے خفیہ اڈّے کی ضرورت تھی لیکن مذہبی اور ملّی نقطۂ نظر سے وہ یہودیوں کے حق میں تھی۔ ان سے یہ اڈّا چھیننا نہیں چاہتی تھی۔ سونیا نے پوچھا: "تم خاموش کیوں ہو؟ اُدھر موس تمھارا انتظار کر رہا ہوگا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی: "میں کوئی فیصلہ نہیں سنا سکتی، ایک طرف فرہاد اور تم سب کی محبت ہے۔ تم لوگوں نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ دوسری طرف اپنے ملک و ملت اور اپنے مذہب کا پاس رکھنا ہے۔ میں اس اڈّے کے خلاف ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہتی کہ یہ بالکل

تباہ ہو جائے اور میرے ہم وطنوں کے کام نہ آئے۔"

"ایک طرح سے تم نے فیصلہ سنا دیا۔ تم یہاں سے جاؤ۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"تمھارے سامنے دو راستے ہیں، یا تو اپنے یہودی بھائیوں کو بچانے کے لیے اور اس اڈّے کے تحفظ کے لیے ان کی مدد کرو، ان کا ساتھ دو یا چلی جاؤ، میں ان سے تنہا نمٹ لوں گی۔ تم ان کا ساتھ دو، مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ تم دیکھو میں تمھاری خیال خوانی کی صلاحیتوں کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہوں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی: "سونیا، تم ناراض ہو گئی ہو؟"

"کیا ناراض نہیں ہونا چاہیے؟ کیا یہ خفیہ اڈّے میں رہنے والے اسرائیلی خفیہ کمانڈوز شام کی سرحدی بستیوں میں معصوم اور بے گناہوں کو قتل نہیں کرتے ہیں۔ انھیں اُن کی بستیوں کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور نہیں کرتے ہیں۔ اُن کے گھروں کو نہیں جلاتے ہیں۔ میں سیاسی نہیں، انسانی نقطۂ نظر سے پوچھتی ہوں، کیا یہ اقدامات مناسب ہیں؟ اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو اپنے لوگوں کا تحفظ کرو۔ میں تو انھیں فنا کر دوں گی یا خود نابود ہو جاؤں گی۔"

شیبا چپ رہی، اُس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ شاید وہ کشمکش میں تھی یا پھر اپنا مذہبی، ملکی اور ملّی جذبہ غالب آگیا تھا۔ اُس نے سونیا کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُس چٹان کے پیچھے سے نکل کر اِدھر اُدھر چھلانگیں لگاتے ہوئے بڑے سے پتھر پر آئی۔ وہاں بہت سے ہتھیار پڑے ہوئے تھے۔ وہ بالکل تنہا ہو گئی تھی۔ میں بھی اُس سے رابطہ قائم نہیں کر رہا تھا اور یہ میرا قصور نہیں تھا۔ خود اُس نے کہا تھا: "فرہاد ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کرو۔ ہم پارس اور جوجو کو محفوظ پناہ گاہ تک پہنچا دیں گے۔ وہاں تک تمھارا پہنچنا گوارا نہیں ہے۔" تب ہی سے میں نے رابطہ ختم کر دیا تھا۔

سونیا تنہا ہو گئی تھی۔ ایسے وقت ہتھیار لازمی ہوتے ہیں۔ اُس کے پاس ٹیلی پیتھی کا ہتھیار نہیں تھا۔ صرف اپنی ذہانت اور مکّاری تھی اور مکّاری اُسے سمجھا رہی تھی کہ اُسے ہتھیاروں کا استعمال کرنا ہی ہوگا۔ لہٰذا اُس نے رائفل اٹھا لی۔ اُس کے کارتوس کی پیٹی اپنی کمر سے باندھی۔ پھر ایک اسٹین گن لی اُس کے کارتوس کی بیلٹ کو بھی شانے سے لٹکایا۔ دو ہینڈ گرنیڈ لے کر اپنی دونوں جیبوں میں ٹھونس لیے، ایک ہینڈ گرنیڈ اپنے بائیں ہاتھ میں رکھا۔ پھر اُس بڑے سے پتھر سے چھلانگ لگا کر نیچے آئی۔ نیچے ہال میں کھڑے ہوئے کچھ لوگوں نے اُسے دیکھا مگر اپنی جگہ خاموش رہے۔ سونیا نے کہا: "تمھارے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ نے کہا ہے، مجھے تیسری منزل تک جانا ہے کوئی مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بائی دی وے، میں نقصان سے پہلے قدرتی مرنے سے پہلے یہاں درجنوں کو مار کر جاؤں گی۔"

پتا نہیں، ان سو سوا سو پہلوانوں نے اپنے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ مسٹر موس کے حکم کی تعمیل کی تھی یا سونیا کے رُعب میں آ گئے تھے یا ان کی فطری اور جذباتی ہوس تھی جو سونیا کو دیکھ کر انھیں گم سُم رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ برسوں بعد انھوں نے ایک عورت کو دیکھا تھا، کوئی ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا کسی کی باچھوں سے رال

ٹپک رہی تھی اور کوئی اپنا بدن کھجا رہا تھا۔ کچھ پہلوان ایسے تھے جنھوں نے درندوں کی طرح ہانپنا شروع کر دیا تھا۔ اُن کی نظریں صرف سونیا پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اُن کے سامنے سے گزرتے ہوئے نشیبی راستے پر چلتے ہوئے دوسری منزل کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں فیڈل سامرو سے سامنا ہوا۔

"ہیلو مسٹر سامرو!"

فیڈل سامرو نے حیرانی سے پوچھا "اوہ مادام کیا آپ میرا نام بھی جانتی ہیں؟"

"کیا تم مجھے نہیں جانتے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "آپ کو کون نہیں جانتا۔ میں آپ کو دیکھ کر حیران ہوں۔ بائی دی وے، آپ کی عمر کیا ہوگی؟"

"تمھارا اپنا کیا خیال ہے؟"

"آپ تو سولہ سے زیادہ کی لگتی نہیں ہیں!"

میں فیڈل سامرو کے اس خیال کے مطابق پہلے ہی سونیا کے متعلق بتا چکا ہوں، اس پر ایک عجیب نہ سمجھ میں آنے والی روحانیت کا اثر ہو رہا ہے۔ جب سے وہ حضرت حشمت بیگ کے حجرے میں آئی تھی تب سے چہرے پر ایسا نور، ایسی رونق آ گئی تھی، جیسے بی بی زلیخا نے اپنے بڑھاپے میں جوانی کی دعا مانگی ہو۔ اگرچہ سونیا بوڑھی نہیں تھی۔ بمشکل ستائیس یا اٹھائیس برس کی تھی۔ اب اُسے دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ سولہ برس سے زیادہ کی ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک ایک نوخیز دوشیزہ دکھائی دیتی تھی۔ وہ ظاہر میں بھی ویسی ہی تھی اور باطن میں بھی ویسی ہی ہوگی۔ جب میں اُس کے پاس پہنچوں گا تب تصدیق کر دوں گا۔

وہ دوسری منزل پر پہنچ گئی تھی۔ فیڈل سامرو کے ساتھ اُس کے پانچ اہم ماتحت تھے جو گوریلا جنگ میں ان پہلوانوں کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ وہ انھیں نظر انداز کرتی ہوئی اس نشیبی راستے سے اُترتی ہوئی تیسری منزل تک پہنچ گئی۔ موسس نے اُسے دیکھا تو اُس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی کھلا رہ گیا۔

اُس نے برسوں سے سونیا کا تذکرہ سُنا تھا۔ برسوں کا مطلب ہے کہ اس کی کچھ عمر گزر چکی ہے اور جو عورت اتنی چالاک اور مکار ہو، جو ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہو، وہ یقیناً بوڑھی نہ ہوگی تو ادھیڑ عمر کی ضرور ہوگی، جب کہ وہاں ایک نوخیز دوشیزہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اُسے ہرگز سونیا تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتا مگر اُس کے ریکارڈ میں لگی ہوئی تصویر بتا رہی تھی کہ وہ سونیا ہے۔

اُس نے شدید حیرانی سے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں وہی ہوں جسے تم دیکھ رہے ہو مگر یقین کرنا نہیں چاہتے۔"

وہ بھلا یقین کیسے کر سکتا تھا۔ اُس کے سامنے ایک ایسی دوشیزہ کھڑی ہوئی تھی جسے وہ کھیلنے کی چیز سمجھ سکتا تھا مگر سونیا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ اپنے اسٹاف کی طرح خود بھی مجرد زندگی گزار رہا تھا اور برسوں سے عورت کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اگر کوئی عورت نظر آتی تو اپنے عہدے کا خیال رکھتے ہوئے اُسے جھڑک دیتا تھا۔ اُسے اپنے اسٹاف سے بھی دُور رکھتا تھا اور دُور رکھنے کی صورت میں اُسے گولی مار دیتا تھا یعنی وہ عورت کے معاملے میں قصائی تھا۔

اُس قصائی نے سونیا کے حسن و شباب کے آگے تھوک نگلتے ہوئے کہا "میں تم سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ایسی ہوں کہ مجھے دیکھتے ہی سب سے پہلے تنہائی کا خیال آتا ہے۔ چلو، تمھاری تنہائی بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اُس نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا "یہ نہ سمجھنا کہ میں حسین عورت کے جال میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ میں پتھر ہوں اور پتھر کی طرح عورت کو پیس کر رکھ دیتا ہوں۔"

"جب تم ایسا کر سکتے ہو تو بولنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے تنہائی میں لے چلو۔"

وہ ایک طرف بڑھتے ہوئے بولا "میرے ساتھ آؤ۔"

لیکن وہ خود آگے نہ بڑھ سکا۔ اُس کے خاص کمانڈوز نے آ کر اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اُسے اپنے ریوالور اور اسٹین گنوں کی زد میں رکھ لیا۔ پھر ان کمانڈوز میں سے ایک نے کہا "سر! ہمیں افسوس ہے، ہم آپ کو سونیا کے ساتھ تنہائی میں جانے نہیں دیں گے۔ ہم پہلے ہی پیشین گوئی کر دیتے ہیں، آپ زندہ واپس نہیں آئیں گے، اگر آئے تو ہمیں ایسے احکامات دیں گے جن پر عمل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوگا کیونکہ ہم جان پر کھیل جانے والے یہودی صرف اپنے ملک و ملت کے ترازو پر آپ جیسے افسران کے احکامات کو تولتے ہیں۔"

موسس نے آس پاس دیکھتے ہوئے غصے سے پوچھا "یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

اُسی شخص نے کہا "میں اس اعتماد سے بولتا جا رہا ہوں کہ فرہاد علی تیمور میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ اس بات کا خیال رکھیں، جب تک آپ تنہائی کا خیال دل سے نکالتے رہیں گے، تب تک ہم آپ کے حکم کے بندے ہیں۔ آپ کو مادام سونیا سے جو کچھ پوچھنا ہے، جو گفتگو کرنی ہے، وہ ہماری موجودگی میں کریں۔"

موسس نے سونیا کو بڑی حسرت سے دیکھا۔ ایک گہری سانس لی، پھر کہا "تم سب اپنی جگہ درست ہو، مجھے فخر ہے کہ تم فرض شناس ہو لیکن سونیا ہماری مہمان ہے اور ٹھیک کھانے کے وقت آئی

ہے۔ لہٰذا ہم کھانے پر اس سے گفتگو کریں گے۔"

کمانڈوز میں سے جو شخص بول رہا تھا، اُس نے تسلیم کرتے ہوئے کہا "یہ مناسب بات ہے۔ سونیا ہماری دشمن سہی مگر مہمان ہے، ہم کھانے پر گفتگو کریں گے۔"

پھر اُس نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا کہ وہ اپنی آواز نہ سنائے اور چُپ چاپ جا کر کھانے کا انتظام کرے۔ وہ چلا گیا۔ سونیا کو ایک طرف آرام سے بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے ایک دوسرے ہال میں چلنے کے لیے کہا گیا۔ وہاں فرش پر دُور تک چادر بچھی ہوئی تھی اور کھانے کی طرح طرح کی ڈشیں رکھی ہوئی تھیں۔ مسٹر موسس اور اُس کے خفیہ کمانڈوز اپنے اپنے ہتھیار سنبھالتے ہوئے کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ سونیا موسس کے پاس بیٹھ گئی۔ یورپ اور ایشیا کے بہتیرے ممالک میں کھانے سے پہلے زیرے یا سونف کی شراب پی جاتی ہے۔ اُس کے بعد سُوپ پیا جاتا ہے، پھر کھانا شروع کیا جاتا ہے۔ سونیا نے کہا "آپ اچھی طرح جانتے ہیں، فرہاد کی ٹیم سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت شراب کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ لہٰذا میں سُوپ سے کھانے کی ابتدا کروں گی۔"

وہ زیرے اور سونف سے کشید کی ہوئی شراب نوش کرنے لگے۔ سونیا نے کہا "پیتے جائیں اور سوچتے جائیں۔ میں نے یہاں آ کر تم لوگوں کے لیے بڑے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔"

موسس کی خفیہ کمانڈوز کے کمانڈر نے کہا "ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم یہاں آئی ہو، اب کبھی واپس نہیں جا سکو گی۔"

"کیا مجھے گولی مار دی جائے گی؟"

"ہم اتنے نادان نہیں ہیں۔ ہمیں تمھاری موت سے فائدہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ مسائل بڑھتے جائیں گے۔ تمھارے پیچھے جتنے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں، وہ اور فرہاد کی ٹیم کے دوسرے افراد اس اڈے کو ضرور تباہ کریں گے۔"

"میں سمجھ گئی، مجھے قیدی بنا کر رکھا جائے گا تاکہ ادھر کوئی حملہ کرنے نہ آئے۔ اس اڈے کی تباہی میری بھی تباہی ہوگی۔"

"تم کافی سمجھدار ہو۔ اگر قیدی بن کر رہنے کے دوران کوئی چالاکی نہیں دکھاؤ گی تو یہ تمھاری اور زیادہ سمجھداری ہوگی۔"

موسس نے کہا "تمھارے تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے خیال خوانی کے ذریعے ہمارے درمیان پہنچ گئے ہیں۔ ہمیں یوں بھی برباد ہونا ہے تو پھر زندہ رہنے اور اپنے اس اڈے کی حفاظت کرنے کے سلسلے میں کچھ کوشش کیوں نہ کر لیں، تمھیں قیدی بنا کر کیوں نہ رکھیں اور فرہاد وغیرہ کو یہ سمجھا دیں کہ ہم نہ رہے تو تم بھی نہیں رہو گی۔ ہم تو ڈوبیں گے صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

سونیا اُن کے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ مسٹر موسس سے باتیں کر رہی تھی لیکن بار بار چور نظروں سے کمانڈر کی طرف دیکھتی تھی۔ نظر ملتے ہی شرما کر دوسری طرف دیکھنے لگتی تھی۔ کچھ ایسی ادائیں دکھا رہی تھی کہ اُدھر کمانڈر بھی بار بار اُسے دیکھنے اور اس کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا۔

شیبا نے کہا "میں ابھی کمانڈر کے دماغ سے آ رہی ہوں۔ تمھاری چال کامیاب ہو رہی ہے۔"

سونیا نے پوچھا "تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟"

"میں مر سکتی ہوں مگر تمھیں چھوڑ نہیں سکتی۔ میں سمجھتی ہوں، دنیا کا ہر مذہب ہمارا ہے، ہر ملک ہمارا ہے، ہر ملک کا باشندہ ہمارا ہے۔ لہٰذا ہمیں انسانی نقطۂ نظر سے سوچنا اور فیصلہ ...... کرنا چاہیے اور میرا فیصلہ یہی ہے کہ خفیہ اڈوں سے نکل کر گوریلا جنگ لڑنے والے، بستیوں کو تباہ کرنے والے ظالم ہوتے ہیں اور اُن کے خلاف جہاد کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"تم کمانڈر کے دماغ میں کیسے پہنچ گئیں؟"

"میں سب کے دماغوں میں پہنچ سکتی ہوں۔ یہاں دوسری منزل میں بہت بڑا باورچی خانہ ہے۔ میں مختلف ذرائع سے باورچی کے دماغ میں پہنچ گئی تھی۔ پتا چلا، یہ لوگ رات کو خفیہ اڈوں سے نکل کر صرف سرحدوں پر حملہ نہیں کرتے بلکہ یہاں سے کوکین بھی اسمگل کراتے ہیں تاکہ دوسرے ملکوں میں نشہ عام کیا جائے۔ یہاں کوکین کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ میں نے باورچی خانے کے انچارج کو مجبور کیا کہ وہ زیرے اور سونف کی شراب میں کوکین حل کر دے، نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔ یہ سب بظاہر نارمل ہیں لیکن اعصاب ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ یہ سانس روکنا چاہیں گے مگر نہیں روک سکیں گے۔"

"تم اس خفیہ اڈے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرو۔"

"ایک چونکا دینے والی اہم بات یہ ہے کہ ہاربیر سے ان کا رابطہ قائم رہتا ہے۔"

سونیا نے کہا "دونوں بھائی اسرائیلی حکومت کے دوست ہیں۔ ظاہر ہے، ان میں سے ایک نہ ایک بھائی اس خفیہ اڈے میں ان کی مدد کے لیے آتا جاتا ہوگا۔"

"ہاربیر پچھلے دو دنوں سے غائب ہے، اِن سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ جب سے تم آئی ہو، یہ لوگ اُس سے رابطہ قائم کرنے کے سلسلے میں خاصے پریشان رہتے ہیں۔"

"فرہاد کی طرح تم بھی ہاربیر کے دماغ میں پہنچتی ہو۔ ذرا معلوم تو کرو کہ وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔"

"تم تنہا رہ جاؤ گی۔"

"تنہا کوئی نہیں رہتا، خدا ساتھ رہتا ہے، تم جاؤ۔"

وہ ہار پر کے پاس آ گئی۔ پتا چلا، فرہاد نے خود کو ہار پر کے دماغ میں ظاہر کر دیا ہے اور جب سے وہ ظاہر ہوا ہے، ہار پر کی حالت غیر ہے۔ اُسے کسی پل قرار نہیں ہے۔ وہ نیند بھر کر سوتا ہے نہ پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔ اُسے طرح طرح کی فکروں نے گھیر رکھا تھا۔ سب سے پہلے تو اس بات کا ڈر تھا کہ بھائی شار پر کو معلوم ہو گا تو وہ اعتماد کرنا چھوڑ دے گا۔ جس طرح بہن روزانہ اور بھائی آرمر کو نظر انداز کرتا ہے اسی طرح اُسے بھی نظر انداز کرے گا۔

سب سے زیادہ پریشانی میں مبتلا کرنے والی بات یہ تھی کہ فرہاد اس کے دماغ میں آتا ہے تو کیا اُس کے تمام چور خیالات پڑھ چکا ہے؟ ظاہر ہے، وہ اُس کے ایک ایک راز سے واقف ہو چکا ہو گا اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اُس نے ٹرانسفارمر مشین کا دوسرا حصہ کہاں چھپایا ہے؟

یہ ایسی بات تھی جس نے اُسے بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اُس وقت تک آرام اور سکون سے نہیں رہ سکتا تھا جب تک کہ اپنے اس حصے کو دیکھ نہ لیتا۔ وہ حصہ موجود ہوتا تو اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جاتا۔

اِس مقصد کے لیے وہ نیو یارک پہنچ گیا۔ وہاں کے ایک قبرستان میں ایک بہت ہی پرانی قبر تھی، جسے کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ شاید اس مرنے والے کا کوئی عزیز دنیا میں نہ رہا ہو لیکن ہار پر نے قبرستان کمیٹی سے رابطہ کر کے خود کو اس کا ایک رشتے دار ظاہر کیا اور اُس کی قبر کو پختہ بنا دیا۔ کتبے پر مرنے والے کا نام لکھوا دیا "ہیرالڈ ہیری سن۔" پتا نہیں، بے چارہ ہیرالڈ ہیری سن کون ہو گا۔ اس کی تو ہڈیاں بھی گل گئی تھیں لیکن قبر میں ٹرانسفارمر مشین کا دوسرا حصہ کبھی گل نہیں سکتا تھا۔

ہار پر اب تک مطمئن تھا۔ کوئی اس حصے تک پہنچ نہیں سکتا تھا لیکن اُس کے دماغ میں پہنچنے والے سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے پانچ ماتحتوں کو حکم دیا "آج آدھی رات کے بعد اس قبرستان میں جانا ہے۔ تم میں سے دو آدمی قبر کھود دیں گے۔ باقی تین مسلح افراد اس قبرستان کی ناکا بندی کریں گے۔ ہیرالڈ ہیری سن کی قبر تک کسی کو آنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

ایک نے پوچھا "سر! اگر کوئی مداخلت کرے تو کیا ہم گولی مار دیں؟"

"ہرگز نہیں، جب تک میں حکم نہ دوں۔ شور مچانے والا کوئی ہتھیار استعمال نہ کرنا۔ میں تم سب کے دماغوں میں آتا جاتا رہوں گا اور مداخلت کرنے والوں سے نمٹتا رہوں گا۔ کوئی مجبوری ہوئی تب گولی چلائی جائے گی۔"

وہ مشین کے حصے کو صحیح سلامت دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ بڑے انتظار کے بعد آدھی رات ہوئی۔ اس کے پانچ آدمی پروگرام کے مطابق قبرستان پہنچ گئے۔ وہ اُن کے سامنے نہیں تھا مگر چھپ کر وہاں پہنچ گیا تھا اور اُن سے دماغی رابطہ قائم کرتا جا رہا تھا۔ وہ لوگ وہاں پہنچتے ہی پختہ قبر کو توڑنے لگے تھے۔ وہ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کدال کی ایک ایک ضرب پر اُس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ اس کا حصہ محفوظ ہو۔ جب قبر بالکل ہی ٹوٹ گئی اور لوگ بیلچے سے مٹی ہٹانے لگے تو اُس نے خیال خوانی کے ذریعے کہا۔ "میں آ رہا ہوں، اجنبی سمجھ کر گولی نہ چلانا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اُس وقت قبر پوری طرح کھل چکی تھی۔ اُس نے ٹارچ کی محدود روشنی ڈالی تو دل دھک سے رہ گیا۔ اُس نے وہ دیکھا جس کی کبھی توقع نہیں کر سکتا تھا۔

یہ ایک انہونی سی بات تھی کہ ٹرانسفارمر مشین کا وہ حصہ نہیں تھا۔ کسی نے غائب کر دیا تھا اور توقع کے بالکل ہی خلاف اُس قبر میں اُس کی بہن روزانہ کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ گئی۔ اُس نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصے اور جنون میں چیختے ہوئے کہا "فرہاد! تم سے بڑا دغا باز کوئی نہ ہو گا۔ تم نے چپ چاپ میرے دماغ میں پہنچ کر یہاں سے میرا حصہ غائب کر دیا اور میری بہن کا سر کاٹ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں تمہارے آگے بے بس ہوں مگر نہیں، جب آدمی بالکل ہی ڈوبنے لگتا ہے تو ہاتھ پاؤں ضرور مارتا ہے اور میں تمہارے خلاف ہاتھ پاؤں ماروں گا۔ بھائی شار پر کو ساری باتیں بتا دوں گا۔"

شیبا یہ تمام باتیں بتانے کے لیے سونیا کے پاس آئی تو اُس وقت تک اُسے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ حیرانی سے بولی "سونیا، یہ کیا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "کم بختوں نے پہلے آرام سے بٹھا کر کھلایا پلایا، اس کے بعد یہاں پہنچا دیا۔ تم اپنی سناؤ۔"

"میں ہار پر کا دماغ پڑھ کر آ رہی ہوں۔ اُس نے ایک قبر میں مشین کا دوسرا حصہ چھپا رکھا تھا۔ وہ غائب ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ اس کی بہن روزانہ کا کٹا ہوا سر رکھا ہے۔"

سونیا نے سوچتے ہوئے کہا "مشین کے اس حصے کو چرانا ایک الگ بات ہے لیکن چرانے والے نے روزانہ کا کٹا ہوا سر وہاں کیوں رکھا ہے؟"

"ہار پر غصے میں چیخ رہا تھا کہ یہ کام فرہاد کا ہے۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلا کر کہا "ہرگز نہیں، اوّل تو فرہاد نیو یارک میں نہیں ہے۔ وہ خود یہ کام نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی آلۂ کار سے کرائے گا جب کہ ہم موجود ہیں پھر روزانہ کا سر کاٹ کر وہاں چھپانا اور کوئی ڈرامائی انداز پیدا کرنا، یہ بالکل ہی بے تکی سی بات ہے۔ ایسا وہی کرے گا جو اس ڈرامے کے پیچھے کوئی خاص مقصد رکھتا ہو۔"

"سونیا! تم ہار پر کے معاملات پر مٹی ڈالو، اپنی فکر کرو۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہاری جیسی ہستی آہنی سلاخوں کے پیچھے جا سکتی ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ بڑی بڑی ہستیاں خاک میں مل جاتی ہیں۔ قبر کی کال کوٹھری میں پہنچ جاتی ہیں۔ میں تو صرف آہنی سلاخوں کے پیچھے آئی ہوں۔"

"تم یہاں جسمانی طور پر تنہا ہو، خالی ہاتھ ہو۔"

"دنیا کی پہلی عورت بھی خالی ہاتھ تھی اور آج کی عورت بھی خالی ہاتھ رہتی ہے، دنیا کے تمام ہتھیار مرد کے پاس رہتے ہیں، اس کے باوجود عورت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ میں تنہا اور خالی ہاتھ ہوں لیکن ان سب کو اس خفیہ اڈے کی جنّت سے نکال کر دکھاؤں گی۔"

△▽△

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ جب شیبا، ہار پر کے دماغ میں پہنچ کر معلومات حاصل کر رہی تھی تو میں بھی اُس کے دماغ میں موجود تھا چونکہ ہم دونوں خاموش تھے، اس لیے ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ اُس کے دماغ سے اُس وقت چلی گئی تھی، جب اُس نے اپنی بہن کے کٹے ہوئے سر کو قبر میں دیکھا تھا اور اُس کی مشین کا حصہ غائب تھا اور وہ میرے خلاف بڑبڑا رہا تھا۔

میں ہار پر کے دماغ میں موجود رہا تاکہ اُس کا غصہ کچھ سرد ہو تو اپنے طور پر صفائی پیش کروں۔ جب میں نے یہ کام نہیں کیا تھا تو خواہ مخواہ یہ الزام اپنے سر کیوں لیتا؟

وہ کھلی ہوئی قبر سے پلٹ کر اپنی کار کی طرف آیا۔ دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھا۔ اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ وہ چلے جائیں پھر اُس کے ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اُس کا سر غصے اور جنون کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس نے ڈرائیور سے کہا "بوتل نکالو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ اُس نے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے ڈیش بورڈ کے خانے کو کھول کر بوتل اور گلاس کو نکالا اور اپنے مالک کی طرف بڑھا دیا۔ وہ گلاس میں شراب ڈال کر پینے لگا۔ میں نے سوچا۔ ایک آدھ پیگ حلق سے اُتر جائے، اُسے کچھ سکون ملے تو میں مخاطب کروں گا۔ یہ عجیب بات ہے، جیسے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اسی طرح دماغ کی گرمی کو شراب کی گرمی دور کرتی ہے وہ ہانپ رہا تھا اور پی رہا تھا، میرے خلاف سوچتا جا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اب اپنے بھائی شار پر سے میرے متعلق کچھ نہیں چھپائے گا، صاف صاف کہہ دے گا کہ فرہاد اُس کے دماغ میں آتا ہے۔

اُسی وقت میں نے قہقہہ سنا۔ پھر اپنی آواز بھی سنی۔ یقیناً کوئی میری آواز اور لب و لہجے میں بول رہا تھا اور وہ بولنے والا شار پر ہی ہو سکتا تھا۔ اُس نے میرے ہی انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو تم میرے خلاف سوچ رہے ہو، تم اپنے بھائی شار پر کو تمام باتیں سچ سچ بتا دینا چاہتے ہو لیکن اس کا انجام جانتے ہو؟"

اُس نے گلاس کی شراب ایک ہی سانس میں حلق سے اتاری۔ پھر جھلا کر کہا "مجھے انجام کی پروا نہیں ہے۔ بھائی آخر اپنا بھائی ہوتا ہے، دشمن نہیں ہوتا۔ جب اُسے معلوم ہو گا کہ تم نے مجھے ٹریپ کیا ہے تو وہ مجھے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"ہاں، اسی طرح کوشش کرے گا جس طرح اُس نے روزانہ کو بچا لیا۔ کیا تمہارا بھائی شار پر تمہاری بہن کو میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتا تھا۔ جب میں تمہاری بہن کا گلا کاٹ رہا تھا تو کیا وہ اُس کے دماغ میں رہ کر جدّوجہد نہیں کر سکتا تھا؟ نہیں ہار پر، سمجھنے کی کوشش کرو۔ جب میں کسی کے دماغ پر قابض ہو جاتا ہوں تو تمہارا بھائی شار پر کیا، تمہارا باپ بھی ہوتا تو میرے راستے میں آنے کی حماقت کبھی نہ کرتا مگر تم سب احمق ہو۔"

میں اپنے ہی لب و لہجے میں شار پر کی باتیں سن رہا تھا جو ہار پر کو میرے خلاف بھڑکا تا جا رہا تھا۔ میں نے ہار پر کی سوچ میں اپنی طرف سے ایک سوال پیدا کیا۔ تو اُس نے اپنے بھائی کو فرہاد سمجھ کر پوچھا "میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ میری بہن تو گاڈی مورو کی قید میں تھی۔ تم وہاں کب پہنچے؟ کیسے اُسے قتل کیا؟ اور اُس کی گردن کب نیو یارک لا کر اس قبر میں چھوڑ گئے؟"

شار پر نے میری آواز میں کہا "میں اپنا طریقۂ کار کسی کو نہیں بتاتا۔"

اُس نے گلاس میں شراب اُنڈیلتے ہوئے کہا "فرہاد! تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔ کیا تم اپنی زبان کے پابند نہیں رہتے؟"

وہ پھر میرے انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "غور کرو تو میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ مشین کا وہ حصہ اپنے قبضے میں لے کر تم کو تمہارے بھائی شار پر کے غیظ و غضب سے محفوظ رکھا ہے۔ اب میں تمہارے بھائی سے کہوں گا کہ وہ جب تک تمہاری حفاظت کرتا رہے گا، تمہاری عزت کرتا رہے گا، اُس وقت تک وہ مشین

کا حصّہ کسی اور کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ میرے پاس محفوظ رہے گا۔"

ہارپر نے پوچھا "اِس سے میرے بھائی کو فائدہ کیا ہوگا؟"

"فائدہ یہ کہ مشین کے دو حصّے ہمارے پاس آ چکے ہیں۔ ایک حصّہ تمھارے بھائی شارپر کے پاس ہے۔ جب تک وہ تینوں ایک جگہ نہیں ہوں گے کسی کا بھلا نہیں ہوگا لہٰذا ہم ایک دوسرے کی بھلائی کے لیے کبھی کبھی تینوں حصّوں کو یکجا کر دیا کریں گے۔ اس مشین سے اپنا اپنا مقصد حل کرنے کے بعد پھر اپنے اپنے حصّے واپس لے جائیں گے۔ ہوسکتا ہے اِس طرح ہمارے درمیان دوستی اور بھائی چارگی بڑھ جائے اور دشمنی ختم ہو جائے۔"

اس نے دوسرا گلاس منہ سے لگایا۔ پھر غٹاغٹ پینے کے بعد کہا "تم باتیں اچھی کر لیتے ہو لیکن میرا نقصان ہو گیا۔ وہ حصّہ میرے ہاتھ سے نکل گیا۔"

"جب تک وہ دونوں حصّے میرے پاس ہیں، یُوں سمجھو کہ وہ تمھارے پاس ہیں۔ جاؤ اور اپنے بھائی شارپر سے اعلانیہ کہہ دو کہ فرہاد تمھارے دماغ میں آتا ہے۔ مشین کا دوسرا حصّہ تمھارے پاس سے لے جا چکا ہے۔ پھر دیکھو وہ تمھارے خلاف کیا کرے گا؟ اور مَیں یقین سے کہتا ہوں، وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ مَیں تمھاری حفاظت کرتا رہوں گا۔"

اُس پر سُرور طاری ہو رہا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر کہا "اچھی بات ہے۔ میں بھائی شارپر سے کھُل کر بات کروں گا اور ابھی جا کر رابطہ قائم کروں گا۔"

اُس نے اپنی رہائش گاہ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا۔ بوتل ہاتھ سے نہیں چھوڑی لیکن رابطہ قائم کیا۔ وہ دونوں بھائی آپس میں ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتے تھے۔ نیویارک کی رہائش گاہ میں اُن کا ایک خاص ملازم تھا جس سے ہارپر نے کہا "بھائی شارپر تمھارے دماغ میں پہنچیں تو اُن سے کہنا کہ فوراً میرے دماغ میں پہنچیں۔ اِسی طرح شارپر اُس ملازم کے دماغ میں پہنچتا تھا اور کہتا تھا۔ مَیں ہارپر سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ اُسے مطلع کرو۔ حالانکہ یہ دکھاوا تھا۔ شارپر کو کسی بھی بہن بھائی سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، وہ سب کے لب و لہجے کو جانتا تھا اور براہِ راست پہنچ جاتا تھا۔

بہرحال وہ آرام سے بیٹھ کر پیتا رہا۔ صرف دس منٹ کے بعد ہی اُسے شارپر کی آواز سنائی دی جو بھائی آرمر کے لہجے میں بول رہا تھا "ہیلو ہارپر! کیا تم نے مجھے یاد کیا ہے؟"

اُس نے ایک گہری سانس لی۔ چند گھونٹ پیے۔ پھر ہانپتے ہوئے بولا "بھائی کیا تمھیں معلوم ہے کہ ہماری بہن روزانہ قتل کر دی گئی ہے؟"

شارپر نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا "کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے اتنی فرصت نہیں ملی کہ مَیں روزانہ کے پاس جاتا اور مجھے علم ہو جاتا۔ کیا گاڈی موردو کو نے اسے قتل کر دیا ہے؟"

"نہیں، اُسے فرہاد نے قتل کیا ہے۔"

شارپر یقیناً اپنی مکاری پر خوش ہوگا کہ اس نے سارا الزام فرہاد پر عائد کر دیا تھا اور اپنے بھائی ہارپر کو اُلّو بنا رہا تھا لیکن اِس مکاری کے نتیجے میں یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ مَیں اُس کی اصلیت سمجھ رہا ہوں۔ اگر مَیں اُس کے بھائیوں سے کہوں کہ تمھاری بہن کا قاتل شارپر ہے تو وہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔ جو بھائی بہن ایک دوسرے کو اتنا چاہتے ہوں کہ ٹرانسفارمر مشین جیسی اہم چیز کے حصّے کر کے ایک دوسرے میں تقسیم کرتے ہوں، وہ بھلا ایک دوسرے کو کیوں قتل کریں گے۔

مَیں شارپر کو روزانہ کا قاتل ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ اِس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اُسے کسی عدالت میں تو پہنچانا نہیں تھا۔ جب بھی وہ میرے ہاتھ آئے گا تو مَیں اُس سے حساب برابر کر لوں گا۔ فی الحال شارپر نے اپنے بھائی سے پوچھا "تمھیں یہ کیسے پتا چلا کہ روزانہ کو فرہاد نے قتل کیا ہے؟"

ہارپر جواب دینے سے پہلے ہچکچانے لگا۔ پھر وہ ڈرتے ڈرتے بولا "بھائی! یہ میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔ فرہاد میرے دماغ تک پہنچ گیا ہے۔"

شارپر نے گرج کر پوچھا "یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"مَیں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا وہ کب سے میرے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ چھُپ چھُپ کر ہمارے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا۔ جب وہ ہندوستان کے ایک ہوٹل میں پھنس گیا تھا اور چاروں طرف سے پولیس نے محاصرہ کر لیا تھا، تب اُس نے میرے سامنے کھُل کر اعتراف کیا کہ وہ میرے دماغ میں پہنچتا ہے۔ اگر مَیں نے ہندوستانی پولیس کی مدد کی تو وہ مجھے ذہنی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ لہٰذا مَیں مجبور ہو کر اُس کے احکامات کی تعمیل کرنے لگا۔ اور آپ جیسے محبت کرنے والے بھائی سے اصلیت چھُپاتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری بہن جان سے گئی اور ہماری ٹرانسفارمر مشین کا دوسرا حصّہ بھی وہ لے گیا۔"

شارپر نے پھر گرج کر کہا "یہ کیسی بکواس کر رہے ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ پہلا حصّہ اُس کے بالشت بھر کے بیٹے پارس نے حاصل کیا۔ دوسرا باپ نے حاصل کیا۔ کیا اسی طرح ہم لُٹتے جائیں گے؟ کب تک مَیں تمھاری حماقتوں کو برداشت کرتا رہوں گا۔ کیا تم لوگ روزانہ، جوجو اور آرمر کی طرح بے دست و پا نہیں ہو گئے ہو؟ میرے لیے بالکل ناکارہ نہیں بن گئے ہو؟"

اِسے کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، وہ خود چور تھا، قاتل تھا، بہن بھائیوں کو مشین کے سلسلے میں اُلّو بنا رہا تھا اور جسے اپنے راستے کا کانٹا سمجھتا تھا اُسے ہمیشہ کے لیے نکال پھینکتا تھا جیسا کہ پہلی بار اُس نے روزانہ کو ختم کر دیا تھا جو بہن بھائی اُس کی کمزوری کا سبب بن رہے تھے، وہ انھیں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اب جوجو اُس کا نشانہ بننے والی تھی۔ کیونکہ وہ پوری طرح سونیا اور شیبا کے قبضے میں آ گئی تھی۔ اور وہ اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا بلکہ اُس کا بہت کچھ بگڑنے والا تھا اور وہ اُسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

ہارپر نے عاجزی سے کہا "بھائی! اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں سمجھ ہی نہ سکا کہ وہ کس طرح میرے دماغ میں پہنچ گیا۔ مَیں جانتا ہوں آپ میری لاعلمی کو تسلیم نہیں کریں گے لیکن ایک سوال کا جواب دیں۔ کسی وقت فرہاد آپ کے دماغ میں پہنچ جائے اور آپ کو پتا بھی نہ چلے کہ وہ کن راستوں سے آیا ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ یقین دلائیں گے کہ آپ بے خبر تھے، بالکل انجان تھے، آپ کا کوئی قصور نہیں ہے؟"

"زیادہ نہ بولو۔ جو لوگ مجرموں کی طرح پھنس جاتے ہیں، وہ چیخ چیخ کر بولتے ہیں مگر کوئی اُن کی بے گناہی تسلیم نہیں کرتا۔ مَیں مانتا ہوں تم بے قصور ہو مگر میرے ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ کیا فرہاد تمھارے دماغ میں آنا چھوڑ دے گا؟"

"نہیں بھائی نہیں، وہ آتا ہی رہے گا۔ وہ تو کہہ رہا تھا کہ آپ کو چیلنج کر دو گا۔ میری حفاظت کرے گا کیونکہ اُس کے پاس ٹرانسفارمر مشین کے دو حصّے ہیں، تیسرا آپ کے پاس ہے، جب تک تینوں یکجا نہیں ہوں گے، آپ میں سے کسی کا بھلا نہیں ہوگا۔"

شارپر نے کہا "مجھے اپنی بھلائی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اِس مشین کے ذریعے جو کچھ حاصل کرنا تھا، کر چکا ہوں۔ اب تم لوگوں کے بھلائی کو حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں ہے، تم سب ناکارہ ہو اور میرے لیے دردِ سر ہو۔"

ہارپر نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "ہاں، آج میں آپ کے لیے دردِ سر بن گیا ہوں لیکن بھائی، آپ یہ نہ بھولیں کہ کسی وقت ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں آپ کے دماغ سے گم ہو سکتی ہیں، چونکہ یہ قدرتی نہیں مشینی ہیں اس لیے ایک بار آپ کا ذہن کسی وجہ سے کمزور ہو جائے اور صلاحیتیں نکل جائیں تو دوبارہ اُس وقت تک نہیں آئیں گی جب تک وہ مشین اپنی مکمل صورت میں نہ ہو اور اُسے مکمل صورت میں لانے کے لیے آپ کو فرہاد کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے پاس سے دوستی کرنا ہوگی، تب ہی آپ کا کام بنے گا۔"

شارپر اپنے بھائی ہارپر کی باتوں سے متاثر ہونے والا نہیں تھا۔ اُس کا دوسرا حصّہ بھی اُس نے ہی چُرایا تھا۔ یعنی اُس کے پاس مشین کے دو حصّے تھے۔ اُس کا پلڑا بھاری تھا۔ ہمارے پاس ایک حصّہ تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اُس ایک حصّے کو پھر اپنی محنت سے بنا سکے اور اپنی مشین مکمل کر سکے۔ لہٰذا وہ میرے سامنے گھٹنے ٹیکنے والی بات کو تسلیم ہی نہیں کر سکتا تھا۔

مَیں بہت دیر سے خاموش تھا اور شارپر کو مختلف انداز میں بولتے دیکھ رہا تھا۔ پہلے وہ میرے ہی لب و لہجے کو اختیار کر کے اپنے بھائی کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اب اپنے بھائی آرمر کے لہجے میں ہارپر پر رُعب جما رہا تھا۔ ہر طرح سے اپنی برتری ثابت کر رہا تھا۔ تب مَیں نے کہا "ہارپر! یہ جو تمھارا بھائی آرمر کے لہجے میں بول رہا ہے یہ نہایت ہی بدترین بھائی ہے۔ تم لوگ اسے خون کے رشتے سے بھائی سمجھتے ہو اور یہ آہستہ آہستہ تم سب کا خون بہاتا جائے گا۔ یہی تمھاری بہن روزانہ کا قاتل ہے۔"

ہارپر نے کہا "نہیں، تم جھوٹ بولتے ہو۔"

شارپر نے بھی آرمر کے لہجے میں کہا "ہارپر! اس کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ ہمیں آپس میں لڑانا چاہتا ہے۔"

مَیں نے کہا "شارپر، تم خواہ کچھ کہہ لو۔ مَیں بہت دیر سے

ہار پر کے دماغ میں خاموش ہوں اور تمہاری مکاری دیکھتا آ رہا ہوں۔ پہلے تم میرے لب و لہجے میں بول کر اسے بے وقوف بناتے رہے۔ اب آرمر کے لب و لہجے میں بول رہے ہو مگر دونوں ہی روپ میں پکّے فراڈ ہو۔ ہار پر اسے تسلیم کرے یا نہ کرے، میں اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ جس طرح تم نے روزانہ کو اپنے وجود کا پھوڑا سمجھ لیا اور یہ یقین ہو گیا کہ اس بہن کی وجہ سے تم پر آفات آتی رہیں گی اور فرہاد تم پر غالب ہوتا جائے گا تو تم نے اُسے قتل کر دیا۔ اُس کی گردن کاٹ کر اُسی قبر میں پہنچا دی جہاں تمہارا بھائی ہار پر مشین کے اُس حصّے کو چھپا کر مطمئن تھا۔"

شار پر نے کہا: "مسٹر فرہاد! تم سمجھتے ہو تمہارے بہکانے سے میرا بھائی ہار پر بہک جائے گا؟"

"میں یہ نہیں سمجھتا لیکن اتنا ہار پر کو سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ وہ جتنی دیر زندہ ہے، اُتنی دیر یہ تماشا دیکھ لے کہ روزانہ کے بعد جوجو مرنے والی ہے لیکن اس کا الزام بھی فرہاد کے سر ہوگا۔ اگر ہار پر میں ذرا بھی عقل ہے تو وہ یہ سمجھے کہ جب سونیا جوجو کو بیٹی سمجھ کر پناہ دے سکتی ہے تو اُسے فرہاد کیسے قتل کر سکتا ہے اور جب جوجو کو بیٹی کہہ دیا تو اُس کی بہن کو کیسے قتل کرے گا۔ یہ ایک موٹی سی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ ہار پر سمجھنے کی کوشش کرے۔"

ہار پر کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا اور اُسے مبتلا ہونا تھا کیونکہ وہ خود کو ناکارہ سمجھ رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ جس طرح بھائی شار پر نے اپنی بہن روزانہ کو اپنے وجود کا پھوڑا سمجھ لیا تھا اُسی طرح اپنے بھائی کو بھی ایک ناکارہ بازو سمجھ کر اُسے کاٹ سکتا ہے۔

شار پر اُس کے دماغ میں رہ کر اُس کی سوچ پڑھ رہا تھا اور اُسے سمجھا رہا تھا: "ہار پر! اس کی باتوں میں نہ آؤ، تم میرے خلاف سوچ رہے ہو۔"

جب وہ بھائی شار پر کی حمایت میں سوچنے لگتا تو میں اس کے خلاف بھڑکانے لگتا۔ اس طرح کبھی وہ اُدھر لڑھک رہا تھا کبھی اِدھر لڑھک رہا تھا۔

شار پر نے کہا: "ہار پر! تم کافی پی چکے ہو لیکن ابھی نشہ غالب نہیں آیا ہے۔ تم کبھی مجھ سے کبھی فرہاد سے متاثر ہو رہے ہو۔ لہٰذا دوسری بوتل لے آؤ۔"

وہ کیبنیٹ سے ایک اور بوتل نکال کر لے آیا۔ پہلی بوتل میں کچھ شراب بچی ہوئی تھی، اسے حلق سے اُتار لیا۔ پھر نئی بوتل سے گلاس بھرنے لگا۔ میں خاموش رہا اور دیکھتا رہا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے۔

ہار پر پی رہا تھا۔ شار پر اُسے پلا رہا تھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر ہار پر پینے سے انکار کرنے لگا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جام کو صحیح طرح سے پکڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود شار پر اُس کو جام پکڑا رہا تھا، شراب ڈال رہا تھا اور اُس کے حلق میں اُنڈیل رہا تھا۔

ایک آدمی کتنا پانی پی سکتا ہے اور یہاں تو پانی نہیں شراب تھی اور شراب تو وہ چیز ہے جو آدمی کے دماغ کو بے لگام کر دیتی ہے اور جب دماغ ساتھ نہ دے تو جسم ایک ناکارہ سامان کی طرح ہوتا ہے جو کہ پھر اگھر بن پڑا رہتا ہے۔ شار پر نے اس قدر پلائی کہ شراب حلق تک بھر گئی۔ اُسے اُبکائی آنے لگی۔

ایسے ہی وقت اُس نے اپنے بھائی ہار پر کی جیب سے رومال نکلوایا اور اُس رومال کو گولا بنوا کر منہ میں ٹھونس دیا۔ یہ ہار پر خود اپنے منہ میں ٹھونس رہا تھا لیکن اُسے ہوش نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے اور ایسا کون کرا رہا ہے۔ تب شار پر نے آرمر کے لہجے میں کہا: "میرے پیارے بھائی ہار پر! مجھے افسوس ہے میں اب تمھیں انجام تک پہنچا رہا ہوں۔ اگر فرہاد تمھیں بچا سکتا ہے تو بچا لے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ تمھیں اپنی ٹیم میں شامل کر لے گا۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ ایسا کر سکے گا؟"

وہ بھلا کیا کہہ سکتا تھا۔ اُس کے منہ میں رومال ٹھنسا ہوا تھا۔ حلق تک بھری ہوئی شراب باہر نکلنا چاہتی تھی۔ وہ تھم تھم کر سانس لے رہا تھا جیسے اب تب میں چھلکنے والا ہو اور چھلکنے کا راستہ نہ مل رہا ہو۔ شار پر کہہ رہا تھا: "ان لمحات میں فرہاد تمہارا ساتھ نہیں دے گا کیونکہ تم بناسپتی خیال خوانی کرنے والے ہو۔ میں بھی ہوں، ہم سب نے مشین کے ذریعے یہ علم حاصل کیا ہے۔ کسی وقت بھی، کسی حادثے سے، کسی بیماری سے ہمارا یہ علم ہم سے چھن سکتا ہے اور جب یہ علم ہمارے اندر اتنا ناپائیدار ہے تو بھلا فرہاد اور اُس کی ٹیم والے تمھیں اپنے ساتھ کیوں شریک کریں گے؟"

وہ ذرا چپ ہوا جیسے انتظار کر رہا ہو کہ میں کچھ بولوں گا لیکن مجھے بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اُسی لمحے ہار پر کو اُبکائی آنے لگی۔ حلق تک بھری ہوئی شراب کو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُبکائی لیتے ہی ناک سے اور آنکھ سے شراب بہنے لگی۔ یہ صرف شراب نہیں تھی، اُس کے جسم کی اندرونی آلودگی بھی تھی جو شراب میں مل کر ناک اور آنکھ سے بہہ رہی تھی۔ اب کانوں سے بھی نکل رہی تھی۔ وہ دیدے پھاڑے ساکت بیٹھا ہوا تھا۔

تب شار پر نے کہا: "میرے بھائی ہار پر! مجھے معاف کر دینا۔ ہم سب بھائی بہن ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے تھے لیکن ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلا اپنی جان بہت قیمتی ہوتی ہے اور دنیا میں نام پیدا کرنے کے لیے اپنے سگوں کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا میں تمھیں قربان کر رہا ہوں۔ میں نے تم

سے پہلے روزانہ کو مار ڈالا۔ اس کی گردن کاٹ کر تمہاری اُس قبر میں دبا دی جہاں تم نے مشین کے اس حصّے کو چھپا رکھا تھا۔"

وہ ذرا چپ ہوا۔ پھر بولا: "میں ایک اور بات بتا دوں کہ تمہارا راز میرے لیے راز نہیں تھا۔ میں تم سب کے دماغوں میں جب چاہتا تھا، پہنچ جاتا تھا اور تم لوگوں کے چور خیالات پڑھ لیتا تھا۔ اسی لیے میں نے سب سے پہلے روزانہ کے اس حصّے کو چُرا لیا جو اس نے دُہری چھت کے درمیان چھپا رکھا تھا۔ روزانہ کا سر تو صرف دو دن پہلے میں نے اس قبر تک پہنچایا تھا۔"

اُس نے ایک گہری سانس لی، پھر کہا: "میرے بھائی! تم اس دنیا سے جا رہے ہو لیکن یہ تمہارے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ تم اپنے بھائی شار پر کے مفادات پر قربان ہو رہے ہو۔"

اُس کے بعد میں شار پر کی باتیں آرمر کے لہجے میں نہیں سن سکا۔ بے چارگی ہار پر کا دماغ گہری تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھے ہی بیٹھے دم توڑ چکا تھا۔ شاید اب بھی اس کی ناک سے، اس کی آنکھوں سے اور اس کے کانوں سے شراب اور جسم کی آلودگی بہہ رہی ہو۔ ایسی بھی عبرت ناک موتیں ہوا کرتی ہیں۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔

میں نے آنکھیں کھول کر اپنے ماحول کو دیکھا۔ میں اپنے رب جتی انکل دلپت رائے کی شاندار کوٹھی میں تھا۔ اُس وقت میرے دل و دماغ پر ایک بوجھ سا تھا۔ ایک تو میں نے روزانہ کی کٹی ہوئی گردن دیکھی تھی، جس کا الزام مجھ پر آ رہا تھا۔ دوسرے میں نے ہار پر کو دم توڑتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ ایک عبرت ناک منظر تھا۔ اگرچہ وہ سب میرے دشمن تھے لیکن بعض حالات میں دشمنوں کی موت پر بھی افسوس ہوتا ہے۔

میرا جی چاہتا تھا میں خود ابھی خیال خوانی نہ کروں، کسی سے کوئی بات نہ کروں، بالکل خاموش رہوں۔ اُسی وقت انٹرکام سے اشارہ موصول ہوا۔ میں نے ریسیور اُٹھا کر کہا: "ہیلو۔"

دوسری طرف سے انکل دلپت رائے نے کہا: "کوئی مالا نامی لڑکی تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

میں نے کہا: "کہہ دیجیے، میں موجود نہیں ہوں۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا حالانکہ مجھے نشے کی ضرورت تھی۔ خود کو گم کر دینا چاہتا تھا لیکن مالا کو اپنے ساتھ زیادہ دور تک لے جانا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے چُپ چاپ اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اُسے انکل دلپت رائے نے بتا دیا تھا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ وہ مایوس ہو کر سوچ رہی تھی، آخر میں کہاں گم ہو گیا ہوں۔ وہ جب بھی سونا نہیں چاہتی، اچانک اُسے نیند آ جاتی ہے۔ کھانا نہیں چاہتی، پیٹ بھر کر کھا لیتی ہے۔ یقیناً فرہاد خیال خوانی کے ذریعے دماغ میں موجود رہتا ہے اور کھلاتا پلاتا اور آرام سے سُلاتا رہتا ہے۔ اتنی محبت کرتا ہے لیکن سامنے نہیں آتا۔

تب میں نے اچانک اُسے مخاطب کیا: "مالا! میں تمہارے پاس موجود ہوں۔"

"تم سامنے کیوں نہیں آتے؟"

"میں نہیں آؤں گا۔ یاد کرو، تم نے کہا تھا، اگر میں ایک گھنٹے کے لیے یا ایک رات کے لیے تمہارے پاس آ جاؤں تو اس کے بعد تم میری تمنا نہیں کرو گی۔ اُس ایک رات کو تم زندگی بھر یاد رکھو گی۔"

"میں نے ایسا کہا تھا لیکن اب وہی ملاقات تڑپاتی ہے۔ تمہارے لیے اتنا بے چین کرتی ہے کہ زندگی بے کار سی لگتی ہے۔ تم ملو تو زندگی ہے ورنہ موت سے بدتر ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اب ہماری ملاقات نہیں ہوگی۔ میں تمھیں نیک مشورہ دیتا ہوں، کسی کو اپنا جیون ساتھی بنا لو اور اچھی زندگی گزارو۔ اگر ایسا نہیں کرو گی تو میں ہمیشہ خیال خوانی کے ذریعے تمھیں ٹریپ کرتا رہوں گا اور تمھیں ایک نئی زندگی گزارنے پر مجبور کر دوں گا۔"

وہ نہیں مان رہی تھی۔ میں نے کہا: "تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم مجھے کبھی نہیں پا سکو گی، چاہے کہیں بھی تلاش کر لو۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میری بات مان لو۔ کل کا دن طلوع ہونے تک کوئی جیون ساتھی پسند کر لو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔ خدا حافظ۔"

وہ مجھے آوازیں دیتی رہی۔ میں اُس کے دماغ میں موجود تھا مگر خاموش تھا۔ پھر وہاں سے چلا آیا۔ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ اعلیٰ بی بی ہندوستان کی زمین پر قدم رکھ چکی تھی۔ وہ طیارے سے اُترنے کے بعد اپنے بناسپتی ماں باپ کے ساتھ ائیرپورٹ کی عمارت میں آ گئی تھی۔ میں نے اُس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تو اُس نے سانس روک لی۔ پھر آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے بولی: "کون ہے؟"

میں نے مخصوص کوڈ ورڈز، ماسک مین، سونیا اور اور پومی کے لیے مقرر کر رکھے تھے، یہ پرانی بات ہے۔ وہ کوڈ ورڈز میں نے استعمال کرتے ہوئے کہا: "فرہاد، آن زیرو چینل۔"

وہ یکبارگی مسکراتے ہوئے بولی: "اچھا تو میرا انتظار تھا۔ میں سمجھی تم اپنی مصروفیات میں بھول چکے ہو گے۔"

"میری جان! تم بھولنے کی چیز نہیں ہو۔ اسی لیے تو پارس کے بہانے تمھیں بلایا ہے۔ ایک تیر سے دو شکار ہوں گے۔ تمہاری ذہانت سے میرے بیٹے کا بھلا ہوگا اور تمہاری محبت سے میرا بھلا۔"

"تم کہاں ہو؟"

"پہلے میں معلوم کرلوں کہ تمہارا بناسپتی باپ ردی سُندر کس حیثیت سے یہاں آیا ہے۔"

"مَیں بتاتی ہوں۔ وہ ایک بزنس مین کی حیثیت سے آیا ہے۔ بھارتی سرکار کو یہ نہیں معلوم ہے کہ ردی سُندر کا تعلق فرانس کی انٹیلی جنس سے ہے۔"

"تم اپنے نئے والدین کے ساتھ اُن کی رہائش گاہ میں جاؤ، اُس کے بعد ہم کسی پارک میں اجنبی کی طرح ملاقات کریں گے۔"

"فرہاد! اگر مَیں نے کسی پُرہجوم ماحول میں تمھیں دیکھ لیا تو برداشت نہیں کرسکوں گی۔ بے اختیار دوڑتی ہوئی تمہاری آغوش میں چلی آؤں گی۔ خدا کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرو جہاں ہمارے تمہارے درمیان کوئی تیسرا نہ ہو۔"

اعلیٰ بی بی میرے معاملے میں اس قدر جذباتی ہوسکتی ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مَیں نے کہا: "تمھیں کیا ہوگیا ہے۔ سب سے پہلے اپنے حالات اور معاملات پر توجہ دو۔"

وہ جیسے ہوش میں آگئی جیسا چانک نشہ ٹوٹ گیا ہو۔ وہ اپنے آس پاس کے ماحول کو دیکھنے لگی۔ مَیں نے کہا: "کام کی بات ہو جائے۔ پارس کو جہاں قید کیا گیا ہے۔ مَیں وہاں کے تمام مسلح پہرے داروں تک پہنچ چکا ہوں، صرف تمہارا انتظار کررہا تھا۔"

وہ بولی: "ابھی تھوڑی دیر کے لیے تم میرے دماغ سے غائب تھے اور مَیں اپنے ماحول کو دیکھ رہی تھی تب مَیں نے رسونتی کی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا پھر رسونتی کے کوڈورڈز کے مطابق اس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا ہے کہ مَیں اُس سے پانچ منٹ بعد گفتگو کروں گی۔ لہٰذا تم سے کہنے آئی ہوں کہ ابھی میرے دماغ میں نہ آؤ۔ پانچ منٹ کے بعد میرا دماغ خود بخود کھلا رہے گا کیونکہ رسونتی وہاں موجود رہے گی اور تمہاری سوچ کی لہریں محسوس نہیں کرسکے گی۔"

پانچ منٹ کے بعد یہی ہوا۔ جب مَیں اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچا تو رسونتی اُس سے کہہ رہی تھی: "اعلیٰ بی بی! مَیں نے تمھیں زحمت دی ہے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنے بیٹے کو وہاں سے کیسے نکال سکتی ہوں؟"

"تم اطمینان سے رہو۔ جب مجھے تمہاری خیال خوانی کی ضرورت ہوگی تب تمہاری مدد طلب کروں گی ورنہ اپنی ذہانت سے پارس کو نکال لاؤں گی، وہ ہم سب کا بیٹا ہے۔"

رسونتی نے پوچھا: "تم کہاں سے آغاز کروگی؟"

"پارس کے اطراف میں جتنے مسلح پہرے دار ہیں مَیں اُن تک پہنچوں گی۔ پھر تمھیں اُن کی آواز اور لب و لہجہ سناؤں گی۔ اس کے بعد ہم ایک ٹھوس اور مستحکم منصوبہ بنا کر اس پر عمل کریں گے۔ فی الحال تم میرے پاس سے جاؤ۔"

رسونتی نے پوچھا: "تم مجھے جانے کے لیے کیوں کہہ رہی ہو؟"

"میرے پاس موجود رہوگی تو دماغ کا دروازہ کھلا رہے گا۔ کوئی بھی دشمن میرے اندر پہنچ کر چور خیالات پڑھ سکتا ہے۔"

"ہاں، یہ تو مَیں بھول ہی گئی تھی۔ اچھی بات ہے، مَیں جارہی ہوں۔ وقتاً فوقتاً تمہاری خیریت معلوم کرتی رہوں گی۔"

وہ چلی گئی۔ اعلیٰ بی بی کے بناسپتی والدین ردی سُندر اور اُس کی دھرم پتنی کے رشتے دار ان کا استقبال کرنے آئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہورہے تھے۔ اعلیٰ بی بی جیسی حسین بیٹی کو دیکھ کر بے اختیار تعریفیں کرتے جارہے تھے۔ وہ ایک گھنٹے بعد دہلی کے ایک مہنگے علاقے کی ایک بہت ہی شاندار کوٹھی میں پہنچ گئے یہ عجیب اتفاق تھا کہ میرے انکل دلیپ رائے کی کوٹھی کے ٹھیک سامنے اُن کی کوٹھی تھی، مَیں نے کہا: "یہ تو کمال ہوگیا۔ تمھیں پتا ہے، میں ٹھیک تمہارے سامنے والی کوٹھی میں ہوں۔"

وہ خوش ہوکر بولی: "کیا واقعی؟"

"ہاں، ابھی میں سامنے والی بالکونی میں آکر بتا سکتا ہوں کہ مَیں نے کون سا لباس پہنا ہوا ہے مگر مَیں نہیں آؤں گا۔"

"کیوں نہیں آؤ گے؟"

"اس لیے کہ اعلیٰ بی بی ذہین اور حاضر دماغ سہی مگر عورت ہے کہیں جذبات میں آکر اُس نے دوسری تیسری منزل سے چھلانگ لگادی تو ہاتھ پاؤں سے اپاہج ہوجائے گی۔ لہٰذا صبر سے کام لو اور مناسب وقت کا انتظار کرو۔"

"جناب فرہاد صاحب! میں الھڑ دوشیزہ یا نادان چھوکری نہیں ہوں کہ آپ کے لیے چھلانگ لگاؤں اور کسی کام کی نہ رہوں۔ میں تو تمہارے کام کی رہنا چاہتی ہوں۔"

"میرے ایک سوال کا جواب دو۔ اگر مَیں ان مسلح پہرے داروں کے دماغوں تک نہ پہنچ پاتا تو تم پارس کو کس طرح نکالتیں؟"

"مَیں تمہارے سوال کا جواب ہوں۔ فی الحال تم سے کوئی مدد حاصل نہیں کروں گی۔ تم جتنے مسلح پہرے داروں تک پہنچ چکے ہو، انھیں اپنے لیے محفوظ رکھو۔ مَیں دکھاؤں گی کہ پارس کو وہاں سے کس طرح نکال لاتی ہوں۔ تمھیں اعلیٰ بی بی کی ذہانت کا امتحان ضرور لینا چاہیے۔"

مَیں نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "ذہانت کا مظاہرہ کب کروگی؟"

"آج رات تمہارے ساتھ اور کل سے تمہارے بیٹے کے ساتھ رہوں گی، تم حیرانی سے دیکھتے رہ جاؤ گے۔"

شام ہونے والی ہے، مَیں ابھی تمہارے گھر سے رابطہ قائم کراتا ہوں اور تمھیں والدین سمیت یہاں بلاتا ہوں۔"

مَیں نے انکل دلیپ رائے سے کہا: "آپ میری خفیہ سرگرمیوں کو سمجھتے ہیں۔ سامنے والی کوٹھی میں میری ایک ساتھی ہے۔ وہ باہر سے آئی ہے، مَیں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ وہ لوگ اچھے خاصے شناسا ہیں۔ میں انھیں ابھی انوائیٹ کرتا ہوں۔"

اُس نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر رابطہ قائم کیا۔ پھر بڑے ہی دوستانہ انداز میں کہا: "یار، تمہارے گھر آنے والے میرے مہمان نہیں ہوسکتے؟"

دوسری طرف سے ہنستے ہوئے کہا گیا: "اچھا تو تم جاسوسی کرتے رہتے ہو کہ میرے یہاں کون آتا جاتا رہتا ہے!"

"باتیں نہ بناؤ۔ اپنے مہمانوں کو میرے ہاں لے آؤ۔ رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔"

"بھئی، وہ لمبے سفر سے آئے ہیں، تھکے ہوئے ہیں آج ہی انھیں ڈنر پر بلانا کیا ضروری ہے؟"

"میرا دل چاہتا ہے کہ تم سب کے ساتھ مل کر ذرا وقت گزار لوں۔"

"اچھا، مَیں مہمانوں سے پوچھتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا: "مہمان تو تمہارے ہاں آنے کے لیے ایک پاؤں پر کھڑے ہیں۔"

"ابھی چلے آؤ۔"

اُس نے ریسیور رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا: "کام بن گیا۔"

مَیں نے مسکراتے ہوئے کہا: "مَیں آپ کے ذریعے اُن کے دماغوں تک پہنچ گیا تھا اور کام بنتا جارہا تھا ورنہ وہ انکار کرنے والے تھے۔"

"بھئی، تمہارا علم بڑے کمال کا ہے۔ میرا انکم ٹیکس کا معاملہ اُلجھ گیا ہے، کیا تم سلجھا سکتے ہو؟"

"یہ کوئی بڑی بات ہے۔ کل دفتری اوقات میں یاد دلایئے۔ مَیں اِدھر خیال خوانی کی چٹکی بجاؤں گا، اُدھر کام ہوجائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد ایک ملازم نے آکر کہا: "سامنے والی کوٹھی سے کچھ لوگ آئے ہیں۔"

دلیپ رائے نے کہا: "انھیں اندر لے آؤ۔"

ملازم چلا گیا۔ مَیں نے جاتے ہوئے کہا: "مَیں اپنے کمرے میں رہوں گا۔"

"تو پھر انھیں کیوں بلایا ہے؟"

"جسے بلایا ہے، وہ خود چلی آئے گی۔"

مَیں زینے پر چڑھتا ہوا اوپری منزل کے بیڈ روم میں چلا گیا۔ اعلیٰ بی بی اپنے ماں باپ اور میزبان کے ساتھ وہاں آئی۔ اُس شاندار ڈرائنگ روم کو مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی جیسے خوش ہورہی ہو۔ پھر اُس نے کہا: "بہت ہی خوب صورت کوٹھی ہے۔"

اُس کے بناسپتی باپ ردی سُندر کے عزیز نے کہا: "یہ ہمارے دلیپ رائے جی بہت ہی شوقین مزاج ہیں۔ بڑی خوب صورتی سے گھر کو سجا کر رکھتے ہیں۔"

دلیپ رائے نے کہا: "بیٹی! تم کوٹھی کے دوسرے کمروں کو دیکھنا چاہو گی؟"

"ضرور دیکھوں گی۔"

دلیپ رائے نے آنے والوں سے کہا: "آپ لوگ تشریف رکھیں، مَیں اپنی بیٹی کو کوٹھی کی سیر کراؤں گا۔"

پہلے وہ اعلیٰ بی بی کو گراؤنڈ فلور کے کمرے دکھاتا پھرا پھر زینے پر چڑھتا ہوا اوپری منزل پر پہنچا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا: "انکل! آپ کو زحمت ہورہی ہے۔ آپ مہمانوں سے باتیں کریں، مَیں خود ہی گھوم پھر لوں گی۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ انجانی جگہ ہے اور بہت سے کمرے بند ہیں۔"

مَیں نے خیال خوانی کے ذریعے کہا: "انکل! کچھ تو سمجھا کریں۔ اُسے کسی کمرے کو کھولنے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آپ مہمانوں کے پاس جائیں، پلیز۔"

وہ فوراً ہی مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اعلیٰ بی بی اُس کمرے کے سامنے آئی جہاں مَیں انتظار کررہا تھا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور مَیں اُس کے لیے تڑپ رہا تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد ہماری ملاقات ہورہی تھی۔ وہ اپنے آپ پر قابو پانے کوشش کرتے ہوئے آہستہ آہستہ دروازے کو کھول رہی تھی۔ جب مجھ پر نظر پڑی تو دروازے کو پوری طرح کھولنا بھول گئی تڑپ کر آگے بڑھی اور دوڑتی ہوئی میرے پھیلے ہوئے بازوؤں میں آکر سماگئی۔

ایک عرصے کے بعد ملنے والے پہلے ایک دوسرے کو جی بھر کر دیکھتے ہیں۔ ہمیں تو دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اس طرح کھنچے چلے آئے کہ دیکھنے کے لیے کچھ نہ رہا۔ محسوس کرنے اور سمجھنے کے لیے رہ گیا۔ یہ تو سمجھنے کی بات ہے۔ آنکھوں کے بالکل سامنے آنکھیں ہوں تو جھیل کی گہرائی نظر آتی ہے۔ نگاہوں کے عین مقابل رخسار ہوں تو انار کی سرخی چھلکنے لگتی ہے، لبوں کے انگارے دہکتے ہیں اور سانسوں سے شعلے لپکتے ہیں۔ کوئی بھی چیز ہو اگر نگاہوں کے سامنے قریب آجائے تو پوری کی پوری نظر نہیں آتی۔ کبھی اِدھر سے جھلکتی ہے، کبھی اُدھر سے جھلکی بھر نظارہ دیتی ہے۔ قسط دار کہانی کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوکر شوقِ انتہا کو بھڑکاتی ہے۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے میزبان نے اوپری منزل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "یہ ہماری بیٹی، اب تک کیا کررہی ہے؟"

ردی سُندر نے کہا: "معلوم ہوتا ہے، رائے صاحب کی کوٹھی

بہت بڑی اور بہت گہری ہے اور وہ گہرائی میں ڈوبتی جا رہی ہے۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ بی بی بظاہر مجھ سے رخصت ہو گئی لیکن تین گھنٹے بعد واپس چلی آئی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اُس کے تمام میزبانوں کو گہری نیند سلا دیا تھا۔ کوئی اُسے دیکھنے یا روکنے والا نہیں تھا۔

میری خواب گاہ میں زیرو پاور کی خواب آور ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹیپ ریکارڈر سے ہلکی ہلکی موسیقی اُبھر رہی تھی۔ ایئرکنڈیشنر کے سامنے یوڈی کلون اسپرے کر دیا گیا تھا۔ پورا کمرا مسحور کُن خوشبو سے معطر تھا۔ ایسے میں ساری دنیا سو رہی تھی اور عمر خیام کی رباعیاں جاگ رہی تھیں۔ اُس نے پوچھا۔ "تم نے مجھے بھلا دیا تھا؟"

میں نے کہا۔ "ایک خوب صورت شعر ذہن میں نقش رہتا ہے اور موسم کے مطابق دل میں دھڑکتا ہے۔ آج تمھارے دھڑکنے کا موسم ہے۔"

"آہ فرہاد! تم سے ملتے ہی بچھڑنے کا خوف ستانے لگتا ہے۔"

"میں تو عادی ہو گیا ہوں۔ اِدھر کسی مسرت کے گلے لگتا ہوں، اُدھر کوئی نئی مصیبت دستک دینے لگتی ہے لہٰذا کل کی بات کل پر رہنے دو۔ آج کی رات جُدائی کا ذکر نہ چھیڑو۔

آج کی رات سازِ درد نہ چھیڑ
دُکھ سے بھرپور دن تمام ہوئے
اور کل کی خبر کسے معلوم
اب نہ دُہرا فسانہ ہائے الم
اپنی قسمت پہ سوگوار نہ ہو
فکرِ فردا اُتار دے دل سے
عمرِ رفتہ پہ اشکبار نہ ہو
عہدِ غم کی حکایتیں مت پوچھ
ہو چکیں سب شکایتیں مت پوچھ
آج کی رات سازِ درد نہ چھیڑ

یہ میری عادت ہے، مصیبت آئے تو خوب لڑتا ہوں۔ خوشی ملے تو خوب گلے لگتا ہوں۔ ایسے میں ساری دنیا کو بھول جاتا ہوں۔ اپنے ہم سفر کو اپنی ذات میں گم کر دیتا ہوں اور خود اُس کی ذات میں ڈوب جاتا ہوں۔" ہم رات کے تین بجے جیتی جاگتی دنیا میں لوٹ آئے۔ میں نے کہا "تم نے کہا تھا، آج رات میرے ساتھ، اور کل سے میرے بیٹے کے ساتھ، تو تمھارا منصوبہ کیا ہے؟"

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہی۔ میری ذات میں گم رہی، پھر بولی۔ "یہ میرا اور رسونتی کا معاملہ ہے۔ کیا تمھارا پوچھنا ضروری ہے؟"

"کیا بتانا ضروری نہیں ہے؟"

وہ آہستہ آہستہ بولنے لگی۔ "رسونتی نے پہلے سوچا تھا، تمھیں سرپرائز دے گی۔ اپنے بیٹے کو بہت قابل بنائے گی۔ تم اچانک اپنے قابل بیٹے کو دیکھتے تو حیران رہ جاتے۔ رسونتی کی تعریفیں کرتے لیکن وہ مایوس ہو گئی ہے۔ اُسے پتا چلا ہے کہ تم بھی پارس تک پہنچ گئے ہو۔"

"وہ پاگل ہے۔ اُسے اپنے جیون ساتھی سے مل کر بیٹے کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ میں اُس کا مان رکھنے کے لیے، اُس کی خوشی پوری کرنے کے لیے اُسے مخاطب نہیں کرتا لیکن اب اُسے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔"

اعلیٰ بی بی نے بڑے پیار سے ایک ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بیوی ہی تمھاری طرف آیا کرے۔ تم بیوی کے پاس خود جاؤ گے تو کیا تمھاری مردانگی کو ٹھیس پہنچے گی؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں رسونتی کو دل و جان سے چاہتا ہوں، اُس کی عزت کرتا ہوں۔ وہ میرے بچے کی ماں ہے۔ میں ایک نہیں ہزار بار اُس کے پاس جاؤں گا۔ وہ روٹھے گی، میں اُسے مناؤں گا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں؟ میں اُس کا مان رکھنے کے لیے ایسا کرتا آ رہا ہوں۔"

"رسونتی کہتی ہے، جس طرح شیبا، آمنہ اور سونیا مل کر پارس اوّل کی حفاظت کر رہے ہیں اور اُسے ایک قابل انسان بنانا چاہتے ہیں، اسی طرح میں اور رسونتی مل کر پارس دوم کی حفاظت کریں گے اور اُسے ایک قابل انسان بنا کر پیش کریں گے۔"

"رسونتی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ پارس اوّل استنبول میں ہے؟"

"ساری دنیا کو معلوم ہے، اُسے کیسے معلوم نہ ہوتا؟"

"کیا وہ اپنے اُس بیٹے میں دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔ کیا اُسے یقین ہے کہ اِس شہر میں جو ہے وہی ہمارا اپنا پارس ہے اور دوسرا نقلی ہے؟"

"اس معاملے میں وہ بھی اُلجھی ہوئی ہے۔ سچ پوچھو تو میں بھی یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ حالات ہی ثابت کر سکتے ہیں ورنہ کوئی اصل اور نقل کی تمیز نہیں کر سکے گا۔"

"اس کا فیصلہ بعد میں ہو گا۔ دونوں ہی ہمارے لیے اہم ہیں۔ جب تک حقیقت کا پتا چلے گا، دونوں سے گہری محبت ہو جائے گی۔ ہم انھیں اپنی اولاد ہی سمجھتے رہیں گے اور ماں باپ کا بھرپور پیار دیتے رہیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ پارس کے سلسلے میں کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"جو کرنے والی ہوں، وہ ضرور بتاؤں گی۔ تم سے نہیں چھپاؤں گی لیکن میری التجا ہے، تم ہمارے درمیان نہ آنا۔ چپ چاپ میرے دماغ میں رہ سکتے ہو اور مجھے گائیڈ کر سکتے ہو۔"

ہم بستر سے اٹھ گئے۔ غسل کرنے کے بعد باتھ روم میں آئے۔

اُس نے کہا۔ "میں کم از کم چار گھنٹے تک نیند پوری کروں گی پھر دہلی شہر کی سیر کو نکلوں گی۔ یہاں کے اہم مقامات اور اہم شاہراہوں کو ذہن نشین کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس کے بعد؟"

"شام کے چار بجے حضرت نظام الدینؒ کے مزار پر پارس سے ملاقات ہو گی۔"

میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ باتھ ٹب میں پہنچ کر صابن سے بھرے ہوئے جھاگ میں ڈوب کر بیٹھ گئی تھی۔ ریشمی بدن پر جھاگ سے کھیلتے ہوئے بول رہی تھی۔ "تم راجیش کو یقیناً جانتے ہو گے؟"

"ہماری پرانی شناسائی ہے۔ وہ رسونتی کے گرو دیو کا بیٹا ہے، رشتے میں بھائی ہے، میرا بہت اچھا دوست ہے۔"

"جب تم نے دہلی آنے کے لیے کہا اور مجھے پارس کے سلسلے میں تفصیلات معلوم ہوئیں تو میں نے وہیں سے پلاننگ کر لی تھی۔ اس کے مطابق رسونتی سے رابطہ قائم کیا تو میں نے کہا۔ تم راجیش سے مل کر ایک ڈمی پارس تیار کرو۔ میں دہلی پہنچ کر انشاء اللہ چوبیس گھنٹے کے اندر پارس کو قید سے نکال لاؤں گی۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "راجیش ہمارے پارس دوم سے کئی بار مل چکا ہے۔ اُسے اچھی طرح دیکھتا سمجھتا رہا ہے۔ اُس کے قد، اُس کی جسامت، اس کے رنگ و روپ اور اُس کی چال ڈھال کو خوب سمجھتا ہے۔ وہ کوشش کر کے پارس کی ایک کامیاب ڈمی تیار کر سکتا ہے۔"

"وہ ایک اہم عہدے پر اپنی ذمے داریاں پوری کر رہا ہے۔ اُن کے ساتھ سیکیورٹی گارڈز ہوتے ہیں اور اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ دہلی شہر میں ایک ڈمی پارس تلاش کرتا پھرے۔"

"پھر تمھاری پلاننگ کا کیا ہو گا؟"

"اِن دشواریوں کے پیشِ نظر راجیش بہت بڑی قربانی دے رہا ہے۔ وہ ڈمی کے طور پر اپنے بیٹے کو پیش کر رہا ہے۔ اگرچہ اُس کا بیٹا پارس سے تین برس بڑا ہے لیکن قد میں برابر ہے۔ جسامت بھی ویسی ہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ خطرہ مول لینے والی بات ہے، اگر راجیش کے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو؟"

"یہی بات رسونتی بھی کہتی ہے مگر راجیش بضد ہے، وہ کہتا ہے۔ بہن کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اِدھر رسونتی مجھ سے بار بار پوچھ رہی ہے۔ کیا ہم راجیش کے بیٹے کا تحفظ کر سکیں گے؟"

"معاملہ پیچیدہ ہے۔ چلو مان لیا ہم راجیش کے بیٹے کی حفاظت کریں گے لیکن تم ایک ڈمی کے ذریعے اصلی پارس کو اتنی کڑی نگرانی سے کس طرح نکال لاؤ گی؟"

"شام چار بجے جب راجیش کا بیٹا ملے گا، اُس کے ساتھ اپنے پارس کی تصویریں بھی ملیں گی۔ اُس کے مطابق میں راجیش کے بیٹے پر پارس کا میک اَپ کروں گی۔"

میں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کوئی پلاسٹک سرجری کا ٹھوس میک اَپ نہیں ہو گا۔ عارضی میک اَپ کسی بھی وقت ظاہر ہو سکتا ہے۔"

"مجھے چند گھنٹوں کے لیے ایک ڈمی پارس کی ضرورت ہے۔ جب تک وہ ڈمی میرے پاس ہو گا، ہمارا اصل پارس فوجیوں کی نگرانی میں شور مچائے گا۔ پریشانی ظاہر کرے گا اور خود کو راجیش کا بیٹا کہے گا۔ دوسری طرف رسونتی ڈمی پارس کے دماغ میں موجود رہ کر اُس سے حیرت انگیز حرکتیں کروائے گی۔ پارس کو قید میں رکھنے والے فوجی افسران کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ باہر آزادی سے گھومنے والا ڈمی پارس ایسے ایسے کارنامے انجام دے گا کہ وہ اُسے اصل سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ دوسری طرف راجیش اپنے بیٹے کی گمشدگی کی رپورٹ پہلے ہی درج کروا چکا ہو گا۔ جب وہ ہمارے اصل پارس کے سامنے جائے گا تو ہمارا پارس راجیش کو پتا جی کہتا ہوا اُس سے لپٹ جائے گا۔ اور کہے گا کہ اُس کا چہرہ بدل دیا گیا ہے۔ کوئی اُس کے دماغ میں کہتا ہے اور کہتی ہے کہ وہ پارس ہے۔ فوجی افسران کو یقین کرنا پڑے گا کہ راجیش کے بیٹے پر پلاسٹک سرجری کی گئی ہے اور اُس کا اصل چہرہ واپس لانے کے لیے کچھ وقت لگے گا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا تمھارے اس منصوبے میں خامی نہیں ہے؟"

"پہلے خامی تھی، اب نہیں ہے۔ تم پارس کی نگرانی کرنے والوں کے دماغوں تک پہنچ چکے ہو۔ وہاں کے چند سپاہیوں کے دماغوں میں رہ کر یہ ثابت کر سکتے ہو کہ فرہاد اور رسونتی اُن کے دماغوں میں بھی پہنچ گئے تھے اور انھیں تھوڑی دیر کے لیے غافل بنا دیا تھا۔ اسی غفلت کے دوران وہ اصل پارس کو لے گئے تھے اور راجیش کے بیٹے کو نقلی پارس بنا کر چھوڑ گئے تھے۔"

میں اعلیٰ بی بی کی پلاننگ پر خوب تبصرے کر رہا تھا اور ہر پہلو سے جائزہ لے رہا تھا تاکہ کہیں خامی نہ رہ جائے۔ پلاننگ مکمل ہوئی۔ میں نے کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "صبح ہونے والی ہے، تمھیں جانا چاہیے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں جب تک نہیں جاؤں گی، ٹیلی پیتھی کے ذریعے سونے والے بیدار نہیں ہو سکیں گے۔"

ہم نے ایئرکنڈیشنر کو بند کر دیا، کھڑکیاں کھول دیں تاکہ باہر

کی تازہ ہوا ملتی رہے۔ اعلیٰ بی بی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "اگر رسونتی ان پہرے داروں کے دماغوں تک پہنچ جائے تو بہتر ہوگا اور وہ تمہارے ذریعے ہی پہنچ سکتی ہے۔"

میں اور اعلیٰ بی بی کھڑکی کے پاس رُوبرو تھے۔ خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہم زبان سے بول رہے تھے۔ اُسی وقت اعلیٰ بی بی نے سانس روک لی۔ ایک انگلی سے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میرے دماغ میں آجاؤ۔"

پھر اُس نے سانس لیتے ہوئے پوچھا "کون ہے؟"

رسونتی نے کوڈ ورڈز دُہرائے۔ جواباً اعلیٰ بی بی نے کوڈ ورڈز کے ذریعے رسونتی کو سمجھایا کہ وہ فرہاد کے سامنے موجود ہے لیکن اُسے دماغ سے نہیں جانا چاہیے۔ رسونتی نے پوچھا "کوئی ضروری بات ہو تو رہوں گی ورنہ چلی جاؤں گی۔"

"میں بہت اہم بات کہنا چاہتی ہوں۔ فرہاد ان پہرے داروں تک پہنچ چکے ہیں جو ہمارے پارس کے چاروں طرف سانپ بن کر موجود ہیں۔"

رسونتی نے بڑی بے اعتنائی سے پوچھا "تو میں کیا کروں؟"

"بھئی تم ناراض ہو مگر اس میں فرہاد کا کیا قصور ہے؟"

"قصور تو میرا ہے جو اُن کی محبت میں مری جاتی ہوں۔ کیا ان سے اتنا نہیں ہوتا کہ بھولے بھٹکے میری خیریت معلوم کرلیا کریں؟"

"وہ کیسے معلوم کریں؟ جب کہ تم اپنے پارس کو راز میں رکھنا چاہتی ہو۔ اُسے قابل بنا کر ایک تحفے کے طور پر سرپرائز دینا چاہتی ہو۔"

"اب وہ بات کہاں رہی۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں فرہاد مجھ سے زیادہ پارس کے قریب ہو چکے ہیں، جیسا کہ تم کہہ رہی ہو وہ مجھ سے پہلے پہرے داروں تک پہنچ چکے ہیں۔"

"رسونتی! یہ تم میاں بیوی کی نوک جھونک ہے۔ میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہوں گی لیکن پارس کے معاملے میں دونوں کو آپس میں سمجھوتا کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا "اعلیٰ بی بی! تم کس سمجھوتے کی بات کر رہی ہو۔ سمجھوتا وہاں ہوتا ہے جہاں دشمنی اور اختلافات ہوتے ہیں۔ رسونتی ایک شریکِ حیات اور ایک محبوبہ کی حیثیت سے اہم ہے۔ اس نے میرے لیے پارس جیسے بیٹے کو جنم دیا ہے۔ اس نے میری خاطر اسلام قبول کیا ہے۔ ایک زمانہ جانتا ہے کہ سونیا میری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے بلکہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن سونیا سے پوچھا جائے تو وہ کہے گی، رسونتی سے زیادہ کسی کی اہمیت نہیں ہوسکتی اور یہ سچ ہے۔ میری آئندہ نسل رسونتی کی مرہونِ منت ہی ہے۔"

یہ کہتے ہی میں نے رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر اُسے مخاطب کیا "میری جان! میں آگیا ہوں۔"

اُس نے سانس نہیں روکی۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی، پھر کہنے لگی "میں نہیں بولوں گی۔ آپ سے کبھی نہیں بولوں گی۔ آپ بڑے بے مروت ہیں، ہرجائی ہیں۔ آپ اتنے بے حس ہیں کہ اپنی شریکِ حیات اور اپنے بچے کا احساس بھی نہیں کرتے۔ دنیاوی معاملات میں دن رات اُلجھے رہتے ہیں، جرائم کی دنیا میں بڑے بڑے خطرناک مجرموں کو للکارنا، انھیں شکست دینا مردانگی ہوسکتی ہے لیکن اپنی آئندہ نسل کو پروان چڑھانے کے لیے اپنی شریکِ حیات سے رابطہ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ میں ماں ہوں۔ ایک دھرتی ہوں۔ اپنے بچے کو اپنی چھاتی پر ساری عمر بٹھائے رکھوں گی۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے، ماں تو زمین بن کر بچے کے قدموں تلے بچھی ہے اور باپ آسمان بن کر سر پر سایہ نہیں کر رہا ہے۔"

وہ کہتی جا رہی تھی، روتی جا رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر اُسے رونے دیا تاکہ وہ خوب بولے اور دل کی بھڑاس نکال لے پھر میں نے کہا "یہ بحث کا موقع نہیں ہے۔ ابھی اعلیٰ بی بی کو یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ اُس کی موجودگی میں اہم فیصلہ کرنا ہے۔ جہاں تک تم نے مجھے بے حس اور ہرجائی کہا ہے تو میں مانتا ہوں لیکن بے حسی والی بات نہیں مانتا۔ میں دونوں پارس کے پاس ہمیشہ موجود رہا ہوں۔ تمہاری لاعلمی میں پارس ودم کے پاس بھی آتا جاتا رہا ہوں۔ اُس کی نگرانی کرتا رہا ہوں۔ ایک باپ کی طرح اُس کے لیے راتوں کو جاگتا رہا ہوں اور اہم منصوبے بناتا رہا ہوں جس کے نتیجے میں سخت پہرے کو توڑنے کے قابل ہو چکا ہوں۔ میری جان! آنسو پونچھ لو۔ ہم اپنے بیٹے پارس کو اس قید سے نکال لائیں گے۔"

اعلیٰ بی بی نے یکبارگی چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "فرہاد! اُدھر سامنے دیکھو کوٹھی میں دیکھو۔ وہاں فوجی جوان نظر آرہے ہیں۔"

میں نے سر گھما کر دیکھا۔ سامنے والی کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیرا جا رہا تھا۔ میں نے کہا "خطرہ ہے، اعلیٰ بی بی کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارا راز فاش ہو چکا ہو؟"

رسونتی نے مجھ سے کہا "کیا آپ سامنے والی کوٹھی میں فون کرکے معلوم کرسکتے ہیں؟"

اُسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے جلدی سے وہاں پہنچ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر کہا "ہیلو۔"

دوسری طرف سے انکل دلپت رائے کی آواز سنائی دی۔

"بیٹے غضب ہوگیا۔ تمہاری گرل فرینڈ کے ساتھ آنے والے مسٹر روی نے اطلاع دی ہے کہ پولیس اور فوج نے مل کر کوٹھی کا گھیراؤ کیا ہے۔ شاید وہ مسٹر روی پر شبہ کر رہے ہیں اور اُن کے شبہ کرنے کا مطلب ہے تمہاری گرل فرینڈ پر بھی شبہ کیا جا رہا ہے لہٰذا اپنے بچاؤ کی فکر کرو۔"

"میں اپنی گرل فرینڈ کی حفاظت کرلوں گا۔ آپ یہ بتائیں کہ ہمارے لیے کیا کرسکتے ہیں؟"

"تم سے کیا چھپا رہ سکتا ہے۔ میری کوٹھی میں ایک چور دروازہ ہے، تمہاری گرل فرینڈ کسی کی نظروں میں آئے بغیر وہاں سے گزر سکتی ہے اور تم جہاں کہو، اُسے وہاں پہنچا سکتا ہوں۔"

"آپ اس کام کے لیے تیار رہیں۔ کسی وقت بھی مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت پڑسکتی ہے۔"

میں اعلیٰ بی بی کے بناسپتی باپ مسٹر روی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ایسے وقت رسونتی میرے دماغ میں تھی تاکہ میں جہاں جاتا رہوں وہاں وہ اُن افراد کے لب و لہجے تک پہنچتی رہے۔

مسٹر روی اور اُس کی بیوی ڈرائنگ روم میں تھے۔ کوٹھی کو چاروں طرف سے فوجی جوانوں نے گھیر رکھا تھا۔ سب کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ فوجی افسر کہہ رہا تھا "مسٹر روی! ہمارے اپنے ذرائع بہت مستحکم ہیں اور بڑے معتبر ہیں۔ ہمیں ان معتبر ذرائع سے معلوم ہو چکا ہے کہ تم فرانس کی انٹیلی جنس سے تعلق رکھتے ہو اور یہاں سیاحت کی غرض سے آئے ہو لیکن اپنے پاسپورٹ اور ویزا فارم میں تم نے اپنے خاص پیشے کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے، تم انڈین گورنمنٹ کو دھوکا دے رہے ہو۔"

مسٹر روی نے کہا "آپ غلط الزام دے رہے ہیں۔ کیا اس الزام کو ثابت کرسکتے ہیں؟"

"ہماری انٹیلی جنس میں نادان بچے نہیں ہیں۔ ایسے لوگ ہیں، جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکے ہیں۔ میں ثابت کردوں گا کہ آپ فرانسیسی انٹیلی جنس سروس کے ایک جونیئر افسر ہیں لیکن یہ بعد کی بات ہے۔ ہمیں تو اُس عورت کی تلاش ہے جو آپ کی بیٹی بن کر یہاں آئی ہے۔"

مسٹر روی نے کہا "وہ حقیقتاً میری بیٹی ہے۔"

"مگر کہاں ہے؟"

"یقیناً اپنے بیڈ روم میں سو رہی ہوگی۔ کیا یہ شریف آدمیوں کو پریشان کرنے کا وقت ہے؟ صبح کے پانچ بجنے والے ہیں۔ لوگ گہری نیند سوتے ہیں اور آپ ایسے وقت ہمیں پریشان کر رہے ہیں۔"

"اس پریشانی کی بہت ہی خاص وجہ ہے۔"

مسٹر روی نے پوچھا "کیا میں وجہ دریافت کرسکتا ہوں؟"

"آپ تسلیم کرنا چاہیں تو کرلیں۔ آپ کی بیٹی بن کر آنے والی عورت رسونتی ہے۔"

مسٹر روی نے چونک کر افسر کو دیکھا۔ پھر کہا "آپ کیسی مضحکہ خیز بات کر رہے ہیں؟"

"یہ بات آپ کے لیے مضحکہ خیز ہوسکتی ہے، لیکن رسونتی کل آپ کے ساتھ شام کو یہاں پہنچی اور آدھی رات ہونے سے پہلے اپنے بیٹے پارس کو سخت نگرانی سے نکال کر لے گئی۔"

اُس افسر کی بات نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اعلیٰ بی بی کو دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ افسر کیا کہہ رہا ہے؟"

اعلیٰ بی بی نے کہا "صاف بات کہہ رہا ہے، ہمارے پارس کو اتنی کڑی نگرانی سے کوئی نکال کر لے گیا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ رسونتی نے ایسا کیا ہے۔"

رسونتی نے کہا "میں تم لوگوں کے پاس ہوں۔ یا اللہ میرے بچے کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔ پتا نہیں یہ کیا چکر چل پڑا ہے۔"

میں نے کہا "ہوسکتا ہے، پارس موقع پا کر وہاں سے نکل گیا ہو۔ ہم ابھی اُس کے دماغ میں پہنچتے ہیں۔"

میں نے اور رسونتی نے بیک وقت خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے پارس کے پاس پہنچنے کی کوشش کی۔ جب میں لفظ 'کوشش' استعمال کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے، خیال خوانی میں ناکامی ہو رہی ہے۔ ایسے وقت دو ہی باتیں ہوتی ہیں، یا تو وہ دماغ مردہ ہو چکا ہوتا ہے یا اُسے مقفل کیا جا چکا ہوتا ہے۔ ہم میاں بیوی کوششیں کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو مخاطب کر رہے تھے۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی "فرہاد! میرا بچہ کہاں ہے؟ میں اُس کے دماغ میں کیوں نہیں پہنچ سکتی؟"

اور میں رسونتی سے پوچھ رہا تھا "پہلے تم نے ہی اُس کے دماغ کو مقفل کیا تھا۔ پھر کیا ہوگیا؟ ہم ماں باپ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ کون اُسے لیے جا رہا ہے؟ اوہ خدایا، کون اُسے اغوا کر رہا ہے؟"

پہلی بار میرے دل میں درد اٹھا۔ پہلی بار مجھے پتا چلا، اپنا لختِ جگر اغوا کیا جائے تو ماں باپ کے دل پر کیسی قیامت گزرتی ہے۔ رسونتی کی ممتا باؤلی ہو رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کس طرح اپنے بیٹے تک پہنچے اور میں بڑے سے بڑے معرکے میں حاضر دماغی کا ثبوت دینے والا بوکھلا گیا تھا۔ بدحواسی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اگر کوئی حواس میں تھی، اگر کوئی حاضر دماغ تھی تو وہ اعلیٰ بی بی تھی اور وہی ہمارے لیے کچھ کرسکتی تھی۔

کوئی غیر متوقع واقعہ پیش آئے تو ہم جیسے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والے کسی طرح بدحواسی میں مبتلا نہیں ہوتے، بڑے حوصلوں سے غیر متوقع حالات کا سامنا کرتے ہیں اور حاضر دماغی سے کام لیتے ہیں لیکن اولاد کا معاملہ بڑا جذباتی ہوتا ہے، اتنا جذباتی کہ ساری حاضر دماغی اور حوصلے جواب دے جاتے ہیں۔

میرے اور رسونتی کے درمیان ایک اعلیٰ بی بی ایسی تھی جو حاضر دماغی سے کام لے سکتی تھی لیکن وہ بھی اُلجھی ہوئی تھی۔ سامنے والی کوٹھی کو فوجی جوانوں نے گھیر لیا تھا، مسٹر روی سے استفسار کر رہے تھے کہ وہ عورت کہاں ہے جو اُن کی بیٹی بن کر آئی ہے اور وہ بیٹی بن کر آنے والی رسونتی ہی ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ بی بی نے کہا: "رسونتی! تمھیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ بیٹے کے لیے جذباتی اور باؤلی ہو جاؤ گی تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آئے گی — انشاء اللہ ہمارا پارس صحیح و سلامت رہے گا۔ پہلے میرا پرابلم حل کرو، معلوم کرو، یہ آفیسر کن شبہات کی بنا پر سامنے والی کوٹھی کو گھیرے ہوئے ہے اور کیوں مجھ پر رسونتی ہونے کا شبہ کر رہا ہے؟"

"اُسے جہنم میں جانے دو، ہم تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے، پہلے بیٹے کی فکر کرو۔"

میں نے کہا: "اگر مسٹر روی پر شبہ کیا جا رہا ہے تو کرنے دو۔ ہم بعد میں نمٹ لیں گے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "نہیں فرہاد! ہوش میں رہو۔ ابھی تم دونوں کا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ میں التجا کرتی ہوں، مجھ پر اعتماد کرو۔ پہلے جس معاملے سے نمٹنا ہے، اس پر توجہ دو۔ اس افسر کے دماغ کو پڑھو، وہ مجھ پر رسونتی ہونے کا شبہ کیوں کر رہا ہے؟"

"اگر وہ شبہ کر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے، تمھیں اُدھر کا رُخ نہیں کرنا چاہیے۔"

"مجھے وہاں جانا چاہیے۔ مجھے مسٹر روی کی حفاظت کرنا چاہیے، اس طرح میرے یہاں رہنے کا ٹھکانا محفوظ رہے گا۔"

رسونتی کا دل نہیں مانتا تھا۔ وہ بار بار اپنے بیٹے کے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوشش کرتی تھی۔ میں نے افسر کے دماغ میں پہنچ کر معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا، یہ آگ نشار پہ نے لگائی ہے۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ نشار پہ کو بھلا کیسے معلوم ہوا کہ مسٹر روی کا تعلق فرانس کی انٹیلی جنس سے ہے؟

میں نے پھر افسر کے دماغ کو کریدنا شروع کیا، پتا چلا، اس خیال خوانی کرنے والے دوست نے انھیں اتنا ہی بتایا ہے لیکن روی کے فرانسیسی جاسوس ہونے کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ میں نے روی کے دماغ میں جا کر کہا۔ "آپ بالکل پریشان نہ ہوں، یہ صرف شبہ کر رہے ہیں۔ آپ کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اعلیٰ بی بی کے متعلق کہہ دیجیے، وہ ہر صبح واکنگ کے لیے باہر نکلا کرتی ہے۔ ابھی آجائے گی۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کو تمام باتیں سنائیں۔ اُس نے کہا: "مجھے جانا چاہیے، میں پھر کبھی ملاقات کروں گی۔ رسونتی، تم میرے دماغ میں مسلسل رہنے کا وعدہ کرو۔ اپنے بیٹے کی فکر نہ کرو، فرہاد اس کے ساتھ رہیں گے۔"

"میں تمھارے پاس رہوں گی۔"

"میں ابھی بیٹے کا سُراغ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

شنکرا اور رانی سردار نے پارس کی نگرانی کی ذمے داری لی تھی۔ وہ اور ہمارے دوسرے آدمی باری باری وہاں ڈیوٹی دیتے تھے اور پہرے داروں کے آنے جانے کا حساب رکھتے تھے۔ میں نے شنکرا کو مخاطب کیا۔ اس نے ایک دم سے خوش ہو کر کہا: "بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ نے رابطہ قائم کیا، میں آدھی رات سے آپ کے صاحبزادے کے پیچھے دوڑ رہا ہوں۔"

میں نے چونک کر پوچھا: "کیا کہا؟ میرا بیٹا پارس تمھاری نظروں میں ہے؟"

"جی ہاں جناب! میں ان کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔"

"تم کہاں ہو؟"

اُس نے جگہ بتائی۔ میں نے کہا: "انتظار کرو، میں ابھی آ رہا ہوں۔"

"جناب! انتظار کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ چھوٹے مالک ایک جگہ نہیں رہتے ہیں۔ میں ان کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ ان کے قدموں میں سر پھوڑنے کو تیار ہوں مگر قدم ایک جگہ رُکتے نہیں ہیں۔"

میں نے جلدی جلدی کپڑے اور جوتے پہنتے ہوئے کہا: "پروا مت کرو، پارس کے پیچھے لگے رہو۔ میں تمھارے دماغ میں رہ کر وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔"

میں تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کے باہر آیا۔ کار میں آکر اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی۔ وہ نئی کار انکل دلپت رائے نے خاص طور سے میرے لیے خریدی تھی۔ اس دوران شنکرا مجھے پارس کے حالات بتا رہا تھا۔ میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھی کے احاطے سے نکل گیا۔

شنکرا اور اس کا ساتھی رنجیت پچھلی رات بارہ بجے اس بنگلے کے پاس پہنچے تھے جہاں پارس قیدی بنا کر رکھا گیا تھا۔ شام سے آدھی رات تک ڈیوٹی دینے والے شمبھو دادا اپنے ساتھی کے ساتھ چلے گئے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد شنکرا اور رنجیت نے ایک جگہ چھُپ کر حیرانی سے دیکھا۔ بنگلے کے چاروں طرف اُونچی چار دیواری تھی۔ مین گیٹ پر پہرا دینے والے دو پہرے دار آپس میں لڑ پڑے تھے۔ پھر ایک نے دوسرے پر فائرنگ کی۔ جو زندہ بچ گیا، اس

نے خود کو اپنی ہی رائفل سے ہلاک کر لیا۔

شنکر اور رنجیت کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے کیا جا رہا ہے وہ سمجھ رہے تھے، فرہاد صاحب ایسا کر رہے ہیں۔ اس احاطے کے چار گوشوں میں چار اونچے مچان بنے ہوئے تھے۔ ہر مچان پر دو مسلح جوان موجود رہتے تھے، وہاں سے دُور دُور تک آنے جانے والوں پر نظر رکھتے تھے۔ اب وہ مچان بھی ویران سے نظر آ رہے تھے۔ پہرا دینے والے جوان نہیں تھے اور اگر تھے تو ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے خاموش ہو گئے تھے۔ پھر شنکر اور رنجیت نے حیرانی سے دیکھا۔ احاطے کے کھلے ہوئے مین گیٹ پر پارس نظر آ رہا تھا۔

وہ آرام سے چلتا ہوا باہر آیا۔ پھر سیدھا ایک طرف جانے لگا۔ جب ذرا دُور نکل گیا تو شنکر اور رنجیت دوڑتے ہوئے اُس کی طرف جانے لگے۔ اُسے آواز دینے لگے "چھوٹے مالک ہا رک جائیے۔"

اُس نے رُک کر دونوں کو دیکھا۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر بزرگانہ انداز میں کہا "تم لوگوں نے مجھے 'چھوٹے مالک' کہہ کر دل خوش کر دیا۔ بے شک، بڑا مالک صرف خدا ہے۔ ہم سب چھوٹے ہیں۔"

وہ پھر پلٹ گیا اور سیدھا چلنے لگا۔ شنکر نے کہا "ہم آپ کے سیوک ہیں، آپ کے خدمت گار ہیں۔ ہم آپ کی نگرانی اور حفاظت کے لیے یہاں راتوں کو جاگتے ہیں۔"

وہ چلتا جا رہا تھا اور ہاتھ اُٹھا کر کہہ رہا تھا "یہ بُری عادت ہے' انسان کو سونے کے وقت سونا اور جاگنے کے وقت جاگنا چاہیے۔ جو جاگنے کے وقت سوتا ہے' وہ کھوتا ہے۔ جو سونے کے وقت جاگتا ہے' اُلّو کہلاتا ہے۔"

رنجیت نے ہاتھ جوڑ کر کہا "مالک! آپ تو پہنچے ہوئے ہیں' آخر کس باپ کے بیٹے ہیں۔"

وہ باپ کا بیٹا آرام سے چلتا ہوا اس کار تک پہنچ گیا جسے شنکر نے دُور ایک سڑک کے کنارے پارک کیا تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر بولا "پولیس ہیڈ کوارٹر چلو۔"

پولیس ہیڈ کوارٹر کا نام سُنتے ہی شنکر اور رنجیت بوکھلا گئے۔ انھوں نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا "آپ وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں؟ وہاں تو آپ کے لیے خطرہ ہی خطرہ ہوگا۔ پلیز گھر چلیے۔"

"جو کہتا ہوں' وہی کرو۔"

اُس نے ایسی سنجیدگی، رُعب اور دبدبے سے کہا کہ شنکر فوراً اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رنجیت اس کے پاس والی سیٹ پر آ گیا۔ پھر اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ "جناب فرہاد صاحب! آپ اپنے بیٹے کے پاس موجود ہیں' کچھ ہم سے بھی گفتگو کریں۔ ہمیں بھی بتائیں' یہ ماجرا کیا ہے۔ کیا پولیس ہیڈ کوارٹر جانے میں آپ کے صاحبزادے کے لیے خطرہ نہیں ہے؟"

"میرے پاپا کو آواز نہ دو۔ وہ بہت غم زدہ ہیں۔ کسی رنگین محفل میں غم غلط کر رہے ہوں گے۔"

وہ دونوں بہت پریشان تھے لیکن حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف کار ڈرائیو کرتے جا رہے تھے۔ پھر شنکر نے کہا۔ "چھوٹے مالک! اجازت ہو تو ہم ایک فون کر کے اپنے آدمیوں سے گفتگو کر لیں۔"

"اجازت ہے۔"

انہوں نے ایک پبلک کال آفس کے سامنے گاڑی روک دی۔ شنکر نے پھرتی سے دروازہ کھولا۔ پھر وہاں سے دوڑتا ہوا آفس میں گیا۔ فون کے ذریعے رانی سردار سے رابطہ قائم کر کے بولا "ہمارے چھوٹے مالک آزاد ہو گئے ہیں، ہمارے ساتھ گاڑی میں ہیں لیکن وہ گھر چلنے پر راضی نہیں ہیں، پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے حکم سے مجبور ہیں۔ تم ٹیلیفون کے ذریعے فرہاد صاحب سے رابطہ قائم کرو۔ اپنے باقی ساتھیوں کو ہمارے پیچھے لگا دو۔ بھگوان نہ کرے کوئی بُرا وقت آئے تو ہم سب مل کر چھوٹے مالک کی حفاظت کریں گے۔"

وہ فون کرنے کے بعد دوڑتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ پر آیا۔ کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھ گیا۔ رنجیت نے کہا "چھوٹے مالک! آپ کے پاپا ہمیں کبھی خادم نہیں سمجھتے ہیں، اپنے برابر سمجھ کر بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ایک سوال کروں۔"

"اجازت ہے۔"

"آپ پولیس ہیڈ کوارٹر کیوں جا رہے ہیں؟"

"پولیس والوں کے پاس کیسے لوگ جاتے ہیں؟"

رنجیت نے جواب دیا "جو چور ہوتے ہیں۔"

"تمہارا جواب غلط ہے شنکر چاچا! آپ جواب دیں۔"

شنکر نے خوش ہو کر کہا "واہ چھوٹے مالک! آپ نے مجھے چاچا کہہ کر میرا مان بڑھا دیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ چور اپنی مرضی سے پولیس والوں کے پاس نہیں جاتا بلکہ چور کے خلاف رپورٹ لکھوانے والے جاتے ہیں۔"

پارس نے کہا "شاباش، یہی رنجیت کے سوال کا جواب ہے۔"

شنکر نے حیرانی سے پوچھا "کیا مطلب؟ آپ کسی کے خلاف رپورٹ لکھوانے جا رہے ہیں؟"

اس وقت وہ پولیس ہیڈ کوارٹر کے قریب پہنچ رہے تھے۔ پارس نے کہا "گاڑی ذرا فاصلے پر روکو تاکہ اپنی گاڑی کے ساتھ پولیس والوں کو نظر نہ آؤ۔"

گاڑی رُک گئی۔ رنجیت نے کہا "آپ بہت چھوٹے ہیں۔ آپ کے رپورٹ لکھانے پر پولیس والے یقین نہیں کریں گے۔ پھر آپ کس کے خلاف رپورٹ لکھوائیں گے؟"

پارس نے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ پھر کہا "تم دونوں کے خلاف۔ تم اپنے آدمیوں کے ساتھ پچھلی دو راتوں سے میری نگرانی کر رہے ہو۔ میں وہاں سے فرار ہو گیا ہوں۔ لہٰذا میرے فرار ہونے میں تم دونوں کا ہاتھ ہے۔ پولیس والوں کا فرض ہے کہ وہ تمھیں گرفتار کر لیں۔"

پھر اُس نے کار کا دروازہ کھول کر باہر آتے ہوئے کہا "انتظار فرماؤ۔"

اُس نے دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کیا پھر پولیس ہیڈ کوارٹر کے مین گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ شنکر اور رنجیت نے جلدی سے کار سے نکل کر پیچھے آتے ہوئے کہا "جناب! ذرا ٹھہریے۔ آپ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں۔ ہم آپ کے پاپا کے خاص بندے ہیں۔ آپ کے خدمت گار ہیں۔ پھر آپ ہمارے خلاف رپورٹ لکھوانے کیوں جا رہے ہیں؟"

اُس نے جواب نہیں دیا۔ شنکر اور رنجیت کی سمجھ میں یہی آیا کہ بچہ نادان ہے' بچکانہ حرکتیں کر رہا ہے۔ بڑوں کا فرض ہے' اسے غلطی سے روکا جائے۔ لہٰذا انھوں نے دوڑتے ہوئے آ کر اُسے دونوں طرف سے پکڑ لیا بلکہ جکڑ لیا۔ پھر اُسے اُٹھا کر کار کی طرف دوڑتے ہوئے بولے "نہیں مالک! ہم آپ کو نادانی نہیں کرنے دیں گے۔ آپ خاموشی سے کار میں بیٹھ جائیے اور ہمارے ساتھ چلیے۔"

انھوں نے پارس کو پچھلی سیٹ پر لا کر ڈال دیا۔ دونوں اگلی سیٹ پر آ گئے۔ کار اسٹارٹ کی۔ پھر آگے بڑھ گئے۔ پارس نے کہا "رنجیت! تمھاری پتلون کی پچھلی جیب میں چھوٹی سی نوٹ بک اور ایک پینسل ہے' ذرا مجھے دو۔"

رنجیت نے حیرانی سے پوچھا "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" پھر وہ مسکراتے ہوئے بولا "سمجھ گیا، سمجھ گیا۔ آپ کے پاپا آپ کو ہمارے بارے میں بتا رہے ہیں۔"

"میں نے پچھلے چوبیس گھنٹوں سے اپنے پاپا کی آواز نہیں سُنی' بہرحال یہ مجھے دو۔"

رنجیت نے جیب سے نوٹ بک اور پینسل نکال کر دی۔ ذرا آگے جا کر شنکر نے کار روک دی۔ پھر کہا "میں ذرا پان لے کر آتا ہوں۔"

وہ سامنے والی دکان میں گیا۔ جب واپس آیا تو پچھلی سیٹ کی طرف دیکھ کر چونک گیا۔ اُس نے رنجیت سے پوچھا "چھوٹے مالک کہاں ہیں؟"

رنجیت نے پلٹ کر دیکھا، پھر گھبرا کر کہا "ہے بھگوان! یہ ہمارے چھوٹے مالک کہاں چلے گئے۔ میں تو یہیں بیٹھا ہوا تھا، مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلا۔"

پچھلی سیٹ پر نوٹ بک کھلی ہوئی رکھی تھی۔ انھوں نے اُٹھا کر دیکھا۔ اس میں لکھا تھا "اسے پڑھتے وقت یقین کر لو کہ میں پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکا ہوں اور تم دونوں خطرے میں ہو۔ لہٰذا بھاگو یہاں سے۔"

وہ بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے' صحیح معنوں میں وفادار اور جاں نثار تھے۔ انھوں نے عہد کر لیا۔ چاہے خود کو قانون کے حوالے کرنا پڑے لیکن وہ چھوٹے مالک کو اپنی نظروں میں رکھیں گے۔ تھوڑی دیر انتظار کریں گے' اگر وہ باہر نہ آئے تو پولیس ہیڈ کوارٹر میں گھس جائیں گے۔

اس وقت تک رانی سردار اور شنکر کے دوسرے ساتھی موٹر سائیکلوں پر وہاں آ گئے تھے۔ ان کے پاس چار موٹر سائیکلیں تھیں۔ دُور ہی دُور سے چھوٹے مالک کی نگرانی کرنے اور تعاقب کرتے رہنے کا یہی طریقہ مناسب تھا کہ وہ سب موٹر سائیکلوں پر سوار رہتے۔ تمام موٹر سائیکلوں میں عمدہ قسم کے سائلنسر لگے ہوئے تھے۔ ڈرائیو کرتے وقت شاید خود کو آواز سُنائی دیتی ہو لیکن آس پاس سے گزرنے والے ان موٹر سائیکلوں کی آواز نہیں سُن سکتے تھے۔

دوسری طرف رانی سردار نے ٹیلیفون کے ذریعے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اُسے معلوم تھا میں نے انکل دلپت رائے کے ہاں قیام کیا ہے لیکن پتا چلا دلپت رائے کے ہاں فون خراب ہو گیا ہے۔ وہ رابطہ قائم نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے پہلے میں نے رانی سردار کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ میری گرل فرینڈ اعلیٰ بی بی یہاں پہنچ جائے تو وہ میری طرف رُخ نہ کرے۔ وہ تذبذب میں رہ گئی تھی۔ میرے حکم کے خلاف میری طرف نہیں آ سکتی تھی۔ اسی انتظار میں رہ گئی کہ شاید میں اس سے رابطہ قائم کروں۔

میں شنکر اور رانی سردار کے خیالات پڑھ کر معلوم کر سکتا تھا کہ آدھی رات کے بعد سے پارس کس طرح بھٹکتا رہا اور کس طرح ان سب کو گھن چکر بنا تا رہا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر کیوں گیا تھا۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی، میں اسے بیان کر رہا ہوں۔

وہ سیدھے راستے سے ہیڈ کوارٹر میں نہیں گیا تھا، دیوار پھلانگ کر اندر پہنچا تھا۔ پہرے داروں سے سامنا ہوتا تو خواہ مخواہ بات بڑھتی۔ پھر بڑے پاپڑ بیلنے کے بعد منگل پانڈے تک پہنچ پایا۔ جب وہ پانڈے کے پاس پہنچا تو وہ چھوٹے سے بنگلے کے ایک بیڈ روم میں خراٹے لے رہا تھا۔

قارئین جانتے ہیں' استنبول میں پارس اوّل کس طرح سونیا کی حکمت عملی' شیبا کی ٹیلی پیتھی اور آمنہ کی ٹریننگ کے ذریعے کارنامے انجام دیتا آ رہا ہے۔ ہمارے پڑھنے والے یہ سمجھ چکے ہوں گے کہ دہلی میں پارس دوم کے دماغ کو کوئی دشمن کنٹرول کر رہا ہوتا تو وہ اُسے اتنی آزادی سے اتنی دیر تک زندگی کی سانس لینے نہ دیتا، فوراً ہلاک کر دیتا یا دشمنوں کی قید سے نکلنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ لہٰذا یہ بات بالکل صاف ہے کہ پارس دوم کے دماغ میں بھی شیبا موجود تھی اور یہ چالیں شیبا کے پیچھے بیٹھی ہوئی سونیا چل رہی تھی۔

داستان آگے بڑھانے سے پہلے ایک اور وضاحت کر دوں۔

جب مجھ کو، سونیتی اور اعلیٰ بی بی کو معلوم ہوا کہ پارس سخت نگرانی کے باوجود بنگلے سے نکل چکا ہے تو ہم میاں بیوی نے اُس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تھی اور ناکام رہے تھے۔ بعد میں پتا چلا شیبا نے پارس دوم کو قید سے نکالنے سے پہلے اس پر تنویمی عمل کیا تھا اور اس کے دماغ کو سات گھنٹے کے لیے مقفل کر دیا تھا۔ اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ مجھے اور سونیتی کو پریشان کرے بلکہ وہ شارپر کو پارس دوم سے دور رکھنا چاہتی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیبا اور سونیا پارس دوم تک کیسے پہنچ گئیں۔ کیسے پارس دوم کی آواز اور اُس کے لب و لہجے کو سُن لیا۔ دراصل بابا صاحب کا ادارہ ہم سب کے لیے ایک بہت بڑی لائبریری کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں دُنیا جہاں کے علوم سے تعلق رکھنے والی کتابیں بھی ہیں۔ آڈیو کیسٹ بھی ہیں اور وڈیو کیسٹ بھی ہیں۔ جن کے ذریعے ہم بڑی اہم معلومات حاصل کرتے رہتے ہیں۔ بابا فرید واسطی کی حیات میں ہی یہ طے پا گیا تھا کہ میں اور سونیتی جتنے دوستوں اور دشمنوں کی آوازیں اور لب و لہجے سنتے ہیں ان سب کو آڈیو کیسٹ میں ریکارڈ کر والے کے بابا صاحب کے ادارے میں محفوظ کر دیا کریں۔ بابا صاحب کی اس ہدایت پر عمل ہوتا رہا تھا۔ جہاں بہت سے دشمنوں اور دوستوں کی آوازیں ریکارڈ کی گئی تھیں وہاں راجیش کی آواز بھی بابا صاحب کے ادارے میں موجود تھی۔ شیبا نے جناب شیخ الفارس سے درخواست کی تھی کہ اُسے راجیش کی آواز سُنائی جائے لہٰذا آواز سُنا دی گئی تھی اور وہ راجیش کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر اُس کے پاس پہنچ گئی تھی۔ پھر اُس کے ذریعے پارس کے دماغ کو چھونے میں کیا دیر لگ سکتی تھی اور اب وہ اسی کے دماغ میں تھی۔

بہرحال یہ بات واضح ہو گئی کہ پارس دوم منگل پانڈے کے بنگلے تک پہنچ گیا تھا۔ دروازے اندر سے مقفل تھے لیکن انھیں کھولنا کون سی بڑی بات تھی۔ پانڈے نے خراٹے لینے کے باوجود نیند کی حالت میں اُٹھ کر تمام دروازے کھول دیے تھے۔ پارس دوم کو اندر آنے کا موقع دیا تھا۔ پھر واپس بستر پر آ کر چاروں شانے چت ہو کر اسی طرح خراٹے لینے لگا تھا۔

پارس نے تھوڑی دیر تک اُسے دیکھا۔ کچھ سوچا، پھر بستر پر چڑھ کر قریب آیا اور اس کے پیٹ پر بیٹھ گیا۔ پانڈے نیند کی حالت میں تھا۔ اُسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ پیٹ پر کافی وزن رکھا ہوا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ پارس نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ نیم خوابیدہ سا اور نیم بیدار سا تھا۔ ایسے میں پارس نے کہا "میں ہوں یم راج یعنی ملک الموت۔"

وہ ایک دم سے ساکت ہو گیا جیسے ملک الموت نے اس کے پیٹ پر سوار ہوتے ہی رُوح قبض کر لی ہو۔ اُس نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔ پارس نے کہا "آنکھیں بند کرنے سے دُنیا اوجھل ہو سکتی ہے مگر ختم نہیں ہو سکتی یہ حقیقت اپنی جگہ رہے گی۔"

اُس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ خوف زدہ ہو کر بولا "تم کون ہو؟ میرے پیٹ پر کیوں سوار ہو گئے؟ دیکھو میرا نام منگل پانڈے ہے۔ کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ سب مجھے..."

پارس نے بات کاٹ کر کہا "لوگ تمھیں کچھ بھی سمجھتے ہوں۔ دُنیا کا بڑے سے بڑا شہ زور موت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔"

"میری سانس رُک رہی ہے بھگوان کے لیے میرے پیٹ کو آزاد کر دو۔"

پارس نے وہاں سے اُٹھ کر پوچھا "کیا تمھارے مہاجوتشی نے یہ نہیں بتایا کہ موت کسی وقت بھی تم پر چھاپا مار سکتی ہے؟"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ میں نے پچھلے چوبیس گھنٹوں سے مہاجوتشی دھن راج کو بھلا دیا ہے مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ اُسے اپنے ساتھ رکھتا ہوں تو کسی نہ کسی عورت سے لات جوتے کھاتا ہوں۔ یہ میرے ہاتھ کی لکیریں بڑی ہی جوتا خور ہیں۔ پتا نہیں میں کیسا مقدر لے کر پیدا ہوا ہوں۔"

"تم تو مقدر کے سکندر ہو۔ کیا فرہاد علی تیمور کو گرفتار نہیں کرو گے؟"

وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا "تمھارے مُنہ میں گھی شکر، کہاں ہے فرہاد؟"

"یہ تمھارے سامنے اتنا لمبا چوڑا فرہاد کھڑا ہے اور تمھیں نظر نہیں آتا!"

پانڈے نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا "تم؟ فرہاد علی تیمور ہو؟ تعجب ہے، آج تک نہ کسی نے مجھے بتایا اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ بین الاقوامی شہرت رکھنے والا فرہاد علی تیمور تین فٹ کا آدمی ہے۔"

"میں تین فٹ سے بھی چھوٹا ہوں۔ آدمی خود کو جتنا چھوٹا بنا کر رکھے گا علم و ہنر کی دُنیا میں اتنا ہی قد آور ہوتا جائے گا۔"

پانڈے تیزی سے چلتا ہوا اپنی وردی کی طرف گیا۔ ہینگر میں وردی کے ساتھ ایک ہتھکڑی لٹکی ہوئی تھی۔ وہ اُسے اُٹھاتے ہوئے بولا "اگر تم فرہاد علی تیمور ہو تو ہاتھ سامنے لاؤ میں ہتھکڑی پہنا دوں گا۔"

"پہلے اپنے ہاتھ کی لکیریں کسی کو دکھاؤ وہ بتائے گا تم اتنے قریب ہونے کے باوجود گرفتار کر سکتے ہو یا نہیں؟ کیا فرہاد علی تیمور اتنا احمق ہے کہ تمھارے پاس ہتھکڑی پہننے کے لیے چلا آئے گا؟"

اُس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "آہ، میرے دوست دھن راج تم کہاں ہو میرے پاس آؤ۔ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھو مجھے بتاؤ میں اس بین الاقوامی شہرت رکھنے والے مجرم کو گرفتار کر کے بین الاقوامی شہرت حاصل کر سکتا ہوں یا نہیں؟"

"اگر تمھارا مہاجوتشی موجود ہوتا تو وہ بتاتا کہ فرہاد کو گرفتار کر سکتے ہو مگر تمھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔"

"میں کسی بھی آزمائش سے جان دے کر بھی گزر سکتا ہوں۔"

"کیسی احمقانہ باتیں کرتے ہو۔ جان دے دوگے تو آزمائش سے کیسے گزرو گے۔ عقل کی بات کرو۔"

اُس نے عاجزی سے کہا۔ "اے بھائی! ایک بالشت کے فرہاد! مجھے سچ سچ بتاؤ تم کون ہو۔ کیا فرہاد ایسا ہو سکتا ہے، اگر میں دُنیا والوں سے پوچھوں گا تو وہ میرا مذاق اُڑائیں گے لیکن تم فرہاد کے انداز میں میرے پاس آئے اور میرے پیٹ پر چڑھ کر بیٹھ گئے تھے۔ کیا تمھیں پتا ہے، آج تک کسی نے میرا نام لینے کی ہمت نہیں کی اور تم میرے پیٹ پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ میرا نام منگل پانڈے ہے، سب مجھے۔۔۔"

"اُلّو کا پٹھا کہتے ہیں۔" پارس نے اُس کی بات مکمل کر دی۔

وہ غصّے سے آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "یو شٹ اپ۔"

وہ اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ دونوں بازو پھیلا کر اسے دبوچنا چاہتا تھا لیکن وہ گرفت میں نہیں آیا۔ اس نے سر جھکا کر دیکھا تو بچّہ فرہاد زمین پر بیٹھ گیا تھا اور پھسلتا ہوا اُس کی ٹانگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا پیچھے چلا گیا تھا۔ اُس نے پلٹ کر پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ کون ہو تم؟"

"تم پولیس ہیڈکوارٹر میں ہو، یہاں کے ریکارڈ روم میں جاؤ یا اپنے اعلیٰ افسر سے رابطہ قائم کر کے معلوم کرو۔ کیا فرہاد علی تیمور کے بیٹے پارس کو خفیہ طور پر قیدی بنا کر رکھا گیا تھا اور اگر رکھا گیا تھا تو وہ پانچ برس کا بچّہ اب کہاں ہے۔ تب معلوم ہوگا کہ وہ تمھارے یعنی منگل پانڈے کے سامنے ہے۔"

پانڈے کا مُنہ حیرت سے کھُل گیا تھا۔ اُس نے پوچھا۔ "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، اپنے اعلیٰ افسر سے پوچھو۔"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ کہیں تم بھاگ تو نہیں جاؤ گے؟"

"میری فکر نہ کرو۔ اگر مجھے یا میرے پاپا کو گرفتار کرنا چاہتے ہو تو کہہ چکا ہوں، تمھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔"

"آخر وہ کیسی آزمائشیں ہوں گی، ذرا جلدی بتاؤ۔ میں اپنے اعلیٰ افسران کو تمھارے متعلق اطلاع دے کر چونکا دینا چاہتا ہوں۔ وہ بھی کیا یاد کریں گے کہ منگل پانڈے کیسی تازہ ترین معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ ساری دنیا فرہاد کے پیچھے ہے اور پانڈے اس کے بیٹے تک پہنچ چکا ہے۔ پلیز! ذرا جلدی آزمائشوں کے سلسلے میں وضاحت کرو۔"

"تمھیں اپنی دلیری کا ثبوت دینا ہوگا۔"

اُس نے گھونسا تان کر کہا۔ "میں خود کو دلیر ثابت کر دوں گا۔"

"تمھیں اسی گھونسے کے ذریعے انتقام لینا ہوگا۔"

"ضرور لوں گا لیکن کس بات کا انتقام؟"

"یہ کتنے شرم کی بات ہے عورتوں نے سرِ عام تمھارے مُنہ پر طمانچے مارے اور تم مار کھاتے رہے۔ اب تم اینٹ کا جواب پتھر سے دوگے۔ انھوں نے تمھیں طمانچے مارے، تم گھونسے مارو گے۔"

وہ ایک دم سے گڑبڑا کر بولا۔ "ارے کیا کہہ رہے ہو۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ انھیں گھونسے ماروں گا تو کیا لوگ مجھے زندہ چھوڑ دیں گے؟"

"جس بات پر عمل کرنا مشکل ہو بلکہ ناممکن ہو، اسی کو آزمائش کہتے ہیں۔ پھر تم ایسی دیسی عورت کو گھونسا نہیں مارو گے بلکہ کسی بڑے افسر کی بیوی کو، کسی سیاسی لیڈر کی گھر والی کو، کسی بہت بڑی فلم اسٹار کو ایک گھونسا ضرور مارو گے۔ اس کے بعد ہی فرہاد اور اس کا بیٹا تمھارے قابو میں آئے گا۔"

"تمھاری ایسی کی تیسی، میں تو ابھی تمھیں قابو میں کر سکتا ہوں، ابھی تمھاری گردن دبوچ سکتا ہوں۔"

وہ بستر سے اُٹھ کر پارس پر حملہ کرنے کے انداز میں بڑھا۔ اُدھر پارس نے اُسے گھونسا مارنے کا انداز اختیار کیا۔ دُور ہی سے ایک گھونسا چلایا۔ پانڈے کو ایسا لگا جیسے وہ گھونسا اس کے دماغ پر پڑا ہو۔ اُس کا بھیجا ہل کر رہ گیا۔ ایسی تکلیف محسوس ہوئی جو ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کے مُنہ سے چیخ نکلنا چاہیے تھی لیکن محسوس ہوا جیسے کوئی انجانی قوت اُس کا مُنہ دبا رہی ہو تاکہ باہر تک آواز نہ جائے۔

جب سر کی تکلیف میں کمی محسوس ہوئی تو اس نے دُور کھڑے ہوئے پارس کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "آخر یہ لڑکا کتنا طاقت ور ہے؟ ایک گھونسا چلایا اور میں تڑپ کر رہ گیا، جیسے میری کھوپڑی پر قیامت گزر گئی ہو لیکن یہ عجیب بات ہے، اس کے گھونسے کی چوٹ میرے جسم پر، میرے سر پر محسوس نہیں ہوئی بلکہ سر کے اندر محسوس ہوئی تھی۔"

پھر اسے خیال آیا۔ وہ ایک بچّے کے مقابلے میں فرش پر گر پڑا ہے۔ اس نے جلدی سے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم نے سچ مچ گھونسا مارا تھا؟"

"پھر مار کر یقین دلاؤں؟"

وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر بولا۔ "نہیں نہیں، تم یہ بتاؤ کیا بلا ہو؟"

"میں تمھاری موت بھی ہوں اور زندگی بھی، تمھیں فیصلہ کرنا ہوگا کیا میرے پاپا فرہاد علی تیمور کو گرفتار کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ شرط بہت کڑی ہے۔"

"لوگ انھیں گرفتار کرنے کے لیے جان کی بازی لگاتے ہیں، اپنا تمام سرمایہ خرچ کرتے ہیں۔ اپنے سارے ذرائع استعمال کرتے ہیں اور بازی ہار جاتے ہیں۔ تمھیں تو صرف عورتوں کے سامنے دلیری دکھانا ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں ایسی دلیری نہیں دکھاؤں گا، میں فرہاد علی تیمور کو گرفتار نہیں کروں گا۔"

"تو پھر مجھے بیٹا بنا لو۔"

پانڈے نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"مجھے ایک محفوظ پناہ گاہ کی تلاش ہے۔ میں تمھارا بیٹا بن کر محفوظ رہ سکتا ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے، یہاں لوگ میرے تمام بچّوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔"

"تمھاری اس بیوی کے بچّے کو کوئی نہیں جانتا جسے تم نے دنیا والوں کی نظروں سے چھپا کر رکھا ہے۔"

وہ گڑبڑا کر بولا۔ "تم، تم بالشت بھر کے چھوکرے میری دوسری بیوی کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"جو میرے پاپا جانتے ہیں، وہ میں جانتا ہوں۔ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک جواب دو، مجھے بیٹا بناؤ گے یا نہیں۔ انکار کرو گے تو کھوپڑی ہلا کر رکھ دوں گا۔ پولیس والے صبح تک یہاں تمھاری لاش دیکھیں گے۔"

وہ بُری طرح سہما ہوا تھا۔ پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گیا تھا۔ پھر وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میری دوسری بیوی سے کوئی بچّہ نہیں ہے۔ تم اُس کے بیٹے کیسے بن سکتے ہو؟"

"تمھاری بیوی کے بچّہ ہوا تھا لیکن مر گیا۔ لہٰذا جس طرح تم نے بیوی کو چھپا کر رکھا ہے، اسی طرح دنیا والوں سے کہہ سکتے ہو کہ بچّے کو بھی چھپا کر رکھا تھا۔"

"جہاں وہ رہتی ہے، اس محلّے کے لوگ جانتے ہیں، اس کا اتنا بڑا بچّہ نہیں ہے۔"

"وہ دہلی سے بیس میل دُور شیو پور نامی گاؤں میں رہتی ہے۔ اُس کا نام چمپا بائی ہے۔ اب وہ دہلی آ کر رہے گی۔ میں اس کے ساتھ رہوں گا۔ یہاں کے لوگوں کو تسلیم کرنا ہوگا کہ میں چمپا بائی کا بیٹا ہوں اور جن حالات میں انسان گدھے کو باپ بنا لیتا ہے، تم اسی طرح میرے باپ بنتے رہو گے۔"

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔ "یوں آسمان سے ٹپکنے والا بیٹا میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔ یہ تو سوچو، میری آمدنی محدود ہے۔ میں چمپا بائی کو دہلی میں رکھ کر اس کے اخراجات برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"اخراجات ہم برداشت کریں گے۔"

"چمپا کو یہاں بلا کر رکھنے اور اس کے ماہانہ اخراجات کے سلسلے میں کم از کم گیارہ ہزار روپے خرچ ہوں گے، کیا تم یہ رقم مجھے دے سکتے ہو؟"

"وردی پہن کر باہر نکلو۔ راستے میں تمھیں بیس ہزار روپے مل جائیں گے۔"

اُس نے حیرانی اور بے یقینی سے پارس کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "سمجھ گیا، تمھارے پاپا مجھے وہ رقم کہیں سے دلائیں گے۔ چلو میں آزما لیتا ہوں۔" وہ اپنی وردی ہینگر سے اتارتے ہوئے بولا۔ "دوسرے کمرے میں جاؤ، میں لباس تبدیل کر لوں مگر ہمیں کتنی دُور جانا ہوگا؟"

"ہم شیو پور جائیں گے، وہاں سے میں اپنی ماں کے ساتھ آؤں گا اور آپ ہمیں لے کر آئیں گے۔"

کیا میں آتی رات کو یہاں سے بیس میل دُور جاؤں گا؟"

"کیا بیس ہزار مفت میں حاصل کرنا نہیں چاہتے؟"

"اچھا اچھا، میں وردی پہن رہا ہوں۔ تم باہر جاؤ۔"

پارس دوسرے کمرے میں آ گیا۔ منگل پانڈے نے دروازے کو اندر سے بند کر کے سوچا۔ "یہ اچھا موقع ہے، مجھے پچھلے دروازے سے نکل کر مسلح سپاہیوں کو ساتھ لا کر فرہاد کے بچّے کو گرفتار کر لینا چاہیے۔"

اس کے دماغ میں ایک پرائی سوچ پیدا ہوئی۔ "فرہاد اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو اب تک وہ مر کھپ گئے ہوتے، پھر پارس تو اس کا بیٹا ہے۔ ممکن ہے، میں اسے ہاتھ بھی نہ لگا سکوں، میرے سپاہی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔"

پانڈے نے اس خیال کو دماغ سے جھٹک کر کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے، جب مسلح سپاہی ہوں گے، چاروں طرف رائفلیں تان کر اُسے بھاگنے کا راستہ نہیں دیں گے تو وہ کیسے گرفت میں نہیں آئے گا؟"

وہ سوچتا ہوا پچھلے دروازے سے نکل گیا لیکن اسی سوچ میں بہتا ہوا اگلے دروازے سے پھر اپنے بنگلے میں داخل ہو گیا۔ اُسے پتا ہی نہ چلا۔ دوسرے کمرے میں پارس بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ پھر وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "پتا نہیں، میں یہاں کیسے آ گیا۔"

پارس نے کہا۔ "تعجب ہے، تم وردی پہننے والے تھے۔ صرف انڈر ویئر میں نظر آ رہے ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ میں ذرا کام سے باہر گیا تھا، اب وردی پہن کر آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں گیا۔ دروازے کو اندر سے بند کر کے سوچنے لگا۔ "یہ کیسے ہو گیا، میں پچھلے دروازے سے نکل کر سپاہیوں کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اگلے دروازے سے پھر اپنے ہی بنگلے میں کیسے آ گیا؟"

وہ سوچنے کے دوران وردی پہنتا رہا۔ پوری طرح تیار ہونے کے بعد اس نے سوچا۔ "دراصل مجھے اس طرح افسرانہ انداز میں سپاہیوں کے پاس جانا چاہیے تھا۔ میں بھی کیسا احمق ہوں، انڈر ویئر میں نکل گیا تھا۔ اب مجھے جانا چاہیے۔ وہ کمبخت بالشت بھر کا بچّہ دوسرے کمرے میں ہے، وہاں سے سیدھا حوالات پہنچایا جائے گا۔"

وہ دبے قدموں چلتا ہوا پچھلے دروازے کو کھول کر باہر نکلا۔ اسے دو مسلح سپاہی نظر آئے، انھوں نے اپنے افسر کو دیکھتے ہی الرٹ ہو کر سیلوٹ کیا۔ اس نے حکم دیا۔ "میری جیپ سامنے دروازے پر لاؤ۔"

"دونوں سپاہی وہاں سے چلے گئے۔

وہ بنگلے کے پچھلے حصّے سے ٹہلتا ہوا اگلے حصّے میں آیا۔ سامنے ہی برآمدے میں پارس کھڑا ہوا تھا۔ ایک سپاہی جیپ ڈرائیو کرتا ہوا آ گیا تھا۔ پانڈے نے کہا۔ "آؤ بیٹے، ہم چلتے ہیں۔"

سپاہی اسٹیرنگ سیٹ سے اُتر گیا۔ پانڈے نے وہ سیٹ سنبھال لی۔ پارس اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ جیپ وہاں سے

آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی ہیڈ کوارٹر سے باہر آئی۔ ذرا دُور نکلنے کے بعد پانڈے نے جیپ روک دی۔ ایک دم سے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا۔ پھر سوچنے لگا۔ میں یہاں کیسے آگیا؟ میں نے بنگلے کے پچھلے حصّے میں دو مسلح سپاہیوں کو دیکھا تھا، لیکن میں اس بچے کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر یہاں تک آگیا ہوں۔ ہے بھگوان! اب میری سمجھ میں آرہا ہے، یہ سب پیلی پیھتی کی شرارتیں ہیں۔ میں جب بھی پچھلے دروازے سے نکلنے کی کوشش کروں گا، اگلے دروازے سے اسی بچے کے پاس آجاؤں گا اور اب تو بنگلے سے آگیا ہوں۔"

جہاں اس نے اپنی جیپ روکی تھی، وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر شنکر اور راٹی سردار ایک کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے آس پاس دور تک موٹر سائیکلوں پر ان کے آدمی سوار تھے تاکہ پارس نکلے تو اس کا تعاقب کیا جائے۔ وہ بڑی حیرانی سے اسے پولیس افسر کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ وہ جیپ چند قدم کے فاصلے پر رک گئی تھی اور وہ جیپ سے اُتر کر اُنہی کی طرف آرہا تھا۔ پہلے تو وہ پریشان ہوگئے کہیں ایسا نہ ہو، یہ بچہ اُنھیں پولیس والوں کے حوالے کردے لیکن اپنے دیوتا یعنی مجھ پر اعتماد تھا۔ میں انھیں کسی بھی مصیبت سے مکھن کے بال کی طرح نکال سکتا تھا۔ لہٰذا وہ بیٹھے رہے۔

پارس نے آکر شنکر اور راٹی سردار کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "مجھے بیس ہزار کی ضرورت ہے، فوراً دو۔"

وہ فرہاد کا بیٹا تھا۔ کوئی انکار کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ نہ ہی اس پر کسی قسم کا شبہ کرسکتا تھا۔ راٹی سردار نے ڈیش بورڈ کے خانے کو کھولا، وہاں پچاس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے بیس ہزار نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور رقم بھی ہے، چاہو تو لے جاؤ۔"

"یہ کافی ہے۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا جیپ میں آیا۔ پھر نوٹوں کی گڈی پانڈے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "گن لو، پورے بیس ہزار ہیں۔"

منگل پانڈے نے حیرانی سے نوٹوں کی گڈی کو دیکھا۔ پھر بولا۔ "تم اس کار کی طرف گئے تھے، وہاں سے اتنی بڑی رقم لے آئے، وہ کس کی کار ہے؟"

"آم کھاؤ، پیڑ نہ گنو، وہ کار ایک چلتا پھرتا بینک ہے۔ جب بھی تمھیں رقم کی ضرورت ہوگی، مل جائے گی۔"

اب پانڈے کو دہلی شہر سے بیس میل تو کیا بیس ہزار میل دُور بھی جانا پڑتا تو کبھی انکار نہ کرتا۔ وہ پارس کے ساتھ شیوپور پہنچ گیا۔ رات کے تین بجے تھے۔ گاؤں میں پولیس کی جیپ داخل ہوئی تو دور تک خبر پہنچ گئی۔ سبھی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ منگل پانڈے نے کہا۔ "پریشانی کی بات نہیں ہے۔ سب اپنے گھر میں آرام کریں۔"

اس نے چمپا کی کُٹیا کے سامنے گاڑی روک دی۔ وہ دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ پانڈے نے کہا۔ "دیر نہ کر، جلدی سے ضروری کپڑا لتا لے آ، ہمارے ساتھ چل۔ آج سے تُو دہلی شہر میں رہے گی۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ اپنی جھونپڑی کے اندر گئی، تھوڑی دیر بعد ایک گٹھری لے کر باہر آئی۔ پانڈے نے کہا۔ "پیچھے بیٹھ جا۔"

پارس نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ یہ میری ماں ہے۔ میرے ساتھ بیٹھے گی۔"

اس نے ایک طرف سمٹ کر جگہ بنائی تو چمپا خوشی سے کھل گئی۔ اُس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ پھر اُس نے پارس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میرے بچے! تم کون ہو، جو میرا اتنا مان کر رہے ہو؟"

"میں آپ کا بیٹا ہوں، میرے پاس بیٹھیے، ہم راستے میں باتیں کریں گے۔"

وہ اس کے برابر آکر بیٹھ گئی۔ جیپ اسٹارٹ ہوئی پھر گاؤں کے کچے راستے سے گزرتے ہوئے شاہراہ پر پہنچ گئی۔ پانڈے نے کہا۔ "چمپا! دو برس پہلے تیرے ہاں بچہ ہوا تھا جو مرگیا۔ اب تو شہر میں کسی سے بھی کہہ سکتی ہے کہ پانچ برس پہلے ایک بیٹے کی ماں بنی تھی اور وہ بیٹا تیرے پاس بیٹھا ہوا ہے۔"

اُس نے چمپا کو پارس کے متعلق تمام تفصیلات بتادیں جب اُسے معلوم ہوا کہ فرہاد کا بیٹا اسے ماں کہہ رہا ہے تو اس نے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ اس کے سر کو سہلا کر پیشانی کو چومتے ہوئے بولی۔ "میں کتنے نصیبوں والی ہوں، تم میرے بیٹے بن رہے ہو۔ تمھارے لیے مجھے ہزار بار جھوٹ بولنا پڑے تو جھوٹ بول کر تمھاری ماں بننے میں فخر محسوس کروں گی۔ ایک ماں اپنی تمام دعائیں صرف اپنی اولاد کے لیے بچا کر رکھتی ہے۔ میں وہ تمام دُعائیں تمھارے لیے خرچ کردوں گی — میرے بیٹے! میں ایک غریب ماں ہوں۔ میرے پاس صرف دُعاؤں کا خزانہ ہے۔"

پانڈے نے کہا۔ "تم اپنی ممتا رہنے دو۔ مجھے ضروری باتیں کرنے دو۔"

پارس نے کہا۔ "اے میرے بنا پتی باپ! میں اپنی کسی بھی ماں کو بنا پتی نہیں کہہ سکتا۔ ماں کیا ہوتی ہے، یہ تمھارے جیسے لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ جب میں نے انھیں ماں کہہ دیا ہے تو سمجھ لو، یہ دنیا کی سب سے محترم ہستی بن گئی ہیں۔ اگر تم ان سے بدتمیزی کروگے یا کسی پہلو سے توہین کروگے تو زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

چمپا نے پارس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "نہیں بیٹے! یہ میرے سوامی ہیں، میرے بھگوان ہیں۔ ان سے ایسی باتیں نہ کرو۔"

پارس نے اپنے منہ پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "بھگوان اگر بھگوان کی طرح رہے تو دنیا اُسے بھگوان کہے گی ورنہ شیطان کہے گی۔ لہٰذا آپ اپنے شوہر کی محبت اور وفاداری میں اپنی توہین برداشت نہ کریں۔ اگر کریں گی تو ایک بیٹا نہیں کرے گا۔"

اس کی آنکھیں خوشی سے چھلک پڑی تھیں۔ وہ رو رہی تھی اور پارس کو سینے سے لگا کر بول رہی تھی۔ "میں جانتی ہوں، کسی عورت کو ایک بیٹا ہو جائے تو وہ دنیا کی سب سے خوش نصیب عورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہی بیٹا جوان ہو کر اپنے باپ سے اپنی ماں کے حقوق کے لیے لڑتا ہے اور تم اتنی سی عمر میں میرے لیے لڑ رہے ہو۔ ہائے میرے نصیب اب تک کہاں سوئے ہوئے تھے اور اتنی رات کو کیسے یک بیک جاگ گئے۔ میں حیران ہوں۔"

پانڈے تیزی سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُس نے جھنجلا کر کہا۔ "محترم ماں کے محترم بیٹے! یہ تو بتاؤ، اتنی رات کو ہم کہاں مکان تلاش کریں گے، کہاں تم دونوں کو لے جاکر رکھا جائے گا؟"

"تم چلو، ایک مکان کا دروازہ ہمارے لیے کھلا رہے گا۔"

"ضرور کھلا ہوگا۔ جو لڑکا منٹوں میں بیس ہزار لاکر مجھے دے سکتا ہے، وہ کسی کے بھی گھر کے دروازے تو کیا تجوری کے دروازے بھی کھول سکتا ہے۔ اے برخوردار! تم کب تک بیٹے بن کر رہو گے اور باپ بن کر حکومت کرتے رہو گے؟"

"میں زیادہ زحمت نہیں دوں گا۔ جلد ہی رخصت ہو جاؤں گا۔"

چمپا نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "بیٹے! یک بیک اتنی ساری خوشیاں دے کر انھیں چھین لینے کی بات نہ کرو۔ مجھے تھوڑی سی دیر میں یوں لگ رہا ہے جیسے تم سچ مچ میرے بیٹے ہو۔ میں نے سچ مچ تمھیں جنم دیا ہے۔"

"محبت سچی ہو تو ہر بات سچ لگتی ہے۔ میں آپ سے سچ مچ محبت کرتا ہوں لیکن ہر ماں اپنے بیٹے کی بھلائی کے لیے اسے ملک سے دور بھیج دیتی ہے تاکہ وہ صحیح سلامت رہے۔ اچھی تعلیم حاصل کرے۔ اچھا نام پیدا کرے، کیا آپ یہ نہیں چاہتیں؟"

"ایسی بات ہے تو انکار نہیں کروں گی۔ دل پر پتھر رکھ لوں گی۔"

پارس، پانڈے کو گائیڈ کرتا جا رہا تھا۔ پھر وہ گاڑی اس کوٹھی کے سامنے پہنچی جو راٹی سردار اور شنکر کی ملکیت تھی۔ وہ دونوں اپنے تمام آدمیوں سمیت پارس کا تعاقب کرتے آرہے تھے۔ اپنی ہی کوٹھی کے سامنے پہنچتے دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئے پھر شنکر جلدی سے اُتر کر اس کی طرف آیا۔ اس سے پہلے ہی پارس جیپ سے اُتر کر بولا۔ "تمھاری کوٹھی کے ساتھ جو انیکسی ہے، وہ ہمیں کرائے پر چاہیے۔ بولو، کتنا ایڈوانس چاہتے ہو؟"

شنکر نے حیرانی سے کہا۔ "چھوٹے مالک! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کا ہے، ہم آپ کے ہیں۔"

"میں جذباتی نہیں، کاروباری باتیں کر رہا ہوں۔ اس جیپ میں بیٹھے ہوئے افسر کے پاس بیس ہزار روپے ہیں۔ اس سے پندرہ ہزار لے لو۔ یہ انیکسی کے سلسلے میں ایڈوانس رقم ہوگی۔ باقی کرایہ بھی ادا ہو جائے گا۔"

"مالک! یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

"ایک بات یاد رکھو۔ میں تمھارا مالک نہیں ہوں۔ میرا نام پارس نہیں بلکہ جے کشن ہے۔ میں چمپا بائی اور منگل پانڈے کا بیٹا ہوں۔"

"مالک! آپ جو بھی کہیں گے، ہم اس سے انکار نہیں کریں گے۔"

"پھر وہی مالک؟"

"سوری، اب جے کشن کہوں گا اور ابھی آپ کے لیے انیکسی کا دروازہ کھلواتا ہوں۔"

ذرا سی دیر میں کوٹھی کا مین گیٹ کھل گیا۔ اُس کے بعد انیکسی کا دروازہ بھی کھل گیا۔ پانڈے حیران تھا۔ کبھی پارس کو اور کبھی شنکر وغیرہ کو دیکھتا تھا۔ شنکر نے پارس کے حکم کے مطابق پولیس افسر سے پندرہ ہزار روپے لیے۔ پانڈے نے پارس کو ایک طرف لے جاکر پوچھا۔ "میری اتنی بھاگ دوڑ کا فائدہ کیا ہوا۔ پندرہ ہزار تو ایسے ہی ہاتھ سے نکل گئے۔"

"تمھیں شرم نہیں آتی۔ میں تمھاری دھرم پتنی کو وہاں سے یہاں لے آیا ہوں۔ جب شادی کی ہے تو عورت سے محبت کرنا بھی سیکھو۔"

"وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے جو آج تک نہیں سیکھا، وہ تم سکھاؤ گے۔"

"باقی پانچ ہزار میری ماں جی کو دے دو۔ کل یہ شاپنگ کریں گی اور دہلی شہر میں رہنے کے لیے اچھے لباس وغیرہ خریدیں گی۔"

"ارے تو پھر میرے پاس کیا رہے گا؟"

"گھبراتے کیوں ہو، تمھیں بہت کچھ ملے گا مگر صبر کرنا سیکھو۔"

"مجھے صبر کرنے سے کتنی رقم ملے گی؟"

"جتنی زیادہ چاہو گے، اتنی ہی ملے گی۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"کیا تم نے ابھی تک مجھے آزمایا نہیں؟"

"اچھی بات ہے۔ اگر میں کہوں، مجھے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے؟"

"صبح سورج نکلنے سے پہلے ایک لاکھ مل جائیں گے۔ شرط یہی ہے، کسی بڑے افسر کی بیوی کو گھونسا مارو۔"

وہ غصے سے گھونسا دکھاتے ہوئے بولا۔ "معلوم ہوتا ہے، تم گھونسا کھا کر ہی پیدا ہوئے تھے۔ یہ کیسی بے تکی شرط لگاتے ہو۔ نہ میں ایسا کرسکوں گا اور نہ مجھے اتنی بڑی رقم ملے گی۔"

"کیا اتنی بڑی رقم یونہی مل جاتی ہے۔ کچھ تو مصیبت اُٹھانا ہی

پڑتی ہے۔ پھر اس میں مصیبت کی کیا بات ہے۔ گھونسا اُٹھاؤ اور مُنہ پر جڑ دو پھر بھاگ کر چلے آؤ۔ جیسے ہی یہاں پہنچو گے ایک لاکھ تمھارے سامنے ہوں گے۔"

وہ خلا میں تکتے ہوئے ایک لاکھ روپے کا تصور کرنے لگا۔ اُس نے آج تک تصور ہی کیا تھا۔ اتنے سارے روپے اپنے گھر میں یا اپنی جھولی میں نہیں دیکھے تھے۔ آخر اس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "میرے کیسے نصیب ہیں۔ پہلے وہ ہاتھ کی لکیریں دیکھنے والا دھن راج ملا تھا۔ اس نے بھی میری ترقی کے لیے ایسی شرطیں لگائیں، مجھے عورتوں سے مار کھانا پڑی۔ اب لاکھوں روپے کے لیے یہ چھوکرا مجھے آزمائشوں میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ نہیں، میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں ایک بہت بڑا پولیس آفیسر ہوں۔ میری عزت ہے، میں اسے خاک میں نہیں ملاؤں گا۔"

پارس نے کہا "مجھے ایک محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت تھی۔ میں تمھارا بیٹا بن کر ماں جی کے ساتھ محفوظ رہوں گا۔ تم شام سے پہلے یہاں ضرور آنا کیوں کہ میرا چہرہ بدل چکا ہوگا اور ماں جی کے ملتے ہی میرا نام بھی بدل چکا ہے یاد رکھو میرا نام جے کشن ہے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے جانے لگا۔ پارس نے کہا "ذرا ایک منٹ، تمھیں ایک لاکھ تو نہیں، پچاس ہزار مل سکتے ہیں۔"

وہ جلدی سے پلٹ کر قریب آتے ہوئے بولا "کیا سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں، مگر ایک شرط ہے۔"

وہ اُچھل کر پیچھے چلا گیا۔ تنبیہ کے انداز میں اُنگلی دکھاتے ہوئے کہا "خبردار، میں گھونسا مارنے والی شرط کبھی پوری نہیں کروں گا۔"

"میری پوری بات سنو۔ وہ شرط آسان ہے۔ تم ایک گھنٹے کے اندر یہ معلوم کرو کہ اس شہر میں پلاسٹک سرجری کے کتنے ماہرین ہیں؟"

"میں کوشش کروں گا۔"

"تم اس سلسلے میں کسی سے کچھ نہیں پوچھو گے یا پلاسٹک سرجری کے ماہر کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔ ورنہ شبہ ہو سکتا ہے کہ فرہاد کا بیٹا پارس پلاسٹک سرجری کے ذریعے دوسرا روپ اختیار کر رہا ہے۔"

"اگر کسی سے نہیں پوچھوں گا تو پتا کیسے چلے گا؟"

"اس کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔ کیا یہاں کے کسی بہت بڑے ڈاکٹر کو جانتے ہو؟"

"میں میڈیکل بورڈ کے چیئرمین کو بھی جانتا ہوں۔"

"ریسیور اُٹھاؤ اور اس سے رابطہ قائم کرو۔"

اُس نے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھایا پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پارس نے کہا "اس سے پلاسٹک سرجری کے کسی ماہر کے متعلق سوال نہ کرنا۔"

"میں فون پر کیا پوچھوں گا؟"

"کچھ نہیں۔ رابطہ قائم ہوتے ہی یقین ہو جائے کہ وہی میڈیکل بورڈ کا چیئرمین بول رہا ہے تو اتنا ہی کہنا صبح ہو چکی ہے۔ اُٹھ جاؤ۔"

پانڈے نے اُسے گھور کر پوچھا "یہ کوئی بات ہوئی۔ وہ شریف آدمی سو رہا ہوگا اور میں اُسے اُٹھا کر صبح ہونے کا پیغام دوں گا۔"

"اگر نہیں دو گے تو پچاس ہزار کیسے ملیں گے؟"

وہ فوراً ہی فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کہا جا رہا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا ڈاکٹر ہر نام سنگھ موجود ہیں؟"

"میں ڈاکٹر ہر نام بول رہا ہوں۔"

"جناب، صبح ہونے والی ہے بستر چھوڑ دیجیے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر پوچھا "اس طرح فون کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟"

"اس سامنے والی میز پر جاؤ، کاغذ اور قلم رکھا ہوا ہے۔ جو کہتا جاؤں اُسے نوٹ کرو۔"

پارس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ "ڈاکٹر ودیا ساگر، بنگلا نمبر تین گارڈن روڈ فون نمبر ٹرپل تھری ٹرپل فور۔"

پانڈے نے لکھنے کے بعد حیرانی سے پوچھا "کیا یہ پلاسٹک سرجری کا ڈاکٹر ہے؟"

"ہاں، اسے فون کرو۔"

اس نے ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے پوچھا "مجھے کیا کہنا ہے؟"

"وہی کہ صبح ہو چکی ہے بستر چھوڑ دو۔"

پانڈے حیران اور پریشان تھا مگر اس کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ اسے پچاس ہزار روپے ملنے والے تھے۔ دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوا۔ اُس نے پوچھا "ہیلو، کیا ڈاکٹر ودیا ساگر موجود ہیں؟"

"میں ودیا ساگر بول رہا ہوں۔"

"بول کیوں رہے ہو۔ بستر چھوڑ کر اُٹھ جاؤ، صبح ہو چکی ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر پوچھا "اب کیا کرنا ہوگا؟"

"تم مجھے ودیا ساگر کے بنگلے تک پہنچا دو گے۔"

"آخر یہ کیا چکر چل رہا ہے؟"

"اس چکر میں تمھارا نقصان نہیں فائدہ ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیلیفون کے پاس آیا۔ اس نے ریسیور اُٹھا کر شنکر سے رابطہ قائم کیا۔ پھر کہا "پچاس ہزار کی ضرورت ہے۔ لے آؤ۔"

پانڈے نے حیرانی سے دیکھا۔ جو شخص اس سے ایجنسی کے پندرہ ہزار ایڈوانس لے کر گیا تھا وہ ایک منٹ میں پچاس ہزار لے آیا تھا۔ اسے وہ رقم پیش کر رہا تھا۔ اُس نے جھجکتے ہوئے نوٹوں کی گڈیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ پارس نے کہا "مرد کماتا ہے، عورت سنبھال کر رکھتی ہے لہٰذا یہ رقم میری ماں جی کو دے دو۔"

وہ ایک دم سے بھڑک کر بولا "کیا ماں جی، ماں جی لگا رکھا ہے۔ یہ کون سی تمھاری سگی ماں ہے۔ کیوں میری کمائی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں ہرگز نہیں دوں گا۔"

"مسٹر پانڈے، میرے بناسپتی باپ! میں تمھاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ یہ رقم تم ماں جی کے پاس رکھ کر نہیں جاؤ گے تو راستے میں کوئی تم سے چھین لے گا۔"

وہ سینہ تان کر بولا "میرا نام منگل پانڈے ہے۔ کوئی میرا نام لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پہلے سب مجھے دادا وغیرہ جی کہتے تھے۔ آج ڈی ایس پی کہتے ہیں۔ کسی کی مجال ہے جو مجھ سے یہ رقم چھین کر لے جائے۔"

"جب تمھاری سمجھ میں آئے گا تو وقت گزر چکا ہوگا۔ ٹھیک ہے، رقم لے چلو مگر مجھے میری منزل تک پہنچا دو۔"

وہ پانڈے کے ساتھ ایجنسی سے باہر آیا۔ شنکر اور رانی سردار نے پوچھا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

اس نے چلتے چلتے رک کر انھیں دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا تمھارے سرکار سے دار کو یہ بتا کر جانا پڑتا ہے کہ وہ کس وقت کہاں جا رہا ہے۔ بہتر اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ باہر آ کر پانڈے کے ساتھ اس کی جیپ میں بیٹھ گیا۔ شنکر اور رانی سردار بھی دوڑتے ہوئے اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے پیچھے موٹر سائیکلوں پر دوسرے ساتھی سوار تھے۔ پارس نے ایسا چکر ڈالا تھا کہ وہ سب آدھی رات سے اس کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت میں نے شنکر سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "جناب! ہماری سمجھ میں نہیں آتا، چھوٹے مالک آدھی رات سے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ اس وقت بھی کہاں جا رہے ہیں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

اس پر میں نے کہا تھا کہ وہ صرف تعاقب کرتا رہے اور پارس پر نظر رکھے۔ میں وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔ وہ لوگ اس کا تعاقب کرتے ہوئے ڈاکٹر ودیا ساگر کے بنگلے تک پہنچ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ پارس تنہا بنگلے کے اندر جا چکا تھا اور منگل پانڈے وہاں سے رخصت ہو گیا تھا یعنی اب تنہا پارس ہی ڈاکٹر ودیا ساگر سے نمٹنے والا تھا۔ مگر معاملات کیا تھے، یہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔

میں نے جو کچھ پارس اور منگل پانڈے کے متعلق بیان کیا ہے، وہ مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا۔ میں نے شنکر اور رانی سردار وغیرہ سے کہا "آپ آرام کریں، میں یہاں موجود رہوں گا۔"

وہ میرے اتنے وفادار تھے کہ تنہا چھوڑ کر جا نہیں سکتے تھے۔ آخر دو آدمی ضد کر کے میرے پاس رہ گئے۔ میں نے دونوں کو اس بنگلے کے پچھلے حصے کی طرف بھیج دیا تاکہ دونوں طرف نگرانی ہوتی رہے۔

نگرانی کا عمل بڑا طویل رہا۔ میں نے زندگی میں کبھی ایک جگہ بیٹھ کر اتنا وقت ضائع نہیں کیا۔ یہ میرے اپنے بیٹے کا معاملہ تھا لہٰذا وہیں جم کر بیٹھ گیا تھا۔ دن نکل آیا تھا۔ صبح کے آٹھ بج گئے تھے۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر سونیا کو مخاطب کرتے ہی پارس دوم کا ذکر چھیڑنا چاہا۔ اس نے کہا "فرہاد! ٹھیک نو بجے تم پارس دوم سے دماغی رابطہ قائم کر سکو گے۔ فی الحال مجھے مخاطب نہ کرو۔ پلیز، میری بات کا بُرا نہ ماننا۔ میں بہت مصروف ہوں۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ ٹھیک نو بجے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے پارس کے دماغ میں پہنچا تو جگہ مل گئی۔ اب اس کا دماغ مقفل نہیں تھا۔ پہلے میں نے چپ چاپ رہ کر معلومات حاصل کیں۔ وہ پچھلی رات کس طرح اپنی قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد کہاں کہاں گھومتا پھرتا رہا اور اس چکر بازی کا کیا مقصد رہا تھا۔ معلومات حاصل کرنے کے دوران مجھے ڈاکٹر ودیا ساگر کی آواز سنائی دی۔ وہ پارس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہیلو مائی سن! ہاؤ ڈو یو فیل، تم کیسے ہو؟"

اس نے آنکھیں کھول کر ڈاکٹر کو دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا "آئی ایم آل رائٹ۔ آپ نے میرا کام کیا ہے۔ تھینکس ویری نائس آف یو۔"

میں ودیا ساگر کے دماغ میں پہنچ گیا تاکہ وقت ضرورت وہ میرے کام آ سکے۔ ایسے ہی وقت میں نے شیبا کی آواز سنی۔ وہ ڈاکٹر سے کہہ رہی تھی "مسٹر ساگر! میں آپ کو ڈاکٹر نہیں، مسٹر کہہ رہی ہوں۔ کیوں کہ پہلے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی۔ اپنے بچے کی سلامتی کی خاطر آپ کے بچے کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی تاکہ میرے پارس کی پلاسٹک سرجری کر سکیں۔ پھر میں نے آپ کے دماغ میں رہ کر رفتہ رفتہ بہت سی معلومات حاصل کیں۔ آپ بہت ہی اچھے انسان ثابت ہوئے ہیں۔ میں اپنی پچھلی حرکتوں کے سلسلے میں معافی چاہتی ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "کوئی بات نہیں، آپ مادام سونیا ہو سکتی ہیں کیوں کہ اس بچے کو پارس کہہ رہی ہیں۔"

"آپ کچھ بھی سمجھ لیں، میں آپ کی احسان مند ہوں، میں دُعا کرتی ہوں کسی طرح میں بھی آپ کے کام آ سکوں۔"

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا "یعنی یہ دُعا بد دعا بھی ہے۔ تم چاہتی ہو مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو اور تم میرے کام آ کر احسان کا بوجھ اُتار سکو۔ بھئی، مجھے ایسی احسان مندی نہیں چاہیے۔"

اس بات پر وہ بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔ اس نے کہا۔ "مادام میں دیش بھگت ہوں۔ اپنے ملک کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ جب کہ پارس میرے ملک کی ضرورت ہے۔"

"آپ یہ بھی تو سوچیں کہ یہ ایک ماں کا بیٹا ہے، باپ کا

چھپتا ہے اور نہ جانے کتنی آنکھوں کا تارا ہے۔ اس بچے نے تمہاری حکومت کا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ یہ حکومت فرہاد اور رسونتی کو اس معصوم کے ذریعے بلیک میل کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ مناسب بات ہے؟"

"یہ مناسب نہیں ہے اسی لیے میں نے تمہارا کام کر دیا ور یقین کرو میں اپنے دیش کی خاطر بچوں کو بھی قربان کر سکتا ہوں بہرحال تمہارا یہ راز کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ کسی کو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ میں نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے پارس کے چہرے میں ذرا سی تبدیلی کی ہے۔"

میرے جی میں آیا کہ میں شیبا کو مخاطب کروں مگر میں نے اپنے آپ پر جبر کیا۔ وہ اپنی انا کے مسئلے میں اُلجھی ہوئی تھی خود کو سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی اور پوجی کی سطح پر ثابت کرنا چاہتی تھی۔ میرا فرض تھا کہ میں اس دن کا انتظار کرتا۔ یوں دیکھا جائے تو وہ اپنی صلاحیتوں کو اور مجھ سے وابستہ تمام محبتوں کو ثابت کر رہی تھی۔ میرے دونوں پارس کے کام آ رہی تھی۔ بیک وقت دونوں کا خیال رکھ رہی تھی۔ کبھی پارس اوّل کی طرف دھیان دیتی ہو گی کبھی پارس دوم کی فکر میں مبتلا رہتی ہو گی۔ بیشک، اس سلسلے میں سونیا اس کی راہنمائی کر رہی تھی لیکن صرف راہنمائی سے کام نہیں چلتا۔ اگر راہنما کے بتائے ہوئے راستے پر دوسرے چلنا نہ چاہیں یا چلنے کی صلاحیت نہ ہو تو راہنمائی کی آواز ڈھول کا پول ثابت ہوتی ہے۔ یہ شیبا کا عزم تھا، اس کی لگن تھی، اس کی صلاحیتیں تھیں جیسا سونیا کہتی تھی وہ ٹھیک اسی طرح کامیابی سے عمل کرتی تھی۔

میں منگل پانڈے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اسی طرح وردی میں تھا۔ اب سونے کا موقع نہیں تھا۔ صبح سات بجے ڈیوٹی پر حاضر ہونا تھا۔ وہ اپنے دفتر میں سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ پارس نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا، پچاس ہزار روپے ماں جی کو دے دیے جائیں ورنہ واپسی میں کوئی اسے لوٹ لے گا اور اس نے بڑے فخر سے کہا تھا، پانڈے کو آج تک لوٹنے والا پیدا نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی میں اس کے پچاس ہزار روپے غائب ہو گئے۔ کس طرح غائب ہوئے؟ اسے پتا بھی نہ چل سکا۔ یقیناً یہ شیبا کی شرارت ہو گی، وہ پچاس ہزار روپے واپس شنکر کے پاس پہنچ گئے تھے۔

میں نے اسے مخاطب کیا "منگل پانڈے!"

وہ ایک دم سے سر اُٹھا کر خلا میں تکنے لگا۔ میں نے کہا "کسی قسم کی بدحواسی کا مظاہرہ نہ کرنا ورنہ دوسروں کو شبہ ہو گا کہ میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو کھجاتے ہوئے کہا "ارے میرے دماغ میں خواہ مخواہ فرہاد کا خیال کیوں آ رہا ہے۔ یہ میرا دماغ کیا سوچ رہا ہے؟"

"تمہارا دماغ اب فرہاد کے انداز میں ہی سوچے گا لہٰذا کوئی حماقت نہ کرنا۔ چپ چاپ میری بات سنو۔ تمہارے پچاس ہزار روپے غائب ہو گئے۔ تم نے میرے بیٹے کی بات نہیں مانی تھی جس کا نتیجہ تمہارے سامنے آیا۔ وہ پچاس ہزار روپے اب بھی تمہیں مل سکتے ہیں۔"

اُس نے خوش ہو کر پوچھا "وہ کیسے؟"

"یہاں سے اُٹھو اور میونسپل کارپوریشن کے ہیڈ آفس میں جاؤ جس شعبے میں بچوں کا پیدائشی سرٹیفکیٹ تیار ہوتا ہے، وہاں کے ذمے دار افسر سے بات کرو۔ میرے بیٹے کا پیدائشی سرٹیفکیٹ جے کشن کے نام سے بنواؤ۔ میں اس سلسلے میں خیال خوانی کے ذریعے تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ کم آن، ہری اپ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا اور اپنی جیپ میں بیٹھتا ہوا بولا "وہ پچاس ہزار مجھے کب ملیں گے، کہاں ملیں گے؟"

"اس سے پہلے کہ جے کشن کے نام سے برتھ سرٹیفکیٹ تیار ہو وہ رقم تمہاری جیب تک پہنچ جائے گی۔"

وہ تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا میونسپل کارپوریشن کے ہیڈ آفس کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے شنکر کو مخاطب کیا۔ اس نے فوراً ہی سلام کرتے ہوئے پوچھا "کیا حکم ہے مالک؟"

"کیا تم نے منگل پانڈے سے پچاس ہزار وصول کیے ہیں؟"

"جی ہاں، میرے دماغ میں یہ بات آئی تھی۔ میں نے سمجھا کہ آپ نے حکم دیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ یہ پچاس ہزار پانڈے کو واپس دینے کے لیے میونسپل کارپوریشن کے ہیڈ آفس پہنچو۔"

ڈاکٹر دریا ساگر نے پارس کو دس بجے تک آرام سے لیٹے رہنے کے لیے کہا تھا۔ اِدھر دس بجے تک پارس کا پیدائشی سرٹیفکیٹ تیار ہو چکا تھا۔ اس سرٹیفکیٹ کے مطابق پارس نے آج سے پانچ برس پہلے چمپا بائی کے بطن سے جنم لیا تھا۔ اس کا باپ منگل پانڈے تھا جس نے چمپا بائی سے ایک مندر میں پجاری کے سامنے بیاہ کیا تھا۔

منگل پانڈے نے دو چار دنوں میں کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس کے حکم پر ایسا پرانا سرٹیفکیٹ تیار کیا جا سکتا تھا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے بھی ایسا کر رہا تھا۔ اس سرٹیفکیٹ کے ذریعے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ پارس جے کشن ہے اور وہ منگل پانڈے جیسے ایک ذمے دار افسر کا بیٹا ہے۔

میں پارس کے پاس پہنچا وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ آئینہ دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "ڈاکٹر صاحب! میں خود کو نہیں پہچان سکتا۔ دنیا والے مجھے کیا پہچان سکیں گے۔ قانون کے ہاتھ مجھ تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ آئی ایم ویری کیپ مج تھینک فل ٹو یو۔"

وہ بستر سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "ایک وعدہ کرو۔ مجھے یقین دلاؤ کہ تمہارے ماں باپ میرے ملک کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ یہاں سے چپ چاپ نکل جانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کے ملک سے میرا اور میرے ماں باپ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔"

میں ڈاکٹر دریا ساگر کے بنگلے سے تھوڑے فاصلے پر سڑک کے کنارے ایک اسنیک بار کے سامنے رُکا ہوا تھا۔ کافی کا ایک کپ منگوا کر دھیرے دھیرے چسکیاں لے رہا تھا۔ اس وقت میں نے فوجی ٹرک دیکھے۔ ان میں مسلح فوجی جوان بیٹھے اور کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار یوں تھے جیسے اب تب میں کسی بھی دشمن پر گولی چلانے والے ہوں۔

پھر میں نے دیکھا۔ ایک شخص میری کار کے قریب آ کر اندر غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا "ہیلو مسٹر! آپ کو کس کی تلاش ہے؟"

اس نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں دھن راج ہوں۔ ارب پتی دلیپ رائے کا بھتیجا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کافی پی رہا ہوں۔ کیا ایک کپ پینا پسند کریں گے؟"

وہ منہ پھیر کر چلا گیا۔ میں اتنی دیر میں سمجھ گیا۔ وہ ایک جاسوس تھا۔ اس کے ذریعے یہ بھی پتا چلا کہ پورے شہر میں جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ وہ سب ایک پانچ برس کے بچے کو تلاش کر رہے ہیں۔

میں نے فوراً ہی پارس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "بیٹے! میں تمہارا پاپا ہوں۔"

اس نے پوچھا "میں کیسے یقین کروں؟"

میں نے فوراً ہی پچھلے مقرر کردہ کوڈ ورڈ دہراتے ہوئے کہا "ہمارے آنگن میں کھلنے والے گلاب تیرا مالی آیا ہے۔"

اُس نے خوش ہو کر کہا "پاپا! آپ کی آواز سن کر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔"

"بیٹے! اس بنگلے کے باہر کتنے ہی فوجی جوان اور جاسوس تمہیں ڈھونڈ نکالنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ انھیں خوش ہونے کا موقع ہرگز نہ دینا۔ ذرا انتظار کرو۔"

میں بنگلے کے پیچھے ان دو افراد کے پاس پہنچا جو پارس کی نگرانی پر مامور تھے۔ ان کے ذریعے پتا چلا۔ وہ پچھلا راستہ بالکل ویران ہے۔ دُور دُور تک نہ کوئی فوجی جوان نظر آ رہا ہے، نہ ہی کوئی ایسا شخص جس پر جاسوس ہونے کا کوئی شبہ کیا جا سکے۔ میں نے پارس کے پاس آ کر کہا "تم پچھلے راستے سے نکل جاؤ۔ وہاں میرے دو آدمی موجود ہیں، تمہیں موٹر سائیکل پر لے جائیں گے۔"

وہ پچھلے راستے سے چلا گیا۔ میں اطمینان سے ڈرائیو کرتا ہوا جب رانی سردار کے بنگلے میں پہنچا تو پارس انیکسی میں اپنی ماں جی چمپا کے پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ ہمارے جن دو آدمیوں کے ساتھ آیا تھا، وہ چمپا کو یقین دلا رہے تھے کہ یہی پارس ہے جو اَب جے کشن کے نام سے اس کا بیٹا بن کر رہے گا۔

پارس نے بھی کہا "ماں جی! میں وہی بیٹا ہوں جو اَب سے چار گھنٹے پہلے آپ کے پاس تھا اور آپ کو شیو پور سے لے کر یہاں آیا تھا۔"

بہرحال اُسے کسی طرح یقین دلایا گیا تو اُس نے پھر اُسے سینے سے لگا لیا۔ میں نے انیکسی میں پہنچ کر پہلی بار اپنے بیٹے کو اپنے روبرو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو دل مچل گیا حالانکہ وہ اپنے اصلی رُوپ میں نہیں تھا لیکن اُس کا جسم وہی تھا اور جسم میں دوڑتا ہوا لہو میرا تھا۔ میں نے دونوں بازو پھیلا کر کہا "بیٹے! میں تمہارا پاپا ہوں۔"

اس نے پلٹ کر پوچھا "میں کیسے یقین کروں؟"

میں نے پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "ہمارے پیار کے آنگن میں کھلنے والے گلاب، تیرا مالی آیا ہے اور تیرے سامنے دونوں بازو پھیلائے کھڑا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ دوڑتا ہوا آیا۔ پھر اُچھل کر میری گردن سے دونوں بانہیں لپٹا کر چپک گیا۔ یہ بیٹے سے ملنے کا ایسا مسرت بھرا قیمتی لمحہ تھا جو انسان کی زندگی میں بار بار نہیں آتا۔ پہلی بار بیٹا ملا تھا۔ اب اللہ کرے ہمیشہ ساتھ رہے۔

میں نے فوراً ہی رسونتی کو مخاطب کیا "فوراً میرے دماغ میں آؤ، ہمارا بیٹا ہمارے پاس ہے۔ اس وقت میرے سینے سے لگا ہوا ہے۔ میری دھڑکنوں میں سمایا ہوا ہے۔ تم میرے دماغ میں رہ کر محسوس کر سکتی ہو یا اس کے دماغ میں رہ کر اس کے ذریعے میرے گلے لگتے ہوئے محسوس کر سکتی ہو۔"

وہ مسکراتی ہوئی، شرماتی ہوئی اپنے بیٹے کے دماغ میں پہنچ گئی۔ بیٹا اپنی معصومیت کے ساتھ میرے گلے لگا ہوا تھا۔ اس وقت ہم میاں بیوی اور بیٹے کے دل ایک ساتھ، ایک جگہ دھڑک رہے تھے۔

پھر وہ رونے لگی۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، مجھے کس حد تک خوش ہونا چاہیے اور کس حد تک ماتم کرنا چاہیے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ بیٹا صحیح سلامت ہے۔ ہمیں اس کے دماغ میں جگہ مل رہی ہے اور آئندہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں گے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم جب بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو یہ سب کچھ خیال خوانی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ہم کبھی حقیقتاً ایک دوسرے کے سامنے اپنے بیٹے کی موجودگی میں نہیں مل سکے۔

آخر ایسا کب تک ہوگا فرہاد؟"

وہ پارس کے دماغ میں رہ کر بول رہی تھی۔ اُس نے کہا "ماما! میں عہد کرتا ہوں، بہت جلد آؤں گا اور پاپا کو بھی ساتھ لاؤں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "دیکھو فرہاد! میرا بیٹا کیسا پُرعزم ہے۔ اس میں کتنا حوصلہ اور مستقل مزاجی ہے۔"

"میں بھی عہد کرتا ہوں اپنے بیٹے کے ساتھ پہلی فرصت میں تمھارے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔ ہم یہاں کے حالات سے نمٹ لیں۔ پھر شاید ہمارے سامنے راستہ سیدھا اور صاف ہو اور وہ راستہ ہمیں تمھارے پاس پہنچا دے۔"

وہ اچانک چونک گئی۔ پھر سہم کر بولی "فرہاد! میرا بیٹا اس وقت کہاں ہے؟ کیا یہ محفوظ جگہ ہے؟"

"یہ جگہ اتنی محفوظ ہے کہ قانون کی آنکھیں کبھی اسے شبہے کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکیں گی۔"

میں نے اس کے اطمینان کے لیے تمام تفصیلات بتائیں۔ کس طرح ہمارے بیٹے نے ایک پولیس آفیسر کے گھر میں پناہ لی ہے، اس کی بیوی کو اپنی ماں بنالیا ہے اور میں نے ایک برتھ سرٹیفکیٹ جے کشن کے نام سے حاصل کیا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے اس کے چہرے پر معمولی سی تبدیلی کر دی گئی ہے۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکے گا۔

شنکرا اور رانی سردار سے تعلق رکھنے والا ایک شخص تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ اس نے کہا "جناب! ملک کے تمام اخبارات ضمیمے شائع کر رہے ہیں۔ ریڈیو سے بار بار اعلان کیا جا رہا ہے کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر دس برس تک کے بچوں کو بیرونی ممالک کے سفر کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ان کم سن بچوں پر سفر کی پابندی غیر معینہ مدت تک رہے گی۔"

رسونتی نے یہ سن کر کہا "صاف ظاہر ہے، ہمارے بیٹے کے سلسلے میں ایسی پابندیاں عاید کی گئی ہیں تاکہ ہم اُسے کسی بھی روپ میں یہاں سے نہ لے جا سکیں۔"

"آج سے ایئرپورٹ اور بندرگاہوں پر سخت پابندی ہوگی۔ تین برس سے لے کر دس برس تک کے بچے اس ملک سے باہر نہیں جا سکیں گے۔ انھیں ایئرپورٹ اور بندرگاہوں تک بھی جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "اب کیا ہوگا؟"

"تم بہت جلد پریشان ہو جاتی ہو۔ ان حالات میں پریشان اور خوف زدہ ہونے والا کبھی دانشمندی سے کوئی معقول راستہ تلاش نہیں کر سکتا۔"

"میں سونیا اور اعلیٰ بی بی نہیں ہوں۔ تم بتاؤ، کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔ پارس جہاں بھی ہے، محفوظ ہے۔ کچھ عرصہ یہاں آرام سے رہ سکتا ہے۔ کوئی اس پر شبہ نہیں کرے گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم دونوں اس کے ساتھ لگے رہیں گے۔ بھلا کس کی مجال ہے کہ وہ ہمارے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔"

جب میں نے رسونتی کے سامنے بڑی بڑی باتیں کیں۔ اسے اچھی طرح یقین دلایا تو وہ مطمئن ہو گئی۔ ایسے ہی وقت شیبا کی آواز سنائی دی۔ وہ رسونتی سے کہہ رہی تھی "ان سے کہو، سونیا سے رابطہ قائم کریں۔"

میں نے پارس کو چمپا کے حوالے کیا۔ پھر شنکرا اور رانی سردار کی کوٹھی میں آ کر ایک کمرے میں آرام سے بیٹھ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ پھر کہا "تم مجھے اپنے دماغ میں آنے سے روک رہی تھیں۔ بہت مصروف تھیں۔ مجھ سے التجا کر رہی تھیں کہ ڈسٹرب نہ کروں۔ اب کیوں بلا رہی ہو؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "کیا کروں، تمھارے بغیر قرار نہیں آتا۔ تمھاری یاد آتی ہے تو نیند نہیں آتی، بھوک نہیں لگتی۔ میں دیوانی ہو گئی ہوں۔ ابھی پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ فرہاد، میرے فرہاد! میرے فرہاد۔ بس یہی چیخ و پکار سن کر شیبا نے میری دیوانگی کی تھیں خبر پہنچا دی۔"

"بکواس کرتی رہو گی یا کام کی بات بھی کرو گی؟"

"تم کام کے آدمی کب تھے۔ میرے پاس آتے ہی الزام دینے لگے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تم خاص وجوہات کی بنا پر مجھ سے دُور رہتی ہو۔"

"پھر الزام کیوں دے رہے تھے؟"

"تم پہ الزام سے وفائی نہیں ہے لہٰذا کام کی بات کرو۔"

"میں اور شیبا پارس اوّل کے ساتھ مصروف ہیں۔ رسونتی اور اعلیٰ بی بی، پارس دوم کو سنبھال لیں گی۔ تم اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔ ہمارا اصل دشمن شارپر ہے۔ اس کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"شارپر نے خود کو گمنامی کے فولادی قلعے میں بند کر رکھا ہے۔ ٹیلی پیتھی کی لہریں وہاں تک پہنچ نہیں سکتیں۔ اس کمبخت کے اصل لب و لہجے کو کسی نے نہیں سنا ہے۔ ایسا لگتا ہے، جیسے کوئی سُن بھی نہیں سکے گا۔ وہ اس معاملے میں بہت محتاط ہے۔"

وہ بولی "ازل سے اب تک کوئی انسان محتاط زندگی نہیں گزار سکا۔ اس سے کہیں نہ کہیں چوک ہو جاتی ہے۔ بے احتیاطی انسان کی فطرت ہے۔ تم مجھے کوئی ایسا ایک بڑا انسان بتاؤ جس نے ہر اعتبار سے محتاط زندگی گزاری ہو۔ جب تم ثبوت کے طور پر کسی بڑے شخص کا نام پیش کرو گے تو میرا ایک ہی سوال ہوگا کہ وہ محتاط تھا تو موت نے اسے کیسے دبوچ لیا؟"

میں نے اس موضوع پر سونیا سے بحث نہیں کی۔ یہ درست ہے، انسان ہر پہلو سے محتاط نہیں رہ سکتا۔ جب موت اس کی زندگی میں راستہ بنا سکتی ہے تو انسان گیا گزرا نہیں ہے، وہ تو ستاروں پر کمند ڈالتا ہے پھر کسی انسان کی کمزوری تک کیوں نہیں پہنچ سکتا؟ کیسے اس محتاط انسان کو غیر محتاط نہیں بنا سکتا؟ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

میں نے سونیا سے پوچھا "کیا تم نے اس سلسلے میں کچھ کیا ہے یا کر سکتی ہو؟"

"میں شیبا سے کہتی ہوں، وہ خیال خوانی کے ذریعے اسرائیلی افسران تک پہنچتی رہے۔ تمھیں یاد ہوگا، شارپر نے اسرائیلی افسران سے رابطہ قائم کرنے کے لیے وہاں کے ایک سینئر افسر کیری ہام کو اپنا ذریعہ بنایا تھا۔ وہ اس کے دماغ میں اب بھی پہنچتا ہے۔ اس کے ذریعے اپنی بات دوسرے افسران تک پہنچاتا ہے۔ ادھر ایسے ہی ایک جونیئر افسر تھامسن کو ذریعہ بنائے ہوئے تھا لیکن وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ کیا تم کیری ہام کے دماغ میں وقتاً فوقتاً پہنچ کر شارپر کے خلاف کوئی کام کی بات نہیں معلوم کر سکتے؟"

"کر سکتا ہوں، مگر دو عدد پارس میں اُلجھا رہتا ہوں۔"

"کیا ضرورت ہے؟ ہم دونوں کو سنبھال لیں گے۔ تم دشمن کی خبر لو۔"

میرے طریقۂ کار میں جو خامی ہے، اسے تسلیم کرتا ہوں اور وہ یہ کہ میں کبھی کبھی اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہوں۔ مجھے یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا سب سے بڑا اور بظاہر ناقابلِ تسخیر دشمن شارپر ہے — ہم ماسک مین، ٹیچر ماسٹر اور دوسری خطرناک تنظیموں سے کسی نہ کسی طرح نمٹ سکتے ہیں۔ جس دشمن تک ہم پہنچ نہ پاتے ہوں ان سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے اور شارپر ایسا ہی دشمن تھا۔ اس نے اپنے آپ کو فولادی قلعے میں بند کر رکھا تھا۔ ہم خیال خوانی کی لہر بن کر ہوا کے دوش پر اس قلعے کی دیواروں سے گزر نہیں سکتے تھے۔

سونیا نے کہا "شارپر بہت گہرا ہے لیکن اتنی گہرائی کے باوجود کتاب کی طرح ایک ایک ورق کر کے بے نقاب ہو رہا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہ کسی کا دوست نہیں ہے۔ کسی کا رشتے دار نہیں ہے۔ اس نے دل و جان سے چاہنے والے بھائیوں اور بہنوں کی بھی پروا نہیں کی۔ اس نے بہن کی گردن کاٹی اور اسے اس قبر میں پہنچا دیا جس میں ایک بھائی نے مشین کے اہم حصے کو چھپا کر رکھا تھا۔ وہ حصہ بھی غائب ہو گیا۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر "وہ بہت شاطر ہے۔ اس نے اپنی بہن روزانہ اور بھائی ہارپر کو یہی تاثر دیا کہ ان کے دماغوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ وہ در پردہ ان سب کے لہجوں سے واقف تھا۔ چُپ چاپ اپنی بہنوں اور بھائیوں کے دماغوں میں پہنچ کر ان کے چھپے ہوئے راز معلوم کرتا رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے، اس نے ٹرانسفارمر مشین کا کوئی حصہ اپنی بہن اور بھائی کے حوالے نہ کیا ہو؟"

سونیا نے کہا "اُس نے ریم مشین کے تین حصے کیے تھے۔ اپنی بہن روزانہ اور بھائی ہارپر کو ایک ایک حصہ دیا تھا۔ یہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ جب ہم روزانہ کے خفیہ کمرے میں اس کی دوہری چھت تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے تو اس سے پہلے ہی شارپر نے وہاں سے وہ حصہ غائب کر دیا اور اسے سلطان پاشا کے پاس پہنچا دیا۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ لگ گیا لیکن ہارپر کے پاس جو حصہ تھا، وہ اُسے اُڑا لے گیا۔"

"اس کی چالیں سمجھ میں آ رہی ہیں۔"

"صرف اس کی چالوں کو سمجھنے سے کچھ نہیں ہوگا، اس کی کمزوریوں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ آخر وہ انسان ہے، فرشتہ نہیں ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی کمزوری یقینی ہوگی۔"

میں ذرا دیر خاموش رہا۔ اس نے پوچھا "چپ کیوں ہو گئے؟"

"میں سوچ رہا ہوں۔ شارپر نہایت ہی خود غرض ہے، وہ آہستہ آہستہ بہن اور بھائیوں کو راستے سے ہٹا رہا ہے تاکہ اس کی کوئی کمزوری نہ رہ جائے۔ روزانہ اور ہارپر کے بعد آرمر اور جوجو کی باری ہوگی۔"

"آج میں نے اس لیے شارپر کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ میں چاہتی ہوں، تم آرمر کو ٹریپ کرو۔ اسے ماسک مین کی قید سے نکال کر کسی خفیہ جگہ پہنچاؤ۔ اس پر تنویمی عمل کر کے دماغ کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی باتیں معلوم کرو۔ ہو سکتا ہے، ہمیں شارپر کے متعلق کوئی اہم بات معلوم ہو جائے۔"

"ابتدا میں یہ تمام بہن بھائی ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ تب میں نے آرمر کو ٹریپ کیا تھا۔ اس کے دماغ کی گہرائیوں تک اُسے ٹٹولتے رہنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔"

"یہ بھی تو سوچو جس طرح ہم اپنے ساتھیوں کے دماغوں کو مقفّل کر دیتے ہیں، ہو سکتا ہے، شارپر نے تنویمی عمل کے ذریعے جوجو اور آرمر کے دماغ کو بالکل ہی لاک کر دیا ہو لیکن کتنے عرصے تک ایسا کر سکتا ہے؟ تنویمی عمل کا اثر ایک خاص مدت تک رہتا ہے۔ اس کے بعد زائل ہونے لگتا ہے۔ میں کہتی ہوں، تم آرمر کو اپنی کوششوں کا مرکز بنا لو۔ ہمارے تجربات شاہد ہیں کہ مایوس کن ناکامیوں کے بعد بھی اچانک کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔"

میں باتوں کے دوران سونیا کے موجودہ احول کو دیکھ رہا تھا۔ پھر یکبارگی چونک کر بولا "ارے تم تو کسی جیل خانے میں ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "میں ایک جگہ قید کر دی گئی ہوں۔"

"آخر قصہ کیا ہے۔ تم کہیں قید ہو۔ اور دوسرے موضوع پر اطمینان سے باتیں کر رہی ہو۔"

وہ مجھے بتانے لگی اُس غار تک کیسے پہنچی تھی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔ وہ ترکی کے ایک ایسے ساحلی علاقے میں تھی جو شام کی سرحد سے قریب تھا۔ وہاں ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر غار کا دہانہ تھا جس میں داخل ہونے کے بعد انکشاف ہوا کہ وہ اسرائیلی خفیہ تنظیم کا اڈا ہے اور وہاں سے بلائنڈ کمانڈوز رات کی تاریکی میں نکلتے ہیں۔ شام کی سرحدوں میں پہنچ کر وہاں کی بستیوں میں تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں۔ پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آجاتے ہیں۔

اس غار کے خفیہ اڈے کا انچارج یا ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ یا وہاں کا پلان میکر میک گونل موس تھا۔ اسی نے سونیا کو آہنی سلاخوں کے پیچھے قید کر رکھا تھا۔ وہ وہاں کے متعلق بتانے لگی "یہاں اوپری منزل میں تقریباً سو سوا سو پہلوان ہیں جو بلائنڈ کمانڈوز کہلاتے ہیں۔ دوسری منزل میں اُن کا کمانڈر فیڈل سامر اہم ساتھیوں کے ساتھ رہتا ہے تیسری منزل میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ تیسری منزل سے لے کر آخری گراؤنڈ فلور تک میک گونل موس کی حکمرانی ہے۔ اُس کے اپنے الگ خطرناک کمانڈوز ہیں جو اس خفیہ اڈے کے تمام اسلحے پر قابض ہیں۔"

میں نے پوچھا "تم اتنی آسانی سے کس طرح قید ہوگئیں؟"

"میں ان کی کمزوریوں کو سمجھ چکی ہوں۔ یہ ایک طویل عرصے سے مجرد زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے بہت عرصے بعد مجھے دیکھا ہے۔ میرے لیے ان کے درمیان کھچڑی پک رہی ہے۔ یہاں کے انچارج میک گونل موس نے مجھے پانچویں منزل میں قید کیا ہے۔ یہاں صرف اس کے خاص خطرناک کمانڈوز آسکتے ہیں۔ موس کی نیت خراب ہے لیکن اس کے کمانڈوز کے چند افراد نے اپنے انچارج کو دھمکی دی ہے اگر وہ میرے قریب آئے گا تو اُسے گولی ماردی جائے گی۔"

میں نے پوچھا "پھر تمھیں کامیابی کی اُمید کیسے ہے؟"

"پہلے ان لوگوں نے بڑی عزت کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا تھا۔ خود بھی پیتے اور کھاتے رہے تھے۔ اس سے پہلے شیبا نے کچن کے انچارج کو ٹریپ کیا تھا اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں اچھی خاصی کوکین حل کر دی تھی۔ اس غار کے گراؤنڈ فلور میں کوکین کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔"

"تم کہتی ہو یہاں سو سوا سو پہلوان قسم کے بلائنڈ کمانڈوز ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں کے انچارج مسٹر موس کے خطرناک کمانڈوز بھی موجود رہتے ہیں۔ لیکن تمھارے آس پاس اتنا سناٹا کیوں ہے؟"

"بلائنڈ کمانڈوز رات کے گیارہ بجے اپنے دستور کے مطابق شام کی سرحدوں پر حملہ کرنے گئے تھے۔ اب صبح ہونے والی ہے انھیں معمول کے مطابق واپس آجانا چاہیے لیکن وہ نہیں آسکیں گے۔"

"کیا تم نے کوئی چال چلی ہے؟"

"ہاں یہ بلائنڈ کمانڈوز عموماً بحری راستوں سے شام کی سرحد تک جاتے تھے۔ کل سے کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ان کے کمانڈر فیڈل سامر نے اسرائیلی حکام سے ہیلی کاپٹرز کا مطالبہ کیا تھا جس کے نتیجے میں پچھلی رات دو بجے چھ ہیلی کاپٹر پہنچے تھے۔ گیارہ بجے کمانڈوز کے چالیس جوان بحری راستے سے گئے۔ ان میں کئی ایسے تھے جن کے دماغوں میں شیبا پہنچ چکی تھی۔ وہ جن کشتیوں میں گئے تھے ان کشتیوں میں شیبا نے اپنے آلۂ کاروں کے ذریعے ٹائم بم رکھوا دیے تھے۔ پتا نہیں ان کا کیا انجام ہوا ہوگا۔ شیبا بہت دیر سے دہلی میں پارس دوم کے ساتھ مصروف رہی ہے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔"

"اور جو لوگ ہیلی کاپٹر کے ذریعے شام کی سرحد کی طرف گئے، اُن کا کیا بنا؟"

"ظاہر ہے، وہاں بھی شیبا کے آلۂ کار موجود تھے۔ وہ ایک ایک پائلٹ کے دماغ میں پہنچ کر تمام ہیلی کاپٹروں کو یکے بعد دیگرے تباہ کرتی رہی۔"

"اب کیا پوزیشن ہے؟"

"موس کے خطرناک کمانڈوز میں سے چار افراد پوری طرح ہوش و حواس میں ہیں۔ باقی کوکین کے اثر سے یا تو بے ہوش ہوگئے یا ختم ہوچکے ہیں۔"

اسی وقت ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ وہ آہنی سلاخوں کے پاس آکر پوچھ رہا تھا "کیا تم رات بھر جاگتی رہیں؟"

سونیا کی سوچ نے بتایا "وہ وہاں کا انچارج میک گونل موس ہے۔" میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اگرچہ وہ سانس روک سکتا تھا لیکن پچھلی رات اس کے حلق سے بھی کوکین اتر گئی تھی۔ جب تمام کمانڈوز رات کو حملہ کرنے گئے تو شیبا نے اُسے ٹریپ کر کے اچھی خاصی شراب پلادی تھی، جس کا اثر اب تک تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور وہ سلاخوں کو تھام کر آہستگی سے کہہ رہا تھا "سونیا! میری جان! میں تمھارے لیے رات بھر سو نہیں سکا۔ میں کیا کروں۔ میرے چار آدمی جاگ رہے ہیں۔ میں کسی فلمی ہیرو کی طرح بیک وقت چاروں سے مقابلہ نہیں کرسکوں گا۔ مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔"

سونیا نے اس کے ہاتھ کو تھام کر بڑے جذباتی انداز میں کہا "میں بھی تمھارے انتظار میں رات بھر سو نہ سکی۔ تمھارے بغیر تڑپ رہی ہوں۔"

سونیا کی مکاری دیکھ کر مجھے شرارت سُوجھی۔ میں نے اُس کے پاس آکر کہا "مجھے افسوس ہے، میں تمھارے دماغ میں نہیں رہ سکتا۔ میرا دماغی طور پر حاضر رہنا بہت ضروری ہے۔"

"کوئی بات نہیں، میں اس سے نمٹ لوں گی۔"

میں موس کے دماغ میں جم کر بیٹھ گیا۔ اب وہ، وہ نہیں تھا۔ وہ میں بن گیا تھا۔ اُس کے دماغ میں صرف میری سوچیں، میرے ارادے، میرے عزائم اور میرے حوصلے تھے۔ میں نے سونیا کے ہاتھ کو تھام کر بڑے جذباتی انداز میں کہا "میری جان! جب تم نے فرہاد کو چھوڑ کر مجھے اپنا لیا ہے تو میں ان چاروں سے لڑ پڑوں گا۔ ان سب کو ختم کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ تمھارے لیے مر جاؤں گا۔"

ایسے وقت سونیا نے یقیناً دل ہی دل میں کہا ہوگا "جا کمبخت جلدی مرجا!" ابھی میں اُس کے خیالات نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اُس نے زبان سے کہا "مائی ڈیئر موس! تم میری خاطر جان کی بازی لگا رہے ہو۔ اگر واپس نہ آسکے تو میں اِنھی سلاخوں کے پیچھے رہ جاؤں گی، کم از کم تالے کی چابی تو دیتے جاؤ۔"

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا، پھر چپکے سے چابی نکال کر اُس کی طرف بڑھا دی۔ جیسے ہی سونیا نے چابی لی، دُور کھڑے ہوئے ایک مسلح جوان نے للکارتے ہوئے کہا "مسٹر موس! خبردار! چابی نہ دینا ورنہ گولی مار دوں گا۔"

چابی سونیا کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ وہ یکبارگی چھلانگ لگاتے ہوئے دیوار کی آڑ میں چلی گئی۔ میں نے موس کی حیثیت سے کہا "ارے ارے چابی کہاں لے جا رہی ہو۔ مجھے واپس کرو۔ میں کہتا ہوں چابی واپس کرو۔"

پھر میں نے سلاخوں کے پاس سے پلٹ کر مسلح جوان سے کہا "میرا مُنہ کیا دیکھ رہے ہو، جلدی آؤ۔ اسے وارننگ دو۔ چابی نہیں دے گی تو گولی ماردی جائے گی۔"

وہ دوڑتا ہوا آہنی سلاخوں کے پاس آگیا۔ سونیا نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے سلاخوں کے درمیان سر لے جاکر دور تک دیکھنے کی کوشش کی تاکہ دیوار کی آڑ میں نظر آجائے۔ پھر اس نے کہا۔ "میں پہلی اور آخری وارننگ دیتا ہوں، اگر تم نے...!"

اس کی بات اُدھوری رہ گئی۔ میں نے گردن پر ایک گھونسا رسید کیا۔ اُس کے ہاتھ سے اسٹین گن چھوٹنے لگی۔ وہ گن آدھی سلاخوں کے اندر تھی اور آدھی باہر۔ سونیا نے دیوار کی آڑ سے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میرا گھونسا پڑنے کے بعد وہ تلملا گیا تھا۔ پلٹنا چاہتا تھا لیکن میں نے دونوں ہاتھوں سے دو طرف آہنی سلاخوں کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ اسے اپنے اور سلاخوں کے درمیان دبوچ رکھا تھا تاکہ وہ نکل نہ سکے۔ اس طرح سونیا نے کارتوس کی پیٹی بھی چھین لی۔ اسی وقت کسی دوسرے کے للکارنے کی آواز سُنائی دی۔ میں نے فوراً ہی اپنے شکار کو چھوڑ دیا پھر پلٹ کر اِدھر دیکھا۔

خطرناک کمانڈوز کے دو اور جوان نظر آئے۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ اگر ان کے پاس ہتھیار نہ ہوتے تب بھی انھوں نے خالی ہاتھ خطرناک داؤ پیچ کے ساتھ لڑنے کی ٹریننگ حاصل کی تھی۔ ہتھیار ہو یا نہ ہو کمانڈوز ہر حال میں اپنی جنگ جاری رکھتے ہیں اور آخری

سانس تک اپنی شکست تسلیم نہیں کرتے۔

آنے والوں میں سے ایک نے مجھے موس سمجھ کر مخاطب کیا۔ "مسٹر موس! دنیا کے عظیم ترین اور خطرناک ترین جنگجو سپہ سالار بھی ہتھیار رکھتے ہوئے عورت سے مار کھا گئے۔ اگر تم سونیا کے سامنے جھک رہے ہو تو ہمارے لیے یہ حیرانی کی بات نہیں ہے۔ البتہ افسوس کی بات ہے۔ جسے ہم برسوں سے لیڈر مانتے رہے اسے اپنے ہاتھوں سے گولی مارنے کا وقت آ گیا ہے۔"

میں نے کہا "گولی مارنے میں دیر نہیں لگے گی لیکن اس سے پہلے ایک حقیقت سن لو جسے تسلیم نہیں کرو گے۔ پچھلی رات تم لوگوں کے کھانے میں کوکین ملائی گئی تھی۔ تم بھی کسی حد تک نشے میں تھے اور سانس نہیں روک سکتے تھے۔ اب ذرا غور کرو، فرہاد نے تمہارے دماغوں میں پہنچ کر کیا کچھ معلوم کیا ہوگا؟"

ایک نے کہا "ہمیں اس کی پروا نہیں ہے۔"

"کیا تم مجھے گولی مارنے کے بعد سونیا کو یونہی چھوڑ دو گے؟"

"تمہارا یہ سوال فضول ہے۔"

"تم اپنی حقیقت چھپا رہے ہو، میں جانتا ہوں میرے بعد تم چار رہ جاؤ گے اور تم چاروں آپس میں لڑو گے۔ ازل سے یہی ہوتا آیا ہے۔ ہم زر، زن اور زمین کے لیے لڑتے آئے ہیں۔ مجھے مارنے کے بعد تم اپنے ساتھیوں کو ہلاک کرنا چاہو گے۔ تمہارے ساتھی تمہیں ختم کرنا چاہیں گے۔ انجام کار ہم میں سے صرف ایک زندہ رہ جائے گا۔"

وہ میری باتیں غور سے سن رہے تھے۔ میں نے پوچھا "کیا یہ دانش مندی ہوگی کہ ایک زندہ رہے اور وہ سونیا کے ہاتھوں مارا جائے۔ نہیں ہم پانچوں کو زندہ رہنا چاہیے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اچانک فائرنگ ہوئی۔ میں نے سمجھا شاید سامنے والے دونوں مسلح جوان گولی چلا رہے ہیں۔ میں فوراً ہی اچھل کر دوسری طرف چلا گیا۔ اسٹین گن کا ایک برسٹ مکمل ہوا تھا۔ پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ میرے سامنے جو دو مسلح جوان آئے تھے، وہ گولیوں کی زد میں آ کر اوندھے منہ فرش پر گر پڑے تھے اور ہمیشہ کے لیے ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ پھر سونیا کی آواز سنائی دی "اب پانچ نہیں، تین رہ گئے ہیں۔"

جس شخص کو میں نے سلاخوں کے درمیان دبوچا تھا، وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا۔ پتا چلا، وہ بھی سونیا کا دیوانہ ہے۔ آخر کیوں نہ ہوتا۔ سال میں ایک بار عید کا چاند نظر آتا ہے۔ انہیں تو ایک عورت پانچ برس کے بعد نظر آئی تھی۔ دیوانگی کیوں نہ ہوتی۔ اس نے یکبارگی کھلے ہوئے چاقو سے مجھ پر حملہ کرتے ہوئے کہا "تین نہیں، دو رہیں گے اور آخر کار صرف میں رہ جاؤں گا۔"

میں نے اس کے حملے کو روک لیا تھا۔ ہم دونوں ہی تقریباً نہتے تھے۔ اس کے پاس صرف ایک چاقو تھا۔ کمانڈوز کے باقی بچ رہنے والے چار افراد نے اپنے لیڈر موس کو حکم دیا تھا کہ وہ نہتا رہے گا تاکہ کسی وقت سونیا کی طرف جانا چاہے تو اسے گولی مار دی جائے۔

چونکہ اسے نہتا رکھا گیا تھا لہٰذا میں بھی اس کے اندر رہ کر خالی ہاتھ تھا اور اس چاقو والے سے مقابلہ کر رہا تھا۔ طرح طرح سے پینترے بدل کر اسے ڈاج دے رہا تھا۔ سونیا سلاخوں کے پیچھے دیوار کی آڑ سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتی تو ہم میں سے کسی پر گولی چلا سکتی تھی لیکن اپنے عاشق میک گوحل موس کو زندہ رکھنا چاہتی تھی۔ میں اس کی چالاکیوں کو سمجھتا تھا جب تک وہاں کا آخری آدمی بھی مارا نہ جاتا، وہ اپنے دیوانے کو مرنے نہیں دے گی۔

وہ چاقو والے پر بھی فائر نہیں کر رہی تھی۔ لڑنے کے دوران ہماری پوزیشن بدل جاتی تھی۔ گولی مجھے بھی لگ سکتی تھی۔ بہرحال ہم زندگی اور موت کے درمیان لڑ رہے تھے۔ وہ اگرچہ تنہا تھا مگر بہت ہی خطرناک فائٹر تھا۔ کمانڈوز افراد اپنی ذات میں موت کی طرح ہوتے ہیں۔ جس پر جھپٹ پڑتے ہیں، اس کی زندگی کی ضمانت کوئی نہیں دے سکتا۔ موس اگرچہ خود اچھا فائٹر تھا لیکن وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ اس کے اندر میں سمایا ہوا تھا اور میں اپنے تجربات کی بنیاد پر لڑتے ہوئے یہ تسلیم کر رہا تھا کہ دنیا بہت وسیع و عریض ہے۔ ہم نے نگر نگر گھومتے رہنے اور بھانت بھانت کے دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہنے کے باوجود ابھی دنیا پوری طرح نہیں دیکھی ہے۔ پتا نہیں کیسی کیسی صلاحیتوں والے کیسے کیسے خطرناک لوگ ہماری دنیا میں موجود ہیں، جن سے سابقہ پڑتا ہے تو صرف خدا یاد آتا ہے۔

وہ چاقو والا غضب کا فائٹر تھا۔ میرے ہوش اڑا رہا تھا اور میں اپنے بچاؤ کی فکر میں تھا۔ اگر اس کا چاقو لگ جاتا تو موس کا جسم ہمیشہ کے لیے مردہ ہو جاتا۔ میرا کچھ نہ بگڑتا لیکن میری انا کو ٹھیس پہنچتی۔ آخر مقابلہ تو میں کر رہا تھا۔

جب میں مسلسل اپنا بچاؤ کرنے لگا تو وہ خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ میں صرف بچاؤ کرتا رہوں گا۔ اس پر حملہ نہیں کر سکوں گا۔ یہیں وہ مار کھا گیا۔ میں نے بچاؤ کرتے رہنے کے دوران اچانک اس کے پیٹ میں کہنی ماری۔ وہ دوہرا ہوا تو میں نے اس کے منہ پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ وہ سیدھا ہوا تو میں نے چاقو والا ہاتھ تھام کر جوڈو کا داؤ استعمال کیا، جس کے نتیجے میں چاقو ایک طرف گیا اور وہ دوسری طرف۔ میں نے آگے بڑھ کر چاقو اٹھا لیا۔ اب وہ نہتا تھا۔ سہما ہوا سا چاقو کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس چاقو کو سلاخوں کے درمیان سونیا کی طرف پھینک دیا۔ پھر کہا۔ "تم سمجھتے تھے، میں صرف اپنا بچاؤ کرتا رہوں گا۔ جوابی حملہ کرنا نہیں آتا ہے۔ آؤ، اب میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

پھر میں اسے بتانے لگا۔ ایک ایک داؤ پیچ سے سمجھانے لگا۔ دنیا بہت بڑی ہے۔ جتنا وہ سیکھ چکا ہے، اس کے بعد بھی سیکھنے کے لیے بہت کچھ رہ گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ دنیا میں رہ جائے۔

میں آخر پاکستانی ہوں۔ پاکستانی پہلوانوں کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میری یہ عادت ہے جب میں مغربی فائٹروں سے لڑتا ہوں تو اس دوران اپنے دیسی داؤ پیچ بھی استعمال کرتا ہوں۔ اس وقت میں نے اچانک ہی دیسی داؤ پیچ استعمال کیے تو مقابل بوکھلا گیا۔ اسے سنبھلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ پھر میں نے یکبارگی اسے دھوبی پاٹ مارا۔ وہ میرے شانے سے ہوتا ہوا سامنے آ کر فرش پر گرا اور لڑھکتا ہوا آہنی سلاخوں کی طرف گیا۔ اسی وقت سونیا نے اسٹین گن کا ایک برسٹ مارا اور اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

مجھے افسوس ہوا۔ میں اسے خالی ہاتھوں سے ختم کرنا چاہتا تھا لیکن سونیا کا مزاج کچھ اور ہی تھا۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی یہ جانتی تھی کہ میں موس کے اندر رہ کر لڑ رہا ہوں۔ اس نے میری طرف چابی اور چاقو پھینکتے ہوئے کہا "محتاط رہو اور تالا کھولو۔ دیکھو، وہ آخری شخص اچانک حملہ نہ کر بیٹھے۔"

چابی اور چاقو میرے قدموں کے پاس پڑے ہوئے تھے۔ میں نے محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے چابی اور دوسرے ہاتھ سے چاقو کو اٹھایا۔ پھر آگے بڑھ کر تالے کو کھولا۔ اسے ایک طرف پھینکا اور آہنی دروازے کو کھول دیا۔

وہ بولی "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کوئی چھپا ہوگا تو اچانک گولی چلائے گا۔"

"میں ڈھال بن کر رہوں گا۔ تم فوراً میرے پیچھے آ جاؤ۔"

وہ بڑی مکار تھی۔ یہی چاہتی تھی کہ موس کو ڈھال بنا لے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی آہنی سلاخوں کے باہر آئی۔ پھر میرے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ وہاں سے آس پاس دور تک دیکھنے لگی، کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے میرے کان کے پاس سرگوشی کی "یہاں سے اوپری منزل کی طرف چلو۔ ہم غار سے باہر نکلیں گے۔"

ہم محتاط انداز میں آگے بڑھتے ہوئے پانچویں منزل سے اوپر چڑھتے ہوئے چوتھی منزل پر آ گئے۔ وہاں بھی سناٹا تھا۔ اس پہاڑی کے اوپری حصے تک یعنی غار کے دہانے تک پہنچنے کے لیے لفٹ یا سیڑھیاں نہیں تھیں۔ نشیبی راستہ تھا جو اوپر کی طرف بھی لے جاتا تھا۔ ہم دوڑتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ میں سونیا کے آگے آگے تھا۔ اس نے اب تک مجھے ڈھال بنا رکھا تھا۔ پھر وہ بولی "ذرا رک جاؤ، خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ وہ چوتھا اور آخری شخص کہاں ہے؟ پہلے اسے تلاش کرنا چاہیے ورنہ وہ کہیں سے بھی اچانک فائرنگ کر کے ہمیں ہلاک کر سکتا ہے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ ہم دونوں پتھر کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ اگر ٹیلی پیتھی کے ذریعے کوئی راستہ نکلتا تو ہم اس آخری شخص تک پہنچ سکتے تھے لیکن وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ میں نے کبھی اس کی آواز نہیں سنی تھی۔ سونیا خاموش بیٹھی کان لگائے ہلکی سی آہٹ کو بھی سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ میں نے بھی محسوس کیا جیسے ہلکی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی ہے۔ کوئی کچھ کہہ رہا ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر اس نے پوچھا "مسٹر موس! کیا اس تیسری منزل میں اور کوئی موجود رہتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا کہ میری خطرناک کمانڈوز میں سے کتنے مر چکے ہیں اور کتنے زندہ ہیں۔ میں صرف چار کا حساب جانتا ہوں۔ باقی کوکین کے ذریعے بے ہوش ہو گئے تھے۔ شاید بے ہوش ہونے والوں میں کوئی زندگی کی طرف لوٹ آیا ہو۔"

سونیا اچانک مسکراتے ہوئے میرے قریب ہو کر محبت سے بولی "تم نے میرے لیے جان کی بازی لگائی ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ ساری زندگی تمہارے ساتھ گزاروں گی۔"

اگر موس اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تو سونیا کی اس ادا پر قربان ہو جانے کی کوشش کرتا۔ میں نے بھی یہی کوشش کی تاکہ دیکھوں سونیا اسے فریب دینے کے لیے کس حد تک آگے بڑھ سکتی ہے۔ جیسے ہی میں نے کوشش کی، وہ الگ ہو کر بولی "ابھی ہم خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پلیز یہ معلوم کرو، یہ دھیمی دھیمی سی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟"

مجھے سونیا کی اس مکاری سے بے حد خوشی ہوئی۔ وہ اپنی عزت، آبرو کو صرف میرے لیے بچانے کا ہنر جانتی تھی۔ میں نے کہا "انتظار کرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں اس پتھر کے پاس سے رینگتے ہوئے ایک طرف جانے لگا۔ وہ آواز وقفے وقفے سے آ رہی تھی۔ میں نے ایک جگہ رک کر سنا، وہ کہنے والا تھوڑی دیر تک کچھ کہتا جاتا تھا۔ پھر خاموش ہو جاتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کی آواز آنے لگتی تھی۔

میں رینگتے ہوئے ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کے پیچھے سے آواز آ رہی تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ فرش پر سے اٹھتے ہوئے سر اٹھا کر دوسری طرف دیکھا۔ کھڑکی کے دوسری طرف ایک دفتر نما کمرہ نظر آیا جہاں بہت سے ٹرانسمیٹر اور ریکارڈر وغیرہ رکھے ہوئے تھے لیکن کوئی بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر بھی کوئی بولتا جا رہا تھا۔

مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ میں وہاں سے رینگتا ہوا دفتر نما کمرے میں داخل ہوا۔ وہ آواز صاف طور سے سنائی دینے لگی۔ تب میں نے رک کر اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لیا اور چند لمحے کے لیے موس کو چھوڑ کر اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔ پتا چلا، وہ بولنے والا کمرے میں موجود نہیں تھا بلکہ غار کے دہانے پر بیٹھا ہوا تھا۔ موس ابھی حیرت کے جھٹکے سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں اس کی سوچ پڑھ کر واپس آ گیا اور دوبارہ اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔

اس کی سوچ سے پتا چلا، میں جس کمرے میں موجود ہوں، وہاں اس

نے ایک ٹرانسمیٹر کی فریکوئنسی سیٹ کر دی ہے اور اس ٹرانسمیٹر کے سامنے ایک ریکارڈر رکھ دیا ہے۔ اس میں اپنی آواز ریکارڈ کر دی ہے۔ وہ ریکارڈ خود ایک اسپول کی صورت میں تھا۔ بار بار گھومتا تھا اور بولنے والے کی آواز کو دُہراتا جاتا تھا۔ میں توجہ سے سُننے لگا۔ ریکارڈر کہہ رہا تھا: "ہیلو ہیلو میں خطرناک کمانڈوز کا آخری شخص اطلاع دے رہا ہوں۔ جتنے خطرناک بلائنڈ کمانڈوز پچھلی رات شام کی سرحد کی طرف گئے تھے، وہ صبح پانچ بج کر بیس منٹ تک واپس نہیں آئے۔ جب کہ وہ ہر رات چار بجنے سے پہلے واپس آجاتے ہیں۔ جب سے سونیا اس غار میں آئی ہے، خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہمارے خطرناک کمانڈوز کے کئی افراد کوکین کے نشے سے بے ہوش ہو گئے اور کئی مر چکے ہیں۔ جو زندہ رہ گئے ہیں، وہ سونیا کے لیے للچا رہے ہیں۔"

میں اس ریکارڈر کے پاس آکر گھومتے ہوئے اسپول کو دیکھ رہا تھا۔ اس میں سے آواز آ رہی تھی: "ہمارا لیڈر میک گونل موس اس کا دیوانہ ہو رہا ہے لہٰذا میں خطرات کو محسوس کرتے ہوئے اس ریکارڈر کو ٹرانسمیٹر کے سامنے آن کر رہا ہوں۔ یہاں سے فرار کا راستہ صرف ایک ہے لہٰذا میں غار کے دہانے پر ہتھیار ہوں گا۔ جیسے ہی سونیا نظر آئے گی، اُسے گولی مار دوں گا۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، وہ مکار عورت کسی کے قابو میں نہیں آتی ہے۔ ہو سکتا ہے، وہ مجھے ہی ہلاک کر دے۔ ایسی صورت میں آپ لوگوں کو فوری طور پر فیصلہ کرنا ہے، اس غار کو سلامت رکھا جائے یا تباہ کر دیا جائے۔ اگر اسے جوں کا توں رکھا جائے گا تو سونیا اور اس کے ساتھی یہاں قبضہ جما لیں گے۔ بہرحال آپ بہتر جانتے ہیں۔ میں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے غار کے دہانے تک جا رہا ہوں۔"

ریکارڈر کے ذریعے بولنے والے کی آواز ختم ہو گئی تھی لیکن وہ اسپول چونکہ واپس گھومتا جا رہا تھا اس لیے جو کچھ میں نے سُنا، وہی آواز پھر سُنائی دے رہی تھی۔ تاکہ ریڈیو وائرلیس کے ذریعے اسرائیلی تنظیم یا اسرائیلی ذمے دار افسران میں سے کوئی سُن لے تو ضروری اقدامات کر سکے۔ میں نے ٹرانسمیٹر اور ریکارڈر کو آف کر دیا۔ آواز بند ہو گئی۔ دور تک جانے والے پیغام نے دم توڑ دیا۔

میں نے سونیا کے پاس آکر تمام حالات بتائے۔ پھر کہا: "ٹرانسمیٹر اور ریکارڈر کو آف کر چکا ہوں۔ کسی نے یہ پیغام نہیں سُنا ہے تو آئندہ کبھی نہیں سُن سکے گا۔ اگر کسی نے سُن لیا ہے تو یہ غار بہت جلد زبردست دھماکوں سے تباہ ہو جائے گا۔"

سونیا نے موس کا ہاتھ تھام کر کہا: "تم واقعی مجھے دل و جان سے چاہتے ہو۔ میرے سچے عاشق ہو۔ تم نے خطرات مول لے کر میرے لیے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ میں یہاں سے نکلنے کے بعد صرف تمہارے ساتھ زندگی گزاروں گی۔ فرہاد تو ایک فراڈ نکلا۔ وعدہ کرو، مجھ سے کبھی فراڈ نہیں کرو گے۔"

میں نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔ پھر جذباتی انداز میں کہا: "میری جان! نہ کبھی میں نے فراڈ کیا ہے نہ کروں گا۔ تم جب چاہو، مجھے آزما سکتی ہو۔"

پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا: "آگے چلو، مجھے اپنی پناہ میں رکھو۔"

وہ مجھے پھر ڈھال بنا رہی تھی، موت کے منہ میں جھونک رہی تھی۔ میں اس کے آگے چلتا ہوا دوسری منزل سے پہلی منزل پر پہنچا۔ اس نے سرگوشی میں کہا: "بس اب رُک جاؤ۔ میں تمہیں بے موت مرنے نہیں دوں گی۔"

موس اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تو سونیا کی اس بات پر قربان ہو جاتا لیکن وہ کبھی سمجھ نہ پاتا کہ یہ بھی اس کی مکاری ہے۔ وہ اسے اس وقت تک زندہ رکھنا چاہتی ہے جب تک غار سے باہر نہ نکل جائے۔

وہ فرش پر رینگتی ہوئی مجھ سے آگے نکل گئی۔ اور پتھر کے پاس سے سر نکال کر غار کے دہانے کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ باہر اُجالا دکھائی دے رہا تھا۔ غار کا دہانہ کھلے ہوئے منہ کی طرح تھا۔ اس دہانے کے سامنے کوئی نہیں تھا۔ وہ شخص یقیناً کہیں چھپا ہوا سونیا کا انتظار کر رہا ہو گا۔

وہ رینگتی ہوئی میرے پاس آئی۔ پھر سرگوشی میں بولی: "انتظار کرو، میں آ رہی ہوں۔"

وہ واپس دوڑتی ہوئی دوسری اور تیسری منزل کی طرف جانے لگی۔ مجھے یقین تھا، وہ کوئی چال چلنے والی ہے۔ مگر اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے اسے روکنا چاہیے تھا لیکن کیسے روکتا۔ میں تو موس کے دماغ پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ اسے چھوڑ کر سونیا کے پاس جاتا تو وہ کوئی گڑبڑ کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، وہ واپس آئے گی تو خود ہی پتا چلے گا کہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک کیسٹ ریکارڈر تھا۔

میں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟"

وہ سرگوشی میں بولی: "چپ چاپ دیکھتے رہو۔"

وہ فرش پر رینگتے ہوئے کیسٹ ریکارڈر کے ساتھ آگے نکل گئی۔ اس پتھر کے پاس پہنچی جس کی آڑ سے غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اُس نے ریکارڈر کو آن کرتے ہوئے اسے فرش پر دُور دھکیل دیا۔ وہ ریکارڈر فرش پر پھسلتا ہوا سونیا کی آواز میں چیخ رہا تھا: "میں ہوں سونیا، میں ہوں سونیا، سونیا، سونیا...."

اس للکار کے ساتھ ہی اچانک وہ آخری شخص غار کے دہانے پر نمودار ہوا۔ اُس نے اسٹین گن سے آواز کی سمت فائرنگ شروع کر دی، اِدھر سونیا نے پتھر کی آڑ سے اپنی اسٹین گن کو استعمال کیا۔ بڑبڑاہٹ کی آواز غار کی محدود فضا میں گونجنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کی آخری چیخیں سُنائی دیں۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گر کر لڑھکتا ہوا ریکارڈر تک پہنچ گیا جو سونیا کی آواز میں بول رہا تھا۔

"اری مکار عورت، تُو کیا ہے؟ تیری ذہانت کیا ہے؟ لوگ یوں تیرا نام سُنتے ہی کانپ جاتے ہیں۔ میں فرہاد علی تیمور اس آخری شخص کی آواز سُن چکا تھا۔ اسے کسی وقت بھی ختم کر سکتا تھا مگر تجھے آزما رہا تھا اور تُو نے وہ تماشا دکھایا کہ مجھے حیران کر دیا۔ تیرے آگے ٹیلی پیتھی کیا چیز ہے؟ تُو خدا کی عطا کی ہوئی انسانی ذہانت کی وہ مثال ہے جس کے آگے ٹیلی پیتھی اور کالے جادو جیسے علوم اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔"

وہ میرے پاس آگئی، میں نے تعریفی انداز میں کہا: "تم نے تو کمال کر دیا۔ اس آخری شخص کو ختم کر دیا۔"

وہ میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بڑی محبت سے بولی: "تم میری زندگی کے آئندہ ہم سفر ہو۔ میں تمہیں کسی خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اس آخری شخص سے خود نمٹ لیا ہے۔ اب خطرہ نہیں ہے۔ تم آگے بڑھو، میں تمہارے پیچھے چلتی ہوں۔"

وہ مجھے آگے بڑھا رہی تھی۔ اس شخص کے آخری ہونے پر یقین نہیں تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ کسی فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ اگر یہ فریب ہوا تو میرے آگے جانے والا مارا جائے گا اور آگے جانے والا میں تھا۔

بہرحال میں آگے بڑھتا ہوا غار کے دہانے تک آگیا۔ وہ میرے پیچھے تھی۔ چاروں طرف محتاط نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ دہانے پر پہنچ کر اسے اطمینان ہوا۔ وہ بولی: "تیزی سے اُترتے ہوئے نیچے چلو۔ یہاں کسی وقت بھی دھماکے ہو سکتے ہیں۔ یہ پہاڑی تباہ ہونے والی ہے۔"

ہم نے دوڑ لگائی۔ ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اس پہاڑی کے دامن میں پہنچے۔ پھر وہاں سے دور ہوتے چلے گئے۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر پہنچنے کے بعد اچانک دھماکا سُنائی دیا۔ ہم اوندھے منہ ریت پر گر پڑے۔ پھر ذرا سر گھما کر دیکھا۔ اس پہاڑی کے نچلے حصے کے کچھ پتھر فضا میں اُڑ رہے تھے۔ یعنی دھماکا نچلے حصے سے شروع ہوا تھا۔ شاید ابھی اور دھماکے ہونے والے تھے۔ ہم وہاں سے اُٹھ کر دوڑنے لگے۔ زیادہ سے زیادہ دُور جانے کی کوشش کرنے لگے۔ ہم اس دوران پہاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ میں رہنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ دھماکوں سے پہاڑیوں کے پتھر اُڑ کر ہماری طرف نہ آسکیں۔ وہ پتھر بندوق کی گولیوں سے زیادہ مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔

دوسری بار پھر دھماکا ہوا، ہم پھر اوندھے منہ گر پڑے۔ کوئی شدید جھٹکا لگے یا دھماکا سُنائی دے تو دماغ قابو میں نہیں رہتا۔ دوسرا دھماکا اتنا شدید تھا کہ میں خیال خوانی بھول گیا۔ یہ صرف چند ساعتوں کی بات

تھی۔ میں دماغی طور پر حاضر ہونے کے بعد پھر موس کے دماغ میں پہنچا خدا کو یہی منظور تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہی اموس کے دماغ سے چلا جاؤں۔ کیوں کہ دوبارہ آیا تو وہاں سب سے پہلے شار پر کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا: "مسٹر موس، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تک ہار پر تم سے رابطہ قائم کرتا رہا۔ میں دوسرے معاملات میں مصروف تھا۔ مجھے افسوس ہے میری مصروفیات کے باعث یہ اہم اڈا ہمارے ہاتھوں تباہ ہو رہا ہے۔ بہرحال میں تمھیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔"

چونکہ میں نے موس کے دماغ کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ اتنی دیر تک وہ کہاں تھا اور اب سمندر کے ساحل کے قریب ریت پر سونیا کے ساتھ کس طرح اوندھے منہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے اُسے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ جب تک شار پر کہتا رہا، اس وقت تک میں نے اس کے دماغ پر پھر قبضہ جما لیا اور اس کی حیثیت سے کہا: "کیا واقعی تم ہار پر کے بھائی شار پر ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے؟"

"یقین کرنا ضروری نہیں ہے۔ میں تمھیں..."

کہنے والے کی بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک وہ کھانسنے لگا۔ بلکہ کھانسنے لگی۔ میں حیرانی سے اس نسوانی کھانسی کو سن رہا تھا۔ ایک نیا انکشاف ہو رہا تھا۔ وہ کھانستے ہوئے اور ہنستے ہوئے بول رہی تھی۔ "کمبخت کھانسی نے کام بگاڑ دیا۔"

سب سے پہلے یہی سوال پیدا ہوا۔ کیا ایک اور ٹیلی پیتھی جاننے والی پیدا ہو گئی ہے؟

مگر کیسے؟ کیا یہ علم ایک مذاق بن گیا ہے؟ کیا جو چاہے وہی خیال خوانی کر سکتا ہے؟

پھر بات سمجھ میں آنے لگی۔ میں جو کچھ سمجھ رہا تھا اُسے پوری تفصیل کے ساتھ سمجھنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور اس بولنے والی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ کھانسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک رومال سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ ناک صاف کرتی جا رہی تھی۔ شاید نزلہ زکام ہو گیا تھا۔ اس عارضی تکلیف نے ہمارے لیے کچھ نئے راستے کھول دیے تھے۔ شار پر تک پہنچنے کے لیے۔

ویسے شار پر جیسے ٹیلی پیتھی جاننے والے کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ ہماری زندگی میں بے شمار دشمن آئے۔ ہر دشمن اپنی جگہ اپنا جواب تھا۔ اور ہمارے مقابلے پر آ کر ہمیں لاجواب بنا گیا۔ ایک دن شار پر بھی ہمارے ہتھے چڑھنے والا تھا۔ ابھی پُراسرار بن کر رہنے کے دن تھے۔ اس لیے زندہ تھا۔ کہیں عیش کر رہا ہو گا۔

اصل مسئلہ اس ٹرانسفارمر مشین کا تھا۔ ہمیں فکر تھی، وہ کسی اور دشمن کے ہاتھ نہ لگے۔ ورنہ نئی نئی مصیبتیں پیدا ہوں گی۔ جیسا کہ ایک نئی خیال خوانی کرنے والی ہمارے سامنے آ رہی تھی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، وہ خیال خوانی کرنے والی اسی ٹرانسفارمر مشین کی پیداوار رہی ہو گی۔

☆

شکاگو کے مقابلہ حسن میں اوّل آنے والی مورینا پچھلے ایک برس سے مس امریکا کہلا رہی تھی۔ امریکا اور یورپ کے تمام اخباروں اور فیشن پرست رسالوں میں اس کی لاکھوں تصویریں شائع ہو چکی تھیں۔ ایک زمانہ اسے بیوٹی کوئین مورینا کے نام سے جانتا تھا۔ وہ جہاں سے گزرتی تھی، دیوانوں کا ہجوم لگ جاتا تھا۔

یوں تو دنیا کے ہر ملک اور ہر شہر میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین دوشیزہ موجود ہے چونکہ وہ کبھی مقابلہ حسن میں حصہ نہیں لیتی، اس لیے پس پردہ رہتی ہے۔ جو منظرِ عام پر آتی ہے اسی کا بول بالا ہوتا ہے۔ شمعِ خانہ کو کوئی نہیں پوچھتا۔ جو شمعِ محفل میں روشن ہوتی ہے پروانے اسی کے گرد طواف کرتے ہیں۔

اس کے گرد طواف کرنے والے پروانوں کا عجیب حال تھا۔ کوئی پھولوں کا دستہ پیش کرتا تھا کہ شاید اس کے عوض پھول چھونے کو مل جائے۔ کوئی ہیرے جواہرات کا نیکلس پیش کرتا تھا اور ہیرے کو ایک پل کے لیے تنہائی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ مشہور و معروف رسالوں میں اس کی ایک ایک تصویر دس دس ہزار ڈالر میں فروخت ہوتی تھی۔ اور یہ تصویریں دیوانوں کو اور زیادہ دیوانہ بناتی تھیں۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ حسین ہونے کے ساتھ زندہ دل بھی تھی۔ کسی ہنسنے والی بات پر دل کھول کر قہقہے لگاتی تھی۔ کوئی ہنسنے والی بات نہ ہو تو خود لطیفے سنا کر دوسروں کو ہنساتی تھی۔ ایسی شوخ حسینہ پر بھلا کس کا دل نہیں آئے گا۔ لوگ اس کی ایک ایک ادا پر جان دیتے تھے۔

وہ کوئی نادان الھڑ دوشیزہ نہیں تھی۔ بہت ہی تیز طرار تھی۔ انگلی ضرور پکڑنے دیتی تھی مگر کلائی تک پہنچنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ پچھلے چند دنوں سے اس نے محسوس کیا کہ ایک شخص اس کے دل و دماغ پر چھا رہا ہے۔ اس نے بارہا اسے دماغ سے نکالنا چاہا مگر وہ بار بار سوچ میں چلا آتا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھی مگر بے اختیار دیکھنے لگتی تھی۔

وہ شار پر تھا۔

کوئی اُسے شار پر کے نام سے یا ٹیلی پیتھی جاننے والے کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ وہ جارج کارنیل کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ خاندانی رئیس سمجھا جاتا تھا۔ شکاگو کی اونچی سوسائٹی میں بہت مغرور کہلاتا تھا۔ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا۔ لوگ اسے آدم بیزار کہتے تھے۔

اس آدم بیزاری کی وجہ سمجھ میں آتی تھی۔ وہ خود ہی لوگوں سے کتراتا تھا تاکہ عام لوگوں کے سامنے زیادہ بولنا نہ پڑے۔ فرہاد، سونیا یا شیبا

کسی کے ذریعے اس کی آواز سن کر دماغ میں پہنچ سکتے تھے۔ وہ ایسا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا اس لیے مغرور بن کر رہتا تھا۔

بعض لوگ فولاد کے سینے میں فولاد کا دل رکھتے ہیں کسی عورت سے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔ کسی بھی تفریح میں حصہ نہیں لیتے۔ ان کے لیے کلبوں میں جانا، ناچنا اور گانا تضیعِ اوقات کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا جنگجو، سپہ سالار اور فولادی سینہ رکھنے والا شہ زور کسی حسینہ کے آگے کمزور ہو جاتا ہے اس کی زلفوں کا اسیر بن جاتا ہے۔ ہماری انسانی دنیا کی ابتدا عورت کے غلبے اور مرد کی کمزوری سے ہوئی ہے۔

شار پر عرف جارج کارنیل کسی عورت کو نظر بھر کر دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ نظر پڑتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیتا تھا لیکن مورینا کے حسن و شباب نے اس کے دل میں اپنے لیے سرنگ بنا لی تھی۔

اسے بڑی بڑی تقریبات میں شامل ہونے کے دعوت نامے موصول ہوتے تھے۔ وہ کبھی تقریب میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن اُس نے ایک بہت ہی خوبصورت رسالے میں مورینا کی بہت ہی خوبصورت تصویریں دیکھیں۔ ہر تصویر اپنا جواب آپ تھی وہ ایک ایک تصویر کو دیکھنے کے بعد رسالے کا ورق اُلٹنا بھول جاتا تھا۔ بعد میں احساس ہوا کہ اس نے مورینا کی صرف چھ تصویریں پورے ایک گھنٹے تک دیکھی ہیں۔ اُسے ایک گھنٹے کے گزرنے کا ذرا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ اور زندگی میں پہلی بار اس نے یوں وقت ضائع کیا تھا۔ اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ اس نے وقت ضائع نہیں کیا۔ بلکہ زندگی کے خوبصورت لمحات گزارے ہیں۔

پہلے اس نے دل کی دیوانگی پر اعتراض کرنے کی کوشش کی۔ یہ تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ایک حسینہ صرف اپنی تصاویر کے ذریعے اسے تسخیر کر سکتی ہے۔ جب وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہ سکا تو اس نے چپکے سے اس کی آنکھوں میں جھانکنا شروع کیا۔ پھر تصویر کی آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے خیال خوانی کی لہریں تصویر والی کے دماغ تک پہنچ گئیں۔

کوئی کسی حسینہ کو دُور سے دیکھ کر ترستا ہے۔ قریب آنے کا موقع ملے تو باہر ہی باہر سے دیکھتا ہے۔ خیال خوانی کا کمال یہ ہے کہ وہ اندر پہنچا دیتی ہے۔ وہ پہلی بار ایک حسینہ کے چور خیالات پڑھنے لگا۔ گویا ایک بہت ہی خوبصورت رُومانی ناول کا مطالعہ کرنے لگا۔ وہ ایک ماہر سائنسدان تھا۔ خشک کتابیں پڑھتا تھا۔ آج پتا چلا کسی دوشیزہ کے چور خیالات جذباتی ناول سے کم نہیں ہوتے۔ انھیں پڑھتے پڑھتے آدمی آہیں بھرنا سیکھ جاتا ہے۔

وہ مورینا کی خاطر پہلی بار ایک تقریب میں شریک ہوا۔ امریکا کے دُور افتادہ شہروں سے بلکہ جزیروں سے بڑے بڑے دولت مند آئے ہوئے تھے۔ سب ہی اپنی دولت کی چکا چوند سے مورینا کو متاثر کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کی یہ حالت تھی کہ تتلی کی طرح اِدھر سے اُدھر اُڑتی پھر رہی تھی۔ بات بات پر ہنستی کھلکھلاتی تھی۔ ہر ایک سے یوں گھل مل جاتی تھی کہ وہ شخص خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا تھا اور جاگتی آنکھوں سے سپنے دیکھنے لگتا تھا۔

شار پر سے بھی سامنا ہوا لیکن وہ اپنے مزاج کے مطابق سنجیدہ تھا۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور دیکھنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وہ خیال خوانی کی آنکھوں سے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لے رہا تھا، اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ ایک بار مورینا نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی بے نیازی دیکھ کر اپنے ساتھ کھڑے ہوئے ایک دولت مند سے بولی: "کچھ لوگ اپنی زندگی کو سنجیدگی اور فلسفوں میں گھول کر پی جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ یہ نہیں سمجھتے کہ حسن اور جوانی، گیت اور سنگیت، مدھنگ اور روپ، خوشبو و خواب ان سب کے بغیر زندگی نامکمل ہوتی ہے۔ جو ان سے بے نیاز ہوتے ہیں، وہ اپنی زندگی کے آپ قاتل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر صرف افسوس کیا جا سکتا ہے۔ کم آن، لیٹ اَس انجوائے۔"

آرکسٹرا نئی دُھن بجانے لگا۔ کتنے ہی جوڑے ڈانس فلور پر آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی، وہ مورینا کے ساتھ چند اسٹیپ ڈانس کر لے لیکن جو اسے رقص کے لیے پکڑتا تھا، چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مجبوراً اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر الگ ہونے کی فرمائش کی جاتی تھی۔ پھر دوسرے کو چانس ملتا تھا۔ ایسے ہی وقت مورینا نے محسوس کیا، اس کا دل بار بار اس سنجیدہ اجنبی کی طرف کھنچا جا رہا ہے جس نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک اپنے آپ کو سمجھاتی رہی: "یہ کیا حماقت ہے، میں بھلا اسے کیوں دیکھوں۔ آخر اس میں کون سی خاص بات ہے۔ وہ میرا آئیڈیل نہیں ہو سکتا۔"

دل کو سمجھانے کے باوجود اس نے اپنے ساتھ ڈانس کرنے والے کے شانے سے اوپر دیکھا۔ اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ وہ اسی جگہ کھڑا ہوا نظر آیا۔ وہ بالکل تنہا تھا۔ اس کے دماغ میں خیال پیدا ہوا: "اے اجنبی! تو کون ہے؟ تیری تنہائی مجھے پکار رہی ہے۔"

مورینا پریشان ہو گئی۔ آج تک اُس نے کسی کے متعلق اس انداز میں نہیں سوچا تھا اور نہ ہی ایسے شاعرانہ خیالات رکھتی تھی۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا، شاعرانہ خیالات لڑکیوں کو کمزور بنا دیتے ہیں، وہ سمجھے بوجھے بغیر بڑی عجلت میں کسی بھی شخص کا انتخاب کر لیتی ہیں۔ بعد میں پچھتاتی ہیں لہٰذا وہ کسی کو پسند کرنے اور زندگی کے گزارنے کے معاملے میں بہت ہی سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا چاہتی تھی۔

اسے بار بار محسوس ہو رہا تھا کہ احتیاط کے باوجود وہ بے احتیاطی

میں اجنبی کی طرف قدم بڑھانا چاہتی ہے۔ ڈانس فلور پر اپنے پارٹنر کو چھوڑ کر بے اختیار اس کی طرف جانا چاہتی ہے، اس نے اپنے ڈانس پارٹنر سے پوچھا: "وہ شخص کون ہے جو فوآرے کے پاس وھائٹ سوٹ میں ملبوس کھڑا ہے؟"

اس کے پارٹنر نے سر گھما کر ادھر دیکھا پھر کہا: "ارے وہ تو بہت ہی مغرور شخص ہے، اس کا نام جارج کا نیل ہے"۔

"کیا وہ آدم بیزار ہے؟"

پارٹنر نے ہنستے ہوئے کہا: "آدم بیزار بھی ہے اور حوا بیزار بھی سُنا ہے اپنے گھر میں بھی کسی عورت کو ملازمہ نہیں رکھتا۔ ہر دولت مند کے پاس ایک حسین پرائیویٹ سیکریٹری ہوتی ہے۔ یہ کسی مرد کو بھی پرائیویٹ سیکریٹری کے طور پر نہیں رکھتا"۔

موریناؔ نے پوچھا: "کہاں رہتا ہے؟"

"کیا بات ہے ڈارلنگ تم اس میں دلچسپی لے رہی ہو؟ اس سے میرا موازنہ کر کے دیکھو۔ میں لاکھ درجے بہتر ہوں۔ ہر پہلو سے تمہارے قابل ہوں"۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو"۔

اسی وقت آرکسٹرا ذرا دیر کے لیے تھم گیا۔ تمام لوگ تالیاں بجانے لگے۔ ڈانس کرنے والے اپنی اپنی جگہ واپس آ رہے تھے تب موریناؔ کو محسوس ہوا جب سے بیوٹی کوئین کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی ہے تب سے آج ایک شخص ایسا نظر آیا جو اسے نظر انداز کر رہا ہے۔ اس کے حسن و شباب سے متاثر نہیں ہے، یہ بات اسے اچھی لگ رہی تھی۔ یہ سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ شخص لالچی، خود غرض یا خوشامد پسند نہیں ہے۔ وہ ڈانس فلور سے اتر کر اس کی طرف جانا چاہتی تھی۔ لیکن چاہنے والے اتنے تھے کہ اس کی طرف بڑھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ کوئی نہ کوئی آ کر خوشامدانہ انداز میں اس کی تعریفیں کرنے لگتا تھا۔ جب ان سے پیچھا چھڑا کر وہاں پہنچی تو وہ نہیں تھا۔ اس نے دُور دُور تک نظریں دوڑائیں، پھر چلنے والوں سے کتراتی ہوئی اِدھر سے اُدھر بھٹکنے لگی۔ بڑی دیر بعد احساس ہوا "وہ کچھ باؤلی سی ہو گئی ہے۔ خواہ مخواہ اسے تلاش کر رہی ہے جب کہ اسے جانتی بھی نہیں ہے۔

اچانک پریس رپورٹرز اور فوٹو گرافروں نے اُسے گھیر لیا۔ چاروں طرف سے فلش لائٹ بجلی کی طرح چمکنے اور بجھنے لگی۔ اُس کی تصویریں اُتاری جا رہی تھیں۔ صحافی حضرات سوال کر رہے تھے۔ سب کے سوالات ایک جیسے تھے کہ وہ کس شخص سے شادی کرنا پسند کرے گی؟

کوئی پوچھ رہا تھا: "مقابلہ حسن میں اوّل آنے والی کوئی بھی لڑکی کسی امیر ترین شخص کو اپنا لائف پارٹنر بناتی ہے۔ آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

اُس نے چاروں طرف بجلی کی طرح کوندنے والی فلش لائٹ کو دیکھا۔ پھر کہا: "میں کسی ایسے شخص کو لائف پارٹنر بناؤں گی جو مجھے دنیا کا عجیب و غریب اور انمول تحفہ پیش کرے گا"۔

وہاں بڑے بڑے امریکی سرمایہ دار موجود تھے۔ کوئی امریکا کے آس پاس والے جزیروں کا مالک تھا۔ کوئی جہاز راں کمپنیوں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ کوئی صنعت و تجارت کی دنیا کا شہنشاہ تھا۔ انہوں نے موریناؔ سے سوالات کرنے شروع کیے: "آخر وہ عجیب و غریب اور انمول تحفہ کیا ہو سکتا ہے؟"

"میں کیسے کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو تحفہ دینے والا ہی سمجھ سکتا ہے"۔

"جب تک ہماری سمجھ میں نہ آئے، ہم تمہارے لیے وہ تحفہ کہاں سے لائیں۔ ہمارے پاس دولت ہے، ہم دنیا کے ہر بازار سے ہر عجیب و غریب چیز تمہارے لیے خرید سکتے ہیں"۔

وہ بولی: "کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دنیا کی ساری دولت خرچ کر کے بھی خریدی نہیں جا سکتیں۔ انھیں مجبوراً چھین لینا پڑتا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو چھین کر بھی حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ انھیں عیاری و چالبازیوں سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ دولت سے، نہ ذہانت سے اور نہ قوتِ بازو سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ پتا نہیں وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ شاید میں خواب و خیال کی باتیں کر رہی ہوں لیکن وہ چیز حاصل ہو جائے تو میں بے اختیار کہہ اٹھوں۔ ہاں! یہی عجیب و غریب اور انمول تحفہ ہے"۔

شارپر اس محفل سے جا چکا تھا مگر جہاں بھی جا رہا تھا خیال خوانی کے ذریعے موریناؔ کی سوچ کو پڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اخباری رپورٹروں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے سامنے جو کہہ رہی تھی اُسے سُنتا جا رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا: "بڑی بڑی باتیں کر رہی ہے اسے کوئی نادر یا انمول تحفہ پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میری خیال خوانی کی لہریں اسے کشاں کشاں میرے پاس لے آئیں گی"۔

وہ اپنی سوسائٹی میں ملنے جلنے والوں کو عام طور پر ایسی رہائش گاہ کا پتا بتاتا تھا جو مستقل نہیں تھی۔ مستقل اور خفیہ رہائش گاہ کا علم کسی کو نہ تھا۔ اس رات وہ اس رہائش گاہ میں پہنچا جس کا علم اس کے شناساؤں کو تھا۔ وہ ایسی ہی جگہ موریناؔ کو بھی بُلا سکتا تھا خواہ وہ کتنی ہی حسین اور دلربا ہو، اُسے خفیہ رہائش گاہ کا پتا نہیں بتا سکتا تھا۔

اس نے خیال خوانی کا ارادہ کیا۔ پھر سوچنے لگا جب وہ آئے گی تو کیا ہوگا؟ وہ تو ایک معمولہ کی حیثیت سے آئے گی، محبوبہ کی حیثیت سے نہیں آئے گی۔ اگر وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے حاصل کرنا چاہے گا تو وہ بازار سے خریدی ہوئی کوئی چیز لگے گی۔ پھر اس میں وہ محبت اور لگاؤ، وہ کشش، وہ رومانیت کہاں باقی رہے گی جو وہ چاہتا ہے۔

ایک تو شارپر کسی عورت کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا۔ اگر ایک حسینہ اچھی لگ رہی تھی تو اُسے جبراً حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ دونوں طرف برابر آگ لگی ہو اور ایسے وقت

جان جوکھم میں ڈال کر فائر بریگیڈ کے ہیرو کی طرح آگ بجھاتا چلا جائے۔

ایسا ٹیلی پیتھی کے ذریعے نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کبھی خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ پر قابض رہتا۔ کبھی جذباتی لمحات میں بہہ کر اس کے دماغ سے نکل آتا۔ وہ حاضر دماغ ہو کر اس کے حُسن و شباب سے متاثر ہونا چاہتا۔ ایسے میں وہ نہ محبوبہ ہوتی نہ معمولہ ہوتی۔ ایک مظلوم کی حیثیت سے اسے ظالم سمجھ کر گالیاں دینا شروع کر دیتی۔ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اسے پہلی بار معلوم ہوا وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ساری دُنیا کو زیر و زبر کر سکتا ہے لیکن اپنی محبوبہ کا دل نہیں جیت سکتا۔ اس کے لیے تو اس کے دل میں گھر بنانا ہو گا۔

تب اس نے مورینا کو اپنے پاس بُلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن اسے ترک نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی چاہت اور اس کے حصول کی تمنا شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اور یہ معاملہ عشق کی صورت میں رفتہ رفتہ ایک خاص نتیجے تک پہنچنے والا تھا۔

شار پر میرے معاملات میں اُلجھا ہوا تھا کیوں کہ میں اس کا پہلا اور آخری دشمن تھا۔ اس کے علاوہ اسرائیلی حکام سے دوستی بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کا اعتماد قائم رکھنے کے لیے وہ ان کے کام آ رہا تھا پھر ٹرانسفارمر مشین کو حاصل کرنے کے لیے دُنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں جیسے سر پر کفن باندھ کر نکل پڑی تھیں۔ ایسے میں اُس پر عشق کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ مورینا کو اپنے دل اور دماغ سے جھٹکنا چاہتا تھا لیکن ناکام ہو جاتا تھا۔ جب بھی خیال خوانی سے تھک ہار کر پُرسکون ہو کر لیٹنا چاہتا، بالکل تنہا رہنا چاہتا تو مورینا اس کے خیالوں میں آ جاتی تھی۔

وہ بے اختیار اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر لیتا تھا کہ وہ دوسرے دن صبح سے شام تک کہاں وقت گزارے گی اور جہاں وہ جاتی تھی اس سے پہلے وہاں پہنچ جاتا تھا۔ مورینا اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا، جیسے قدرت آپ ہی آپ اس اجنبی کو اس سے ملانے کے لیے ہر مقام پر سامنے لے آتی ہے۔

ابھی وہ خیال خوانی کے چکروں سے واقف نہیں تھی۔ بے اختیار اس سے متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ پہلی بار اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود ہی اسے مخاطب کیا "مسٹر کارنیل! مجھے معلوم ہے آپ بہت ہی خشک مزاج ہیں لیکن دل میں چور چھپا ہو تو آنکھوں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ آپ مجھے چور نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

وہ جھینپ کر رہ گیا کیوں کہ دل میں چور تھا۔ اس نے سوچا شاید اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ مورینا ہنسنے لگی۔ پھر بولی "آخر ایسی بھی کیا بے نیازی۔ کسی سے کترانا، نظریں چرانا عورتوں کو اچھا لگتا ہے، آپ تو مرد ہیں۔"

وہ ہنسنے لگا۔ پھر وہ رفتہ رفتہ بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے۔

دوسری ملاقات میں شار پر نے اس کے ایک ہاتھ کو تھامنا چاہا۔ وہ پیچھے ہٹ کر بولی "شاید آپ نے اخبارات اور رسائل میں میرا بیان نہیں پڑھا ہے۔ میں صرف اسی کو لائف پارٹنر بناؤں گی یا دوسرے لفظوں میں اس کے ہاتھ آؤں گی جو مجھے عجیب و غریب اور انمول تحفہ پیش کرے گا۔"

شار پر نے کہا "اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو، پھر حکم دو۔ اس دُنیا کی کون سی انمول چیز چاہتی ہو۔ وہ جہاں ہو گی میں تمہارے سامنے لا کر پیش کر دوں گا۔"

"ایسا فرعونی دعویٰ نہ کرو۔ کیا تم مجھے حاصل کرنے کے لیے تاج محل کو ہندوستان سے اُٹھا کر یہاں لا سکتے ہو؟"

وہ جھینپ کر مسکراتے ہوئے بولا "یہ ناممکن سی بات ہے۔ ایسی انمول چیز طلب کرو جو ایک انسان کی دسترس میں ہو سکتی ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ میرا آئیڈیل میرے سامنے کوئی ایسی چیز پیش کرے کوئی ایسا تحفہ دے کہ میں اس کے قدموں میں جھک جاؤں اس کے سامنے زمین بن کر اسے آسمان کی طرح اوڑھ لوں۔"

"تم ایسا کرو اس دنیا کی مشہور ترین انسائیکلوپیڈیا کا مطالعہ کرو اور یہ نوٹ کرتی جاؤ کہ اس میں کتنی عجیب و غریب اور انمول چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر وہ چیزیں اس دُنیا میں موجود ہیں تو میں ان سب کو تمہارے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہوں۔"

مورینا نے حیرانی سے کہا "تم بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہو۔ کیا میں بہت بڑا مطالبہ کر دوں؟"

"ضرور کرو۔ اگر تمہارے مطالبے سے تعلق رکھنے والی چیز اس دُنیا میں موجود ہے تو میں تمہارے سامنے پیش کر دوں گا۔"

"کیا تم فرہاد علی تیمور کو میرے سامنے پیش کر سکتے ہو؟"

وہ ایک دم سے بوکھلا گیا۔ وہ اس کی محبوبہ تھی اور اس کے رقیب کو چاہتی تھی۔ اس نے مورینا کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس سے دُور جا کر اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ رقابت کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا "صبر کرنا چاہیے۔ اگر یہ میرے دشمن کو چاہتی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اسے دوسرے انداز میں ٹریپ کر سکتا ہوں۔"

یہ سوچتے ہی اس نے پلٹ کر ایک قہقہہ لگایا، مورینا نے حیرانی سے پوچھا "تم کس بات پر ہنس رہے ہو؟"

"اگر میں یہ کہہ دوں کہ تمہارے سامنے فرہاد علی تیمور کھڑا ہے تو کیا یقین کرو گی؟"

اس نے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر بے یقینی سے کہا "میں بھلا کیسے یقین کر سکتی ہوں۔ تم جارج کارنیل ہو۔"

"میں تمہیں دیوانگی کی حد تک چاہتا ہوں۔ جارج کارنیل سے فرہاد بن سکتا ہوں۔ یقین نہ ہو تو آزما لو۔"

"اگر تم فرہاد ہو تو میرے دماغ کی باتیں پڑھ سکتے ہو۔ اچھا بتاؤ میں کیا سوچ رہی ہوں؟"

پھر وہ سوچنے لگی "فرہاد تم ایک ایسا کردار ہو جسے خوابوں اور خیالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حقیقی دُنیا میں یہ ممکن نہیں ہے۔"

شار پر نے اس کی سوچ پڑھنے کے بعد وہی باتیں دُہرائیں، وہ حیران رہ گئی۔ اس نے کہا "حیران کیوں ہوتی ہو۔ جس قدر آزمانا چاہو آزماؤ۔ جو سوچتی رہو گی، وہی بیان کرتا رہوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ اب بتاؤ میں کیا سوچ رہی ہوں؟"

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد شار پر نے آگے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر کہا "تم سوچ رہی ہو۔ اگر میں فرہاد ہوں تو تمہیں اپنی دھڑکنوں سے لگا لوں۔ تم شاید میری زبان نہیں سمجھ رہی ہو، شاید دھڑکنوں کی زبان سمجھ سکو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے میرے حصے کا مال سمیٹ لیا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کس طرح میرے نام سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ لیکن مورینا بھی کچھ کم چالاک نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک اس کی دھڑکنوں سے لگی رہی۔ جب اس نے محبت میں پیش قدمی شروع کی تو یکبارگی الگ ہو کر بولی "فرہاد تم بھول رہے ہو۔ میری ایک شرط ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔ میں اس دُنیا کی کوئی نہ کوئی عجیب و غریب اور انمول چیز تمہیں تحفے کے طور پر پیش کر دوں گا۔"

"اب میں بتاؤں گی تم کیا پیش کر سکتے ہو۔"

"جلدی بتاؤ۔ مجھ سے قریب ہو کر دُور ہو رہی ہو۔ مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ پلیز ٹیل می۔"

وہ ایک ادائے ناز سے چلتی ہوئی کچھ دُور ہو گئی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی "مجھے شبہ ہے تم فرہاد نہیں ہو۔"

وہ گڑبڑا گیا۔ پھر جلدی سے سنبھل کر بولا "یہ کیا کہہ رہی ہو۔ میں پھر ثابت کر دوں؟"

"اگر خیال خوانی کر سکتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو، دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "تمہارے سامنے اپنے آپ کو بھول جاتا ہوں۔ بھلا خیال خوانی کیسے یاد رہتی۔ لو، اب معلوم کر رہا ہوں۔"

وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے، سر اُٹھائے، دُور اُڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھ رہی تھی "فرہاد! میں پرواز کرنا چاہتی ہوں۔ ایسی پرواز کہ ایک جگہ رہوں اور ساری دُنیا گھوم آؤں۔"

شار پر نے قریب آتے ہوئے کہا "ایسی پرواز تو صرف خیال خوانی کی ہوتی ہے۔"

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی "سُنا ہے مرد بڑے ہرجائی اور فریبی ہوتے ہیں۔ عورت محبت میں اکثر دھوکا کھا جاتی ہے۔ میں چاہتی ہوں میری زندگی میں جو مرد آئے، میں اس کی اچھی اور بُری عادتوں سے پوری طرح واقف رہوں۔ میں اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دوں تو وہ بھی مجھ سے کچھ نہ چھپائے، حتیٰ کہ میں اس کے چور خیالات بھی پڑھ لیا کروں۔"

"بے شک، تم ایک انمول اور عجیب و غریب تحفہ مانگ رہی ہو لیکن یہ کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا دوسرے کو یہ علم نہیں سکھا سکتا۔"

"تم باتیں بنا رہے ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتے، سکھانا نہیں چاہتے۔"

"تم یقین کرو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو، کیا تم نے رسونتی کو ٹیلی پیتھی نہیں سکھائی، کیا شیبا نے تم سے یہ علم نہیں سیکھا؟"

شار پر نے ہنستے ہوئے کہا "کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ رسونتی اور شیبا نے اپنی اپنی محنت سے سیکھا ہے اور اس میں برسوں لگ گئے ہیں۔"

"میں نہیں مانتی، تم جسے اپنی محبوبہ یا بیوی بناتے ہو اسے ضرور ٹیلی پیتھی سکھاتے ہو۔ میں نے تو یہی سُنا ہے۔"

"تمہاری معلومات ناقص ہیں۔ تم میری ساتھی عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو۔ سُنی سُنائی باتوں پر یقین کر کے مجھ سے جھگڑا نہ کرو، میری بات کا یقین کرو۔"

"تم کہتے ہو رسونتی اور شیبا نے برسوں کی محنت کے بعد یہ علم سیکھا ہے کیا تم مجھے سکھا سکتے ہو؟"

وہ باتیں کرتے ہوئے کار کی طرف آنے لگے۔ شار پر نے کہا۔ "میں سکھا سکتا ہوں۔ اس کا انحصار سیکھنے والے پر ہے۔ اگر تم مستقل مزاج اور مضبوط قوتِ ارادی کی مالک ہو تو شاید سیکھ لو گی۔"

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی "میرا کوئی بھی ارادہ کمزور نہیں ہوتا۔ مجھے بتاؤ، کیا کرنا ہو گا۔"

شار پر نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی، پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "سب سے پہلے تمہیں دنیا والوں سے عارضی طور پر تعلق ختم کرنا ہو گا۔ صرف میرے ساتھ رہو گی اور میری ہدایت پر عمل کرتی رہو گی۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"کیا تم اپنے والدین کو چھوڑ کر میرے ساتھ رہ سکو گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "ایک جوان لڑکی جب بے انتہا دولت

حاصل کر رہی ہو، قیمتی ہیرے جواہرات تحفے کے طور پر قبول کر لیتی ہو اور جس کے لاکھوں چاہنے والے ہوں، وہ والدین یا کسی سرپرست کی پابند نہیں رہتی۔"

شار پر نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "میں تمھیں ایسی خفیہ جگہ رکھوں گا جہاں سے میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلا کرو گی۔ جب تک ٹیلی پیتھی کا علم سیکھ لو، تب تک کسی اجنبی مرد یا عورت سے بات نہیں کرو گی۔"

"میں یہ علم سیکھنے کے لیے سخت پابندیاں بھی برداشت کر لوں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "تمھیں فرہاد سے زیادہ دلچسپی ہے یا ٹیلی پیتھی سے؟"

"میں صاف اور سیدھی بات کرتی ہوں۔ اپنی زندگی میں آنے والے کسی بھی مرد کو اچھی طرح سمجھنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا ٹیلی پیتھی کا علم میرے لیے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ فرہاد نہیں، کوئی اور ہوں تو؟"

میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر فرہاد ہرجائی اور بے وفا ہے اور تم نہیں ہو تو میرے لیے قابلِ قبول ہو۔ میں تو اپنی زندگی میں آنے والے مرد کو اچھی طرح سمجھنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد ہی کسی کو اپنا سکتی ہوں۔"

اس کا مطلب ہے تم برسوں تک علم حاصل کرتی رہو گی، میں برسوں تک تمھارا انتظار کرتا رہوں گا۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔"

"برداشت کرنا ہی ہوگا۔ ایک بہت ہی دولت مند شخص جنوبی امریکا کا ایک چھوٹا جزیرہ میرے نام لکھ کر دینا چاہتا ہے۔ تم یہ بتاؤ، جب تک وہ جزیرہ میرے نام لکھا نہ جائے کیا میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں۔ کیا یہ دانش مندی ہوگی؟"

"پہلے تمھارے نام کاغذات مکمل ہونے چاہییں۔"

"دستور یہی ہے۔ ہر عورت اپنا تحفظ چاہتی ہے۔ جب تک وہ جزیرہ میرے نام نہیں ہوگا، میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔ اسی طرح جب تک ٹیلی پیتھی کا علم میرے نام نہیں ہوگا۔ میرے دماغ میں نہیں سمائے گا، اس وقت تک میں خود کو تمھارے حوالے کس طرح کر سکتی ہوں۔ جو بات تم ابھی تسلیم کر چکے ہو کیا اس کے برعکس بولنا پسند کرو گے؟"

شار پر کو چپ لگ گئی۔ عورت ذات سے نفرت کرنے والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس سے نفرت کرتے ہوئے زندگی گزارتے کے دوران حسن اور اس کی شعریت کو سمجھ نہیں پاتے۔ جب کوئی عورت اچانک ان کی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو وہ ہکا بکا سے رہ جاتے ہیں۔ جیسے کوئی انہونی بات ہو رہی ہو، ایسے میں وہ حیران حیران سے دیدے پھاڑے اسے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا، اس عورت کو کہاں سے دیکھنا شروع اور کہاں تک دیکھتے جائیں۔ ایک عرصے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسے جہاں تک دیکھتے چلے جائیں، وہ ختم نہیں ہوتی۔ اس کے بعد بھی بہت کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے لیے رہ جاتا ہے۔

شار پر کا یہی حال تھا۔ مورینا اس کے لیے طلسم ہوش ربا بن گئی تھی۔ وہ اُسے اپنی خفیہ رہائش گاہ میں لے آیا تھا۔ وہاں رہنے، کھانے پینے اور اِن ڈور گیمز کے ذریعے دل بہلانے کا تمام سامان موجود تھا۔ ملازمین میں اسے وہاں صرف ایک حبشی غلام نظر آیا جو شار پر کا باڈی گارڈ تھا۔ وہ ایسا قد آور تھا کہ اُسے دیکھنے کے لیے مورینا کو سر اُٹھانا پڑتا تھا۔ پہاڑ جیسا جسم تھا۔ وہ اس کے سخت بازو کو چھوتے ہوئے بولی "کیا واقعی یہ گوشت پوست کا انسان ہے؟"

حبشی غلام مسکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ بہت کم بولتا تھا۔ لیکن جب بولتا تو اس کی آواز میں دبی دبی سی گھن گرج کا احساس ہوتا تھا۔ وہ آواز دل میں آ کر لگتی تھی۔ شار پر کو چند دنوں میں ہی پتا چل گیا کہ مورینا اس سے متاثر ہو رہی ہے۔

وہ غلام گھانا کے ایک شہر کماشی سے آیا تھا۔ پچھلے ایک برس سے شار پر کا خدمت گار تھا۔ اس کا نام احمد الباقی تھا۔ شار پر اُسے غلام باقی کے نام سے بلاتا تھا۔ اس نے ایک رات اسے اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔ "غلام باقی، میں تمھارا کیسا آقا ہوں؟"

"آپ مہربان ہیں، مجھ پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔"

"میری اس خفیہ رہائش گاہ کا علم صرف تمھیں ہے۔ مگر تم میرے متعلق سب کچھ نہیں جانتے ہو۔"

"غلام صرف اپنی خدمت گزاری سے کام رکھتا ہے۔"

"میں یہی چاہتا ہوں مورینا سے دور رہا کرو۔ کم سے کم گفتگو کرو۔ وہ اپنے بیڈ روم میں تنہا ہو تو اندر نہ جایا کرو، باہر ہی سے حکم سن کر تعمیل کیا کرو۔"

"جو حکم میرے آقا!"

"اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھو، میں دل اور دماغ کی باتیں معلوم کر لیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اسے چور نظروں سے دیکھتے ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "میرے آقا، میں مجبور ہوں۔ وہ جانے کیسی کشش رکھتی ہے۔ خواہ مخواہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے حالانکہ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔ تم میرے وفادار ہو، میری عورت پر بُری نظر نہیں ڈالو گے۔ تمھارا دل اور دماغ بہکتا ہے۔ تم اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہو اور یہ کوشش جاری رہنا چاہیے۔ جس دن تمھارے قدم بہکیں گے، وہ تمھاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ شار پر تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اُٹھ کر اس کمرے کی طرف گیا جو مورینا کے لیے مخصوص تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے دیکھا۔ وہ فرش پر پلتھی مارے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر موم بتی روشن تھی، جس کی لَو کو تک رہی تھی۔ شار پر نے کبھی ان مرحلوں سے گزر کر ٹیلی پیتھی کا علم نہیں سیکھا تھا لیکن مورینا کو بہلانے کے لیے اس سے یہ عمل کروا رہا تھا۔ اور یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اُسے کب تک بہلاتا رہے گا؟

وہ فیصلہ سُنا چکی تھی جب تک یہ علم حاصل نہیں کرے گی اور اس کے خیالات پڑھ کر اس کے اندر اپنی محبت اور وفاداری کا یقین نہیں کرے گی اس وقت تک اسے نہیں اپنائے گی اور نہ ہی اُسے ہاتھ لگانے کا موقع دے گی۔ جب کہ وہ ایک ہی گھر کی چار دیواری میں رہتی تھی۔ دن رات حُسن کے جلوے لٹاتی رہتی تھی۔ اس نے خود ہی اُسے اپنے گھر لا کر اپنے تڑپنے کا سامان پیدا کر لیا تھا۔

اس کے جلوے اور اس کی ادائیں اس وقت ناقابلِ برداشت ہوتیں جب وہ صبح سویرے یوگا کی مشق کرنے کے لیے کھلے لان میں آتی تھی اور مشقیں کرتی تھی۔ اس طرح حُسن و شباب کئی زاویوں سے آنکھوں کو چکا چوند کرتا رہتا تھا۔ اس پر غضب یہ کہ وہ سوئمنگ پول میں نہانے کے لیے بلندی سے چھلانگیں لگاتی تھی۔ صاف اور شفاف پانی میں کسی جل پری کی طرح تیرتی ہوئی دکھاتی دیتی تھی۔ شار پر کا دل دھڑک دھڑک کر سوچتا تھا "اب نہیں دیکھے گا۔ اسے اب نہیں دیکھے گا۔ اگر دیکھے گا تو بیمار پڑ جائے گا۔"

وہ مستقل مزاج تھا۔ اچھی خاصی قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ صرف مورینا کا مسئلہ ہوتا تو اسے ایک عرصے تک برداشت کرتا رہتا لیکن بہت سے مسائل تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ میں تھا۔ میری ساتھی عورتیں تھیں، جن کے آگے اس کا بول بالا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر لمحہ یہ فکر لاحق رہتی کہیں کسی ذریعے سے میں اس کے دماغ میں نہ پہنچ جاؤں۔

ایسے وقت وہ اپنے بھائی آرمر کو کوستا تھا۔ دل ہی دل میں گالیاں دیتا تھا۔ جن دنوں میں زیرِ زمین مصنوعی جنت میں آرمر اور اس کے بہن بھائیوں کا قیدی بنا ہوا تھا اور جہاں انھوں نے میرے دماغ سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں اپنے دماغوں میں منتقل کرائی تھیں، اس وقت شار پر نے فیصلہ سُنایا تھا کہ فرہاد کو ختم کر دینا چاہیے لیکن آرمر نے اعتراض کیا تھا۔ روزینہ اور بار بر نے بھی بھائی آرمر کی حمایت کرتے ہوئے کہا تھا۔ اگر کسی حادثے یا ناگزیر وجوہات کی بنا پر ہمارے دماغ سے ٹیلی پیتھی کا علم مِٹ جائے تو ہمیں پھر فرہاد کی ضرورت پڑے گی۔ ابھی یہ ہمارا ابتدائی تجربہ ہے۔ پتا نہیں جو ٹیلی پیتھی کا علم ہم نے اپنے دماغوں میں منتقل کیا ہے وہ کتنے عرصے تک رہے گا۔ لہٰذا جب تک اس علم کی پائیداری کا یقین نہ ہو اس وقت تک فرہاد کو زندہ رکھنا چاہیے۔

وہ مجھے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ انھیں یقین تھا کہ میں زیرِ زمین قید خانے سے نکل نہیں سکوں گا لیکن سونیا نے ان کی خوش فہمیاں ختم کر دی تھیں۔ آج میں آزادی سے زندگی گزار رہا تھا اور شار پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ مجھے اس وقت ہلاک کیوں نہ کیا گیا۔ بہرحال اس کے

سلمنے بڑے پیچیدہ مسائل تھے۔ ایک طرف وہ اسرائیلی حکام سے دوستی کررہا تھا۔ ان کے کام آرہا تھا۔ وہاں بھی اسے وقت بے وقت مصروف رہنا پڑتا تھا۔ ایسے میں وہ کچھ تھک جاتا تھا جب سے مورینا اس کی زندگی میں آئی تھی وہ کچھ زیادہ ہی تھکن محسوس کرنے لگا تھا بس ایک ہی خواہش تھی کہ وہ حسینہ اس کی ہوجائے اور اس کی ساری پریشانیوں کو بھلا دے۔

اس میں ایک اچھی عادت تھی۔ وہ نشہ نہیں کرتا تھا۔ شراب کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس ڈر سے کہ بہک جائے گا تو کبھی نہ کبھی فرہاد کے کسی ساتھی کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ مورینا کے سلسلے میں وہ شدید اضطراب میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ کبھی کبھی پینے کو جی چاہتا تھا تب وہ گھبرا کر سوچتا تھا کہ میری تباہی کا سامان ہورہا ہے۔ اگر میں نے مورینا کے نشے کو نہ اپنایا تو شراب میں ڈوب جاؤں گا اور تباہ ہوجاؤں گا۔

آخر ایک رات وہ مجبور ہو کر مورینا کے بیڈروم کے دروازے پر گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے خیال خوانی کے ذریعے دیکھا۔ اندر ہلکی موسیقی ابھر رہی تھی اور مورینا اس موسیقی کے سُر تال کے مطابق ہولے ہولے رقص کررہی تھی۔ ایک بار اس کی ماں نے سمجھایا تھا "بیٹی، جوانی، دیوانی ہوتی ہے اور یہ کسی غلط مرد کے پاس پہنچا دیتی ہے۔ لہٰذا جب تک صحیح جیون ساتھی کا انتخاب نہ کرو اس وقت تک کسی کو اپنا آئیڈیل نہ بناؤ۔ کسی کو اپنے خیالوں میں نہ آنے دو۔ کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہو تو اسے دماغ سے جھٹک دو۔ خوب ورزش کرو یا باغیچے میں دیر تک چہل قدمی کرتی رہو یا پھر کمرے میں کوئی آرکسٹرا سنتے ہوئے رقص کرتی رہو۔ اتنی دیر تک رقص کرتی رہو کہ تھک کر بستر پر گر پڑو اور تمھیں نیند آجائے۔"

شارپر نے سوچا "آج تم میرے بازوؤں میں تھک کر سوجاؤ گی۔ آؤ اور میرے لیے دروازہ کھولو۔"

وہ چپ چاپ اُس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ مورینا رقص کرتے کرتے رُک گئی تھی۔ پھر دروازے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ اسے ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کررہی ہے۔ اس نے دروازے کو کھول دیا۔ وہ اندر آتے ہوئے اس کے دماغ کو کنٹرول کررہا تھا۔ اسے ہدایت دے رہا تھا کہ وہ دروازے کو اندر سے بند کردے۔

میری اور اس کی خیال خوانی میں ایک بڑا فرق تھا۔ وہ یہ کہ میں چلتے پھرتے، کھاتے پیتے خیال خوانی کرتا تھا۔ دوسری طرف اپنے معمول کو مٹھی میں رکھتا تھا اور اپنا کام بھی کرتا رہتا تھا لیکن شارپر ایک وقت میں ایک ہی کام کرسکتا تھا۔ کسی کے دماغ پر قبضہ جمانے کے لیے کہیں جاکر بیٹھتا تو پھر وہیں بیٹھا رہتا تھا۔ اپنے وجود کو زیادہ حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ جہاں کھڑا ہوتا تو کھڑا ہی رہ جاتا۔ جہاں بیٹھا رہتا تو بیٹھا رہ کر خیال خوانی میں مصروف رہتا۔

ٹیلی پیتھی کی ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب میں نے خیال خوانی کی ابتدا کی تو جس سے رابطہ قائم کرتا تھا اسی کے دماغ میں رہ جاتا تھا۔ اور جہاں بیٹھا ہوتا تھا وہیں آنکھیں بند کرلیتا تھا۔ خود کو بالکل ساکت کرلیتا تھا۔ جلد ہی مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ میں ایسا کروں گا تو دُنیا والوں کی نظروں میں آجاؤں گا۔ لہٰذا ایسی مشق کرنا چاہیے کہ چلتے پھرتے خیال خوانی ہوتی رہے۔ پھر میں نے بہت جلد یہ مہارت حاصل کرلی تھی۔ میری طرح سونیا بھی ابتدا میں ایک جگہ بیٹھی مار کر بیٹھ جاتی تھی۔ میری پہلی ملاقات اسی انداز میں ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کرکے مجھے ٹریپ کرنا چاہتی تھی۔ میں نے چپ چاپ اس کے قریب پہنچ کر اسے قابو میں کرلیا تھا۔ بہر حال اسی طرح شیبا نے بھی ابتدا میں خیال خوانی کی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی ہمارا انداز اپنا چکی تھی۔

شارپر ابتدائی دور سے گزر رہا تھا۔ وہ اس بات پر قادر نہیں تھا کہ ایک طرف کسی کے دماغ پر قبضہ جماتا اور دوسری طرف خود کو حرکت میں رکھ سکتا۔ جب مورینا نے اس کے حکم کے مطابق دروازے کو بند کردیا تب اُس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے گرفت میں لینا چاہا۔ ایسے وقت مورینا کا دماغ آزاد ہوگیا۔ شارپر ذرا دیر کے لیے خیال خوانی بھول گیا تھا۔ وہ ایک دم سے چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ کبھی شارپر کو اور کبھی بند دروازے کو دیکھنے لگی پھر بولی "تم یہاں کیسے آگئے؟"

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا "میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "اچھا سمجھ گئی۔ تم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے غافل بنا دیا تھا۔ مجھ سے یہ دروازہ کھلوایا اور بند کروادیا۔ تم سمجھتے ہو میں تمھیں اس بند کمرے سے نکال نہیں سکوں گی۔"

"دیکھو ظالم نہ بنو۔ میرے جذبات کو سمجھو۔"

"میں سوچتی تھی کہ خیال خوانی آئے گی تو اپنے محبوب کے چور خیالات پڑھ سکوں گی لیکن جو میری خواب گاہ میں بغیر اجازت آجائے پھر اس کے چور خیالات پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں آخری بار کہہ رہی ہوں، یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس نے لپک کر مورینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر پکڑتے ہی اس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اسے مائل کرنے لگا کہ وہ بھی گلے لگ جائے۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ بے اختیار آگے بڑھ کر قریب آنے لگی۔ لیکن گلے لگانے کی حسرت ہی رہ گئی۔ شارپر کے گلے میں ایک لاکٹ ہوتا تھا جو ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر تھا۔ اس ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ وہ فوراً ہی دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ مورینا آزاد ہوگئی۔ ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر دُور چلی گئی۔ وہ غصے میں بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ کیا مصیبت ہے۔ اس وقت کس نے یاد کیا ہے؟"

اس نے لاکٹ کو دو انگلیوں سے تھام کر اپنے کان سے لگالیا۔ پھر دوسری طرف کی آواز سننے کے بعد ٹرانسمیٹر کو آف کردیا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ کسی بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ مورینا

دُور کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں کھول کر بولا "ایک ضروری مسئلہ درپیش ہے لیکن میں نے تھوڑی دیر کے لیے ٹال دیا ہے۔ جانتی ہو، کیوں؟"

"تمھاری موجودگی خود تمھارے سوال کا جواب ہے مگر میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں۔ مجھے اتنی بڑی دُنیا میں صرف ایک ہی مرد ہاتھ لگائے گا اور وہ میری پسند کا ہوگا۔"

"کیا تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو؟"

"کیا تم مجھے پسند کرنے کا موقع دے رہے ہو؟ اگر تمھارے یہی کرتوت رہے تو تم سے نفرت کروں گی۔ اگر میرے فیصلے کا انتظار کرسکتے ہو تو چلے جاؤ اور وعدہ کرو کہ آئندہ میری اجازت کے بغیر کمرے میں نہیں آؤ گے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "میں یہاں سے جاؤں گا تو ساری رات سو نہیں سکوں گا۔ لہٰذا اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ اپنی اصلیت ظاہر کردوں۔"

"کیسی اصلیت؟ تم نے یہ تو بتا دیا کہ فرہاد نہیں ہو۔ کیا جارج کانیل بھی نہیں ہو؟"

"نہیں، تمھیں اخبارات پڑھنے سے دلچسپی نہیں ہے ورنہ یہ معلوم ہوجاتا کہ چند بہن اور بھائیوں نے مل کر ایک ایسی ٹرانسفارمر مشین ایجاد کی ہے جس کے ذریعے ایک آدمی کے دماغ کی صلاحیتیں دوسرے آدمی کے دماغ میں منتقل ہوجاتی ہیں۔"

"مجھے مشینوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ کام کی بات کرو۔"

"تمھارے ہی کام کی بات کررہا ہوں۔ وہ ٹرانسفارمر مشین میرے پاس ہے۔ میں اس کے ذریعے اپنے دماغ کی ٹیلی پیتھی تمھارے دماغ میں منتقل کرسکتا ہوں۔ صبح ہونے تک تم بڑی آسانی سے خیال خوانی کرسکو گی۔"

اس نے خوش ہو کر شدید حیرانی سے پوچھا "کیا سچ کہہ رہے ہو؟"

"آج میں وہ سچ کہہ رہا ہوں جسے ساری دُنیا سے چھپا رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں، اس کے تین حصے کیے گئے ہیں۔ ایک حصہ میرے پاس ہے اور باقی دو حصے میری بہن اور بھائی کے پاس۔"

"کیا ایسا نہیں ہے؟"

"میرے پاس مکمل مشین ہے۔ میری بہن اور بھائی کے پاس جو حصے ہیں، وہ بھی اہم ہیں۔ انہی حصوں کی نقل ہیں لیکن وہ نامکمل ہیں کیونکہ تیسرا حصہ میرے ہی پاس ہے۔"

مورینا نے پوچھا "جب تمھارے پاس مکمل مشین موجود ہے تو اس کے دو فاضل حصے کیوں بنائے گئے؟"

"کیا مشین کے فاضل پرزے نہیں بنائے جاتے؟"

"میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی۔ کیا صبح تک مجھے خیال خوانی آجائے گی؟"

"ضرور آجائے گی۔ میں ابھی انتظامات کرتا ہوں۔"

وہ دوڑتی ہوئی آئی، بڑی خوشی سے شارپر کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا "او مسٹر ڈیو آر گریٹ۔ تم بہت عظیم ہو لیکن میں تمھیں مسٹر کہہ رہی ہوں۔ آخر تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام شارپر ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ ٹیلی پیتھی سیکھنے کے بعد میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی۔ میری وفادار رہو گی۔ کسی دوسرے کا تصور بھی نہیں کرو گی۔ خصوصاً فرہاد کے فریب میں نہیں آؤ گی۔"

"میں بڑی بڑی قسمیں کھا کے یقین دلانے کو تیار ہوں۔ بتاؤ تمھیں کیسے یقین آئے گا؟"

"میں ابھی جواب دوں گا۔ ذرا انتظار کرو۔"

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا ایک ایسے شخص کے دماغ میں پہنچا جو اس کا خاص بندہ تھا۔ تنویمی عمل کا ماہر تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ شارپر اسی شہر میں رہتا ہے اور اس کی ایک خفیہ رہائش گاہ بھی ہے۔ اس نے پوچھا "ہیلو ماسٹر! میں حاضر ہوں۔"

"میں غلام باقی کو بھیج رہا ہوں۔ اس پر تنویمی عمل کرو۔ پھر صبح ہونے سے پہلے اسے رخصت کردو۔"

"یہی ہوگا ماسٹر۔ بائی دی وے کس نوعیت کا تنویمی عمل ہوگا؟"

"میں غلام کے دماغ میں گرہ باندھنا چاہتا ہوں یعنی اس کے دماغ کو لاک کردینا چاہتا ہوں تاکہ کوئی سوچ کی لہر اسے ٹریپ نہ کرسکے۔ کیا تم بتاسکتے ہو، کتنے عرصے تک اس کے دماغ کو اس طرح مقفل کیا جاسکتا ہے؟"

"میں کوئی بڑا عامل نہیں ہوں۔ کم سے کم سات دنوں کے لیے اسے لاک رکھ سکوں گا۔"

"اتنا کافی ہے۔ میں تنویمی عمل کے ذریعے تمھیں ہدایات دیتا جاؤں گا۔ تم اس کے مطابق غلام باقی کے دماغ کو ہدایات دیتے جاؤ گے۔"

وہ دماغی طور پر حاضر ہوا۔ آنکھیں کھول کر مورینا کو دیکھتے ہوئے بولا "دروازہ کھول دو۔ میں غلام کو بلا رہا ہوں۔"

"کیا خیال خوانی کے ذریعے اس سے باتیں نہیں کرسکتے؟"

"میں پہلے بتا چکا ہوں، میں نے اس پر اصلیت ظاہر نہیں کی ہے۔ وہ مجھے جارج کانیل سمجھتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

مورینا نے دروازے کو کھول دیا۔ پھر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ تھوڑی دیر میں ہی غلام حاضر ہوگیا۔ شارپر نے کہا "تم ڈان فریزر کے پاس جاؤ۔ وہ تم سے جو کہے اس پر بے چون و چرا عمل کرتے رہو۔"

وہ حکم سنتے ہی چلا گیا۔ شارپر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "غلام باقی صبح چار بجے تک واپس آئے گا۔ تم تین بجے تک اچھی طرح نیند پوری کرلو۔ اس کے بعد میں تمھیں ٹرانسفارمر مشین سے گزاروں گا۔"

"تم نے میرے دل میں عجیب طرح کی بے چینی پیدا کردی ہے،

تین بجے تک صبر نہیں ہوگا۔ کیا یہ کام ابھی نہیں ہو سکتا؟"

"اس کے لیے کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ مشین کا ایک حصہ میرے سر سے منسلک ہوگا۔ دوسرا تمھارے سر سے۔ تیسرا آدمی اس مشین کو آپریٹ کرتا رہے گا اور وہ تیسرا آدمی غلام باقی ہوگا۔"

وہ مورینا کے کمرے سے چلا آیا۔ اپنے کمرے میں آکر آرام سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ٹرانسمیٹر کے ذریعے جو پیغام موصول ہوا تھا۔ اس کے مطابق مصروف ہوگیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اُس نے تنویمی عمل کرنے والے ڈان فریزر سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "غلام یہاں پہنچ گیا ہے۔ ایک بستر پر آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے ابھی انجکشن لگایا ہے وہ آہستہ آہستہ دماغی اور جسمانی طور پر سست پڑتا جا رہا ہے۔ میں اُسے جلد ہی ٹرانس میں لے آؤں گا۔ آپ حکم دیجیے کیا کرنا ہے؟"

"تم اسے ٹرانس میں لاؤ اور اس کے دماغ میں گرہ باندھو۔ یہ تاکید کردو کہ وہ صرف جارج کارنیل کی آواز کو دماغ میں پہچانے گا اور اسی کے احکامات کی تعمیل کرے گا۔ کوئی اور سوچ کی لہر ہو تو وہ بے اختیار سانس روک کر اس لہر کو دماغ سے نکال دے گا۔"

"ڈان فریزر غلام باقی کو تنویمی عمل کے ذریعے اپنا معمول بنانے لگا۔ شار پر چپ چاپ فریزر کے دماغ میں رہ کر اس عمل کو دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کی ہدایت کے مطابق اسے ٹرانس میں لانے کے بعد ہدایات دے رہا تھا کہ سات دنوں تک اس کا دماغ اتنا حساس ہو جائے گا کہ وہ کسی بھی پرائی سوچ کی لہر کو محسوس کرتے ہی بے اختیار سانس روک لیا کرے گا۔

غلام باقی ایک معمول کی حیثیت سے یقین دلا رہا تھا۔ اُس کا دماغ حساس رہے گا اور وہ کسی بھی پرائی سوچ کی لہر کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرے گا۔

پھر عامل نے اُسے حکم دیا کہ وہ صرف اپنے آقا جارج کارنیل کی آواز اور لب و لہجے کو پہچانتا رہے گا۔ اس کی سوچ کو دماغ میں آنے دے گا اور اسی کے احکامات کی تعمیل کرتا رہے گا۔

ان احکامات کے بعد عامل نے شار پر کی ہدایات کے مطابق غلام کو حکم دیا کہ آج صبح چار بجے سے وہ جو کچھ دیکھے گا، جو کچھ سُنے گا، جو کرے گا یا جو اس سے کرایا جائے گا۔ ان تمام باتوں کو تقریباً چار گھنٹے کے بعد بھول جائے گا۔

ایسے احکامات کا مقصد یہ تھا کہ غلام باقی ٹرانسفارمر مشین کو آپریٹ ضرور کرے لیکن چار گھنٹے بعد ہمیشہ کے لیے بھول جائے کہ اس نے ایسی کسی مشین کو دیکھا بھی تھا۔

تمام ہدایات دینے کے بعد غلام باقی کو تنویمی نیند سونے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ شار پر نے کہا "مسٹر فریزر! یہ رات کے دو بجے تنویمی نیند سے بیدار ہوگا۔ اسے فوراً رخصت کر دینا اور یاد رکھو مجھ سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ تمھارے دماغ میں میرے لیے تجسس پیدا ہوتا ہے۔ ایسے تجسس کو دماغ سے نکال دو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔"

"ماسٹر! انسان کے دماغ میں اچھے بُرے خیال آتے رہتے ہیں۔ وہ ان بُرے خیالات سے جنگ کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق تجسس پیدا ہوتا ہے اور میں اسے دماغ سے نکالنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں، کبھی آپ کا سراغ لگانے کی حماقت نہیں کروں گا۔ مجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔"

وہ دماغی طور پر اپنی جگہ واپس آگیا۔ آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کرلیں پھر اپنے دماغ کو ہدایات دیں کہ دو گھنٹے تک گہری نیند سوتا رہے۔ کوئی غیر معمولی بات ہو تو بیدار ہو جائے۔ اس طرح اس نے خود کو دو گھنٹے کے لیے سلا دیا۔

اگر وہ چاہتا تو مورینا کے بیڈ روم میں جانے کے بجائے اسی طرح دماغ کو ہدایات دے کر خود کو پُرسکون بنا کر آرام سے سو سکتا تھا لیکن یہ اس کی کمبختی تھی۔ آج تک اس نے کسی عورت کو لفٹ نہیں دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حسینہ اس کی زندگی میں ہلچل مچا رہی تھی۔ وہ اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سونا بھی بھول گیا تھا یوں کہنا چاہیے مورینا کو حاصل کرنے کی خواہش نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا۔

دو گھنٹے بعد اس اطمینان کے ساتھ بیدار ہوا کہ مورینا کے شب و روز جلد ہی اُس کے نام ہو جائیں گے۔ اس نے فوراً ہی عامل ڈان فریزر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ غلام باقی بیدار ہو چکا تھا اور فریزر اُسے ایک کیپسول کھلانے کے بعد دودھ کا گلاس پینے کے لیے دے رہا تھا۔ شار پر محتاط رہنا چاہتا تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا جب غلام باقی وہاں سے روانہ ہوگا تو ڈان فریزر اس کا تعاقب نہیں کرے گا۔ اس نے چپ چاپ چور خیالات پڑھنا شروع کیے، یہ یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے کسی دوست یا حمایتی کو غلام باقی کے پیچھے نہیں لگایا ہے۔ کوئی اس کی خفیہ رہائش گاہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

آدھے گھنٹے بعد غلام باقی خفیہ رہائش گاہ کے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔ شار پر نے خیال خوانی کی پرواز کی، لہجہ بدل کر اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ غلام نے یک بیک سانس روک لی۔ اس کا مطلب تھا، تنویمی عمل کامیاب رہا ہے۔

"تھوڑی دیر بعد شار پر نے اپنے لب و لہجے میں اسے مخاطب کیا، اس نے سانس نہیں روکی۔ کہنے لگا "آقا! میں آپ کی آواز پہچانتا ہوں۔"

"غلام! تھوڑی دیر بعد تم ایک عجیب و غریب مشین کو آپریٹ کرنے والے ہو، کیا آپریٹ کرنے کے چار گھنٹے بعد اُسے یاد رکھو گے؟"

"میں چار گھنٹے بعد تمام باتیں بھول جاؤں گا۔"

"میرے بیڈ روم میں آجاؤ۔"

پھر اس نے مورینا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ سو رہی تھی۔ تین بجے بیدار ہونے والی تھی اور تین بجنے والے تھے۔ اس نے اسے جگا دیا "میں شار پر بول رہا ہوں۔ تیار ہو جاؤ اور میرے بیڈ روم میں آجاؤ، بہت جلد تمھاری وہ عجیب و غریب خواہش پوری ہونے والی ہے۔"

"میں ابھی آرہی ہوں لیکن یاد رکھنا، بیڈ روم میں بلا کر دھوکا نہ دینا۔"

"یہاں غلام باقی موجود رہے گا، تمھیں مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

عورتیں کہیں جانے کے لیے تیار ہوتی ہیں تو گھنٹوں لگا دیتی ہیں۔ وہ معاملہ ایسا تھا کہ مورینا پندرہ منٹ کے اندر اس کی خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ وہاں غلام باقی بھی موجود تھا۔ شار پر نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا "تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔"

وہ آگے بڑھتا ہوا اسٹور روم کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ مورینا اور غلام باقی اس کے پیچھے آئے۔ اسٹور روم کے فرش پر ایک بڑا سا چوکور خلا نظر آرہا تھا۔ شار پر نے کہا "یہ تہ خانے میں جانے کا راستہ ہے۔ یہ راستہ کس طرح کھلتا ہے کوئی نہیں جانتا۔ تم لوگوں کے آنے سے پہلے میں نے اسے کھول رکھا تھا۔ بہر حال میرے پیچھے چلے آؤ۔"

وہ خلا کے زینے سے اُترتا ہوا ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے بعد مورینا اور غلام باقی سیڑھیاں اترتے ہوئے تہ خانے میں پہنچے وہاں دیواروں کے ساتھ طرح طرح کی مشینیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کوئی ٹیکنیکل معلومات رکھنے والا ماہر ان مشینوں کو سمجھ سکتا تھا۔ تہ خانے کے وسط میں دو بستر بچھے ہوئے تھے۔ ہر بستر کے سرہانے ایک عجیب و غریب مشین نظر آرہی تھی۔ مورینا ایک طرف کھڑی حیرانی سے تک رہی تھی۔ شار پر غلام باقی کو ان بستروں کے پاس لے جاکر مشین کو آپریٹ کرنے کے طریقے سمجھا رہا تھا۔

پھر اس نے ایک جگہ سے ڈائری اُٹھائی۔ اسے کھول کر غلام باقی کو دکھاتے ہوئے کہا "اگر تمھیں یاد نہ رہے کچھ بھول جاؤ تو اس ڈائری کو یہاں سے دیکھنا شروع کردو۔ تمھیں بھولی ہوئی تمام ہدایات یاد آتی جائیں گی۔ اس کے مطابق تم اسے بخوبی آپریٹ کر سکو گے۔"

تمام باتیں سمجھانے کے بعد اس نے کہا "مورینا! تم اس بستر پر لیٹ جاؤ۔ میں تمھارے ساتھ والے بستر پر لیٹ رہا ہوں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر کے قریب آئی۔ وہ اپنے بستر پر لیٹ گیا تھا۔ غلام باقی اس کے سر پر ایک آہنی کیپ پہنا رہا تھا۔ اس کی ہدایات کے مطابق اس کیپ کو مشین سے منسلک کر رہا تھا پھر اس نے یہی عمل مورینا کے لیٹ جانے کے بعد کیا۔ اس کے سر سے بھی ایک آہنی کیپ منسلک کردی۔ وہ دونوں آہنی کیپ مختلف تاروں کے ذریعے ایک دوسرے سے مربوط تھیں۔ غلام باقی بستروں کے درمیان کھڑا ہوا تھا اور دونوں مشینوں کو باری باری آپریٹ کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں مورینا غافل ہوگئی۔ اسے اپنا ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے یہی حال شار پر کا تھا۔ اُسے بھی اپنے وجود کا احساس نہیں تھا۔ ایسے وقت کوئی بھی مشین آپریٹ کرنے والا اس پر غالب آسکتا تھا۔ اسے ہمیشہ کے لیے نابود کر سکتا تھا لیکن ایسے ہی وقت کے لیے شار پر نے غلام باقی کو تنویمی عمل کے زیر اثر رکھ چھوڑا تھا تاکہ وہ کوئی دشمنی نہ کر سکے۔

وہ بے چارہ مشین آپریٹ کر رہا تھا۔ کہیں بھول جاتا تو ڈائری کھول کر دیکھنے لگتا تھا۔ پھر اس کے مطابق عمل کرنے لگتا تھا۔ خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کر رہا ہے کیوں کر رہا ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا اُس کا مقصد کیا ہے۔ وہ اس بات پر حیران نہیں تھا کہ اس کا آقا مشین کے ذریعے بے ہوش ہو چکا ہے۔ وہ تو حکم کا غلام تھا۔ جو کہا جا رہا تھا وہ اس پر عمل کرتا جا رہا تھا۔ مشین سے منسلک رہنے والے کمپیوٹر کے اسکرین پر دیکھتا جا رہا تھا۔ جب اسکرین نے بتایا کہ آپریشن مکمل ہو چکا ہے مشین کو بند کر دیا جائے تو اس نے تمام متعلقہ بٹنوں کو آف کر دیا۔ دونوں کے سروں سے مشین کے اس حصے کو الگ کر دیا۔ اس کے بعد اطمینان سے ایک جگہ بیٹھ کر ڈائری کھول کر پڑھنے لگا۔ اس کے مطابق کمپیوٹر کو آپریٹ کرتے ہوئے معلومات حاصل کرنے لگا۔ کمپیوٹر بتا رہا تھا کہ وہ دو گھنٹے بعد بیدار ہو جائیں گے۔

آخر دو گھنٹے گزر گئے۔ سب سے پہلے شار پر کی آنکھ کھلی‘ وہ چند لمحوں تک تہ خانے کی چھت کو تکتا رہا۔ اس نے سر گھما کر مورینا کو دیکھا‘ وہ آنکھیں کھول رہی تھی اور پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔ وہ کہاں ہے؟ کس خیال میں ہے؟ تب اسے یاد آیا کہ وہ ٹیلی پیتھی کا علم سیکھنے کے لیے ایک تہ خانے میں آئی تھی‘ ایک بستر پر لیٹ گئی تھی اور اب تک وہیں لیٹی ہوئی ہے۔

اسے شار پر کی سوچ سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”ہیلو مورینا‘ اب تم میرے جیسی ہو گئی ہو۔ خیال خوانی کے ذریعے کسی کے بھی دماغ میں پہنچ سکتی ہو۔“

مورینا نے سر گھما کر شار پر کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”ابھی میں سوچ کے ذریعے تمہارے دماغ میں تھا۔“

”کیا میں بھی تمہارے دماغ میں پہنچ سکتی ہوں؟“

”آزما کر دیکھ لو۔“

”مگر کیسے؟“

”آسان سی بات ہے۔ آنکھیں بند کرو‘ میری آواز اور لب و لہجے کو اچھی طرح سوچو‘ یہ خیال قائم کرو کہ تمہاری سوچ کی لہریں میرے دماغ تک پہنچ رہی ہیں۔“

اس نے ہدایات پر عمل کیا۔ آنکھیں بند کر کے شار پر کا تصور کیا۔ اس کی آواز اور لب و لہجے کو اچھی طرح یاد کیا۔ پھر اسے تصور میں دیکھتے دیکھتے یوں محسوس کیا جیسے اس کے اندر پہنچ گئی ہے‘ اس کے بستر پر لیٹی ہوئی ہے لیکن وہ دراصل لیٹی ہوئی نہیں تھی۔ اس کے دماغ میں تھی۔ اس کے ذریعے چھت کو تک رہی تھی حالانکہ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ پھر اس نے پوچھا ”کیا واقعی میں تمہارے دماغ میں پہنچ گئی ہوں؟“

شار پر کی سوچ سنائی دی ”ہاں۔ تم میرے دماغ میں ہو۔“

”میں کیسے یقین کروں؟“

”کیا تم خود کو میرے بستر پر محسوس نہیں کر رہی ہو؟ کیا تم اس چیز کو نہیں دیکھ رہی ہو‘ جسے میں دیکھ رہا ہوں جبکہ تمہاری آنکھیں بند ہیں۔“

”ہاں‘ ایسا ہو رہا ہے پھر بھی اور یقین کرنا چاہتی ہوں۔“

”تو پھر آنکھیں کھول دو‘ میرے دماغ میں رہ کر حکم دو۔ تم جیسا حکم دوگی۔ اسی کے مطابق میرے ہاتھ پاؤں حرکت کریں گے۔“

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ابھی تک شار پر کے دماغ میں تھی اور اسے حکم دے رہی تھی۔ ”تم اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھاؤ گے۔“

اسی لمحے اس کا دایاں ہاتھ اوپر اٹھ گیا۔ اس نے حکم دیا۔ ”تم کروٹ بدل کر میری طرف دیکھو گے۔“

اس نے کروٹ بدلی‘ اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”میں نہیں جانتا تھا تم کیا سوچ رہی ہو۔ تم نے اپنی سوچ کے ذریعے جو حکم دیا‘ میں نے اس پر عمل کیا۔“

وہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ کہہ رہی تھی ”میں بہت خوش ہوں لیکن اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔ تم خیال خوانی کرتے ہو۔ ہو سکتا ہے‘ میرے دماغ میں رہ کر تم نے میری سوچ پڑھ لی ہو۔ اس کے مطابق تم نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا ہو۔ اس کے مطابق تم نے میری طرف کروٹ بدل لی ہو۔“

”ہم تہ خانے سے باہر چلیں گے۔ پھر میں تمہارے ذریعے ہونے والی خیال خوانی کا تماشا دکھاؤں گا۔“

وہ تینوں تہ خانے سے نکل آئے۔ شار پر نے دونوں سے کہا ”ڈرائنگ روم میں میرا انتظار کرو۔ میں آ رہا ہوں۔“

وہ دونوں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد شار پر نے بہت ہی خفیہ میکینزم کے ذریعے اس تہ خانے کے راستے کو بند کر دیا۔ پھر اس نے خیال خوانی کے ذریعے غلام باقی کو حکم دیا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر سو جائے۔

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ شار پر نے کہا۔ ”تم تنویمی عمل کے مطابق صبح چار بجے کے بعد ہونے والے تمام واقعات بھول جاؤ گے۔ اس مقصد کے لیے تمہیں سو جانا چاہیے۔“

پھر اس نے ٹیلی پیتھی کی لوری سنا کر اسے سلا دیا۔ اس کے بعد ڈرائنگ روم میں آ کر بولا ”آؤ مورینا! ہم ذرا باہر چلیں۔ صبح کی تازہ ہوا کھائیں گے اور تمہاری ٹیلی پیتھی کا تماشا بھی دیکھیں گے۔“

وہ بہت خوش تھی۔ فوراً ہی اٹھ کر اس کے ہاتھ کو تھام کر بولی۔ ”میں اتنی دیر سے خیال خوانی کر رہی تھی۔“

”کیا واقعی؟“

”ہاں‘ میں تمہارے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہتی تھی۔ تم کیا کر رہے ہو۔“

”پھر تم نے کیا معلوم کیا؟“

”تم ہمیں ڈرائنگ روم میں بھیجنے کے بعد اسٹور روم میں رہ گئے تھے۔ تم نے دیوار سے لگے ہوئے ایک فین کو آن کیا۔ وہ الٹا گھوم رہا تھا۔ تم نے سوئچ آف کر دیا۔ پھر پنکھے کی جالی میں ہاتھ ڈال کر اس کے بلیڈ کے پیچھے لگے ہوئے ایک بٹن کو دبایا۔ اس کے بعد ہاتھ باہر نکال لیا۔ پھر اسے آن کیا۔ وہ پنکھا سیدھا گھومنے لگا۔ سیدھا گھومتے ہی تہ خانے کا وہ خلا خود بخود پُر ہو گیا جس سے گزر کر ہم گئے تھے اور آئے تھے۔“

شار پر چکرا کر رہ گیا۔ اپنا سر کھجاتے ہوئے اسے حیرانی سے تکنے لگا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اسے ٹیلی پیتھی سکھا چکا ہے‘ وہ یوں مطمئن ہو گیا تھا جیسے یہ علم اس کے خلاف استعمال نہیں ہوگا۔ حالانکہ مورینا نے کسی خاص مقصد کے تحت خیال خوانی نہیں کی تھی۔ وہ تو بس مشق کر رہی تھی۔ نیا کھلونا

ہاتھ آئے تو کون نہیں کھیلتا‘ وہ بھی کھیل رہی تھی۔

شار پر نے کہا۔ ”تم تو پیدا ہوتے ہی دوڑنے لگی ہو۔“

”کیا مطلب؟“

”یہ علم میرے ہی خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ کیا میرے دماغ میں اجازت لے کر نہیں آ سکتی تھیں؟“

”کیا تم اجازت لے کر آیا کرتے ہو؟“

”کیا تمہیں شبہ ہے؟“

”بیشک‘ عورت وہ چیز ہے کہ مرد اندھا ہو‘ تب بھی اسے چھو کر دیکھنا چاہتا ہے‘ آنکھیں ہوں تو چھپ چھپ کر دیکھتا ہے اور ٹیلی پیتھی کا علم جاننے والے کو تو میں پکڑ ہی نہیں سکتی۔ میں مردوں کی فطرت کو اچھی طرح جانتی ہوں‘ تم میرے دماغ میں ضرور چپ چاپ آیا کرتے ہو۔“

”تم خواہ مخواہ الزام دے رہی ہو۔“

”میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ کیا میرا ایک کام کرو گے؟“

”میں نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ اس کے بعد کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بولو اور کیا چاہتی ہو؟“

”مجھے فرہاد علی تیمور کی پوری ریکارڈڈ ہسٹری چاہیے۔ میں اسٹڈی کرنا چاہتی ہوں۔“

”اس سے کیا حاصل کرنا چاہتی ہو؟“

”معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ یہ علم کتنے ہتھکنڈوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔“

”تم وہ ہتھکنڈے سیکھنے کے بعد مجھ پر استعمال کرو گی۔“

”میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ سب سے پہلے یہ معلوم کروں گی کہ چور خیالات کس طرح پڑھے جاتے ہیں پھر میں تمہارے چور خیالات پڑھ کر تمہارے بارے میں اچھی طرح معلومات حاصل کروں گی۔ تمہیں اپنا لائف پارٹنر بنانے سے پہلے یہ ضروری ہے‘ تمہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔“

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا ”میرے ساتھ آؤ۔ فرہاد علی تیمور‘ سونیا اور رسونتی کا مکمل ریکارڈ موجود ہے‘ تم اسے پڑھ سکتی ہو۔“

وہ اس کے ساتھ بیڈ روم میں آئی۔ شار پر نے ایک الماری کھولی۔ اس میں سے تین عدد موٹی موٹی فائلیں نکالیں۔ پھر اسے دیتے ہوئے کہا ”میں ایک وارننگ دے رہا ہوں‘ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ اس میں فرہاد‘ سونیا اور رسونتی کی تصویریں ہیں۔ ان کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے دماغوں میں پہنچنے کی حماقت نہ کرنا۔ وہ پلٹ کر تمہارے دماغ میں آ جائیں گے‘ جب انہیں معلوم ہوگا کہ تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو تو تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ فوراً مار ڈالیں گے۔“

مورینا نے تمام فائلیں لیں۔ پھر جانے لگی۔ شار پر نے اس کے بازو کو تھام لیا۔ اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا ”کیا اپنا وعدہ بھول گئی ہو؟ تم نے کہا تھا‘ جو شخص تمہیں دنیا کا عجیب و غریب اور انمول تحفہ پیش کرے گا تم اسے اپنا لو گی۔ کیا میں نے شرط پوری نہیں کی ہے؟“

”میں نے اپنی شرط وضاحت سے سمجھائی تھی۔ بھول گئے ہو تو پھر بتا دوں۔ جب تک تمہاری محبت اور وفاداری پر یقین نہیں آئے گا۔ میں تمہیں ہاتھ لگانے نہیں دوں گی۔ چھوڑو میرا بازو۔“

وہ غصے سے بولا ”کیا مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔ اتنا کچھ حاصل کرنے کے بعد ایک اور شرط لگا رہی ہو۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکی تھی۔ تمہیں یاد نہ رہا۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔“

”آخر تم کب میری محبت اور وفاداری کا یقین کرو گی؟“

”ذرا صبر کر لو۔ میں اطمینان سے تمہارے دماغ کو ٹٹول کر دیکھوں گی تم صاف اور کھرے آدمی ہو تو گھبراتے کیوں ہو؟“

وہ ایک جھٹکے سے بازو چھڑا کر چلی گئی۔ شار پر اسے گھور کر دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے تلملاتے ہوئے سوچا۔ میں الّو کا پٹھا ہوں‘ دراصل میں مرد نہیں ہوں۔ مرد تو اسے کہتے ہیں جو زبردستی عورت کو دبوچ لیتا ہے‘ اسے پھڑپھڑانے کا موقع بھی نہیں دیتا۔ میں کیا کروں۔ میں نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ اس کا ہاتھ پکڑتا ہوں تو اندر ہی اندر کانپنے لگتا ہوں۔ پتا نہیں آگے کیا ہونے والا ہے‘ عورت سے زیادہ تو میں خوف کھاتا ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر۔“

وہ بستر پر گر پڑا۔ اپنے آپ پر لعنت بھیج رہا تھا اور قسم کھا رہا تھا کہ اس مغرور حسینہ میں دلچسپی نہیں لے گا۔ اسے نظر انداز کرے گا۔ اس کے پاس ٹیلی پیتھی کا ایسا علم ہے جس کے ذریعے وہ دنیا کی حسین ترین عورتوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ بیشک وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن دل میں اندیشے گھر کرتے تھے‘ کسی بھی حسین عورت سے رابطہ قائم کرے گا تو اس کے پیچھے فرہاد چھپا ہوگا۔ اس کمبخت نے تو عشق کرنے کے لیے دنیا کی حسین ترین عورتوں کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ قسمت سے مورینا ہاتھ آئی تھی‘ وہ اسے

کسی طور چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔
وہ سوچتے سوچتے مورینا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ معلوم کرنا چاہتا تھا فرہاد کے متعلق کیا کچھ پڑھتی ہے اور کیا تاثر لیتی ہے اور جس نے ٹیلی پیتھی سکھانے کا احسان کیا ہے۔ اس کے خلاف کیا سوچتی ہے اور کیا کرنا چاہتی ہے؟
اس نے پہلے فرہاد کی ہسٹری شیٹ پڑھی۔ پھر ایک ہی فقرے میں تبصرہ کر ڈالا "یہ تو نہایت ہی بے وفا آدمی ہے۔ اس سے دور رہنا چاہیے۔" سونتی کی ہسٹری شیٹ پڑھنے کے بعد تبصرہ کیا "یہ پرانے زمانے کی شوہر پرست عورت ہے۔ ایسی بے وقوف عورتیں اس دور میں جنم نہیں لیتیں۔"
اس نے رسونتی کی فائل بھی ایک طرف پٹخ دی۔ سونیا کی فائل کھول کر پڑھی، اس پر ایک طرف لکھا تھا "یہ وہ عورت ہے جو ٹیلی پیتھی نہیں جانتی لیکن ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے محتاج رہتے ہیں۔"
سونیا کے متعلق ایسے تعارفی فقرے پڑھ کر وہ آگے توجہ سے پڑھنے پر مجبور ہو گئی۔ اسے پڑھنے کے دوران تقریباً ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے۔ شارپر کو ہمارے معاملات میں مصروف رہنا پڑتا تھا۔ اس لیے وہ مسلسل اس کے دماغ میں نہ رہ سکا۔ ہمارے معاملات میں اُلجھ کر رہ گیا۔ وہ معلوم نہ کر سکا کہ مورینا کس طرح سونیا کی ہسٹری شیٹ پڑھتی جا رہی ہے اس سے متاثر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے ہتھکنڈوں کو، اس کی مکاریوں کو بہت گہرائی سے سوچتی اور سمجھتی جا رہی ہے۔ آخر عورت تھی، مرد پر اعتماد نہ ہو تو عورت سب سے پہلے مکاریوں کا سبق سیکھتی ہے۔
تقریباً چھ گھنٹے بعد شارپر کو اتنا وقت ملا کہ وہ مورینا کے دماغ میں جھانک کر دیکھ سکے۔ جب اس نے خیال خوانی کی لہر کو اس کے دماغ تک پہنچایا تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ پوچھنے لگی "کون ہے؟"
اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے ان تینوں کی ہسٹری شیٹ پڑھنے کے بعد اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سونا سیکھ لیا ہے۔ شارپر نے پوچھا "کیا تم نے سونے سے پہلے اپنے دماغ کو ہدایت دی تھی؟"
"ہاں، اپنے دماغ سے کہا تھا کوئی غیر معمولی بات ہو۔ کوئی میرے کمرے میں یا میرے دماغ میں آئے تو آنکھ کھل جائے لہٰذا آنکھ کھل گئی ہے۔ میں نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ اب میں پھر دماغ کو ہدایات دے کر سو رہی ہوں۔ مجھے اُمید ہے، تم ڈسٹرب نہیں کرو گے۔ پلیز گو اَوے۔"
وہ واپس آ گیا مگر اندر ہی اندر تلملانے لگا۔ اس نے بڑا زبردست علم اس کے دماغ میں بھر دیا تھا مگر اس کے دل میں اپنی محبت نہیں بھر سکا تھا۔ وہ اس کی طرف مائل نہیں ہو رہی تھی۔ اسے طرح طرح سے ٹرخا رہی تھی۔ آخر اس نے سوچا۔ اس طرح جھنجلانا سراسر حماقت ہے۔ وہ بیدار ہو گی۔ چلتی پھرتی، کھاتی پیتی، ہنستی بولتی رہے گی تو اس دوران اس کے چور خیالات پڑھے گا۔
مورینا کا معاملہ کچھ اور ہو گیا تھا۔ سونیا کی ہسٹری شیٹ پڑھنے کے دوران اس نے بہت ہی اہم باتیں نوٹ کی تھیں۔ مثلاً سونیا کہتی تھی۔
"عورت کو اپنے مرد کی چھوٹی سے چھوٹی بات پر توجہ دے کر غور کرنا چاہیے کہ مرد نے ایسا کیا ہے تو کیوں کیا ہے؟ اگر سوتے سوتے بائیں کروٹ سے دائیں کروٹ بدلتا ہے۔ اگر کسی خواب نے اس کو کروٹ بدلنے پر مجبور کیا ہے تو وہ کیا خواب دیکھ رہا تھا؟ عورت اتنی گہرائی تک سوچے اور اپنے مرد کو پڑھنا شروع کرے تو اس کے خواب میں آنے والی عورت تک پہنچ سکتی ہے۔
اگر عورت ایسے پہلوؤں پر بھی نظر رکھے جو مرد کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں یا مرد خوش فہمی میں سوچتا ہے کہ عورت نادان ہے، وہ اس حد تک نہیں سوچ سکتی تو وہ ان پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے اسے پوری طرح سمجھ سکتی ہے۔
سونیا کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ناممکن راستے استعمال کرتی ہے اور ناممکن طریقوں پر عمل کرتی ہے۔ ناممکن باتوں پر کوئی یقین نہیں کرتا اور جب وہ اپنے عمل سے یقین دلا دیتی ہے تو دشمن حیران و پریشان رہ جاتے ہیں۔
سونیا کہتی ہے، دشمن یا دوست اپنی طرف آنے کا راستہ بند کر دے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اور راستہ نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا تو اس کا مطلب ہے، آنکھیں کمزور ہیں، دماغ کمزور ہے، اپنی صلاحیتیں کمزور ہیں ورنہ دوسرا خفیہ راستہ ضرور موجود رہتا ہے۔
مورینا اس حد تک پڑھنے کے دوران سوچنے لگی: میں نے شارپر کو دماغ میں آنے سے روک دیا۔ اپنے دماغ کو ہدایت دی اور سو گئی تھی۔ وہ میرے چور خیالات نہیں پڑھ سکا۔ اگر میں اس کی نیند کے دوران چور خیالات پڑھنا چاہوں گی تو وہ بیدار ہو جائے گا۔ یقیناً وہ اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سوتا ہو گا۔ لہٰذا اس طرح دماغ تک پہنچنے اور چور خیالات پڑھنے کا راستہ ختم ہو چکا ہے۔ کیا اور کوئی راستہ نہیں ہو سکتا؟
ایسے میں سونیا کی یہ بات دماغ میں گونج رہی تھی، دوسرا راستہ یقیناً موجود رہتا ہے جو نظر نہیں آتا جو عورت تھک ہار کر نہیں بیٹھ جاتی اور اپنی کوششیں جاری رکھتی ہے، وہ یقیناً کامیاب ہوتی ہے، اسے دوسرا راستہ ضرور ملتا ہے۔
مورینا دوسرے راستے کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ سونیا کی ہسٹری شیٹ چھوڑ کر اُٹھ گئی۔ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے شارپر کے ساتھ تھی۔ اسے اب تک جس انداز میں دیکھتی اور سمجھتی آئی تھی، ان پر غور کر رہی تھی۔
اچانک انکشاف ہوا کہ دوسرا راستہ مل سکتا ہے۔ واقعی ذہانت کو استعمال کرنے کی مشق کی جائے تو کامیابی ہوتی۔ وہ وقت کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد پتا چلا، شارپر دوسرے مسائل میں گھرا ہوا ہے اور خیال خوانی میں مصروف ہے۔ ایسے ہی وقت وہ اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔

یہ نیند کا معاملہ نہیں تھا، وہ اپنے مسائل میں اُلجھا ہوا تھا۔ ایسے وقت وہ کبھی سمجھ نہ سکتا کہ مورینا اتنی چالاکی سے چپ چاپ خیال خوانی کر رہی ہے اور اس کے چور خیالات پڑھ رہی ہے۔
اسے شارپر کے متعلق کتنی ہی ڈھکی چھپی باتوں کا علم ہونے لگا۔ پہلی بات تو یہ کہ اس نے عورتوں کی دنیا میں زندگی نہیں گزاری تھی۔ اس کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آج ایک کا دیوانہ ہوا ہے، کل کسی دوسری کا نہیں ہو گا۔
مورینا نے سوچا۔ شیر کے منہ کو انسان کا خون لگ جائے تو وہ انسان کو ہی شکار کرتا ہے۔ یہی حال مرد کا ہے۔ ایک بار عورت کی طرف مائل ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ اس کا دیوانہ تھا اور اسی کا ہو کر رہنا چاہتا تھا۔ آئندہ کی باتیں ٹیلی پیتھی کا علم بھی نہیں بتا سکتا۔ کسی وقت بھی انسان کا مزاج بدل جاتا ہے، وہ بدلے ہوئے مزاج کے مطابق کل جو سوچ رہا تھا۔ اس کے خلاف سوچنے اور عمل کرنے لگتا ہے۔
فی الحال اس نے سوچ لیا کہ شارپر کو اپنا لائف پارٹنر بنائے گی۔ وہ دغا کرے گا تو یہ بھی کرے گی۔ اس کے علاوہ جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں، وہ نہایت دلچسپ تھیں۔ چونکہ وہ خود ٹیلی پیتھی کی دنیا میں داخل ہو چکی تھی۔ اس لیے شارپر کے دوسرے معاملات سے زیادہ دلچسپی لینے اور معلومات حاصل کرنے لگی۔ سب سے پہلے اس مشین کی اہمیت معلوم ہوئی۔ وہ ٹرانسفارمر مشین ساری دنیا کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں اسے حاصل کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہی تھیں اور اپنے اپنے ذرائع استعمال کر رہی تھیں۔ اس نے سوچا، یہ بڑی حیرانی کی بات ہے اور یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ دنیا جس مشین کے پیچھے پڑی ہے، وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ہے، اسے حاصل کرنے میں کتنی دیر لگے گی؟ اسے حاصل کرنے میں کس چیز کی ضرورت ہے؟
اس کے دماغ نے جواب دیا "بقول سونیا صرف مکارانہ ذہانت کی ضرورت ہے۔"
اس کے اندر طرح طرح کے خیالات پکنے لگے۔ پہلا خیال یہی آتا تھا کہ اس کا جیون ساتھی اس کی ہر بات مانتا رہے۔ اس سے کبھی دغا نہ کرے۔ اس سلسلے میں ایک بات سمجھ میں آئی۔ اگر کوئی انتہائی قسم کا زن مرید ہو، اپنی گھر والی کی ہر جائز اور ناجائز بات مان لیتا ہو تو اسے وہاں لا کر ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے اس کی زن مریدی کے تمام جراثیم شارپر کے دماغ میں منتقل کر دیے جائیں۔ اگر وہ اس بات پر آمادہ ہو گا تو وہ شادی کرے گی ورنہ انکار کر دے گی۔
اسے یہ آئیڈیا بہت پسند آ رہا تھا۔ اسے فرماں بردار شوہر بنانے کے بعد ٹرانسفارمر مشین کو چرانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ اس کی ہر چیز پر قبضہ جما سکتی تھی۔ اس مشین کو جس طرح استعمال کرنا چاہتی کر سکتی تھی۔
مشین کے سلسلے میں سب سے پہلے اپنی چھوٹی بہن تنانہ کا خیال آیا۔ وہ دو برس چھوٹی تھی۔ اولمپک کے مقابلے میں حصہ لینے کے لیے پچھلے دو برس سے جمناسٹک کی تربیت حاصل کر رہی تھی چونکہ جمناسٹک کی مشقیں کرتی تھی۔ اس لیے اپنی بہن مورینا سے زیادہ پُرکشش جسم رکھتی تھی۔ پہلے مورینا نے سوچا تھا آئندہ سال اسے مقابلہ حسن میں پیش کرے گی اور اپنی بہن کو بھی مس امریکا بنائے گی لیکن ٹیلی پیتھی سیکھتے ہی یہ خیال دل سے نکال دیا۔ مقابلہ حسن میں شریک ہونا اور مس امریکا کہلانا اب ایک سستی سی شہرت لگتی تھی۔ خیال خوانی کے ذریعے تو اسے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجتی ہوئی شہرت حاصل ہونے والی تھی۔
مورینا سوچتی تھی، میں ذرا چالاک ہوں، مردوں کے ہتھکنڈوں سے بچنا جانتی ہوں۔ پتا نہیں، میری بہن کس حد تک اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ اگر میں اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی منتقل کر دوں تو کوئی شخص اس کی مرضی کے خلاف اسے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ میری تنانہ ٹیلی پیتھی کے فولادی قلعے میں محفوظ رہا کرے گی۔
وہ اپنے خیالات سے چونک گئی۔ شارپر اس کے دماغ میں آ کر پوچھ رہا تھا "یہ تم کیسی کیسی باتیں سوچ رہی ہو؟"
وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ شارپر کے خیالات پڑھتے پڑھتے اپنے خیالوں میں کھو گئی تھی۔ اسے پتا نہ چلا کہ وہ کب اپنی اُلجھنوں سے نکل کر اس کے دماغ میں آ گیا تھا اور جانے کب سے اس کی سوچیں پڑھ رہا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا "تم اجازت کے بغیر میرے دماغ میں کیوں آئے ہو؟"
"میں اجازت لینے آیا تھا لیکن تم مجھے زن مرید بنانے کے متعلق سوچنے لگیں تو میں ٹھٹک کر تمہارے دماغ میں رہ گیا۔ اجازت لینا بھول گیا اور وہ سارے خیالات پڑھنے لگا جو میرے خلاف تمہارے دماغ میں پرورش پا رہے ہیں۔"
"میں تمہارے خلاف نہیں سوچ رہی ہوں۔ اپنا تحفظ چاہتی ہوں۔"
"اس کے لیے فرماں بردار شوہر بنا کر رکھنا کیا ضروری ہے؟"
"مجھے ایسا جیون ساتھی پسند نہیں ہے جس کی لگام میرے ہاتھ میں نہ ہو۔"
"مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ تمہارے دماغ میں ٹیلی پیتھی منتقل کرنے سے پہلے تمہارے چور خیالات کو اچھی طرح پڑھنا چاہیے تھا مگر میں حسن و شباب کے جلووں میں گم ہو کر رہ گیا، دوسرے لفظوں میں اُلّو بن کر رہ گیا۔"
"کیا میں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے؟"
"کیا تم ٹرانسفارمر مشین کو چرانے کے متعلق پلاننگ نہیں کر رہی ہو؟"
"میں نے چرانے کے متعلق سوچا ہے، کوئی پلاننگ نہیں کی ہے۔

جب تم اس حد تک میرے خیالات پڑھ چکے ہو تو دانشمندی کیا ہے؟"

"اب تو دانشمندی عورت کا ہی حصہ رہ گئی ہے۔"

"تم مجھ سے بھرپور تعاون کرو گے تو مشین چرانے کا خیال دماغ میں کبھی نہیں آئے گا۔"

"میں نے کب تعاون سے انکار کیا ہے؟"

"پھر ایسا آدمی تلاش کرو، جو بے انتہا زن مرید ہو۔"

وہ گڑبڑا کر بولا۔ "کیا مطلب ہے کیا تم سمجھتی ہو میں تمھاری یہ شرط منظور کر لوں گا؟ کیا میں کسی زن مرید کے جراثیم اپنے اندر منتقل کر لوں گا؟ ہرگز نہیں، اب میں تمھارے حسن و شباب سے نہیں للچاؤں گا۔ تمھارے فریب میں نہیں آؤں گا۔"

وہ آہستگی سے اُٹھ گئی۔ پھر لباس کو اتارتے ہوئے سوچنے لگی۔ "میں نائٹی پہنوں گی۔ تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤں گی۔ بہت تھک گئی ہوں۔"

شار پر اس کے دماغ میں تھا، سوچ رہا تھا، واپس آ جائے گا لیکن واپس نہیں آ رہا تھا۔ اس کی سوچ کی لہروں کو جیسے مقناطیس نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ سینے کے اندر دل کی دھڑکنیں پاگل ہو رہی تھیں۔ وہ خیال خوانی کرتے کرتے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تھا۔ یوں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے کی طرف جا رہا تھا، جیسے خواب میں چل رہا ہو۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا، وہ اندر آ گیا۔

وہ اپنے بستر پر یوں چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی، جیسے ایک سدا بہار پھول اپنی شاخ سے بچھڑ کر بھٹکتا بھٹکتا ہوا ملائم سیج پر پہنچ گیا ہو اور اس پھول کی پنکھڑیاں اِدھر اُدھر بکھر رہی ہوں اور کسی کو سمیٹنے کے لیے پکار رہی ہوں۔

شار پر کی طبیعت کو سمجھنے کے لیے اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہو گا کہ ان حالات میں کفر کھینچتا ہے اور ایمان روکتا ہے اور کفر میں کافر جوانی شامل ہو تو ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔ ہماری دنیا میں ایمان کے ہاتھوں سنبھلنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ بہکنے والوں کی تعداد میں شار پر بھی شامل تھا۔ ان لمحات میں وہ خیال خوانی بھول گیا تھا۔ اگر چاہتا تو مورینا کے چور خیالات پڑھ کر سمجھ لیتا کہ وہ کس انداز میں اسے ٹریپ کرنے والی ہے۔ وہ یہ دیکھ کر مطمئن تھا کہ جب کوئی کتاب کھلی ہو تو اسے چھپ کر چوری سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مرد ہمیشہ عاشقانہ منطق سے مار کھاتا ہے۔

مورینا نے ایک بھرپور انگڑائی لی۔ پھر اسے دیکھتے ہی انگڑائی ادھوری چھوڑ دی۔ غصے سے بولی "کیوں آئے ہو؟ ابھی تم نے دعویٰ کیا تھا، میری ذات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تم میرے حسن و شباب سے نہیں للچاؤ گے۔ پھر کس لیے آئے ہو؟"

"میری آمد سے سمجھ لو میں تمھیں کس قدر چاہتا ہوں۔ تمھارا دیوانہ ہوں۔ وہ تو میں نے غصے سے کہا تھا۔ اب کان پکڑتا ہوں، آئندہ نہیں کہوں گا۔"

وہ کان پکڑتے ہوئے آگے بڑھ کر بستر کے سرے تک پہنچا، پھر ایک ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ مورینا نے اعتراض نہیں کیا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گورے گورے ملائم ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی "اب جاؤ یہاں سے۔"

"کیوں میرے صبر کو آزماتی ہو؟"

"میری تمنا کیوں کرتے ہو؟ بغاوت کرو، میرے خلاف کوئی قدم اُٹھا کر دیکھو۔"

"میں ایسا نہیں چاہتا۔"

"پھر میں جیسا چاہتی ہوں، ویسا کرو۔"

اس نے سر سے پاؤں تک بستر پر بکھری ہوئی مورینا کو دیکھا۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں ایسا شخص تلاش کروں گا، جو زن مرید ہو۔ تم مجھے جو چاہو وہ بنا لینا مگر ابھی الو نہ بناؤ۔"

اس نے مسکرا کر دیکھا، پھر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ خود کو پیش کرنے لگی۔ اس نے ہاتھ تھام کر کچھ کہنا چاہا، اس نے پھر ہاتھ چھڑا لیا۔ کہنے لگی "تم بری طرح کانپ رہے ہو۔"

وہ ہکلاتے ہوئے بولا "تم... میں نے آج سے پہلے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں پکڑا۔"

"ہاتھ پکڑنے کے لیے مردانگی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لیے اچھا کھانا پینا چاہیے۔ جاؤ، فریج میں جوس رکھا ہے، نکال کر پی لو پھر میرے پاس آؤ۔"

اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اندر تراوٹ چاہتا تھا لہٰذا فریج کے پاس آیا۔ اسے کھول کر دیکھا۔ وہاں کھانے پینے کا کافی سامان موجود تھا۔ ایک گلاس میں جوس رکھا ہوا تھا۔ اس نے اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ وہ ایسے وقت میں اپنی خیال خوانی کے ذریعے مورینا کی سازش کو سمجھ سکتا تھا لیکن وہ بھی بلا کی چالاک تھی۔ اس دوران کبھی سرد آہیں بھر رہی تھی، کبھی انگڑائیاں لے رہی تھی، کچھ ایسی بات کہہ جاتی تھی کہ شار پر کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی جوس کو حلق سے اتارا، گلاس کو رکھا۔ پھر اس کے پاس آ گیا۔

وہ کروٹ بدل کر بستر کے دوسرے سرے پر گئی۔ وہاں سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ شار پر نے پوچھا "کیا ہوا؟"

اس نے ریکارڈر کو آن کر دیا۔ موسیقی ابھرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سُر تال پر تھرکنے لگی۔ شار پر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا، ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا "آ جاؤ۔ پلیز میرے پاس آ جاؤ۔"

وہ رقص کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "نہیں، تم میرے پاس آؤ۔ پہلے ہم رقص کریں گے۔"

وہ بے لبسی سے اُٹھ کر پاس آگیا۔ وہ بڑی بے دلی سے ڈانس کرنے آیا تھا لیکن قربت حاصل ہوتے ہی رقص کرنے میں بھی لطف آنے لگا۔

صرف پانچ منٹ کے بعد ہی ایسے محسوس ہوا جیسے پاؤں کانپ رہے ہیں۔ وہ مورینا کے ساتھ زیادہ دیر رقص نہیں کر سکے گا۔ وہ بولی۔ "کیا بات ہے، تم پھر کانپنے لگے ہو؟"

"پتا نہیں کیوں تھکن سی لگ رہی ہے۔"

"آؤ بستر پر آرام سے لیٹ جاؤ۔"

وہ اس کے ساتھ بستر تک آئی۔ شارپر نے آرام سے لیٹتے ہوئے کہا "تم اُدھر کیوں کھڑی ہو؟"

"پہلے تمھیں آرام آجائے پھر آؤں گی۔"

وہ اپنے سر کو تھام کر بولا "پتا نہیں، مجھے کیا ہو رہا ہے۔"

"ایک عورت پہلی بار تمھاری زندگی میں آئی ہے اس لیے ذرا نروس ہو۔ ابھی ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا "میں اعصابی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔"

"آنکھیں بند رکھو آرام آجائے گا۔"

اس کی آنکھیں بند تھیں۔ مورینا پاس کھڑی تک رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ پھر کمرے سے نکل کر اسے باہر سے بند کر دیا۔ اس نے اگلا قدم اٹھانے سے پہلے خیال خوانی کی پرواز کی، غلام باقی کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ وہاں چند ساعتوں کے لیے جگہ ملی پھر غلام باقی نے سانس روک لی۔ اس کی سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔

وہ پہلے ہی شارپر کے چور خیالات پڑھ چکی تھی۔ اس نے ایک تنویمی عمل کرنے والے کے ذریعے غلام باقی کے دماغ کو لاک کر دیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے شارپر کے بیڈ روم میں آئی۔ پھر اسٹور روم میں پہنچ کر اس نے دیوار سے لگے ہوئے پنکھے کو اُلٹی طرف چلایا۔ وہ تہ خانے کا خلا نمودار ہونے لگا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پچھلی صبح پہلی بار اس کی زندگی میں ایک عجیب و غریب اور اہم واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں منتقل ہو گئی تھیں۔ آج وہ دوسرا بڑا کارنامہ انجام دینے جا رہی تھی۔ اس کے اندر چھپی چھپی سی گھبراہٹ تھی۔ شاید اسے ناکامی کا خوف تھا۔ جب خوف محسوس ہونے لگا تو وہ تہ خانے میں نہیں گئی۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ شارپر اسی طرح آنکھیں بند کیے چپ چاپ پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک ذرا خیال خوانی کے ذریعے معلوم کیا وہ اپنے آپ سے غافل ہو چکا تھا۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ایک طرف گئی۔ وہاں فرہاد، سونتی اور سونیا کی فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے سونیا کی فائل کو کھول کر اس کی ایک تصویر نکالی۔ اسے خوب غور سے دیکھنے لگی۔ پھر اسے لے کر دوڑتی ہوئی شارپر کے بیڈ روم میں آئی، وہاں سے اسٹور روم میں پہنچی پھر خلا کے زینے پر قدم رکھتے ہوئے سونیا کی تصویر کو دیکھا۔ اسے دیکھ دیکھ کر حوصلہ ہو رہا تھا۔ اندر چھپی چھپی سی گھبراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ وہ عزم کر رہی تھی۔ سونیا بھی عورت ہے۔ میں بھی عورت ہوں۔ جب یہ اپنی مکارانہ ذہانت سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتی ہے تو میں ایسا کیوں نہیں کر سکتی۔ ایسا ضرور کروں گی۔ میں اس کی تصویر دیکھتی جاؤں گی اور حوصلہ پاتی جاؤں گی۔

وہ زینے سے اترتے ہوئے تہ خانے میں پہنچ گئی۔ وہاں دو بستر نظر آ رہے تھے۔ بستروں کے سرہانے وہی عجیب و غریب ٹرانسفارمر مشین رکھی ہوئی تھی۔ وہ ایک مشین کے قریب آئی۔ کمپیوٹر اسکرین کے سامنے ایک ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ شارپر نے غلام باقی کو سمجھایا تھا کہ جب وہ مشین کو آپریٹ کرنے کے دوران کوئی بات بھول جائے تو اس ڈائری کے ذریعے معلوم کر سکتا ہے۔

وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ڈائری کھول کر بڑے اطمینان سے پڑھنے لگی۔ اس کی ایک ایک تفصیل کو نہایت توجہ سے سمجھنے لگی۔ جب کوئی بات سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو اسے بار بار پڑھتی تھی اور بار بار سونیا کی تصویر کو دیکھتی جاتی تھی۔ اتنی توجہ اور اتنے عزم سے پڑھنے کے باعث ایک گھنٹا صرف ہوا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ ہر بات اچھی طرح سمجھ گئی ہے تو وہ ٹرانسفارمر مشین کے پاس آئی۔ اس کے ایک ایک کل پرزے کو دیکھ کر یاد کرنے لگی کہ اس نے ڈائری میں کیا پڑھا ہے اور جو پڑھا ہے اس کے مطابق ان کل پرزوں کو کس طرح کس ترتیب سے استعمال کر سکتی ہے۔ وہ لکھی ہوئی ہدایات کے مطابق پوری طرح اس مشین کے استعمال کو سمجھ گئی تو اطمینان سے ڈائری کو بند کر دیا۔ سونیا کی تصویر اٹھائی۔ پھر تہ خانے سے باہر آگئی۔

شارپر نے غلام باقی کو تھوڑی دیر سونے کے لیے کہا تھا۔ اب وہ نیند سے بیدار ہو گیا تھا۔ بستر سے اٹھ کر اپنے مالک کے پاس جانا چاہتا تھا۔ مورینا کو دیکھ کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ وہ ریشم کی نائٹی میں ایک قیامت لگ رہی تھی جسے دیکھ کر دل بھی دھڑکتا ہے اور خوف بھی آتا ہے۔ اگر کسی ڈراؤنی فلم میں کوئی حسینہ روپ بدلتی ہو تو اس سے ڈر بھی لگتا ہے اور اسے آخر تک دیکھنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ شاید وہ بلا نہیں ہو۔ بھلا کرنے آئی ہو۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی "تم نہیں جانتے کہ ایک ہفتے تک تنویمی عمل کے زیر اثر رہو گے۔"

وہ سحر زدہ سا ہو کر بولا "میری مالکہ! میں نہیں جانتا آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"تم تنویمی عمل کے سلسلے میں کوئی بات سمجھ بھی نہیں سکو گے۔"

پھر وہ دل ہی دل میں بولی "یہ عمل کرنے والے نہیں جانتے، عورت کے آگے دنیا کے تمام خطرناک علوم اپنا اثر کھو دیتے ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ غلام باقی کا سیاہ بدن بلب کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس کے شانے چوڑے اور سینہ چٹان تھا۔ بازوؤں کی مچھلیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ کلائی اتنی پھیلی ہوئی اور مضبوط دکھائی دے رہی تھی، جیسے فولاد سے تراشی گئی ہو۔ ہاتھ کے پنجے بھی شکنجے دکھائی دیتے تھے۔ مورینا نے اسے ایک انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ گوشت پوست کا تھا مگر پتھر لگ رہا تھا۔

وہ پریشان ہو کر بولا "مالکہ! آپ کیا چاہتی ہیں۔ میرے مالک نے حکم دیا ہے۔ میں آپ سے دور رہا کروں۔"

"بیشک میں بھی دور رہوں گی۔ کیا تمھیں پتا ہے تمھارے مالک مسٹر کارنیل بیمار ہیں اور بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا "مجھے فوراً کسی ڈاکٹر کو طلب کرنا چاہیے۔"

وہ جانا چاہتا تھا۔ مورینا نے کہا "رک جاؤ، جب ان کی طبیعت بگڑ رہی تھی اور وہ بے ہوش ہونے والے تھے تو مجھ سے کہا تھا کسی ڈاکٹر کو نہ بلایا جائے۔ یہ خفیہ رہائش گاہ ہے۔ یہاں کوئی نہیں آسکتا۔"

غلام باقی اس بات سے قائل ہو گیا۔ وہ بولی "تمھارے آقا نے مجھے ہدایت کی تھی، وہ بے ہوش ہو جائیں تو انھیں اس رہائش گاہ کے تہ خانے میں لے جایا جائے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "تہ خانہ؟"

"تم ایک بار وہاں جا چکے ہو لیکن تنویمی عمل کے ذریعے بھول چکے ہو۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے، تہ خانے میں جو مشینیں ہیں انھیں کس طرح استعمال کیا جائے اور کس طرح تم ان کے کام آسکتے ہو۔"

"میں اپنے آقا کے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"جان کی نہیں، خون کی ضرورت ہے۔"

"میں اپنے بدن کا سارا خون نچوڑ کر آقا کو دے دوں گا۔"

"میرے بیڈ روم میں جاؤ اور انھیں اٹھا کر ان کے بیڈ روم میں لے آؤ۔"

وہ چلا گیا۔ چند سیکنڈ کے اندر ہی اپنے آقا کو دونوں بازوؤں میں اُٹھا کر اس کے بیڈ روم میں آیا۔ وہ اسٹور روم سے جانے والا خفیہ راستہ کھل چکا تھا۔ مورینا نے کہا "میرے پیچھے چلے آؤ۔"

وہ پیچھے چلتا ہوا اسٹور روم کے خلا میں داخل ہوا۔ پھر زینے سے اترتا ہوا تہ خانے میں پہنچ گیا۔ مورینا نے ایک بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہاں لٹا دو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی پھر وہ بولی "تم دوسرے بستر پر لیٹ جاؤ۔"

وہ چاروں طرف گھوم کر حیرانی سے مشینوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "میں آقا کے ساتھ برسوں سے ہوں مگر کبھی اس تہ خانے کو دیکھ نہیں پایا۔"

"تمھارا آقا مجھے بھی نہ بتاتا لیکن اپنی بیماری کے باعث مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ فوراً طبی امداد پہنچائی جائے۔ لہٰذا اب کوئی سوال نہ کرو، فوراً لیٹ جاؤ۔"

اس نے لیٹتے ہوئے سوال کیا "یہاں خون ٹرانسفر کرنے کے آلات نظر نہیں آرہے ہیں۔"

"تمھیں کوئی شبہ ہے تو یہاں آکر کمپیوٹر اسکرین پر دیکھو اور اپنا شبہ دور کر لو لیکن اس طرح تم اپنے مالک کی جان کے دشمن بن رہے ہو۔"

"سوری میری مالکہ! اب میں سوال نہیں کروں گا۔"

مورینا نے دونوں کے سروں پر باری باری وہ آہنی کیپ پہنائی۔ اس کے بعد مشین کو آپریٹ کرنے لگی۔ پہلے ہی مرحلے میں غلام باقی اپنے آپ سے غافل ہو گیا۔ کمپیوٹر اسکرین بتا رہا تھا۔ شارپر پہلے ہی خود سے غافل ہے، اسے اس مرحلے سے گزارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ بڑے اعتماد سے ٹرانسفارمر مشین کو آپریٹ کرتی جا رہی تھی۔ کہیں بھول جاتی تو ڈائری کو پڑھنے لگتی تھی۔ اس آپریشن میں غلام باقی عامل تھا اور شارپر معمول۔ غلام باقی کے باپ دادا برسوں سے انگریزوں کی غلامی کرتے آرہے تھے اور یہی غلامی احمد الباقی کو ورثے میں ملی تھی۔ صدیوں سے پرورش پانے والے غلامی کے یہ جراثیم غلام باقی کے دماغ

سے شارپر کے دماغ میں منتقل ہو رہے تھے۔

نتیجہ صاف ظاہر ہے۔اس آپریشن کے بعد جب شارپر کی آنکھ کھلتی تو وہ مورینا کے آگے ادب سے سر جھکا کر پوچھتا۔"کیا حکم ہے میری مالکہ؟"

اسے کہتے ہیں مکارانہ ذہانت۔مورینا کی ہسٹری پڑھنے والی عورتیں بڑی حسرت سے سوچیں گی۔کاش! ایسا کوئی نسخہ ان کے ہاتھ بھی آجاتا۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔رسونتی نے مجھے مخاطب کیا۔"یہ تم کس عورت کی ہسٹری معلوم کر رہے ہو؟"

"یہ ایک نیا انکشاف ہے۔مورینا نامی ایک لڑکی نے ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ کیا وہ ٹرانسفارمر مشین کہیں مکمل موجود ہے؟"

"ہاں! اسی لیے ایک اور ٹیلی پیتھی جاننے والی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ مشین مورینا اور شارپر کے ہاتھوں میں رہے گی تو برساتی مینڈکوں کی طرح ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔"

"یہ تو بڑی تشویش کی بات ہے۔"

"بہرحال! ہم دیکھیں گے کہ وہ مشین کس طرح ہمارے ہاتھ لگتی ہے۔ تم بتاؤ کس کام سے آئی ہو؟"

"تم سے لڑنے آئی ہوں۔خیال خوانی کے ذریعے جہاں پہنچتے ہو، وہیں کے ہو کر رہ جاتے ہو۔کیا اتنی دیر سے تم نے اپنے بیٹے کی خبر لی؟"

"جب تم اس کے دماغ میں موجود ہو تو مجھے کس بات کی فکر ہے۔ اگر کوئی فکر یا پریشانی ہوگی تو یقیناً تم مجھے بیٹے کے پاس بلاؤ گی۔ میں تمہاری وجہ سے مطمئن ہو کر مورینا کے دماغ کو پڑھتا جا رہا ہوں تاکہ وہ مشین جلد سے جلد ہمارے ہاتھ لگ جائے۔"

"میں مانتی ہوں۔وہ ٹرانسفارمر مشین بہت اہم ہے لیکن ہماری اولاد سے زیادہ اہم نہیں ہو سکتی۔"

"اپنی اولاد کی سلامتی کے لیے اس مشین کو پہلے اہمیت دینا ہوگی۔ بہرحال! میں تمہارے ساتھ پارس کے دماغ میں چلتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے تم اعلیٰ بی بی کے پاس جاؤ۔میں پارس کے پاس رہوں گی اور تمہارا انتظار کروں گی۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کو مخاطب کیا۔اس نے کہا۔"فرہاد! تم رسونتی کو شکایت کا موقع دیتے رہتے ہو۔کم از کم ایک ماں کے اطمینان کے لیے اس کی اولاد کے پاس آتے جاتے رہنا چاہیے۔"

"تم بھی جذباتی باتیں کر رہی ہو جبکہ ہمارے سامنے بڑے ہی ٹھوس مادی مسائل ہوتے ہیں جن سے نمٹے بغیر نہ تو اپنا تحفظ کر سکتے ہیں نہ ہی اپنی اولاد کا۔"

میں نے مختصر طور پر اسے مورینا کے بارے میں بتایا۔اس نے بھی حیرانی اور پریشانی سے کہا۔"یہ بات واقعی تشویشناک ہے۔اس طرح تو ٹیلی پیتھی جاننے والے ہر روز پیدا ہوتے رہیں گے۔وہ ٹرانسفارمر مشین بندروں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔مجھے افسوس ہے کہ میں نے رسونتی کی طرف سے کچھ جذباتی باتیں کہہ دیں۔تمہیں اس مشین کے حصول کے سلسلے میں بھرپور کوشش کرنا چاہیے۔اگر دن رات شارپر اور مورینا کے پیچھے لگ جاؤ تو اس کا حصول ناممکن نہیں ہوگا، دشوار ضرور ہوگا۔اس کے لیے میں، سونیا، رسونتی، شیبا سب اپنے اپنے موجودہ مسائل کو وقتی طور پر بالائے طاق رکھ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"پہلے پارس کے سلسلے میں بتاؤ۔تم نے یہاں آکر اب تک کیا کیا ہے؟"

"میں ابھی پارس کے سلسلے میں باتیں کروں گی۔جب مشین کا ذکر چھڑ گیا ہے تو ہمیں اس کے حصول کے لیے ابھی سے ابتدائی کارروائی شروع کر دینا چاہیے۔"

"ہو سکتا ہے تم کوئی لمبی بحث شروع کر دو۔رسونتی میرا انتظار کر رہی ہے۔ٹھہرو! میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔"

میں نے اسے مخاطب کیا۔وہ اپنے بیٹے کے پاس تھی۔میں نے کہا۔"تھوڑی دیر کے لیے اعلیٰ بی بی کے پاس آؤ۔ہم کچھ ضروری باتیں کر رہے ہیں۔"

وہ میرے ساتھ چلی آئی۔اعلیٰ بی بی نے کہا۔"رسونتی! پارس کی فکر نہ کرو، وہ ابھی محفوظ ہے۔ہمیں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ پہلے کون سا کام ضروری ہے؟ میں اس سلسلے میں جو سوچ رہی ہوں جو کرنا چاہتی ہوں، وہ بتاؤں گی لیکن پہلے ہم مشین کے بارے میں باتیں کریں گے۔"

ہم خاموشی سے سن رہے تھے۔اس نے کہا۔"فرہاد کو معلوم ہو چکا ہے کہ شکاگو میں شارپر کی وہ خفیہ رہائش گاہ کہاں ہے۔وہاں ہمارے دونوں شکار موجود ہیں۔ہمیں پہلی فرصت میں پوجی کو وہاں بھیجنا چاہیے۔"

"اس میں شبہ نہیں، اگر پوجی کو ہماری ٹیلی پیتھی کا تعاون حاصل رہا تو وہ شارپر کی شہ رگ تک پہنچ جائے گی اور اس مشین کو لے کر ہی آئے گی۔"

میں نے بھی اعتراف کیا۔"وہ بلا کی ضدی لڑکی ہے جو خطرناک تنظیموں کے مقابلے میں کمپیوٹرائزڈ کیا ہوا سرکاٹ کر لا سکتی ہے، وہ مشین بھی لا سکتی ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا۔"تو پھر یہ ڈن ہے؟"

رسونتی نے کہا۔"ذرا ٹھہرو! ہماری ساتھیوں میں صرف پوجی ایسی ہے جس کی دہشت سے خطرناک تنظیمیں باباصاحب کے ادارے کی طرف رخ نہیں کرتیں۔شارپر بھی محتاط رہتا ہے۔پوجی وہاں سے نکلے گی تو شارپر کو موقع مل جائے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔"تم بھول رہی ہو۔فرہاد مورینا کے دماغ تک پہنچ چکے ہیں گویا شارپر تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ابھی ہنوں نے وہاں تک معلوم کیا ہے۔جہاں تک مورینا شارپر کو اپنا غلام بنا رہی ہے۔اگر وہ ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے یہ کامیابی حاصل رلے گی تو ہمیں اطمینان ہے، فرہاد آج نہیں تو کل کسی وقت بھی اس کے ذریعے اس کے عاشق غلام شارپر کے دماغ میں پہنچ سکتے ہیں۔"

میں نے بھی کہا۔"مورینا نے اب تک شارپر کے دماغ کو ں انداز میں نہیں پڑھا کہ اس کی تمام مصروفیات معلوم کر سکے۔ہو سکتا ہے، شارپر نے اس کی لاعلمی میں باباصاحب کے ادارے تک پہنچنے ے سلسلے میں کچھ پیش قدمی کی ہو۔پوجی کی غیر موجودگی میں اسے کامیاب سکتی ہو۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔"کچھ تو خطرہ مول لینا ہوگا۔باباصاحب کا ادارہ ایسا گیا نہیں ہے۔وہاں ایک سے بڑھ کر ایک باصلاحیت شخص موجود ہے۔تمہیں اطمینان نہیں ہے تو مجھے ادارے میں واپس جانے دو مگر بی کو ضرور شکاگو روانہ کر دو۔مشین حاصل کرنے کی مہم وہی سر کر سکتی ہے۔"

رسونتی نے کہا۔"تم جاؤ گی تو میں تنہا رہ جاؤں گی۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو، کیا فرہاد تمہارے ساتھ نہیں ہیں؟"

"یہ تو خیال خوانی کی پرواز کرتے ہیں تو پرواز کرتے ہی رہ جاتے ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"عام گھر والیوں کی طرح جلی کٹی نہ ؤ۔اگر میں کسی سلسلے میں زیادہ مصروف ہو جاؤں گا تو تم میرے دماغ اگر واپس اپنی طرف بلا سکتی ہو۔فی الحال ہمیں اعلیٰ بی بی کے مشورے ور کرنا اور کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے۔"

"میں نے اعلیٰ بی بی کا مشورہ سن لیا ہے۔پارس کے سلسلے میں انے جو پلاننگ کی ہے، وہ مجھے معلوم ہے۔تم دونوں باتیں کرو میں بیٹے کی خبر لیتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا۔"پوجی کو ضرور شکاگو جانا ہیے۔پہلے تم بتاؤ کہ پارس کے سلسلے میں کیا کر رہی ہو؟"

"جب سے بھارت سرکار نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ دس برس کے بچے ملک کے باہر نہیں جا سکیں گے تب سے یہاں بڑے تراضات ہو رہے ہیں۔ہر صوبے کے اخبارات چیخ رہے ہیں ایسے دکبیر گھرانے سے تعلق رکھنے والے پانچ چھ برس کے بچے ہیں جو انہ کسی مہلک مرض میں مبتلا ہیں، ان کا علاج یورپ کے کسی ملک ہی ہو سکتا ہے۔اگر بھارت سرکار نے اپنا حکم واپس نہ لیا تو ان بچوں کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔پھر یہاں سیکڑوں کی رادمیں ایسے بچے موجود ہیں جو یوکے اور امریکا میں تعلیم حاصل تے رہے ہیں، چھٹیاں گزارنے یہاں آئے ہیں۔اب چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں اور ان کا واپس جانا ضروری ہے۔"

میں نے کہا۔"بیشک یہ اہم نکتے ہیں۔بھارت سرکار کو اپنا حکم واپس لینا پڑے گا۔"

"میں نے رسونتی کو سمجھایا تھا کہ وہ ریڈیو کی خبریں سنتی رہے اور اخبارات میں شائع ہونے والی لیڈروں کی تصویریں دیکھتی رہے اور ان کے دماغوں میں پہنچتی رہے۔اس نے میری ہدایات پر عمل کیا اور بڑی حد تک کامیاب رہی ہے۔کئی سیاستدانوں کے دماغ میں پہنچ کر یہ بات نقش کر دی ہے کہ بھارت سرکار کو یہ حکم واپس لینے پر مجبور کر دیا جائے۔"

"بے شک! تم نے موقع کی مناسبت سے نہایت کامیاب چال چلی ہے۔انشاء اللہ کل یا پرسوں تک یہ حکم واپس لے لیا جائے گا۔اس ملک سے تعلیم حاصل کرنے والے اور علاج کروانے والے بے شمار بیمار بچے باہر جائیں گے۔ان کی بھیڑ میں ہمارا پارس بھی جا سکتا ہے۔"

"اب ہمیں ایسے بچے کو تلاش کرنا چاہیے جو پارس کا ہم عمر ہو۔اس کے قد اور جسامت سے مناسب رکھتا ہو اور ہمارا پارس پلاسٹک سرجری کے معمولی سے میک اپ کے بعد اس کا ہم شکل بن سکتا ہو۔پھر ہم اسے بہ آسانی سرحد پار لے جا سکیں گے۔"

"میں رانی سردار اور تنکر وغیرہ سے کہوں گا کہ وہ ایسے بچوں کو تلاش کریں۔رسونتی بھی خیال خوانی کے ذریعے کسی بچے کو ڈھونڈ نکالے گی۔"

"تم ٹرانسفارمر مشین کے سلسلے میں مصروف ہو مگر پارس کو یہاں سے نکالنے کے لیے تھوڑا سا وقت نکال سکتے ہو تو پارس کے متبادل

کو تلاش کرو۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

میں پارس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بہت ہی خوبصورت سے پارک میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس پارک میں صرف امیر کبیر گھرانے کے بچے آتے تھے۔ کسی غریب بچے کو کھیلنے کی اجازت نہیں تھی۔ چونکہ ان دنوں منگل پانڈے کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا لہٰذا اسے کہیں بھی جانے کے لیے یا اپنے بچوں کو لے جانے کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل ہو جاتا تھا۔

رسونتی نے مجھ سے کہا: "ہمارا بیٹا کھلی فضا میں گھومنے پھرنے اور کھیلنے کی ضد کر رہا تھا اور یہ اس کا حق ہے۔ وہ کتنے عرصے سے ایک قیدی کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ میں نے کہا بیٹے تم منگل پانڈے کو مجبور کرو۔ باقی میں سنبھال لوں گی۔"

رسونتی کہہ رہی تھی اور میں سنتا جا رہا تھا اب تک ہمارے بیٹے پارس نے دہلی شہر میں کیسی شرارتیں کی ہیں اور ان شرارتوں کے لیے اپنی ماں کو مجبور کرتا رہا ہے۔ دراصل شیبا نے پہلے ہی اس کی عادت بگاڑ دی تھی۔ قید خانے سے نجات دلانے کے بعد اسے منگل پانڈے کے پاس پہنچا کر ایسی ایسی حرکتیں کی تھیں کہ پارس دم کو بھی منوا رہا تھا وہ چاہتا تھا اس کی اپنی ماما رسونتی بھی ایسی شرارتیں کیا کرے اور وہ خوش ہوتا رہے۔

رسونتی اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے اجازت دے دی۔ وہ جو کرنا چاہے کرتا رہے اس کے پیچھے ماما موجود رہے گی۔

اس مقصد کے لیے پارس نے منگل پانڈے سے رابطہ قائم کیا۔ رابطہ قائم کرنے کے لیے ٹیلیفون کی ضرورت نہیں تھی۔ رسونتی نے فرہاد بن کر منگل پانڈے سے کہا۔

"میرا بیٹا تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے۔ فوراً اس سے ملاقات کرو یا کسی طرح رابطہ قائم کرو۔"

اس نے فون پر رابطہ قائم کرتے ہوئے پوچھا: "اے میرے بناسپتی بیٹے جے کشن! تم مجھے کیوں بلا رہے ہو؟"

"میں اس پارک میں کھیلنا چاہتا ہوں جہاں امیر کبیر گھرانے کے بچے کھیلتے ہیں اور وہاں چاروں طرف مسلح سپاہیوں کا پہرہ رہتا ہے۔ آپ میرے بناسپتی باپ ہی سہی مگر مجھے اس پارک میں ضرور لے جائیں گے۔"

"ابھی میں معمولی افسر ہوں۔ وہاں نہیں لے جا سکتا۔"

"تمہیں خصوصی اجازت نامہ مل سکتا ہے۔ نہ ملے تو میرے پاپا تمہاری مدد کریں گے۔ تم کوشش تو کرو۔"

اس نے کہا: "دیکھو برخوردار! میں پولیس افسر ہوں۔ اتنے بڑے بڑے کام رشوت کے بغیر نہیں کر سکتا۔"

پارس نے پوچھا: "کیا تمہارے اس مہا جوتشی نے تمہیں رشوت لینے سے منع نہیں کیا تھا؟"

"اس نے منع کیا تھا لیکن یہ نہیں بتایا تھا تمہاری جیسی ننھی بلا میرے گلے پڑ جائے گی۔ تم چمپا کو ماں بنا کر دہلی لے آئے۔ آخر تم کتنے عرصے ہمارے پاس رہو گے۔ کبھی نہ کبھی جاؤ گے۔ اس کے بعد میں چمپا کو دہلی جیسے شہر میں کیسے سنبھالوں گا۔ کیسے اخراجات برداشت کروں گا؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں تمہارے لیے نہ سہی اپنی ماں چمپا کے لیے بہت کچھ کر جاؤں گا۔"

بیٹے نے تو وعدہ کیا اس کی ماں رسونتی نے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے شنکر اور رانی سردار سے رابطہ قائم کیا۔ پھر خیال خوانی کے ذریعے کہا: "تم لوگ اب تک پارس کے پاپا فرہاد علی تیمور سے رابطہ قائم کرتے رہے۔ آج پارس کی ماں تم سے مخاطب ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ سب دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر گھٹنے ٹیک کر فرش پر بیٹھ گئے۔ کہنے لگے: "ہم آپ کے داس ہیں۔ حکم دیجیے۔ ہم اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے اپنے جسم کا کون سا حصہ کاٹ کر پھینک دیں؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے تم سب کے چور خیالات پڑھ سکتی ہوں اور مجھے یقین ہے تم سب بے انتہا وفادار ہو۔"

شنکر نے کہا: "بڑی مالکن! آپ پہلی بار ہمارے پاس آئی ہیں۔ حکم دیجیے۔ ہم آپ کے لیے کیا کریں؟"

"میرے بیٹے پارس نے چمپا کو ماں کہہ دیا ہے۔ اس کے لیے بیٹے کا حق ادا کرنا چاہتی ہوں۔ اس کی ماں تمہارے ہاں ایجنسی میں نہیں رہے گی۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اس کے لیے ایک اچھے علاقے میں کوٹھی خرید لو۔ ایک ایسی انڈسٹری کا سودا کرو اور اسے خرید لو جو ماہانہ کم از کم پچاس ہزار کا منافع دیتی ہو۔ یہ کوٹھی، فیکٹری اور منافع سب چمپا کے نام ہوگا۔ اس مقصد کے لیے کسی ایسے کروڑپتی یا ارب پتی کو تاک لو جو نہایت ظالم اور سفاک ہو، جو غریبوں کا خون چوس کر یا اسمگلنگ کے ذریعے تمہارے دیس کو نقصان پہنچا کر کروڑپتی اور ارب پتی بن گیا ہو۔ میں اس کی بے انتہا دولت کا بہت سا حصہ تم لوگوں کے نام منتقل کر دوں گی۔"

رسونتی اپنے وعدے کے مطابق کبھی بیٹے کے پاس رہتی اور کبھی شنکر کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ شنکر نے صرف بارہ گھنٹے کے اندر کتنے ہی سرمایہ داروں سے رابطہ قائم کیا اس کے ذریعے رسونتی نے ان کے دماغ میں پہنچ کر ان کے اندرونی معاملات معلوم کیے۔ تب ایک اسمگلر کے متعلق اس نے کہا: "شنکر! تم صحیح جگہ پہنچ گئے ہو۔ یہ تمہارے ملک کا دشمن ہے۔ میں اور فرہاد صرف اپنے بچے کو یہاں سے لے جانے کے لیے کچھ غیر قانونی حرکتیں کر رہے ہیں لیکن تمہارے دیش کو نقصان نہیں

پہنچا رہے ہیں۔ ہم تمہیں اس قابل بنا دیں گے کہ اپنے ملک کی حفاظت کر سکو اور غلط آدمیوں کا محاسبہ کر سکو۔ بہر حال، دو گھنٹے بعد اس کروڑپتی کی کوٹھی میں پہنچو اور اس سے دو کروڑ روپے نقد لے کر چلے آؤ۔ کوئی تمہارے راستے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ میری خیال خوانی ڈھال بنتی رہے گی۔"

ادھر منگل پانڈے نے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے ذریعے پارس اس پارک میں چلا آیا تھا جو غریب بچوں کے لیے خواب میں بھی مہنگا تھا۔ وہاں بچوں کے کھیلنے کے لیے آؤٹ ڈور گیمز اور ان ڈور گیمز تھے۔ ان ڈور میں طرح طرح کے وڈیو گیمز شامل تھے۔ رسونتی اپنے بیٹے کے معاملے میں بہت محتاط تھی۔ جب سے وہ پارک میں داخل ہوا تھا اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور ساتھ کھیلنے والے بچوں کے دماغوں میں پہنچتی تھی۔ ان بچوں کے ذریعے ان کے والدین تک پہنچ جاتی تھی۔ آخر وہ ایک ایسے بچے تک پہنچی جس کا نام گوتم تھا۔ وہ گوتم بدھ کی طرح نہایت ہی معصوم اور سیدھا سادہ تھا۔ کسی کی سازش کو نہ سمجھتا تھا نہ کسی کے خلاف کبھی سوچتا تھا۔ وہ ایک ارب پتی باپ کا بیٹا تھا۔ بے انتہا دولت کے باوجود گوتم کو اتنی عمر میں کینسر کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ لندن کا ایک مشہور و معروف ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا۔ وہ ایک ہفتے کے لیے ہندوستان آیا تھا لیکن واپس نہیں جا سکتا تھا۔ بھارتی سرکار نے ایک نیا قانون پاس کر دیا تھا کہ دس برس تک کے بچے باہر نہیں جا سکتے جبکہ وہ مکمل پانچ برس کا تھا۔

کینسر زدہ گوتم کے سلسلے میں سیاسی چالیں چلی جا رہی تھیں، مخالف سیاسی پارٹی گوتم کو ایسا نقصان پہنچانا چاہتی تھی جس سے بھارتی سرکار کے موجودہ قانون کے خلاف ہنگامہ برپا ہو جائے اور پورا ملک موجودہ حکومت کے خلاف ہو جائے کہ اس نے ایسا قانون کیوں پاس کیا جس سے گوتم کی جان گئی۔

ملک میں ہنگامہ آرائی برپا کرنے کے لیے مخالف سیاسی پارٹی نے معلوم کر لیا تھا کہ گوتم کو کار چیزنگ والا وڈیو گیم پسند ہے لہٰذا اس مخصوص وڈیو گیم سے انھوں نے بجلی کے تاروں کو اس طرح منسلک کیا تھا کہ وہ گیم کھیلنے کے لیے سوئچ کو آن کرتا تو اسے بجلی کا جھٹکا پہنچتا اور وہ ختم ہو جاتا یا ایسی حالت میں اسپتال پہنچایا جاتا کہ بچنے کی توقع نہ رہتی۔ اس سانحے پر اخبارات چیخنا شروع کر دیتے: "گوتم کو لندن میں فوری طبی امداد کی ضرورت تھی لیکن موجودہ حکومت کے بے تکے قانون کے باعث وہ نہ جا سکا۔ آج بھی بے شمار بچے زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں انھیں فوراً ملک سے باہر بھیجنا چاہیے۔"

اس طرح ایک گوتم کے مرنے سے پورے ملک میں ہنگامے برپا ہو سکتے تھے۔ حکومت کے خلاف بغاوت زور پکڑنے لگتی اور اس طرح [illegible] مت۔ سے مخالفت رکھنے والے سیاست دانوں کی بن آتی۔

کمبختوں نے گوتم کے باپ کو فون پر اطلاع کر دی تھی کہ اس کی زندگی ختم ہونے والی ہے۔ یہ سن کر وہ بے چارہ گھبرا گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے بیٹے کو آخر کیوں نقصان پہنچایا جائے گا۔ وہ تو اپنی ماں کے ساتھ پارک میں تفریح کے لیے گیا ہوا ہے۔

فون پر اطلاع دینے والے نے کہا: "آپ بڑے دیش بھگت ہیں۔ آپ کو اپنے ملک سے بے انتہا محبت ہے۔ اس دیش کی خاطر اپنے بیٹے کی قربانی دیجیے، اسے مرنے دیجیے۔ اس کی موت سے نیا قانون بدل جائے گا بلکہ یہ حکومت بدل جائے گی۔ کتنے ہی بیمار بچوں کا بھلا ہوگا۔"

اس نے پوچھا: "تم کون ہو؟ کہاں سے بول رہے ہو؟ تم لوگوں کو میرے بچے سے کیا دشمنی ہے؟"

لیکن دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ وہ ارب پتی تھا اس کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ اس نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کیا۔ ان سے التجا کی فوراً میرے بچے کی حفاظت کے انتظامات کیے جائیں۔ پھر وہ خود ریوالور لے کر اپنی کار میں بیٹھ کر پارک کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچنے میں کم از کم ایک گھنٹا ضرور لگ جاتا۔ ایک تو وہ جگہ تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کے علاوہ کئی جگہ ٹریفک کے ہجوم سے گزرنا تھا۔

پارس نے کہا: "مسٹر پانڈے! اتنے خوبصورت پارک میں ایک بچے کا قتل ہونے والا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا: "جہاں فرہاد کا بچہ ہو وہاں اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"تم مرچیں کیوں چبا رہے ہو؟"

"اور کیا کروں۔ تم نے تو مجھے باڈی گارڈ بنا لیا ہے۔"

"تمہیں اس کا معاوضہ بھی تو ملتا ہے۔"

"کیا خاک ملتا ہے۔ پہلی بار بیس ہزار روپے دیے، وہ تمہاری ماں کی رہائش کے لیے ایجنسی کے ایڈوانس میں چلے گئے۔ بعد میں جو رقم ملی وہ کسی نے چرا لی۔ کبھی کہتے ہو پچاس ہزار مل سکتے ہیں۔ کبھی کہتے ہو ایک لاکھ مل سکتے ہیں مگر کسی عورت کو گھونسا مارنا ہوگا۔ آخر ایسی بے تکی شرطیں کیوں پیش کرتے ہو؟"

"چلو آج بہادری دکھاؤ تمہیں کم از کم دس ہزار روپے مل جائیں گے۔"

وہ خوش ہو کر بولا: "پچ کہتے ہو؟"

"ہاں، جہاں کار چیزنگ کا گیم ہوتا ہے وہاں گوتم نامی بچے کو ہلاک کرنے کے لیے بجلی کے تار لگائے گئے ہیں۔ جب گوتم کھیلنے جائے گا تو ان تاروں کو چار سو چالیس والٹ سے منسلک کر دیا جائے گا۔"

"مجھے جلدی بتاؤ۔ ایسا کون کر رہا ہے؟ میں اسے کہاں تلاش کر سکتا ہوں؟"

"کچھ اپنی بھی عقل استعمال کرو۔ جہاں مین سوئچ بورڈ ہے' وہیں وہ شخص پایا جاسکتا ہے۔"

وہ اس طرف تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔" پلیز اپنے باپ سے پوچھ کر بتاؤ۔ اس کی پہچان کیا ہے؟"

"تم میرے باپ سے کیوں پوچھنا چاہتے ہو جبکہ بیٹا موجود ہے۔ وہ شخص بلیو جینز اور ایڈی ڈاس کی بنیان پہنے ہوئے ہے۔"

وہ اُدھر دوڑتا چلا گیا۔ پارس وہاں سے گوتم کے پاس آ گیا۔ وہ وڈیو گیم کھیلنے کے لیے کاؤنٹر سے ٹوکن حاصل کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو مائی فرینڈ! مجھے جے کشن کہتے ہیں۔"

گوتم نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام گوتم ہے۔"

پارس نے کہا۔" میں بہت دیر سے تمھیں دیکھ رہا ہوں' تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔ میرا جی چاہا کہ تم سے دوستی کروں۔"

"مجھے خوشی ہے' تم مجھے پسند کرتے ہو اور دوست بنانا چاہتے ہو۔"

"تو پھر آؤ۔ میری طرف سے دوستی کی خوشی میں ایک ٹھنڈی بوتل پیو۔"

اس نے ٹوکن دکھاتے ہوئے کہا۔" میں کھیلنے جا رہا تھا مگر کوئی بات نہیں۔ پہلے دوست کے ساتھ ٹھنڈی بوتل پی جائے گی۔"

پارس نے دوستانہ انداز میں اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا۔ پھر اسے لے کر ٹھنڈی بوتل پلانے چلا گیا۔ اُدھر منگل پانڈے دوڑتا ہوا اور کبھی چلتا ہوا مین سوئچ بورڈ کے پاس پہنچا' وہاں بلو جینز اور ایڈی ڈاس کی بنیان پہنے ہوئے ایک شخص نظر آیا۔ جس دیوار پر بہت بڑا مین سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا' اس کے پیچھے ہی وڈیو گیمز کھیلنے کا بڑا ہال تھا' دیوار کے پچھلے حصے میں کار ریسنگ کا گیم ہوا کرتا تھا۔ اس وڈیو گیم سے بجلی کا تار منسلک کر کے دیوار میں سوراخ کر لے کے بعد اسے مین سوئچ بورڈ تک پہنچانا آسان ہو گیا تھا۔

منگل پانڈے نے وہاں پہنچتے ہی ریوالور نکال کر کہا۔" دونوں ہاتھ اُٹھاؤ اور گردن کے پیچھے رکھو پھر یہ بتاؤ' یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں یہاں ملازمت کرتا ہوں۔ اپنی ڈیوٹی پر ہوں۔"

"ابھی میں تمھاری ڈیوٹی نکالوں گا۔ چلو' اس دیوار کے پاس آؤ۔ دونوں ہاتھ دیوار سے ٹیک کر کھڑے ہو جاؤ۔"

اس نے گھور کر منگل پانڈے کو پھر اس کے ہاتھ میں ریوالور کو دیکھا۔ اس نے کہا۔" کیا دیکھ رہے ہو' میرا نام منگل پانڈے ہے۔ کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ میں وہ ہوں جس نے تنہا درجنوں مسلح مجرموں سے مقابلہ کیا' تم نے اخبارات میں میری تصویریں دیکھی ہوں گی۔"

وہ شخص مرعوب ہو گیا تھا۔ خوفزدہ ہو کر دیوار کے پاس آ کر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پانڈے نے اس کے پیچھے آ کر جیبوں کی تلاشی لی۔ ایک جیب سے ریوالور برآمد ہو گیا۔ اس نے کہا۔" اچھا تو جیب میں ریوالور رکھ کر ڈیوٹی دیتے ہو؟"

وہ دروازے پر آ کر پارک کے ایک ملازم کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔" فوراً چار سپاہیوں کو بلا کر لاؤ۔"

ذرا سی دیر میں سپاہیوں کے ساتھ وہاں کا انچارج انسپکٹر بھی پہنچ گیا۔ منگل پانڈے کو دیکھتے ہی اس نے الرٹ ہو کر سیلوٹ کیا' پانڈے نے کہا۔" اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی پہناؤ' یہ وڈیو گیمز کھیلنے والے بچوں کو ہلاک کرنے آیا تھا۔ اس کے جرم کا ثبوت وہ بجلی کے تار ہیں جو اس دیوار کے سوراخ سے نکال کر یہاں مین سوئچ بورڈ تک پہنچائے گئے ہیں۔"

اسے ہتھکڑی پہنائی گئی۔ پھر مار مار کر پوچھا جانے لگا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے اور کیا وہ تنہا ہے؟

منگل پانڈے نے کہا۔" یہ ہرگز تنہا نہیں ہو سکتا۔ دیوار کے اس پار جہاں بچے وڈیو گیم کھیل رہے ہیں' اس کا آدمی موجود ہو گا۔ وہ اُدھر سے اشارہ کرنے والا تھا اور یہ اِدھر سے بجلی کے تار مین سوئچ بورڈ سے منسلک کرنے والا تھا۔"

پانڈے کی یہ باتیں سن کر دوسرے آدمی کی تلاش شروع ہو گئی۔ جسے گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کا نام و نشان بتانے سے انکار کر رہا تھا۔ اُدھر پارس' گوتم کو لے کر سوئمنگ پول کے پاس آ گیا تھا۔ وہاں آئس کریم اور ٹھنڈی بوتل کی دکان تھی۔ وہ بوتلیں لے کر پی رہے تھے اور سوئمنگ پول کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر پھیل گئی کہ ایک مجرم گرفتار کیا گیا ہے' جو بچوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ تمام بچوں کے والدین سہم گئے تھے اور اپنے اپنے بچوں کو وڈیو گیمز کے ہال سے باہر نکال رہے تھے۔

گوتم کی ماں اپنے بیٹے کو تلاش کرتی ہوئی سوئمنگ پول کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے قریب ہی منگل پانڈے بھی تھا۔ وہ پارس کو تلاش کر رہا تھا۔ اچانک گوتم کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ کسی نے جان بوجھ کر یا انجانے میں دھکا دیا تھا۔ وہ سیدھا سوئمنگ پول کے اندر چلا گیا۔ پانی میں ڈوبنے لگا۔ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے ابھرنے کی کوششیں کرنے لگا۔ اس کی ماں چیخ رہی تھی' سینہ پیٹ پیٹ کر دُہائی دے رہی تھی۔ منگل پانڈے سوئمنگ پول کی طرف جھکا ہوا کہہ رہا تھا۔" شاباش بیٹے' اِدھر کنارے کی طرف آؤ۔ میں تمھارا ہاتھ پکڑتا ہوں۔"

پارس کو بڑا غصہ آیا۔ ایسے وقت جبکہ اسے خود سوئمنگ پول میں غوطہ لگا کر اسے بچانا چاہیے تھا' وہ اسے صرف حوصلہ دے رہا تھا۔ اچانک ہی پارس نے پیچھے سے ایک لات ماری۔ منگل پانڈے اپنا توازن نہ سنبھال سکا۔ ارے ارے بولتا ہوا ایک دم سے سوئمنگ پول کے اندر چلا گیا۔ وہ چند لمحوں تک بدحواس رہا۔ سمجھ میں نہیں آیا کس طرح پانی میں آ گرا ہے۔ پھر اس نے ڈبکیاں لگاتے ہوئے دیکھا۔ کوئی پانی کے اندر نظر آ رہا تھا اور وہ گوتم کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ گویا اسے

پانی کے اندر دبا کر رکھنا چاہتا تھا۔

رسونتی منگل پانڈے کے دماغ میں موجود تھی۔ پانڈے اس شخص کے بال پکڑ کر منہ پر گھونسا مارنے کی کوشش کرنے لگا' پانی کے اندر ہاتھ تیزی سے چل نہیں سکتے تھے۔ پھر بھی اس نے گوتم کو چھڑا لیا لیکن وہ قاتل اس سے اُلجھ گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے پانی کے اندر اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ پانڈے کو زیادہ دیر سانس روکنے کی عادت نہیں تھی لیکن رسونتی کو تھی لہٰذا اس کے ذریعے پانڈے اپنی سانسوں پر قابو پائے ہوئے تھا اور قاتل سے جنگ کر رہا تھا۔

پارک کا ایک ملازم پول میں چھلانگ لگا کر گوتم کو کنارے لے آیا تھا۔ اس کی ماں اسے سینے سے لگا کر رو رہی تھی۔ پول کے چاروں طرف بھیڑ لگ گئی تھی' لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ صاف و شفاف پانی کے اندر آج کا سب سے دلیر پولیس افسر منگل پانڈے ایک قاتل کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ گوتم کا باپ بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے اعلیٰ حکام سے درخواست کی تھی کہ اس کے بیٹے کی حفاظت کے انتظامات کیے جائیں پھر بھلا فوری اقدامات کیسے نہ ہوتے۔ کتنے ہی مسلح پولیس والے پہنچ گئے تھے۔ پانڈے نے ایک بازو سے اس کی گردن کو پوری طرح جکڑ لیا تھا اور دوسرے ہاتھ اور پاؤں سے تیرتا ہوا اسے کنارے تک لے آیا تھا۔ پول کی سیڑھی کو تھام کر اسے اوپر کی طرف اُٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔" میرا نام منگل پانڈے ہے۔ کوئی میرا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ میں ..."

اس کی آواز تالیوں کے شور میں گم ہو گئی۔ لوگ نعرے لگا رہے تھے۔" منگل پانڈے کی جے' منگل پانڈے کی جے ..."

پارک میں آنے والے اپنے ساتھ کیمرے بھی لاتے تھے۔ ان کیمروں سے اب پانڈے کی تصویریں اتر رہی تھیں۔ قاتل کو سپاہیوں نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ گوتم کا باپ' پانڈے سے مصافحہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔" مسٹر پانڈے' میں نے اخبارات میں آپ کے متعلق بہت کچھ پڑھا لیکن یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک شخص اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ آج اپنے بیٹے کی جان بچاتے دیکھ کر آپ پر ایمان لے آیا ہوں۔ شاباش' آپ جیسے پولیس افسران کو دیکھ کر ہمیں اپنے تحفظ کا یقین ہوتا ہے۔ میں صرف زبانی شاباشی نہیں دوں گا۔ اس بھرے مجمع میں اعلان کرتا ہوں' آپ کو دس ہزار روپے نقد انعام کے طور پر دے رہا ہوں۔"

پانڈے اندر ہی اندر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا لیکن اوپر سے سنجیدگی طاری رکھے ہوئے تھا تاکہ باوقار نظر آتا رہے۔ گوتم کے والدین اسے اور پارس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ انھوں نے کوٹھی میں پہنچ کر پھر اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کیا اور منگل پانڈے کی ترقی کے سلسلے میں پُرزور سفارش کی' دوسری طرف سے کہا گیا۔" منگل پانڈے کا سروس

ریکارڈ منگوایا جا رہا ہے' یقیناً اس دلیر افسر کے سلسلے میں اہم فیصلے کیے جائیں گے۔"

گوتم کے باپ نے پانڈے کو یہ خوشخبری سنائی۔ پھر اسے دس ہزار روپے نقد دیے۔ پانڈے اس سے رخصت ہو کر پارس کے ساتھ باہر آیا۔ اپنی جیپ میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا۔ پھر مین روڈ پر پہنچنے کے بعد گاڑی کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ پارس کو گھور کر دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا۔" کیا بات ہے' کیا میرے وعدے کے مطابق دس ہزار روپے نہیں ملے؟ کیا آئندہ بھی ترقی ہونے والی نہیں ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا' مجھے ان حالات میں خوش ہونا چاہیے یا تمھارا گلا دبا دینا چاہیے۔ تم نے مجھے لات مار کر سوئمنگ پول میں گرایا تھا۔"

"ایک بچے کی لات کھا کر دس ہزار مل سکتے ہیں اور ترقیاں ہو سکتی ہیں تو بُرا کیا ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولا۔" ارے تو کیا میرے نصیب میں لات' گھونسے اور تھپڑ لکھے ہوتے ہیں۔ کیا اس کے بغیر مجھے دولت نہیں مل سکتی؟ ترقی نہیں ہو سکتی؟"

"یہ اپنے بھگوان سے پوچھو جس نے تمھاری تقدیر لکھی ہوئی ہے۔"

رسونتی نے پارس کو وہاں سے نکال لے جانے کے لیے گوتم کا انتخاب کیا تھا۔ وہ دونوں قد اور جسامت میں ایک جیسے تھے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے پارس کے چہرے پر ہلکی سی تبدیلی کی جاتی تو وہ گوتم بن جاتا۔ پھر یہ کہ گوتم کا باپ بڑی دور تک اپنا اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ قانون میں تبدیلی ہوتی یا نہ ہوتی۔ وہ اپنے تمام ذرائع استعمال کر کے بیٹے کو لندن پہنچانے کا انتظام کر چکا تھا۔ دوسرے دن کی فلائیٹ سے وہ روانہ ہونے والا تھا۔

میں نے اعلیٰ بی بی سے پوچھا۔" کیا گوتم کو تم نے آنکھوں سے دیکھا ہے' کیا رسونتی کا انتخاب درست ہے؟"

"میں پوری طرح مطمئن ہوں' ہم پارس کو اس کی جگہ روانہ کر سکتے ہیں۔"

میں نے رسونتی سے کہا۔" تم پلاسٹک سرجری کے ماہر ڈاکٹر دیا ساگر سے رابطہ قائم کرو۔ اس نے ایک بار ہمارے بیٹے کا چہرہ تبدیل کیا تھا۔ آخری بار یہ کام اور کرا لو۔"

"میں اسے جا کر آمادہ کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے' وہ ہمارا راز دار رہے گا۔ اس کی صرف ایک ہی شرط ہے کہ ہم اس کے ملک کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی نہ کریں یا کسی طرح نقصان نہ پہنچائیں اور ہم ایسا نہیں کر رہے ہیں' صرف اپنے بیٹے کو صحیح سلامت یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔"

میں رسونتی کے ذریعے گوتم کے والدین تک پہنچ گیا۔ یہ ایک لمبی داستان ہو گی کہ کس طرح گوتم کے فوٹو البم تک پہنچا۔ اس کی مختلف زاویوں سے اتاری ہوئی تصویریں حاصل کیں۔ ان تصویروں کو اعلیٰ بی بی

تلک پہنچایا۔ دوسرے دن اعلیٰ بی بی وہ تصویریں لے کر ڈاکٹر دویا ساگر کے پاس پہنچ گئی۔ رسونتی نے اس کام کے لیے اسے راضی کر لیا تھا۔

تشنکر اور رانی سردار کی پوری ٹیم میرے اگلے حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار تھی۔ تشنکر کے کچھ آدمی گوتم کی کوٹھی کے اطراف پہرا دے رہے تھے۔ پلاننگ یہ تھی کہ ڈاکٹر دویا ساگر فلائیٹ کی روانگی سے چھ گھنٹے قبل سرجری کرے گا۔ اِدھر ہمارا پارس گوتم بنے گا اور تشنکر کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ رسونتی گوتم کے دماغ میں رہے گی اور میں اس کے ملازم کے دماغ میں۔ اس طرح وہ دونوں کوٹھی کے پچھلے حصے سے نکلیں گے۔ ملازم اپنے مالک گوتم کو تشنکر کے حوالے کرے گا اور تشنکر پارس کو ملازم کے حوالے کرے گا۔ ملازم اسے لے کر پھر کوٹھی میں آجائے گا۔

ہم نے اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لیا تھا۔ کوئی خلافِ توقع ہونے والی بات سے بھی نمٹنے کے لیے تیار تھے۔ گوتم سے ہماری دشمنی نہیں تھی۔ ہم تو اس بچے کو بہت چاہتے تھے۔ ایک بار ہمارے بیٹے نے اسے دوست کہہ دیا تھا تو وہ ہمارے بیٹے جیسا ہی تھا۔

رسونتی پیرس سے روانہ ہو چکی تھی اور قاہرہ پہنچنے والی تھی۔ اِدھر پارس بھی قاہرہ میں اپنی ماں کے پاس پہنچ جاتا تو ہم اعلان کر دیتے کہ گوتم کے والدین کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اس کی جگہ فرہاد اپنے بیٹے کو نکال لے گیا ہے۔ ایسی صورت میں گوتم کے باپ کا سختی سے محاسبہ کیا جا سکتا تھا لیکن میڈیکل رپورٹ کے مطابق اصل گوتم کو مزید روکا نہیں جا سکتا تھا۔ اُسے اگلی کسی فلائیٹ سے لندن بھیجنا ضروری ہو جاتا بلکہ پارس کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھارتی سرکار اپنا قانون واپس لے لیتی اور تمام بچوں کو ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دیتی۔

مختصر یہ کہ ہمارا منصوبہ ہر پہلو سے مستحکم تھا۔ ہم بڑی آسانی سے اس پر عمل کر سکتے تھے، کوئی ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا لیکن قانونِ قدرت کے آگے ہم بے بس ہوتے ہیں۔ فلائیٹ کی روانگی سے چھ گھنٹے پہلے اچانک ہی گوتم پر دورہ پڑا۔ لندن کے ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا، یہ بچہ چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گا جس میں سے چار ماہ گزر چکے تھے۔ باپ اپنی دولت پانی کی طرح بہاتے ہوئے اس کی زندگی کی میعاد بڑھانا چاہتا تھا۔ شاید اور دو چار مہینے جی لے۔ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے جتنی سانسیں دولت سے خرید سکتا تھا، خریدنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بڑے بڑے ڈاکٹر، گوتم کو اٹینڈ کرنے آ گئے۔ اُسے فوری طبی امداد پہنچانے لگے۔ میں اور رسونتی اس بیمار بچے کے دماغ میں تھے اور اس کے اندر کے کرب کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے ۔۔۔ وہ بے چارہ ایسے تڑپ رہا تھا کہ ہم سے اس کے اندر رہا نہیں جاتا تھا۔ جی چاہتا تھا، وہاں سے بھاگ آئیں۔

اچانک رسونتی رونے لگی "نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ پہلے گوتم جائے گا۔ پہلے ہر حال میں گوتم جائے گا۔ میں اپنے بچے کے لیے ایک معصوم بچے کی زندگی سے نہیں کھیل سکتی۔"

میں گم صم رہا۔ ہم نے اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں کو اچھی حالت میں، بُری حالت میں اور طرح طرح کے مصائب اُٹھا کر اذیتیں برداشت کرتے ہوئے مرتے دیکھا ہے لیکن پہلی بار ایک معصوم بچے کو اس طرح کرب میں مبتلا ہوتے، ایڑیاں رگڑتے اور کینسر کے عذاب سے گزرتے دیکھا تھا۔ اس لیے دل بہت دُکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر دویا ساگر نے پلاسٹک سرجری کی پوری تیاری کر لی تھی، اپنا عمل شروع کرنے والا تھا۔ اسی وقت رسونتی نے کہا "ڈاکٹر! رک جائیے۔ میرا بیٹا گوتم کی جگہ نہیں جائے گا۔"

"مادام! کیا بات ہے؟"

رسونتی بتانے لگی "گوتم کتنے کرب میں مبتلا ہے، اسے فوری طبی امداد پہنچائی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود اسے لندن پہنچانا بہت ضروری ہے۔ اس کے خاص معالج ہی اسے آرام پہنچا سکتے ہیں اور اس کی زندگی کی میعاد شاید کچھ بڑھا سکتے ہیں۔"

"مگر آپ کا بیٹا یہاں خطرات میں گھرا ہوا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ وہ کسی معصوم کی لاش پر سے گزر کر سرحد پار نہیں کرے گا۔"

"دیوی رسونتی، دھنیا ہو آپ پر، شاباش ہے ایسی ماں پر جو پرائے بچے کی جان بچانے کے لیے اپنے بچے کو خطرات میں چھوڑتی ہے۔ ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں اور میں ایسی مثالی ماں کو سلام کرتا ہوں۔"

میں نے رسونتی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ایک ملیالے کے باتھ روم میں تھی۔ بند دروازے سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں سے سر تھامے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی، جیسے ابھی ابھی اس کا اپنا بیٹا پارس کینسر کے عذاب میں مبتلا تھا اور اب ایک ماں کے اہم فیصلے کے بعد اسے زندگی ملنے والی تھی۔

☐☐

شارپر کی آنکھیں بند تھیں۔ اسے آہستہ آہستہ ہوش آرہا تھا۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں۔ پتا چلا کہ وہ اپنی ہی رہائش گاہ کے تہ خانے میں ہے۔

اس کے دیدے حیرانی سے پھیل گئے۔ وہ سوچنے لگا، تہ خانے کے بستر پر کیسے آگیا ہے؟ وہ ہڑبڑا کر اُٹھنا چاہتا تھا مگر کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ ایک کہنی کے بل اُٹھتے ہوئے دیکھا، دوسرے بستر پر غلام باقی نظر آرہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔ آقا کے اُٹھتے ہی فوراً ادب سے کھڑا ہو گیا۔ شارپر نے پوچھا "میں یہاں کیسے آگیا۔ کیا تم مجھے لائے ہو؟"

"جی ہاں، مالکہ کے حکم پر آپ کو یہاں لایا تھا۔"

شارپر نے ایک دم سے گھبرا کر ٹرانسفارمر مشین کی طرف دیکھا۔ وہ مشین اپنی جگہ صحیح سلامت تھی۔ کمپیوٹر اسکرین کے سامنے وہ ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ مورینا نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ غصے سے بولا "تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"مالکہ نے کہا تھا کہ یہ آپ کا حکم ہے۔"

غلام باقی اُسے تمام باتیں بتانے لگا۔ کس طرح مورینا ان دونوں کو یہاں لائی تھی۔ اُنھیں بستر پر لٹایا تھا اور وہ اس کے حکم پر بے چون و چرا اس لیے عمل کر رہا تھا کہ اپنے آقا کی جان بچانا چاہتا تھا۔

وہ غصے سے تلملا کر بولا "اوہ یو فول، مجھے جلدی بتاؤ۔ اس نے مشین کے ذریعے کیا کیا تھا؟"

"میں اس بستر پر لیٹنے کے بعد بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں کچھ نہیں جانتا، ہوش میں آنے کے بعد آپ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ نظر نہیں آرہی تھیں اور میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا۔ اب حکم دیجیے، میں کیا کر سکتا ہوں۔"

شارپر نے بیٹھے ہی بیٹھے غصے میں اسے ایک لات ماری۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ پہاڑ کی طرح مضبوط اور مستحکم تھا۔ کوئی اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تھا۔ لات مارنے کے بعد خود اسے تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جھنجلا کر کہہ رہا تھا "اب کیا کہہ سکتے ہو۔ میرا سر توڑ دو۔ مجھے مار ڈالو۔ پتا نہیں، اس مکار عورت نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ شاید اس مشین کو استعمال کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس نے کس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے؟"

پھر اس نے چونک کر غلام کو دیکھا اور پوچھا "کیا تم محسوس کرتے ہو، تمھارے اندر ٹیلی پیتھی کی صلاحیت ہے؟"

"آقا! میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کر رہا ہوں۔"

"تم خیال خوانی کرو۔ سوچ کے ذریعے میرے دماغ میں آؤ۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ بھلا میں آپ کے دماغ میں کیسے آسکتا ہوں!"

شارپر نے پہلے تو اسے گھور کر دیکھا۔ پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے غلام کے دماغ میں آکر معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کیا مورینا نے اس کی خیال خوانی کی صلاحیتیں غلام کے دماغ میں منتقل کر دی ہیں؟

لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر سوچنے لگا، میرا دماغ کمزور ہے۔ میں بے ہوش رہا ہوں۔ مجھے دماغی توانائی کے لیے پہلے کچھ کھانا پینا چاہیے۔ پھر میں غلام کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر دوں گا مگر غلام کے دماغ میں ہی کیوں؟ مورینا کے دماغ میں پہنچ کر بھی معلوم کر سکتا ہوں۔ اوہ گاڈ، یہ خوبصورت بلا تو بڑی تیزی دکھا رہی ہے۔ اوہ خدایا، تو نے عورت نام کی کیا چیز پیدا کی ہے۔ مجھے دیوانگی میں پتا ہی نہ چلا کہ میں نے آستین میں سانپ پال لیا۔"

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تیزی سے چلتے ہوئے زینے کی طرف جانا چاہتا تھا مگر پتا چلا، وہ جسمانی طور پر بھی کمزور ہے، ابھی تک بے ہوشی کا اثر باقی تھا۔ غلام نے اسے سہارا دیا۔ وہ دونوں زینے پر چڑھتے ہوئے تہ خانے سے باہر نکلے۔ شارپر نے غلام کو اسٹور روم سے باہر جانے کے لیے کہا۔ پھر دیوار سے لگے ہوئے پنکھے کو اُلٹا گھما کر تہ خانے کے خلا کو پُر کر دیا۔ اپنے بیڈ روم میں آکر بولا "میرے لیے تازہ پھل اور گرم دودھ میں اوولٹین ملا کر لاؤ۔"

وہ جانے لگا۔ شارپر نے پھر مخاطب کیا "اور سنو، چپ چاپ معلوم کرو، مورینا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے؟"

وہ چلا گیا۔ شارپر نے جب سے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کیا تھا تب سے پہلی بار خود کو بے بس سمجھ رہا تھا۔ اگر یہ علم بحال رہتا تو ابھی خیال خوانی کے ذریعے مورینا کی چالوں کو سمجھ لیتا۔

ایک اندیشہ پیدا ہوا۔ کہیں مورینا نے اس کے دماغ سے ٹیلی پیتھی کے علم کو واش آؤٹ نہ کیا ہو۔ اس مشین کے ذریعے علم کو ختم بھی کیا جا سکتا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ تیزی سے کبھی اِدھر آرہا تھا، کبھی اُدھر جا رہا تھا۔ ایک جگہ بیٹھنے سے قرار نہیں آرہا تھا۔ پھر دماغ نے سمجھایا۔ یہ علم واش آؤٹ نہیں کیا گیا ہے۔ غلام کو دوسرے بستر پر لٹایا گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے، وہ مکار حسینہ غلام باقی پر مہربان ہے اور میرے دماغ کی تمام صلاحیتیں اس کے دماغ میں منتقل کر چکی ہے۔

یہ باتیں سمجھ میں آرہی تھیں مگر ان پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا مورینا جیسی چالاک عورت کسی مرد کو چاہے گی تو اسے ٹیلی پیتھی کا علم کبھی نہیں سکھائے گی۔ یہ بات شارپر کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ اس نے اُلٹا عمل کیا ہوگا۔ غلام باقی کی غلامانہ صلاحیتیں اس کے دماغ میں منتقل کی ہوں گی۔ وہ اس پہلو سے نہیں سوچ رہا تھا۔

غلام ایک ٹرے میں پھل اور اوولٹین ملا ہوا دودھ کا جگ بھر کر لے آیا۔ اس کے سامنے رکھ کر بولا "میں ابھی مالکہ کے متعلق معلوم کر کے آتا ہوں۔"

وہ آقا کے بیڈ روم سے نکل کر مالکہ کے بیڈ روم کی طرف آیا۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی "آجاؤ۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ پہلے کی طرح ریشم کی نائٹی میں تھی اور بستر پر بڑی بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھی۔ غلام باقی اسے دیکھتے ہی گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس سے نظریں چرانے لگا۔ وہ بولی "اِدھر آؤ۔"

وہ منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ "مالکہ! آپ نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا۔ میرے آقا بیمار نہیں تھے۔ اُنھیں خون کی ضرورت نہیں تھی۔ انھوں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا جس کے تحت میں اُنھیں تہ خانے میں لے جاتا

آپ نے ایسا کیوں کیا ؟"

" جب تمھارا آقا یہ سوال کرے گا تو جواب دوں گی۔ تمھارے لیے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے۔ میں ایک حسین عورت ہوں اور اپنا جیون ساتھی صرف اُسی شخص کو بناؤں گی۔ جسے پسند کروں گی اور میں تمھیں پسند کرتی ہوں۔"

" اے مالکہ! میں ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ پھر بھی انسان ہوں۔ آپ سے التجا کرتا ہوں، مجھے آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔"

" کیا تم میرے کسی حکم سے انکار کرو گے ؟"

" میں جسمانی اعتبار سے ایک امریکی باشندے کا غلام ہوں لیکن روحانی اعتبار سے مسلمان ہوں۔ میرا آقا کوئی بھی ہو۔ میں اس سے دغا نہیں کر سکتا۔ اس کے اعتبار کو ٹھیس پہنچا کر آپ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔"

وہ غصے سے بولی " یو شٹ اپ! لوگ مجھے دیکھنے کے لیے ترستے ہیں اور تم مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، میں تمھاری آنکھیں پھوڑ دوں گی۔"

" میں اندھا ہو کر بھی اپنے آقا کا وفادار رہوں گا۔"

مورینا اسے گھور کر دیکھتی رہی۔ پھر بولی " میں ابھی مجبور ہوں، تمھارے دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے لاک کر دیا گیا ہے تم سات دن تک اس کے زیرِ اثر رہو گے جس میں سے ایک دن گزر چکا ہے چھ دن اور گزرنے دو پھر میں تمھارے دماغ پر حکومت کروں گی۔"

" آپ دونوں بار بار تنویمی عمل کی بات کرتے ہیں اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

" بہت جلد سمجھ جاؤ گے۔"

وہ آنکھ بند کر کے شارپر کے پاس پہنچ گئی۔ اسے پھل کھاتے ہوئے اور دودھ پیتے ہوئے دیکھنے لگی۔ پھر مسکرانے لگی۔ اسے شرارت سوجھ رہی تھی۔ وہ شارپر کے دماغ میں تھی۔ اچانک اس نے ایک گہری سانس لی۔ شارپر دودھ کا ایک گھونٹ نگلنے ہی والا تھا، اچانک ٹھسکا لگا۔ وہ بے اختیار کھانسنے لگا۔ دودھ اس کے منہ اور ناک سے باہر نکل رہا تھا اور وہ اپنے سینے کو سہلاتے ہوئے کھانستے کھانستے جھک رہا تھا۔

وہ ہنستے ہوئے بولی " شارپر! تم ایسے پُراسرار اور فولادی انسان ہو جسے ساری دنیا تلاش کر رہی ہے۔ تمھارے پاس ٹرانسفارمر مشین کی انوکھی قوت ہے اس کے باوجود میری خیال خوانی کے آگے جھک رہے ہو۔ چلو اُٹھو اور میرے بیڈ روم میں آ جاؤ۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ غلام باقی کمرے سے جا رہا تھا۔ اس نے کہا " رک جاؤ۔ میں نے تمھیں جانے کی اجازت نہیں دی ہے۔"

" آقا میرا انتظار کر رہا ہے۔"

" اس سنگھار میز کی طرف جاؤ۔ پھر پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھو۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ سنگھار میز کے پاس پہنچ گیا۔ پھر پلٹ کر دیکھا تو اس کا آقا دروازے پر نظر آ رہا تھا۔ مورینا بستر سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اپنا ایک ہاتھ شارپر کی طرف بڑھایا اور پوچھا " تم مجھے کس طرح مخاطب کرو گے ؟"

شارپر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ پھر اس کے آگے ایک گھٹنے کو ٹیکتے ہوئے کہا " میری مالکہ! جو اندازِ تخاطب آپ کو پسند ہو۔ میں اسی طرح مخاطب کروں گا۔"

" مجھے یہ انداز پسند ہے۔" اس نے بڑے غرور سے گردن اُٹھا کر، سینہ تان کر غلام باقی کی طرف دیکھا۔ وہ شدید حیرانی سے اپنے آقا کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا " خداوند کریم نے عورت میں کتنی کشش بھر دی ہے، غلام تو جھکتے ہی ہیں۔ آقا بن کر حکومت کرنے والے بھی جھک جاتے ہیں۔"

شارپر گھٹنے ٹیکنے کے بعد اس کے ہاتھ کو چومنا چاہتا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی " اپنی اوقات میں رہو۔"

وہ جلدی سے اُٹھ کر ایک قدم پیچھے چلا گیا۔ مورینا نے کہا " تم نے اپنے غلام کو حکم دیا تھا، یہ مجھ سے دور رہا کرے۔ آج تم میرے غلام ہو۔ تمھیں بھی مجھ سے دور رہنا چاہیے۔"

وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ وہ بولی " غلام باقی کہہ رہا تھا۔ اگر میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں، تب بھی اپنے آقا کا وفادار رہے گا۔ تم کیا کہتے ہو۔ اگر میں تمھاری آنکھیں پھوڑ دوں تو ؟"

شارپر نے بدستور سر جھکا کر کہا " میں بھی تمھارا وفادار رہوں گا۔"

" شاباش! میرا پہلا حکم ہے۔ تم مجھ سے اجازت لیے بغیر کبھی خیال خوانی کے ذریعے میرے دماغ میں نہیں آؤ گے۔"

" میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا۔"

" میں سوئمنگ کے لیے جا رہی ہوں۔ الماری سے نیلے رنگ کا اسکرٹ، بلاؤز اور تولیہ نکال کر لے آؤ۔"

وہ کمرے سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی شارپر نے غلام کو حکم دیا " الماری کھولو اور نیلے رنگ کا اسکرٹ اور بلاؤز نکالو۔"

ایک مورینا کا غلام تھا اور دوسرا غلام کا غلام تھا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ دونوں اس کا لباس اور تولیہ لے کر سوئمنگ پول کی طرف جانے لگے۔ پول کے قریب پہنچ کر شارپر نے اس کا لباس غلام سے لے لیا کیونکہ اسے لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ دونوں پول کے کنارے رک گئے۔ اس کے صاف اور شفاف پانی میں مورینا تیر رہی تھی۔ پانی کا رنگ ہلکا نیلا تھا۔ اس میں وہ چاندی کی مچھلی کی طرح اِدھر سے اُدھر لپک رہی تھی۔ کبھی ابھرتی تھی، کبھی ڈوب جاتی تھی۔ وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ وہ غلام تھے تو کیا ہوا، انسان

بھی تھے۔ ان کے سینوں میں دل تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ عجیب بات تھی، وہ مرد تھے، شہ زور تھے مگر کچھ بھی نہ تھے۔ غلام باقی تو بے پناہ جسمانی قوت کا مالک تھا۔ وہ مورینا جیسی نازک اندام کو ایک مٹھی میں پکڑ سکتا تھا لیکن ان میں سے کوئی اس عورت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ ان کے اندر غلامی کا جو زہر بھرا ہوا تھا، وہ ان کی شہ زوری کو ہلاک کر رہا تھا۔

وہ ایک طرف سے دوسری طرف تیر کر جاتے ہوئے بولی۔ " شارپر! اپنے غلام سے کہو، ٹیلیفون لے آئے۔"

غلام باقی حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔ وہ شارپر سے بولی " تم جانتے ہو، میری ایک چھوٹی بہن ہے ؟"

" ہاں، تم نے بتایا تھا۔ اس کا نام تنانہ ہے۔"

" آج رات اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں منتقل کی جائیں گی۔"

" جو حکم میری مالکہ! کیا میں کچھ مشورہ دینے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

" کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

" اس علم کو کھلونا نہ بنایا جائے۔"

" کیا تم نے یہ کھلونا اپنی چھوٹی بہن کو کھیلنے کے لیے نہیں دیا ہے ؟"

" وہ ہم بھائیوں کی سب سے بڑی حماقت تھی۔ اب میں پچھتا رہا ہوں۔"

" میں نہیں پچھتاؤں گی۔ اپنی بہن کی حفاظت کے لیے یہ علم اسے سکھانا چاہتی ہوں۔"

غلام باقی ٹیلیفون اُٹھا کر لے آیا۔ اسے پول کی سیڑھی کے پاس رکھ دیا۔ شارپر نے کہا " آج تم نے کھانا تیار نہیں کیا ہے، باہر سے لنچ لے آؤ۔ میری مالکہ، تم کیا کھانا پسند کرو گی ؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی " میں اس قدر خوش ہوں کہ بھوک ختم ہو گئی ہے، جو ملے گا کھا لوں گی۔"

وہ غلام باقی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی " مجھے تھام لو۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے آقا کی طرف دیکھا۔ آقا نے کہا " میری مالکہ کا حکم ہے، تعمیل کرو۔"

اس نے مورینا کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بولی " میں تمھیں پول میں آکر اپنے ساتھ تیرنے کے لیے کہوں گی۔ کیا انکار کر سکو گے ؟"

غلام باقی پھر ہچکچاتے ہوئے آقا کو دیکھنے لگا۔ اس نے کہا۔ " تم میری مالکہ کے کسی حکم سے انکار نہیں کرو گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی " میں اسے چاہتی ہوں لیکن یہ مسلمان ہے، اسے قریب آنے سے پہلے میرا مذہب قبول کرنا ہو گا۔"

شارپر نے کہا " یہ میرا غلام ہے، تمھارا مذہب قبول کرے گا۔"

غلام باقی نے اس کے خوبصورت ہاتھ کو جھٹک دیا۔ یکبارگی اُٹھ کر بولا " میرے آقا! میں مجبور ہوں۔ جان دے سکتا ہوں، ایمان نہیں دے سکتا۔"

شارپر نے گرج کر کہا " کیا بکواس کرتا ہے۔ تیری اتنی جرأت کہ میرے حکم سے انکار کرے، آج تجھے کیا ہو گیا ہے ؟"

" آج سے پہلے آپ نے کبھی میرے دین و ایمان کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔"

مورینا نے کہا " میرے سامنے ایمان کفر میں بدل جاتا ہے۔ اگر تمھارے غلام نے انکار کیا تو میں اسے سخت سزا دوں گی۔"

شارپر نے کہا " غلام باقی، میں تمھیں آخری بار حکم دے رہا ہوں۔ میری مالکہ سے کہہ دو، تم اپنا مذہب چھوڑ دو گے اور ہمارا مذہب اختیار کرو گے۔"

" میں ایسا کہنے سے پہلے اپنی زبان جلا ڈالوں گا۔"

مورینا خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس نے شارپر کو حکم دیا " تمھاری خیال خوانی کی صلاحیت بحال ہو گئی ہو تو اسے سزا دو۔"

شارپر نے خیال خوانی کی پرواز کی، کامیاب ہوا۔ اس کے ساتھ ہی غلام باقی کے دماغ کو شدید جھٹکا پہنچایا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ ایک دم سے آگے کی طرف جھکتا ہوا پول کے پانی میں گر پڑا۔ مورینا قہقہے لگا رہی تھی۔ غلام بے انتہا جسمانی قوت کا مالک تھا۔ لہٰذا قوتِ برداشت بھی مضبوط تھی۔ وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اگر نہ سنبھلتا تو پول میں ڈوب جاتا۔ وہ تیرتا ہوا کنارے کی طرف آیا۔ پھر سیڑھی پر چڑھتا ہوا اوپر کی طرف جانے لگا۔ مورینا نے شارپر کو اشارہ کیا۔ شارپر نے گھور کر غلام باقی کو دیکھا۔ پھر اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ پھر اُلٹ کر پول میں پہنچ گیا۔ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے خود کو ڈوبنے سے بچانے لگا۔ وہ قہقہے لگا رہی تھی اور پوچھ رہی تھی " کیا بار بار پول میں گرنا اور ڈوب کر مرنا گوارا ہے ؟"

وہ خود کو سنبھالنے میں مصروف تھا۔ دماغ کے اندر ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ تیرتا ہوا پھر کنارے والی سیڑھی کی طرف آیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ وہ بولی " جاؤ، ہمارے لیے لنچ لے آؤ۔ اس کے بعد تم سے نمٹ لوں گی۔ تم جہاں جاؤ گے، وہاں ذہنی اذیتیں برداشت کرتے رہو گے۔ ایک وقت آئے گا کہ تمھاری برداشت کی قوت کمزور پڑ جائے گی، جب تمھیں یقین ہو جائے کہ عورت کے سامنے ایمان کمزور پڑ جاتا ہے تو میرے پاس چلے آنا۔ میں تمھیں معاف کر دوں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامے ہوئے تھا اور تکلیف برداشت کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مورینا نے کنارے آکر سیڑھی کے اوپری حصے پر بیٹھ کر فون کا ریسیور اُٹھایا۔

نمبر ڈائل کیے۔ پھر رابطہ قائم ہوتے ہی چہک کر بولی "ہیلو تنانہ! میری بہن! میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے بہن نے پوچھا "اوہ موریناﷺ! تم کہاں ہو۔ کبھی کبھی فون پر آواز سناتی ہو۔ پھر غائب ہو جاتی ہو۔"

"میں تمھیں بھی غائب کرنے والی ہوں۔ جہاں کہہ رہی ہوں' وہاں فوراً چلی آؤ۔ ایک سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔ اتنا بڑا سرپرائز آج تک کسی نے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔"

"بات کیا ہے' کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"بالکل نہیں' تم سیدھی یہاں چلی آؤ۔"

"مگر کہاں آؤں؟"

"تم گھر سے نکلو' کار میں بیٹھو' خود بخود یہاں پہنچ جاؤ گی۔"

تنانہ ہنستے ہوئے بولی "کیا تم نے جادو سیکھ لیا ہے؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ لہٰذا جو کہہ رہی ہوں' اس پر عمل کرو' فوراً چلی آؤ۔"

"ابھی آ رہی ہوں۔"

دونوں بہنوں کے درمیان رابطہ ختم ہو گیا۔ شار پر ایک تولیہ لیے مورینا کے پیچھے دست بستہ کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا "یہ مجھ پر ظلم ہے۔ میں غلام کی طرح تمھاری ہر بات مانتا ہوں۔ پتا نہیں میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے' پہلے جیسی سرکشی نہیں رہی۔ بار بار خیال آتا ہے۔ تم نے ٹرانسفارمر مشین کے ذریعے شاید غلام باقی کی غلامانہ عادتوں کو میرے اندر منتقل کر دیا ہے۔"

"میں نے جو بھی کیا ہے' اپنی بھلائی کے لیے کیا ہے۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں تمھارا غلام ہوں۔ بس میری آرزو پوری کر دو' میری بن جاؤ۔"

"جو مجبور ہو گی' وہ تمھاری بنے گی۔ ہماری دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ عورت اگر دولت سے مجبور ہے تو وہ دولت مند کو پسند کرتی ہے۔ کسی فنکار سے مجبور ہے تو کسی فنکار کو قبول کرتی ہے۔ کسی پہلوان سے متاثر ہے تو اسے سب پر ترجیح دیتی ہے۔ میں کیا کروں۔ یہ کمبخت دل اس کالے کلوٹے غلام باقی کے لیے دھڑکتا ہے۔ وہ پہاڑ ہے' پہاڑ جیسے تراش کر آدمی بنا دیا گیا ہے۔"

"میں حسد اور رقابت کی آگ میں جل رہا ہوں۔"

"جلتے رہو اور میری تمنا کرتے رہو۔"

"آج تمھاری بہن تنانہ کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں منتقل کی جائیں گی۔ پلیز' اس کے بعد مجھے اس ٹرانسفارمر مشین سے گزارو اور ان غلامانہ عادتوں کو میرے دماغ سے نکال ڈالو۔ میں تمھارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم اتنے بڑے ٹیلی پیتھی جاننے والے ہو۔ ساری دنیا کو چکر دے رہے ہو۔ مزید یہ کہ اس عجیب و غریب مشین کے مالک ہو اور میری خوشامد کر رہے ہو۔"

"میں مجبور ہوں۔ اس مشین کو آپریٹ کرنے کے لیے کسی بھی قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تم پر یا غلام پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ فی الحال غلام باقی میرے لیے ناکارہ ہے۔ ہم دونوں ہی تمھارے غلام بنے ہوئے ہیں۔ تم ہی مجھے اس غلامی سے نجات دلا سکتی ہو' پلیز۔"

"میرا دماغ خراب نہ کرو۔ مجھے خیال خوانی کے ذریعے اپنی بہن کے دماغ میں رہنا ہے اور اسے یہاں لانا ہے۔"

وہ اٹھ کر اپنا لباس لے کر وہاں سے چلتی ہوئی بیڈ روم میں آ گئی۔ پھر لباس پہننے کے دوران خیال خوانی کرتی ہوئی بہن کے دماغ میں پہنچ گئی۔ تنانہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچ رہی تھی "پتا نہیں' کدھر جانا ہو گا۔ آخر مورینا نے اپنا ایڈریس کیوں نہیں بتایا؟ شاید وہ چھپ کر دیکھ رہی ہے اور اچانک سامنے آ کر سرپرائز دینا چاہتی ہے۔ کوئی بات نہیں' میں بھی ڈرائیو کرتی جاؤں گی۔ دیکھتی ہوں' وہ مجھے کہاں ملتی ہے۔"

وہ سوچ میں گم ہو گئی تھی' خود کا ہوش نہیں رہا تھا کہ کس طرح ڈرائیو کر رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ جب کار رک گئی' تب ہوش آیا۔ دوسرے لفظوں میں مورینا نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ خود کو ایک کوٹھی کے پورچ میں دیکھ رہی تھی اور اس کی بہن مورینا کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہہ رہی تھی "کم آن مائی ڈارلنگ سسٹر!"

وہ حیران اور پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی۔ بہن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کار کے باہر کھینچا۔ پھر اسے چومتے ہوئے بولی "یہ ٹیلی پیتھی ہے۔ تمھیں ہوش بھی نہ رہا اور تم یہاں چلی آئیں۔ جانتی ہو' میں خیال خوانی کر سکتی ہوں' کسی کے بھی دماغ میں پہنچ سکتی ہوں۔"

تنانہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ مورینا نے اسے ہلکی سی چپت مارتے ہوئے کہا "میں جو کہوں' اس پر بے چون و چرا یقین کرتی جاؤ' میری باتیں اچھی طرح سنتی اور سمجھتی جاؤ۔"

شار پر ان سے دور کھڑا ہوا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کا جواب تھیں چونکہ تنانہ کی عمر ذرا کم تھی' اس لیے وہ فتنہ تھی اور مورینا قیامت۔ دونوں کے حسن و جمال میں انیس بیس کا فرق تھا۔ وہ انھیں دیکھتے ہی انیس اور بیس کے بعد کی گنتی بھول چکا تھا۔

دونوں بہنیں کوٹھی کے اندر آئیں۔ مورینا نے بہن کا تعارف شار پر سے کرایا۔ وہ دو دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ مورینا نے کہا "تمھیں اس طرح کبھی یقین نہیں آئے گا۔ میں ابھی ثبوت دیتی ہوں۔ تم ارادہ کر لو کہ اس صوفے پر جا کر نہیں بیٹھو گی اور میں تمھیں بیٹھنے پر مجبور کر دوں گی۔"

تنانہ نے ہنستے ہوئے کہا "واہ' تم میری مرضی کے خلاف مجھ سے کوئی کام کیسے کرا سکتی ہو؟"

"تم ارادہ تو کرو۔"

"چلو' میں نے ارادہ کر لیا۔ میں اس صوفے پر جا کر بیٹھنے کے بجائے تمھارے پیچھے آ کر کھڑی ہو جاتی ہوں۔"

وہ آگے بڑھتی ہوئی بہن کے پیچھے آئی مگر وہاں سے گھومتی ہوئی اسی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ مورینا نے اس کے دماغ کو بڑی حد تک آزاد رکھا تھا۔ وہ سمجھتی جا رہی تھی کہ بے اختیار اس صوفے پر آ کر بیٹھ گئی ہے۔

مورینا نے کہا "اب تم اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے ناک کھجاؤ گی۔"

تنانہ نے ناگواری سے کہا "اوہ سسٹر! یہ بڑی گندی عادت ہے' میں ناک نہیں کھجاؤں گی۔"

دوسرے ہی لمحے وہ بے اختیار ایسا کرنے لگی۔ حیرانی سے بہن کو تکنے لگی۔ پھر یکبارگی اچھل کر کھڑی ہوئی اور دوڑتی ہوئی آ کر بہن کے گلے لگ گئی "اوہ اِٹ از وَنڈرفل' تم تو دنیا کی عجیب و غریب اور ناقابلِ شکست عورت بن گئی ہو۔ کیا تم مجھے ایسا بنا سکتی ہو؟"

"میری جان! اسی لیے تمھیں یہاں بلایا ہے۔ آؤ میرے بیڈ روم میں چلو۔"

وہ اسے بیڈ روم میں لے آئی۔ پھر تینوں فائلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ فرہاد' رسونتی اور سونیا کی فائلیں ہیں۔ انھیں غور سے پڑھو۔"

وہ خوش ہو کر بولی "کیا یہ فرہاد اور اس کی ساتھی عورتوں کی ہسٹری ہے؟"

"ہاں' ان کا تفصیلی ریکارڈ ہے۔ تمھیں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہئیں۔ خصوصاً سونیا کی فائل کو غور سے پڑھنے کی کوشش کرنا' میں بعد میں اس پر بحث کروں گی۔"

تنانہ ایک میز کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ سب سے پہلے میرے نام کی فائل نکالی اور اسے کھول کر تصویر دیکھنے لگی۔ مورینا وہاں سے ڈرائنگ روم میں آ گئی اور شار پر سے بولی "یہ غلام باقی کہاں رہ گیا ہے۔ اب تک لنچ لے کر نہیں آیا؟"

"آتا ہی ہو گا۔"

"تم نے اس کے دماغ کو لاک کرا دیا۔ میں اس کی خبر نہیں لے سکتی۔ تم تو معلوم کر سکتے ہو۔"

شار پر دوسرے ہی لمحے خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا غلام باقی کے پاس پہنچا۔ پھر واپس آ کر بولا "وہ تو اسپتال کے ایک بیڈ پر پڑا ہے۔ کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

مورینا نے ہنستے ہوئے کہا "اسے دو بار دماغی جھٹکے پہنچے ہیں تو دماغ ہی الٹ گیا ہے۔ شہ زوری دھری کی دھری رہ گئی ہے۔ کسی گاڑی سے جا کر ٹکرا گیا۔ اب کیا خیال ہے' کیا تمھیں بھوک نہیں لگ رہی ہے؟"

"ذرا انتظار کرو' میں خود لے آتا ہوں۔"

وہ جانے لگا۔ مورینا نے کہا "ذرا ایک منٹ۔"

وہ رک گیا۔ وہ بولی "تمھیں یاد ہے' میں نے بغیر اجازت اپنے دماغ میں آنے سے منع کیا ہے۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ یہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔"

"اور ایک بات یاد رکھو۔ میری بہن تنانہ کے دماغ میں بھی اس کی اجازت کے بغیر کبھی نہ جانا۔"

"میری حسین مالکہ! میں تمھارے حکم سے کبھی انکار نہیں کروں گا۔"

وہ کوٹھی سے باہر آیا — کار کی اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ پھر اسے اسٹارٹ کرتا ہوا کہیں سے لنچ لانے کے لیے چل پڑا۔ وہ دونوں بہنوں کے خیالات پڑھنا چاہتا تھا۔ سوچ رہا تھا' نہ جانے اس کے خلاف کیا سازشیں ہو رہی ہیں لیکن دماغ میں غلامی کے جراثیم کافی تعداد میں کلبلا رہے تھے۔ مورینا کا کوئی بھی حکم خواہ اس کے خلاف کیوں نہ ہو' اس پر عمل کرنا وہ اپنا فرض اور ایمان سمجھنے لگا تھا۔

وہ مورینا کے ساتھ لنچ کرنے کے بعد اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ پھر آرام سے بیٹھ کر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا دوسرے مسائل میں الجھتا چلا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب پارس زخمی ہو کر استنبول کے اسپتال میں پہنچ گیا تھا۔ جوجو اس کے بستر کے پاس تھی۔ سونیا اور آمنہ ان بچوں کے سامنے ڈھال بنی ہوئی تھیں اور اسرائیلی خفیہ تنظیم کے مسلح افراد اس اسپتال کا محاصرہ کر رہے تھے۔ شار پر کے سامنے دو اہم مسائل تھے۔ ایک تو وہ اپنی بہن جوجو کو وہاں سے نکال لانا چاہتا تھا۔ دوسرے ہر حال میں پارس کو حاصل کر کے اسے یرغمال بنا کے اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے ماں باپ کو کمزور بنانا چاہتا تھا۔ وہ تقریباً تین گھنٹے تک اس مسئلے میں الجھا رہا۔ اسے اپنا ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے' کس حال میں ہے اور کس طرح اس کی ٹرانسفارمر مشین خطرے میں پڑ گئی ہے۔

مورینا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہی تھی "آخر یہ غلام باقی کہاں مر گیا۔ کیا اس کی خبر نہیں لو گے؟"

وہ چونک کر بولا "میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے غلام باقی کے دماغ پر دستک دی لیکن اسے جگہ نہیں ملی۔ اس نے حیران ہو کر سوچا۔ پھر دوبارہ اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی' اسے پھر ناکامی ہوئی۔ اس نے کہا "مورینا! میں اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔"

"کیا کہہ رہے ہو! تم نے تنویمی عمل کے ذریعے میرے وہاں جانے کا راستہ روکا تھا۔ کیا اب تمھارا بھی راستہ رک رہا ہے مگر یہ

کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے تنویمی عمل کرنے والے کے پاس پہنچو اور اس سے پوچھو کہ یہ معاملہ کیا ہے؟"

شار پر نے فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کی لیکن دوسرے ہی لمحے دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ مورینا نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"میں حیران ہوں۔ ڈان فریزر یوگا کا ماہر نہیں تھا۔ میں اس سے تنویمی عمل کا کام لیا کرتا تھا لیکن اب اس کے دماغ میں بھی جگہ نہیں مل رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، ہمارے خلاف سازشوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "سب سے پہلی احتیاطی تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ہم ٹرانسفارمر مشین کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں۔"

مورینا گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ کام ایک گھنٹے بعد بھی ہو گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم پہلے ثنا نہ کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں منتقل کرائیں گے۔ اس کے بعد ٹرانسفارمر مشین کہیں لے جائیں گے۔"

وہ اعتراض کرتے ہوئے بولا۔ "لیکن . . ."

وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ مورینا نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔

"یہ میرا حکم ہے۔"

وہ بے بسی سے ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔"

غلام باقی کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ وہ آدھے گھنٹے تک اسپتال کے بیڈ پر پڑا رہا۔ مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ وہ اسپتال سے جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت تنویمی عمل کرنے والا ڈان فریزر دکھائی دیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "غلام کہاں جا رہے ہو؟"

"آقا میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ میں لنچ لانے کے لیے باہر نکلا تھا کہ حادثے کا شکار ہو گیا۔"

"تم میرے ساتھ چلو گے۔ تمہارے آقا نے حکم دیا ہے، تم پر ایک اور عمل کیا جائے۔"

"میں آقا سے پوچھ کر تمہارے ساتھ جا سکتا ہوں۔"

"تم میرے ساتھ چلو۔ میں فون پر بات کرا دوں گا۔"

وہ اسپتال کے کاؤنٹر پر آیا۔ ڈان فریزر نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے۔ پھر کہا۔ "ہیلو مسٹر کارنل! غلام میرے ساتھ جانے کے لیے آپ سے اجازت طلب کر رہا ہے۔"

اس نے ریسیور غلام کو دیا۔ غلام نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے سنا۔ دوسری طرف سے آقا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ڈان فریزر کے ساتھ چلے جاؤ اور اس کے حکم کی تعمیل کرو۔"

"جو حکم میرے آقا!" وہ ریسیور رکھ کر فریزر کی کار میں آ گیا۔ وہ کار تقریباً بیس منٹ تک وہاں کی شاہراہوں اور چھوٹی بڑی گلیوں سے گزرتی رہی۔ پھر ایک محل نما کوٹھی کے پورچ میں آ کر رک گئی۔ غلام نے پوچھا۔ "مسٹر فریزر! یہ تمہاری رہائش گاہ تو نہیں ہے؟"

"یہاں میرے استادِ گرامی رہتے ہیں۔ میں تمہیں ان سے ملاؤں گا۔"

وہ اندر آئے۔ کوٹھی بہت ہی شاندار تھی۔ بڑے بڑے کمرے تھے۔ ایک خالی کمرے میں بستر بچھا ہوا تھا۔ ڈان فریزر کے حکم کے مطابق غلام اس پر لیٹ گیا۔ اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔ دماغ کو فریزر کے حوالے کر دیا۔ فریزر اپنے مخصوص انداز میں اس پر عمل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ٹرانس میں آ گیا۔ فریزر نے پوچھا۔ "کیا اسپتال میں تم نے اپنے آقا کو دماغ میں بولتے سنا تھا؟"

"میں نے نہیں سنا تھا۔"

"اب سے چوبیس گھنٹے پہلے جب میں نے تم پر تنویمی عمل کیا تو تمہارے دماغ میں ایک اور گرہ لگا دی تھی۔ اس کا علم تمہارے آقا مسٹر کارنل کو نہیں ہے۔ اس گرہ کے مطابق چوبیس گھنٹے کے بعد تمہارا یہ دماغ اپنے آقا کے لیے بھی پرایا ہو چکا ہے یعنی اس قدر لاک ہو چکا ہے کہ وہ تم سے رابطہ قائم نہیں کر سکے گا۔"

غلام باقی چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے کان دوسری آوازوں کو نہیں سن رہے تھے۔ وہ صرف اپنے عامل کی آواز سن رہا تھا اور اس کی باتیں سمجھ رہا تھا اور اس کی باتوں کا جواب دے رہا تھا۔

ڈان فریزر نے کہا۔ "تم پر پہلا عمل میں نے کیا تھا۔ اب دوسرے عمل کے ذریعے پہلے عمل کو باطل کر رہا ہوں۔ تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم پہلے عمل سے آزاد رہو گے۔"

غلام باقی نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ "میں پہلے عمل سے آزاد رہوں گا۔"

"موجودہ عمل کے مطابق تمہارا دماغ اسی طرح مقفل رہے گا۔ تم ایک ہفتے تک کسی بھی پرائی سوچ کی لہر کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیا کرو گے۔"

اس نے وعدہ کیا۔ وہ ایسا ہی کرے گا۔ ڈان فریزر نے کہا۔ "میں حکم دیتا ہوں۔ آج سے ایک ہفتے تک تم اپنے آقا مسٹر کارنل یعنی شار پر کی غلامی بھول جاؤ گے۔ اسے اپنا آقا تسلیم نہیں کرو گے۔"

"میں آئندہ ایک ہفتے تک مسٹر کارنل یعنی شار پر کو اپنا آقا تسلیم نہیں کروں گا اور نہ ہی اس کے کسی حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"موجودہ تنویمی عمل کا اثر قائم رہنے تک تم میرے غلام رہو گے، میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گے۔"

غلام باقی نے وعدہ کیا۔ "تنویمی عمل کا اثر قائم رہنے تک میں تمہارا غلام رہوں گا اور تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"تم ایک گھنٹے کے لیے سو جاؤ۔ بیدار ہونے کے بعد تنویمی عمل کو بھول جاؤ گے۔"

وہ سو گیا۔ ایک گھنٹے بعد بیدار ہوا۔ پلنگ کے سرہانے ایک بڑے سے جگ میں دودھ اور ٹرے میں کئی طرح کے پھل رکھے ہوئے تھے۔ وہ پچھلی رات سے بھوکا تھا۔ پھل کھانے اور دودھ پینے لگا۔ ڈان فریزر نے آ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "تم ایک وقت میں کتنی خوراک کھا سکتے ہو؟"

"میں پانچ آدمیوں کی خوراک تنہا کھا سکتا ہوں۔"

"کیا تم میرے گرو گھنٹال یعنی استادِ گرامی سے ملو گے؟"

غلام باقی نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ڈان فریزر نے کہا۔ "میرے ساتھ چلے آؤ۔"

وہ ساتھ ہو گیا۔ وہ کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے ہال میں پہنچے۔ وہاں دو عدد قد آور بکرے نظر آئے۔ ڈان فریزر نے کہا۔ "یہ میرے گرو گھنٹال کا ڈائننگ ہال ہے، وہ یہاں کھانا کھایا کرتے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک بھیانک قہقہہ سنائی دیا۔ غلام باقی نے چونک کر چاروں طرف گھومتے ہوئے دیکھا۔ ہال میں قہقہہ گونج رہا تھا۔ پھر ایک دروازہ کھلا۔ ساڑھے چھ فٹ اونچی چٹان کی طرح کوئی شخص نظر آیا۔ سر کے بال شانوں تک بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی سرخ انگارا جیسی تھیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا تو یوں لگتا جیسے دو سرخ الاؤ روشن ہو گئے ہیں۔ غلام باقی نے محسوس کیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکے۔ دیکھے گا تو سر تھام کر بیٹھ جائے گا۔ یا اس کی طرف کھنچتا چلا جائے گا۔

وہ ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ اس کا سینہ چٹان کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ بازو اتنے مضبوط اور ایسے لانبے تھے کہ وہ بیک وقت چار آدمیوں کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر دبوچ سکتا تھا۔ اس نے غلام باقی کو دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ پھر ڈان فریزر سے پوچھا۔ "کیا تم اسے میری خوراک دکھانے لائے ہو؟"

"گرو دیو! یہ غلام اب میرا غلام ہے۔ یوں سمجھ لیں، آپ کا غلام ہے۔"

اس نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس ہال کی چار دیواری میں اس کا قہقہہ بادل کی طرح گرج رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "دیکھو غلام باقی! دیکھو، میں کیا ہوں۔"

اس نے اپنے پاؤں کے نیچے پختہ فرش کو دیکھا، اس فرش کو ایک پاؤں سے سہلایا۔ پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے ایک عجیب طرح کا وحشت ناک نعرہ لگاتے ہوئے اپنے پاؤں کو اٹھا کر فرش پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پختہ اور مضبوط فرش اندر کی طرف دھنس گیا۔ پاؤں کے آس پاس کی سیمنٹ تڑخ گئی تھی۔ وہ قہقہے لگاتے ہوئے آگے بڑھا، واقعی ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا۔ غلام باقی بڑے غور سے اس کے قدموں کو دیکھ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، جہاں اس کے قدم پڑیں گے، وہاں کی زمین دھنس جائے گی لیکن وہ آرام سے چل رہا تھا۔ اور ایک ہاتھ آگے بڑھا کر ایک بکرے سے کہہ رہا تھا۔ "آجا، آجا میری خوراک، آ بھی جا۔"

بکرا اس سے دور جانے لگا۔ پھر اپنے پیچھے آنے والے سے بچنے کی خاطر دوڑنے لگا۔ اچانک اس گرو گھنٹال نے زور کا ایک دہشت ناک نعرہ لگایا۔ پھر یکبارگی فضا میں چھلانگ لگائی۔ جب فرش پر پہنچا تو بکرا اس کے ایک بازو کے شکنجے میں آ گیا تھا اور جہاں وہ چھلانگ لگانے کے بعد گرا تھا، وہاں کا پختہ فرش بھی . . . . تڑخ گیا تھا۔ غلام باقی اس کی درندگی دیکھ رہا تھا۔ اس نے بکرے کو دبوچنے کے بعد اس کی گردن سے اپنا منہ لگا دیا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تو اس کے بڑے بڑے دانتوں کے درمیان بکرے کی گردن کا گوشت، کھال اور نرخرہ دکھائی دیا۔ اس نے ان سب کو ایک طرف تھوک کر کٹے ہوئے نرخرے سے منہ لگا دیا۔ پھر خون پینے لگا۔ وہ قد آور پہاڑی بکرا آخری بار شدت سے تڑپ رہا تھا لیکن اس درندے کی گرفت سے نکل نہیں پا رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک خون پینے کے بعد اس نے بکرے کی دونوں ٹانگوں کو دو مٹھیوں میں جکڑ لیا۔ پھر ایک جھٹکے سے انھیں چیر ڈالا۔ یہ قوتِ بازو کا حیرت انگیز مظاہرہ تھا۔ ٹانگیں چیرتے ہی بکرے کے اندر سے آلودگی خون اور ہڈیاں باہر آ کر کچھ اس پر اور کچھ فرش پر گرنے لگیں۔ خون پینے کے بعد جیسے اس پر خون سوار ہو گیا تھا۔ اسے غلاظت کا ایک ذرا احساس نہیں تھا۔ وہ بکرے کے پیٹ میں منہ ڈال کر دانتوں سے بوٹیاں نوچ نوچ کر کچی چباتے جا رہا تھا۔

دوسرا بکرا چلا رہا تھا۔ اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔ اس ہال سے باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اچانک گرو گھنٹال اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے دوڑتے ہوئے ایک چھلانگ لگائی۔ فضا میں اچھلتا ہوا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کو بھی دبوچ لیا۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو رہا تھا۔ اس کے نرخرے کو دانتوں سے کاٹنے کے بعد اس کا لہو پی رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں چیر رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں منہ ڈال کر کچا گوشت چبا رہا تھا۔ اب اس کے حلق سے درندوں جیسی غراہٹ نکل رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر کو جھٹک کر زور سے گرجتا تھا اور اس طرح ڈکار لیتا تھا، جیسے درندہ مزید خوراک طلب

کررہا ہو۔ پھر وہ غلام باقی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ کہنے لگا "اسے کیا دیکھتا ہے رے، میں اگر وشیطان کا پجاری تھا۔ میں کالی ماتا کا پجاری ہوں۔ میں کالا علم بھی جانتا ہوں اور تنویمی عمل بھی آج میں نے کالے علم سے معلوم کیا ہے۔ وہ ٹرانسفارمر مشین میرے ہاتھ آئے گی اور آج رات آئے گی۔"

اس قدر خون پینے اور کچا گوشت کھانے کے باعث دماغ میں گرمی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر اُبل رہا تھا۔ جنون میں مبتلا ہو رہا تھا۔ ڈان فریزر غلام باقی کا ہاتھ پکڑ کر ہال سے باہر لے آیا۔ دروازے کو بند کر دیا۔ پھر وہ دونوں ایک کھڑکی کے پاس آ کر دیکھنے لگے۔ غلام باقی حیرانی سے سوچ رہا تھا "یہ گرو گھنٹال کون ہے؟ بزدل تو نہیں ہوں۔ وقت آنے پر اس سے ٹکرا سکتا ہوں لیکن اس کی جسمانی قوت دوسروں کو دہشت زدہ کر دیتی ہو گی اور یہ اس کے کھانے کا کوئی انسانی طریقہ ہے؟ ایسا تو صرف جنگل کے درندے ہی شکار کو چیرتے پھاڑتے اور اس کا لہو پیتے اور گوشت چباتے ہیں۔ پھر یہ کالا علم جانتا ہے۔ ہپناٹزم کا ماہر ہے۔ آخر یہ کون ہے؟"

ہال میں اب دونوں بکروں کی ہڈیاں اور کھال نظر آ رہی تھی۔ گرو گھنٹال سارا کا سارا گوشت کھا چکا تھا۔ اب اُچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دوڑتا ہوا جا کر کبھی اس دیوار سے کبھی اس دیوار سے ٹکرا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس طرح گرج رہا تھا جیسے دیوار توڑ کر نکلے گا اور سامنے آنے والوں کو بھی چیر پھاڑ کر کچا چبا جائے گا۔ ہال میں آنے جانے کا دروازہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اگر لکڑی کا ہوتا تو ایک ہی ٹکر میں اسے توڑ کر باہر چلا آتا۔

ڈان فریزر بڑے فخر سے اپنے گرو گھنٹال کو دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا "یہ بڑے بڑے پُراسرار اور ہیبت ناک علوم جانتا ہے۔ صرف ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے کے لیے برسوں سے بے چین تھا۔ آج یہ حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔ وہ مشین ہمارے پاس آ جائے گی۔"

"مگر یہ تو جنونی درندہ بن گیا ہے۔ مشین کیسے حاصل کرے گا؟"

"یہ ابھی شانت ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر تک جنون میں مبتلا رہنے کے بعد اچانک زمین پر گرے گا اور گہری نیند سو جائے گا۔ بیدار ہونے کے بعد یہ ہمیں پلاننگ بتائے گا کہ مشین تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ یہ میں نہیں جانتا کہ مشین کیسے حاصل ہو گی لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں میرے گرو گھنٹال کا نام بہرام گنگولی ہے اور بہرام گنگولی نے آج تک ناکامی کا مُنہ نہیں دیکھا۔ بس چند گھنٹے کی بات ہے۔ آج رات وہ مشین جب ہمارے ہاتھ آئے گی تو دنیا کی خطرناک تنظیمیں اور بڑی بڑی طاقتیں میرے گرو گھنٹال کے قدموں میں ہوں گی۔"

اس دلچسپ داستان کے باقی واقعات
اٹھارھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیے۔